الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

نور العرفان

تذکرہ

الحاج قطب الاقطاب مولوی محمد امین قریشی اویسی کشمیری

روایان

• ڈاکٹر محمد رمضان • محمد نور الدین صوفی

ناشر
محمد جمال ڈار اویسی ہری داؤ پور

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون

نور العرفان

تذکرہ

الحاج قطب الاقطاب مولوی محمد امین قریشی اویسی کشمیری

روایان

ڈاکٹر محمد رمضان

محمد نور الدین صوفی

ناشر

محمد جمال ڈار اویسی ہٹی وارہ پانپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ ولی الذین آمنوا یخرجهم من الظلمٰت الی النور

نور العرفان

سوانح و فرمودات

الحاج قطب الاقطاب مولوی محمد امین قریشی اویسی کشمیری

تصنیف و تالیف

جناب محمد نور الدین اویسی

جناب ڈاکٹر محمد رمضان اویسی

نامِ کتاب : نورالعرفان

مصنف : خواجہ نور محمد صوفی، خواجہ ڈاکٹر محمد رمضان اویسی

اشاعت : ۲۰۰۷ء

حسب ارشاد : حاجی محمد امین الدین اویسی مدظلہ العالی

ناشر : برادرانِ سلسلہ اویسہ

زیر قیادت : جناب محمد جمال ڈار اویسی ہٹی وارہ لتہ پورہ

بتعاون : محمد افضل راتھر صاحب
نعیم احمد صاحب
محمد یوسف شیخ صاحب

زیر اہتمام : محمد سبحان صوفی کدلہ بل پانپو

:

ملنے کا پتہ : محمد جمال ڈار صاحب اویسی ہٹی وارہ پانپور
شاہ ہمدان بک ڈپو کدلہ بل پانپور کشمیر (۱۹۲۱۲۱)

ہدیہ :

فہرست مشمولات

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	حمد باری تعالیٰ	۱
۲	درود منظوم	۲
۳	نعتِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم	۴
۴	نقیر	۵
۵	شجرہ عالیہ اویسیہ	۶
۶	دیباچہ طبع سوم	۷
۷	عرضِ حال	۹
۸	تلاشِ حق	۱۱
۹	گذارشِ احوال	۱۳
۱۰	ذٰلِکَ الْکِتٰبُ	۱۴
	حصہ اول	
۱۱	سلسلہ اویسیہ کا اجمالی بیان	۱۹
۱۲	مسئلہ تقدیر	۲۳
۱۳	کائناتِ خداوندی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع ہے	۲۷
۱۴	حضور قبلہ عالمؒ کی فضیلت نسبی	۳۵
۱۵	حضور قبلہ عالمؒ کی ابتدائی تعلیم	۳۸
۱۶	حضرت مولانا نور الزمان شاہ صاحبؒ سے تحصیل علم	۴۱
۱۷	حضرت مولانا نور الزمان شاہ صاحبؒ سے بیعت	۴۴
۱۸	نابینا استاد کی مرتے دم تک خدمت	۴۵
۱۹	فراقِ شیخ کی تڑپ	۴۶
۲۰	ویران مقبرے میں خلوت اور تکمیل ولایت کی خوشخبری	۴۷
۲۱	صاحبزادہ فخر الزماںؒ کے عقیدت مندوں کا حضورؒ سے بدظن ہونا	۵۰
۲۲	خلافت کا اشارہ	۵۲
۲۳	مارٹی انڈس اسٹیشن کے مجذوب کا واقعہ	۵۳
۲۴	حب کی اصلیت	۵۵
۲۵	صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس	۵۶
۲۶	حج بیت اللہ کا واقعہ	۵۸
۲۷	عطائے خلافت	۶۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	حضور قبلہ عالمؒ کا وطن کو مراجعت	۶۴	۴۳	عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ان کے خاندان کا بیعت ہونا	۱۳۹
۲۹	حاجی فتح محمد خان کے گھر مولانا سید رسول صاحب سے تحصیل علم	۶۷	۴۴	محترمہ سارہ بیگم کا قبول اسلام	۱۴۰
۳۰	علاقہ ٹھوہار کے استاد کا حضوری ہونا	۷۲	۴۵	سخی صاحب کے والد کی وفات	۱۴۴
۳۱	مصنوعی پیر کی فقیری کا حقیقی روپ اختیار کرنا	۷۳	۴۶	میم صاحبہ کا پاکستان جانے سے انکار اور سخی صاحب کی وفات	۱۴۶
۳۲	موروثی جائیداد بھائیوں کو بخشنا	۷۵	۴۷	پنڈت شری دھر (ڈی، الیف، او) کی درود خوانوں میں شمولیت	۱۴۹
۳۳	مولانا عبدالرزاق بخاری سے ملاقات	۷۶	۴۸	ڈاکٹر ایس کے۔ اتری کا قبلہ پیر صاحب سے مجادلہ	۱۵۲
۳۴	بارہمولہ کی مسجد میں مناظرہ پر حضور کی تنبیہ	۷۷	۴۹	نورالدین کی کہانی خود اس کی زبانی	۱۵۳
۳۵	ارسلان خان کا بیعت ہونا	۷۹	۵۰	محمد لطیف قریشی اور ان کے خاندان کا بیعت ہونا	۱۶۴
۳۶	ایک ولی موت پر قادر ہے	۸۲	۵۱	حضرت امام مہدی علیہ السلام اور مہدیت	۱۷۰
۳۷	انسان ملائکہ سے افضل بن سکتا ہے۔	۸۴	۵۲	نور محمد صوفی فرماتے ہیں	۱۷۳
۳۸	خواجہ عبدالکریمؒ زرگر کا بیعت ہونا	۹۱	۵۳	نور محمد صوفی شرابی کا خواب اور اس کا درود خوانوں میں شامل ہونا	۲۰۳
۳۹	خوف آخرت اسلام کا بنیادی مقصد ہے۔	۱۰۵	۵۴	حُب رحمت اللعالمین کے اثرات	۲۱۲
۴۰	اسلام میں خلافت کا تصور	۱۰۸	۵۵	سلسلہ اولیسیہ کی خصوصیت	۲۱۸
۴۱	اسلام میں خلیفہ کے لیے خصوصی شرائط	۱۱۰			
۴۲	راجہ سخی ولایت خانؒ کا قبول اسلام اور ولایت سے مشرف ہونا	۱۲۹			

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۶	ماسٹر غلام محمد مریدوں میں شامل ہو گئے	۲۱۹
۵۷	عبدالعزیز درود شریف پڑھنے سے صحت مند ہو گئے	۲۲۱
۵۸	ایک واعظ صاحب کے عجیب و غریب حالات	۲۲۶
۵۹	پیر غلام نبی رفوگر۔ ناؤپورہ	۲۳۰
۶۰	محکمہ جنگلات کے ٹھیکیدار عبدالاحد کا واقعہ	۲۳۳
۶۱	مقامِ محبوبیت	۲۳۵
۶۲	راجہ علی اکبر خاں اور اس کے خاندان کی عجیب کہانی (نورالدین کی زبانی)	۲۴۰
۶۳	شیرو ڈاکو کا مرید بن کر ولایت سے سرفراز ہونا	۲۸۴
۶۴	لالہ وارث علی کا مرید ہونا	۲۸۶
۶۵	چکاریں مریدوں کے عجیب و غریب حالات	۲۸۷
۶۶	حضور رح کا اپنے مریدوں کی وقتِ آخرت دستگیری فرمانا	۳۱۱
۶۷	ولی کے کمالات تین طرح کے ہوتے ہیں	۳۱۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۸	نورالدین کی ہجرت	۳۲۰
۶۹	حضور رح کے تین پھل	۳۲۳
۷۰	مسز ہڈگن۔ ایک امریکی خاتون کی سرگزشت	۳۳۲
۷۱	ڈاکٹر ایس کے۔ اتری درود خوان بن گئے	۳۴۱
۷۲	پنڈت جیا لعل کا بیعت ہونا	۳۴۲
۷۳	حبیب آخون کی وفات پر دستگیری	۳۴۵
۷۴	معجزات انبیاء کی حقیقت	″
۷۵	سید عبدالخالق اندرابی کا واقعہ	۳۴۹
۷۶	ترال کے نقشبندی پیر کی بیعت	۳۵۶
۷۷	سید حسین شاہ کشتواڑی کا مرید ہونا	۳۵۸
۷۸	مولوی عبدالجبار سوپوری کا مرید ہونا	″
۷۹	جنگلی درندوں کا مسخر ہونا	۳۶۳
۸۰	ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ	۳۶۶
۸۱	ڈاکٹر غلام محمد شاہ کے والد بزرگوار کی بیعت	۳۶۸
۸۲	غلام قادر آہنگر کا واقعہ	۳۶۹
۸۳	شریعت اور طریقت علیحدہ نہیں	۳۷۰
۸۴	استدراجی عمل اور مراتب تصوف	۳۷۴
۸۵	صلوا کی تشریح	۳۸۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۶	حضرت خواجہ اویس قرنی رضؓ کی نسبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۳۸۶
۸۷	وظائف اویسیہ	۳۹۰
۸۸	آپؒ پر بھی آزمائشیں ہوئیں	۳۹۲
۸۹	سفرِ حج	۳۹۷
۹۰	محمد اسماعیل اور محمد صدیق میمنی کا بیعت ہونا	۳۹۹
۹۱	واقعاتِ حرمین شریفین	۴۰۰
۹۲	حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم	۴۰۱
۹۳	سقوطرہ کے قریب طوفان کا ٹلنا	۴۰۴
۹۴	بخشی غلام محمد کی وزارتِ عظمیٰ سے برطرفی	۴۰۵
۹۵	موئے مقدس کی چوری اور بازیابی	۴۰۶
۹۶	سفرِ آخرت کی تیاری	۴۰۷
۹۷	لیلۃ الحزن	۴۰۹
	حصہ دوم	
	(فرمودات حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ)	
۹۸	حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم	۴۱۵
۹۹	علم و دانائی	۴۱۶
۱۰۰	تقویٰ	۴۱۷
۱۰۱	کبریائی	۴۱۷
۱۰۲	ان اکرمکم عند اللہ اتقکم	۴۱۸
۱۰۳	خلیفہ فی الارض	۴۱۹
۱۰۴	انسان کی پستی کا سبب فطری قانون سے انحراف ہے	۴۲۰
۱۰۵	نماز میں اجتماعیت کا تصور محض دین کے لیے ہے حصولِ دین کے لیے نہیں	〃
۱۰۶	فرمودہ "اکثر عذاب قبر، عذاب حشر کا تصور کیا کرو۔"	۴۲۱
۱۰۷	عبدیت	〃
۱۰۸	فرمودہ "اللہ کی خوشنودی کے لیے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بناؤ"	۴۲۲
۱۰۹	حضور قبلہ عالمؒ کا وعظ سننے سے بھی حضوری ہو جاتی ہیں	۴۲۵
۱۱۰	نفس امارہ کی تفصیل	۴۲۶
۱۱۱	شہوانی قوتوں کو خیر میں استعمال کرنے اور قابو میں رکھنے کے لیے خوف پیدا ہونا ضروری ہے	۴۲۸
۱۱۲	فرمودہ "انسانیت کی تکمیل حبِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔"	۴۳۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۱۳	آداب انسانیت	۴۳۴
۱۱۴	آداب مجلس	۴۵۳
۱۱۵	آداب معاشرت	۴۵۶
۱۱۶	آداب ہمسائیگی	۴۶۳
۱۱۷	آداب دوستی	۴۶۵
۱۱۸	آداب شریعت	۴۷۱
۱۱۹	آداب طریقت	۴۹۲
۱۲۰	حقیقت حمد	۵۰۲
۱۲۱	طریقت شریعت سے الگ نہیں	۵۰۶
۱۲۲	حقیقت بنائے اسلام	۵۱۶
۱۲۳	متشابہات علم کے تین ذرائع	۵۱۷
۱۲۴	فنا	۵۲۲
۱۲۵	اقطاب کی مجلس مشاورت	۵۲۵
۱۲۶	اصول طریقت	۵۲۹
۱۲۷	آدابِ مرشدی	۵۳۱
۱۲۸	اہل حدیث حضرات کے سوال کا جواب	۵۳۴
۱۲۹	تصور پیر	۵۴۰
۱۳۰	حضورؐ کے اوصاف حمیدہ	۵۴۶
۱۳۱	آداب مریدی	۵۵۳
۱۳۲	آداب مریدی میں خدمت پیر کے چند آداب	۵۶۴
۱۳۳	ہمہ اوست وہمہ ازاوست کی تفصیل	۵۶۷
۱۳۴	روحانی اور مادی محقق میں فرق	۵۹۲
۱۳۵	نظریہ ڈارون ونظریہ آواگون کارد اور مسئلہ وحدت وجود	۵۹۷
۱۳۶	سنداتِ علوم ظاہری وباطنی	۶۰۷ ۶۰۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد باری تعالیٰ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝
مٰالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝

ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ۝ ھُوَ اللّٰہُ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ سُبْحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ ھُوَ اللّٰہُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی یُسَبِّحُ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۝

درودِ منظوم

از

رأس التابعین امام العاشقین سیّدنا خواجہ اویس قرنی رضؓ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رَأْسِ فَرِیْقِ النَّاس
مِنْهُ لِلْخَلْقِ اَمَانٌ بِزَمَانِ الْبَاسِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ فِیْ حِرْزِ غَدٍ
کُلُّ مَنْ یَظْمَأُ یَسْقِیْهِ رَحِیْقَ الْکَاسِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ بِرَجَاءِ الْکَرَمِ
خَصَّ مَنْ جَاءَ اِلَیْهِ لِعُمُوْمِ النَّاسِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مُوْنِسِ کُلِّ الْبَشَرِ
مُبْدِلِ الْوَحْشَةِ فِی الْقَبْرِ بِاُمْنِیْنَاسِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی رُوْحِ رَئِیْسِ الرُّسُلِ
نَقْتَدِیْ نَحْنُ عَلٰی اَرْجُلِهٖ بِالرَّاسِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی ذِیْ نِعَمٍ دَائِمَةٍ
اَنْعَمَ الْیَوْمَ عَلَی الْخَیْرِ بِلَا مِقْیَاسِ

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی صَاحِبِ شَرْعٍ حَسَنٍ
فَرَّقَ النَّاسَ مَتٰی جَاءَ مِنَ الْنَّسْنَاسِ

صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی ذِی کَرَمٍ اُمَّتُہٗ
تَدْخُلُ الْجَنَّۃَ فِی الْحَشْرِ بِلَا وَسْوَاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ لَوْلَاہُ لَمَا
یَشْمُلُ النَّامِیَۃُ الْکَوْنَ مَعَ الْحَسَّاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مِنْ عِصْمَتِہٖ
یَعْصِمُ الْحَقُّ مُحِبِّیْہِ مِنَ الْخَنَّاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مَنْ عَاذَ بِہٖ
لَمْ تَصِلْ قَطُّ اِلَیْہِ یَدَیِ الْوَسْوَاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ ھُوَ مِنْ بَارِقَۃٍ
اَلسَّیْفِ قَدْ اَذْھَبَ قَطْعًا بَصَرَ الشَّمَّاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی صَاحِبِ نَوْعِ الشَّرَفِ
مَیَّزَ النَّاسَ بِہِ الْفَضْلَ مِنَ الْاَجْنَاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ لِنَخِیْلِ الْکَرَمِ
فِیْ رِیَاضِ الْاُمَمِ الْیَوْمَ لَنَا الْغَرَّاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ بِغِنَاءِ الْکَرَمِ
مِنْ بُیُوْتِ الْفُقَرَآءِ یَذْھَبُ بِالْاَفْلَاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی عِتْرَتِہِ الطَّاھِرَۃِ
وَعَلَی الصَّحْبِ مَعَ الْحَمْزَۃِ وَالْعَبَّاسٖ
صَلِّ یَارَبِّ عَلٰی مَنْ لِاُوَیْسٍ مِنْہُ
طَھُرَ الْقَالَبُ وَالْقَلْبُ مِنَ الْاَدْنَاسٖ

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

نہیں تعریف ممکن انس و جان سے — کہ وہ محبوبِ ربِ کبریا ہے
بشر تمثیل یک حرفِ عیاں ہے — وجود ان کا خلق سے ماوریٰ ہے
انہیں کے نور سے روشن جہاں ہے — کہ وہ وجہِ ظہورِ دو سرا ہے
زمین و آسمان صرفِ ثنا ہے — ہوا جب سے ظہورِ مصطفیٰ ہے
مشرف کر دیا انساں کو جس نے — وہ نورِ مصطفیٰ از ابتدا ہے
مثالِ حُسنِ احمدؐ نیست جز ایں — کہ یوسف پرتوِ بدر الدُّجےٰ ہے
نہیں جُز عشقِ احمدؐ کام اپنا — کہ وہ ہر انس و جاں کا مُدعا ہے
فرشتے کیوں نہ دیں سجدہ بشر کو — کہ اس میں پرتوِ شمس الضُّحیٰ ہے
رضائے حق اسی پر منحصر ہے — ملی جس کو رضائے مُصطفیٰؐ ہے
کشادہ کیجئے اب دستِ رحمت — کھڑا مدت سے در پر یہ گدا ہے
ملی ہے نُور کو نسبت اُویسیؓ — کرم اس پر امینؒ کا یہ ہوا ہے

فقیر

فَآءُ الْفَقِیْرِ فَنَآئُہٗ فِیْ ذَاتِہٖ
وَالْقَافُ قُوَّتُ قَلْبِہٖ بِحَبِیْبِہٖ
فَرَاعُہٗ عَنْ یَعْنِہٖ وَصِفَاتِہٖ
رَجُوْعُہٗ لِلّٰہِ عَنْ مَّرْضَاتِہٖ
وَالْیَآءُ یَرْجُوْرَبَّہٗ وَیُخَافُہٗ
وَالرَّآءُ رِقَّۃُ قَلْبِہٖ عَنْ حَبِیْبِہٖ
وَیُقِیْمُ بِالتَّقْوٰی بِحَقِّ تُقَاتِہٖ
رَجُوْعُہٗ لِلّٰہِ عَنْ شَہْوَاتِہٖ

(جناب شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ)

شجرہ عالیہ اُویسیہ

میّسر رکھ ہمیں تا حشرِ عالم   الٰہی نسبتِ شاہِ دو عالم
بحقِ حضرتِ شاہِ ولایت   علیؓ مرتضٰی شاہِ مُعظّم
بحقِ واقفِ سرِّ حقیقت   اویسؓ قرن آں عاشقِ مکرّم
بحقِ وارثِ فیضِ اویسیؒ   لطیفِ نکتہ دان مشہورِ عالم
بحقِ عالمِ علمِ لدُنی   فقیرِ لونگ سندھیؒ قبلۂ عالم
بحقِ کاملِ علمِ شریعت   ولیِ بے بدل عارفؒ مکرّم
بحقِ آفتابِ علم و عرفان   شہِ نور الزمانؒ فخرِ دو عالم
بحقِ ماہِ کامل قبلۂ ما   متاعِ جاں آمینِ حرزِ جانم
بحقِ تحفۂ شاہِ رسالتؐ   ولی عبدالکریمؒ آں خواجۂ عالم
بحقِ او سخیؒ است در ولایت   عطیۂ مصطفٰیؐ و ابنِ مریمؑ
بحقِ وارثِ فیضِ امینیؒ   امین الدین امانت دارِ دیم
دیا شجرہ مرتب نورالدین نے   بگوید پیر ماہست ایں غلامم
الٰہی میرے احبابِ وفا کو!   اویسی سلسلہ پر رکھ تو قائم
ملے عرفانِ حق ہر یک نفس کو   رہیں مسرور سب در عشقِ دائم

دیباچہ طبع سوم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ أَلَا إِلَى اللّٰهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ۝ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲۔۵۳)

گذشتہ نور العرفان میں جناب الحاج محمد امین صاحب اویسیؒ قطب الاقطاب۔ ولی اکمل کے اوصاف۔ صفاتِ ولایت کا ذکر ہوا تھا کہ ولی اکمل کی سوانح کے مطالعہ سے۔ ان کے کردار وعمل سے راہِ مستقیم کی نشان دہی حاصل ہو۔ لیکن کسی مستند صحیفہ کے مطالعہ کے لیے۔ ضروری ہے کہ قاری کے ذہن میں۔ صحیفہ کی تنقید وتائید میں۔ قبل از وقت ایک مستند علم محفوظ ہو۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ صحیفہ کی مقبولیت میں کتاب کا وسیع مطالعہ ہو۔ یعنی کتاب میں بجائے افسانوی واقعات کے مدلل حقائق پیش کئے گئے ہوں تاکہ قارئین کو جو کسی بھی مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہوں۔ اپنی علمی حیثیت پرکھنے کا موقع ملے۔ کہ کوئی کس حد تک علمی مواد رکھتے ہوئے اپنے مقصدِ حقیقی پانے میں۔ کامیابی حاصل کرنے میں صحیح راہِ مستقیم پر منزلِ مقصود پر جا رہا ہے۔

اس سلسلہ میں صحیفہ "نور العرفان" میں بعض مقاماتِ معرفت کی ضمناً نشان دہی کی گئی تھی۔ ایک ولی کی سیر میں جو مقامات۔ یا مراتب پیش آتے ہیں۔ اولیا نے ان مراتب کی درجہ بندی کی ہے۔ جن میں خصوصی طور چند مراتب کا ذکر آتا ہے۔ جو (۱) عالم ناسوت (۲) عالم ملکوت (۳) عالم جبروت (۴) عالم لاہوت، سے متعارف ہیں (ان عالموں کی تفصیل۔ کتاب حقیقت تصوف میں بیان کی گئی ہے)۔

ان مراتب کی کُلّی تکمیل پر ایک طالب حق۔ "ولی اکمل" کی صفت سے پکارا جاتا ہے۔ یعنی ایک ولی اکمل ان تمام منازل ومراتب کو طے کر کے معرفتِ الٰہی کی تکمیل کر چکا ہوتا ہے۔ ایسا فرد ہی جو اسرارِ الٰہی کے مشاہدہ اور معرفت میں کلی طور مراتب طے کر چکا ہو۔ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اس کی راہنمائی میں منازلِ عرفان طے کر کے۔ مقصدِ حقیقی پا لیا جائے۔

مذکورہ مراتب کا ذکر اس لیے کیا گیا۔ کہ فی زمانہ طریقت میں۔ ایسے شعبدہ باز فقراء پائے جاتے ہیں۔ جن کی اطاعت میں۔ بعض فہمیدہ اور صاحب علم لوگ عقیدت میں۔ غلط راستہ پر عمل کرتے ہیں حالانکہ طریقت ایسے عمل کو تسلیم نہیں کرتی۔ ایسے فقرا بد قسمتی سے عالم ناسوت کے مراتب میں چند کرامات کے مظاہرہ سے لوگوں کو اپنا مطیع بناتے ہیں۔ جن سے حقیقتاً راہِ حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی۔ حقیقتاً ان منازل میں عالم ناسوت ایسا ادنیٰ مقام ہے۔ جس میں ادنیٰ طریق تزکیہ نفس سے کمالات و کرامات کا صدور ہوتا ہے مثلاً دل کے چھپے راز سے آگاہ ہونا۔ قبروں کے حالات بتانا۔ بیماروں کو صحت مند کرنا۔ ہوا میں اڑنا وغیرہ۔ (جن کا اظہار ایک غیر مذہب ہندو، عیسائی وغیرہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ عمل ولایت (فقر) میں شمار نہیں ہوتا) جنہیں دیکھ کر عام۔ سادہ لوگ۔ ناسمجھی میں۔ حقیقی فقیری (طریقت) سمجھ کر قبول کر کے اپنا وقت ضائع کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ عوام المسلمین کو اصل راہِ حقیقت کی نشاندہی کر کے ایک ایسے علم کو پیش کیا جائے جو فی الواقع قرآن و حدیث سے ماخوذ ہو۔ جس کے لیے ایک پیر اکمل صاحبِ ولایت ہستی کے اوصافِ حمیدہ کے تذکرہ سے راہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ یقین کیا جا سکتا ہے۔ کہ نور العرفان میں۔ ایک ولی اکمل کے کردار و اوصاف کی ترجمانی کی گئی ہے۔ کہ طریقت اور ولی اکمل میں راہِ مستقیم میں۔ کن اوصاف کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے۔ جن سے مقصد حقیقی (معرفتِ الٰہی) کی تکمیل ہو۔

اسی واحد مقصد کو زیر نظر رکھتے ہوئے۔ گذشتہ مضامین میں چند اضافی حقائق کی وضاحت کو۔ نور العرفان میں شامل کیا گیا۔ تاکہ قارئین کے لیے حصول مقصد میں۔ توجہ۔ دل چسپی سے۔ مقصد پانے میں آسانی میسر ہو۔ نیز کتاب کی اصلاح سے راہِ مستقیم کی صحیح نشاندہی ہو کر مخلوق کے لیے۔ آسان راہِ معرفت حاصل ہونے میں آسانی ہو۔

العارض

محمد نور الدین اویسی، ابنی کشمیری

محررہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۱۳ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرض حال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یَفْتَحُ بِحَمْدِہٖ کُلَّ رِسَالَۃٍ وَّمَقَالَۃٍ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الْھَادِیْنَ مِنَ الضَّلَالَۃِ ۔

اپریل ۱۹۶۸ء میں حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے چہلم پر جب کہ خطۂ کشمیر کے مختلف قصبات اور دیہات سے مریدوں کا ایک جم غفیر کا نیرہ میں موجود تھا راقم نے حضور قبلہ عالم کی مبارک زندگی کے کچھ حالات حاضرین کے سامنے پیش کئے۔ جن کو سن کر سب حاضرین انتہا درجہ محظوظ ہوئے۔ اسی وقت چند حضرات نے یہ خواہش کی کہ حضور قبلہ عالم کی زندگی کے حالات قلمبند کرنا نہ صرف سلسلہ اویسیہ کے مریدوں کی اشد ضرورت ہے۔ بلکہ عام لوگوں کے لئے بھی ایمان کی تازگی اور حقیقت سے لگاؤ کے سامان فراہم ہوں گے۔ ستم ظریفی یہ کہ بار عظیم اپنے سر لے لیا۔

سیرت نگاری ایک بہت بڑا فن ہے۔ جس کے لیے علمی، ادبی، فنی صلاحیتوں سے ایک مصنف کا پوری طرح آراستہ ہونا ضروری ہے۔ راقم کو ہر لحاظ سے اپنی کم مائیگی اور لاعلمی کا احساس ہے، تاہم "مشکلے نیست کہ آساں نہ شود" کے مصداق میں نے ایک مبارک صبح کو اس کی ابتدا کی۔ اور پہلی ہی نشست میں چند صفحے لکھ ڈالے۔ راقم حضور قبلہ عالم کی زندگی کے تمام حالات سے آگاہی نہ رکھتا تھا۔ اس لیے اس سلسلہ میں حضورؒ کے بعض مریدوں کے ساتھ جو برصغیر (ہند و پاکستان) کے مختلف شہروں میں سکونت رکھتے تھے۔ رابطہ قائم کر کے آپؒ کی زندگی کے متعلق جو واقعات فراہم ہو سکے حاصل کئے ان واقعات کی چھان بین میں کافی وقت صرف ہوا۔ اگر وہ سب حالات سپرد قلم کئے جائیں تو آپ کی سوانح حیات ایک ضخیم کتاب کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ اس لئے حضورؒ کی زندگی کے حالات میں سے چند مختصر واقعات کو منتخب کر کے اس "تذکرہ" میں شامل کیا گیا۔

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ راقم کو اپنی کم مائیگی کا شدت سے احساس ہے۔ اس لئے قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس تذکرہ میں سیرت کے ہر پہلو کو تشنہ دیکھ کر دل برداشتہ نہ ہوں مجھے امید

ہے کہ حضور قبلہ عالمؒ کے مریدوں میں سے مستقبل قریب میں کوئی اہل قلم ہوگا۔ جو حضورؒ کی زندگی کے حالات ہر پہلو سے مکمل کرے گا۔ اور یہ سلسلہ اویسیہ کے ساتھ وابستہ جماعت پر احسانِ عظیم ہوگا۔

حضور کی ولایت عظیم الشان تھی۔ اس وقت بھی ہزاروں لوگ ایسے موجود ہیں۔ جو آپؒ کی صحبت سے فیض یاب ہوچکے ہیں۔ آپ کے تبحر علمی کا اندازہ اس سے بخوبی ہوسکتا ہے کہ کوئی عالم آپ کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ بلکہ ہمہ تن گوش ہوکر آپ کا وعظ سننا پسند کرتا۔ میں نے اس تذکرہ کو صرف اس اُمید پر قلم بند کیا ہے کہ عِنْدَ ذِكْرِ الْأَبْرَارِ تَنَزُّلُ الرَّحْمَةِ اللهِ۔ اللہ کے قریب بندوں کا تذکرہ نزولِ رحمت کا باعث ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میری یہ کوشش مقبول ہو۔ اور میرے گناہوں کی مغفرت کا وسیلہ ہو۔ اور اس کو میرے لئے باقیات الصٰلحات میں ذخیرہ کرے۔ آمین۔

العارض
محمد رمضان اُویسی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تلاشِ حق

۱۹ر فروری ۱۹۵۲ء کی ایک شام کو میں ——— "یارِ بد۔ بدتر بود از مارِ بد" کی محفل سے گھر پہنچتے ہی اپنے اعمال کا جائزہ لینے لگا۔ تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا نظر آیا۔ اور فَاَمَّا مَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِیۡنُہٗ کے پلڑے میں خسارہ ہی خسارہ نظر آیا۔ سخت مایوسی ہوئی کہ زندگی کے چند روز اگر اسی طرح لہو و لعب میں صرف ہوئے تو حشر کے دن نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اسی غور و فکر اور پریشانی میں مجھ پر غنودگی چھانے لگی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میری روح قبض ہو چکی ہے۔ رشتہ دار۔ احباب اور دیگر لواحقین ماتم کر رہے ہیں۔ اور مجھے آخرت کے سفر کی پہلی منزل کے لیے تیار کر رہے ہیں۔ جنازہ اُٹھایا گیا۔ اور لحد میں ڈال کر سب لوگوں کے جانے کے بعد دو برقع پوش سامنے نمودار ہوئے اور مجھ سے متعدد سوالات پوچھے۔ لیکن میں کسی سوال کا جواب نہ دے سکا۔ مجھ پر سخت خوف چھایا تھا اور میرا ذرہ ذرہ کانپ رہا تھا۔ اتنے میں ان دو حضرات میں سے ایک نے کہا۔ ابھی اس بدبخت کا وقت نہیں آیا۔ یہ کہہ کر اُس نے میرے شانوں پر ایک زوردار لات ماری اور کہا اس کو ایک اور موقع دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی میں ہوش میں آگیا۔ یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ میرا سارا جسم۔ کپڑے اور بستر کی چادر تک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہے۔ گھر پر نوکر کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ اُسے آواز دی۔ اس کی مدد سے کپڑے تبدیل کئے۔ دیکھا تو رات کے چار بج چکے تھے اٹھا اور وضو کر کے بارگاہِ ایزدی میں ندامت کے آنسو بہا کر سربسجود ہوا۔ اور عہد کر لیا کہ آئندہ زندگی کو اسلامی طرز پر ڈھالنے کی کوشش کروں گا۔ اسی روز صبح کے وقت کسی دینی رسالے کا مطالعہ کرتے کرتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قولِ مبارک پر نظر پڑی مَنۡ دَخَلَ الۡقَبۡرَ بِلَا زَادٍ فَکَاَنَّمَا رَکِبَ الۡبَحۡرَ بِلَا سَفِیۡنَۃٍ جو شخص بغیر توشۂ عمل قبر میں داخل ہوا۔ پس اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو بغیر کشتی سمندر میں داخل ہو۔ یہ قول پڑھتے ہی رات کا منظر آنکھوں کے سامنے آگیا سارا بدن کانپ اٹھا۔ عاجزانہ دل لے کر پھر سربسجود ہوا۔ اور گناہوں کی مغفرت مانگی۔ یہ دوسری وارننگ (تنبیہہ)

تھی حیران و پریشان تھا کہ اسی کتاب کے دوسرے صفحہ پر عربی کا یہ شعر نظر سے گذرا۔ ؎

اَلْمَوْتُ یَاْتِیْ بَغْتَۃً وَالْقَبْرُ صَنْدُوْقُ الْعَمَلِ

دو دن سخت اضطراب میں گذرے۔ تیسرے دن ایک دوست کے ہمراہ حضرت شیخ نورالدین ولی نورانی کی زیارت پر چرار شریف چلا گیا۔ رات وہیں پر قیام کیا۔ اور ہر نماز کے بعد روضہ پاک پر جاکر درود پڑھتا رہا۔ نماز فجر کے بعد روضہ شریف کے سامنے نیند نے غلبہ کیا۔ اسی حالت میں جناب نورالدین نورانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت عالیہ میں شرفِ حضوری ملا — میں نے اپنی بے بسی اور بے مائیگی کا رونا رویا۔ جناب علمدارِ کشمیر نے محبت و شفقت سے میرے سر پر دست شریف رکھ کر فرمایا۔ کہ میں تمہیں ایسی جگہ بھیج رہا ہوں۔ جہاں سے مدینہ شریف "ڈیڑھ قدم" کے فاصلہ پر ہے۔ میں نے تعارفی خط کے لیے استدعا کی جو انہوں نے مرحمت فرمایا۔ میں بیدار ہوا۔ تو میرا دل ہشاش بشاش تھا۔ اور ظلمت کی تمام کدورتیں دل سے دور ہو چکی تھیں۔ شاداں و فرحاں گھر لوٹ آیا۔ چند دن گذرے کہ ڈاکٹر عبدالاحد جان صاحب خانیاری سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے اپنے پیر کا ذکر چھیڑا۔ اور ان کے اوصافِ حمیدہ اور فقیری کے کمالات کا پرجوش انداز میں ذکر کیا۔ کہ میرا جذبۂ شوق بھڑک اُٹھا۔ میں نے جان صاحب کو اُسی وقت ہمراہ چلنے کی استدعا کی آپ بھی تیار ہو گئے۔ عصر کی نماز کے وقت حضور پیر صاحبؒ کے درِ دولت پر ہمیں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ اگر علمدارِ کشمیر کا اشارہ حضور کی طرف ہو — تو ان کو خود تعارفی خط کا تذکرہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضورؒ نے پہلی ہی نظر میں میرا نام لے کر فرمایا۔ تیرے بارے میں چرار شریف سے سفارشی خط موصول ہوا ہے — ! یہ سن کر میں حضور کے قدموں پر گر پڑا۔ مہمان نوازی کے لوازمات کے بعد حضورؒ بھی ہمارے ساتھ سری نگر تشریف لائے۔ رات ڈاکٹر عبدالاحد جان صاحب کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ صبح کے وقت مجھے حاضری کا حکم ہوا۔ یہ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کا روزِ سعید تھا۔ اسی دن میں حضور کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا۔ اور اپنے ظاہر و باطن۔ دین و دنیا کو ان کی نذر کر دیا۔

ڈاکٹر محمد رمضان اویسی

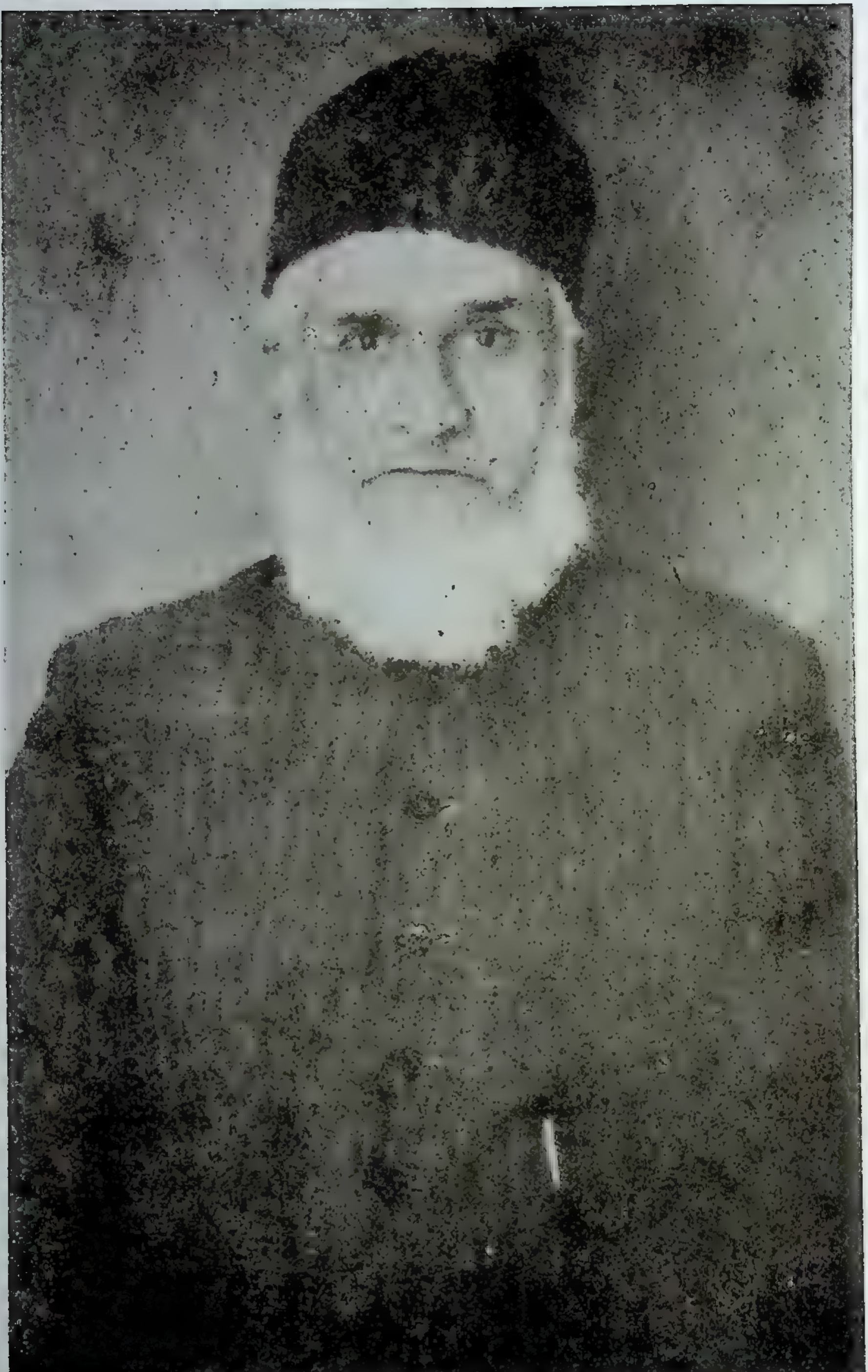

گذارشِ احوال

گذشتہ دور میں ڈاکٹر محمد رمضان صاحب محترم نے مجھے فرمائش کی تھی کہ میں حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات سے متعلق جو کچھ واقعات میرے علم میں ہیں، تحریراً پیش کروں۔ چنانچہ میں نے حضور قبلہ عالم سے متعلق چند واقعات مختصراً تحریر کر کے آپ کی خدمت میں بھیج دیئے۔ موصوف نے حضور قبلہ عالمؒ کی سوانح حیات المعروف "نور العرفان" مرتب کی۔

نور العرفان کے مطالعہ سے میں نے محسوس کیا کہ یہ سوانح آپ کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ آپ کی ذات قابل تحسین ہے۔ جنہیں یہ سعادت عطا کی گئی۔ نور العرفان میں ایک اولوالعزم ولی سے متعلق آپ کے روحانی کمالات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ عام طور پر اولیاء اللہ کے سوانح حیات میں ان کے ناسوتی (ناری) کمالات کا زیادہ تذکرہ ہوتا ہے۔ جو عام لوگوں کے لئے کسی حد تک قابل یقین ہو سکتے ہیں۔ لیکن ولی کے کمالات۔ کمالاتِ ملکوتی۔ اصل تذکرہ ہوتا ہے۔ جسے معرفتِ الٰہی یا عرفان الٰہی سے تعبیر دیا گیا ہے۔ بغیر ان کمالات کے اظہار کے ولی کی سوانح مکمل تصور نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے ضروری ہے کہ حضورؒ سے متعلق۔ خصوصیاتِ ولایت کا اس کتاب میں تفصیلاً ذکر ہو۔ اس سے قبل جو واقعات حضورؒ سے متعلق میں نے تحریر کئے، نور العرفان کے مطالعہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ ان واقعات کو دوبارہ تفصیل کے ساتھ بیان کروں اس خیال کے مدِنظر میں نے ارادہ کیا کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت میں رہ کر جو واقعات میرے علم میں ہیں اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ درج کئے جائیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میری یہ سعی ڈاکٹر صاحب کی خواہش اور نیک تمناؤں کا ثمر ہے۔ اس سلسلہ میں، میں نے اول سے لے کر اس وقت تک جب مجھے آپ کی مبارک صحبت سے حادثاتی طور پر محروم ہونا پڑا۔ واقعات کو تفصیل سے لکھا۔ اس حال میں کہ ان واقعات کے بیان میں میری حیثیت "معاون راوی" کی ہوگی۔

العارض

محمد نور الدین اویسی

ہیں۔ اسی علم کی ایک شق علمِ طریقت ہے ــــ جو بحیثیت اِنسان ہر اِنسان کے لئے واجب التسلیم ہے۔ کہ اس علم سے ہر انسان بلا فرق فرقہ بندی، اپنے مقصدِ زندگی میں ایک نتیجہ خیز راہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا۔ ذَالِکَ الکِتٰبُ۔ نور العرفان کا مطالعہ عام حیثیت میں، ہر مکتبِ فکر کے لیے، صحیح فکر۔ صحیح علم۔ صحیح راہنمائی کی ضامن ہوتے ہیں "لَا رَیبَ فِیہ" ــــ شک نہیں رکھتی۔

اس ضابطۂ طریقت میں، کائناتی ضابطہ سے ہٹ کر اپنا کوئی فرقہ پرستانہ تصور نہیں۔ بلکہ طریقت، کائناتِ فطرت کے آثار و اسرار کا مشاہدہ و علم حاصل کرنے کا ایک عالمگیر ذریعہ و اصول ہے۔ جو ہر انسان پر ــــ "بحیثیت انسان" ہونے کے حاصل کرنا ضروری ہے۔

بلا شبہ "نور العرفان" میں جب کہ اس کتاب میں ایک ولیِ اکمل، صاحبِ طریقت کی سیرت، شریعت و طریقت کی اصطلاح میں ہی بیان کی گئی ہے۔ اور عامی حیثیت میں کسی شخص کے لیے بظاہر اس میں دلچسپی اور مطالعہ کی تحریک نہیں پائی جاتی ــــ لیکن یہ جاننا ضروری ہے ــــ کہ اسلام میں شریعت و طریقت کا علم تمام کائنات کی تحقیق و مشاہدہ پر محیط ہے۔ اس اعتبار سے اگرچہ حقائق طریقت کی اصطلاح میں ہی بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن حسنِ نیت، اور طلبِ حقیقت کے جذبہ کے تحت اس کتاب کے مطالعہ سے ــــ ہر مکتبِ فکر کے طالب علم کے لیے ان اصطلاحات کی شکل میں بھی ایک وسیع علمی مواد میسر آسکتا ہے۔ جو کسی شخص کی راہنمائی کے لیے کافی ہو سکتا ہے۔

طریقت سے تعلق رکھنے والی شخصیت (ولی) ایک عام انسان کی طرح یکساں جسم و روح، یکساں قوائے (ORGANS) علمی، حواس و عقل و شعور، قلب و ذہن رکھتا ہے۔ انہی عام قوتوں کو ایک اصول اور ضابطہ کے تحت استعمال کر کے، وہ غیر معمولی قوت حاصل کرتا ہے۔ یہی عمل اسے عام انسانوں میں افضل اور ممتاز مقام عطا کرتا ہے۔ یہ قوتیں اسی طرح ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔ اور ہر انسان بلا تمیز مذہب و ملت، انہیں اصولوں اور ضابطوں کے تحت اپنی قوتیں استعمال کر کے یہ فضیلت و مقام حاصل کر سکتا ہے ــــ یا مقام حاصل کرنے میں فطری صلاحیت۔ فطری طور ــــ پاتا ہے ــــ گویا ــــ دین سے تعلق رکھنے سے ہی انسان کی قوت علمی، یا جسم و روح کی خصوصیت کوئی نئی حیثیت حاصل نہیں کرتی بلکہ ہر انسان فطری تخلیق کے تحت یکساں قوتیں حاصل کئے ہوتا ہے۔ اور ان قوتوں کے استعمال کرنے سے جو فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ وہ دین کے مرتب کردہ اصول و ضوابط پر عمل کرنے سے خصوصیت پیدا ہوتی ہے ــــ جس کا مطلب

یہ ہوا — کہ ہر دین کے اپنے متعین کردہ اصول وضوابط طے ہوتے ہیں۔ اور اسلام کے اصول وضوابط، قرآن وحدیث اور فقہ سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ جو اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور علمائے امت، اولیائے کاملین کے وضع کردہ ہوتے ہیں۔ اِس نظریہ کے تحت اس صحیفہ میں اگرچہ اصول وضوابط پر عمل سے حاصل شدہ کمالات طریقت کی اصطلاح میں بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن یہ اصول ہر انسان کے لیے، بحیثیت انسان واجب العمل اور واجب التسلیم ہیں۔ کہ ان سے اپنی نشوو ارتقاء روحانی حاصل کرنے کے لیے رجوع کرے۔ تو ہر شخص اس صحیفہ میں بیان کئے گئے کمالات اور فضائل حاصل کرسکتا ہے۔

الغرض: انفرادی حیثیت میں، انسان پر تحقیق کائنات میں غور وفکر سے تلاشِ حقیقت کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہ صحیفہ ہر انسان کے لیے ایک حقیقی راہ اور حقیقی منزل کی نشاندہی کرنے میں، تحقیق ومشاہدہ، اور صحیح عمل کے ساتھ راہنمائی کرنے میں مکمل مواد فراہم کرتا ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ اس صحیفہ کا مطالعہ اپنے ذہن میں تخلیق کردہ عقائد ونظریات سے علیحدہ ہوکر کیا جائے۔ تاکہ ہر شخص کو کتاب میں دیئے گئے حقائق پر غور وتحقیق، میں اصل وفرع کی تمیز کرنے میں حق وباطل کی پہچان ہوسکے!

العارض.. محمد نور الدین اویسی امینی

حصّہ اوّل

سوانح حیات الحاج قطب الاقطاب

مولوی محمد امین

قریشی، اویسی، کشمیری رح "کردار عمل" (اسوۂ حسنہ) کے آئینہ

میں، جس میں ناری مظاہرات کے بجائے نوری مظاہرات

(کمالات ملکوتی) کا ذکر ہے

سلسلہ اویسیہ کا اجمالی بیان

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (پارہ ۲ سورۃ ۲ ایت ۱۴۳)

ہم نے لوگوں میں ایک جماعت کو مخصوص کر دیا۔ تاکہ وہ لوگوں کے لیے شاہد ہوں۔ اور اس جماعت کے لیے خود رسول ﷺ شاہد ہوں۔ حصول معرفت میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ اللہ نے اپنے احکام کی تعمیل رسول ﷺ سے کرائی اور وہی عمل ایک خاص جماعت کے لیے اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ نمونہ عمل بنا اور اس جماعت کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حاصل کیا گیا نمونہ عمل۔ جو اس جماعت نے اپنایا۔ دنیا کے لیے نمونہ عمل مقرر ہوا۔ یہی نمونہ عمل سلسلہ وار قیامت تک جاری رہے گا۔

اُمَّةً وَّسَطًا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں چار خلفاء کو مرتبہ اعلیٰ حاصل ہوا یعنی خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ابن عفان جامع القرآن رضی اللہ عنہ، حضرت علی ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب رضی اللہ عنہ کو خلفائے شریعت و طریقت کا اولوالعزم مقام حاصل ہے۔ ان چار خلفاء میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات عالی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی توجہ فرمائی۔ آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا

"ہم پوشیدہ اسرار کا گھر ہیں اور اس گھر کا دروازہ علیؓ ہیں۔ جس دروازہ سے یہ حکمت لوگوں تک پہنچے گی۔" اس حدیث سے ظاہر ہے کہ قرآنی علم۔ حقیقت و معرفت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے وسیلہ سے لوگوں تک پہنچنا مقرر ہے۔ اس کے علاوہ باقی تین خلفاء میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو بھی یہ خلافت عطا ہوئی۔ لیکن اجرائے قرآن میں جب باطل قوتوں نے مزاحمت کی۔ تو اسلام کو اقتدار اعلیٰ کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اسلام نے وسیع اقتدار اعلیٰ کی بنیاد ڈالی۔ اور اس اقتدار اعلیٰ کے تحفظ و وسعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے بحیثیت خلیفۃ المومنین۔ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ کیونکہ اب اجرائے قرآن کے ساتھ ساتھ اقتدار اسلامی کی وسعت اور تحفظ کی بھی ضرورت تھی۔ جس کے لیے کردار و عمل، تقویٰ اور سیاست و تدبر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات عالی اس مقام کی اہل تصور کی جاتی تھی۔ آپؓ کے زمانہ خلافت میں اقتدار اسلامی کو مزید وسعت ملی۔ جس کے لیے خود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔ یہ انتخاب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قرآنی آیاتِ الٰہی کے نزول اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق تھا۔ کہ آپ کی تعریف میں خود اللہ تعالیٰ نے آیاتِ قرآنی نازل فرمائیں۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آپ کو "فاروق" کا خطاب عطا فرما کر فرمایا کہ "ہمارے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتے۔" البتہ ان صفات کے مقابلہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صدیقیت اور محبوبیت کا مقام اعلیٰ تھا۔ جس بناء پر انہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر فوقیت عطا ہوئی۔ اور ان کے بعد اقتدار اسلامی کی وسعت و تحفظ کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا انتخاب بھی آپ کے تقویٰ و تدبر و سیاست کی خصوصیت پر ہی عمل میں آیا۔ کہ آپ کے زمانہ میں اقتدار اسلامی کو حد درجہ وسعت و استحکام عطا ہوا۔ آپ کے بعد خلفائے اربعہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یہ مقام حاصل ہوتا تھا۔ لیکن اس زمانہ پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اقتدار اسلامی نے عرب و عجم میں ایک وسیع سلطنت کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ اس کے مقابل باطل قوتیں اقتدار اسلامی کو ختم کرنے میں ہر چہار اطراف سے کوشاں تھیں۔ ایسے وقت میں اقتدار اسلامی میں جب کہ خلیفۃ المومنین کے لیے سب سے زیادہ قرآنی علم میں عالم اور متقی ہونا شرط تھا۔ ایک خلیفہ کے لیے صاحب تدبر و سیاستدان ہونا بھی ضروری ہوا۔ یہی وہ بنیادی وجہ پیدا ہوئی۔ جس "وجہ" نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں دشمنانِ اسلام کو فتنہ پیدا کرنے کا موقع دیا۔ اور یہی وہ وجہ تھی جس نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اقتدار اسلامی کے تحفظ و وسعت کے نظریہ پر اختلاف پیدا کیا۔ جب کہ حصول خلافت میں نہ ذاتی اقتدار حاکمیت۔ نہ ذاتی مالی منفعت کا کوئی تصور موجود تھا جس کے لیے کوئی صحابی حصول خلافت کے لیے کوشش کرتا۔ سوائے اس کے کہ مخلوقِ خدا کو اللہ کی حاکمیت میں لانے کیلئے اسلام میں داخل کر کے۔ ایمان و نجات آخرت کے حصول میں آسانی پیدا کرنا تھا۔ ظاہر ہے اس عمل میں بنیادی تصور رضائے الٰہی کا ہی تھا۔ جس کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خصوصی طور پر منتخب فرمایا۔ یہ حقیقت و معرفت کا مقام تھا جو

خصوصی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو عطا ہوا تھا۔ یہی خصوصیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وراثت میں عطا ہوئی اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ علماء، انبیاء کی ولایت و نبوت کے وارث ہیں۔ اس اعتبار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ عَلِیٌّ بَابُھَا کے مصداق ولایت و معرفت کے خلیفۂ اکبر مقرر ہوئے۔ جن کے ذریعہ مخلوق کو معرفت الٰہی حاصل ہونا مقرر ہوا۔۔۔ یہی خصوصیت در حقیقت طریقت ولایت سے تعبیر ہے۔ اور آپ کی نسبت سے یہ سلسلہ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام، حضرت خواجہ حسن بصریؒ خلفائے طریقت کے ذریعہ حضرت شیخ عبدالقادر الجیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچا۔ آپ نے اس طریق کو بحد کمال عروج تک پہنچایا۔ آپ کا زہد و ورع مثالی تھا۔ آپ نے علوم قرآنی کو بھی حد درجہ کمال تک پہنچا کر مخلوق کو اسلام میں داخل کر کے معرفت الٰہی عطا کی۔ آپ کی جدوجہد مجاہدہ۔۔۔ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظیر نہیں ملتی۔ اس لیے اس عشق رسول ﷺ اور شدید ریاضت و تقویٰ کے صلہ میں آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل ہوا۔ اور زمانہ میں محی الدین محبوب سبحانیؒ کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اسی لقب سے آپ کے سلسلہ کو "قادری سلسلہ" کے نام سے شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی۔ اسی سلسلہ میں حضرت معین الدین چشتی رحمت اللہ علیہ جیسے عظیم المرتبت ولی کا ظہور ہوا۔ اور آپ کی نسبت سے سلسلۂ چشتیہ کو خصوصیت حاصل ہوئی۔ اسی سلسلہ کی اولوالعزم ہستیوں میں حضرت نظام الدین اولیا رحمت اللہ علیہ۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمت اللہ علیہ۔ حضرت علی احمد صابر کلیری رحمت اللہ علیہ جیسی ہستیاں پیدا ہوئیں جنہوں نے ولایت میں اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کیا۔ انہیں مقدس ہستیوں سے ہندوستان میں اسلام کا نام روشن ہوا۔ مخلوق خدا کو حقیقی راہ میسر آئی اور انہیں ہستیوں کے مقدس قدموں کی برکت سے ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود قائم ہوا۔۔۔ بلاشبہ۔۔۔ دنیا کے کونہ کونہ پر نظر ڈالو تو معلوم ہو کہ شریعت و طریقت کا جو سلسلہ ان ہستیوں سے ہندوستان میں قائم ہوا۔ جس سے شریعت و طریقت اور کرامات کا اجراء ہوتا رہا۔۔۔ اور ہو رہا ہے۔۔۔ دنیا کے کسی ملک میں نہ اس کا چرچا ہے۔ نہ ایسا عمل موجود ہے۔ ان ہستیوں کی بدولت آج دنیا میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور طریقت کا مظاہرہ ہو رہا ہے۔ زمانہ قدیم سے آج تک ان مقدس ہستیوں کے مزارات مرجع خلائق بنے ہیں۔ یہ زندہ جاوید ہستیاں ~~تھیں~~۔ جن کا فیض اب بھی زندہ جاوید ہے۔ حضرت معین الدین چشتیؒ، حضرت نظام الدین اولیاء، حضرت فرید الدین گنج شکر، حضرت علی احمد صابر کلیری رحمت اللہ علیہم اجمعین کے مزارات سے آج بھی فیض و برکات کی روشنی طالبانِ حق کے دلوں کو

منور کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان روحوں کو بیشمار انوار و تجلیات سے سرفراز فرمائے۔ یہ سلسلہ قادریہ، چشتیہ، صابریہ کی عظمت کا واضح نشان ہے جو ہمیشہ دنیا پر قائم رہے گا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان میں، سندھ و پنجاب کی وہ اولوالعزم ہستیاں شمار ہیں۔ جن میں پنجاب کے اولیاء میں۔ حضرت داتا گنج بخش رحمت اللہ علیہ۔ اور دیگر پنجاب کے ولیوں کی درگاہیں۔ ہمیشہ مرجع خلائق بنی رہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک شاخ میں سندھ کے اولیاء میں شاہ عبدالکریم بلہڑی رحمت اللہ علیہ ایک اولوالعزم ہستی کا ظہور ہوا۔۔۔ اور آپ کے فرزند شاہ حبیب اللہؒ کو آپ سے سلسلہ قادریہ کی خلافت ملی۔۔۔ شاہ صاحب کا بھی زمانہ کے اولوالعزم اولیاء میں شمار ہوتا ہے۔ شاہ عبدالکریم صاحبؒ کی حیات میں شاہ حبیب اللہؒ کے ایک فرزند شاہ عبداللطیف ہوئے۔ انہیں۔ دونوں۔ دادا اور والد کی تربیت میسر آئی۔ اور یہ مشہور ہے کہ انہیں اپنے دادا شاہ عبدالکریم بلہڑی رحمت اللہ علیہ سے قادریہ سلسلہ کی خلافت ملی۔ قادری سلسلہ سے علاوہ شاہ عبداللطیفؒ کو براہ راست حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے فیض باطنی عطا ہوا۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی خلفاء میں سے ہیں انہیں بھی براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت و خلافت باطنی عطا ہوئی۔ جیسا کہ قادری سلسلہ میں خلافت کا سلسلہ ظاہراً جاری ہوا۔ مگر حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں کسی خلیفہ کی شہادت نہیں ملتی۔ سوائے اس کے کہ آپ سے کسی کو باطنی طور خلافت ملی ہو۔ لیکن یہ امر محقق و مسلمہ ہے کہ حضرت شاہ عبداللطیفؒ کو حضرت خواجہ اویس قرنیؓ سے باطنی فیض اور خلافتِ اویسیہ حاصل ہوئی۔ اس لحاظ سے سلسلہ اویسیہ کو "عنقا" کہا گیا کہ یہ سلسلہ ظاہر نہیں۔ نہ کسی کو ظاہراً یہ فیض ملتا ہے۔ حضرت شاہ عبداللطیف کی پیدائش سندھ میں ہوئی۔ جہاں عرصہ دراز تک آپ نے ایک ٹیلہ پر سکونت رکھی۔ اس نسبت سے آپ سندھ میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ کا مزار مبارک بھی اسی جگہ پر ہے۔ اور علاقہ سندھ کے اکثر عقید تمند۔ زائرین مزار پر صبح و شام حاضری دیتے ہیں۔ آپ کا سالانہ عرس بھی بڑے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے۔ آپ کی سلسلہ اویسیہ سے متعلق روحانی نسبت تاریخی طور پر منظرِ عام پر نہ آسکی۔ سوائے اس کے کہ یہ مشہور ہے کہ آپ کی وفات کے مدت گزرنے کے بعد حضرت شاہ لونگ سندھی رحمت اللہ علیہ کو آپ سے روحانی طور فیض و خلافت ملی۔ گویا آپ کے خلفاء میں حضرت شاہ لونگ سندھی رحمت اللہ علیہ کو آپ کی نسبت سے فیض اویسی حاصل ہوا حضرت شاہ لونگ سندھی کی حیات میں حضرت شاہ محمد عارف صاحب ارواڑوی کو سلسلہ اویسیہ کی خلافت ملی۔ اور حضرت شاہ محمد عارف رحمت اللہ علیہ

سے حضرت سید مولانا محمد نورالزمان شاہ صاحبؒ موضع کوٹ چاندنہ کالاباغ ضلع میانوالی کی ایک باکمال ہستی کو سلسلہ اویسیہ کی خلافت ملی اور اسی عظیم و مقدس ہستی سے حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحبؒ قریشی (موضع کاشیراہ۔ تحصیل کپواڑہ کشمیر) کی ذاتِ عالی کو سلسلہ اویسیہ کی خلافت عطا ہوئی۔ یہی وہ ذات گرامی ہے۔ جن کے روحانی کمالات کا اس صحیفہ میں تذکرہ ہوتا ہے۔ چنانچہ شجرہ اویسیہ کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے:

منبع و مخزنِ نبوت

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمت اللہ علیہ

حضرت شاہ لونگ سندھی رحمت اللہ علیہ

حضرت شاہ محمد عارف صاحب اروڑوی رحمت اللہ علیہ

حضرت سید مولانا محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمت اللہ علیہ

حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ

حضور کے بعد آپ کے خلفاء میں خلیفہ اکبر

جناب خواجہ عبدالکریم صاحب — راجہ سخی ولایت خان صاحب

سجادہ نشین جناب امین الدین صاحب

فرزند اکبر حضور قبلہ عالم محمد امین صاحب

ان خلفاء کے علاوہ حضور کے مریدوں میں کثرت سے ایسے ولی ہیں۔ جن کے ذریعہ سلسلہ اویسیہ کا اجراء ہند و پاکستان کے وسیع علاقہ میں بحسن و خوبی تاحال جاری ہے۔ ان مریدوں میں جناب صاحبزادہ امین الدین سجادہ نشین کی معیت میں سلسلہ امینی کے اجراء میں کشمیر میں جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کو بحیثیت خلیفہ ثانی خصوصی مقام حاصل ہے۔

پاکستان میں بھی اکثر لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہیں۔ جن کی کوششوں سے سلسلہ اویسیہ، امینیہ پاکستان کے وسیع علاقہ تک پھیلا ہوا ہے۔

مسئلہ تقدیر

کائنات کی کسی بھی شے پر خواہ وہ جمادات ہوں یا نباتات ہوں۔ حیوانات ہوں یا انسان غور کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ ہر شے میں کسی مقصد کی تلاش میں جستجو کا مادہ پایا جاتا ہے۔ کسی شے کی جستجو میں حرکت و عمل کا پایا جانا تب تک نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس میں ایک روح کا وجود موجود نہ ہو۔ اور روح کے عمل میں "حس" کا پایا جانا ضروری ہے۔ ایک جامد پتھر سے لے کر انسان تک ہر شے میں قانون فطرت کے تحت اپنی ہیئت تبدیل کرنے کا مادہ موجود ہے۔ جسے "فنا" کہا جاتا ہے۔ فنا بغیر روح اور حس کے نہیں ہو سکتی۔۔۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر حال تک کسی وجود میں دائمی بقا ثابت نہیں۔۔۔ بلکہ ہر شے معدوم ہو جاتی رہی۔۔۔ معدوم۔۔۔ عدم سے ہے۔ اور "عدم" میں فنا کو دخل ہے۔ یعنی ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں ظہور کرنا۔ اس سے مراد کسی شے کا وجود۔۔۔ ماقبل کے کسی وجود کی جز یا اجزاء سے بنتا ہے۔ اس ترکیب میں ماقبل کا وجود باقی رہتا ہے۔ اور اس کی جز یا اجزاء سے مابعد کا وجود ظاہر ہوتا ہے۔ مابعد کے وجود کی فنا یہ ہے۔ کہ یہ وجود عدم ہو کر اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ یعنی اپنی ہیئت معدوم کر کے اصل میں مل جاتا ہے۔

كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ

"ہر شے اپنی جزوی ہیئت میں معدوم ہو کر کل میں سما جاتی ہے۔" اسی انتقالِ شے کو "فنا" سے تعبیر دیا گیا۔

اس عمل میں مختلف اجزاء کا۔۔۔ مختلف ہیئتوں میں ظاہر ہونا۔ اور اپنی ظاہری ہیئتوں میں قائم رہنا۔۔۔ یا اپنی ہیئتوں کو ایک معین مدت تک قائم رکھنے میں۔ سامانِ حیات کا حاصل ہونا یا حاصل کرنا اور اپنی وجودی تاثیرات کا الگ الگ اقسام میں قائم رہنا،پیدا ہونا۔ فنا ہو جانا، اس عمل میں ایک "جستجو" کو دخل ہے۔ اس مجموعی عمل کو جس میں ہر شے کا ایک فطری ضابطہ کے تحت پیدا ہونا۔۔۔ فنا ہو جانا۔۔۔ اور اپنی بقا کو قائم رکھنے میں جستجو ہے۔۔۔ سامانِ حیات حاصل کرنا۔ ہر شے کی "تقدیر" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔۔۔ سونا۔۔۔ لوہا۔۔۔ تانبا۔۔۔ پیتل بظاہر معدنیات میں شامل وجود غیر متحرک۔ غیر ذی روح محسوس ہوتے ہیں۔ غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ان اشیاء کا مختلف شکلوں میں پیدا ہونا۔ ان میں

الگ الگ تاثیر کا پایا جانا۔ اور پھر انکی ساخت اور ہیئتوں کا ایک معین مدت تک باقی رہنا۔ اور پھر فنا ہو جانا یہ ظاہر کرتا ہے کہ ان اشیاء میں اپنی بقا و فنا کے عمل میں ایک جستجو کا تصور پایا جاتا ہے۔ یہ حرکت و عمل بغیر "حس" اور "روح" کے ممکن نہیں۔ اور ان اشیاء کی بقا و فنا میں حرکت و عمل ایک تقدیر کے تابع ہی مقرر ہے۔ یہ عمل بظاہر بلا ارادہ۔ ایک فطری تحریک کے تابع ہوتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ عمل کسی غالب قوت کی تحریک پر ہی منحصر ہے۔ جس قوت کی مرضی کی ہر شے پابند و مجبور ہے۔ یہی نظام کائنات میں ہر شے کا کسی امر کے تحت پیدا ہونا اور ایک متعین ضابطہ کی حدود میں رہ کر اپنی بقا کے لیے ایک عمل جاری رکھنا "تقدیر" سے تعبیر ہو سکتا ہے۔ اسی تقدیر کے نظام کے تحت۔ ہر شے کی بقا و فنا میں جو عمل متحرک ہے۔ اسے "سعی" یا "جستجو" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اگر چند اجزاء --- پارہ --- شنگرف --- ابرک --- گندھک --- نیلا تھوتھا --- زمین کی نمی --- سورج کی تپش باہم ایک دوسرے سے متصل نہ ہوں۔ سونا بن نہیں سکتا یہ اتصال خواہ کسی تحریک سے ہو۔ یا بغیر کسی تحریک کے۔ تاہم اس اتصال کے عمل میں ایک تحریک ضرور ہے۔ جس میں "جستجو" کا عمل پایا جاتا ہے۔ اس عمل میں اصل تصور ایک کیفیت کا سامنے آنا ہے۔ وہ یہ کہ ایک وجود کا اپنے منبع --- اپنی اصل --- اپنی علت --- سے الگ ہو کر --- اپنی تقدیر کے تابع عمل جاری رکھتے ہوئے --- اپنی فنا تک پہنچ کر۔ پھر اپنی اصل کی طرف جستجو کر کے لوٹ جانا۔ لہذا یہ تصور لازم ہوگا۔ کہ فنا کے بعد کوئی وجود تقدیر کے تحت نہ یکسر معدوم ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اپنی ثانوی ہیئت میں معدوم ہو --- نہ ہی کوئی شی کسی غیر جنس --- یا کسی دوسری اصل میں انتقال کر کے اپنی ہیئت یکسر معدوم کر سکتی ہے کہ اس کا نام و نشان مٹ جائے اور یہ امر خلاف فطرت تصور ہوتا ہے۔

یہ مسلمہ امر ہے۔ کہ اس مخلوق میں انسان پیدائشی اعتبار سے افضل ترین پیدائش ہے لیکن اس کی پیدائش بھی۔ ایک تقدیر کی پابند ہے۔ انسانی وجودی ہیئت مستقل نہیں --- بلکہ چند اجزا کا مرکب ہے۔ انسان۔ مٹی۔ نار۔ نور کا مرکب ہے۔ اس کی پیدائش بھی۔ تقدیر کے تابع ہے۔ نہ خود مستقل ہے۔ نہ اپنے ارادے سے پیدا ہوتا ہے۔ زمین سے ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ بشری شکل و صورت میں ہی پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا کسی دوسری ہیئت میں پیدا نہیں ہو سکتا --- زمین پر خشکی میں رہ سکتا ہے۔ نہ ستاروں میں رہ سکتا ہے۔ نہ جا سکتا ہے پانی میں اپنی مرضی سے رہنے سے مجبور ہے۔ ہوا (آکسیجن) کے بغیر جی نہیں سکتا۔ اپنی ہیئت کے مطابق وہی شے استعمال کر سکتا ہے، جو اس کی نشوونما کے لئے مقرر ہے۔ اور

پھر نہ اپنی حیات پر قادر ہے۔ نہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے۔ گویا انسانی زندگی پیدائش سے لے کر موت تک ایک فطری ضابطہ کی محتاج اور مقید ہے۔ کہ ان ضابطوں پر ہی اس کی بقاء کا انحصار ہے۔ یہی اس کی تقدیر ہے۔ جس کا انسان چار و ناچار پابند ہے۔ اور اپنے ارادہ سے اپنی تقدیر بدل نہیں سکتا۔۔۔ اس کے بعد تخلیقی اعتبار سے انسان عام مخلوق میں ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ عام مخلوق اپنی پیدائش میں فنا کی طرف جانے کے لئے اپنی حیات میں سامان حیات کی فراہمی میں، اپنی تقدیر میں پابند ہے۔ کہ فطری طور اسے جس شے کی ضرورت ہے۔ وہی شے میسر آتی ہے۔ اور وہی شے حاصل کرتی ہے۔ اس کے سوا وہ خلافِ قانونِ فطرت کسی غیر جنس کی طرف جستجو نہیں کرتی۔ بلکہ قانونِ فطرت کی عمداً قصداً پابند رہتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو ان کی ذہنی قوتیں محدود ہیں۔ دوسرے ان کے ذہن میں کسی غیر جنس کی پہچان کی صلاحیت نہیں۔ کیونکہ ان کی "حس" بھی محدود ہے۔ اس کے مقابل انسان کو اپنی تقدیر میں بہتر حس۔ بہتر ذہنی صلاحیت ملی ہے۔ کہ انسان کائنات کی ہر شے کو اپنے استعمال میں لانے کی قدرت رکھتا ہے۔ اسی ذہنی صلاحیت پر وہ اپنے ارادے کو استعمال کرنے میں آزاد ہے۔ مگر اس کا آزاد ارادہ۔ اور اختیار بھی۔ ایک تقدیر کا پابند ہے کہ فطری حدود سے باہر اپنے ارادے، اپنی طاقت استعمال نہیں کر سکتا۔ فطری حدود کے خلاف اپنا ارادہ استعمال کرنے سے انسان حادثات کا شکار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس کی بقائے زندگی میں خلل واقع ہوتا ہے۔ لہذا انسان فطری طور۔ اختیار رکھنے کے باوجود ایک اٹل تقدیر میں پابند و محصور ہے۔ اس لئے انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی تقدیر کی حدود میں رہ کر خیر کو قبول کرے۔ اور شر کے لئے جستجو نہ کرے۔ ایک اہم بات یہ کہ عام مخلوقِ حیوانی۔ اپنی ذہنی استعداد کے مطابق مختصر سوچ رکھتی ہے۔ اس کی سوچ صرف سامان حیات کی جستجو تک محدود ہے۔ مگر انسان اپنی پیدائشی خصوصیات کے مطابق۔ جب کہ اس میں دو خصوصی قوتیں نار اور نور پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے اس کی فکر۔ اس کی سوچ۔ اس کی جستجو۔ بقائے زندگی سے سوا۔ نوری حدود تک وسیع ہو جاتی ہے۔ اس لئے حصول سامان حیات سے سوا۔ انسان کیلئے ناری۔ نوری قوتوں سے استفادہ اور علم حاصل کرنے کی ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ اس طرح انسانی عمل میں ناری۔ نوری قوتوں کی تسخیر۔ اور ان کا مشاہدہ و علم حاصل کرنا۔ اس کی زندگی کے مقصد میں شامل ہے۔

انسانی زندگی پر غور کیا جائے۔ تو ظاہر ہو گا کہ نوری روح۔ اس کی اصل (زمین) کی جز نہیں۔ اور ناری روح بھی ناری سیاروں کی جنس ہے۔ نوری اعتبار سے اس نوری قوت کا

انسانی مرکب میں شامل ہونا۔ اس کی زندگی کی بقاء کے لئے معاون نہیں۔ نہ اس قوت کا جسمانی بقا سے تعلق ہے۔ لہذا یہ قوت روحانی حیثیت میں استعمال کی جائے گی۔۔۔ اس روح کی اصل عالم نوری سے ہے۔ اس سے اس کا عمل واضح ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا عمل نوری عالم کی تسخیر اور علم و مشاہدہ تک وسعت رکھتا ہے۔ نوری قوت کا ودیعت ہونا۔ اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ انسان کے ذمہ نوری قوتوں تک رسائی علم اور مشاہدہ اصل عمل ہے۔

اس تمام عمل کا ماحصل قانونِ فطرت کے مطابق۔۔۔ اپنی تقدیر کے تابع اپنی بقا کو قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ۔ اپنی زندگی میں اپنی اصل کی طرف لوٹ جانا۔ اس حال میں۔ کہ خاک۔ خاک میں لوٹ جائے۔ نار۔۔۔ نار میں لوٹ جائے۔۔۔ اور نور۔۔۔ نور میں لوٹ جائے۔ جب کہ قانونِ فطرت کے تحت۔ اس کائنات اور انسان کے وجود کا منبعِ حقیقی، نور الٰہی ہے۔ سو انسان کے لئے لازم ہے کہ فطری تقدیر اور ضابطہ کے تابع رہ کر اپنے منبع حقیقی۔۔۔ وصال الٰہی کی جستجو میں اپنے عمل کو وقف کر دے۔ ورنہ انسان اپنی ذمہ داری سے تغافل اور کوتاہی کی صورت میں اپنی اصل سے دور۔ اندھیروں میں ہمیشہ کے لئے بھٹکتا رہے گا۔

کائنات خداوندی محمد ﷺ کی مطیع ہے

اللہ تعالیٰ نے انسانی راہنمائی کے لئے ایک خصوصی انتظام کیا کہ اپنی طرف سے ایک کتاب اور ایک راہنما۔۔۔ "ہادی" بھیجا۔ اس کتاب اور ہادی کی خصوصیت یہ ہے کہ انسان کے لئے۔ عالم نوری کے اسرار و آثار تک رسائی۔ اور اس کا علم و مشاہدہ۔ حاصل کرنا۔ اس عمل میں جستجو کرنا۔ انسانی فرائض میں شامل کیا گیا۔ اسی خصوصیت کے تحت "قرآن" اور ایک "ہادی" محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ یہ طریق جیسا کہ کائنات کی فطری تخلیق (یا خود بخود کیفیات کے ظہور میں آنے) میں شامل نہیں بلکہ ارادہ الہیٰ کے تحت ایک اضافی عمل ہے۔ جو ہر انسان کے لئے بلا تمیز مذہب و ملت یکساں طور پر واجب التسلیم ہے۔ اور اس پر ہر اس پیدائش کے لئے عمل کرنا ضروری ہے جو زمین پر بحیثیت انسان پیدا ہوتا ہے۔ لہذا ہر انسان پر الٰہی کتاب (قرآن) اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ضروری ہے۔ خواہ وہ دنیا کا بڑے سے بڑا شہنشاہ ہو۔ یا عظیم محقق۔ سائنس دان ہو۔ یا عظیم سیاست دان لیڈر ہو۔ یا قوی قوت کا جرنیل سپہ سالار ہو، اس کے لئے قرآنی

احکام پر ایمان، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت محض ایک مسلمان تک محدود نہیں۔ بلکہ زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان پر اس اطاعت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی اصول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کا دنیا میں نفاذ ہوا۔۔۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں آپ کے تابعین۔ ایک جماعت اسلامی اور دینِ اسلام کا قیام ہوا اسی جماعتِ اسلامی کے ذمہ۔ قرآنی تعلیم اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا اجراء و نفاذ ہونا مقرر ہے۔ یہی جماعتِ اسلامی علمائے امت سے موسوم ہے۔ جن کی اطاعت ہر انسان کے لئے لازم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انہیں علمائے اسلام نے قرآن و سنت کے اجراء میں راہنمایانہ کردار ادا کیا۔ انہیں علمائے امت کو۔ "علمائے شریعت و طریقت" سے موسوم کیا گیا۔ اس عمل میں جیسا کہ بیان ہوا کہ ہر عالم امت کے لئے اُمَّۃً وَّسَطاً مخصوص جماعت کی حیثیت میں۔ تسلیمِ قرآن اور اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے مطابق اپنا شخصی کردار بطور نمونہ عمل پیش کرنا ہے۔ جس میں کراماتِ اولیاء سے سوا۔ اپنی شخصیت اور کردار پیش کرنا ہے۔ اسی بنیادی اصول کے تابع جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب اویسی رحمت اللہ علیہ کی شخصیت ہیں۔ ان کے کردار و عمل کو آپ کی سوانح کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ کسی ولی کی سوانح حیات میں بنیادی تصور۔ ولی کی سیرت سے تعلق رکھتا ہے۔ کہ بحیثیت انسان۔ سیرت کے تصور میں انسانی وجود کی خصوصیات اور اس وجودی خصوصیات کے کیا مظاہر ہوتے ہیں۔ اس تصور کے مطابق۔ گذشتہ صفحات میں انسانی مرکبات، خصوصیات کا تفصیلی ذکر ہوا کہ انسان تین قوتوں سے مرکب ہے۔ یعنی خاک۔ نار۔ اور نور۔ خاکی مظاہرات مادی اور عقلی ہوتے ہیں۔ جن کا مظاہرہ مادی محققین[۱] سے ہوتا رہتا ہے۔ ان مظاہرات ظاہری کی وسعت مادی حدود تک محدود ہے۔ لہذا ایسے محققین ناری مظاہرات کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ سوائے اس کے کہ ان مظاہرات میں ناری قوت کو کام میں لایا جائے۔ ایسے مظاہرات کی حامل ہستیاں۔ اولیاء میں شامل ہیں۔ جن کے مظاہرات کو کرامات (مافوق العقل مظاہرات) سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ مظاہرات ناری ہیں۔۔۔ جس میں شریعت کی پابندی سے باہر رہ کر ہر انسان بلاتمیز شریعت ایسے مظاہرات کا اظہار

---

[۱] جیسا کہ مادی محققین کائنات کی قوتوں کا علم اور ان قوتوں (آکسیجن۔ ہائیڈروجن۔ برقی قوت۔ ایٹم بم وغیرہ) سے متحیر کن مظاہرات کرتے ہیں۔

کر سکتا ہے۔ اور ایسے مظاہرات۔۔۔ غیر ولی بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ مظاہرات طریقت میں شامل نہیں۔ سوائے اس کے کہ حقیقی ولی سے۔۔۔ نوری قوت کا استعمال ہو۔ اور اس سے نوری (ملکوتی) مظاہرات کا صدور ہو۔ (نوری مظاہراتِ باطنیہ)

اولیاء کی سوانح میں اکثر ناری مظاہرات کی خصوصیات کا بیان ہوتا ہے۔ لیکن اس خصوصیت سے ولی کی تعریف مکمل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کے نوری مظاہرات (کمالات) کا اظہار نہ کیا جائے۔ اسی تصور کے ساتھ حضور پُر نور جناب الحاج مولوی محمد امین اویسی رحمت اللہ علیہ کے نوری مظاہرات ہیں۔ کمالاتِ ملکوتی کا تذکرہ اس صحیفہ میں کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور قبلہ عالم جناب محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ کے تعارف سے ابتداء کی جاتی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس سوانح کے مطالعہ میں۔ گذشتہ بیان کئے گئے بنیادی حقائق کی روشنی میں۔ واقعات و کیفیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو یقیناً اس سوانح کے مطالعہ سے ہر مکتب فکر کے طالب علم کو خواہ وہ کسی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو۔ حقیقت پہچاننے میں تشنگی باقی نہ رہے گی۔

اس سے پیشتر حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ کی شخصیت کے متعلق آپ کی روحانی نسبت (قادری۔ اویسی) کا ذکر ہوا۔ کہ آپ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمت اللہ علیہ سے بہ واسطہ حضرت شاہ عبدالکریم بلہڑی رحمت اللہ علیہ سلسلہ قادریہ کے فیض کے امین ہیں۔ اور حضرت عبداللطیف بھٹائی رحمت اللہ علیہ کے واسطہ سے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔ محبوب خدا۔ عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی فیضِ نبوت کے امین ہیں جہاں تک آپ کی شخصیت میں اتباع شریعت کا تعلق ہے۔ آپ نے "بحیثیت پیر" اپنی شرعی عبادتوں میں کسی نمائش کا اظہار و اہتمام نہیں کیا۔ نہ ہی اپنے لباس میں کسی ظاہری نمائش کا اظہار کیا۔ جس سے یہ معلوم ہو کہ آپ کامل صاحبِ شریعت ہیں۔ آپ اتباع شریعت کو ایک اہم فریضہ سمجھ کر عام آدمی کی حیثیت میں۔۔۔ سادہ انداز میں نماز ادا کرتے۔۔۔ اس حال میں کہ اس عبادت میں نمائش کا احساس نہ ہو۔ نماز کا وقت ہوا۔۔۔ مجلس میں تشریف فرما ہیں۔ سادگی سے اٹھے نماز ادا کی۔۔۔ یہاں تک اہلِ مجلس پر بھی تنقید نہ کرتے۔ کہ تم بے نمازی ہو۔ ہماری مجلس میں شریک نہیں ہو سکتے!۔۔۔ یا رات میں تہجد کے لئے اٹھیں تو آہستگی سے اٹھتے۔ مبادا کسی شخص کی نیند میں خلل واقع ہو۔ آپ نے اپنی صحبت میں رہنے والے مریدوں کو تہجد کے لئے اٹھنے کے لئے کبھی شدت سے کام نہ لیا۔ سوائے اس کے کہ جس نے چاہا اپنی مرضی سے تہجد میں شرکت

کی۔ آپ سادہ۔ عام غریبانہ لباس پہنتے۔ جس سے پیرانہ نمائش محسوس نہ ہوتی۔ جو لباس گھر کی خلوت میں ہوتا۔۔۔ وہی لباس ہر مجلس میں ہوتا۔۔۔ اس میں تخصیص نہ تھی۔ کہ لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے یا اپنی شخصیت کا تاثر دینے کی غرض سے فقیرانہ نمائش کے خیال سے لباس کی وضع قطع میں صفائی کا خاص خیال فرماتے یا چغہ۔ عمامہ۔ تسبیح کے ذریعہ آپ کی فقیرانہ ہیئت محسوس ہو۔ اس وجہ سے ان کی ظاہری شخصیت۔ ان کے ظاہری لباس کی محتاج نہ رہی۔۔۔ یہاں تک کہ گھر میں ہوں۔ یا گھر سے باہر دورانِ سفر۔ ان کی شخصیت کو پہچانا نہ جا سکتا تھا۔ دوران سفر آپ کی غریبانہ حیثیت کو دیکھ کر کوئی آپ کو حقارت سے دیکھتا۔ تو آپ نے ایسی حقارت کو خاطر میں نہ لایا۔ نہ ان کے قلب و ذہن پر "انا" کا تاثر پیدا ہوا۔ حضور کی شخصیت تو نوری تاثر رکھتی تھی۔۔۔ ٹھنڈا دل و دماغ پُرسکون۔۔۔ آپ سوائے "آوازِ دوست کسی آواز سے متاثر نہ ہوئے"۔۔۔ یہ آپ کی عظیم وسعتِ قلبی کی دلیل تھی۔۔۔ اپنے احباب کی صحبت میں آپ اپنی روحانی برتر حیثیت کو نہ خود محسوس کرتے۔ نہ کسی کو محسوس ہونے دیتے۔۔۔ اپنی پاک مجلسوں میں آپ ادنیٰ واعلیٰ کی تمیز سے منزہ تھے۔ آپ کی مجلس و صحبت میں اعلےٰ پایہ کی امیر ترین ہستیاں بھی ہوتیں۔ اور غریب ترین فرد بھی ہوتے۔ عالم بھی ہوتے اور بے علم بھی ہوتے۔ مگر۔۔۔ واللہ! کسی شخص کو آپ کی مجلس میں اپنی برتری۔۔۔ یا کمتری کا احساس باقی نہ رہتا۔ امیر۔ غریب۔ عالم۔ جاہل کی تفریق ذہنوں سے محو ہو جاتی۔۔۔ اور کسی شخص پر یہ احساس یا رعب پیری طاری نہ رہتا۔ کہ آپ پیر ہیں، اور باقی لوگ مرید! مجلس میں تشریف فرما ہوں۔ تو یہ سمجھنا مشکل ہوتا کہ ان میں پیر کون ہے۔ جب تک کہ کسی مرید سے آپ کے لیے اظہار عقیدت نہ ہوتا۔۔۔ یا آپ کی زبان مبارک سے کلام حکمت ادا ہوتا۔۔۔ اس صورت میں لوگ شش و پنج میں پڑ جاتے کہ آیا یہ شخص ولی ہے۔۔۔ یا۔۔۔ آپ کی مجلس میں آداب مجلس کا یہ حال تھا کہ اگر آپ پلنگ پر تشریف فرما ہیں تو مرید آپ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتے۔ بلکہ بعض اوقات آپ کے گلے میں باہیں ڈال کر اس حالت میں بیٹھتے جیسے ایک دوست آزادانہ دوسرے دوست سے گلے مل کر بیٹھتا ہے۔ ایسی حالت میں آپ میں احساس برتری کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ اکثر ایسے بھی دیکھنے میں آیا کہ محفل میں آزاد خیال بحث شروع ہوتی۔ مرید آپس میں آپ کی موجودگی میں ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں۔ آداب کا خیال نہیں۔۔۔ حضور بھی سن رہے ہیں۔ آپ کی طرف سے اس تکرار میں کوئی تعرض نہیں ہو رہا ہے۔ درمیان میں خوش گپی ہو رہی ہے۔ حضور بھی اس ماحول میں شریک ہوتے ہیں۔ خوش

کلامی (میں خوش گپی کے لفظ کو آپ کے لیے استعمال نہیں کر سکتا) فرما رہے ہیں۔ مگر آپ کی خوش کلامی میں۔ رسمی مذاق کے انداز میں رموزِ حکمت و موعظت ادا ہو رہے ہیں۔ دوران بحث مرید بھی بعض اوقات آپ پر لطیف طنز استعمال کرتے ہیں۔ خوف و جھجک محسوس نہیں کرتے۔ ایسا بھی ہوا۔ دوران گفتگو ہاتھا پائی کی نوبت بھی آئی۔ مرید آپس میں زور آزمائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ عملی طور کشتی لڑنا شروع کرتے۔ بینی (کلائی) پکڑنے میں زور آزمائی کرتے تو آپ بھی اس زور آزمائی میں شریک ہوتے۔ حضورؒ کے مریدوں میں جناب قبلہ راجہ سخی ولایت خان صاحب اور محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ کے درمیان اکثر نوک جھونک رہتی اور کبھی زور آزمائی شروع ہوتی۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب لحیم و قد آور تھے۔ ان کے مقابلہ میں محمد لطیف صاحب نحیف اور پستہ قد تھے۔ آپس میں بینی پکڑتے۔۔۔ کبھی لطیف صاحب غالب آتے تو کبھی قبلہ سخی صاحب اس زور آزمائی کا مقابلہ حضور قبلہ عالم کی موجودگی میں ہوتا۔ تو ان میں جیتنے والے خواہ قبلہ سخی صاحب ہوں یا محمد لطیف صاحب۔ تو حضور انہیں دعوتِ مبارزت دے کر ان سے بینی پکڑتے۔ اس کشمکش میں کبھی قبلہ سخی صاحب پیر صاحب کے اوپر ہو جاتے۔ اور کبھی پیر صاحب اوپر ہو جاتے اور آخر۔ قبلہ سخی صاحب شکست کھا جاتے۔ سبحان اللہ۔! اس ہستی کے ماتھے پر کبھی بل نہیں آیا۔ سوائے مثل آفتاب روشن چہرے کے آپ کے رخِ انور پر کدورت کا کبھی تاثر نہ ابھرا فِدَاہُ اُمِّیْ وَ اَبِیْ۔۔۔ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں سے ملتے تو آپ کا چہرہ مبارک خوشی سے تمتما اٹھتا۔ اور مریدوں کی بھی خوشی کی انتہا نہ ہوتی۔ جیسے۔۔۔ کائنات کی سعادتیں مل گئیں۔ آپ ملتے جیسے دوست دوست سے ملتا ہے۔۔۔ ایک شفیق باپ بیٹے سے ملتا ہے۔۔۔ آپ کی موجودگی میں ہر شخص خود کو بھول جاتا۔ ماں باپ کو بھول جاتا۔ بیوی بچوں کو بھول جاتا۔ دنیا کی ہر لذت کو بھول جاتا۔۔۔ یہ ایک فطری اثر تھا۔ کہ آپ کی ذات سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اخلاقِ حسنہ کا مجسمہ تھی۔۔۔ ہر فرد اپنی تمام محبتوں میں صرف آپ ہی کا شیدا ہوتا۔۔۔ کیوں نہ ہو اس اندازِ شفقت پر کون آپ کی ذات سے سواہ۔۔۔ لائق محبت ہو سکتا ہے۔ سچ پوچھئے کسی کو علم ملے یا نہ ملے۔۔۔ کسی کو معرفت ملے یا نہ ملے، آپ کی ذات کا ملنا ہی ہمارا مطمع نظر ہو کر رہ گیا تھا۔

نہ غرض حرم کے وقار سے — نہ صنم کدے کی بہار سے
ہمیں کام ہے درِ یار سے — درِ یار پھر درِ یار ہے

یہ شعر ہمارا وظیفہ بن کر رہ گیا تھا۔ یہی تو بات ہے۔۔۔ اکہ لوگ فقر اور معرفت کی

خواہش لے کر آتے۔ مگر چند صحبتوں میں ہی۔۔۔ وہ اپنا مقصد بھول جاتے۔ پھر کسی نے یہ نہ کہا کہ مجھے کچھ دکھا دیں۔۔۔! مجھے کچھ بتا دیں۔۔۔ بس ایک سوز کی جلن ملی۔۔۔ یہی ہمارا مقصد۔۔۔ یہی ہمارا عمل۔۔۔! یہی کچھ آپ کی بیعت میں ملا۔ یہی کچھ آپ کی صحبت میں ملا۔ اسی کی تمنا ہر اس شخص نے کی۔۔۔ جس نے رمزِ فقیری کو سمجھا، خدا گواہ ہے۔۔۔! یہ افسانہ نہیں۔ بلکہ حقیقت ہے۔ آپ کے مواعظ حسنہ میں حقیقت کے سمندر ٹھاٹھیں مارتے دکھائی دیتے۔۔۔ آپ ہمیں آدابِ طریقت۔۔۔ آدابِ محبت سے آراستہ کرتے۔ کہ محبت ہی طریقت کی روح ہے۔۔۔ رات کے تہجد سے نہیں۔۔۔ تزکیہ و مجاہدہ سے نہیں۔۔۔ فاقہ کشی سے نہیں۔۔۔ صرف محبت۔۔۔ محبت پیر ہی اصل ہے۔ حصول معرفت کی۔۔۔ بس جس میں جتنی استعداد ہوئی۔ اس نے معرفت حقیقی میں مراتب کا خود بخود اتنا ہی مشاہدہ کیا۔۔۔ ہاں! حضور کی صحبت نے۔ یہ ادب سکھایا کہ کسی فرد کو اپنے مراتب میں "فرو دانا" کا احساس نہ ہوتا۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ اویسی سلسلہ میں آپ کی شخصیت نہ عام فقراء کی طرح مشہور ہوئی۔ نہ آپ نے کسی کرامت کا اظہار کیا۔ نہ ان کے مریدوں سے فقیری کا مظاہرہ ہوا کیونکہ آپ کے مریدوں میں بھی کسی پر آداب شریعت میں لباس و وضع قطع کی مخصوص پابندی نہ ڈالی گئی۔ خود حضور نے بھی ولی اکمل ہوتے ہوئے فقر کی، انکساری کی، ظاہری نمائش نہ کی۔۔۔ ایسے معلوم ہوتا۔۔۔ کہ آپ کو بھی اپنی فقیری کا احساس نہیں کہ میں ولی ہوں۔۔۔ یوں کہا جائے کہ حضور اس عمل کو ایک فریضہ سمجھ کر ادا کرتے جس میں کسی خصوصیت کا احساس نہ پایا جاتا۔۔۔ حضور قبلہ عالم ایک بے پایاں سمندر تھے۔ جس کی وسعت پانا ممکن نہ تھا۔

طریقت میں ایک ولی سے مافوق العقل کرامات کا صدور۔ ولایت کی دلیل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ جیسا گذشتہ زمانوں میں انبیاء کو معجزات دیئے گئے۔ لیکن حضور قبلہ عالم نے ایسی کرامات کو نہ اہمیت دی۔ نہ ان کرامات کا دلیل ولایت میں سہارا لیا باوجود صاحب کمال ہونے کے آپ نے ارادۃً کسی کرامت کا اظہار نہ کیا۔۔۔ حالانکہ آپ کے مریدوں سے اکثر کرامات کا صدور ہوتا رہا۔۔۔ برعکس اس کے آپ نے دنیوی معاملات میں مشکل سے مشکل وقت پر بجائے کرامات استعمال کرنے کے۔۔۔ تدبیر و فکر سے کام لیا۔ ظاہری تدبیر میں بھی آپ بحدِ کمال فہم رکھتے تھے۔ گھر کے کاروبار میں اپنی ذات سے محنت کرنے۔۔۔ اور مریدوں کو بھی تدبیر و فہم استعمال کرنے کی ہدایت فرماتے۔ جب کسی مرید پر مشکل وقت آتا۔ تو فوراً اس تک پہنچ جاتے۔۔۔ اور اس کی مشکل میں شریک ہو جاتے۔۔۔ حضور اپنی

ذات کے لیے کسی سے مدد کے طلب گار نہ رہتے۔ نہ کسی مرید کے آگے دست سوال دراز کرتے۔ اپنی ذات اور محنت سے جو کچھ میسر آیا۔۔۔ اسی پر قناعت فرماتے۔۔۔ اکثر دیکھنے میں آیا۔۔ کہ گھر میں اپنے مہمان مرید کی خود خدمت کرتے۔ جب مہمان رخصت ہوتے۔ تو اس کے ساتھ گاؤں سے اڑھائی میل کے فاصلہ پر بازار تک الوداع کرنے جاتے۔ مہماں کا سامان خود اٹھاتے۔۔۔ اپنے مریدوں کو خوش آمدید کہنے میں خوشی کا اظہار فرماتے۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہوا۔۔ کہ کسی مہمان۔۔۔ یا کسی مرید کو آپ کے دولت کدہ پر آپ کی ملاقات کے لیے۔ باہر رہ کر انتظار کرنا پڑتا۔۔۔ بلکہ جب تک مہمان گھر پر موجود رہے۔ ہر لمحہ اس کی صحبت میں رہتے۔ اور کسی پر اپنی تکلیف یا ذاتی مصروفیت کا احساس نہ ہونے دیتے۔ تاکہ اسے محسوس نہ ہو۔ کہ میرا آنا ان کے لیے باعث تکلیف ہوا ہے۔۔۔ حضور قبلہ عالم زمینداری کرتے تھے۔ خود اپنے ہاتھوں ہل جوتنا اور فصل بونا۔ ان کے لیے معیوب نہ تھا۔ فصل سے کچھ بچ جاتا تو وہ اپنے عزیزوں میں تقسیم کر دیتے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس سے بڑھ کر آپ کے اسوۂ حسنہ کی کیا تعریف ہو سکتی ہے۔ اصل فقر بھی یہی ہے۔ البتہ کبھی کبھی کسی نازک مرحلہ پر آپ نے مرید کی مشکل میں (جس وقت تدبیر کی حد سے باہر ہو۔) کرامات کا اظہار فرمایا۔۔۔ مگر وہ بھی مصلحت کے تابع۔۔۔ یا خود بخود اظہار ہوا۔ ورنہ فقیری کی ضمانت کے لیے آپ نے کبھی کرامت کو وجہ دلیل نہیں بنایا۔

ہجرت حبشہ کے وقت جب مہاجرین مکہ کا ایک قافلہ حبشہ پہنچا۔ تو ابوسفیان نے شہنشاہ حبشہ سے مہاجرین کو واپس لینے کی درخواست کی۔۔۔ شہنشاہ حبشہ نے ابوسفیان کو دربار میں بلا کر پوچھا۔ کہ رسالت کا دعوئے کرنے والی ہستی تمہیں کیا کہتی ہے۔؟ تو ابوسفیان نے کہا وہ فرماتے ہیں۔ اللہ ایک ہے۔ وہی قابل عبادت ہے۔ اسی کی پرستش کرو۔ بت پرستی سے منع کرتے ہیں وغیرہ۔ شہنشاہ حبش نے پوچھا۔ اس کے کردار کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ اس نے جواب دیا۔ وہ سچا اور شریف ہے۔۔۔ شہنشاہ حبشہ نے پوچھا اس ہستی کے ساتھیوں میں کیسے لوگ ہیں امیر ہیں یا غریب؟۔۔ اس کے اجداد میں کوئی بادشاہ تو نہیں ہوا۔۔۔ تو ابوسفیان نے جواب دیا۔ کہ ان کے اجداد میں کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔۔۔ ان کے ماننے والوں میں اکثر غریب اور غلام ہیں۔ شہنشاہ حبشہ نے کہا۔ ان حالات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ رسالت کی یہ دعویدار ہستی۔۔۔ نہ شہنشاہی چاہتی ہے۔ نہ حکمرانی، نہ اقتدار کی ہوس ان میں ہے۔ نہ مال وزر کی خواہش۔ بلاشبہ یہ ہستی رسول ہے۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں آپ کی ابتدائی چالیس سالہ زندگی کا مطالعہ کرنے سے معلوم

ہوتا ہے۔ جب کہ آپ کو وحی کی راہنمائی ابھی میسر نہ تھی۔ اسی دور کا کردار آپ کی شخصیت کی ضمانت بنا۔۔۔ یہ آپ کا اس زمانہ کا کردار تھا جب کہ معاشرے کا کردار پست و ذلیل ہو چکا تھا۔ انسان بد اخلاقی۔ فسق و فجور کا مجسمہ تھا۔۔۔ ماحول میں۔۔۔ زمین کے ایک ذرہ پر بھی حسن اخلاق۔۔۔ حسنِ کردار کی ایک رمق بھی پائی نہ جاتی تھی۔ جس سے کسی انسان کو حسنِ کردار کی تحریک ملتی۔۔۔ ہاں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عامی زندگی۔۔ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کا ذاتی کردار تھا جو کسی تربیت سے حاصل نہ ہوا تھا۔ یہی وہ کردار تھا۔ جس پر۔۔۔ مکہ کے ان لوگوں نے۔ جو بد کرداری کا مجسمہ تھے۔۔۔ جن میں شراب۔ جوا۔ زنا۔ بے حیائی اور ہر بدی معیوب نہ سمجھی جاتی تھی۔۔۔ وہ کسی نیک خصلت کو نہ پسند کرتے تھے نہ نیکی کا ان کے ذہنوں میں کوئی تصور تھا۔۔۔ ایسی صورت میں ایسے لوگوں کا کسی خوبی سے متاثر ہونا ممکن نہ تھا۔۔۔ مگر۔۔۔ انہی لوگوں نے۔ حضور صلعم کے اسی کردار سے متاثر ہو کر آپ کا امین و صادق۔ شریف و حلیم ہونا تسلیم کیا۔۔۔ جہالت کے تصور میں۔ یہ کہنا قطعی غلط ہے۔ کہ وہ لوگ عقل و خرد سے خالی تھے۔ نہیں۔ زمانہ کا تصور کیا جائے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جن میں باکمال ادیب بھی تھے۔ شاعر بھی تھے۔ محقق بھی تھے۔ سپاہگر بھی تھے۔ جرنیل بھی تھے۔ مدبر سیاست دان بھی تھے۔ یہ وہ لوگ تھے۔ جن تک گذشتہ محققین لقمان، ارسطو، افلاطون، ارشمیدس کے تمام علوم۔۔۔ فلسفہ۔۔۔ علم ہیئت و نجوم۔ پہنچ چکے تھے۔ کمی تھی تو اخلاق حسنہ کی اور خیر و شر کی، تمیز کا فقدان۔۔۔ مگر۔۔۔ ہاں!۔۔۔ یہ وہ آفتابِ عالم تاب تھا۔۔۔ جس کی تجلی کی شعاعوں سے کوئی ذہن۔۔۔ کوئی قلب متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔۔۔ مکہ کے لوگوں کو یہ علم نہ تھا کہ یہ ہستی رسول ہے۔ کہ اس رسولی حیثیت پر آپ کا تقدس وجہ شرافت و صداقت ہوتا۔۔۔ نہیں۔۔۔ صرف آپ کی عامی زندگی کا کردار۔۔۔ ہاں! بعدِ رسالت بھی۔۔۔ یہی کردار آپ کی رسالت کا ضامن ہوا۔ کسی نے عمر بن ہشام (ابو جہل) جسے ابوالحکم بھی کہا جاتا ہے۔ ابوالحکم کے معنی "حکمت کا باپ"۔۔۔ سے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔ کیا تم تسلیم نہیں کرتے کہ محمد ﷺ۔۔۔ سچا ہے۔؟ اس نے کہا۔ میں تسلیم کرتا ہوں محمد ﷺ سچا ہے۔ تو پھر اس کے قول کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اس نے جواب دیا اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ میں غلام کے ساتھ ایک صف میں کھڑا ہونا گوارا نہیں کرتا۔ یہی وہ کردار ہے۔ جسے قرآن نے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۳ آیت ۲۱)

کے تصور میں بیان کیا۔۔۔ یہ عبادت و عمل نہیں۔۔۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس

سالہ زندگی کا کردار واسوہ ہے۔ یہی اسوہ حسنہ عالم امت کے لیے مقرر ہوا۔۔۔ اسی اسوہ حسنہ پر عالم امت کے کردار کی بنیاد مسلّم ہو سکتی ہے۔

حضور قبلہ عالمؒ کی فضیلتِ نسبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات نبوت و رسالت میں آپ کی شخصیت کے تسلیم میں اگرچہ کسی حکمرانی یا بادشاہت کا تصور نہیں۔۔۔ تاہم اس سے انکار نہیں۔۔۔ کہ آپ کی شخصیت میں اعلیٰ نسبی کی خصوصیت کو دخل تھا۔۔۔ کہ آپ کو صداقت و شرافت ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام۔۔۔ ذریت اسماعیل علیہ السلام سے ورثہ میں ملی۔ کہ آپ قریش و ہاشم کے اعلیٰ نسب سے تعلق رکھتے تھے۔ جس خاندان کی شرافت و نجابت تمام قوم عرب میں مسلّم تھی۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ احد میں پکار کر فرمایا۔۔۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

ہمارے دعوئے نبوت میں جھوٹ کا شائبہ نہیں۔۔۔ ہماری سچائی کی دلیل ہماری نسبی برتری بھی ہے۔ ہم نسل عبدالمطلب سے ہاشمی و قریشی ہیں۔ لہذا دعوئے صفات نبوت و ولایت میں۔۔۔ نسبی شرافت کو بھی دخل ہے۔۔۔ ایک مقتدر ہستی کے لیے اعلیٰ نسب ہونا۔ بھی ضروری ہے۔ اگرچہ کسی حیثیت میں وہ ادنیٰ درجہ ہی کیوں نہ رکھتا ہو۔۔۔ حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ کی نسبی شخصیت بھی عظیم تر تھی۔۔۔ آپ کشمیر کے ایک گوجر قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ جن کی اصل قبیلہ قریش سے تھی۔ قبیلہ قریش کے مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کا شجرہ ملتا ہے۔۔۔ اور حضرت دحیہ کلبیؓ کا شجرہ نسب پانچ پشتوں سے حضرت کعب علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ حضرت کعب علیہ السلام۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد۔ قبیلہ قریش، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذریت سے ہیں۔۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانِ رسالت کے بعد۔۔۔ دحیہ کلبی بھی آپ پر ایمان لائے۔۔۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ کے ایمان لانے کی خوشی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی راہ میں ردائے[1] مبارک بچھا دی۔۔۔ حضرت

---

[1] عرب کے دستور کے مطابق کسی شخص کے لیے اظہار عزت افزائی اور خوشنودی کا مظاہرہ اپنی چادر (رداء) بچھانے سے کیا جاتا تھا۔

جبرئیل امین اکثر اوقات:

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا

دحیہ کلبی کی شکل میں متمثل ہو کر دربار اقدس میں حاضر ہوتے تھے۔۔۔ حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ کا مکہ کی معزز ترین شخصیتوں میں شمار ہوتا تھا۔۔۔ آپ وجیہہ وخوبصورت تھے۔ اور علم و تدبر میں بھی مکہ کی مدبر شخصیتوں میں سے تھے۔ آپ کا ایمان لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے باعث مسرت ہوا۔۔۔ آپ کی کنیت "کلبی" تھی۔ آپ مکہ کے امراء میں سیر وشکار کے بے حد شوقین تھے۔ آپ نے شکار کیلئے کتے پال رکھے تھے۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ بعض شخصیتوں کے القاب و کنیت۔ ان کی مخصوص صفات پر رکھے جاتے۔ جیسے حضرت عبدالمطلب۔۔۔ کی کنیت شیبہ تھی۔ شیبہ کے معنی بوڑھا۔۔۔ وہ اس لیے کہ آپ کے سر کے چند بال بچپن سے ہی سفید تھے۔ اس صفت پر آپ کو شیبہ کے لقب سے پکارا جاتا۔۔۔ اسی طرح آپ کی کنیت۔ کتوں کے پالنے کی وجہ سے "کلبی" رکھی گئی۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک۔۔۔ دحیہ کلبیؓ اپنی شخصیت کے اعتبار سے پسندیدہ تھے۔ اس لیے آپ کے اسلام میں داخل ہونے پر حضور ﷺ نے وفور مسرت میں آپ کے آگے اپنی ردائے مبارک بچھا دی۔ یہ آپ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور عزت افزائی کا اظہار تھا۔۔۔ سبحان اللہ!۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ردائے مبارک کا اعزاز ملنا۔ کائنات کا عظیم ترین اعزاز تھا۔!۔۔۔ آہ!۔۔۔ یہ وہ ردائے مقدس ہے۔ جس کی عظمت عرش۔۔۔ سدرۃ المنتہیٰ۔۔۔ سے بھی بلند۔۔۔ جس کی ہوا کو ملائکہ کی قدسیت بھی نہ پا سکی۔ اس کی ہمسری۔ ملائکہ کے سردار جبرئیل بھی نہ کر سکے۔ جہاں سدرۃ المنتہیٰ سے آگے جبرئیل کو بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔۔۔ کہا:

اگر یک سر موئے برتر پرم ۔۔۔ فروغ تجلی بسوزد پرم

وہاں

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۙ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ

کے مقام شاہانہ نبوت پر انوار و تجلیات و تدلیات الٰہی کو اس ردائے مقدس نے اپنے میں سمیٹا۔۔۔ جہاں تمام انبیاء صاحب منزل صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء سے آگے نہ بڑھ سکے۔ وہاں یہ ردائے مقدس امام الانبیاء کے دوشِ اطہر پر چمک رہی تھی۔ شہنشاہِ کون و مکان کا علم بن کر لہرا رہی تھی۔۔۔ کہاں انبیاء کے سرداں کا سایہ!۔۔۔ کہاں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے لیے فرش راہ کا اعزاز!۔۔۔ کہاں حاملانِ عرش کا فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی گرد

نعلین کی تمنا!--- جب ہی تو حضرت جبرئیل امین سردار ملائکہ کا آپ کی شبیہ کے متمثل ہونا پسندیدہ ہوا--- یہ وہ اعلیٰ و ارفع مقام ہے۔ جو خاندان دحیہ کلبی کو ورثہ میں ملا--- جس اعزاز پر اس خاندان کو فخر حاصل ہے۔ یہی نسبی فضیلت حضور قبلہ عالم حضرت الحاج مولوی محمد امین کی ذات عالی رحمت اللہ علیہ کو نسبی ورثہ میں ملی۔ جس شجرہ مقدسہ کے اشجار حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے فرزند اکبر حضرت عبد اللہ بن دحیہ کلبی سے سلسلہ وار--- جناب، عبد الجمال، جناب عبد العارف، جناب حافظ کمال، جناب حافظ مراد، جناب حافظ محمود، جناب میاں غازی، جناب حافظ رحمان، جناب حافظ شمس، جناب حافظ سرجہ، جناب حافظ لکھن، جناب حافظ غلام، جناب میاں عمر، جناب میاں امیر، جناب میاں مالک، جناب میاں حاجی، جناب میاں موسیٰ، جناب میاں سنگر، جناب حافظ لقمان، جناب حافظ خوشحال، جناب حافظ شفیع، جناب حافظ قاسم، جناب حافظ الیاس، جناب میاں شکر اللہ، جناب میاں نظام الدین، جناب میاں مراد، جناب چوہدری میاں پٹھانہ، جناب چوہدری میاں رانہ، جناب چوہدری میاں عبد اللہ، جناب چوہدری محمد اسماعیل؛ جناب چوہدری برخوردار، جناب میاں رجن، جناب چوہدری سانن، جناب چوہدری جیون، جناب میاں نصر، جناب میاں جمال، جناب میاں سلام، جناب میاں سید، جناب حبیب اللہ، جناب میاں تاج محمد، جناب میاں کالد، جناب امام الدین، جناب رحیم الدین رحمت اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ اسی شجرہ مقدسہ کے بار آور ثمر جناب رحیم الدین کے فرزندِ جلیل۔ حضور پُر نور حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحب قریشی۔ قادری، قلندری، اویسی رحمت اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ جو اپنے خاندان کی وراثتِ خاصہ کے صحیح مظہر ثابت ہوئے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثتِ نبوت و رسالت کے حقیقی مظہر و وارث--- قرآن و شریعت و طریقت کے حامل۔ معنوی صوری فرزند اور آل عبا (ردا) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فیضِ حکمت کے بواسطہ قادری سلسلہ وارث--- اور ردائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز یافتہ شہنشاہِ عشاق حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبوبیت کے وارث جنہیں۔ معنوی۔ صوری حیثیت میں ہر سہ جانب سے ردائے نبوت کا اعزاز وراثت میں عطا ہے۔ جنہوں نے مخلوق انسانی کے لیے۔ حصول علم و عرفان۔ آسان کر دیا۔ جنہوں نے حضرت خواجہ اویس قرنیؓ کے فیض محبوبیت کو جو مدتوں طالبانِ حق کے لیے "عنقا" رہا ظاہر کر دیا۔

حضور قبلہ عالمؒ کی ابتدائی تعلیم

حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کے آباؤ اجداد کشمیر کے کوہستانی علاقہ شاردا- دراوہ میں پنجاب سے منتقل ہو کر کشمیر میں وارد ہوئے- یہ قبیلہ زمینداری سے تعلق رکھتا تھا- نیز علاقہ دراوہ ایک دور افتادہ--- پہاڑی علاقہ تھا- جسے اس خاندان نے اپنی طبع کے مطابق پسند کیا- اور یہاں مستقل سکونت اختیار کی (اس کی تفصیل نہ مل سکی کہ اس خاندان کی کون سی ہستی تھی- جو پہلے اس علاقہ میں وارد ہوئی) علاقہ دراوہ کشمیر کے دور دراز پہاڑوں میں واقع ہے- جہاں انسانی آبادی کے لیے آمدورفت میں آسانی نہیں- اس اعتبار سے یہ علاقہ معاشی- تعلیمی اور تہذیبی حیثیت میں شہری زندگی کے مقابل پسماندہ تھا- اس علاقہ میں یہی ایک خاندان تھا- جو اسلامی تہذیب اور اسلامی تعلیم کو اپنے ساتھ لایا--- حضور قبلہ عالم کے والد محترم بھی وقت کے مشائخ صاحب بصیرت فقراء میں سے تھے- انہیں بھی یہ خصوصیت اپنے خاندان سے ورثہ میں ملی تھی- حضور قبلہ عالم کی پرورش اور تربیت اپنے والد کے ہاتھوں ہوئی- ابتدائی تعلیم میں قرآن کریم کی تلاوت اور چند فارسی کتب کی تعلیم بھی اپنے والد سے حاصل کی- لیکن قدرت نے جس امر کے لیے آپ کو منتخب کیا تھا- اس کے لیے- بِلَادِالتِّینِ چین کی حدوں تک بادیہ پیمائی مقدر تھی--- یہ ماحول آپ کی علمی تشنگی کو پورا نہ کر سکا- چنانچہ فطری وجدان نے آپ کو کائنات کی وسعتوں میں پرواز پر اکسایا--- آپ نے حصولِ حق کے لیے مہاجر الی اللہ ہو کر وطن سے ہجرت کا فیصلہ کر لیا- اور طلبِ حقیقت پر والدین- عزیز و اقارب کی شفقتوں- اور زندگی کی آسودگیوں- آسائشوں کو قربان کر کے- حادثات زمانہ کی مشکلات- مصائب و آلام اور حصول علم میں دشواریوں کو لبیک کہہ کر سفر کا آغاز کیا--- والدین سے اجازت چاہی- آپ کے والد بھی صاحب علم صاحب بصیرت ہستی تھے- آپ پہلے ہی اندازہ کر چکے تھے کہ اس معصوم ذرے میں--- آفتاب عالم تاب کی ضیائیں عالم شہود میں جلوہ گر ہونے کے لیے کائنات کی وسعتوں میں پھیلنے کے لیے وسعت چاہتی ہیں- جس کے لیے ہجرت اور سفر کے آلام سے جلا پانا لازمی سنت ہے- انہوں نے امید و بیم- غم و مسرت کے ملے جلے جذبات سے نکلے ہوئے آنسوؤں سے الوداع کہی- اور آپ نے کوہستانِ کشمیر کے گمنام پہاڑوں سے نکل کر ہندوستان کی وسیع وادیوں کی طرف سفر کا آغاز کیا--- ابتدائی منزل میں اتر کر ضلع ہزارہ (صوبہ سرحد) میں قیام فرمایا- غالباً یہ ۱۹۲۰ء (انیس سو بیس عیسوی) کا زمانہ تھا- صوبہ سرحد- پنجاب اور ہندوستان کے اکثر شہروں

ہیں۔۔۔ علوم اسلامی کی درس و تدریس کے لیے دینی درسگاہیں۔ علمائے اسلام کی زیر نگرانی قائم تھیں۔ جہاں طالبان علم کو۔ دینی تعلیم سے متعلق۔ قرآن و حدیث۔ فقہ۔ منطق۔ معقول۔ تاریخ۔ حکمت و فلسفہ وغیرہ کا درس دیا جاتا تھا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے ضلع ہزارہ سے ہی تعلیم کی ابتدا کی۔ جہاں مسجدوں میں بھی غربا۔ مساکین۔ یتیم طلباء کو تعلیم دی جاتی تھی۔ ابتدائی دور میں چند عربی فارسی کتب کی تعلیم حاصل کی ضلع ہزارہ کے مدرسوں میں تعلیم محدود تھی۔ چنانچہ آپ نے یہاں قرآن کریم کی تلاوت۔ قرأت۔ تجوید اور مزید چند فارسی کتب سے استفادہ کر کے پنجاب کا رخ کیا۔ یہاں بھی چند استادوں سے استفادہ کر کے وسطِ ہند۔ (یوپی) میں۔ دہلی امروہہ۔ دیوبند اور مختلف شہروں میں مشہور اساتذہ سے سبق لیا۔ اس زمانہ میں مسلمانانِ ہند اور خصوصاً اکابرین علمائے اسلام میں دینی تعلیم کے اجراء کا پورا جذبہ موجود تھا۔ مسلمانوں میں مخیر حضرات دینی تعلیم کے اجراء میں درسگاہوں کی مالی امداد بہم پہنچاتے۔ جن میں ہندوستان میں مسلمان والیانِ ریاست خصوصاً نظام حیدر آباد سیر عثمان علی خان علیہ رحمتہ نے اسلامی درسگاہوں کے لیے۔ اپنی دولت کے خزانوں کے منہ کھول رکھے تھے۔ اپنی ذات کے لیے موصوف نے حد درجہ سادگی اختیار کر رکھی تھی۔ سادہ خوراک استعمال کرتے۔ معمولی کپڑے استعمال کرتے۔ یہاں تک کہ موسم سرما میں اوڑھنے کا کمبل تین روپے میں استعمال شدہ خرید کر استعمال کرتے۔ اور جہاں کسی درسگاہ کے عالم نے مدرسہ کے لئے امداد کی فرمائش کی تو یہ رقم لاکھوں روپوں میں ایثار فرماتے۔ ہندوستان کی درسگاہیں ایسی ہی امداد پر چلتی تھیں۔ چنانچہ اسی امداد پر ہندوستان کے بیشتر شہروں میں۔ جملہ علوم دینی کی تعلیم عام تھی۔ حضور قبلہ عالمؒ نے ایسی ہی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں تعلیم کے ساتھ نادار طلباء کے لیے کھانے، رہائش کا انتظام بھی میسر ہوتا۔ حضور قبلہ عالمؒ حد درجہ ذہین تھے۔۔۔ آپ فرماتے تھے۔ کہ درسگاہوں میں ذہنی صلاحیت اور قابلیت پر داخلہ ملتا تھا۔ آپ کی قابلیت پر آپ کو ہر درسگاہ میں ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا اور خوراک و رہائش کی سہولت مہیا کی جاتی۔۔۔ اور وظیفہ بھی دیا جاتا۔۔۔ اساتذہ آپ پر خصوصی توجہ دیتے۔ حضورؒ خود اپنی تعلیم میں پوری دلچسپی اور مشقت و محنت سے کام لیتے۔۔۔ ذہن رسا تھا۔ اس لیے آپ کو حصولِ تعلیم میں دقت پیش نہ آئی۔ آپ زیادہ تر وقت تنہائی میں تعلیم پر صرف کرتے۔۔۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں جو بھی فراغت کا وقت میسر آیا۔ آپ نے تعلیم میں صرف کیا آپ اکثر راتوں کی تنہائی میں مطالعہ میں مشغول رہتے۔ آپ کی علمی مشغولیت کے مد نظر

[1] حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں اکثر تمباکو۔ سگریٹ نوشی کے عادی تھے۔ وہ لوگ حضور کی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر

اساتذہ بھی دل کھول کر علمی حقائق سے انہیں آراستہ فرماتے۔ حضور کی استعدادِ علمی کا یہ عالم تھا کہ دقیق مسائل پر آپ کو عبور حاصل ہوا۔ امتحانی مقابلوں میں آپ اپنے علمی سوالات کا ایسا اجتہادی حل پیش کرتے کہ خود اساتذہ آپ کی ذہانت کی داد دیتے۔ قدرت نے آپ کو القائی قوت عطا فرمائی تھی۔ جیسے آپ کے ذہن میں غیب سے علم آتا ہو۔ اس وجہ سے اساتذہ آپ سے عزت و شفقت سے پیش آتے۔ حضور کو علم سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ علمی نصاب میں مختلف علوم کی کتابیں ہوتیں۔ جن میں اس زمانہ میں ہر نصاب، ہر قسم کے علم کے لیے جلیل القدر ماہرین استاد علیحدہ علیحدہ کتاب میں بھی درس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضور کو جہاں کسی جید عالم کا علم ہوا۔ آپ اس کی خدمت میں حاضر ہوتے حصولِ تعلیم میں۔۔۔ اساتذہ طالب علم کو ذہنی استعداد کے مطابق پڑھایا کرتے تھے۔ جس میں کم قوت دیکھی اسے اس کی ذہنی استطاعت کے مطابق علم دیا۔ جہاں کسی طالب علم میں ذہنی وسعت دیکھی تو اسے اس کی ذہنی وسعت کے مطابق دقیق علمی حقائق سمجھائے۔ حضور قبلہ عالم کو یہ شرف حاصل تھا کہ آپ کو استاد اس طرح پڑھاتے جیسے ایک عالم دوسرے عالم کے سامنے علمی حقائق پیش کرتا ہو۔۔۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۹)

موجودگی میں بلاجھجک سگریٹ تمباکو استعمال کرتے۔ لیکن آپ کسی شخص سے تعرض نہ فرماتے۔ بعض غیر واقف لوگ اس حرکت کو برا محسوس کرتے۔ لیکن حضور ایسی حرکت کو اہمیت نہ دیتے۔ آپ خود بھی نسوار استعمال کرتے تھے۔ دیوبندی حضرات اس پر اعتراض کرتے۔ لیکن حضور ایسی باتوں پر توجہ نہ فرماتے۔ اس سلسلہ میں ایک دن اپنے نسوار استعمال کرنے کا ایک واقعہ سنایا کہ آپ نے نسوار کیسے شروع کی۔ فرماتے ہیں کہ دورانِ تعلیم ایک درس گاہ میں۔ آپ کے ساتھ اور بھی طالب علم تھے جو رات کو مطالعہ میں دیر تک مشغول رہتے۔ لیکن حضور پر نیند غالب آ جاتی اور زیادہ دیر مطالعہ نہ کر سکتے آخر ایک طالب علم سے پوچھا کہ تم لوگ رات کو مطالعہ کرتے رہتے ہو۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ دیر تک مطالعہ کروں مگر مجھ پر نیند غالب آ جاتی ہے۔ اس طالب علم نے کہا رات آپ ہمارے ساتھ مطالعہ میں شامل ہوں --- رات جب حضور ان کے ساتھ شریک ہوئے تو طالب علم نے نسوار کی ایک چٹکی منہ میں ڈال دی --- چٹکی کا منہ میں ڈالنا تھا۔ کہ آپ کا سر چکرانے لگا۔ منہ کڑوا ہو گیا۔ حضور اس کی اس حرکت سے ناراض ہو گئے۔ طالب علم نے ہنس کر کہا ---- یہی وہ نسخہ ہے ---- جس سے ہم نیند پر قابو پاتے ہیں۔ اب آپ دیر تک نہ سو سکیں گے۔ تھوڑی دیر بعد سر چکرانا موقوف ہوا ---------- اور نیند کا غلبہ بھی

بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر

حضرت مولانا نورالزمان شاہ صاحبؒ سے تحصیلِ علم

اس زمانہ میں ہندوستان کے مشہور اکابرین اسلام میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی مشہور جید علماء میں سے تھے۔ جن کی سرپرستی میں ہندوستان کی درسگاہوں میں علوم دینی کا اجراء ہوتا تھا۔ ان مقدس ہستیوں سے حضور قبلہ عالم کو علمی فیض حاصل کرنے کا موقع ملا۔۔۔ بالآخر مختلف مقامات میں زمانہ کے جید علماء سے علم حاصل کرتے۔ آپ دارالعلوم امروہہ تک پہنچے۔ دارالعلوم امروہہ بھی حضرت محمد قاسم نانوتوی رحمت اللہ علیہ کے شاگردوں کے زیر نگرانی چل رہا تھا۔ اس زمانہ میں ہندوستان میں اسلامی درسگاہوں میں دارالعلوم دیوبند۔ دارالعلوم امروہہ مشہور درسگاہوں میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالم نے دارالعلوم دیوبند میں بھی داخل ہو کر علمی سند (بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲)

نہ ہوا۔ دوسرے دن پھر نسوار کی چٹکی لی جس سے نیند کا غلبہ کم ہوا۔ رفتہ رفتہ یہ ترکیب کارآمد ثابت ہوئی۔ اب حضور قبلہ عالم نے بھی نسوار کی ڈبیا رکھ لی۔ ایک چٹکی منہ میں ڈالی اور اطمینان سے مطالعہ میں مشغول رہے۔ اسی طرح آپ نسوار کے عادی ہو گئے۔ ذہن نے ذرا تھکاوٹ محسوس کی۔ آپ نے چٹکی بھر لی۔ ذہن حاضر ہو گیا۔ فرمانے لگے یہ عادت ناقص تو تھی۔ مگر اس ناقص چیز نے ہمیں مطالعہ میں کافی مدد دی۔ ذہن اس کا عادی ہو گیا۔ جب کبھی ذہن پر بوجھ ہوا۔ چٹکی لے لیتے ہیں تو کسی حد تک سکون محسوس ہوتا ہے۔ لہٰذا ہم نے اس بدعت کو مفید سمجھ کر قبول کر لیا۔ یہ بات ہے کہ سوائے وقتی مفاد کے ہمیں اس سے کوئی مضرت نہیں۔ آپ کے نسوار استعمال کرنے کا ایک خاص انداز تھا۔ کبھی دورانِ گفتگو جب آپ وعظ فرماتے۔ ذہنی تھکاوٹ محسوس کی۔ ایک چٹکی منہ میں سامنے کے دانتوں میں چند منٹ رکھ کر تھوک دیتے۔ اور ساتھ ہی پانی منگا کر دانت صاف کر لیتے۔ نسوار کی آلائش دانتوں میں نہ رہنے دیتے۔ نہ آپ کے دانتوں سے یہ ظاہر ہوتا کہ آپ نسوار استعمال کرتے ہیں۔ حضور اپنے مریدوں کی ایسی ناقص عادتوں پر نہ تعرض فرماتے نہ انہیں اہمیت دیتے آپ کا قول تھا کہ نسبتِ پیر۔ نسبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "روح سے روح کا رابطہ" قائم رکھو ۔۔۔۔۔ فرماتے ہیں۔ یہ اصول ہے کہ نور نار پر غالب ہوتا ہے۔ اور نار خاک پر غالب ہوتی ہے۔ نسبتِ پیر سے نوری روح کو تقویت ملتی ہے۔ اگر جسم میں کوئی ناری۔ خاکی قوت داخل ہو تو نور اسے جلا کر اثر باقی نہیں رہنے دیتا۔ نار و خاک مشاہدۂ نوری میں فرق ڈالتے ہیں۔ جس کی نوری نسبت قوی ہو اس کے مشاہدہ میں ایسی ناقص چیزوں سے فرق نہیں آتا ہے ۔۔۔۔ نہ عبادتیں ایسی کیفیتوں سے متاثر ہوتی ہیں۔

حاصل کی۔ یہاں سے فراغت کے بعد آپ نے دارالعلوم امروہہ میں داخلہ لیا۔۔۔ اس دارالعلوم میں ان علماء کے ہم عصر۔۔۔ مشہورِ زمانہ عالم حضرت مولانا محمد نورالزمان شاہ صاحب بھی تھے۔ جن کی زیر نگرانی دارالعلوم امروہہ چل رہا تھا۔ آپ کی علمی شہرت سن کر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمت اللہ علیہ کے شاگردوں نے آپ کو دارالعلوم کی نگرانی کی دعوت دی۔ جو آپ نے قبول فرما کر۔ اس کی سرپرستی اپنے ذمہ لی۔ آپ کو جملہ علوم دینی پر کلی عبور حاصل تھا۔ اعلیٰ حضرت مولانا سید نورالزمان شاہ صاحبؒ کو علوم دینی کے علاوہ علوم باطنی میں یکتائے روزگارِ علمائے باطنی میں اونچا مقام حاصل تھا۔ ابتداً آپ علم طریقت کے قائل نہ تھے۔ لیکن قدرت نے آپ کو اس علم کے اجراء کے لیے ازلی طور پر منتخب کیا تھا۔ آپ نے دورانِ مطالعہ قدیم اولیاء کے مکتوبات کا مطالعہ کیا۔ جس میں تزکیہ نفس۔ تصور و مراقبہ کے اشغال کا ذکر۔۔۔ اور عالم باطنی کے اسرار و معارف کی کیفیات کا ذکر تھا۔ آپ نے فطری تحریک کے تابع اس علم پر توجہ دی۔۔۔ اور بغیر کسی راہنمائی کے تصور و مراقبہ شروع کیا۔۔۔ شرعی اعتبار سے آپ تزکی قلب رکھتے تھے۔ دورانِ مراقبہ آپ پر کیفیاتِ نوری کا نزول ہونا شروع ہوا۔۔۔ اسی مشاہدہ میں آپ کو حضوریٔ شہنشاہ کونین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔ آپ جاگتی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک مجذوب ولی نقشبندی شاہ مظفر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔۔۔ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی سکونت موضع کوٹ چاندنہ "کالاباغ" ضلع میاں والی۔۔۔ ماڑی انڈس سٹیشن کے قریب تھی۔ یہ جگہ سندھ کی گذرگاہ تھی۔ اسی جگہ حضرت شاہ مظفر صاحب کا مسکن تھا۔ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق آپ۔۔۔ حضرت شاہ مظفر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شاہ مظفر صاحب "چپ فقیر" کے نام سے مشہور تھے۔ آپ مجذوب حالت میں کسی سے کلام نہ کرتے تھے۔ عالی جاہ شاہ صاحب آپ کی خدمت میں پہنچے تو آپ جھونپڑی کے دروازے پر کھڑے تھے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کو دیکھ کر آگے تشریف لائے۔ فرمایا۔ میں آپ کا منتظر تھا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے متعلق اطلاع فرمائی ہے۔ آپ کو جھونپڑی میں بٹھا کر توجہ دی۔۔۔ جس سے آپ کا مشاہدہ صاف ہو گیا۔ حضرت شاہ مظفر صاحبؒ نے فرمایا ہمارے ذمہ اتنا ہی کام تھا۔ اب آپ علاقہ سندھ میں قصبہ اروڑ میں حضرت شاہ محمد عارف صاحبؒ کی خدمت میں جا کر سلسلہ اویسیہ کی بیعت لیں۔ چنانچہ عالی جاہ شاہ صاحب۔ حضرت شاہ محمد عارف صاحب رحمت اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے۔ تو آپ کو بھی

اپنا منتظر پایا۔ عارف صاحبؒ نے فرمایا۔ کہ آپ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیں اطلاع ملی ہے۔ حضرت شاہ محمد عارف صاحبؒ نے انہیں بیعت میں لیا۔ عالی جاہ حضرت شاہ عارف صاحب کی خدمت میں رہ کر ایک غار میں اکثر چلہ کش رہے۔ حضرت شاہ صاحب نے آپ کو اپنی تربیت میں لے کر جملہ علوم باطنی سے مزین فرما کر۔ آپ کو مراتبِ الٰہی کی فنا و بقا کے ذات الٰہی میں اکمل فرما کر خلافت اویسیہ عطا کی۔ اس طرح آپ کو علمِ ظاہری کی کمالیت کے ساتھ علمِ باطنی میں بھی اکملیت کا مقام عطا ہوا۔ حدیث ہے:

"جو شخص جس چیز کی طرف ہجرت کرتا ہے۔ وہ اسے پاتا ہے۔"

ابرِ نیساں سے نکلا ہوا۔۔۔ ایک قطرہ۔۔۔ جب پہاڑوں کی چٹانوں سے ٹکرایا۔۔۔ حادثات کی ندیوں سے ہمکنار ہوا۔۔۔ اس معصوم قطرے میں اپنے منبعِ حقیقی۔۔۔ بے پایاں سمندر سے۔۔۔ وصال کی شدت سے تڑپ تھی۔۔۔ یہ قطرہ۔۔۔ ندیوں نالوں۔۔۔ دریاؤں سے سر ٹکراتا۔۔۔ وقت کے دھارے میں بہتا۔۔۔ کبھی پتھروں سے ٹکراتا۔۔۔ کبھی دریا کی پہنائیوں میں ڈوبتا۔۔۔ ابھرتا۔۔۔ صحراؤں کے دل چیرتا۔۔۔ منزل کی طرف رواں دواں تھا۔ اس معصوم قطرے میں بلا کا طوفان سمایا تھا۔۔۔ جو اسے آخر اس صدف تک لایا۔۔۔ جو اس قطرے کے انتظار میں۔ مدتوں منہ کھولے تھا۔ اس قطرے نے اپنی آغوش پالی۔۔۔ جس آغوش نے۔ اس مضطرب قطرے کو سکون بخش کر اسے۔ گوہر آبدار کی شکل دی۔ یہ صدف اس بحرِ محیط کا گوہر ساز برتن تھا جس کے بغیر گوہرِ آبدار بننا ممکن نہیں۔۔۔ بغیر پیر اکمل کی فنا کے۔۔۔ وصال حق حاصل نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ حضور قبلہ عالم اپنے مقصود کے قریب پہنچ گئے۔ جس مقصد کے لیے قدرت نے انہیں پیدا کیا تھا۔ عالی جاہ مولانا محمد نور الزمان شاہ صاحب رحمت اللہ علیہ کی بصیرت نے آپ کی پنہاں خوبیوں کو پہچانا۔۔۔ اور آپ کی تعلیم پر خصوصی توجہ فرمائی۔۔۔ حضور قبلہ عالم کی بصیرت پنہاں نے بھی۔۔۔ اس خزینہ عطر بیز کی خوشبو پالی۔۔۔ آپ نے بھی حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی مصاحبت کا مستقل ارادہ کر لیا۔ حضور قبلہ عالم کے دل میں تلاشِ حق کی تڑپ مچل رہی تھی۔۔۔ اسی تڑپ نے تو۔۔۔ آپ کو کم سنی کی حالت میں والدین کی شفقتوں۔۔۔ وطن کی آسائشوں کو خیر باد کہہ کر قریہ قریہ۔۔۔ شہر شہر۔۔۔ ملک ملک۔۔۔ بادہ پیمائی پر اکسایا۔۔۔ یہاں پہنچ کر اس آفتابِ عالم تاب کی ایک جھلک نے آپ کے مضطرب قلب میں سکون پیدا کر دیا آپ کو اپنی تمناؤں کے بار آور ہونے کی امید بندھی۔۔۔ آپ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں کمر بستہ ہو گئے۔۔۔ اعلیٰ حضرت شاہ صاحب نے نہایت شفقت و محبت سے آپ

پر توجہ فرمائی۔ اور حصول علم میں کشادہ دلی سے۔۔۔ آپ کی راہنمائی فرمائی۔۔۔

حضرت مولانا نور الزماں شاہ صاحبؒ سے بیعت

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ ہم چاہتے تھے کہ کسی طرح علم ظاہری کے ساتھ علم باطنی بھی آپ سے حاصل ہو۔ لیکن دل میں یہ طے کر لیا کہ حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ خود مجھے ارشاد فرمائیں۔ آخر ایسا ہی ہوا۔۔۔ ایک دن حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ درس دے رہے تھے۔ مجلس میں بہت سے طلباء درس لے رہے تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ ایک کونہ میں بیٹھ کر درس سن رہے تھے۔ درس سے فراغت پا کر۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے آپ کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ ایک طالب علم سے فرمایا۔ اس چھوکرے کو ہمارے پاس لاؤ۔۔۔ حضور قبلہ عالم بصد شوق و نیاز خدمت میں پیش ہوئے۔ آپ نے حضور پر نظر ڈالی۔۔۔ اور درود شریف کی تلقین فرمائی۔۔۔ ہاں! معرفت کے خزانوں کی کنجی آپ کو سونپ دی۔۔۔ یہ وہ وقت تھا جب حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ نے ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اور تلاشِ حق کی جستجو میں غوطہ زن ہو گئے۔ اس طرح حضور قبلہ عالم نے علم ظاہری کے ساتھ تصور و استغراق کا شغل جاری رکھا۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ اس علم میں حد درجہ لذت تھی۔۔۔ تصور و استغراق میں ایک سرور حاصل ہوا۔۔۔ اور اب بغیر حصولِ علم۔۔۔ اور مشاہدہ علم۔۔۔ کسی شے پر طبیعت مائل نہ رہی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ بیشتر وقت مسجد کے گوشہ تنہائی میں۔ مراقبہ میں مشغول ہو جاتے۔۔۔ اس کے ساتھ ہی۔ آپ پر اسرارِ باطنی کے دروازے کھلنے لگے۔۔۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم نے حصولِ طریقت میں۔۔۔ شدید محنت کی۔۔۔ یہاں تک کہ شدت کی جھلسا دینے والی گرمی میں مسجد میں مراقب ہوتے۔ تو گرمی کی شدت سے آپ کے جسم سے پانی کی طرح پسینہ بہتا اور جسم کی کھال اتر جاتی۔۔۔ اس حال میں بھی مراقبہ سے ہٹنے کو جی نہ چاہتا کھال اترنے کی وجہ سے جسم پک جاتا۔۔۔ اور سخت جلن رہتی۔۔۔ لیکن مشاہدہ کی لذت ہمیں اس طرف رجوع کرنے پر مجبور کر دیتی۔۔۔

حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ نے اپنے دورِ طالبِ علمی میں انتہائی مشقت سے علم حاصل کیا۔۔۔ کم سنی کا زمانہ۔۔۔ غریب الوطنی۔۔۔ محتاجی۔۔۔ بے سروسامانی کی حالت میں حصولِ علم کی لگن میں۔۔۔ اپنی سعی و جہد میں کبھی فرق نہ آنے دیا۔۔۔ لباس بوسیدہ پیراہن میں پیوند۔۔۔ فاقہ۔۔۔ سفرِ دراز کی صعوبتیں۔۔۔ اور حصولِ معرفت میں محنت شاقہ

یہ خصوصیات آپ کی بلند ہمتی اور پر عزم استقلال۔۔۔ اور اولوالعزمی کی مظہر تھیں آپ مجسم محنت تھے۔۔۔

یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۝

اے انسان تو مجسم محنت ہے۔ طرف اپنے رب کی محنت کرنے کے۔۔۔ پس تو نے اللہ سے وصال پانا ہے۔ حضور قبلہ عالم اس آیت کے کامل نمونہ تھے۔۔۔

نابینا استاد کی مرتے دم تک خدمت

حضور قبلہ عالم اپنے تعلیمی زمانہ کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں۔۔۔ غالباً یہ پوٹھوہار (راولپنڈی) کا واقعہ ہے۔ ابتدائی زمانہ میں یہاں ایک استاد سے ایک درسی کتاب پڑھنے کے لئے آئے۔ استاد علوم دینی کے عالم تھے۔ ان کے ہاں اور بھی طالب علم درس لیتے تھے۔ استاد صاحب مجرد تھے۔ طالب علم ان کا کام کاج بھی کرتے کھانے پینے کے لئے خیرات سے کچھ ملتا۔ گھر پر ہی پکا کر کھا لیتے اور کچھ گھر والوں سے کھانا مل جاتا۔ ایک دن گھر میں کھانا پکانے کے لئے لکڑی موجود نہ تھی۔ استاد نے طالب علموں کو۔۔۔ نزدیک ہی ایک زیارت سے لکڑی کاٹ کر لانے کے لئے حکم دیا۔ طالب علم زیارت سے لکڑی کاٹ کر لائے۔ اور کھانا پکایا۔ دوسرے دن صبح استاد اٹھے تو اچانک ان کی بینائی جاتی رہی۔۔۔ طلباء نے قیاس کیا کہ زیارت سے لکڑی کاٹنے پر ولی ناراض ہو گئے۔ زیارت میں مدفون ولی نے۔ استاد صاحب کی بینائی سلب کی استاد صاحب نے اس قیاس پر اتفاق نہ کیا۔ کچھ دیسی دوا استعمال کی۔ چند دن بعد بینائی واپس آ گئی۔۔۔ کچھ دنوں بعد پھر لکڑی کی ضرورت پڑی تو استاد صاحب نے پھر زیارت سے لکڑی کاٹ کر لانے کے لئے طلباء سے کہا۔ طلبا نے استاد سے کہا۔ کہ زیارت سے لکڑی نہ لائیں۔ ولی ناراض ہوں گے۔ مبادا پھر آپ کی بینائی جاتی رہے۔ مگر استاد صاحب اس بات پر بضد رہے۔ طلباء زیارت سے لکڑی کاٹ کر لائے۔ رات کھانا پکایا۔ دوسرے دن اچانک استاد صاحب کی بینائی ضائع ہو گئی۔ بہت دوا کی۔ مگر پھر بینائی واپس نہ آئی۔ استاد صاحب نے بہت دعا کی، فاتحہ پڑھی۔ مگر بینائی ایسی گئی کہ استاد صاحب مستقل نابینا ہو گئے۔ اور درس دینے سے رہ گئے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ اس حالت کو دیکھ کر ہم پریشان ہو گئے۔ آہستہ آہستہ سب طالب علم استاد صاحب کو اکیلا چھوڑ کر چلے گئے۔۔۔ یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم نے فیصلہ کر لیا کہ اس بے کسی کے عالم میں استاد کو تنہا چھوڑنا۔۔۔ مناسب نہیں آپ نے خود استاد کی خدمت اپنے ذمہ لی۔۔۔ اور جس طرح بھی ہوا۔ محنت مزدوری کر

کے۔ یا رات گھروں سے کھانا مانگ کر استاد کو کھلاتے۔ اور خود بھی کھاتے۔ نابینا استاد کو سبق سنا کر ان سے شرح پوچھ لیتے۔ اسی حالت میں۔ مہینوں گذرے آپ استاد کی خدمت میں مستعد رہے، آپ ان کے کپڑے دھوتے۔ جھاڑو دیتے۔ بستر لگا دیتے۔ وضو کراتے پانی لاتے۔ گھر کا تمام کام کرتے۔ کچھ عرصہ بعد استاد صاحب بیمار ہو گئے۔ تو حضور پر ان کی تیمارداری کا بھی بوجھ آن پڑا۔ آپ استاد صاحب کو اٹھاتے۔ باہر لے جاتے رفع حاجت کراتے۔ جب نقاہت بڑھ گئی استاد صاحب چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے۔ تو حضور حجرے میں ہی انہیں بٹھاتے۔ اور ان کا پاخانہ باہر پھینک آتے۔ رات دن ان کی خدمت میں جاگتے رہتے۔ بیماری طویل ہو گئی۔ مگر حضور قبلہ عالم نے استاد صاحب کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہاں تک کہ قدرت نے آپ کو اس ذمہ داری سے فارغ کر دیا۔ استاد صاحب وفات پا گئے حضور نے ان کی تجہیز و تکفین کی اور یہاں سے فارغ ہو کر رخصت ہو گئے۔ بالآخر حضور قبلہ عالم کو عالی جاہ شاہ صاحب کی نسبت میسر آئی۔ اور آپ نے ان کی مستقل صحبت اختیار کی۔۔۔

فراق شیخ کی تڑپ

حضور قبلہ عالم نے عالی جاہ شاہ صاحب کی صحبت میں عجیب و غریب واقعات کا ذکر فرمایا۔۔۔ جس میں آپ کی جبلی صفاتِ علیا۔ آپ کے علمی کمال۔ اور طریقت میں پیر سے نسبت و مصاحبت کا اظہار ہوتا ہے۔۔۔ حضور فرماتے ہیں کہ یہ زمانہ تھا جب عالی جاہ شاہ صاحبؒ امروہہ یونیورسٹی کے نگران تھے۔ آپ کی نگرانی کا دائرہ وسیع تھا دہلی دیوبند اور مختلف شہروں کے دینی مدارس کی نگرانی کے سلسلے میں دورہ فرماتے۔ آپ ہر جگہ ان کی خدمت گذاری میں ساتھ رہتے۔ حضور کو حضور عالی جاہ سے والہانہ عشق ہو چکا تھا۔ ایک دفعہ عالی جاہ شاہ صاحب دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی میں ایک جید عالم سے ملاقات ہوئی۔۔۔ وہ کسی مخصوص مضمون میں درس دیا کرتے تھے۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب نے۔ حضور قبلہ عالم سے فرمایا کشمیری ان دنوں ہم بہت مصروف ہیں۔ تم ان عالم سے اپنی درسی کتاب کا سبق لو۔۔۔ یہ اس کتاب کے مضمون میں ہندوستان بھر میں کامل درس دیتے ہیں۔ اس لئے ان سے اس کتاب کی تکمیل کرو۔ ہم واپس امروہہ جاتے ہیں۔ فارغ ہو کر ہمارے پاس چلے آنا۔ حضور۔۔۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی صحبت سے علیحدہ نہ ہونا چاہتے تھے۔ مگر پیر کے حکم سے روگردانی کی جرات بھی نہ کر سکے۔ مجبوراً خاموش ہو گئے۔ اسی اثنا میں عالی جاہ شاہ صاحب

امروہہ تشریف لے گئے۔ حضور قبلۂ عالم نے استاد سے سبق لینا شروع کیا۔ مگر آپ کے ذہن نے استاد کے ایک حرف کو قبول نہ کیا۔ ایسے لگا جیسے دماغ ماؤف ہو گیا۔۔۔ کچھ سمجھ میں نہ آئے۔ دل میں بے چینی شروع ہوئی۔ بار بار عالی جاہ کا تصور سامنے آتا۔ سبق پر دھیان نہ لگا۔ گم سم ہو گئے۔ تین، چار دن دل کو بہلانے کی کوشش کی مگر صبر کا دامن لبریز ہو گیا۔ عالی جاہ کی محبت نے سینہ میں جوش مارا۔۔۔ فیصلہ کر لیا۔ کہ سبق چھوڑ کر ان کی خدمت میں پہنچ جائیں۔ بے قراری میں سٹیشن کی طرف بھاگے۔ اور ریل میں سوار ہو کر امروہہ کا رخ کیا۔ زادِ سفر سوائے چند پیسوں کے پاس کچھ نہ تھا۔ چند پیسوں کے چنے لے کر رکھ لئے۔ ریل روانہ ہو گئی۔ فراق کی شدت اتنی تھی۔۔۔ کہ طویل سفر کا فاصلہ بھی ناقابل برداشت ہوا مجبوراً ایک شہر میں۔ ریل سے اتر گئے طبیعت پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ شہر کی کسی مسجد میں چلے گئے۔ جیسے برسوں کا بیمار۔ ناتوانی کی حالت میں نڈھال ہو۔۔۔ جوں جوں رات قریب ہوتی گئی۔ حضور کی بے چینی بڑھتی گئی۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ عالی جاہ شاہ صاحب کا فراق ہمارے لئے ناقابل برداشت تھا۔ ہم نے محسوس کیا کہ وفورِ جذبہ سے کہیں جسم پھٹ کر خون نہ بہہ نکلے۔۔۔ سر سے پگڑی اتار کر پھاڑ دی اور اپنے بازو اور سینہ کس کر باندھ دیئے۔ دوسرے دن پھر ریل میں سوار ہو گئے۔۔۔ ریل منزل کی طرف جا رہی تھی۔ ہم امروہہ اسٹیشن پر اترے۔ اور اس حالت میں حضور کی خدمت میں پیش ہوئے۔۔۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے آپ کی حالت دیکھ کر فرمایا کشمیری یہ تمہاری حالت کیا ہو گئی۔ تمہیں تو ہم دہلی چھوڑ آئے تھے۔ حضور نے عرض کی کہ حضور ہم سے آپ کی جدائی برداشت نہ ہو سکی مجبوراً دہلی چھوڑ کر آیا ہوں۔ میں آپ کی صحبت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔۔ مجھے اب علم کی ضرورت نہیں صرف اپنے قریب رہنے دیں، اب یا تو مجھے بے حال کر دیں۔۔۔ کہ یہ بار مجھ سے اٹھایا نہیں جاتا۔۔۔ یا مجھے باحال کر دیں۔ کہ میں "فنا" ہو جاؤں۔

ویران مقبرے میں خلوت اور تکمیل ولایت کی خوشخبری

اعلیٰ حضرت آپ کی حالت دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ فرمایا کشمیری۔۔۔ جنگل میں چلے جاؤ۔۔۔ اور خلوت میں بیٹھو۔۔۔! حضور قبلہ عالم اسی حال میں اٹھے اور سیدھے جنگل کی راہ لی۔۔۔ راستہ میں ایک مسجد سے پانی کا ایک کوزہ بھر کر ساتھ رکھ لیا۔ جنگل میں ایک پرانا مقبرہ دیکھا۔ جس میں صرف ایک قبر تھی۔ پاس التحیات کی صورت میں بیٹھنے کی جگہ تھی۔ آپ اسی مقبرہ میں داخل ہو گئے۔ غم فراق سے بدن چور چور تھا۔ طویل سفر۔۔۔ فاقہ۔۔۔ بے

چینی سے نڈھال۔ اسی حالت میں مراقب ہوئے۔ شام ہوئی تو بچے ہوئے چنے کھا کر پانی پی لیا۔ اور پھر اسی حالت مراقبہ میں رات گذر ی---دن گذرا---شام افطار کے لئے کچھ بھی نہ تھا۔ کوزے سے پیٹ بھر کر پانی پی لیا۔ اور پھر مراقبہ میں رات گذری---دن گذر گیا۔ پھر پانی سے افطار کیا---مگر کئی دنوں کے فاقہ کی وجہ سے نقاہت بڑھ گئی---حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں تقریباً رات کا ابتدائی حصہ تھا۔ کہ ہم پر یکسر غشی طاری ہونے لگی۔ حواس جواب دے گئے اعضاء بھی حرکت چھوڑنے لگے۔ ہم سمجھے کہ جان جسم عنصری سے نکل گئی۔ موت کی غشی میں خود کو نہ سنبھال سکے۔ ایک طرف گرنے لگے اس عالم میں یہ خیال آیا کہ لاتیں قبر پر آرہی ہیں کہیں یہ بزرگ ناراض نہ ہوں۔ دل نے کہا جو کرنا ہے کر لے۔ اب تو ہم مر ہی چکے۔ بس مافیہا سے بے خبر ہو گئے---ہاں! یہ عالم اجل کی موت کا عالم نہیں بلکہ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا حقیقی مظاہر تھا۔ حضور فرماتے ہیں۔ کہ اچانک ہم پر ایک نورانی عالم ظاہر ہوا---جہاں کی ہر شے سنہری نور میں دمک رہی ہے---اور ہم ایک سنہری ریل کے سٹیشن پر کھڑے ہیں---اتنے میں دائیں جانب سے ایک سنہری ریل آکر ہمارے قریب ٹھہر جاتی ہے---اس ریل سے عالی جاہ جناب حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحب اترے۔ اور میرے قریب آکر تبسم فرما کر۔ مجھے تحسین فرما کر پھر واپس ریل میں بیٹھ کر تشریف لے گئے ریل جس طرف سے آئی اسی طرف چلی جاتی ہے۔ کچھ وقفہ ہوا۔ تو پھر ریل اسی انداز سے آکر ہمارے قریب ٹھہر جاتی ہے۔ اس بار ریل سے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ اتر کر میرے پاس تشریف لائے۔ آپ نے بھی تبسم فرمایا---اور تحسین فرما کر۔ پھر واپس ریل میں تشریف لے گئے۔ ریل اسی انداز میں واپس چلی گئی۔ کچھ وقفہ ہوا---تو پھر ریل میرے قریب آکر رک گئی ریل سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ اور عالی جاہ حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحب اکٹھے میرے قریب تشریف لائے۔ حضور ﷺ نے کمال شفقت و محبت سے نوازا---اور مجھے تحسین دے کر فرمایا۔ "محمد امین" تمہاری ولایت کی تکمیل ہو گئی---جاؤ اب علم دین کی تکمیل کرو---آپ حضرات تشریف لے گئے۔ تو ہمیں ہوش آگیا۔ محسوس ہوا کہ ہم واپس عالم ظاہری میں آگئے۔ اپنی ذات کو ایسے محسوس کیا کہ جیسے ہم ابھی پیدا ہوئے ہیں۔ جسم میں نہ نقاہت تھی۔ نہ درد۔ ذہن پر سکون---مزار سے باہر نکلے تو دن چڑھا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں۔ باہر نکلے تو تمام فضا نورانی نظر آرہی تھی۔ ابھی تک نورانی تجلی ذہن پر طاری تھی۔ ہم چلتے تو ایسے لگتا کہ جسم نہیں روح چلتی ہے۔ جسم ہلکا ہو چکا تھا۔ جنگل سے نکل کر عالی جاہ شاہ صاحب کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ امر حضور سے پوشیدہ نہ تھا حضور نے تبسم فرمایا۔۔۔ شفقت سے قریب بٹھایا فرمایا۔۔۔ کشمیری۔۔۔ اب تم باحال ہو گئے! ہم نے عالی جاہ کے قدموں میں سر ڈال دیا۔۔۔ حضرت شاہ صاحب نے سینہ سے لگایا۔ ہمارے کھانے کے لئے لطیف غذا پکوائی۔ ہم حضور کی خدمت میں رہے۔ یہاں تک کہ طاقت بحال ہو گئی۔ حضور قبلہ عالم نے۔ عالی جاہ شاہ صاحب سے اجازت چاہی۔ کہ مجھے اجازت دیں۔ کہ میں دہلی جا کر کتاب مکمل کر لوں۔ عالی جاہ نے فرمایا۔۔۔ کشمیری اب دہلی جانے کی ضرورت نہیں۔ اب ہم خود تمہارے علم کی تکمیل کر دیں گے مگر حضور قبلہ عالم نے دہلی جانے پر اصرار کیا۔ کہ ہم دہلی جائیں گے۔۔۔ تو عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ تمہاری مرضی۔۔ جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ۔۔۔ حضور قبلہ عالم امروہہ سے روانہ ہو گئے۔ دہلی سٹیشن پر ریل سے اتر رہے تھے کہ کشف کی حالت طاری ہو گئی۔ دیکھتے ہیں کہ سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں۔ ساتھ عالی جاہ شاہ صاحب بھی کھڑے ہیں، میں قریب گیا۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا۔۔۔ محمد امین تمہیں نور الزمان صاحب نے اپنے پاس ٹھہرنے کو کہا تھا۔ اور تم دہلی چلے آئے!۔۔۔ فوراً ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ۔ اور ان سے علم کی تکمیل کرو۔۔۔ جاؤ۔۔۔ تاخیر نہ کرو۔! حضور قبلہ عالم لرز گئے۔ خیال آیا۔۔۔ کہاں ہم ان کے فراق کو برداشت نہ کر سکے۔ اور کہاں ہم نے خود ان سے دوری چاہی۔ دل میں ندامت طاری ہوئی۔ انہی۔ قدموں ریل پر سوار ہو کر امروہہ روانہ ہو گئے۔ امروہہ پہنچ کر حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر۔۔۔ معافی طلب کی۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کشمیری! محبت کی بے قراری بھول گئے ڈانٹ کھائی۔ تو واپس آ گئے۔ ہم نے تو محض تمہارے فائدے کے لئے یہ انداز اختیار کیا تھا۔ کہ تمہیں آتے وقت کھانے کے لئے نہ پوچھا۔۔۔ ہم دیکھتے تھے۔ کہ تمہارا تزکیہ کامل ہو چکا ہے۔ وقت غنیمت ہے۔ اس حالت میں تم جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے کھانا کھاتے[1]۔ آرام کرتے۔ تو یہ امر تزکیہ میں فرق ڈال دیتا۔۔۔ یہ تو تمہارے حق میں بہتر تھا۔۔ اچھا بیٹھو۔۔۔

---

[1] حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ ہمارے دل میں رنج پیدا ہوا کہ دہلی سے اتنا طویل سفر فاقہ و پریشانی کے عالم میں طے کیا حضور کو ہم پر ترس بھی نہ آیا۔ نہ ہمیں کھانے کے لیے پوچھا نہ آرام کرنے دیا۔ لاپرواہی میں ہمیں جنگل میں بھیج دیا۔ ہمیں اس بات سے رنج ہوا اور نادانستگی میں یہ فیصلہ کیا۔ کہ ہم دہلی چلے جائیں گے۔ یہاں نہیں ٹھہریں گے۔ مگر اس وقت کمسنی کی وجہ سے ہم اس حقیقت کو نہ سمجھ سکے۔

جو علم باقی ہے وہ ہم سے پورا کرو۔۔۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم نے اپنی زندگی کو عالی جاہ صاحب کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔۔۔ عالی جاہ جب تک امروہہ میں تشریف فرما رہے۔ حضور ہر لمحہ آپ کی خدمت میں شب و روز مصروف رہ کر انوار و تجلیات سے سیراب ہوتے رہے۔ کچھ عرصہ بعد عالی جاہ شاہ صاحب نے اپنے خانگی امور کی ذمہ داری کے باعث دارالعلوم کی سرپرستی سے فراغت چاہی۔ مستعفی ہو کر اپنے دولت کدہ کوٹ چاندنہ کالاباغ تشریف لائے۔ اور حضور قبلہ عالم بھی آپ کے ساتھ کوٹ چاندنہ تشریف آ گئے۔۔۔ کوٹ چاندنہ تشریف قیام کے بعد عالی جاہ حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمت اللہ علیہ کا معمول تھا۔ کہ عبادات سے فارغ ہو کر طالبانِ علم کو درس دیتے۔ اس کے بعد دینی و علمی مسائل پر بحث فرماتے۔۔۔ اور وعظ فرماتے۔۔۔ اور باقی وقت کا بیشتر حصہ مراقبہ و استغراق میں مشغول رہتے۔ حضور قبلہ عالم اور صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب فرزند اکبر جناب عالی جاہ شاہ صاحب دونوں بیک وقت عالی جاہ شاہ صاحب سے درس لیتے۔۔۔ درس سے فارغ ہو کر جناب صاحبزادہ صاحب گھریلو مصروفیات میں مصروف ہوتے۔ گھر کے انتظاماتِ مہمانداری کے فرائض سرانجام دیتے۔۔۔ بقیہ وقت امراء و خوانین کی صحبت میں رہتے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کے مریدوں میں کالاباغ (ضلع میانوالی) کے امراء و خوانین بھی تھے۔ جو اکثر عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ خصوصاً جناب صاحبزادہ صاحب سے عقیدت و لگاؤ رکھتے۔۔۔ صاحبزادہ صاحب بھی بیشتر وقت ان سے مجلس کرتے۔ انہیں سیر و شکار کا شوق بھی تھا۔ مریدین انہیں سیر و شکار کے لئے ساتھ لے جاتے خود حضور قبلہ عالم کی حیثیت ایک خادم کی سی تھی۔ آپ پر کسی مرید کی نظر نہ پڑتی تھی۔ نہ انہیں کسی امیر کی صحبت میسر تھی۔ سوائے اس کے کہ آپ درس سے فارغ ہو کر کچھ مختصر وقت مطالعہ میں صرف کرتے باقی وقت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت گذاری میں رہتے۔

صاحبزادہ فخرالزمانؒ کے عقیدت مندوں کا حضورؒ سے بدظن ہونا

عالی جاہ شاہ صاحب کے مریدوں میں صاحبِ کمال ولی بھی تھے۔ انہیں مریدوں کے ساتھ آپ کو صحبت کا موقع ملتا۔ ان میں ہر مرید عالی جاہ شاہ صاحب کی مجلس اور توجہ سے فیض یاب رہتا لیکن عالی جاہ شاہ صاحب کی توجہ اور شفقت باقی مریدوں کی نسبت حضور قبلہ

عالم پر زیادہ رہتی اس وجہ سے --- صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب سے عقیدت رکھنے والے مریدوں نے یہ محسوس کیا۔ کہ یہ مسکین بچہ شب و روز کی خدمت گذاری اور قربت و توجہ کے باعث پیر کی نظروں میں مقبول ہو کر صاحبزادہ صاحب سے سبقت نہ لے جائے کہیں عالی جاہ شاہ صاحب اسے خلافت نہ دے دیں۔ اس خیال کے مدِ نظر صاحبزادہ صاحب کے عقیدت مندوں نے قبل از وقت صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب کے لئے خلافت حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی --- اور مختلف ذرائع سے یہ تاثر پیش کرنا شروع کیا کہ صاحبزادہ صاحب کو ورثہ میں خلافت عطا کی جائے --- یہ لوگ صاحبزادہ صاحب کی تعریف میں۔ ان کی خدمات اور مریدوں میں قدر و منزلت اور عقیدت کا نقشہ عالی جاہ شاہ صاحب کی نظر میں پیش کرتے --- لیکن شاہ صاحب کسی شخص کو مکمل کر جواب نہ دیتے --- عالی جاہ شاہ صاحب ان کے خیالات اور ان کے طرزِ عمل کو سمجھ چکے تھے۔ کہ یہ سب کاروائی معصوم کشمیری کی خدمت گذاری کے پیشِ نظر عمل میں آرہی ہے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی خاموشی سے صاحبزادہ صاحب سے عقیدت رکھنے والوں پر مایوسی طاری ہونے لگی۔ تو انہوں نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی طرف رجوع کیا۔ کہ وہ ان کے ارادوں کو عالی جاہ شاہ صاحب پر واضح کر دیں۔ اور صاحبزادہ صاحب کو خلافت ملنے کے لئے اپنا اثر استعمال کر کے سفارش کریں۔ لیکن یہ حربہ بھی عالی جاہ شاہ صاحب کی خاموشی کے باعث کامیاب نہ ہو سکا --- حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں --- ہم نے یہ محسوس کیا۔ کہ صاحبزادہ صاحب کی صحبت میں رہنے والے مریدوں میں اندرون لاتعلقی اور نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ مجھ سے معمولی باتوں پر الجھنے لگے --- اور صاحبزادہ صاحب کے امراء مرید بھی مجھے حقارت سے دیکھتے اور مجھے بے جا کاموں کا حکم دیکر الجھانا چاہتے۔ لیکن میں ان کے احکام کو ٹال دیتا۔ اس طرزِ عمل سے ان کا خیال تھا۔ کہ کشمیری تنگ آ کر یہاں سے بھاگ جائے گا۔ ان کے اس طرزِ عمل سے میں ان کے مقصد کو بھانپ گیا۔ کہ یہ لوگ مجھے اپنے محبوب کی صحبت و شفقت سے محروم کرنے کے لئے ایسے حربے استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن میں یہ بات سمجھنے سے قاصر تھا۔ کہ یہ لوگ کس بناء پر مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔ سوائے اس کے کہ میں ان کے حقارت آمیز سلوک کو اپنی کمتر حیثیت ہونے پر محمول کرتا --- رفتہ رفتہ ان لوگوں کے رویہ میں شدت آنے لگی۔ اور ہر شخص مجھ سے الجھنے لگا۔ یہاں تک کہ یہ لوگ ناشائستہ کلام اور مارپیٹ پر بھی اتر آتے --- لیکن میں ہر موقع پر برداشت اور خاموشی اختیار کرتا --- نتیجتاً --- میں نے ہر شخص سے کلام --- نشست و برخواست ترک کر کے ہر لمحہ عالی جاہ شاہ صاحب کی صحبت میں

رہنے میں ہی عافیت سمجھی۔۔۔ یہ امر مخالفین کے لئے مزید حسد و کدورت کا سبب بنا اور ان کے عزائم خطرناک صورت اختیار کرنے لگے۔۔۔ کبھی صاحبزادہ صاحب مجھے سیر و شکار میں ساتھ لے جاتے۔ میں ان کے سازو سامان اٹھا کر جنگل میں لے جاتا۔۔۔ وہاں ان کی یہ کوشش ہوتی کہ کسی طرح مجھے ٹھکانے لگایا جائے۔ لیکن یہاں بھی مجھے اپنے محبوب پیر اکمل کی توجہ نے محفوظ رکھا۔۔۔ میں کسی طرح ان کی زد میں نہ آسکا۔۔۔ اور یہ لوگ کسی طرح بھی مجھے اپنے محبوب سے جدا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ ہوتے بھی کیسے؟۔۔۔ انہیں یہ معلوم نہ تھا۔ کہ جس شخص نے کم سنی کے زمانہ میں والدین کی شفقتوں۔۔۔ وطن کی آسائشوں کو قربان کر کے۔ بے وطنی۔ محرومیت۔ مسافرت کے کٹھن مراحل میں۔ فاقہ کشی۔ مصائب۔ خود مول لے کر۔ حصولِ مقصد کا غیر متزلزل عزم کیا ہو۔۔۔ اس کیلئے ایسی مشکلات کا مقابلہ کرنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔۔۔ اور پھر اپنے پیر کو عزیز از جان۔۔۔ اور اپنی ہر خواہش و راحت سے عزیز رکھا ہو۔۔۔ وہ کب اپنی جان کی پروا کرتا ہے۔ اور پھر اپنے محبوب کو چھوڑ کر۔ وہ کون سا مقامِ امن ہو سکتا ہے۔ جس کا سہارا لیا جائے۔ غرض ہر طرح کے مصائب سہتا رہا۔۔۔ لیکن میں نے ان واقعات کا کبھی عالی جاہ شاہ صاحب سے ذکر نہیں کیا۔ بلکہ میں نے انہیں یہ محسوس تک نہ ہونے دیا۔ کہ یہ لوگ مجھ سے کیا سلوک کر رہے ہیں۔ یہ بھی نہیں۔ کہ عالی جاہ ان واقعات سے بے خبر ہوں۔۔۔ مگر عالی جاہ نے کسی شخص سے تعرض نہیں کیا۔۔۔

خلافت کا اشارہ

عالی جاہ شاہ صاحب اکثر مجلسوں میں۔ طالب علم مریدوں میں۔ دقیق مسائل پیش کرتے۔ اور ان مسائل کا حل پوچھتے۔ لیکن بہت کم مسائل ہوتے جن کا ان سے حل پیش ہوتا۔ تو آخر میں عالی جاہ حضور سے مخاطب ہو کر فرماتے۔ "کشمیری تم اس مسئلہ میں کیا کہتے ہو"۔۔۔ تو آپ معصومانہ انداز میں۔۔۔ اپنی طرف سے ایک مدلل اجتہادی حل پیش کرتے۔۔۔ جس پر عالی جاہ آپ کو شاباش دیتے۔ ایک بار مسجد میں زیر بحث ایک مسئلہ پر مریدوں نے کئی دلائل پیش کئے۔ مگر عالی جاہ شاہ صاحب نے ان کی ہر دلیل کو رد کر دیا۔۔۔ آخر حضور سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کشمیری تم اس کے متعلق کوئی حل پیش کر سکتے ہو۔؟ آپ نے بھی قرآن و حدیث سے دلائل پیش کئے۔ مگر عالی جاہ نے آپ کے دلائل بھی رد کر دیئے۔ بالآخر حضور نے دلائل جاری رکھتے ہوئے زیر بحث مسئلہ پر ٹھوس دلائل دے کر اپنے نظریہ کو ثابت کر دیا۔ عالی جاہ نے بھی تصدیق فرمائی۔ اس پر عالی جاہ شاہ صاحب بہت خوش

ہوئے--- اور جوش میں آکر (حضور قبلہ عالم کو خفیف سی محبت آمیز گالی دے کر) فرمایا--- لوگ تو مجھے خلافت دینے کے متعلق مشورے دے رہے ہیں۔ لیکن یہ تمہارا انداز دکھا رہا ہے کہ خلافت دینے کا فیصلہ شاید تمہارے حق میں ہو۔ فِدَاکَ اُمِّیْ وَاَبِیْ ۔ اس اعلان سے حضور کے مخالفین کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ اور پھر انہیں خلافت کے سلسلہ میں عالی جاہ شاہ صاحب پر اثر انداز ہونے کی ہمت نہ رہی لیکن حضور کے خلاف ان کی کدورتیں کم نہ ہوئیں---

مارٹی انڈس اسٹیشن کے مجذوب کا واقعہ

اسی طرح ایک دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا مارٹی انڈس سٹیشن پر عالی جاہ شاہ صاحب کے ایک مرید پر جذب طاری ہو گیا--- بے خودی کی حالت میں پھر رہا تھا--- انگریز حکومت کا زمانہ تھا۔ ادھر سے کسی انگریز افسر کی بیوی (میم صاحبہ) آرہی تھی۔ مجذوب نے اسے پکڑ کر سینے سے چمٹا لیا۔ اور اللہ--- اللہ پکارتا رہا--- میم صاحبہ خوفزدہ ہو کر چیخنے لگی--- بمشکل لوگوں نے میم صاحبہ کو مجذوب کی گرفت سے چھڑایا--- میم صاحبہ نے اپنے خاوند سے جا کر شکایت کی۔ انگریز افسر نے پولیس کو حکم دیا کہ مجذوب کو پکڑ کر حوالات میں بند کر دو، پولیس فوراً موقع پر پہنچی۔ مجذوب کی تلاش کی--- تو دیکھا مجذوب دریا پر سے دوسرے کنارے کی طرف جا رہا ہے۔ پولیس مجذوب کی کرامت کو دیکھ کر اس کا پیچھا کرنے کی جرأت نہ کر سکی--- اور انگریز افسر کو ماجرا سنایا کہ وہ تو مجذوب ہے۔ اور پانی کے اوپر چل کر دریا کے دوسرے کنارے پر چلا گیا--- انگریز افسر بھی متعجب ہوا۔ کہ وہ کیسے پانی پر سے گذرا۔ دریافت کیا کہ یہ کون ہے--- لوگوں نے بتایا--- کہ یہاں گاؤں میں ایک بزرگ رہتے ہیں۔ یہ ان کا مرید ہے۔ انگریز افسر عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ادب سے سلام کیا اور اپنی بیوی کا ماجرا سنایا۔ عالی جاہ نے معذرت کی--- فرمایا--- اس نے دیوانگی کی حالت میں یہ حرکت کی ہے۔ ہوش مند ہوتا تو ایسا نہ کرتا--- حضور نے فرمایا--- یہ فقیر ہے۔ آپ کو معلوم ہوا۔ کہ یہ دریا پر سے چل کر پار ہوا--- آپ محسوس نہ کریں ہم اسے پکڑ کر لاتے ہیں۔ آئندہ ایسا نہ ہو گا۔ انگریز افسر اس واقعہ سے متاثر ہوا۔ اور حضور کو عقیدت کی نظروں سے دیکھتا واپس چلا گیا۔

عالی جاہ شاہ صاحب نے مریدوں کو حکم دیا کہ مجذوب کو پکڑ کر لے آئیں۔ اتنی دیر میں مجذوب خود عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا--- آپ نے حکم دیا کہ اسے پکڑ کر

کمرے میں بند کر دو۔۔۔ مریدوں نے اسے پکڑ کر مسجد کے حجرے میں بند کر دیا۔ اور دروازے پر قفل لگا دیا۔ مجذوب رات کمرے میں بند رہا۔۔۔ صبح ہوئی تو دیکھا۔ مجذوب اسی حالت میں باہر پھر رہا ہے۔ عالی جاہ کو اطلاع دی تو آپ نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ مجذوب کو پکڑ کر عالی جاہ شاہ صاحب کے پاس پیش کر دیا۔ آپ نے صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب کو حکم دیا کہ اسے مسجد میں لے جاؤ۔۔۔ اور توجہ دو۔۔۔ تاکہ اس کا جذب دور ہو۔ صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب مجذوب کو مسجد میں لے گئے اور توجہ دینا شروع کی۔ لیکن ہوا یہ کہ خود صاحبزادہ صاحب پر بھی جذب طاری ہو گیا۔ عالی جاہ کو خبر دی گئی کہ صاحبزادہ صاحب پر بھی جذب طاری ہو گیا۔ تو عالی جاہ نے حضور قبلہ عالم سے فرمایا۔۔۔ کشمیری تم جاؤ اور مجذوب کو توجہ دو۔ حضور گئے۔ اور مجذوب کو پکڑ کر سامنے بٹھا کر توجہ دی۔ مجذوب نے آپ پر بھی توجہ ڈالی۔۔۔ آپ نے شدت سے توجہ فرمائی۔ تو اس پر سے جذب ہٹ گیا۔ اور صاف باتیں کرنے لگا۔ حضور اسے پکڑ کر شاہ صاحب کی خدمت میں لائے۔ عالی جاہ نے تبسم فرمایا اور حضور کو شاباش دی۔ مریدوں نے مجذوب سے پوچھا کہ تم حجرے سے کیسے باہر نکل آئے۔ اس نے کہا۔ میں نے دروازہ پر توجہ ڈالی مگر اس پر عالی جاہ صاحب کا حکم لگا تھا۔ دروازہ نہ کھل سکا۔ میں نے عقب والی دیوار کو حکم دیا کہ مجھے راستہ دے۔ دیوار نے مجھے راستہ دیدیا۔ میں نے دیوار کو اپنی جگہ واپس آنے کا حکم دیا۔ وہ اپنی جگہ قائم ہو گئی۔ اس طرح میں حجرے سے باہر آیا۔۔۔ اس واقعہ کو صاحبزادہ صاحب کے عقیدتمندوں نے صاحبزادہ صاحب کی تحقیر سمجھی۔ ان کے دلوں میں حضور قبلہ عالم کے خلاف کدورت بڑھتی گئی۔ انہوں نے آپ کو عالی جاہ شاہ صاحب کی قربت سے دور رکھنے کی تدبیریں کیں۔ لیکن وہ اپنی تدبیروں میں کامیاب نہ ہو سکے۔۔۔ اس امر کی عالی جاہ شاہ صاحب کو بھی اطلاع تھی۔ لیکن آپ نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کئے رکھی۔ سوائے اس کے کہ آپ کبھی کبھی مریدوں کے درمیان۔ مباحث اور حضور کی روحانی حیثیت کے مظاہرہ سے۔ آپ کی روحانی خصوصیت کا مظاہرہ پیش کرتے۔ جن سے حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت ظاہر ہو جاتی۔ لیکن صاحبزادہ صاحب کے عقیدتمندوں کی عقیدت و محبت انہیں۔۔۔ اس امر پر مجبور کرتی تھی۔ کہ وہ طریقت و خلافت میں صاحبزادہ صاحب کو اونچے مقام پر فائز دیکھنے کے متمنی تھے۔ ان کی عقیدت انہیں حقیقت سمجھنے اور آدابِ طریقت ملحوظ رکھنے کا موقع نہ دیتی تھی۔

حب کی اصلیت

دیکھا گیا ہے کہ انسان حصولِ دین میں بھی فطری طور پر جذباتی ثابت ہوا ہے۔ یہ انسان کی فطری تخلیق کا تقاضا ہے۔ کہ وہ اپنے مطلوب کی طلب میں۔ قرب و وصالِ مطلوب میں ہر سطح پر پیش قدمی کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اس پیش قدمی میں ہر وہ کیفیت جو اس کے محبوب کے قرب و وصال میں حائل ہو۔ اسے راہ سے ہٹانے میں دیوانگی کی حد تک جذباتی ہو جاتا ہے کہ یہ اس کی جد و سعی کا ایک لازمی عمل بن جاتا ہے۔ کون شخص تھا۔۔۔ جو حادیٔ برحق۔۔۔ محبوب رب العلمین۔۔۔ محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وصال میں سبقت نہ لے جانا چاہتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ کے جاں نثار اصحاب میں ہر شخص کی یہی خواہش رہتی تھی۔ کہ "میں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے قریب تر ہو جاؤں۔۔۔ کہ حضور ﷺ مجھ پر نظرِ شفقت فرمائیں۔ اسی جذبہ کے تحت۔۔۔ ہر شخص نے اپنی جان۔ اپنے ماں باپ۔ اپنی اولاد۔ اپنا مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گردِ راہ پر قربان کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کی۔

مسجد نبوی میں کوئی شخص علی الصبح جھاڑو دے کر چلا جاتا۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کوشش میں ہیں کہ میں اس فضیلت کو حاصل کرنے میں سبقت حاصل کروں۔ مگر ہر بار کوئی دیوانۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کوشش کے باوجود سبقت لے جاتا۔ یہ سبقت لے جانے کا ہی عمل تو تھا!۔۔۔ دیکھا تو یہ یارِ غار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صدیقؓ ہیں۔۔۔ ہاں! اس مقام پر حُب کی نوعیت مختلف نظر آتی ہے۔ ایک ذات ہے۔ جو محبوب کو محبوب کے روپ میں دیکھنا چاہتی ہے۔ اس مقام پر اپنا ذاتی تصور یکسر معدوم ہو جاتا ہے جب ذات نہ رہی۔ تو طلب کیسی؟۔۔۔ اور سبقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہی رتبہ، صدیقیت کا مقام ہے۔ اور ایک ذات ہے۔ جو محبوب کو اپنی ذات میں دیکھنا چاہتی ہے۔ یہ فِیٓ اَنْفُسِکُمْ کا باطن ہے۔ اپنی ذات میں محبوب کو پہچاننا۔۔۔ یہ مقام فاروقیت کا ہے۔ ہر وجود کو ہر ذات میں قائم رکھنا۔۔۔ فاروقیت نے فرق کو قائم رکھا۔۔۔ جو اَنَا اَعْرِفُ (میں پہچانا جاؤں) میں فرقِ مراتب کا لحاظ رکھتا ہے۔۔۔ یہی دو نوعیتیں ہیں۔ جن پر "حُب" کی اساس ہے۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے صحابہ سے مدد طلب فرماتے ہیں۔۔۔ مسجد نبوی میں مال جمع کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں۔ صحابہ مال لاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دکھا کر ڈالتے جا رہے ہیں۔ عثمان غنیؓ بھی ہیں۔ عمر

فاروقؓ بھی ہیں--- مگر ابوبکر صدیقؓ کو کسی نے نہیں دیکھا--- نہ انہیں مال ڈالتے دیکھا--- سب ہیں جو حضور ﷺ کی خوشنودی میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ مگر صدیقؓ---! اپنا مال چھپا کر ڈالتے ہیں--- انہیں بدل (اجر) کا خیال ہی نہیں--- انہیں محبوب ﷺ کا خیال ہے۔ کہیں محبوب کی قلب اطہر پر احسانمندی کا تاثر پیدا نہ ہو--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لیے صحابہؓ سے مال طلب کرتے ہیں۔ اعلان فرماتے ہیں۔ کہ آج جس نے سب سے زیادہ مال دیا۔ اسے جنت کی بشارت دی جاتی ہے۔

صدیقؓ کیلئے ہے خدا کا رسول ﷺ بس

آج حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت خوش نظر آ رہے ہیں۔ آج میں سب پر سبقت لے جاؤں گا۔ معلوم نہیں ان کے ذہن میں کیا منصوبہ ہے۔ حضرت عمرؓ اونٹوں پر مال لاد کر مسجد نبوی ﷺ میں لاتے ہیں--- مال جمع ہوا تو سب صحابی خوشنودی کے اعلانِ نبوی ﷺ کے منتظر ہیں آج اللہ کا رسول ہم سے راضی ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا-- عمرؓ تم اپنے مال سے کیا لائے ہو؟ آپ نے عرض کی اے اللہ کے رسول ﷺ میں اپنی جائیداد کا نصف حصہ اللہ کی راہ میں لایا۔ اور آدھا اپنے اہل و عیال کے لیے رکھا۔ اس وقت حضور ﷺ خاموش ہیں۔ چہرۂ اطہر پر بشاشت و مسرت ہے۔ شاید عمرؓ سمجھے ہوں کہ یہ اظہار مسرت میرے لیے ہے۔ ہاں یہ بھی درست ہے۔ مگر واقعہ اصل میں یوں ہے کہ جبرئیل امین علیہ السلام حضور ﷺ کی خدمت میں--- ایک کھردرے کمبل میں ملبوس--- جو کانٹوں سے جوڑا گیا ہے حاضر ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہیں۔ آج اس لباس میں آنے کا سبب کیا ہے۔؟ جبرائیل علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے رسول۔ مجھے اللہ کی طرف سے یہ لباس پہننے کا حکم ہوا ہے۔ اور آسمان کے تمام ملائکہ کو ایسا ہی لباس پہننے کا حکم ہوا ہے۔ مجھے اللہ جل شانہ نے حضور کی طرف بھیجا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر کو میری طرف سے۔ اور تمام ملائکہ کی طرف سے سلام پہنچا دو۔ میں ابوبکر سے راضی ہوا--- وہ بھی مجھ سے راضی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسی لباس میں آتا دیکھ رہے ہیں۔ ابوبکر نہایت حلم و عجز سے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے ابوبکرؓ سے پوچھا--- اے یارِ غار آپ نے مال سے کیا کچھ دیا۔ عرض کی میں نے بھی کچھ دیا۔ مگر ہمیں بھی بتائیں کیا دیا! عرض کی میں نے اپنے گھر کا تمام

اثاثہ دے دیا۔ باقی یہی ایک لباس ہے جو زیب تن ہے۔۔۔ فرمایا اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ آئے۔۔۔ عرض کی:

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس　　صدیقؓ کے لیے ہے خدا کا رسولؐ بس

یا رسول اللہ ﷺ میرے لیے اللہ اور اس کا رسول کافی ہے۔۔۔ یہ حقیقی حُب کی اصل روح ہے۔۔۔ حُب کا دوسرا درجہ۔۔۔ محبوب سے قرب و وصال کے جذبہ کا پایا جانا۔۔۔ کہ محبوب مجھ سے خوش ہو تا کہ اس کا قرب و وصال نصیب ہو۔۔۔ یہ عام انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ فطرتِ انسانی کی اسی جذبہ پر تخلیق ہوتی ہے۔ یہ صفت بھی احسن ہے۔ کہ محبوب کے وصال کی تڑپ دل میں موجزن ہو۔۔۔ اسی تمنائے قرب میں ہر شخص دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ اسی جذبہ میں انسان دوسرے کے مقابل اپنی ذات کو تقدم (سبقت میں دوسرے سے آگے ہونا) دینا چاہتا ہے۔ یہی جذبہ جب ایک دوسرے سے متصادم ہو۔ تو انسان میں ایک موہوم کدورت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ عمل صرف حصول حق کے لیے ہوتا ہے۔ اس لیے اس جذبہ میں وہ تاثر نہیں ہوتا۔۔۔ جو ایک دشمن کو دوسرے دشمن سے ہوتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی شخص محض اپنی مادی منفعت کے لیے کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچائے۔ حُب میں اگرچہ کدورت کا تاثر پایا جاتا ہے۔ لیکن اس میں حصولِ حق میں جہد و سعی کا اصل تصور قائم ہو تو ایسی صفت مذموم نہیں ہوتی اسی نسبت سے ایک ولی اپنے مرید کے کسی غلط اقدام کو قابل مواخذہ قرار نہیں دیتا۔ سوائے اس کے کہ ایسے شخص کی یہ صفت اس کے مراتب میں پیش قدمی میں رکاوٹ کا سبب بن جاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے۔ ولی خود مرید کی اصلاح کر کے ایسی عادت سے باز رکھتا ہے۔

عالی جاہ شاہ صاحب کی نظر اس کیفیت پر تھی۔ کہ یہ لوگ صاحبزادہ صاحب کی خلافت حاصل ہونے میں نیک ارادہ رکھتے ہیں۔ اس میں ان کی اپنی ذاتی منفعت یا برتری کو دخل نہیں سوائے اس کے کہ ان سے آدابِ طریقت کی خلاف ورزی ہو۔۔۔ دوسرے ایسے لوگ ابھی طریقت کی حقیقت سے آگاہی نہ رکھتے تھے۔ اسی لیے آپ مجلس میں مباحثہ میں مسائل پیش کرتے کہ لوگوں کے دلوں پر حضور قبلہ عالم کی خصوصیت اثرانداز ہو۔ تاہم یہ انداز ذاتی طور پر قابل افسوس تھا۔ لیکن اس امر میں بھی حضور قبلہ عالم کے لیے وسعت قلبی عزم و استقلال۔ صبر و تحمل کا ایک اصلاحی سبق تھا۔ جس سے آپ خلافت کے اہل ثابت ہوتے۔

حج بیت اللہ کا واقعہ

یہ حقیقت ہے کہ حضور قبلہ عالم پر ایسے ابتلا کا مقدر ہونا قدرت کی مصلحت کے تابع تھا۔ کہ ولی کے لیے حصولِ ولایت میں ابتلا کا وارد ہونا لازمی ہوتا ہے۔ اب اس دورِ ابتلا کا خاتمہ ہونا تھا کہ حضور پر ایک اور آزمائش وارد ہوئی۔۔۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے حجِ بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ سفرِ حج کے انتظامات مکمل کر لیے گئے۔ آپ کے مریدوں میں چند امراء بطور منتظمین سفرِ حج شامل ہوئے۔۔۔ عالی جناب شاہ صاحب معہ اپنے مصاحبین کے سفرِ حج پر روانہ ہو گئے۔ حضور قبلہ عالمؒ چونکہ ہر وقت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت گزاری میں رہتے۔ اس لیے آپ نے حضور قبلہ عالمؒ کو اپنے ساتھ رکھا۔ اندرون حضور قبلہ عالمؒ کی شاہ صاحب کی رفاقت پر کوئی راضی نہ تھا۔ لیکن انہیں روکنے میں کسی شخص کی مزاحمت ممکن نہ تھی۔ حضور بھی شاہ صاحب کے ہمراہ سفر پر روانہ ہو گئے۔

اس زمانہ میں کراچی کی بندرگاہ سے بھی جہاز کے ذریعہ سمندری سفر ہوتا تھا۔ کراچی پہنچ کر منتظمین کو ٹکٹ خریدنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے ہر مرید کے لیے ٹکٹ خریدا۔ مگر حضور قبلہ عالم کے لیے ٹکٹ نہ لیا گیا۔ بہانہ یہ بنایا گیا کہ اتنے ہی آدمیوں کے لیے ٹکٹ مل سکا۔ حضور قبلہ عالم کو جب یہ معلوم ہوا۔۔ کہ مجھے اپنے محبوب سے جدا کرنے کا شدید حربہ استعمال کیا گیا۔۔ تو آپ پر شدید رنج و غم طاری ہوا۔۔ یہ ایک شدید صدمہ تھا۔ جس کا اندازہ کرنا ممکن نہیں۔ اس غم و اندوہ کو وہی جان سکتا ہے جس کا محبوب اس سے جدا کیا جائے۔۔۔ کہاں آپ اپنے محبوب سے ایک لحہ بھی فراق برداشت نہ کر سکتے تھے۔۔۔ اور کہاں آپ کو دردِ فراق کے سمندر میں پھینکا گیا۔۔۔ حضور قبلہ عالم بے چین ہو گئے۔ عالی جاہ شاہ صاحب کو بھی حضور کے رنج و الم کا احساس ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ کشمیری ہم تمہیں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ مگر ابھی تمہاری آزمائش ختم نہیں ہوئی۔ خیر تم صبر کرو۔ ہم تجھے بیت اللہ میں اپنے ساتھ دیکھتے ہیں۔ اس کی دو تعبیریں تھیں۔ ایک یہ کہ تم دریائے توحید میں بیت اللہ کے باطن میں ہمارے ساتھ ہو۔ دوسرے یہ کہ تم کسی صورت میں ہم تک پہنچ جاؤ گے۔ صرف درمیانی وقت میں تمہیں رنج و غم کے دور سے گذرنا پڑے گا۔۔۔ عالی جاہ شاہ صاحب بمعہ اپنے مریدوں کے بیت اللہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور حضور قبلہ عالم سکتہ کے عالم میں شکستہ دل چشم پُرنم آپ کو الوداع کرتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کا محبوب آپ کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور آپ نالاں و گریاں واپس ہوئے۔ رات شہر کی ایک مسجد میں ٹھہرے۔ اور اپنے محبوب کے تصور میں دل کی آنکھوں سے گریاں فریاد کرتے رہے۔ عشاء

کی نماز ہوئی--- ایک نمازی نے آپ سے پوچھا--- مسافر ہو--- رات مسجد میں ٹھہرنا ہے؟ آپ نے کہا مسافر ہوں--- وہ شخص آپ کو گھر لے گیا۔ کھانا دیا--- مگر بھوک کہاں۔ دیارِ محبت کے راہی کو منزل سے جدا ہونے کی فکر میں جسم کی کب پرواہ ہوتی ہے۔ حضور سے کچھ کھایا نہ گیا۔ اس شخص نے حضور کی حالت کا اندازہ کیا۔ کہ آپ غمزدہ ہیں۔ پوچھا تم پر کیا مصیبت ہے۔ جو اس قدر غم زدہ ہو--- آپ نے اپنا قصہ بیان کیا--- کہ میں اپنے ساتھی سے سفر پر جانے میں بچھڑ گیا ہوں--- اس نے تسلی دی پوچھا تم حکمت جانتے ہو۔؟ میرے پیٹ میں مستقل درد رہتا ہے۔ کوئی دوا تمہیں معلوم ہے۔؟ حضور نے فرمایا۔ ہم پیٹ کے درد کے لیے دوا بنا دیں گے۔ اس نے پوچھا۔ کتنی رقم خرچ آئے گی۔ حضور نے چھ پیسے اس سے لیے۔ صبح بازار گئے۔ سنڈھ۔ کالی مرچ۔ اور مصری لا کر سفوف بنا دیا۔ کہ کھانا کھانے کے بعد اس دوا کی چٹکی کھا لینا۔ حضور دوا دے کر رخصت ہو گئے۔ اس شخص نے دن کو ایک خوراک کھائی۔ قدرت نے اسے شفا بخشی۔ ایک خوراک استعمال کرنے سے اس نے تکلیف میں کافی کمی محسوس کی۔ رات حضور پھر اسی مسجد میں قیام کرنے آئے۔ تو یہ شخص پہچان کر انہیں اپنے گھر لے آیا--- اور مشکور ہوا--- کہ مجھے تمہاری دوا سے کافی آرام ہوا۔ اس نے کہا۔ کہ جب تک تمہارے ساتھی حج سے واپس نہیں آتے۔ تم میرے گھر پر رہو۔ میں تمہیں صبح شام کھانا دوں گا۔ حضور نے منظور فرمایا۔ محلہ کے لوگوں کو بھی علم ہوا۔ کہ مسجد میں کوئی طالب علم رہتا ہے۔ وہ دوا بھی دیتا ہے۔ محلہ کے لوگ بھی حضور سے دوا لینے لگے۔ حضور فرماتے ہیں کہ ہم ہر مریض پر ایک ہی نسخہ استعمال کرتے رہے۔ اللہ کی قدرت۔ ہر شخص کو اسی نسخہ سے شفا ہوتی رہی--- محلہ کے لوگوں کی آمد سے ذہن مصروف ہو گیا۔ اور ہمارے قلب سے غم کا اثر کسی قدر کم ہوا۔ اس حکمت میں لوگوں نے ہمیں پیسے بھی دیئے۔ اب ہمارے پاس کچھ رقم بھی جمع ہو گئی--- ایک دن ایک بڑھیا ہمارے پاس آئی--- اسے اچانک جوڑوں میں درد پیدا ہوا کہ چلنے پھرنے سے معذور تھی۔ کہنے لگی بیٹا مجھے سخت تکلیف اور پریشانی ہے۔ میں نے حج پر جانا تھا۔ مگر اس بیماری سے مجبور ہو گئی۔ ایسی حالت میں، میں حج پر جانے سے مجبور ہوں ایسی دوا دو کہ میں جلدی ٹھیک ہو جاؤں--- میرے ساتھ میرا بیٹا بھی جا رہا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ہم نے اسے بھی یہی دوا دی۔ کہ رات کو سوتے وقت کھانا--- وہ دوا لیکر چلی گئی۔ دوسرے دن علی الصبح وہ بڑھیا ہمارے پاس آئی۔ خوش تھی۔ ایک خوراک سے اس کا درد جاتا رہا اور وہ چنگی بھلی--- چل رہی تھی--- وہ بہت مشکور ہوئی۔ اور کچھ روپے بھی مجھے دیئے۔ پوچھا تم کہاں رہتے ہو۔ یہاں کیسے آئے ہو۔ میں

نے اپنی ساری داستان اسے بتائی۔ کہ میں حج پر جانے سے رہ گیا ہوں۔ میرے پیر صاحب حج پر چلے گئے ہیں۔ اس وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ واپس گھر جانے کے لیے خرچہ نہیں۔ حج پر جانے کے لئے بھی ذریعہ نہیں۔ اس بڑھیا نے کہا "میں نے دو ٹکٹ لیے ہیں۔ میں بیماری کی وجہ سے مایوس تھی۔ اب تمہاری مہربانی سے ٹھیک ہو گئی ہوں۔ میں کوشش کروں گی کہ تمہیں گھر جانے کے لیے کرایہ دوں" یہ وعدہ دے کر وہ چلی گئی۔ دو تین دن گذرے وہ بڑھیا نہ آئی۔ ہم مایوس ہو گئے کہ شاید وہ حج کو چلی گئی ہو گی۔ چوتھے دن وہ بڑھیا اچانک آ گئی بیٹا مبارک ہو۔ تم بہت نیک آدمی ہو۔ میں حج پر جا رہی ہوں۔ میرا بیٹا آ گیا۔ مگر وہ حج پر جانے کے لیے تیار نہ ہو سکا۔ اب تم بیٹے کی جگہ اس کے ٹکٹ پر میرے ساتھ چلو گے۔۔۔ چلو میرے ساتھ۔۔۔ میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میں فوراً تیار ہو گیا۔ بڑھیا مجھے اپنے ساتھ جہاز پر لے گئی۔ غالباً اتنی خوشی مجھے عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے ساتھ جانے میں نہ ہوتی۔ جتنی مجھے بڑھیا کے ساتھ جانے میں ہوئی۔ بڑھیا نے مجھے کھانے پینے کی ہر سہولت دی جیسے اپنے ہی بیٹے کو ساتھ لے جا رہی ہے۔ بیت اللہ پہنچ کر ہم نے بڑھیا سے اجازت چاہی۔۔۔ کہ ہم عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں جانا چاہتے ہیں۔ بڑھیا نے ہمیں خوشی سے اجازت دی۔ اور ہم شاہ صاحب کی تلاش کرتے ان کی خدمت میں پہنچ گئے۔ آپ مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوئے۔ لیکن باقی مریدوں کے لیے خلاف توقع میرا۔۔۔ بیت اللہ پہنچ جانا حیران کن تھا۔ وہ حیران رہ گئے۔ کہ کشمیری یہاں بھی پہنچ گیا۔ حضور عالی جاہ کی خدمت میں پہنچ کر ہم نے اپنا منصب سنبھالا۔ اور خدمت گذاری میں مصروف ہو گئے۔ حضور عالی جاہ باہر تشریف لے جاتے تو ہم ان کے ساتھ ایک بڑا چھاتا لیکر آپ کے پیچھے پیچھے چلتے۔ جہاں آپ ٹھہرتے ہم چھاتا ان کے سر پر کر دیتے۔ ڈیرے پر ہم ان کے کھانے پینے۔ بستر لگانے۔ وضو کرانے کی خدمت انجام دیتے۔ اسی دوران مناسک حج شروع ہو گئے۔ سب نے احرام باندھے تھے۔ مگر ہمارے پاس احرام نہ تھا۔ ہم انہیں کپڑوں میں عالی جاہ کے ساتھ مناسک میں شامل رہتے۔ ایک دفعہ اچانک ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔۔۔ کہ عالی جاہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔ آپ کے آگے ایک عورت طواف میں سعی کر رہی تھی۔۔۔ اچانک پیچھے سے بھیڑ کا دباؤ پڑا عالی جاہ کو دھکا لگا۔ اور عورت سے ٹکرا گئے۔۔۔ عورت پیچھے پلٹی اور عالی جاہ کے سینہ پر گھونسا مار دیا۔ آپ خاموش دیکھتے رہے۔ لیکن یہ حرکت میرے لیے ناقابل برداشت تھی۔ میں غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ غصہ کی حالت میں ہم نے اس عورت کے چھاتا زور سے مارا۔ عالی جاہ نے ہمیں غصہ کی نگاہوں سے

دیکھا۔ میں سہم گیا۔ مگر مقامِ ادب تھا۔ بیت اللہ کی حرمت کا مقام تھا۔ کسی نے مجھے کچھ نہ کہا۔ صرف غصہ کی حالت میں دیکھتے رہے۔ باقی سب مرید بھی عالی جاہ کے ساتھ طواف میں مشغول تھے۔ انہوں نے بھی شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔۔۔ کہ مناسکِ حج کے آداب کے خلاف بیت اللہ میں فساد کرنا گناہ تصور ہوتا تھا۔ طواف سے فارغ ہو کر عالی جاہ ڈیرے پر پہنچے تو تمام مرید ہم پر برس پڑے۔ کہ تم نے آدابِ حج کے خلاف اقدام کیا۔ بیت اللہ میں لڑائی منع ہے۔ تم نے کیوں عورت کے چھانٹا مارا۔ عالی جاہ کے پاس میری شکایت کی۔ میں نے اس سلسلہ میں لاپرواہی برتی۔ جیسے میں نے کوئی قصور نہ کیا ہو۔۔۔ مریدوں نے عالی جاہ سے شکایت کی کہ کشمیری کا حج فسخ ہوا۔ اور ان پر حد واجب آتی ہے۔ عالی جاہ نے فرمایا۔ اس کے متعلق کشمیری سے پوچھو کہ اس نے ایسی حرکت کیوں کی۔۔۔ عالی جاہ نے مجھے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ یہ لوگ کہتے ہیں۔ تم نے بیت اللہ میں فساد کیا۔ یہ امر خلافِ شریعت ہے۔ دوسرے تمہارا حج بھی فسخ ہوا۔ اس کی حد تم پر لازم آتی ہے۔ تم نے ایسی حرکت کیوں کی؟ ہم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ میرا فعل مجھ سے تعلق رکھتا ہے۔ انہیں مجھ سے پوچھنے کا کوئی حق نہیں۔ میرا فعل ازروئے شریعت جائز ہے۔ میں قابلِ مواخذہ نہیں ہو سکتا۔۔۔ سب مریدوں نے مذاق اڑایا۔ کہ تمہارے پاس نئی شریعت آئی ہو گی۔ جس سے تمہارا فعل جائز ہو سکتا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ "ہمارا فعل ازروئے شریعت جائز تھا۔ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو ہم تارکِ فرض قرار دیئے جاتے"۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔ کشمیری تم اپنے فعل کو جائز قرار دیتے ہو۔ قرآن سے ثبوت پیش کرو۔۔۔ حضور نے عرض کی۔ قرآن میں واضح حکم ہے:

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ
قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ

(پارہ۲، سورہ۲، آیت۱۹۱)

کہ بیت اللہ میں فساد حرام ہے۔۔۔ اور اگر کوئی بیت اللہ میں فساد کرے تو اس سے تم بھی لڑو۔۔۔ عورت نے اس حکم کے خلاف بیت اللہ میں فساد کیا۔ وہ قابلِ مواخذہ ہے۔ اور جب بیت اللہ میں تم پر کوئی حملہ آور ہو۔۔۔ تو تم اس کی مزاحمت کرو۔ بیت اللہ میں حملہ سب سے بڑا جرم ہے۔ عالی جاہ نے سوال کیا۔ عورت نے بیت اللہ پر حملہ نہیں کیا؟۔۔۔ یہ تو بدلہ ہے!۔۔۔ حضور نے کہا۔۔۔ ہمارا تعلق طریقت سے ہے یہ تعلق حقیقی ہے۔ ازروئے طریقت پیر بمنزلہ بیت اللہ ہے۔ جس کا طواف جائز ہے۔ ہم نے احرام

نہیں باندھا ہم پر بیت اللہ کا طواف واجب نہیں۔ لہذا ہم بیت اللہ کا طواف نہیں کر رہے تھے۔ سوائے اس کے کہ ہم بیت اللہ کے تصور میں پیر کا طواف کرتے تھے۔ جب عورت نے ہمارے بیت اللہ پر حملہ کیا۔ اگر ہم مزاحمت نہ کرتے تو ہم مجرم ہوتے۔ لہذا ہمارا فعل جائز ہے۔ حضور نے اس کے ثبوت میں مثنوی مولانا روم سے حضرت بایزید بسطامی رحمت اللہ علیہ کا واقعہ پیش کیا۔ اور مثنوی سے یہ اشعار پیش کیے:

حق آں حقیکہ جانت دیدہ است — کہ مرا بر بیت خود بگزیدہ است

کعبہ ہر چندے کہ خانہ بر اوست — خلقت من نیز خانہ سر اوست

تا بکرد آں خانہ را در وے نہ رفت — اندریں خانہ بجز ایں شے نہ رفت

چوں مرا دیدی خدا را دیدہ — گرد کعبہ صدق بر گردیدہ

خدمت من طاعت و حمد خداست — تا نہ پنداری کہ حق از من جداست

پھر مثنوی مولانا روم میں سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک بار حضرت بایزید بسطامی رحمت اللہ علیہ حج پر جا رہے تھے۔ دوران سفر جہاں آپ قیام کرتے۔ تو شہر میں پھرتے کہ کہیں کوئی مردِ کامل مل جائے۔ ایک شہر میں مردِ حق کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ کہ ایک موچی کو دیکھا۔ جوتے سی رہا ہے۔ اس کے قریب چھ سات بچے بیٹھے ہیں۔ موچی نے حضرت بایزیدؒ کو دیکھا تو ان سے پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو۔ آپ نے کہا میں حج کو جا رہا ہوں۔ موچی نے پوچھا کہ پاس کچھ زادِ راہ ہے! آپ نے کہا ایک تھیلی اشرفیوں کی ہے۔ موچی نے کہا کہ بہتر ہے کہ آپ تھیلی مجھے دیدیں میں اپنے بچوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ اور تم میرے گرد طواف کرو۔ تمہارا حج ہو جائے گا۔ حضرت بایزید نے تھیلی موچی کو دے دی۔ اور موچی کے گرد طواف شروع کیا۔ ایک طواف پورا کیا۔ تو آپ پر باطن کا ایک عالم کھلا۔۔۔ دوسرا طواف پورا ہوا۔ تو دوسرا عالم باطن کا کھلا۔ اسی طرح دورانِ طواف آپ پر باطن کے سات عالم کھل گئے۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ ازروئے طریقت پیرِ اکمل بمنزلہ کعبہ ہوتا ہے۔ تم لوگ حج کی نیت سے آئے ہو۔ تم پر مناسکِ واجب ہیں۔ میں حج کی نیت سے نہیں آیا۔۔۔ میں بیت اللہ کا طواف نہیں کر رہا تھا۔ میں تو اپنے کعبہ کا طواف کر رہا تھا۔ عورت کی حرکت میرے نزدیک میرے کعبہ پر حملہ کے مترادف تھی۔ تو مجھ پر واجب تھا۔ کہ اپنے کعبہ پر حملہ کرنے والے سے لڑوں۔۔۔ میں نہیں جانتا تمہارا کعبہ بیت اللہ ہے۔ یا عالی جاہ کی ذات لائق طواف!۔۔۔ یہ دلیل سن کر سب مریدوں نے شرم و ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور کچھ زبان سے نہ کہہ سکے۔۔۔ آخر حج سے فارغ ہو کر۔۔۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب بمعہ اپنے

مریدوں کے وطن واپس پہنچ گئے۔ اس کے بعد کسی مرید کو آپ کے متعلق کوئی غلط حرکت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔۔۔ اور حضور قبلہ عالم کو اپنے محبوب کی صحبت میں رہنے کا بہتر موقع میسر ہوا۔

عطائے خلافت

حضور قبلہ عالم شب و روز عالی جاہ کی خدمت میں مصروف رہے۔ علی الصبح۔ حضرت صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب کے ساتھ عالی جاہ سے علوم دینی کا درس لیتے۔ درس کے بعد۔۔۔ کچھ وقت مطالعہ میں مصروف رہتے بقیہ وقت عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت گذاری میں۔۔۔ کھانا لانا۔۔۔ کھلانا۔۔۔ وضو کے لیے پانی لانا۔۔۔ وضو کرانا۔۔۔ دیگر امور انجام دینا۔۔۔ کام سے فارغ وقت میں حضور عالی جاہ کے پاؤں دبانا۔۔۔ عالی جاہ باہر کہیں تشریف لے جائیں تو آپ کی خدمت میں ساتھ رہنا۔۔۔ رات میں بھی اسی طرح خدمت میں مستعد رہنا۔۔۔ اس قریبی صحبت میں پیر اکمل کی توجہ سے آپ نے تمام مراحل عرفان طے کر کے۔ اپنے مقصدِ زندگی کو پا لیا۔۔۔ یہاں تک کہ وقت آیا۔۔۔ جب آپ کی قسمت کا فیصلہ ہونا تھا۔۔۔ عالی جاہ شاہ صاحب علیل ہو گئے۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے تمام علمی مصروفیات، عبادت و مراقبہ ترک کر دیا۔۔۔ آپ ہی تھے۔ جو صبح و شام۔ رات دن۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی تیمارداری اور خدمت گذاری میں مصروف رہے۔ آپ نے محسوس کیا کہ شاید عالی جاہ شاہ صاحب کی زندگی کے یہ آخری لمحات ہیں۔۔۔ احساسِ فراق نے آپ پر شدید رنج و غم طاری تھا۔ کہ میرا محبوب داغ مفارقت نہ دے جائے۔ آپ۔ اپنا کھانا۔ پینا۔ سونا۔ آرام کرنا بھول گئے۔ بس ہر لمحہ آپ کی خدمت میں مستعد رہتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم عالی جاہ شاہ صاحب کے پاؤں دبا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کشمیری تمہاری قمیض بوسیدہ ہو چکی ہے۔ جاؤ اسے اتار کر دریا میں پھینک دو۔ حضور اٹھے اور قمیض اتار کر دریا میں پھینک دی۔ ننگے بدن حضور عالی جاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے اپنی قمیض اتار کر دے دی۔ فرمایا۔ کشمیری لو یہ قمیض پہن لو۔۔۔ یہ تمہاری خدمت کا صلہ ہے۔ تم نے مراد پا لی۔۔۔ "جاؤ تم کشمیریوں کے پیر ہو۔۔۔ تمہارے "تین پھل ہونگے"۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے حکم کی تعمیل کی۔۔۔ قمیض پہن لی۔ اور زار و زار رونے لگے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔۔۔ میں آپ کے بغیر کیسے رہ سکوں گا۔۔۔!

حضور عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا--- کشمیری--- ولی ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ صاحبِ نسبت۔ صاحبِ مشاہدہ کے لیے۔ ولی کی موت۔ موت نہیں بلکہ حضوری قائم رہتی ہے--- میرا تصور قائم رکھو۔ تو تم میری صحبت سے دور نہ رہو گے--- ہاں یہ وعدہ الٰہی ہے۔ جو ہر حال میں پورا ہونا ہے۔ اس پر صبر کرو--- تمہارا حصولِ علم و عمل پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اب تمہیں کسی کی راہنمائی کی ضرورت نہیں۔ ہم اس حال میں بھی تمہارے قریب ہیں۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے نہایت شفقت و محبت سے آپ کی تسکین فرمائی۔ اس کے چند دن بعد عالی جاہ حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمت اللہ علیہ عہدہِ قطب الاقطاب پر مقامِ فنا و بقا میں اپنے منبعِ حقیقی سے وصال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ

سب عزیز و اقربا--- مرید دوڑے آئے۔ مگر فیصلہ ہو چکا تھا:

قسمت کیا ہر چیز کو قسامِ ازل نے　　　جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

حضور قبلہ عالمؒ کا وطن کو مراجعت

حضور قبلہ عالم الحاج مولوی محمد امین صاحب۔ عالی جاہ شاہ صاحب کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر--- چند دن قیام کے بعد۔ عظیم الشان انعامات سے مالا مال--- ولایت نامہ لیکر اپنے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس سند کی فوٹو سٹیٹ شامل ہے۔

وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ

"اور پہاڑوں کے سینوں میں مختلف اقسام کے جواہر اور مونگے سیاہ رنگ کے چھپے ہیں۔" (پارہ ۲۲۔ سورۃ ۳۵۔ آیت نمبر ۲۷)

کشمیر کی پہاڑیوں میں--- چھپا ہوا--- ایک انمول گوہر--- مٹی اور پانی کی دلدل (حماء مسنون) میں گھرا ہوا--- اپنی جلا--- اپنی تابانی کی طلب میں--- مضطرب و بے قرار تھا۔ تو جنون کی طوفانی بارش اسے وادیوں کی پہنائیوں کی طرف بہا کر لے گئی--- یہ گوہر بے بدل--- منزل کی طرف رواں دواں--- سفر کی طویل مسافت میں آلام و مصائب جھیلتا سر پٹکتا--- صحراؤں ریگزاروں کے سینے چیرتا--- سمندر کے کنارے جا لگا---! تو یہ گوہر ایک عظیم جوہر تراش ماہر بے بدل جوہری کے ہاتھ آیا--- اس جوہر شناس--- جوہر تراش نے تیز دھار آریوں تیشوں سے--- اس کے جسم کو تراش کر--- اس میں وہ

آب و تاب پیدا کر دی--- جس کی ضیاء نے ایک عالم کو نور بخشا--- اب یہی گوہرِ آبدار--- مثل آفتاب عالم تاب--- کوٹ چاندنہ کی منور سرزمین سے نکل کر--- کشمیر کے ظلمت کدہ کو منور کرنے کے لیے--- وادیٔ کرناہ (شاردا) کی پہاڑیوں سے طلوع ہوا--- مگر آہ! اس نیرِ تاباں کی آس میں--- راتوں جاگنے والی آنکھیں--- اپنے نورِ نظر کے انتظار میں--- برسوں گذار کر اس وادی میں داخل ہو گئیں--- جہاں قیامِ قیامت تک اپنی امیدوں کو سینہ سے لگائے وہ منتظر و بے تاب رہیں گی--- مگر نہیں!--- ان کی امیدیں بھر آئیں۔ جس حسرت سے ایک دن انہوں نے اپنے لختِ جگر کو ایک مقصد کی تکمیل کے لیے اپنے سے جدا کیا تھا--- ان کا وہ مقصد آج پورا ہو گیا--- وہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ان کی قبروں پر وہ نور آ گیا--- جس سے ان کی روحیں شاداں ہیں---وہ اسے مشاہدہ کر رہی ہیں--- وہ دل وہ روحیں جو اپنے نورِ نظر کی جدائی میں سوختہ تھیں--- آج حوضِ کوثر کی تراوت اپنے میں محسوس کر رہی ہیں!--- کہ ان کا نورِ نظر کوثر و تسنیم اپنے ہاتھوں میں لے کر ان کے سامنے کھڑا ہے--- ان پر بارشِ نور برسا رہا ہے اور وہ ویران گھر جو کسی وقت ایک نورِ چشم کی جدائی میں تاریک ہو چکا تھا--- اسی گھر سے ایک نیا سورج طلوع ہو رہا ہے۔ جس نے سارے عالم کو منور کرنا ہے۔

زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيمًا وَّتَكْرِيمًا

حضور عالی مقام حضرت محمد امین صاحبؒ--- وطن پہنچے تو ان کے والد انتقال کر چکے تھے۔ آپ کے دو بھائی--- محمد سلیمان--- اور محمد اسمٰعیل بقیدِ حیات تھے۔ والد کی غیر موجودگی نے آپ کو بے حد قلق پہنچایا--- والد کی تربت پر فاتحہ پڑھی۔ ان سے باطنی طور پر ملاقات کی گھر پر قیام فرما کر۔ دونوں برادران محترم کو سلسلہ اویسیہ میں داخل فرما کر۔ انہیں بیعت کیا۔ انہیں اصول طریقِ اویسیہ کے مطابق درود شریف کی تلقین فرمائی--- اس طرح آپ نے

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ

کے حکم کی تعمیل میں اپنے رشتہ داروں سے اجرائے دین میں شریعت و طریقت کا اجراء فرما کر--- سلسلہ اویسیہ امینیہ کی بنیاد ڈالی--- رفتہ رفتہ آپ نے باقی قریبی عزیزوں کو بھی سلسلہ میں داخل کیا--- مزید برآں۔ گاؤں کے لوگوں نے بھی آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی--- ذہن و قلب پر ابھی کوٹ چاندنہ کے درو دیوار کا تصور--- اور اپنے محبوب کے فراق کی کسک باقی تھی--- دوبارہ اپنے محبوب کی بارگاہ کی تڑپ دل میں تھی--- چنانچہ

کچھ عرصہ قیام کے بعد دوبارہ کوٹ چاندنہ کے سفر کا ارادہ کر لیا --- وادئ شاردا سے اتر کر --- ضلع ہزارہ سے ہوتے ہوئے حسن ابدال کیمبلپور --- ضلع میانوالی --- داؤد خیل۔ عیسیٰ خیل ہوتے ہوئے مارمی اندمس کالاباغ پہنچ کر۔ کوٹ چاندنہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے مزار پرانوار پر حاضری دی۔ قلب کو سکون میسر ہوا۔ اب وہ صورت نہ تھی کہ آپ کو "نادار کشمیری" سمجھ کر کم نگاہی سے دیکھا جاتا کیونکہ یہ امر سب پر آشکار ہو چکا تھا کہ عالی جاہ شاہ صاحب نے انہیں مکمل ولایت عطا فرمائی ہے۔ سب نے حضور قبلہ عالم کی عزت افزائی کی --- حضور عالی جاہ شاہ صاحب کی وفات کے بعد جناب صاحبزادہ فخرالزمان شاہ صاحب کی اپنے والد کے قائم مقام خلافت کی دستار بندی کی گئی صاحبزادہ صاحب نے اپنے والد کے قائم مقام سجادہ نشین کی حیثیت سے --- درس و تدریس اور علم ولایت۔ بیعت و ارشاد کا سلسلہ شروع کیا --- آپ کی ذات محتاج تعریف نہیں۔ آپ کو بھی وہ تمام علم جو آپ کے والد کے سینہ قدس میں جمع تھا۔ علم ظاہری کی اکملیت اور علم باطنی کی اکملیت ورثہ میں عطا ہوئی۔ آپ کو بھی علوم دینی میں مثل اپنے والد کے انتہائی درک حاصل تھا۔ اور مرتبہ ولایت میں بھی ولی اکمل کا مقام حاصل تھا۔ آپ کے مریدوں میں علم دینی سے مزین جید علماء کا وجود ہوا۔ اور علوم باطنی میں آپ کے مریدوں میں صاحب کمال ولی --- ولی اکمل --- مقام فناء و بقائے الٰہی میں یکتائے روزگار کثرت سے پائے گئے --- آپ نے اپنے دور خلافت میں۔ اپنے والد کے قائم مقام --- اپنے منصب عالی کو بطریق احسن قائم رکھا۔ حضور قبلہ عالم کی آمد پر صاحبزادہ صاحب نے آپ کی عزت سے پذیرائی فرمائی --- اور حضور قبلہ عالم نے بھی آپ کے مقام و منصب اور نسبت والد کے اعتبار سے قدم بوسی کی --- حضور قبلہ عالم نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی قدمبوسی حاصل کی۔ آپ نے حضور پر حد درجہ شفقت فرمائی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا --- کہ ان کا اپنا کوئی عزیز گھر میں وارد ہوا --- کچھ عرصہ قیام میں حضور قبلہ عالم اپنے محبوب کی مرقد پر قربت و باطنی ملاقات سے فیض یاب ہوتے رہے۔ اور پھر اپنے وطن کی طرف مراجعت کا ارادہ فرمایا --- حضرت محترمہ مائی صاحبہ اور صاحبزادہ صاحب سے اجازت حاصل کر کے وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ سب احباب نے نہایت شفقت و عزت افزائی سے الوداع کہی --- وطن واپسی پر حضور قبلہ عالم نے بجائے اپنے گھر جانے کے اپنے قریبی عزیزوں کے ہاں جانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ ضلع ہزارہ پہنچ کر علاقہ مظفرآباد کی راہ سے کشمیر میں داخل ہو کر قصبہ بارہ مولہ پہنچے۔ انگریز حکومت کی سرحد گڑھی حبیب اللہ خان قصبہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر موضع برار کوٹ پر ختم ہو کر کشمیر کی

سرحد شروع ہوتی ہے۔ مظفر آباد سے لے کر قصبہ بارہمولہ تک تمام علاقہ دشوار گذار پہاڑوں سے بھرا ہے۔ یہ سلسلہ بارہمولہ تک برابر چلا آتا ہے۔ بارہمولہ سے آگے سری نگر شہر کی وادی شروع ہوتی ہے۔ سری نگر شہر بارہمولہ سے بتیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ بارہمولہ سے شاہراہ سری نگر وادی کے بیچ میں سے گزرتی ہے۔ بارہمولہ سے تقریباً دس میل شاہراہِ سری نگر پر بائیں طرف ایک راستہ علاقہ لولاب کی طرف جاتا ہے۔ اسی راستہ پر قصبہ سوپور اور تحصیل ہندواڑہ۔۔۔ اور راستہ کے آخر پر پھر شمالی پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اسی مقام پر قصبہ کپواڑہ واقع ہے۔ قصبہ کپواڑہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں موضع کاشیراہ زانگلی واقع ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ کے عزیز قصبہ کپواڑہ سے تقریباً سات یا آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں میں سکونت رکھتے تھے۔ حضور قبلہ عالمؒ اسی راستہ سے اپنے عزیزوں کے ہاں پہنچے۔ عرصہ دراز کے بعد حضور اپنے عزیزوں کے ہاں تشریف لائے۔ آپ کی آمد پر سب نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا۔۔۔ انہیں معلوم ہوا کہ حضور قبلہ عالم ایک ولی کی حیثیت حاصل کیے ہیں۔ آپ نے اپنے حصولِ علمِ ولایت کی داستان سنائی۔ یہ لوگ بے حد متاثر ہوئے۔۔۔ اور آپ کی خدمت و قدر و منزلت شایانِ شان ہوئی۔ یہ زمانہ بھی حضور کی کم سنی کا تھا۔ ابھی ان کے داڑھی۔ مونچھ۔ چہرہ پر ابھری نہ تھی۔ حضورؒ نے کچھ عرصہ یہاں قیام فرمایا۔۔۔ اس علاقہ کی فضا سازگار محسوس ہوئی۔۔۔ عزیزوں نے بھی مشورہ دیا۔ کہ آپ اس علاقہ میں آئندہ سکونت اختیار کریں۔ حضور نے یہ مشورہ پسند کیا۔۔۔ اور اس علاقہ میں مستقل سکونت کا ارادہ فرمایا۔۔۔ چنانچہ عزیزوں کی وساطت سے کاشیراہ گاؤں میں زمین کا کچھ حصہ منتخب کر لیا۔ اپنے عزیزوں کے پاس کچھ دن قیام کے بعد آپ نے دوبارہ سفر کا ارادہ فرمایا۔۔۔

حاجی فتح محمد خان کے گھر مولانا سید رسول صاحب سے تحصیل علم

حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ نے ابتدائی ایام میں گھر سے نکل کر ضلع ہزارہ۔۔۔ پنجاب۔۔۔ یوپی۔۔۔ سی پی۔۔۔ وسط ہندوستان تک سفر اختیار کیا۔۔۔ اور اس زمانہ میں جہاں کہیں بھی۔ علوم دینی کے جید علماء کا پتہ چلا۔ آپ نے ان سے اکتساب فیض کیا۔۔۔ دیوبند میں تعلیم حاصل کر کے سند حاصل کی بالآخر اپنے پیر اکمل حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحبؒ سے تمام علوم دینی کی تکمیل کی۔ حضور قبلہ عالم کو علم سے عشق تھا۔ اپنی زندگی

ہیں سوائے حصول علم۔ تکمیل علم۔ اور حصولِ علم معرفت کے ایک لمحہ ماسوا علم ضائع نہیں کیا۔۔۔ حضور علم کے ایک عمیق سمندر تھے۔ جس کی پہنائی کا اندازہ کرنا مشکل تھا۔ اور علم وہ جس کا باطن بھی آپ کے ادراک میں تھا۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مطابق

اُطْلُبُ الْعِلْمَ وَلَوْ كَانَ بِالصِّيْنِ

"علم حاصل کرو اگرچہ چین تک جانا پڑے"۔۔۔ حصولِ علم کے لیے ہندوستان کا کونہ کونہ چھان مارا اور علم کی خوشہ چینی کی۔ یہاں تک کہ کوئی علم ایسا نہ تھا جو اس زمانہ میں علماء سے میسر تھا۔ آپ نے نہ حاصل کیا ہو۔۔۔ اس زمانہ میں ضلع ہزارہ۔۔۔ تحصیل ایبٹ آباد کے گاؤں سرپھنہ میں علم معقول کے ایک مشہور عالم تھے۔۔۔۔ جن کا شہرۂ ہندوستان بھر میں تھا۔ ہندوستان اور بیرون ممالک کے طالب علم درس حاصل کرنے ان کے پاس آتے۔ حضور قبلہ عالم نے دور طالب علمی میں اس علم پر زیادہ توجہ نہ فرمائی۔۔۔ کیونکہ آپ نے کامل ذہنِ رسا پایا تھا۔ آپ خود اجتہادی مسائل پر عبور رکھتے تھے۔ اور پھر آپ کو روحانی علم لدنی (القائی) بھی عطا تھا۔ آپ نے مولانا صاحب کی شہرت سنی تو ارادہ فرمایا کہ ان سے معقول منقول میں درس لیا جائے۔ چنانچہ آپ اس سفر میں موضع سرپھنہ میں مولوی سید رسول صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس علاقہ کے خوانین امراء میں۔ ایک متمول زمیندار حاجی فتح محمد خان صاحب تھے۔ جنہوں نے اپنے مصارف پر ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا۔ اسی مدرسہ میں مولانا سید رسول صاحب بھی درس دیتے تھے۔ موصوف نے گاؤں میں ایک مسجد تعمیر کی تھی۔ اسی مسجد میں یہ علمی درسگاہ تھی۔ حضور قبلہ عالمؒ نے مولانا سے اپنی خواہش ظاہر کی۔۔۔ بظاہر حضور قبلہ عالم کی شخصیت نمایاں محسوس نہ ہوتی تھی۔ اسی انداز سے مولانا انہیں ادنیٰ طالب علم سمجھ کر سادہ تعلیم دیتے۔۔۔ ایک دن حاجی فتح محمد خان صاحب کے پوتے عبداللہ خان۔ ایک استاد سے گلستان کا سبق پڑھ رہے تھے۔ حضورؒ بھی قریب بیٹھے تھے۔ استاد، عبداللہ خان کو کسی شعر کے معنی غلط بتا رہے تھے۔ حضور سن رہے تھے۔ آپ نے استاد کو غلطی کی نشاندہی کی کہ شعر کے معنی غلط بتا رہے ہیں۔۔۔ استاد کو یہ ناگوار گذرا کہ ایک معمولی کم سِن لڑکا اسے ٹوک رہا ہے۔ استاد نے انہیں جھڑک دیا کہ بڑوں کے معاملہ میں دخل نہیں دیتے۔ مگر حضورؒ نے پھر اس کی غلطی کی نشاندہی کی اور شعر کے معنی بتا کر اس کی غلطی ظاہر کی۔ مولانا نے بھی تائید کی تو استاد خاموش ہو گئے۔

حاجی فتح محمد خان صاحب نے حضور قبلہ عالم سے فرمائش کی کہ آئندہ آپ لڑکے کو

فارسی کا سبق دیں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اب عبداللہ خان حضورؒ سے سبق پڑھنے لگے۔ حضورؒ کے طرزِ تعلیم سے مولانا صاحب اور حاجی صاحب بہت متاثر ہوئے۔ ایک دن سبق کے دوران عبداللہ خان نے حضورؒ سے ایک حُب کے تعویذ کے لیے کہا۔ کہ مجھے حب کا تعویذ دیں۔ عبداللہ خان بہت کم عمر۔ معصوم لڑکا تھا۔ اس کا سوال کرنا تھا کہ حضورؒ بات کی تہہ تک پہنچ گئے۔ کہ اس سوال کے پس پشت استاد کی تحریک ہے۔ حضور نے فرمایا۔ ہم تمہیں ایک کلام دیں گے۔ اسے پڑھو۔ اس کلام کا موکل ہے۔ وہ تمہیں خود تعویذ بتا دیں گے۔ حضور نے عبداللہ خان کو درود شریف دیا کہ مسجد کے حجرے میں تنہائی میں آنکھیں بند کر کے پڑھو۔۔۔ رات عبداللہ نے مراقبہ میں درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ تو مشاہدہ ساتھ ہی شروع ہو گیا۔ اور اجلاس محمدی ﷺ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو گئی۔ معصوم تھا۔ اس کیفیت کو سمجھ نہ سکا۔ صبح حضور قبلہ عالمؒ سے سبق پڑھنے آیا۔ تو رات کا واقعہ بیان کیا۔ حضورؒ نے فرمایا۔ کہ ہمارے پاس تعویذ نہیں یہی درود شریف ہے۔ اور یہ مقام روضہ مدینہ منورہ ہے۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار ہے۔ اور جس ہستی کو تم نے تخت پر بیٹھا دیکھا۔ یہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ بس یہی کچھ ہمارے پاس ہے۔ جو تمہیں حاصل ہوا۔ بس اسے جاری رکھو۔ اور کسی سے ذکر نہ کرو۔ حضورؒ نے پوچھا۔۔۔ تمہیں کس نے بتایا۔ میرے پاس حب کا تعویذ ہے۔ اس وقت عبداللہ خان نے بتایا۔ مجھے استاد نے کہا کہ آپ سے حب کا تعویذ مانگوں۔ دراصل استاد صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ کہ اس بچہ کی طرف سب کا رجوع کرنا اور اس کی عزت کرنا۔۔۔ کسی عمل کے تحت ہے۔ شاید اس کے پاس کوئی عمل ہو جس سے یہ سب کی توجہ اپنی طرف کرتا ہے۔ خیر حضورؒ نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔ اور اپنا سلسلۂ تعلیم جاری رکھا۔ عبداللہ خان رازدارانہ انداز میں اکثر وقت مسجد کے حجرے میں مراقبہ و مشاہدہ میں مشغول رہتے۔ ایک دن دوران سبق عبداللہ خان نے کہا۔ کہ یہ عجیب بات ہے میں دیکھتا ہوں۔۔۔ ادھر اجلاس میں بھی آپ دکھائی دیتے ہیں۔ ادھر باہر مجلس میں بھی آپ باتیں کرتے سنائی دیتے ہیں! حضورؒ نے فرمایا اجلاس میں روحانی وجود ہے۔ یہ وجود ہمارا روحانی جسم ہے۔ اور ادھر ہمارا خاکی وجود ہوتا ہے۔ تمہارے بھی دو وجود ہیں۔ ایک اجلاس میں ہے۔ دوسرا حجرے میں۔ ان مشاہدات میں عبداللہ خان کو ایسی لذت محسوس ہوئی کہ اس نے دن رات حجرے میں داخل ہو کر مراقبہ میں رہنا شروع کیا۔۔۔ ایک دن مسجد میں مولانا سید رسول صاحب حاجی فتح محمد خان صاحب۔ عبدالعزیز صاحب (عبداللہ خان کے والد) اور دیگر طلباء بیٹھے دینی مسائل پر گفتگو کر رہے تھے۔

اسی اثناء میں عبداللہ خان حجرے سے نکلے۔۔۔ وقت دوپہر کا تھا۔ حاجی فتح خان نے اسے حجرے سے نکلتے دیکھا تو پوچھا لڑکے یہ کونسا وقت ہے حجرے میں بیٹھنے کا۔ اب تو تم اکثر حجرے میں بیٹھے رہتے ہو۔۔۔ گھر کا کام کاج بھی تم نے چھوڑ دیا ہے۔ آخر تم حجرے میں کیا کرتے ہو۔۔۔؟ تمہارے چہرے کا رنگ بھی بدلا ہوا ہے۔ سچ بتاؤ تم حجرے میں کیوں بیٹھے رہتے ہو۔ حاجی صاحب دراز قد۔ بارعب شخصیت تھے۔ عبداللہ خان ان کے لہجہ سے مرعوب ہو گئے۔ کچھ زبان سے نہ کہہ سکے۔۔۔ یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم بول اٹھے۔ حاجی صاحب اسے ہم نے حجرے میں بیٹھنے کو کہا ہے۔۔۔ تاکہ علم کی طرف زیادہ توجہ ہو۔۔۔ حاجی صاحب نے پوچھا۔ کہ اتنی دیر حجرے میں بیٹھنا آخر کس غرض سے ہے۔ باہر بھی مطالعہ ہو سکتا ہے۔ تو حضور نے فرمایا۔۔۔ حاجی صاحب جانے دیں۔ بچہ صحیح راہ پر جا رہا ہے۔ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ حاجی صاحب مصلحتاً خاموش ہو گئے۔ شام پھر عبداللہ خان حجرے میں آئے۔ حضور بھی حجرے میں تشریف فرما تھے۔ عبداللہ خان نے مراقبہ شروع کیا۔ اسی اثناء میں حاجی صاحب بھی حجرے میں داخل ہوئے۔ تو تحقیقی انداز میں حضور سے پوچھا آپ اس لڑکے کو کیا بتا رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ یہ تنہائی کا موقع ہے۔ اب آپ پر یہ امر افشا کر رہا ہوں۔۔۔ کہ عبداللہ خان اس وقت مراقبہ میں دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ بے شک اس حالت میں آپ اس سے سوال کریں۔ یہ اسی طرح بتا دے گا۔ حاجی فتح خان صاحب پر سناٹا چھا گیا۔ کیا یہ حقیقت ہے۔ عبداللہ خان نے مراقبہ چھوڑ دیا۔ تو اپنی ساری داستان بیان کی۔ حاجی صاحب چیخ چیخ کر رونے لگے۔ کہنے لگے میں نے اپنی عمر عبادت میں گذاری۔ راتیں بیداری میں گزاریں۔ دائمی روزے رکھے۔ اس تمنا میں کہ مجھے دیدار حاصل ہو۔ مگر آج تک کامیاب نہ ہو سکا۔ مگر میرا بچہ بغیر محنت یہ مقام حاصل کر گیا۔ پوچھا کہ آپ کو یہ سعادت کیسے نصیب ہوئی۔ حضور نے فرمایا۔۔۔ میں صرف معقول کا طالب علم نہیں ہوں۔ میں جملہ علوم دینی مکمل کر چکا ہوں۔ صرف ضرورت کے تابع یہ سبق لے رہا ہوں۔ اور عالی جاہ مولانا سید محمد نور الزمان شاہؒ صاحب کالاباغ کے مریدوں میں سلسلہ اویسیہ سے نسبت رکھتا ہوں۔ حاجی صاحب جیسے آسمان سے زمین پر گرے۔ آپ پر حیرت طاری ہوئی۔ کیا زمانہ میں ایسا کوئی ولی ہے جو آنکھ جھپکنے میں حضوری کرائے۔ اور تعجب ہے۔ یہ کم سن بچہ ولایت کا شہباز! یہ تو کسی کے وہم و گمان میں آنے والی بات نہیں۔۔۔! حاجی صاحب نے۔۔۔ وفور جذبات سے حضور کے ہاتھ چومے۔ کھڑے ہو گئے۔ عرض کی۔ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔ آپ کی شان کے مطابق تکریم نہ کر سکا۔ میں آپ سے معافی چاہتا ہوں۔۔۔ حضور

نے تسلی دی۔۔۔ فرمایا۔ اس میں آپ قصوروار نہیں۔۔۔ میں آپ کے پاس طالب علم کی حیثیت سے آیا۔ آپ نے میرے حصولِ علم میں مدد کی۔ گھر سے کھانا دیتے ہیں۔ اس کے لیے ہم آپ کے مشکور ہیں۔ یہ راز ہے جسے پوشیدہ رکھنا لازم ہے۔ اس لیے آپ پر کوئی حرف نہیں آتا۔۔۔ حاجی فتح خان نے عرض کی للہ مجھے بھی اس نعمت سے نوازیں۔ حضور نے درود شریف بتایا۔۔۔ حاجی فتح خان نے ساتھ ہی یاد کیا۔ حضور نے مراقبہ کا حکم دیا۔ حاجی صاحب نے اسی وقت مراقبہ شروع کیا۔۔۔ ابھی ایک سو کی تعداد پوری نہ ہوئی تھی۔ حاجی صاحب کا مشاہدہ جاری ہوا۔۔۔ اسی آن مدینہ منورہ کا روضہ شریف نظر آیا۔۔۔ حضور انہیں اجلاس میں لے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کر کے حضوری کر دیا۔۔۔ دیکھا تو عبداللہ خان بھی اجلاس میں موجود ہے۔ حاجی صاحب زیارت کر رہے ہیں۔ اور زار و زار رو رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام ہوا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت فرمائی۔۔۔ آخر حضور قبلہ عالم نے انہیں مراقبہ سے ہٹایا۔ فرمایا۔ اب یہ تحقیق ہو گئی کہ آپ نے پوتے کو بھی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا۔ حاجی صاحب سوائے رونے کے اور کچھ نہ کہہ سکے۔۔۔ فراغت کے بعد حاجی صاحب نے حضور کی پہچانی شان کے مطابق آپ کی عزت و تکریم کی۔۔۔ اور حضور کے کھانے۔ رہائش کے لیے خصوصی انتظام کرنا چاہا۔۔۔ مگر حضورؒ نے منع فرمایا۔ اور کہا کہ ہم طالب علم کی حیثیت میں گمنام رہنا چاہتے ہیں۔ اس طرح لوگ محسوس کریں گے۔ حضور کے اس طرزِ عمل سے حاجی صاحب بہت متاثر ہوئے۔ لیکن خوشبو چھپ نہیں سکتی۔ حاجی صاحب حضورؒ کی عزت تکریم پر مجبور تھے۔ حضور مسجد میں تشریف لائے۔ تو حاجی صاحب ادباً اٹھ کھڑے ہوئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ حاجی صاحب خود صاحب عزت ہیں اور وہ ایک کم سن، طالب علم کے آنے پر کھڑے ہو گئے۔ مولانا سید رسول صاحب آخر محقق تھے سمجھے۔ کہ اس بچے میں کوئی خصوصیت ہے۔ پہلے تو وہ انہیں بچہ سمجھ کر سادہ معانی بتاتے۔ اب انہوں نے دقیق انداز میں بیان شروع کیا۔ تو دیکھا۔ حضورؒ اس علم پر احاطہ کر رہے ہیں۔ دورانِ سبق حضور پر سوال کرتے۔ تو حضور باتوں باتوں میں جواب دیتے۔ مولانا صاحب نے پوچھا پہلے کہیں درس لیا ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ ہم نے ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند۔ امروہہ میں حضرت سید مولانا محمد نورالزمان شاہ صاحبؒ کی زیرِ سرپرستی علم حاصل کیا ہے۔ مولانا صاحب نے عالی جاہ شاہ صاحب کی تعریف سنی تھی۔ پوچھا تم ان سے بیعت بھی ہوئے ہو۔ حضور نے اثبات میں جواب دیا۔ تو مولانا نے فرمایا۔ تو پھر تم میرے پاس کیوں آئے ہو۔ اس وقت حاجی صاحب بھی تشریف لائے۔ انہوں

نے مولانا صاحب پر حقیقت واضح کی۔ تو آپ حیران رہ گئے۔ فرمایا۔۔۔ لڑکے تم نے اپنے آپ کو ہم سے چھپائے رکھا۔ حضورؒ نے انکساری برتتے ہوئے فرمایا۔ میں کم سن۔ کم عمر ہوں۔۔۔ آپ جیسی ہستیوں کے آگے ہم ہمسری کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ میں بہرحال آپ کا احسان مند ہوں۔ میں آپ کے سامنے بڑائی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا۔

مَنْ تَعَلَّمَ حَرْفًا فَهُوَ مَوْلٰی (حدیث)

جس نے تمہیں ایک حرف سبق دیا۔ وہ تمہارا مولیٰ ہے۔

مولانا صاحب بے حد خوش ہوئے۔ اس دوران حاجی صاحب نے عبداللہ خان کا اور اپنا واقعہ سنایا۔ تو آپ پر مزید حیرت طاری ہوئی۔ مولانا نے بھی حضورؒ کی عزت افزائی کی۔ اس کے بعد مولانا نے انداز تعلیم بدل دیا۔۔۔ اور اپنے سینہ میں خزانہ کئے ہوئے علم کو دریا کی روانی کے ساتھ آپ پر کھول دیا۔ اور حضورؒ ان کے علمی حقائق کو سینہ میں آسانی سے سمیٹتے رہے۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے ایک عالم دوسرے عالم کے ساتھ بحث کر رہا ہو۔ حاجی فتح خان صاحب کے خاندان پر حضور قبلہ عالمؒ کی حیثیت واضح ہو چکی تھی۔ چنانچہ اس خاندان کے مرد عورت سب حضور سے بیعت ہو گئے۔ اب سب لوگ حضورؒ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس طرح حضور قبلہ عالم نے معقول میں حضرت مولانا سید رسول صاحب سے نہایت آرام و سکون سے علم و حکمت کے موتی حاصل کیے۔ علم سے فراغت پانے کے بعد حضورؒ نے اپنے محبوں۔ محسنوں سے وطن جانے کی اجازت چاہی۔ اور حضور قبلہ عالم ان کے احسان کے عوض انہیں باطن کی نعمتوں سے مالامال کر کے اپنے وطن کی طرف رخصت ہو گئے۔

علاقہ پٹھوہار کے استاد کا حضوری ہونا

حضور قبلہ عالم نے اپنے دور تعلیمی کا ایک ایسا ہی واقعہ سنایا۔ آپ حضور عالی جاہ شاہ صاحبؒ سے بیعت ہو چکے تھے۔ آپ کا ابھی کم سنی کا زمانہ تھا۔ حضورؒ کسی کام سے علاقہ پوٹھوار (راولپنڈی) تشریف لائے تھے۔ حضور کی عادت تھی۔ آپ دوران سفر اکثر مسجد میں قیام فرماتے۔ یا کسی مدرسہ یا درسگاہ میں قیام فرماتے۔ ایک مسجد میں آپ کا قیام تھا۔ مسجد میں درس بھی ہوتا تھا۔ دورانِ درس۔۔۔ یہ ذکر اٹھا۔۔۔ استاد کہنے لگے۔ سنا ہے۔ کالاباغ میں کوئی عالم ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ ان میں ایک استاد نے طنزیہ انداز میں کہا۔۔۔ ہاں کوئی نیا ولی پیدا ہوا ہو گا۔ یہ تو قطعی خلافِ شریعت ہے۔ ایسا ہونا

ممکن نہیں--- یا کسی نے ویسے ہی گپ اڑائی ہو گی--- یہ سن کر حضور کو غصہ آیا--- اور اس استاد کی حماقت پر افسوس کیا۔ کہ بلا سوچے سمجھے ایک ولی کی شان کا مذاق اڑایا۔ لیکن وہ خود کو ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے۔ خاموش ہو گئے۔ اور موقع کی تلاش میں رہے۔ استاد صاحب درس دینے لگے۔ تو حضور قبلہ عالمؒ نے ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ استاد کسی سوال کا جواب نہ دے سکے۔ حضور نے فرمایا۔ آپ تو معمولی سوالات کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ آپ کیسے ایک عالم پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ استاد نے کہا۔ یہ بات تو قابل تسلیم نہیں کہ کوئی شخص حضورؐ کی زیارت کرانے کا دعویٰ کر سکے۔ حضور نے فرمایا یہ تو معمولی بات ہے۔ وہ تو ایک بڑے عالم ہیں۔ یہ تو میرے جیسا بچہ بھی کر سکتا ہے۔ اگر یقین نہیں تو آئیں میں اس کی دلیل دوں گا--- استاد صاحب حضورؒ کی باتوں سے مرعوب ہو گئے۔ اور خاموش ہو گئے۔ حضور کا قیام مسجد ہی میں تھا۔ رات استاد صاحب حضور کے پاس آئے۔ اور کہا آپ نے حضوری کرنے کا دعویٰ کیا۔ میں آیا ہوں۔ مجھے آپ کر کے دکھائیں۔ حضور نے اسے مراقبہ میں بٹھایا۔ اور درود شریف (عام) پڑھنے کو دیا۔ کہ روضہ شریف کا تصور کرے۔ استاد نے روضہ شریف کے تصور کے ساتھ پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں روضہ شریف کا مشاہدہ ہوا--- استاد نے کہا روضہ شریف نظر آرہا ہے۔ حضور نے اور توجہ دی۔ تو دیکھا حضور نے خود اسے روضہ شریف کے اندر لے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائی--- اور اجلاس میں ہوش و حواس کے ساتھ کلام کیا۔ اور سنتا رہا۔ مراقبہ سے فارغ ہوئے تو استاد نے حضور کے ہاتھ چومے اور اپنی غلطی اور گستاخی کی معافی مانگ لی---

مصنوعی پیر کی فقیری کا حقیقی روپ اختیار کرنا

حضور قبلہ عالم اسی طرح کا ایک اور واقعہ سناتے ہیں۔ کہ اسی علاقہ پوٹھوار میں ایک پیر صاحب تھے۔ لوگوں کو بیعت کرتے تھے۔ مگر فقیری سے قطعی نابلد--- حضور نے اس سے پوچھا۔ آپ لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ انہیں کیا دکھاتے ہیں؟ آخر طریقت میں دیدارِ الٰہی کے لیے بیعت کی جاتی ہے۔ آپ کو خود مشاہدہ ہے۔؟ جو لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ کم از کم انہیں حضور ﷺ کی زیارت ہی کرائیں۔ پیر صاحب نے کہا یہ امر مشکل ہے۔ ایسا ہو نہیں سکتا۔ سوائے اس کے کہ یہ لوگ نماز پڑھیں۔ اور وظیفہ پڑھیں--- یہ سن کر حضور نے فرمایا۔ آپ لوگوں کو بیعت کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ محض اس لیے کہ آپ ان

لوگوں سے نیاز وصول کرتے ہیں۔۔۔ پیر صاحب خاموش ہو گئے۔ حضورؒ نے بھی خاموشی اختیار کی۔۔۔ پیر صاحب کو خیال آیا کہ اس لڑکے نے جس انداز سے بات کی ممکن ہے کہ یہ لڑکا اس حقیقت سے واقف ہو۔۔۔ رات حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پوچھا تم نے جو باتیں کہی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اس بارے میں کچھ علم ہے۔ کیا تم زیارت کرا سکتے ہو؟۔۔۔ حضورؒ نے فرمایا۔ آپ چاہیں تو ہم تمہیں زیارت کرا سکتے ہیں۔۔۔ پیر صاحب کو درود شریف بتایا۔ اور مراقبہ میں بیٹھ کر پڑھنے کو کہا۔۔۔ پیر صاحب نے درود شریف مراقبہ میں پڑھنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں پیر صاحب کا مشاہدہ ہوا۔۔۔ اور اجلاس میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ پیر صاحب زار وزار رونے لگے۔ اور اپنے فعل پر سخت ندامت ہوئی۔ کہنے لگے بلاشبہ میں لوگوں کو دھوکہ دیتا رہا۔ عرض کی میں اس حقیقت سے قطعی لاعلم تھا۔ کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ حضور سے عرض کی۔ کہ آپ یہاں قیام رکھتے ہیں۔ میرے پاس مرید آتے رہیں گے۔ انہیں معلوم ہو گا تو ہو سکتا ہے۔ وہ مجھ سے متنفر ہو کر بھاگ جائیں۔ اور میری بے عزتی ہو گی۔ مہربانی فرما کر آپ کسی سے اس کا ذکر نہ کریں۔۔۔ البتہ آئندہ میں۔۔۔ اپنے مریدوں کو یہی درود شریف اویسی بتایا کروں گا۔ حضور نے فرمایا۔ زیادہ لالچ نہ کرنا۔۔۔ اور اس درود شریف کو دولت کے حصول میں استعمال نہ کرنا۔ حضور نے ترکیب بتائی۔۔۔ تو اسے درود شریف دیکر خود مراقبہ میں عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے پیش ہو کر مرید کو بھی پیش کرنا۔۔۔ جیسا وہ حکم دیں ویسا کرنا۔۔۔ اس طرح اس پیر صاحب کی مصنوعی فقیری حقیقت کا روپ اختیار کر گئی۔۔۔ ایسا ہی ایک واقعہ عالی جاہ شاہ صاحب کے متعلق حضور قبلہ عالم نے سنایا۔ حضور عالی جاہ شاہ صاحب کی شہرت پنجاب تک پھیلنے لگی۔ اور اس بات کا چرچا عام ہونے لگا۔ یہ راولپنڈی کا ہی واقعہ ہے۔ کہ ایک مجلس میں عالی جاہ شاہ صاحب کی ولایت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کہ آپ حضور ﷺ کی زیارت کراتے ہیں۔ ایک مرید نے اپنے پیر سے کہا۔ آپ بھی مجھے زیارت کرائیں۔۔۔ یہ زمانہ تھا کہ کسی پیر کے وہم و گمان میں نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ سوائے اس کے کہ کسی پیر سے معمولی قسم کے ناسوتی عمل کا مظاہرہ ہو۔۔۔ باقی پیری فقیری اسی حد تک محدود تھی کہ مرید بیعت کرے۔ نماز پڑھے۔ یا ذکر کرے۔ یا کوئی وظیفہ پڑھے۔۔۔ پیر صاحب نے اپنی ساکھ رکھنے کے لیے مرید کو چالیس روز چلہ کرنے کا حکم دیا۔۔۔ مرید نے چالیس روز کا چلہ پورا کیا۔ لیکن اسے کچھ دکھائی نہ دیا۔۔۔ پیر صاحب نے کہا چلہ میں کچھ نقص ہوا ہے۔ دوبارہ چالیس روز چلہ میں بیٹھو۔ اس بار بھی کچھ

حاصل نہ ہوا۔۔ پیر صاحب نے تیسری بار چلہ کرایا۔ لیکن مرید پر ذرہ بھر روشنی کا انکشاف نہ ہوسکا۔ آخر مرید نے مایوس ہو کر پیر صاحب سے کہا۔ کہ بہتر ہے آپ مجھے انہیں بزرگ کے پاس جانے کی اجازت دیں۔ جو حضوری کرتے ہیں۔ پیر صاحب نے اجازت دی۔ اور وہ عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے پوچھا کیسے آئے ہو؟ مرید نے اپنی تمام داستان بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور مجھے بھی اس نعمت سے سرفراز فرمائیں۔ آپ نے انگلی سے اسے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ جاؤ! مسجد میں بیٹھ کر روضہ شریف کا تصور کرکے جو درود شریف پڑھتے رہے ہو۔ وہی پڑھو۔ یہ شخص اسی وقت اٹھ کر مسجد میں گیا۔ اور مراقبہ میں مشغول ہو گیا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ درود شریف پڑھا ہوگا۔ اسے مشاہدہ ہوا۔۔ اور اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر زیارت رسول ﷺ سے مشرف ہوا۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر شکر گذار ہوا۔ اور آپ سے بیعت بھی حاصل کی۔۔۔ یہی عالم حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کا تھا۔ کہ آپ توجہ سے آناً فاناً ایک طالب کو حضوری کرتے تھے۔ حاجی فتح خان صاحب نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ عبادت و شب بیداری۔ اور مسلسل روزے رکھنے میں گذارا۔ مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ حضور قبلہ عالم کی توجہ سے چند لمحوں میں حضوری میسر آئی۔۔۔ آپ نے انہیں ذرہ بھر علم کے حصول میں معاونت کے عوض نعمتِ عظیم سے سرفراز فرمایا۔

موروثی جائیداد بھائیوں کو بخشنا

حضور قبلہ عالمؒ نے اپنے عزیزوں کے ہاں قیام کے دوران زانگلی کاشیراہ گاؤں میں اپنی پسند کی زمین منتخب کی۔۔۔ اور زمین کا انتقال اور تعمیر مکان کے لیے سامان مہیا کرنا آئندہ پر چھوڑ دیا۔ ابھی عمر بھی کم تھی۔ طبیعت آزاد تھی۔۔۔ بے فکری کا عالم تھا۔ دنیاداری کی طرف رجحان نہ تھا۔۔ اور یوں بھی دنیاوی معاملات میں خود کو پابند نہ کرنا چاہتے تھے۔ قلب میں شرابِ معرفت کی مستی تھی۔ اس لیے طبیعت کو آزاد رکھنا چاہتے تھے۔ البتہ تعمیر مکان کے لیے سامان کی فراہمی کے لیے منصوبہ بنایا۔ کہ اپنے وطن جا کر والدین کے ورثہ سے حصہ حاصل کریں۔ چنانچہ آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔۔۔ اور اپنے برادران سے اپنے ارادہ کا اظہار فرمایا۔ کہ آپ کاشیراہ میں مستقل سکونت کے لیے زمین لے چکے ہیں۔ اور اب مکان کی تعمیر کے لیے والد کے ترکہ میں سے کچھ دیں۔۔۔ بھائیوں کو آپ کا وطن سے دور جا کر سکونت کرنا ناگوار گذرا۔۔۔ مگر حضور اب اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھا چکے تھے۔ بھائیوں

نے جائیداد کے سلسلے میں بتایا۔ کہ والد نے موروثی جائیداد فروخت کر کے نئی جائیداد بنائی ہے۔ جس میں بھائیوں نے محنت سے اس میں توسیع کی ہے۔ اور والد نے ہمیں خود حصہ کر کے تقسیم کر دی ہے۔ طویل عرصہ گذرا۔۔۔ اب اس جائیداد میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ آپ کو دے سکیں۔ لیکن حضورؒ کے پاس ذاتی وراثت سے سوا اور کوئی ذریعہ بھی میسر نہ تھا۔ جس سے مکان کی تکمیل ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔ کہ والد وفات پا چکے تھے۔ اس سلسلہ میں ہم بھائیوں سے الجھنا نہ چاہتے تھے۔ اس لیے ہم نے اپنے والد سے رجوع کیا۔انہوں نے ہمارے بھائیوں کے حق میں حمایت کی۔ تو ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں دعویٰ دائر کر دیا۔ اور ہمارے والد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوئے۔ والد نے اپنی طرف سے بھائیوں کے حق میں ان کی عیالداری۔ اور مجبوری پیش کرتے ہوئے دلائل پیش کیے۔ لیکن ہم نے بھی اپنی طرف سے دلائل پیش کیے۔ انہیں ہمارے دلائل کو تسلیم کرنا پڑا۔۔۔ والد ہمارے دلائل سن کر بہت خوش ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمارے دلائل کو پسند فرما کر اظہار خوشنودی فرمایا۔ آخر ہم نے فیصلہ دیدیا کہ ہم اپنے حصہ وراثت سے کچھ نہیں لیں گے۔ یہ معاملہ ہم نے اپنے بھائیوں پر بھی ظاہر کر دیا۔ آخر چند دن ہنسی خوشی رہ کر ہم اپنے بھائیوں سے رخصت لے کر واپس کاشیراہ روانہ ہو گئے۔

مولانا عبدالرزاق بخاری سے ملاقات

دوران سفر دل نے پیر عالی جاہ شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ کہ اس بے کسی کے زمانے میں وہی میرے ملجا و ماویٰ تھے۔ وہی میرے باطنی والد و سرپرست تھے۔ اب ان کے در پر جا کر اپنی حاجت طلب کریں گے۔ چنانچہ آپ کوٹ چاندنہ شریف کی طرف روانہ ہو گئے۔ کوٹ چاندنہ شریف پہنچ کر اپنے دستگیر کی تربت پر فاتحہ پڑھی اور ان سے اپنی حاجت طلب کی۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے تسلی فرمائی۔ اور حضور مطمئن ہو کر آپ کو سلام بھیجتے رہے۔ اور آپ کے فیض سے مسرور ہوتے رہے۔ اس بار آپ دنیوی حصول کی بار آوری کے تصور میں۔ شاداں فرحاں واپس لوٹے۔ چند دن صاحبزادہ فرزانان شاہ صاحب کی صحبت میں رہ کر لطف اٹھایا۔ آخر اجازت لے کر پھر وطن کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس بار کوٹ چاندنہ شریف میں حضرت عالی جاہ شاہ صاحبؒ کے مریدوں میں ایک جید عالم جناب عبدالرزاق بخاری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت عالی جاہ شاہ صاحب کی حیات میں

ان سے تعلق تھا۔ عبدالرزاق بخاری صاحب نے اپنے مراتب کی تکمیل کے لیے عالی جاہ شاہ صاحب سے استدعا کی۔ آپ نے فرمایا کہ آپ کے مراتب جاری ہیں اور اگر کچھ باقی رہ گئے۔ تو کشمیری تمہارے مراتب پورے کردے گا۔ اور آپ کو اس کے علم میں اگر ضرورت پڑے تو ان کی مدد کرنا۔۔۔ بخاری صاحب نے حضور قبلہ عالم کو عالی جاہ شاہ صاحب کا وعدہ یاد دلایا۔ حضورؒ نے منظور فرمایا۔ بخاری صاحب نے حضور قبلہ عالم کی رفاقت اختیار کی اور آپ کے ساتھ کشمیر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بخاری صاحب امیر کبیر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کثیر دولت سے نوازا تھا۔ دورانِ سفر بخاری صاحب نے سفر کے تمام اخراجات خود پورے کئے کوٹ چاندنہ شریف سے روانہ ہو کر حضور قبلہ عالم ضلع ہزارہ ایبٹ آباد پہنچے۔ تو سرپھنہ گاؤں جانے کا ارادہ کیا۔۔۔ چنانچہ آپ سرپھنہ چلے گئے۔۔۔ سرپھنہ وادی کی سڑک سے تقریباً چار میل اوپر پہاڑ میں واقع ہے۔ بخاری صاحب پہاڑ پر چڑھنے کے عادی نہ تھے۔ اس لئے حاجی فتح خان صاحب کو اپنی آمد کی اطلاع دی۔ حاجی فتح خان صاحب بمعہ گاؤں کے لوگوں کے استقبال کو نیچے اترے۔ بخاری صاحب کو گھوڑا پیش کیا مگر حضور قبلہ عالمؒ کے ادب کے مدنظر آپ نے گھوڑے پر چڑھنے سے انکار کر دیا۔ اور پیدل پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ حاجی فتح خان صاحب نے حضور قبلہ عالم اور بخاری صاحب کے شایانِ شان خدمت گذاری کی۔ حضور قبلہ عالمؒ نے بخاری صاحب کا اپنے کامل استاد مولانا سید رسول صاحب سے تعارف کرایا دونوں عالم ایک دوسرے سے مل کر حد درجہ مسرور و محظوظ ہوئے۔ یہ صحبت ایک پُرلطف صحبت تھی۔ جس میں علم کے موتی بکھرتے تھے۔ اور ساتھ ہی باطن کی تجلیات سے سیرابی ہوتی تھی سب ہی مسرور تھے۔ بڑی پُرلطف مجلسیں ہوتی رہیں۔ جی سیر ہوگیا۔ تو حضور قبلہ عالم نے رخصت چاہی۔ سب ہی لوگ آپ کو الوداع[1] کہنے نیچے سڑک تک آئے۔ اور سب نے خوشی و غم کے ملے جلے جذبات کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔

بارہمولہ کی مسجد میں مناظرہ پر حضورؒ کی تنبیہ

سرپھنہ سے روانہ ہو کر مظفرآباد ہوتے ہوئے بارہمولہ پہنچے۔۔۔ یہاں بھی حضور قبلہ

---

[1] یہ واقعہ مجھے حاجی عبداللہ خان صاحب نے ایبٹ آباد سکونت رکھنے کے دوران سنایا کہ بخاری صاحب حد درجہ امیر تھے۔ امیرانہ صفت رکھتے تھے۔ کہتے ہیں راستہ چلتے چلتے بخاری صاحب کی ہمیانی سے روپوں کی تھیلی گری آپ نے جھک کر تھیلی اٹھانا گوارا نہ کیا۔ اور سیدھے چلے گئے۔ لوگوں کو اشارہ کیا کہ تھیلی اٹھا کر آپس میں تقسیم کر لو۔

عالم کے مریدوں میں ایک شخص مستری عبدالخالق نامی تھا۔۔۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ مستری عبدالخالق نے رات کھانا کھلایا۔ حضور نے رات بجائے عبدالخالق کے گھر قیام کرنے کے مسجد میں ٹھہرنے کا ارادہ کر لیا۔ چنانچہ آپ بمعہ بخاری صاحب مسجد میں تشریف لائے مستری عبدالخالق بھی ان کی صحبت میں رہے۔۔۔ رات عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے تو مسجد میں لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا دیکھا تو دو مولوی صاحبان بحث و مناظرہ کے لئے اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ جمع ہو رہے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے پر آوازے کس رہے ہیں۔ دونوں فریق مشتعل نظر آ رہے تھے۔ معلوم ہوا کہ دونوں فریقوں کے مولوی صاحبان کا حاظر و ناظر اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدہ پر اختلاف ہے۔ مولوی صاحبان نے بحث شروع کی۔ مناظرہ شروع ہوا۔ آپس میں دلائل پیش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ اختلاف میں ایک دوسرے کو گالیاں دینے لگے حضور قبلہ عالم یہ ناٹک دیکھ رہے تھے۔ اور مولویوں کے بے معنی اور لغو بحث و دلائل سن کر افسوس کر رہے تھے۔ قریب تھا۔ کہ دونوں فریق آپس میں ایک دوسرے پر لاٹھیوں سے حملہ کر دیں۔ حضور قبلہ عالم اٹھ کر منبر پر تشریف لائے۔ اور دونوں فریقوں کے مولویوں کو خاموش رہنے کو کہا۔۔۔ کسی شخص کا اچانک منبر پر آنا۔۔۔ اور وہ بھی ایک کم عمر لڑکے کا مولویوں کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا۔۔۔ کارآمد ثابت ہوا۔۔۔ سب لوگ خاموش ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم نے۔ دونوں فریقوں کے علماء سے مختلف سوالات کئے۔ مگر ان میں سے کوئی ایک بھی جواب نہ دے سکا۔ تو فرمایا آپ لوگ بغیر علم کے ایسے نازک مسئلوں پر مناظرہ کر کے لوگوں میں فتنہ پھیلا رہے ہو۔ اللہ کے نزدیک تمہاری باز پرس ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو گا۔۔۔ اور تم سزا کے مستحق ہو گے۔ بے چارے سادہ لوح عوام کو آپس میں ٹکرا کر کشت و خون کرانا۔۔۔ شریعت کے خلاف ہے۔ حضور نے حاظر و ناظر اور حیات النبی پر سادہ طریقہ پر دلائل دے کر انہیں سمجھایا۔۔۔ دلائل سمجھ میں آ گئے سب نے تسلیم کیا۔ اس طرح دونوں فریقوں کے درمیان فساد ہوتے ہوتے ٹل گیا۔ لوگ حضور کو دیکھ کر متعجب تھے۔ کہ ایک کم سن لڑکے نے کتنے سہل طریقہ سے مسئلہ کو سمجھایا۔ لوگ حضور کے وعظ سے بہت متاثر ہوئے۔ اور حضور کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ حضور انہیں مسائل سمجھاتے رہے۔ رات کو حضور کے لیے کھانا لائے۔ انہوں نے حضور کی بے حد عزت کی ان میں ملا قسم کا ایک سکول ماسٹر بھی تھا۔ حضور قبلہ عالم کا حلیہ اور لوگوں کا عزت افزائی کرنا بھی اسے محسوس ہوا۔ کہ ایک کم سن لڑکے کی اتنی عزت افزائی۔۔۔ ہو نہ ہو۔ اس لڑکے کے پاس کوئی عمل ہے جس وجہ سے ہر شخص ان کی عزت

کرنے لگا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے رات مسجد میں گذاری صبح لوگ حضور کے لئے ناشتہ بھی لائے۔ حضور مسجد سے جانے لگے تو ماسٹر صاحب بھی آپ کی خدمت میں پیش ہوئے۔ کہا مجھے بھی کوئی وظیفہ پڑھنے کو بتائیں۔ حضور نے اسے درود شریف پڑھنے کو دیا۔۔۔ اور وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بارہمولہ سے سات میل کے قریب شاہراہ کشمیر (سری نگر) چھوڑ کر قصبہ سوپور کی طرف روانہ ہوگئے۔۔۔

ارسلان خان کا بیعت ہونا

سوپور سے اپنے عزیزوں کے گاؤں کی طرف جارہے تھے۔ تو تقریباً چار میل سفر طے کیا تھا۔ کہ ایک شخص راستہ میں ملا۔۔۔ اس نے حضور کے قریب آکر السلام علیکم کہا۔ اور عرض کی کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں۔ اس نے کہا۔ یہاں سے قریب ہی میرا گاؤں (گاؤں کا نام یارو تھا) ہے۔ میں آپ سے بیعت کرنا چاہتا ہوں۔ حضور قبلہ عالم نے پوچھا۔ تمہیں یہ کیسے معلوم ہوا۔ کہ میں بیعت کرتا ہوں؟۔۔۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے گاؤں میں ایک فقیر رہتا ہے۔ میں اکثر اس کی خدمت میں رہتا تھا۔ میں اسے بیعت کرنے کے لیے کہتا مگر وہ مجھے بیعت نہیں کرتے۔۔۔ دو دن قبل فقیر نے مجھ سے کہا۔۔۔ کہ میرا وقت قریب آچکا ہے۔ میں اس دنیا سے جانے والا ہوں۔ میری وفات پر ایک لڑکا اس طرف سے گذرے گا۔ اس نے مجھے آپ کا حلیہ بھی بتایا۔ اور کہا وہی میرا جنازہ پڑھائے گا۔ تم اس سے بیعت کرنا۔ اس کے بتائے ہوئے نشان میں آپ میں دیکھتا ہوں۔ وہ فقیر قریب المرگ ہے۔ لہذا آپ میرے ساتھ تشریف لے چلیں۔۔۔ حضور قبلہ عالم بمعہ بخاری صاحب اس شخص کی فرمائش پر اس کے ساتھ گاؤں گئے۔ وہ شخص انہیں فقیر کے پاس لے گیا۔ حضور فقیر کے گھر پہنچے تو دیکھا وہ اپنے آخری سانسوں پر رختِ سفر باندھ چکا تھا۔ حضور اس کے قریب گئے تو وہ فقیر جان بحق ہوگیا۔ حضور قبلہ عالم اس کی تجہیز و تکفین میں شامل ہوگئے۔ خود جنازہ پڑھا۔ اور اسے دفن کر دیا۔ فارغ ہو کر وہ شخص انہیں اپنے گھر لے گیا۔ رات کھانا دیا۔ خدمت گذاری کی۔ حضور قبلہ عالم نے اسے بیعت کیا اور سلسلہ اویسیہ میں داخل کیا۔

یہ شخص ارسلان خان صاحب تھے۔ جو حضور کے مریدوں میں اونچا مقام رکھتے تھے آفریدی پٹھان قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ زمیندار تھے۔ سادہ قسم کی زندگی گذارتے۔ بیعت کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگئے۔ زیارت رسول ﷺ کے

بعد آپ ہر لمحہ عبادت و مشاغلِ طریقت میں مشغول رہنے لگے--- آپ کثرت سے درود شریف پڑھتے اکثر راتوں میں دائمی شب بیداری کرتے--- دن رات میں ایک لاکھ سے زائد درود شریف پڑھتے اکثر آپ کو رات میں سویا نہیں دیکھا گیا۔ ہر وقت تسبیح میں رہتے--- بیعت کے بعد آپ نے بستر پر سونا ترک کر دیا۔ طبیعت جلالی تھی، ان کی توجہ میں شدت کا اثر تھا۔ مجیب الدعوات تھے--- آپ پر اکثر جذب طاری رہتا۔ لیکن اس کے باوجود آپ ہوش مند رہتے تھے اور زمینداری کا کام بھی کرتے--- بعض اوقات مہینوں خلوت گزیں رہتے۔ گھر میں۔ ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ حکم دیا۔ کہ میری اجازت کے بغیر کوئی دروازہ نہ کھولے۔ تو دو دو ہفتے خلوت میں بغیر کھائے پیئے گذار دیتے۔ اپنی مرضی سے باہر آتے اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے۔ اس حال میں کہ آپ کی صحت طویل فاقہ سے متاثر نہ ہوتی--- اس تزکیہ سے انہیں مافوق الفطرت کرامات حاصل تھیں۔ زبان سے جو بات کہی۔ اسی آن پوری ہو جاتی--- گاؤں کے اکثر لوگ ان سے رجوع کرتے۔ اور فیض پاتے--- علاقہ ہندواڑہ کے اکثر لوگ ان کی نسبت سے سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوئے۔ آپ بھی کسی کو توجہ دیتے۔ تو وہ حضوری ہو جاتا۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ تحصیل ہندواڑہ کے گاؤں اودی پورہ میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سمندر میر ذیلدار اور کبیر ملک مخلص عقیدت مند تھے۔ سمندر میر ذیلدار امیر آدمی تھے--- آدابِ طریقت میں بعض اوقات کوتاہی کرتے۔ لیکن پیر سے حُب اور عقیدت قائم تھی۔ کبیر ملک کی ہمشیرہ سمندر میر کے گھر بیاہی تھی--- کبیر ملک نہایت شریف النفس اور پرہیز گار آدمی تھے۔ سمندر میر اور ان کے درمیاں کبھی تنازعہ بھی ہو جاتا--- وہ اس وجہ سے کہ سمندر میر دنیادار ہونے کی وجہ سے آداب کو ملحوظ نہ رکھتے۔ تو کبیر ملک ان سے ناراض ہو جاتے--- نفس کی شرارت تو انسان میں رہتی ہے۔ دنیادار قسم کا آدمی کبھی اس شرارت نفس سے متاثر ہو جاتا ہے۔ ایک دن سمندر میر نے اپنے گھر میں ختم دلوایا۔ اور کشمیری طرز کی دعوت دی جس میں گاؤں اور شہر کے چند متمول لوگوں کو بھی مدعو کیا۔ کبیر ملک سے کسی تنازعہ کے سبب نہ اسے مدعو کیا۔ نہ حضور قبلہ عالم کو مدعو کیا۔ اسی دن ارسلان خان صاحب کبیر ملک کے گھر آئے۔ انہیں معلوم ہوا کہ سمندر میر نے حضور قبلہ عالم کو مدعو نہیں کیا سمندر میر کو معلوم ہوا کہ ارسلان خان کبیر ملک کے گھر آئے ہیں۔ اس نے نوکر کو بھیجا کہ ارسلان خان کو دعوت میں بلائے۔ یہ حرکت انہیں ناگوار گذری۔ انہوں نے جواب دیا جس میں میرے پیر شامل نہ ہوں۔ ہم اس دعوت میں شریک نہیں ہوتے--- سمندر میر نے ان کی اس بات پر اظہار ناراضگی کیا۔

اور غلطی سے حضور قبلہ عالم کی شان میں اس کی زبان سے گستاخانہ کلمات نکلے۔ ارسلان خان کو معلوم ہوا۔ تو جلال میں آگئے غصہ میں کہنے لگے۔ سمندر میر کی یہ طاقت کہ حضور کی شان میں بے ادبی کرے! میں اسے خاک میں ملا دوں گا۔ ! زبان سے الفاظ نکلنے تھے کہ سمندر میر کا مکان زلزلہ کی زد میں آگیا۔۔۔ زمین پنگوڑے کی طرح ڈولنے لگی ہمسایہ لوگ گھبرا کر گھروں سے باہر نکل آئے۔ دیگیں الٹ گئیں۔۔۔ وہاں سے دھواں اٹھنے لگا۔۔ سمندر میر گھر سے باہر بھاگا۔۔۔ کبیر ملک کا مکان سمندر میر کے قریب ہی تھا۔ دیکھا ارسلان خان غصہ میں غضبناک ہو رہے ہیں۔ بات سمجھ گیا۔ دوڑ کر قدموں میں گر پڑا۔ معافی مانگنے لگا۔ کہ مجھ سے نادانستہ غلطی ہو گئی میں برباد ہو گیا۔ میری خطا معاف کریں سمندر میر کی عاجزی سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ سمندر میر کو ملامت کی کہ تم نے حضور قبلہ عالم کی شان میں گستاخی کی۔ تنبیہ کی کہ مرید ہوتے ہوئے حضور قبلہ عالم کی شان کو نہیں سمجھتے۔ اور اپنی دولت کے نشہ میں مست ہو گئے۔ مرید نہ ہوتے تو میں تمہیں سخت سزا دیتا۔ اب جاؤ اپنی دعوت کا بندوبست کرو۔ سمندر میر واپس گھر لوٹا۔۔۔ دیگیں اٹھائیں۔۔۔ آگ جلائی۔۔۔ تو دیکھا کچھ نقصان نہیں ہوا۔۔۔ تھوڑی دیر میں دعوت تیار ہو گئی۔ ارسلان خان کو خود آ کر دعوت میں شریک ہونے کے لیے کہا۔ مگر وہ شریک نہ ہوئے۔ ارسلان خان حضور قبلہ عالم پر دل و جان سے فریفتہ تھے۔ اکثر وقت ان کی خدمت گذاری میں گھر اور سفر میں ان کے ساتھ رہتے۔۔۔ شہر میں کبھی اپنے درود خوان دوستوں میں آتے۔ تو ہر شخص ان کی عزت کرتا۔۔۔ آپ سے اپنی مہموں سے متعلق استدعا کرتے۔ آپ ان کے معاملات حضور میں پیش کرتے۔ اور ان کی مشکلیں حل کرا دیتے۔ جب بھی کسی مرید کو مشکل پیش آتی تو ارسلان خان کے پاس دوڑا آتا۔ اور مدد طلب کرتا۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں ارسلان خان (مثل سابقون الاولون) معرفت الٰہی میں کامل اکمل ولی تھے۔ اکثر لوگوں کو توجہ دے کر حضوری کرتے۔۔۔ آپ کا ایک خادم حجام آپ کی خدمت میں اکثر رہتا۔ ایک دن حجام نے استدعا کی کہ مجھے بھی کچھ فیض عطا ہو۔ طبیعت اس وقت سرور میں تھی۔ جلال آگیا۔ قریب بلایا۔ توجہ دی اسی وقت حجام اجلاسِ محمدی ﷺ میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔۔۔ توجہ میں نور کی شدت تھی۔ حجام پر جذب طاری ہو گیا۔ اور پھر یہ جذب اس پر تمام عمر رہا۔ اس سے بھی کرامات کا ظہور ہونے لگا۔۔۔ لوگ حجام سے بھی فیض پاتے رہے۔ یہ شخص گاؤں میں فقیر "عمہ صاحب" (احمد نام تھا) یارو کے نام سے مشہور ہو گیا۔ جناب ارسلان خان اپنے پیر کے ان مریدوں میں سے تھے۔ جو خود ایک پیر اکمل کی ولایت کی دلیل بنتے ہیں۔ آپ نے اپنے

پیر اکمل کی صحبت میں اپنا مقام و مقصود پا لیا--- اور ۱۹۶۱ء میں مادی برزخوں سے نکل کر ابدی زندگی کے راحت و سرور میں داخل ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ایک ولی موت پر قادر ہے

بس انسانی زندگی کی حیات و موت کا قصہ یہاں آکر ختم ہو جاتا ہے۔ کہ جسم سے روح جدا ہو کر یا تو بھٹک جاتی ہے۔ یا واصلِ حق ہو جاتی ہے۔ ہاں! کسی کی روح "جدا کی جاتی ہے"۔ اور کوئی خود نکل کر الگ ہو جاتی ہے۔ دنیا سے محبت رکھنے والے۔ دنیا کو چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ انہیں مجبوراً برزخ میں جانا پڑتا ہے--- وہ موت پر راضی نہیں ہوتے۔ مگر ولی دنیا کو سِجْنُ الْمُؤْمِنِ (قید خانہ) محسوس کرتا ہے--- اس کی نظر میں جنت کی شادابیاں--- مراتب کے لطیف و خوش آئند تجلیات و انوار ہوتے ہیں۔ اس کی روح اپنے مراتب میں جانے کے لئے بے چین رہتی ہے--- وہ موت کا بے چینی سے منتظر رہتا ہے--- وہ تمنائے موت میں ہر لحہ اجل کو لبیک کہنے کا منتظر رہتا ہے--- کیوں کہ "اجل" ہی اس کے دائمی وصال میں حائل ہونے کا سبب ہوتی ہے---

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔

موت کی تمنا کرنا صدیقیت کی صفت میں شامل ہے--- ایمان کی اصل شرط موت کی تمنا رکھنا ہے--- اس حال میں کہ اس کی روح مراتب کی تجلیات کا مشاہدہ کرتی ہے--- ان تجلیات میں ایک لذت ہے--- ایک سرور ہے--- یہی سرور در حقیقت "حب" اور "عشق" سے تعبیر ہے۔ یہی سرور استغراق پیدا کرتا ہے--- یہی استغراق ولی کی اصل ہے۔ کہ وہ اس سرور سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتا--- اور "موت" اس رکاوٹ کو ختم کر دیتی ہے--- یہی وہ مقام ہے۔ جہاں مومن۔ ولی۔ شہید موت کو ایک نعمت سمجھ کر اس کی طرف دوڑتا ہے۔ اس کے سامنے موت کی تلخی کی کوئی حقیقت نہیں--- بلکہ اس تلخی--- میں بھی اسے ایک لذت محسوس ہوتی ہے--- اور وہ خوش--- خوش--- موت کو دعوت دیتا ہے--- ہاں!--- ولی مجبور نہیں--- وہ موت و حیات پر قادر ہے--- مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا--- ولی اپنی زندگی میں بھی موت کی لذت سے آشنا ہوتا ہے--- ولی اجل سے قبل برزخ میں داخل ہونے کی قدرت رکھتا ہے--- برزخ دراصل عالم ناسوت کا ایک مقام ہے۔ عالم ناسوت میں داخل ہوا--- گویا برزخ میں داخل ہوا--- یہی مراد اس قول کی ہے۔ کہ اجل

سے پہلے ہی تم برزخ میں داخل ہو جاؤ--- ولی اپنی حیات میں ہی اس مقام کو حاصل کر لیتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ انسان جسم سے انسان نہیں کہلاتا--- بلکہ اصل انسان تو اس کی روح (روح حیوانی) ہے جو جسم کے لباس سے "حیات" کا جامہ پہن لیتی ہے۔ حیات سے مراد صرف روح کا جسمانی حالت میں متحرک و محسوس ہونا ہے۔ ورنہ روح جسمانی لباس سے قبل بھی موجود ہے۔ یہی روح اصلاً انسان سے موسوم ہے۔ اور موت سے مراد--- روح کا جسم سے الگ ہو کر غیر محسوس ہونا--- یا اپنی پہلی حالت میں آنا--- روح جیسی حیات سے قبل ہے۔ ویسی ہی حیات میں ہے اور ویسی ہی بعدِ حیات--- روح کے لئے تینوں دور یکساں ہیں۔ روح کا پہلا مقام عالم امر[1] ہے--- درمیانی مقام عالم اجسام ہے--- اور آخری مقام عالمِ برزخ--- عالم برزخ کی وسعت عالمِ نوری[2] سے لے کر عالمِ ظلمت تک ہے۔ اور عالم اجسام میں داخل ہونا--- انسان کی آزمائش گاہ ہے---

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا

(پارہ۲۹۔ سورہ۶۷۔ آیت۲)

تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے تم کو کہ عالم اجسام کی حیاتی میں تم میں کون نیک عمل کرتا ہے--- پھر اللہ تعالیٰ اس روح کو حیاتی سے (عالم اجسام سے) علیحدہ کر کے--- عالمِ برزخ میں داخل کرتا ہے--- اور عالم برزخ میں انسانی عمل کے مطابق--- نور و ظلمت میں مقام ملتا ہے--- اور موت ہی ایک ذریعہ ہے۔ جو اس روح کو عالم اجسام سے نکال کر عالم برزخ کا راستہ کھول دیتی ہے لہذا ولی عالم اجسام میں ہی جسم کی موجودگی میں یہ قوت حاصل کرتا ہے۔ کہ وہ عالم برزخ میں اپنی حیاتی میں اپنے ارادے سے داخل ہو--- فرق صرف یہ ہے کہ وعدہ الہیٰ کے مطابق روح جسم سے ملحق رہتی ہے۔ اور وعدہ اجل پر وہ یکسر عالم اجسام سے علیحدہ ہو کر برزخ میں داخل ہو جاتی ہے۔ ولی جب عشقِ الہیٰ کی آگ میں اپنی روح کو جلا دیتا ہے۔ تو اپنے عمل میں۔ اس امر پر قادر ہوتا ہے--- کہ وہ اپنی مقرر کردہ اجل، (اِلیٰ حِیْنٍ) پر بھی قادر ہو کر جب چاہے--- جسم سے علیحدہ ہو کر عالم برزخ میں داخل ہو اور پھر جسم میں واپس نہ آئے--- اور اپنے آپ پر موت طاری کر دے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا میں خیالی تصور نہیں--- کہ تصوراً اپنے آپ کو مردہ تصور کرے--- نہیں--- بلکہ--- جسم سے علیحدہ ہونے کی قدرت رکھتا ہو--- اس حال میں کہ عالم اجسام سے اس کا رشتہ یکسر ٹوٹ

---

[1] عالم امر سے مراد۔ روح کی ہیئت کے مطابق عالم ناری۔ [2] علیین اور سجین

جائے۔۔۔ اور پھر اس پر بھی قادر ہو۔۔۔ کہ اپنی مرضی سے چاہے تو جسم میں دوبارہ داخل ہو۔۔۔ چاہے تو اپنے ارادے سے عالم برزخ میں مستقل قیام کر کے اجل کی موت میں داخل ہو۔۔۔ گویا ولی اپنے عمل سے۔ اپنی حیات و موت پر قادر ہوتا ہے۔ جتنی مدت چاہے عالمِ اجسام (جسم) میں قرار کرے۔ اس حال میں کہ وعدہ کی اجل اس کے ارادے پر غالب نہ ہو۔۔۔ اور جب چاہے۔ وعدہ اجل کے بغیر عالمِ اجسام (جسم) کو چھوڑ کر عالمِ برزخ میں چلی جائے۔۔۔ کیوں کہ ولی کی روح صاحب اختیار ہوتی ہے۔ اور ارشادِ الہیٰ کے مطابق۔۔۔ کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ وَکُنْتُ بَصَرَہُ الَّذِیْ یَبْصُرُ بِہٖ وَکُنْتُ یَدَہُ الَّتِیْ یَبْطِشُ بِہَا اللہ کا اپنے بندے سے ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔۔۔ کہ جب میرا بندہ اپنی عبادت و حُب سے میرا قرب حاصل کرتا ہے۔۔۔ تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ حرکت کرتا ہے۔ لازم ہے کہ میں اس کا ارادہ بن جاتا ہوں جس سے وہ عمل کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے۔ جہاں ایک مقربِ بارگاہ خداوندی اپنے ارادہ و اختیار کو استعمال کر سکتا ہے۔۔۔ موت۔ ایک وعدہِ الہیٰ ہے۔۔۔ سنتِ الہیٰ ہے۔ جو انسان کے لئے مقرر کی گئی ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَۃً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

جب ان پر موت آتی ہے۔ تو وہ اس میں تاخیر کر سکتے ہیں۔ نہ پہلے جا سکتے ہیں۔ اس امر کو ملحوظ رکھنا لازم ہے۔۔۔ مگر جہاں ایک صاحب بقاء و فنا ولی۔۔۔ اپنی زندگی میں بقائے دائمی۔۔۔ بقائے روحی۔۔۔ حاصل کر لیتا ہے۔۔۔ وہاں برزخ میں جانے کا تصور باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ برزخ حقیقتاً عالم ناسوت ہی کا ایک مقام ہے۔ جو ولی کی ولایت کی ادنیٰ منزل ہے۔ اس اعتبار سے ولی کی اجل میں ملک الموت کا دخل نہیں۔۔۔ سوائے اس کے کہ وہ ایک پیامبر کی حیثیت رکھتا ہے۔ کہ حکمِ حضور ہے۔ سنتِ الہی ہے۔۔۔ ولی خود جسم چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ بس قصہ ختم ہوا۔۔۔

انسان ملائکہ سے افضل بن سکتا ہے

ہاں!۔۔۔ موت کے بعد انسان۔۔۔ ولی۔۔۔ کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَۃُ کُلُّھُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝

انسان پیدائشی اعتبار سے ملائکہ سے افضل مقام رکھتا ہے۔ لیکن انسان اپنی سفلی خلقت کے زیرِ اثر اس مقام پر قائم نہیں رہتا۔ ولی کو یہ مقام بدرجہ اولیٰ حاصل رہتا ہے۔ کہ روحانی اعتبار سے وہ ملائکہ سے افضل رہتا ہے۔۔۔ ولی اس صفت سے متصف ہوتا ہے۔۔۔

حدیث میں ہے:

مَنْ غَلَبَ الْعَقْلَ عَلٰی شَهْوَتِهٖ فَهُوَ اَعْلٰی مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ[1]

جس نے اپنی روح کو شہوت پر غالب کر دیا وہ ملائکہ سے افضل مقام کا حامل ہوتا ہے۔

جس نے اپنے جہد و عمل۔ تزکیہ نفس سے اپنی روحانیت کو جلا دی۔۔۔ وہ روحانی اعتبار سے ملائکہ سے افضل صفات و قوت کا حامل ہوتا ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا

رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اس سے شہوانی قوتیں کچلی جاتی ہیں۔۔۔ وہ ملائکہ سے افضل حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ ملائکہ نوری حیثیت میں مستقل زندگی کے حامل ہیں۔ ان پر موت وارد نہیں ہوتی۔۔۔ ملائکہ انتقالِ مکانی میں آناً فاناً طے مقام پر قادر ہوتے ہیں۔۔۔ اسی اعتبار سے ان کا ادراک بھی وسیع ہوتا ہے۔

آسمانوں سے کائناتِ ارضی کا ادراک رکھتے ہیں۔۔۔ ملائکہ عالمِ باطن (آسمان) سے عالمِ ظاہری (دنیا) میں داخل ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔۔۔ قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے۔

---

[1] حدیث اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْمَلٰٓئِكَةَ وَرَكَّبَ فِيْهِمُ الْعَقْلَ وَخَلَقَ الْبَهَائِمَ وَرَكَّبَ فِيْهِمُ الشَّهْوَاتَ وَخَلَقَ الْاِنْسَانَ وَرَكَّبَ فِيْهِمُ الْعَقْلَ وَالشَّهْوَاتَ فَمَنْ غَلَبَ الْعَقْلَ عَلٰی شَهْوَتِهٖ فَهُوَ اَعْلٰی مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَمَنْ غَلَبَ الشَّهْوَاتَ عَلٰی عَقْلِهٖ فَهُوَ اَدْنٰی مِنَ الْبَهَائِمِ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ملائکہ خلق کیے انہیں نور سے بنایا۔ اور بنائے حیوان ان کا مرکب شہوت (نار) سے بنا۔۔۔۔ اور بنایا انسان کو اس کے مرکب میں نور اور شہوت (نار) بھر دیا۔ پس جس نے اپنے نور کو شہوت پر غالب کر دیا وہ انسان ملائکہ سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اور جس نے اپنی شہوت کو نور پر غالب کر دیا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ وہ حیوانوں سے بدتر ہے حضرت مولانا روم نے اپنی مثنوی میں اس حدیث کی شرح بیان کی ہے۔

در حدیث آمد کہ یزدانِ مجید خلقِ عالم را سہ گونہ آفرید

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا

ملائکہ زمین پر اترتے ہیں۔ ملائکہ انتقالِ ہیئت پر قادر ہیں۔

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝

پس ہم نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف اپنا روح (ملائکہ) بھیجا۔ جس نے بشر کی شکل میں انتقال کیا۔۔۔ ملائکہ ذہنی قوت کے اعتبار سے مافوق الفطرت عمل کے حامل ہوتے ہیں۔۔۔ جیسا کہ واقعہ حضرت لوط علیہ السلام میں قرآن نے بیان کیا۔۔۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝
لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝

(پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۳۱تا۳۳)

پس کہا ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا کیا ارادہ ہے اے فرشتو۔۔۔ وہ بولے ہم بھیجے گئے ہیں ایک مجرم قوم (قوم لوط) کی طرف تاکہ ہم برسائیں ان پر پتھر زمین سے۔۔۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً
مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝

(پارہ ۱۲ سورۃ ۱۱ آیت ۸۲)

پس جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے اسی بستی کو زیروزبر کر ڈالا اور برسائے ان پر پتھر۔ یہ صفت ایٹمی قوت کی حامل ہے۔ کہ روح ایک بستی کو تہ و بالا کرنے کی طاقت رکھتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کر دیئے جو زمین سے لاکھوں میل دور ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری قوت کی صفت تھی کہ آپ کی نوری توجہ سے چاند شق ہو گیا۔۔۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا
وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

(پارہ ۲۷ سورۃ ۵۴ آیت ۱-۲)

قریب آگئی قیامت۔۔۔ چاند پھٹ گیا۔۔۔ اور اگر وہ دیکھ لیں کوئی معجزہ تو منہ موڑ لیں اس سے اور کہیں گے کہ یہ جادو ہے۔

کفارِ مکہ نے چاند دو ٹکڑے ہوتا دیکھا۔ تو ایسے ناممکن الوقوع حادثہ کو دیکھ کر گھبرا اٹھے۔ سمجھے کہ قیامت آگئی۔۔۔ اور جن کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا تھا۔ کہ اگر آپ "نبی" ہیں تو آپ کی صفت یہ ہونی چاہیے۔ کہ آپ چاند کے دو ٹکڑے کر

کے دکھادیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ٹکڑے کیے تو پھر بھی انہوں نے حضور ﷺ کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ کہنے لگے کہ یہ جادو کے ذریعہ کیا گیا۔

ان آیات قرآنی میں واضح کیا گیا کہ نوری وجود کی صفات کیا ہیں --- اور ان صفات و کمالات کا صدور ملائکہ سے ہونا بیان کیا گیا --- اور پھر ملائکہ کے مقابلہ میں قرآن نے انسان کو ملائکہ سے افضل قرار دیا ---

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ

اور جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے۔ کہ آدم (انسان) کو اپنے سے افضل ہونا تسلیم کرو --- تو

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝

تمام ملائکہ آدم کو اپنے سے افضل تسلیم کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے --- یہ افضلیت کس خصوصیت کی بناء پر تھی؟ --- قرآن نے تخلیقِ آدم میں اس خصوصیت کا ذکر کیا ---

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ (پارہ ۱۴ سورۃ ۵ آیت ۲۸-۲۹)

اور جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے کہ میں ایک بشر بناؤں گا۔ مٹی کے لیسدار جوہری کیچڑ سے۔ پس جب میں نے اسے سنوارا۔ اور اسکے مرکب میں اپنا نور ڈالا۔ تو تم اسے اپنے سے افضل تسلیم کرو --- پس جب ملائکہ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق میں نور کو دیکھا۔ تو انہوں نے آدم کو اپنے سے افضل تسلیم کیا ---

اس مقام پر قرآن نے انسانی مرکب کی پوری نشاندہی کی کہ اس کے مرکب میں زمین کی تمام جوہری قوتوں کا مادہ پایا جاتا ہے۔ اس جوہری قوت کا خاصا وہی ہے جو زمین کی جوہری قوتوں (ہائیڈروجن۔ ایٹم۔ برق وغیرہ) سے ظہور ہوتا ہے۔ اس کے بعد جب اس مرکب میں ملائکہ نوری سے افضل نور ڈالا گیا۔ تو لازم ہے کہ اس وجود سے ہر اس صفت و کمال کا ظہور ہو گا۔ جو ملائکہ سے ہوتا ہے --- لہذا انسان اپنی ناری قوت سے مافوق العقل کمالات کے اظہار میں پہاڑوں اور زمین میں زلزلہ پیدا کر سکتا ہے --- اپنی ناری (ایٹمی) قوت سے زمین کو تہ و بالا کر سکتا ہے۔ اپنی ناری توجہ سے (جب کہ یہ قوت روح حیوانی سے موسوم ہے) غیر جاندار اشیاء میں زندگی پیدا کر سکتا ہے۔ ہوا میں اڑ سکتا ہے۔ ناری کروں تک جا سکتا ہے۔ ان کی ہستیوں کو پہچان سکتا ہے۔ یہ تو اس قوت کا فطری عمل ہے۔ جس اصول کو دنیا

کا کوئی محقق، مفکر، سائینسدان جھٹلا نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ انسان میں وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي کی ایک نوری روح بھی اس کے مرکب میں شامل ہے۔ یہ قوت نوری ملائکہ کی نوری قوت سے افضل ہے۔۔۔ ملائکہ نوری حیثیت میں مستقل زندگی رکھتے ہیں۔ موت اس زندگی میں فرق پیدا نہیں کر سکتی۔۔۔ ملائکہ نوری قوت کے اعتبار سے انتقال مکانی میں آناً فاناً آسمان سے زمین تک انتقال کرتے ہیں۔۔۔ انسان بھی اپنی روحانی حیثیت میں زمین سے آسمانوں تک (روحانی طور) انتقال کر سکتا ہے۔ ملائکہ اسرار و آثار عالم نوری کا ادراک نہیں کر سکتے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ط

ملائکہ نے کہا ہماری نوری صلاحیت اس قدر وسیع نہیں کہ ہم عالم نوری کا ادراک و پہچان کر سکیں۔ مگر انسان ملائکہ سے افضل نوری قوت رکھتا ہے۔

فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

انسان نے اس علم کی خبر دی۔ جو ملائکہ کے احاطۂ ادراک سے باہر ہے۔۔۔ ملائکہ کی وسعت پرواز محدود ہے۔ وہ آسمانوں کی مخلوق ہے۔ اس لیے ملائکہ محدود دائرہ تک زمین سے سات آسمانوں تک پرواز کر سکتے ہیں۔ مگر انسان نوری (روح رحمانی) اعتبار سے زمین سے ماورائے عالم ملکوتی۔ تمام عالم نوری تک پرواز کی صلاحیت رکھتا ہے۔ انسان۔ ناری۔ نوری اعتبار سے آناً فاناً انتقال مکانی کی قدرت رکھ سکتا ہے۔ جبکہ ملائکہ آسمان سے زمین تک آناً فاناً انتقال کرتا ہے۔ ملائکہ نوری حیثیت میں زمین کو تہ و بالا کرنے کی قوت رکھتا ہے۔ انسان ملائکہ کے مقابلہ میں اس سے زیادہ قوت رکھتا ہے۔۔۔ انسان یہ تمام مظاہرات اپنی ناری اور نوری قوت سے عمل میں لا سکتا ہے۔ جبکہ انسانی پیدائش میں اس کی ناری اور نوری قوت کے مرکب ہونے میں۔ عدم تسلیم کی فطری طور گنجائش نہیں۔۔۔ یہ تمام کمال ایک ولی کو بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ خواہ وہ عالم اجسام میں ہو۔۔۔ یا عالم برزخ میں۔ انسان کے جملہ کمالات اس کے ناری، نوری وجود سے وابستہ ہیں۔ اس لیے عالم برزخ میں ناری روح (روحِ حیوانی) میں ان خصوصیات کا پایا جانا لازمی ہے۔ جبکہ عالم برزخ میں روح حیوانی۔۔۔ منتقل ہوتی ہے۔ ناری وجود بذات خود انسان کہلاتا ہے۔ روح حیوانی ہی انسانی ہئیت میں۔۔۔ علم و کمال حاصل رکھتی ہے۔ ظاہر ہے برزخ میں انتقال کی صورت میں روح حیوانی میں علم و کمال رہتا ہے۔ اور جیسے وہ عالم اجسام میں اپنا علم و کمال استعمال کرتی ہے۔ برزخ میں بھی استعمال کر سکتی ہے۔ انسان کی نوری روح کا مقام عالم برزخ نہیں۔۔۔ ایک ولی جب عالم اجسام میں قانون الٰہی کے مطابق عبادت و تزکیہ کرے۔ تو عبادات کے صلہ (ثواب) میں اس کی نوری

روح (روح رحمانی) عالم نوری میں مراتب پاتی ہے۔ چونکہ نوری روح مجسم نور ہے اس لیے بعد موت اس کا مقام اپنے مراتب میں عالم نوری میں ہوتا ہے۔ اور جس انسان نے قانون الٰہی کی خلاف ورزی کی۔ اس کی دونوں روحیں تنزل پذیر ہو کر۔۔۔ اپنے عمل کے مطابق عالم برزخ میں ظلمت (اندھیروں) میں مقید ہوتی ہیں۔۔۔ پھر اس سے کوئی کمال سرزد ہوتا ہے نہ مافوق الفطرت کمالات کا صدور اس سے ہو سکتا ہے۔ نہ وہ کسی کے حاضر کرنے سے (حاضرات ارواح کی صورت میں) کسی کے پاس آسکتی ہے۔ نہ کلام کر سکتی ہے۔ نہ ایسی روح کو بعد موت عالم برزخ میں کوئی سکون و آرام وراحت میسر آتی ہے۔

ایک ولی کی خصوصیت میں یہ کمال بھی ہے کہ وہ عالمِ برزخ میں اپنے عمل کے مطابق نوری مقام پاتا ہے۔ اس کا کمال روح میں قائم ہوتا ہے۔ اور وہ صاحبِ اختیار اسی طرح ہوتا ہے جس طرح عالم اجسام میں کہ وہ برزخ میں رہ کر عالم اجسام میں جس سے چاہے بات کر سکتا ہے۔ اور اپنی طاقت استعمال کر کے اس کی مدد کر سکتا ہے۔ ولی کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہوتی ہے کہ وہ اپنی مرضی و ارادہ سے عالم اجسام میں داخل ہو۔۔۔ خواہ وہ روحانی ہیئت میں داخل ہو یا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا مثل ملائکہ بشری ہیئت اختیار کر کے اپنے عزیزوں سے ملاقات کرے۔ جن اولوالعزم ہستیوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ انہیں بعد موت جسمانی حالت میں دیکھا گیا۔ ایسی ہستیوں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہمہ صفات موصوف ہے۔ آپ کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ وَعَلِيٌّ بَابُهَا سردار اولیاء حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اولوالعزم اولیاء شمار ہوتے ہیں۔ مکتوبات اولیاء۔۔۔ میں مکتوبات صابری میں۔ حضرت علی احمد صابر کلیری کا ایک واقعہ صحیح سند سے درج کیا گیا ہے۔ کہ حضرت علی احمد صابر رحمت اللہ علیہ نے اپنی موت کے متعلق فرمایا کہ ہماری میت کو ایک مقام پر رکھا جائے تو ایک نقاب پوش آئے گا۔ جو میرا جنازہ پڑھائے گا۔۔۔ چنانچہ آپ کی وفات پر آپ کے حکم کے مطابق ایک جگہ جنازہ رکھا گیا۔ تمام فقرا اور عقیدت مندوں نے نماز کے لیے صفیں باندھیں۔ اتنے میں ایک نقاب پوش گھوڑے پر سوار تابوت کے قریب پہنچا اور اس نقاب پوش نے حضرت علی احمد صابری رحمت اللہ علیہ کی میت پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ ادا کی۔ نماز سے فارغ ہوتے ہی گھوڑے پر سوار ہو کر بغیر منہ دکھائے تیزی سے آگے نکل گئے۔ اس وقت حضرت علی احمد صابری کے خلیفہ اکبر حضرت شمس پانی پتی نے دوڑ کر ان کے گھوڑے کی رکاب پکڑلی اور ساتھ ساتھ دوڑنے لگے۔ پوچھا اے حضرت مجھ پر انکشاف کریں کہ آپ کون ہستی ہیں۔ تو نقاب پوش نے چہرہ سے نقاب اٹھا

کر فرمایا۔ ولی خود اپنا جنازہ پڑھتا ہے۔ دیکھا تو یہ خود حضرت علی احمد صابر کلیری رحمت اللہ علیہ کی ذات گرامی تھی۔۔۔ اس واقعہ میں شک نہیں۔ حضرت علی احمد صابر حضرت بابا فرید رحمت اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ اکبر تھے۔ آپ کا تزکیہ نفس انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ حضرت بابا فرید رحمت اللہ علیہ کی مریدی میں چھ سال تک آپ نے کھانا نہیں کھایا۔۔۔ پھر کلیر کی خلافت کے وقت۔ ایک گولر کے درخت کے نیچے بارہ سال ذاتِ الٰہی کے دیدار میں کھڑے رہے۔ اس دور میں آپ عالم اجسام میں تھے۔ مگر جسمانی بقا سے لااحتیاج تھے۔ اس تزکیہ کا نتیجہ تھا کہ آپ کی روح موت و حیات کی واردات سے آزاد۔۔۔ اپنی موت پر قادر۔۔۔ جب اجل کو لبیک کہا۔۔۔ تو جسم کو عالم ظاہری میں چھوڑ کر۔۔۔ خود عالم برزخ میں داخل ہو گئے۔ اور آپ کی روحِ رحمانی فنائے الٰہی حاصل کر کے واصل بحق ہو گئی۔۔۔ آپ نے جانا کہ اس وقت فقیر کا جنازہ پڑھانے والا کوئی ایسا نہیں جو میرا جنازہ پڑھائے۔ لہذا آپ کی روح (روح حیوانی) نے برزخ سے نکل کر فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا کی ہیئت بشری اختیار کر کے خود اپنی میت (جسم) کا جنازہ پڑھایا۔ بلاشبہ یہ ایک حقیقت ہے۔۔۔ اور فطرت کا تخلیقی عمل ہے۔۔۔ جسے طالب حقیقت کو تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔۔۔

حضور قبلہ عالم جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب کے مریدوں میں جناب ارسلان خان صاحب مرحوم کی ذات ایسی تھی۔ جنھوں نے انتہائی تزکیہ نفس اور کثرت مجاہدہ سے یہ مقام حاصل کیا تھا کہ آپ اپنی موت و حیات پر قادر مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا کامل نمونہ تھے۔۔۔ اور عالم برزخ میں بھی آپ صاحبِ اختیار ولی کی حیثیت میں تجلیاتِ الٰہی سے مسرور ہیں۔۔۔ اور آپ کی روحِ رحمانی واصل بحق۔ فنا و بقا کا مقام رکھتی ہے۔ حضور پُر نور جناب الحاج محمد امین صاحب اویسی رحمت اللہ علیہ کی ذات والا۔ بلاشبہ امتِ محمدی ﷺ کے اکابرین اولیاء میں شمار ہے۔۔۔ اور کمالاتِ ولایت میں آپ کو اعلیٰ و ارفع مقام حاصل تھا۔ لیکن آپ نے کمالات ناسوتی کو اہمیت نہ دی۔ سوائے اس کے کہ کمالاتِ ملکوتی میں۔ طالب حق کو بہمہ صفات متصف کر کے واصل الی اللہ کر دیتے۔۔۔

حضور قبلہ عالم۔ عبدالرزاق بخاری کی معیت میں اپنے عزیزوں کے ہاں تشریف فرما ہوئے۔ اس دوران آپ نے مکان کی تعمیر کے لیے جستجو شروع کی جس میں عبدالرزاق بخاری صاحب نے حق دوستی ادا کرتے ہوئے اپنی طرف سے مدد کی۔ اسی دوران بخاری صاحب کو بھی اپنی صحبت میں رکھ کر آپ کے تمام مراتب طے کرا کے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ بخاری صاحب اپنا مقصد پا کر حضور سے اپنے وطن رخصت ہو گئے۔ بخاری صاحب کی

رخصت کے بعد حضور نے مکان کی تعمیر پر توجہ فرمائی۔ کچھ عرصہ بعد آپ کا مکان تیار ہوا۔۔۔ اور آپ نے اپنے مکان میں سکونت اختیار کی۔۔۔

خواجہ عبدالکریمؒ زرگر کا بیعت ہونا

ایک دفعہ آپ کاشیراہ گاؤں سے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ غالباً ارسلان خان صاحب آپ کے ہمراہ تھے۔ کپواڑہ قصبہ سے تقریباً بارہ میل پر تحصیل ہندواڑہ میں بہرام پورہ ایک گاؤں سڑک سے ایک میل دور واقع ہے۔ یہاں درمیان میں ایک دریا بہتا ہے۔ اس مقام پر ایک شخص راستہ میں کھڑا منتظر تھا۔۔۔ جونہی حضور قریب سے گزرے۔ تو اس شخص نے السلام علیکم کہا۔۔۔ اور عرض کی جناب آپ میرے گھر تشریف لے چلیں میں آج آپ کو اپنا مہمان رکھنا چاہتا ہوں۔۔۔ حضور قبلہ عالم اس شخص کی استدعا پر اس کے گھر گئے۔ مکان کے اندر داخل ہوئے۔۔۔ تو ایک کمرہ نہایت پاکیزگی سے سجایا ہوا تھا۔ شاہ نشین میں ایک سفید چادر بچھی ہوئی۔ ارد گرد تکیے لگائے ہوئے تھے۔ حضور نے خیال فرمایا۔ شاید صاحبِ خانہ نے ختم دلوایا ہے۔ اس لیے ہمیں مسافر سمجھ کر مدعو کیا ہے۔ حضور کمرے میں ایک کونہ میں بیٹھنے لگے۔ تو اس شخص نے حضور کا ہاتھ پکڑ کر شاہ نشین پر بٹھایا۔۔۔ عرض کی یہ جگہ آپ ہی کے لیے مخصوص کی گئی ہے۔ آپ اس مسند پر تشریف رکھیں۔ صحن میں کشمیری دعوت کا اہتمام ہو رہا تھا۔۔۔ رفتہ رفتہ اور بھی لوگ کمرے میں داخل ہوتے اور باادب بیٹھتے گئے۔۔۔ کھانا شروع ہوا۔ سب لوگوں نے کھانا کھایا دعا کی اور ان میں سے کچھ لوگ چلے گئے۔ صرف چند لوگ کمرے میں بیٹھے رہے۔۔۔ اسی اثناء میں صاحبِ خانہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کے سامنے باادب بیٹھا اور ساتھ کچھ شیرینی، اور ایک سفید لوئی (کشمیری چادر) حضور کے سامنے پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ حضور مجھے بیعت کریں۔۔۔ اس شخص نے عرض کی کہ یہ سب انتظام محض آپ کی تشریف آوری کے لیے کیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ مدت سے میری خواہش تھی کہ راہِ حق کی تلاش میں مجھے کوئی راہبر ملے۔ قدرت نے میری راہنمائی کی۔۔۔ میں نے آپ کو خواب میں دیکھا۔۔۔ بتایا گیا کہ اس لڑکے سے فیض حاصل ہو گا۔ میں آپ کی تلاش میں مدت سے سرگرداں رہا۔ آج رات پھر مجھے یہ منظر دکھایا گیا کہ آپ سڑک سے گذریں گے۔ مجھے اس اطلاع پر پورا یقین تھا کہ آپ مجھے مل جائیں گے۔۔۔ چنانچہ صبح سے ہی میں نے یہ انتظام شروع کیا۔۔۔ اور دریا کے پار آپ کی آمد کا منتظر رہا۔ آپ تشریف لائے تو میں سمجھا۔۔۔ کہ میرا خواب سچا ہے۔

اس لیے حضور کو اپنے غریب خانہ پر آنے کی تکلیف دی۔ براہ کرم مجھے بیعت فرمائیں۔۔۔ اور یہ قسرینی بطور نیاز قبول فرمائیں۔ کیونکہ ہمارے رواج کے مطابق ہم لوگ پیر حاصل کرنے میں یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں۔۔۔ ہم اس شخص کی باتیں تعجب سے سن رہے تھے۔ ابھی ہم نے اس شخص کی بیعت کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ معاً حافظ سے گذشتہ زمانے کا ایک واقعہ ابھرا۔ حضور فرماتے ہیں کہ عالی جاہ شاہ صاحب کی معیت میں جب ہم حج پر تھے۔ تو ایک دن ہم مدینہ منورہ کی ایک پہاڑی پر بیٹھے شہر اور روضہ کا نظارہ کر رہے تھے۔ اچانک ہم پر غنودگی طاری ہوئی۔۔۔ دیکھتے ہیں ایک شخص سرخ داڑھی رکھے میرے پاس آیا۔۔۔ اور ایک چھوٹی سی گٹھڑی اور ایک چادر پیش کرتے ہوئے کہا کہ مجھے بھی روضہ شریف میں لے جائیں۔۔۔ ہم نے اس شخص کو اٹھا کر گنبد خضرا پر دے مارا۔ وہ شخص سیدھا گنبد پر گرا اور اندر چلا گیا۔ گنبد سے ایک نور کا شعلہ آسمان کی طرف چلا گیا۔ بس ہم پر سے غنودگی رفع ہو گئی۔ ہم حیرت میں تھے کہ یہ کیا واقعہ ہے۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔۔۔ اور عالی جاہ شاہ صاحب کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔۔۔ مبادا اس میں کسی بے ادبی کا تاثر ہو۔۔۔ کچھ دن بعد یہ واقعہ ذہن سے اترا۔ پھر کبھی یاد نہ آیا۔۔۔ سفید چادر۔ گٹھڑی۔ اور اس شخص کا حلیہ یاد آیا۔۔۔ تو اس وقت ہمیں اس واقعہ کی تعبیر نظر آئی۔ بغیر لیت و لعل ہم نے اس شخص کو بیعت کر لیا۔۔۔ اور قسرینی اور چادر ہم نے رکھ لی۔۔۔ رات ان کے گھر قیام کیا۔ دوسرے دن صبح یہاں سے رخصت ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔۔۔ یہ شخص (شجرہ میں دیئے گئے خلیفہ اکبر)

"بحق تحفۂ شاہ رسالتؐ ولی عبدالکریم آں خواجہ عالم"

جناب خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر کی ذات گرامی تھی۔ بیعت کے ساتھ ہی۔۔۔ ایک رات کی صحبت میں اجلاس محمدیؐ میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے کیوں نہ ہو آپ کی ذات ازل سے مخصوص و منتخب تھی۔۔۔ اس انتخاب کا عمل میں آنا ضروری تھا۔ حضرت خواجہ صاحب کو پیر سے عشق تھا۔ ذاتی طور پر خواجہ کریم صاحب جو عبادات و مجاہدات میں اکثر مشغول رہتے آپ کے حقیقت سے لگاؤ اور پیر سے محبت اور عزت افزائی کے سبب حضور قبلہ عالم آپ پر بے حد مہربان تھے۔ عمر کے لحاظ سے آپ کی قدر کرتے۔۔۔ اس توجہ کا اثر یہ تھا کہ خواجہ صاحب نے تیزی کے ساتھ۔ تھوڑی مدت میں منازل قرب طے کر کے مشاہدۂ ذات الٰہی میں مقام پایا۔۔۔ اور حضور قبلہ عالم نے انہیں خلافتِ اویسیہ۔ امینیہ عطا کی۔۔۔ آپ کی نسبت سے علاقہ ہندواڑہ۔ سوپور۔ اودی

پورہ لنگیٹ کے مضافات میں کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوئے۔ اس طرح لوگوں کو علم ہوا کہ اصل فقر کی کیفیت کیا ہے۔ ان مضافات میں فقیر بہت تھے۔ کچھ مجذوب فقیر بھی تھے۔ جن سے لوگ۔۔۔ حصولِ فیض میں رجوع کرتے تھے۔ لیکن اجلاسِ محمدی میں داخل ہو کر زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کرنا۔ ان کے وہم و گمان میں نہ تھا۔ کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ یا ہو سکتا ہے۔۔۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اکثر فقراء عالمِ ناسوت کی اکتالیس منزلیں بمشکل طے کر پاتے۔ ان منزلوں کو طے کرنے میں کٹھن مجاہدات سے انہیں گذرنا پڑتا۔ ان منازل کے اثرات و آثار میں بھی مافوق العقل مظاہرات کا ظہور ہوتا تھا۔ دوسرے فقراء کو اپنے مجاہدات و تزکیہ سے کرامات کا ملکہ حاصل ہوتا۔ تو لوگ انہی کرامات کو اصل سمجھ کر ان کی طرف رجوع کرتے۔ اور چندے مشاہدات و مظاہرات کی بناء پر اسی عمل کو اصل فقیری (طریقت) سمجھتے۔۔۔ فقراء کو ان منازل کے طے کرنے میں کرامات کی قوت حاصل ہوتی اور مراتب میں حضرت غوث الثقلین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے دربار تک رسائی اور زیارت ہوتی۔ ان کے نزدیک اتنا مقام پانا۔۔۔ عظیم مرتبہ پانے کے مترادف تھا۔۔۔ البتہ عالمِ ناسوت کی بالائی منزلوں میں نسبتِ غوث الاعظم کے توسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوتی لیکن یہ زیارت اجلاس محمدی سے نہیں۔ بلکہ عالم ناسوت کی بالائی منازل میں ہی میسر آتی۔ ایسا فقیر بھی ولی کہلانے کا مستحق نہیں۔ تاہم ایسے فقراء کا مقصد بھی معرفت الٰہی ہو۔۔۔ تو ایسے فقراء بھی اولیاء کے زمرہ میں شامل ہوتے ہیں۔ ایسے فقراء بھی ان منازل ناسوتی کو طے کر کے عالم ملکوت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ انہیں عالمِ جبروت۔ لاہوت کے مقامات سے گذر کر معرفتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ کشمیر میں گذشتہ دور میں ایسے ولی بھی پائے گئے جو معرفت الٰہی میں یکتا ہوئے ہیں۔ مگر بہت کم۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے ورود کشمیر سے قبل ایسے ہی عالم فقراء سے رجوع کیا جاتا۔۔۔ اور بجائے خود ایسے فقیر کے تصور میں یہ کیفیت آنا ممکن نہ تھا کہ بغیر کثرت مجاہدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو سکتی ہے اور اس کیفیت سے بھی بہت کم فقراء واقف تھے کہ باطن میں اجلاسِ محمدی ﷺ بھی ہے۔۔۔ اور جب حضور قبلہ عالم کی نسبت سے طریق اویسیہ کا اجراء ہوا۔۔۔ لوگوں نے اس سلسلہ کی طرف رجوع کرنا شروع کیا۔ جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کی سعی سے علاقہ لنگیٹ میں کثرت سے لوگ اویسی سلسلہ میں داخل ہو کر تھوڑی محنت سے حضوری ہوئے۔ اس طرح اس علاقہ میں سلسلہ اویسیہ وسعت سے پھیلا۔ خواجہ عبدالکریم صاحب کو حضور نے بیعت خلافت عطا فرمائی تھی۔ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر فیض حاصل

کرتے اور حضوری ہو جاتے۔۔۔ لیکن خواجہ صاحب بہت کم لوگوں کو اپنی بیعت میں لیتے۔۔۔ اکثر لوگ جو آپ کی توجہ سے حضوری ہوتے انہیں حضور قبلہ عالم سے بیعت کراتے۔۔۔ اس زمانے میں جب لوگوں نے سلسلہ اویسیہ کے کمالات کا مشاہدہ کیا۔۔۔ رفتہ رفتہ ان کی توجہ کشمیر کے فقراء اور مجذوب فقراء سے ہٹنے لگی۔۔۔ بہت کم لوگ جو حقیقی علم سے ناواقف تھے۔ محض فقراء کی کرامات دیکھ کر ان کیطرف رجوع کرتے اور وہ بھی محض حصول دنیا میں ان سے دعا و امداد کی خاطر تھا۔۔۔ اس سے قبل کشمیر میں۔۔۔ اکثر مجذوب فقیر دیکھنے میں آتے تھے۔ جن کی طرف لوگ محض حصولِ دنیا میں۔ حاجت روائی کی خاطر ان کے آستانوں پر جاتے۔۔۔ فقیر تو خود جذب میں ہوتا۔۔۔ دنیا اور دنیا کے لوگوں کی طرف کم ہی دھیان ہوتا تھا۔ مگر فقیر کے چیلے لوگوں کی نذرو نیاز سمیٹتے رہتے۔ البتہ اگر مجذوب کسی وقت جذب سے خالی ہوتا۔۔۔ تو وہ کسی کے دل کا حال کہہ دیتا۔ یا کسی کرامات کا اظہار کر کے کسی بیمار پر توجہ ڈالتا جس سے وہ صحت یاب ہو جاتا۔۔۔ یا مجموعی طور ظاہراً دعا کرتے۔۔۔ یا باتوں باتوں میں لوگوں کے پوشیدہ واقعات دہراتے یا کسی کو اس کی مشکل حل ہونے کی بشارت دیتے۔ جس سے لوگ مطمئن ہو کر چلے جاتے۔ لیکن ایسے فقراء سے بہت کم باطنی فیض میسر ہوتا۔۔۔ وہ بھی اس حال میں۔۔۔ کہ فیض حاصل کرنے والا بھی مجذوب ہو جاتا۔۔۔ حضور کے ظاہر ہونے کے بعد کشمیر میں مجذوب فقراء کا وجود آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا۔ آپ کے بعد بہت ہی کم مجذوب فقراء کو دیکھا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضور قبلہ عالم کو ولایتِ اویسیہ کے عطا ہونے کے بعد باطنی طور مجذوبیت کا سلسلہ بند ہو گیا اور جیسا کہ عالی جاہ شاہ صاحب کا فرمان تھا کہ "کشمیری اب تم کشمیر جاؤ۔۔۔ تم کشمیریوں کے پیر ہو"۔۔۔ حضور قبلہ عالم کو باطنی طور مقامِ قطبیت[۱] پر فائز کر کے کشمیر کے سربراہ کی حیثیت سے ہندوستان اور کشمیر کے متعلق جملہ امور باطنی ان کے سپرد کئے گئے۔ خصوصاً ظہور امام مہدی سے متعلق جملہ انتظامات آپ ہی کے ذریعہ طے ہونا مقرر کیا گیا۔۔۔ ان امور میں حضور قبلہ عالم بحیثیت منتظم اعلیٰ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور سے متعلق تمام امور آپ ہی کے ذریعہ انجام پاتے رہے۔ اس سلسلے میں آئندہ فقراء میں عالم اور مبلغ کی حیثیت سے سالک ہونا ضروری تھا۔ اس لیے آئندہ مجذوبیت کا سلسلہ بند ہو گیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں اکثر مریدوں کو۔۔۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلسِ مشاورت (SUPREME COUNCIL) میں شامل کیا گیا جو سلسلہ ظہور مہدی میں اپنی

---

[۱] قطب الاقطاب

ڈیوٹیاں دیتے رہے۔ اور اب حضور قبلہ عالم کے ظہور کے بعد اس سلسلہ اویسیہ کو جو "عنقا" تصور کیا جاتا تھا۔ کا ملاً ظاہر ہو کر طریق اویسیہ کا اجراء ہونے لگا۔ جس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس سلسلہ میں ابتدائی قدم پر بغیر عالم ناسوت کی منازل طے کئے طالب سیدھا اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو جاتا تھا۔

در حقیقت تاریخ اسلام میں طریقت کے حقیقی تصور سے متعلق تاریخی مواد بہت محدود ملتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن نے طریقت سے متعلق آثار کو متشابہات سے متعلق کر کے اس علم کو فقہِ قلبی اور مشاہدہ شعوری سے متعلق کر دیا۔ جس وجہ سے قرآنی آیات میں طریقت سے متعلق واضح تفصیل نہیں ملتی۔۔۔ اسی سبب سے تاریخ اسلامی طریقت سے متعلق مظاہرات کا واضح مواد پیش نہیں کر سکی اور پھر ابتدائے اسلام طریقت کا کوئی علیٰحدہ تصور قائم نہیں تھا کہ طریقت سے متعلق واقعات و کیفیات کا بیان سامنے آتا۔۔۔ سوائے اس کے کہ قرآن کے اصل مقصد کے پیشِ نظر۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں عام عقولِ انسانی کے مطابق محکمات۔ یعنی اصلاحی احکام کا نفاذ ہوتا۔۔۔ یہ اصلاح انسانی کی بنیادی ضرورت تھی کہ عمومی حیثیت میں حقیقت علم سے انسانوں کو سہل العمل احکام کے ذریعہ اسلام میں داخل کیا جائے اور اس عمل سے انہیں جسمانی۔۔۔ روحانی پاکیزگی حاصل ہو۔۔۔ احکام کی تعمیل سے جسمانی۔۔۔ روحانی پاکیزگی۔ انسان کے بنیادی مقصد میں شامل نہیں۔۔۔ بلکہ انسان کا بنیادی مقصد۔ اپنی اصلاح کے بعد نتیجۂ عمل حاصل کرنا ہے۔ اس نتیجہ عمل میں ایک باطنی تصور بھی پایا جاتا ہے۔ جو متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس نتیجۂ عمل کو "مراتب" سے تعبیر دیا گیا۔ مثلاً ایک شخص کو اس کے بنیادی مقصد کے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے اپنی اقتداء میں لیا جائے۔ اقتداء سے مراد۔ اسلام کو تسلیم کرنا۔۔۔ اور رسول کی اتباع کرنا۔۔۔ یہ ایک ذریعہ ہے۔ اتباع کے بعد احکام کی تعمیل کرانا۔۔۔ یہ اصلاحی عمل ہے کہ اللہ کو معبود سمجھو۔۔۔ نماز پڑھو۔ روزہ رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ اس عمل سے انسان کو جسمانی۔۔۔ روحانی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ لازمی ہے ان احکام کی تعمیل میں ایک نتیجہ مرتب ہوتا ہے کہ نیک اعمال کے صلہ میں جنت ملتی ہے۔ لہذا انسان کا بنیادی مقصد حصول جنت ہے اور جنت کا تصور متشابہ ہے۔ اس لیے ضروری ہوا کہ جسمانی۔۔۔ روحانی پاکیزگی سے جنت کا مشاہدہ کیا جائے۔ احکام کی تعمیل میں اصل تصور "ثواب" کا ہے۔ یہی نتیجہ عمل ہے۔ نتیجہ عمل جنت ہے۔ جو مراتب میں شمار ہے۔ یہی نتیجہ عمل طریقت سے تعبیر ہے۔ نتیجہ عمل میں مراتب کا پانا اور ان مراتب کا مشاہدہ کرنا ہے۔ اس کے متعلق

قرآن نے اجمالاً ذکر کیا لیکن چونکہ یہ کیفیت متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔ اور متشابہات کی دلیل ولی کامل کی اتباع سے ہی مل سکتی ہے۔۔۔ دوسرے یہ کہ یہ عمل ایک مخصوص جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ جو فقہ قلبی اور مشاہدہ شعوری سے ان کیفیتوں کا علم و ادراک کر سکتی ہے۔ لہذا ایسی کیفیتوں کے لیے قرآن و حدیث سے دلیل حاصل کرنا شرط نہیں۔۔۔ اس مصلحت کے تابع ایک یہ کہ یہ عمل مخصوص ہے۔ دوسرے یہ عمل عام انسانوں کے لیے سنت قرار دیا جائے تو انسان عمومی حیثیت میں اس عمل کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ احتمال ہے کہ ایسے اعمال کی شدت (کٹھن مجاہدات) برداشت نہ ہونے کے سبب انسان۔ احکام عبادتوں سے بھی دل برداشتہ ہو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص حکم ہے:

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ

کہ رات کو جاگیں۔ نماز پڑھیں۔۔۔ یہ عبادت ہی ہے۔ مگر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص کی گئی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مصلحت کے تابع کہ انسانی قوت کے مدنظر امت پر بار نہ ہو۔۔۔ نوافل کو دائمی صورت میں ادا نہیں کیا۔ اور بعض اوقات ترک کیا۔۔۔ کہ یہ عمل سنت قرار نہ پا جائے۔۔۔ اور یہ عمل وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ۔ ایک مخصوص جماعت نے اس عمل کو اپنایا سو لازم ہے کہ جو شخص متشابہات کے لیے دلیل چاہے۔ اسے چاہیئے کہ اس طائفہ میں شامل ہو کر تہجد و نوافل اور تزکیہ نفس پر مداومت کرے تو مراتب ہر شخص کو عطا ہوں گے۔ اگرچہ وہ ان کا مشاہدہ نہ کر سکتا ہو۔ کیونکہ شریعت پر عمل سے مراتب حاصل کرنا ہی انسانی مقصد ہوتا ہے۔۔۔ البتہ۔ اسلام۔ طریق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں۔۔۔ حصول مقصد۔۔۔ حصولِ مراتب میں ایک ضابطہ متعین کیا گیا۔۔۔ کہ اول بنائے اسلام۔۔۔ تسلیم کرنا۔۔۔ اللہ معبود ہے۔ اس کے بعد احکام کی خالص تعمیل ۔ نماز۔۔۔ روزہ۔۔۔ زکوٰۃ۔ حج۔ ان احکامات کی کاملاً تعمیل و تکمیل کے بعد۔ زائد عبادات (نوافل) یہ عبادت خالص ہے۔ قربِ الٰہی کے لیے۔۔۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

تَقَرَّبُوْا اِلَى اللّٰهِ بِالنَّوَافِلِ

قربِ الٰہی حاصل کرو نوافل عبادات سے۔۔۔

انسان تعمیل احکام کے بعد خود بخود۔ ان عبادات کا عامل ہو جاتا ہے۔ جس کے لیے قرآن نے تفصیلاً اس عمل کا نہ ذکر کیا۔ نہ انسان پر واجب آتا ہے۔ جبکہ انسانی استطاعت کے مطابق۔ اس کے تعمیل احکام میں اسے جنت کے مراتب مل جائیں۔۔۔ اس عمل سے

اس کے مقصد کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جب کہ شریعت کی رو سے یہ امر انسانی مقصد میں شامل ہے۔ کہ وہ معرفت الٰہی حاصل کرے--- یہ امر انسانی عظمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ مگر انسانی زندگی میں--- اس کی جہد و سعی--- اس کی عدم استطاعت۔ بسبب اس کی کمزوری کے قدرت کی طرف سے یہ رعایت (فَتَابَ عَلَیْہِ) روا رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ قرآن نے خود اس رعایت کا ذکر کیا---

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ
مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن
تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن
سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ
مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ

(سورہ مزمل پارہ ٢٩۔ آیت ٢٠)

تحقیق آپ ﷺ کا رب جانتا ہے کہ آپ اٹھتے ہیں (نماز کے لیے) قریب دو تہائی رات نصف رات--- یا ایک تہائی رات--- اور ایک مخصوص جماعت بھی لوگوں (صحابہ) میں سے (اس عبادت میں آپ کے شریک ہوتی ہے)۔ اللہ رات اور دن کی کیفیت جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ تم (اتنی محنت و مجاہدہ کی) استطاعت نہیں رکھ سکتے۔ پس میری طرف سے رعایت دی جاتی ہے--- پس پڑھو جتنا تمہاری حد استطاعت میں ہو قرآن سے--- اور اللہ جانتا ہے کہ تم بیمار بھی ہو گے۔ اور تم کاروبار دنیوی کی مصروفیت کے باعث بھی استطاعت نہ رکھ سکو گے اور کبھی تم جہاد کی جہد میں بھی تھک کر چور ہو جاؤ گے--- (یہ صورتیں انسانی زندگی میں لازم آئی ہیں) پس پڑھو (عبادت کرو) جتنا تم سے میسر ہو سکے--- (البتہ اس کے عوض) نماز مستقل قائم رکھو--- اور زکوٰۃ دو--- اور نادار لوگوں کو ان کی ضرورتیں اس صورت میں دو۔ کہ ان کی عدم ادائیگی کی صورت میں ض واپس لینے کی امید نہ رکھو۔ تو یہ عمل تمہاری نفلی عبادات کا متبادل تصور ہو گا۔ اس سے اتنا ہی ثواب (نتیجہ عمل) ہو گا جتنا ایک شب بیدار عمل کرنے والے کا ہو گا---

قرآن کی اس آیت سے واضح ہو جاتا ہے کہ حصولِ معرفت میں انسانی زندگی کی جدوجہد میں اس کی مصروفیات و مشکلات کے سبب انسان کو رعایت دی گئی کہ اس کے لیے ان حالتوں میں شرعی احکام کی تعمیل اس کے حصول معرفت و قربِ الٰہی کے لیے کافی ہو سکتی

ہے۔ کہ اس حال میں اسے مراتب مل جائیں گے۔ سوائے اس کے کہ اسے اپنے مراتب کا مشاہدہ نہ ہوسکے گا۔ جب تک کہ طریقت کے مطابق زائد عبادت سے قوتِ مشاہدہ نہ حاصل کر سکے۔

جانو!--- یہ حکم آدم سے لے کر نسلِ آدم کے آخری فرد تک لاگو (واجب) ہے۔ اسی اصول کے تابع گذشتہ انبیاء کو اصلاحِ انسانی کے لیے شریعت (اصلاحی احکام) دے کر بھیجا گیا: فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى۔ یہ اصلاحی احکام ہیں جو انبیاء کے ذریعہ بھیجے گئے--- اس ہدایت میں بھی حصول مراتب کے لیے عمل مقرر ہوا--- انبیاء نے اجرائے کلامِ الٰہی کے ساتھ۔ ہادی و مرشد کی حیثیت سے۔ مشاہدہ اسرارِ الٰہی میں جیسا کہ اصول طریقت ہے۔ اپنا تصور (تصورِ پیر) دیا۔ اسی طریق سے لوگوں کو مشاہدہ اسرارِ الٰہی ہوتا رہا۔ اور یہ طریق ابتدأً حضرت آدم علیہ السلام سے ہی شروع ہوا کہ مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی کو انسانی مقصد قرار دیا گیا--- اسی مشاہدہ پر آدم کو نبی یا خلیفہ کہا گیا--- کیونکہ نبی کے معنیٰ ہی--- اسرارِ الٰہی سے آگاہ صاحبِ مشاہدہ شخصیت ہے۔ یہی عمل ہر نبی کے لیے مقرر ہوا--- نبی کے گذر جانے کے بعد--- اس کے تابعین میں یہی عمل جاری ہوا کہ نبی کے تصور کے ساتھ مشاہدہ و معرفت حاصل کریں--- یہ تابعین علمائے امت میں شمار ہیں۔ ان علماء کو رہبان (راہب) کے لقب سے پکارا گیا۔ یہ راہب بھی قائم مقام نبی--- صاحبِ مشاہدہ و صاحبِ معرفت تھے--- مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ۔ ان علماء میں تزکیہ و مجاہدہ کی صلاحیت باقی نہ رہی--- علمائے امت نے اپنی نفسانی خواہشات کی ہوس میں۔ الٰہی کلام میں تحریف کی--- لہذا ان میں مشاہدہ و معرفت کی صلاحیت باقی نہ رہی۔ ان علماء نے طریقِ شریعت و طریقت میں۔ بسبب اپنی کمزوریوں کے من گھڑت طریقے اختیار کئے جن میں یہ طریقہ شامل تھا کہ انہوں نے لوگوں کو ایک طرف دنیا سے لاتعلق[ا] ہونے کی ترغیب دی۔ اس حال میں کہ اس گوشہ نشینی میں ایک نبی کا حقیقی علم و عمل استعمال نہ کیا گیا نہ اس گوشہ نشینی سے مراتب و مشاہدہ

[ا] لاتعلق ہونے سے مراد۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انسان کو حصولِ سامانِ زندگی میں وسیع حصول کی ضرورت نہ تھی۔ سوائے اس کے کہ حقیقی مقصد انسانی یعنی ہمہ وقت مشاہدۂ اسرارِ الٰہی میں منہمک رہ کر گوشہ نشینی اختیار کرنا ایک لازمی عمل قرار دیا جاتا۔ ایسے زمانہ میں انبیاء اور انبیاء کے علماء (راہب) زیادہ تر گوشہ نشینی میں مراقبہ میں ہمہ وقت مشاہدات میں مستغرق رہتے۔ جبکہ یہ عمل ضابطۂ الٰہی کی جز قرار دیا جاتا تھا اور احسن عمل تصور کیا جاتا تھا۔

حاصل ہوا۔ دوسری طرف مال و دولت اور دنیوی عیش و امارت کے سامان حاصل کرتے رہے۔ اور یہی من گھڑت طریق لوگوں میں جاری رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو نہ حقیقی طریق مشاہدہ میسر آیا۔ نہ انہیں مشاہدہ حاصل ہو سکا۔ چنانچہ لوگوں نے تصور نبی، تصور پیر قائم رکھنے کے لیے انبیاء کی تصویریں بنا کر۔ تصورِ خیالی کے ذریعہ تصورِ حقیقی حاصل کرنا شروع کیا۔ اس عمل میں سادہ لوح لوگوں کی عقیدت شامل رہی کہ وہ اپنے مرشد کو کاملیت کے تصور میں۔۔۔ اپنا ناصر و راہبر سمجھ کر ان تصویروں سے مدد مانگنے لگے اسی طریق نے آخر بت پرستی کی شکل اختیار کی شریعت محمدی (قرآن) نے ایسے ہی راہبوں کی مذمت کی اور ان کے خود ساختہ من گھڑت عقائد کی رد کی۔۔۔ اس لیے اسلام نے اسی خطرے کے مدنظر تصویر کشی کی ممانعت کر دی۔۔۔ تاکہ امت محمدی ﷺ میں سابقہ امتوں کی طرح تصور خیالی سے مدد لینے کا سلسلہ جاری ہو کر بت پرستی کی نوبت نہ آئے۔ سوائے اس کے کہ احکام شریعت پر خالصتاً عمل پیرا ہو کر۔۔۔ شریعت کی روح باقی رہے یہی عمل اصلاح انسانی کا ضامن بنے اور انسان کو جسمانی۔۔۔ روحانی تزکیہ حاصل ہو۔ دوسری طرف علمائے امت صحیح اصول قرآنی پر عمل پیرا ہو کر اپنی روحانی قوت کو بہرحال قائم رکھیں تاکہ امت کو صحیح راہنمائی میں حقیقی مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفت حاصل ہو۔ البتہ یہ طریق مخصوص رہا۔۔۔ جس کے لیے علمائے امت میں اولیاء کو خصوصیت دی گئی۔۔۔ اس عمل کو ثانوی حیثیت اس لئے دی گئی کہ امت کو اولاً احکام شریعت کی تعمیل پر لانا مقدم تھا اور علم طریقت کو مخصوص جماعت سے متعلق کر کے اس کے ظاہراً اجرا کو ضروری قرار نہیں دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ اسلام میں مورخین نے جب کہ انہیں مشاہدہ و معرفت کے اصول سے آگاہی نہ تھی۔ اس علم کو تاریخ میں جگہ نہ دی۔ اور نہ ہی قرآن و حدیث سے اس عمل سے متعلق شواہد کو پیش کر سکے۔۔۔ لیکن اس امر سے انکار نہیں کہ طریقت شریعت کی جز باعتبار نتیجہ عمل۔۔۔ اور کیفیات کے متشابہات ہونے کے۔ یہ طریق قابل یقین و تسلیم ہے۔۔۔

یہ امر محقق ہے کہ قرآن نے ماورائے ادراک علم کی نشاندہی واضح الفاظ میں کی ہے۔۔۔ مگر اس علم کو متشابہات سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہی علم طریقت سے تعبیر دیا گیا۔۔۔ اس کے مقابل اجرائے قرآن و حدیث کو عام عقول کے لیے لازم قرار دیا۔ تاریخ اسلام کا تجزیہ کیا جائے۔۔۔ تو ظاہر ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بناء کردہ اسلام کی بنیاد قرآن و سنت کے اجراء پر ہی قائم کی گئی۔ جس کی ابتداء۔۔۔ قُمْ فَاَنْذِرْ۔ کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی تبلیغ سے ہوتی ہے۔۔۔ جس کا مقصد انسان کو اللہ تعالیٰ کی

عبدیت میں لانا اور قرآنی احکام کی تعمیل کے ساتھ۔ انسان کی جسمانی--- روحانی پاکیزگی--- اور نجات آخرت کا تصور دلانا تھا۔ اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ اللہ کے نزدیک دین کا تصور سوائے اس کے نہیں کہ اس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ قرآن کریم نے تعمیلِ احکام سے متعلق جو بھی احکام پیش کئے--- ان کا تعلق انسان کے کسی شعبۂ زندگی سے بھی ہو--- ان تمام احکام میں بنیادی تصور صرف۔ نجات آخرت یا خوف قیامت ثابت ہے--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ دورِ تبلیغ میں جو بھی واقعات--- جو بھی معاملات پیش آئے--- یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ دین میں جو بھی اقدام کئے ان سب کا نتیجہ--- یا ماخذ صرف یومِ حشر--- نجات آخرت کا حقیقی تصور تھا۔ قُمۡ فَاَنۡذِرۡ۔ کا حکم اس تصور کی نشاندہی کرتا ہے--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنیاد پر ایک پاکیزہ معاشرہ تشکیل دے کر--- ایک پاکیزہ کردار جماعت قائم کی--- جن کا عمل احکاماتِ الٰہی کی تعمیل--- اور نجات آخرت کا سامان مہیا کرنا تھا۔ چنانچہ تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی معیت میں تبلیغ دین میں جو کام سرانجام دیا۔ اس میں مخلوق خدا کو--- اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں لانا--- اور قرآنی احکام کی تعمیل کے ساتھ خود جسمانی--- اور روحانی پاکیزگی حاصل کرنا--- اور مخلوق کا تزکیہ کرنا--- اور یوم آخرت کے لیے بہتر نتیجہ عمل حاصل کرنے کے سوا--- نہ امور دنیوی میں سامانِ زندگی کی فراہمی کی ذمہ داری یا کفالت نہ کسی حکومت یا حکمرانی یا حاکمیت کا کوئی جذبہ کارفرما تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ رسالت کا جائزہ لینے سے معلوم ہوگا کہ لوگوں کی ضروریات زندگی کے انتظامات کا کوئی ضابطہ پیش نہیں کیا گیا--- ہر شخص اپنی ذات کا خود کفیل تھا۔ خود ذمہ دار تھا۔ سوائے اس کے مروجہ معاشرہ میں۔ معاشرتی اصلاح کے لیے احکام نازل ہوئے۔ جو دین کی حیثیت میں واجب العمل تھے۔ عدم تعمیل میں بھی کوئی تعزیر نہ تھی۔ سوائے وعید کے کہ ایسے اعمال کی تعزیر میں عذاب آخرت حاصل ہوگا۔ البتہ چند ایک ایسے افعال قبیح جن سے بدی۔ گناہ کو فروغ ملتا تھا۔ ان میں بھی اکثر کی سزا عذاب آخرت کی صورت میں تھی۔ اور بعض کی روک تھام کے لیے۔ تعزیرِ ظاہری[1] مقرر کی گئی--- یہ ایک فطری اصول ہے۔ جس پر غور کرنا ضروری ہے کہ انسان معاشرتی برائیوں سے۔ دین سے دور نہیں ہوتا--- بلکہ دین سے دور ہونے کے سبب معاشرتی برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ ان برائیوں سے دور

---

[1] یہ تعزیر ابتدائی دور اسلام میں نہیں بلکہ اقتدار اسلامی کے بعد جاری ہوئی۔

ہونے کے لیے۔ بنیادی طور۔ احکام کی صورت میں۔ لوگوں کے دلوں کو پاکیزہ بنایا جائے تاکہ وہ خود بخود معاشرتی برائیوں سے اجتناب کریں۔ اس کے لیے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں ایک مبلغ کی ذاتی پاکیزہ شخصیت کا تاثر اور نفوذ۔۔۔ دوسرا خوف قیامت کا تاثر دینا۔۔۔ لازم تھا۔۔۔ کہ جب قوم مدتوں۔۔۔ ایک پاکیزہ کردار شخصیت۔۔۔ اور الٰہی احکام کے نفاذ سے محروم رہی۔۔۔ تو ان کی برائیاں۔ ان کی عادت ثانیہ بن گئیں۔ اور وہ اپنی خواہشات نفسانی کی لذتیں کسی طرح بھی ترک کرنے پر تیار نہ تھے۔ کیونکہ اس طرح دین برحق کے نفاذ سے انہیں اپنی خواہشات کی محرومی سے ان کے مفادات پر کاری ضرب لگتی تھی۔ جنہیں ترک کرنے پر وہ کسی طرح آمادہ نہ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اغراض پرست لوگوں نے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ میں مزاحمت کی۔۔۔ اور جوں جوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ دین میں کامیابی ہوتی رہی۔۔۔ کفار مکہ کی مزاحمت نے دشمنی کی شکل اختیار کی۔۔۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام میں داخل ہونے والوں پر تشدد کرنا شروع کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قُمْ فَاَنْذِرْ اور بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ کی تبلیغ میں سوائے۔۔۔ صبر و ضبط۔۔۔ عزم و استقلال۔ تحمل و بردباری کے اور کوئی فروعی ذریعہ اختیار نہ کیا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ اللہ کا دین جاری کرنے میں کفار مکہ انکار کی صورت میں کشت و خون پر اتر آئیں گے۔ تو لازم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان مزاحمتوں کے پیش نظر قبل از وقت اپنی قوت پیدا کر کے۔ بنی ہاشم قریش کو اپنی حمایت میں لے کر ایک قوی اقتدار حاصل کرتے۔ جب کہ مکہ کی تمام قوتیں۔ پیشتر ہی آپ کو امین و صادق کا لقب دے کر مکہ کا ہر شخص آپ کی عزت و تکریم کرتا تھا۔ لیکن قُمْ فَاَنْذِرْ میں یہ طریق واجب نہ تھا۔ برعکس اس کے حضور ﷺ کے کلام معجز بیان نے یہ اثر دکھایا کہ آپ کے گرد تین سو تیرہ نفوس کی ایک پاکیزہ جماعت وجود میں آ گئی۔۔۔ کفار مکہ نے محسوس کیا کہ اگر حضور ﷺ کی تبلیغ کا یہی انداز برقرار رہا اور یہ جماعت اس طرح بڑھتی گئی۔ تو ایک دن ہمیں غلامی اور تباہی کا منہ دیکھنا ہو گا۔۔۔ چنانچہ کفار مکہ نے۔۔۔ جماعت اسلامی کو ختم کر ڈالنے کا منصوبہ تیار کیا۔۔۔ اس طرح تبلیغ دین میں ایک نئی صورت پیدا ہو گئی۔ کفار مکہ نے جماعت اسلامی پر لشکر کشی کی۔ اور بدر کے مقام پر کفر و اسلام کا پہلا معرکہ ہوا۔۔۔ نظریہ کیا تھا؟۔۔۔ کہ جماعت اسلامی کے خاتمہ سے اسلام کا خاتمہ[1] ہو گا اور کفار کے غلبہ سے کفر کو فروغ ملے گا۔۔۔ یہ ایک نئی

---

[1] جنگ بدر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اے اللہ اگر آج یہ جماعت ختم ہو گئی تو
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صورتحال تھی جو تبلیغ دین میں پیش آئی۔ جس کے لیے اسلام کو جماعت اسلامی کے تحفظ کی ضرورت پیش آئی۔ جس "تحفظ" نے۔ اقتدار اسلامی کا ایک نیا تصور پیدا کیا۔۔۔ اس تصور میں ایک طرف بنیادی مقصد۔۔۔ یعنی تعمیل احکام الٰہی اور نجاتِ آخرت کا بنیادی تصور قائم رکھنا۔۔۔ اور اس بنیادی تصور کو قائم رکھنے کے لیے جماعت اسلامی کا تحفظ کرنا۔۔۔ دوسری طرف اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے لیے مادی ذرائع حاصل کرنا۔۔۔ کیونکہ کفار کے مقابلہ میں مادی ذرائع حاصل کرنا لازمی ہو گیا۔۔۔ اس صورتحال نے رسول ﷺ اور جماعت اسلامی کو کفار کی چیرہ دستیوں کے سبب اپنے تحفظ کے لیے۔ تبلیغ دین میں مادی ذرائع[1] سے مدد لینے پر مجبور کر دیا۔۔۔ ورنہ تبلیغ دین میں مادی ذرائع سے مدد لینا تبلیغ کے مقاصد میں شامل نہ تھا۔۔۔ سوائے اس کے کہ باطل قوتوں کی مزاحمت ختم کر کے تبلیغ دین کے لیے راہ ہموار کرنا۔۔۔ یہ امر قابل غور ہے۔ کہ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ -

اور اپنے رشتہ داروں۔ قوم سے ابتداء کیجئے۔ انہیں خوف قیامت سے ڈرائیں۔

آپ نے تبلیغ میں سوائے۔۔ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کے حکم کے مطابق لوگوں کو اسلام میں لانے کے لیے کوئی فروعی ذریعہ اختیار نہیں کیا۔۔۔ باوجود اس کے کہ آپ کو برا بھلا کہا گیا۔ آپ کو تکلیفیں پہنچائی گئیں۔۔۔ آپ پر پتھر برسائے گئے۔۔۔ آپ کا خون اطہر بہایا گیا۔۔۔ آپ کو قتل کرنے کی سازش کی گئی۔۔۔ میں کہتا ہوں۔ زمانہ میں ازل سے ابد تک ایسا مفکر۔۔۔ ایسا جرنیل۔۔۔ ایسا سیاستدان۔ ایسا صاحبِ عقل فہم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے مقابلہ میں ہونا۔ قطعاً ناممکن ہے۔ ایسی صورت میں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبل ازوقت کفار مکہ کے مظالم کا سدِ باب نہ کر سکتے تھے؟۔۔۔ ایسا نہیں بلکہ تبلیغ دین کا وہی اصول ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا۔۔۔

تاریخ شاہد ہے۔۔۔ انبیاء کی الہامی کتابیں شاہد ہیں۔۔۔ قرآن خود شاہد ہے۔۔۔ اصول اسلام کے مطابق۔۔۔ ہر رسول کو۔۔۔ اس کی نبوت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ (زیارت) عالم ملکوت میں دیا گیا۔ جس مشاہدہ پر انہوں نے ایک رسول خاتم

(بقیہ حاشیہ ص۱۰۱)

دنیا پر اسلام کا وجود قائم نہ ہوگا۔ اس دعا سے ظاہر ہوا کہ اسلام جماعت کے وجود سے تعبیر ہے۔ لہٰذا جماعت اسلامی ہی سے اسلام کا تصور باقی رہتا ہے۔ گویا جماعت اسلامی کا تحفظ اسلام کا تحفظ متصور ہے۔ [1] مادی ذرائع سے مراد تلوار اور طاقت

النَّبِیِّنَ کی ہر زمانہ میں بشارت دی۔ کہ ایک رسول آنے والا ہے۔ جو مخلوق کو اس کے خالق کے قریب کرنے والا--- معبود و عبد کا رشتہ جوڑنے والا--- جو مخلوقِ عالم کو ظلم و جبر کے ستم سے نجات دلانے والا ہو گا--- انبیاء نے اس مقدس ہستی کو دیکھا--- اس کی عزت و تکریم کی--- اور ہر زمانہ میں نصرت دینے کا وعدہ کیا--- قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے---

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○

(پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۸۱)

اور جب لیا اللہ نے عہد انبیاء سے کہ جو کچھ میں دوں کتاب و حکمت سے۔ پھر آئے تمہارے پاس (ایک) رسول جو تصدیق کرے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے۔ تو تم ضرور اس پر ایمان لانا--- اور اس کی مدد کرنا--- کہا کیا تم نے اقرار کیا؟--- اور قبول کیا اس پر میرا عہد؟--- کہا انہوں نے--- اقرار کیا ہم نے--- اور کہا (اللہ تعالیٰ نے) اب تم گواہ رہو--- اور میں بھی تمہارے گواہوں میں ہوں---

اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے میثاق لیا۔ کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو بحیثیت نبی و رسول تسلیم کرو--- اور ان کے ظہور پر ان کی نصرت (مدد) کرو--- لہذا--- ہر نبی کے لیے یہ لازم رکھا گیا--- کہ ہر نبی اس رسول کو پہچانے اور ہر نبی۔ اپنی اور--- ہر آئندہ آنے والی امت کو وصیت کرے۔ کہ جس قوم میں اس رسول کا ظہور ہو--- وہ انہیں تسلیم کرے--- اور انکی مدد کرے۔ قرآن نے اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو خطاب کیا۔ یہ اس لیے کہ یہ عہد ہر زمانہ میں نبیوں نے پورا کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے کہا--- کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک نور ایک لاکھ چوبیس ہزار مشعلوں کو لے کر نکلے گا۔ جو نور تمام روئے زمین پر پھیل کر دنیا کو منور کر دے گا--- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی امت کو بتایا---

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۱ آیت ۶)

اور جب کہا عیسیٰ ابن مریم نے۔ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف رسول بھیجا گیا ہوں میں تصدیق کرتا ہوں توراۃ کی (جس میں موسیٰ علیہ السلام کا عہد اور ایک رسول کی آمد کی بشارت دی گئی ہے) میں تمہیں بشارت دیتا ہوں کہ وہ رسول آنے والا ہے۔۔۔ ان کا اسم مقدس احمدؐ (اس پر ایمان لانا۔ اس کی مدد کرنا) اور پھر اسی بشارت پر یہود و نصاریٰ کہتے آئے۔ وہ رسول ہم میں سے ہوگا۔ ہم اس پر ایمان لائیں گے ہم اس کی مدد کریں گے۔ اور جب وہ آیا۔۔۔ تو اسے ایسا پہچانا۔ جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَہُمۡ ؕ

"وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی (یہود و نصاریٰ) پہچانتے ہیں۔ اس (نبی) کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔" (پارہ ۲۔ سورہ ۲۔ آیت ۱۴۶)

سوال یہ ہے کہ اگر اس رسول کی آمد پر ہر قوم "عہد میثاق" کے مطابق اس رسول کو تسلیم کرتی۔۔۔ اور اس کی مدد کرتی۔۔۔ یہ تو یہود و نصاریٰ تھے۔۔۔ ان کے مقابل کفار مکہ میں بنی اسماعیل۔۔۔ قریش کو بھی علم تھا کہ ایک رسول آنے والا ہے۔ تمام انبیاء نے اس رسول کی بڑائی کی۔۔۔ یہ ایک عظیم المرتب رسول ہے۔ یہ جان کر کہ یہ رسول ہم میں پیدا ہوا اور یہ اعزاز و فخر اس قوم کو عطا ہوا۔۔۔ اور عرب کا کوئی فرد۔ اس رسول کی۔ مخالفت نہ کرتا (بلکہ یوں کہا جائے کہ انہیں مخالفت نہ کرنی چاہیئے تھی) اس حال میں کہ یہ قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو پہچان چکی تھی۔ آپ ﷺ کی عزت و تکریم کرتے تھے۔ آپ ﷺ کو امین و صادق کے لقب سے پکارتے تھے۔ اس صورت میں ا۔۔۔ اگر سب لوگ آپ کی تبلیغ میں مزاحمت نہ کرتے۔ بلکہ آپ کا ساتھ دیتے۔۔۔ آپ کو تسلیم کرتے۔۔۔ آپ کی مدد کرتے۔۔۔ تو جماعت اسلامی اور کفار مکہ کے درمیان قتال و جنگ کی نہ نوبت آتی۔۔۔ نہ اس کا تصور پایا جاتا۔۔۔ تو ایسی صورت میں نہ جنگ ہوتی نہ جہاد کی فرضیت لازم آتی۔۔۔ ہر شخص اسلام میں داخل ہو کر اپنی اپنی۔۔۔ سادہ زندگی گزارتا۔۔۔ تو اسلام کو اقتدار اعلیٰ کی نہ ضرورت پڑتی۔ نہ اپنے تحفظ کے لیے مادی ذرائع کے لیے جستجو کرنی پڑتی۔ نہ تبلیغ دین میں اقتدار اعلیٰ کو شامل کرنے کی ضرورت رہتی۔ تو پھر تبلیغ دین نہیں۔۔۔ سوائے اجرائے قرآن۔۔۔ بہ طریق نبوی۔۔۔ صرف اجرائے قرآن میں احکام کی تعمیل۔۔۔ خوف قیامت کا ایک واحد تصور باقی رہتا۔ پھر نہ اسلحہ کی ضرورت تھی۔ نہ اقتدار کے ذریعہ زمین پر قبضہ کرنے کی ضرورت رہتی۔ نہ کسی فرد کی ضروریات کی ذمہ داری کا احساس باقی رہتا۔۔۔ نہ کسی حکومت کا تصور قائم ہوتا۔۔۔ لیکن یہ امر بھی مصلحت الٰہی کے تحت تھا۔۔۔ کہ حق کے

ساتھ باطل کا وجود بھی ہوتا ہے۔ اور حق و باطل کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔

خوف آخرت اسلام کا بنیادی مقصد ہے

حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے زمانے میں جماعت اسلامی --- اور اقتدار اعلیٰ کو وسعت ملی --- تو اقتدار اعلیٰ نے حکمران حیثیت حاصل کی۔ مگر اس کا بنیادی تصور وہی تھا کہ کائنات کا خالق اللہ ہے --- اور انسان اللہ کا بندہ --- عبد --- غلام --- زمین پر انسان کے ذمہ --- ایک مقصد حقیقی کا تعین --- معرفت الٰہی --- اور اپنی مرضی سے --- ہاں اپنی مرضی سے --- تسلیم کرنا۔ احکام الٰہی کی تعمیل کرنا۔ معرفت حاصل کرنا --- اور رعایت میں حسب استطاعت تعمیل احکام کرنا --- جس پر نہ اللہ کا جبر ہے۔ نہ رسول کا جبر ہے۔ نہ جماعت اسلامی کا جبر ہے۔ انکار کی صورت میں بھی --- اللہ اور بندے کا معاملہ یوم حشر پر موقوف کیا گیا۔ بس دنیا میں انکار کی صورت میں سزا کا حکم نہیں چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کافر کو اس کے انکار پر کوئی سزا --- نہ قرآن سے۔ نہ اپنی ذات سے دی --- سوائے اس کے کہ کفار مکہ کے اسلام (مراد جماعت اسلامی) کی مزاحمت کے سبب --- یہ ضرورت پیش آئی --- کہ تبلیغ دین میں کفار کی مزاحمت میں "دفاع" کرنا --- اور ہر اس "وجہ" کو دور کرنا جو تبلیغ اسلامی میں جماعت اسلامی کو مزاحم ہو --- اور مخلوقِ خدا کیلئے دین میں داخل ہونے میں رکاوٹ کا سبب ہو۔ اس کے لیے --- قرآن نے معاشرہ کو بدی و انکار سے محفوظ رکھنے کے لیے۔ ایسے جرائم کو پنپنے نہ دینے کے لیے جو مخلوقِ خدا کو ماحول و معاشرہ کی شکل میں دین سے دور رکھے۔ یا بدی کے مرتکب ہونے کا سبب بنیں۔ چند تعزیریں پیش کیں۔ یہ تعزیریں اصلاحِ معاشرہ کے لیے تھیں۔ مگر گناہ کی سزا کے تصور میں نہیں تھیں --- ایک عورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے --- کہ مجھ سے زنا سرزد ہوا --- مجھے اللہ کے حکم کے مطابق رجم کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کی طرف توجہ نہ دی منہ پھیر لیا۔ عورت دوسری طرف سے آئی پھر عرض کی کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے رجم کا حکم دیں۔ تین بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیرا تیسری بار --- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے ہاں حمل تو نہیں؟۔ عورت نے کہا حمل ہے --- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ۔ حمل سے فارغ ہو --- وہ عورت حمل سے فارغ ہو کر پھر دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئی --- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچہ دیکھ کر فرمایا --- ابھی بچہ کو رضاعت کی مدت تک دودھ پلاؤ --- رضاعت کی میعاد ختم ہوئی۔ تو

عورت حضور ﷺ کی خدمت میں بچہ کو لے کر آئی۔ بچے کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا دیا تھا۔ مبادا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اور وجہ درمیان میں لا کر مجھے واپس کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچے کو روٹی دی (شاید اس وجہ سے خود دی ہو کہ اس بہانہ سے مزید ٹالنے کا موقع ملے) بچہ نے روٹی کھائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (بادل ناخواستہ) عورت کو رجم کرنے کا حکم دیا۔۔۔ چنانچہ صحابہ نے عورت کو رجم کر دیا۔۔۔ یہاں تک کہ اس کی روح قفس عنصری سے نکل کر عالم برزخ میں چلی گئی۔ کہتے ہیں جب عورت کو حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو حضور ﷺ خاموش تھے۔ کسی صحابہ نے کہا۔ یہ عورت بدکار تھی۔۔۔ تو حضور ﷺ نے اسے جھڑکا ایسامت کہو۔ یہ عورت ایسی ہے جیسا ماں سے پیدا ہونے والا بچہ پاک ہوتا ہے۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عورت سے منہ پھیرنا۔۔۔ اور آپ ﷺ کا یہ فرمانا۔ کہ یہ عورت گناہ سے پاک ہے۔ اس امر میں یہ مصلحت تھی کہ عورت نے خوفِ قیامت کے احساس پر خود کو تعزیر کے لیے پیش کیا۔۔۔ کہ اگر میں اس گناہ کو چھپاؤں تو قیامت کے دن مجھے عذاب دیا جائے گا۔ اس خوف کے احساس نے اسے بے چین کر رکھا تھا۔ اس کے دل میں احساسِ جرم۔۔۔ اور اقرارِ جرم اضطراب پیدا کر رہا تھا۔ اس کی نظر میں تعزیر سے جرم کی سزا پانے سے آخرت کے عذاب سے نجات پانا۔ اس کے لئے باعث اطمینان تھا۔ جس کے لیے وہ جان دینا۔ یا جانی عذاب قبول کرنا بہتر سمجھتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توجہ نہ کرنا۔۔۔ اور عورت کو بازگشت کا موقع دینا اس غرض سے تھا کہ عورت پر عذاب قیامت۔ اور خوف خدا کی ہیبت اس قدر طاری تھی کہ اس حال میں وہ کسی وقت اپنی جانی تکلیف کا احساس کر کے توبہ کرتی تو اس کے جرم کی سزا (عذاب قیامت) معاف ہو جاتی۔۔۔ اور وہ جانی عذاب سے بھی بچ جاتی۔۔۔ خوفِ خدا۔۔۔ اور خوفِ قیامت کے احساس سے خود کو مجرم گردان کر اعترافِ گناہ کرنا اور سزا قبول کرنا۔۔۔ ایک عظیم اسلامی اخلاقی پہلو ہے۔ جو توبہ کے برابر ہے۔ لہذا یہ عورت اس احساس کے سبب گناہوں سے پاک ہو گئی۔۔۔ درحقیقت یہ اخلاقی مظاہرہ اسلام کی حقیقی روح ہے۔۔۔ ثابت ہوا۔۔۔ اسلام کا تبلیغی مقصد۔ انسان میں۔۔۔ صرف۔۔۔ اور صرف انسان کے دل میں خوفِ قیامت جاگزیں کرنا ہی ہے۔ خوفِ قیامت بنیاد ہے۔ ہر گناہ ہر برائی کو ختم کر دینے کی۔۔۔ انسان کے دل میں اگر خوفِ قیامت ہو۔ تو انسان ہر گناہ سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس امر سے یہ واضح بھی ہوا۔۔۔ کہ قرآنی تعزیرات۔ محض ایک جرم کی سزا نہیں۔ بلکہ انسان کے گناہوں کا کفارہ اور خوفِ قیامت پیدا کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کو اسی تصور کے ساتھ پیش کیا۔ جس میں سوائے خوفِ حشر کے اور کسی اقتدار و حکمرانی کا تصور موجود نہ تھا۔۔۔ سوائے اس کے کہ کفار کی مزاحمت نے تبلیغ دین میں اقتدار اعلیٰ کی ضرورت پیدا کی۔۔۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقتدار اسلامی کو عرب کی وسیع حدود تک وسعت ملی۔ تو ضروری ہوا۔۔۔ کہ ان مفتوحہ علاقوں پر اقتدار اعلیٰ قائم رہے۔ اور اس اقتدار اعلیٰ کو زمین کی وسعتوں تک پھیلا کر تبلیغِ دین میں۔ انسان کو جابر خداؤں۔ جابر حکمرانوں کی غلامی سے نجات دلا کر ان کے لیے حصولِ دین و ایمان آسان کر دیا جائے۔۔۔ اس تصور کے ساتھ۔ کہ مخلوق خدا کو تعمیل احکامِ الٰہی کے ساتھ نجاتِ آخرت حاصل ہو نہ یہ کہ مخلوق کو جابر قوتوں کی غلامی سے نجات دلا کر ان کے حصولِ دنیوی کو آسان کیا جائے۔۔۔ اسلام نے اس مقصد کو اس لیے قبول کیا۔۔۔ کہ اسلام کو حکمران حیثیت حاصل نہیں۔۔۔ انسان پیدائشی طور۔۔۔ ہر حال میں اللہ کی حاکمیت میں۔ پابند و غلام ہے لیکن اللہ کی حاکمیت ہر حال میں انسان پر مسلط ہے۔ لہذا۔۔۔ اسلام میں حاکمیت کا یہ تصور نہیں۔۔۔ کہ جابر حکمرانوں کی غلامی میں انسان اللہ کی حاکمیت کا مطیع نہیں تھا۔ اور اب اسے اللہ کی حاکمیت میں لایا جائے۔۔۔ ایسا نہیں۔ بلکہ انسان کو باطل قوتوں کی حاکمیت سے نجات دلانا۔ اس غرض سے ہے کہ اسے اقتدار اسلامی کے تحفظ میں لا کر اس کے لیے حصولِ معرفت۔ نجاتِ آخرت اور تعمیلِ احکام کے لیے راہ ہموار کی جائے۔ اور پھر جب انسان اقتدار اعلیٰ میں محفوظ ہوا۔۔۔ تو انسان ہر حاکمیت اور تسلط سے آزاد تصور ہوتا ہے۔۔۔ اس حال میں بھی۔۔۔ انسان اپنا ارادہ استعمال کرنے میں آزاد ہے۔۔۔ خواہ وہ دین پر عامل رہے یا نہ رہے۔ اس پر نہ اللہ کی حاکمیت کا جبر ہے نہ رسول اور اقتدار اعلیٰ کی حاکمیت کا جبر ہے۔ سوائے اس کے کہ تسلیم و انکار۔۔۔ تعمیل و انحراف کی جزاو سزا کا فیصلہ قیامت پر موقوف رکھا گیا۔۔۔ ہاں! انسان کو باطل قوتوں سے آزاد کر کے۔ اس کو ارادہ و اختیار میں آزاد رکھا گیا۔ اقتدار اعلیٰ کے لیے سوائے اس کے نہیں کہ وہ انسان کے لیے۔۔۔ اسلام کی طرف رغبت پانے۔ تعمیل احکام پر مائل ہونے۔ اور دل میں خوف قیامت کا جذبہ پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے۔ ایسی صورت میں انسان کے انحراف کی نوبت نہیں آتی۔۔۔ لیکن اقتدار اعلیٰ کسی انسان کو۔۔۔ بجبر یا تعزیر کے ذریعہ اسلام کی طرف مائل کرنے کا حق رکھتا ہے نہ مجاز ہے۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقتدارِ اسلامی میں۔ یہود بھی موجود تھے۔ نصاریٰ بھی موجود تھے۔ اور کفار بھی موجود تھے۔ اقتدارِ اسلامی کا ان پر کوئی تسلط نہیں تھا۔ ہر شخص اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد تھا۔ یہاں تک کہ منافقین سے بھی

بازپُرس نہ کی جاتی تھی۔ وہ اسلام دشمنی میں بھی آزاد تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خود اہل ایمان کو ہدایت کی۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۞ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج

"اور لوگوں میں جو کہتے ہیں۔ ہم ایمان لائے اللہ پر۔ اور یوم حشر[۱] پر (کہ ہم بھی حشر کے عذاب کا خوف رکھتے ہیں) وہ ایمان نہیں لائے۔ وہ اپنے مافی الضمیر کو اللہ سے اور تم سے چھپاتے ہیں۔" اس کے باوجود۔ نہ اللہ نے ان پر جبر کیا۔ نہ رسول نے۔ نہ اقتدار اعلیٰ (مومنین) نے اور وہ اپنے ارادہ و اختیار میں آزاد تھے۔ اس کے باوجود اقتدارِ اعلیٰ نے ان کے تحفظ کی ضمانت دی۔۔۔ یہ وہ وقت تھا جب اقتدارِ اعلیٰ میں حکمرانی کا تصور نہیں تھا۔۔۔ کہ وہ محکوم بن کر اقتدارِ اعلیٰ کے تسلط میں محبوس رہیں۔۔۔ نہ اقتدار اعلیٰ کے ذمہ حصول دنیا میں لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کا تصور تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد رسالت میں۔۔۔ ایک نبی و رسول۔۔۔ باقی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے لے کر ادنیٰ صحابی تک سب مومن کہلاتے تھے۔ ان میں نہ سربراہ کا تصور تھا۔ نہ لیڈر کا۔۔۔ نہ جرنیل کا نہ کسی حاکم کا۔۔۔ نہ کسی منتظم کا۔۔۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول تھے۔ باقی تابعین۔۔۔ یہی تابعین جماعت اسلامی۔۔۔ اقتدارِ اعلیٰ سے تشبیہ تھی۔۔۔ جن میں نہ دارالخلافہ تھا۔ نہ کوئی انتظامیہ نہ عدلیہ۔۔۔ ایک قرآن تھا۔ اور قرآن کی تعمیل۔۔۔ جماعتِ اسلامی میں۔ جماعت بندی کا تصور نہ تھا۔ سب اپنے کاروبار میں مصروف۔ رسول ﷺ نے پکارا، سب آپ کی پکار پر جہاں تھے۔ وہیں سے دوڑ کر رسول ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔۔۔ یہ اجتماع صرف جہاد کے لیے تھا۔ اس جماعت میں ادنیٰ و اعلیٰ کی تخصیص نہ تھی۔ ان کے پاس بس ایک قرآن اور ایک تلوار تھی۔ یہی اقتدار اعلیٰ کی واحد ہیئت تھی۔ اس اقتدارِ اعلیٰ کی اساس۔ قرآن۔ تعمیلِ قرآن۔ جذبۂ ایمانی اور تلوار۔۔۔

اسلام میں خلافت کا تصور

الغرض۔۔۔ جب حضور کے زمانے میں اقتدار اعلیٰ کو وسعت ملی۔ تو اس غرض سے کہ

---

[۱] اس آیت سے بھی اسلام کا نکتہ نظر واضح ہے۔ اللہ کی معبودیت تسلیم کرنا اور خوف قیامت کا احساس۔

باطل قوتیں اقتدار اعلیٰ کو ختم کرنے کے لیے انہیں ہلاک کر کے پھر اقتدار اعلیٰ میں آئے ہوئے علاقہ کو پھر سے اپنے تسلط میں لے کر مخلوق کو اپنا محکوم بنا کر ان کے لیے ہدایت کے راستے بند کر کے انہیں اسلام کی نعمت سے محروم کریں۔ تو اس حیثیت میں خطۂ زمین کو اپنے زیر تسلط محکوم رکھنا لازمی تھا۔۔۔ جس کے لیے ضروری تھا کہ ساکنینِ ارض کے لیے ان کی ضروریات کا پورا کرنا اقتدار اعلیٰ کے ذمہ ہوتا کہ وہ دنیوی حیثیت میں اقتدار اعلیٰ کے آگے مجبور و محکوم تصور نہ ہوں۔ اور اسکی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ضرورت محسوس ہوئی۔۔۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایسا تصور قائم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ تبلیغ دین میں اقتدار اسلامی کے قیام و بقا کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد۔ قائم مقام نائب رسول کی ضرورت ضرور تھی۔ صرف تبلیغ دین کے تصور میں خلیفہ کی ضرورت تھی۔۔۔ اور اقتدار اسلامی کے تحفظ کے لیے ایک ایسے امیر کی ضرورت تھی۔ جو امور ملکی میں تدبر و سیاست سے باطل قوتوں کے خاتمہ اور ان کے حملوں سے اقتدار اعلیٰ کا تحفظ کر سکے۔ جس میں خلیفہ کے تقرر کے لیے۔۔۔ اللہ اور رسول کے وضع کردہ ضوابط مقرر تھے۔ کہ

(۱) کائنات اور انسان پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مسلط ہے۔ جس کے لیے مخلوق کو اللہ کے مقابلہ میں کسی حاکم کے منتخب کرنے کا اختیار نہیں۔ ہر انسان نے اللہ کے احکام کے تحت چلنا ہے۔ اس حکم کی تعمیل میں غالب عنصر انسانی فلاح کا ہے۔ یہ حکم۔۔ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ تم ایک دوسرے کے دشمن بنو گے۔۔۔ انسان۔۔۔ انسان کو محکوم بنا کر ظلم ڈھائے گا۔ میری تعمیل کے راستے تمہارے لیے بند کر دے گا۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

"پس میں اصلاح انسانی کے لیے اصلاحی احکام بھیجوں گا پس ہر شخص ان احکام کو قبول کرنے میں آزاد ہے۔ میں اس پر جبر نہیں کروں گا۔"

وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝

"اور جس نے میری ہدایت کی اتباع کی اسے قیامت کے عذاب کا نہ خوف ہو گا نہ غم۔۔۔"

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝

"اور جو میرے اسلامی احکام پر تعمیل کرنے سے انکار کرے اور میری آیتوں کو جھٹلائے۔۔ اس پر بھی جبر نہیں۔۔۔ البتہ ان کے اعمال کے نتیجہ میں ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا قیامت کے دن اور وہ اس عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔۔۔"

یہ ہے الہی انتخاب۔۔۔ دوسرا۔۔۔ دوسرے مرحلہ پر بھی انتخاب۔۔۔ انسان کا نہیں۔ بلکہ اللہ کا ہے۔۔۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِهٖ - اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ -

"نہیں بھیجا میں نے رسول۔۔۔ مگر اطاعت کے لیے۔۔۔ یہ میرے حکم سے بھیجا جاتا ہے۔ اس کے انتخاب کا کسی انسان کو حق نہیں۔۔۔ پس تم میرے حکم کے ساتھ اس کی اطاعت کرو۔۔" یہ رسول منجانب اللہ منتخب ہوتا ہے۔۔۔ اسی رسول کے ذریعہ اللہ کے اصلاحی احکام کا نفاذ ہوتا ہے۔۔۔ ہاں! یہ منتخب نبی ہے۔ جو کچھ یہ تم کو اپنی طرف سے بھی حکم دے اس کی بھی تعمیل کرو۔۔۔

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ -

"جو کچھ رسول تمہیں حکم دے اس حکم کو بھی قبول کرو۔۔۔" تیسرے۔ "اولی الامر"۔۔۔ لوگوں میں سے رسول کی تعلیم پر عمل کرنے والے۔۔۔ نائب رسول۔۔۔ اس سے اول اللہ اشارہ کرتا ہے کہ اولی الامر کی اطاعت کرو۔ دوسرے جسے رسول منتخب کرے اس کے حکم کی تعمیل کرو۔۔۔ اس حکم میں ایک حکمِ اللہ کے اصلاحی احکام۔ پھر رسول کے اپنے وضع کردہ دین سے متعلق اصلاحی احکام۔۔۔ پھر رسول کے منتخب کردہ۔ خلیفہ کی اتباع میں اللہ کے اصلاحی احکام کی تعمیل۔۔۔ چونکہ یہ بھی اللہ و رسول کا منتخب کردہ خلیفہ ہے۔ اس لیے اس کے وضع کردہ دین سے متعلق احکام کی تعمیل کرنا لازم ہے۔ ان تینوں حیثیتوں میں انسان کو انتخاب کا حق نہیں دیا گیا۔۔۔ بس یہی تین مدارج ہیں حاکمیت کے اور انتخاب کے۔ لہذا عوام کو کسی حیثیت میں انتخاب کا حق حاصل نہیں۔۔۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت۔ (منکم) میں سے کسی شخصیت کے انتخاب کی شرط مقرر کی جو اولی الامر کے زمرہ میں آتا ہے۔

اسلام میں خلیفہ کے لیے خصوصی شرائط

(۱) خلیفہ صرف تبلیغ دین اجرائے قرآن کیلئے منتخب ہوگا۔

(۲) خلیفہ کا قرآنی علم پر بدرجہ اولیٰ عبور ہو۔
(۳) خلیفہ کا--- قرآنی علم--- احکام الٰہی--- اور اسوۂ رسول پر بدرجہ اولیٰ تقویٰ کے ساتھ عامل اور پابند ہونا لازمی ہے۔ نیز یہ شرط بھی ہونا لازم ہے کہ قرآنی متشابہات کے علم میں صاحبِ مشاہدہ ہونا--- صاحبِ معرفت ہونا افضل ہے۔
(۴) قرآنی علم کے نفاذ میں۔ صاحب القا--- صاحب حکمت و تدبر۔ صاحب اجتہاد ہو--- تاکہ وقت کے تقاضوں کے مطابق--- ہر ذہن کی تسکین و آمادگی کے لیے اپنے اجتہاد سے لوگوں تک علم پہنچائے--- جس میں کسی انحراف کی گنجائش نہ رہے۔ یہ شرائط اس حد تک ہونا لازمی ہیں جس حد تک دین خالص طریقہ سے جاری ہو۔
(۵) اسکے بعد جب اقتدار اسلامی کی بقا و وسعت دین میں شامل ہو۔ تو ان شرائط کے ساتھ--- باطل قوتوں کے ساتھ معرکہ آرائی میں اقتدارِ اسلامی کی بقاء و وسعت میں سربراہی کی اہلیت ہیں۔ تدبر و سیاست میں صاحبِ فراست ہو۔ ان شرائط کے بغیر کسی فرد کو نہ خود خلیفہ ہونے کا حق ہے۔ نہ امت کو اس کا حق حاصل ہے کہ وہ کسی کا انتخاب کریں--- سوائے اس کے کہ خلیفہ (یا امت کے صاحب علم افراد) کے منتخب کردہ مومنین میں سے ایک جماعت (جو قرآن و حدیث و فقہ اور اجتہاد میں بدرجہ اولیٰ کامل ہو) تشکیل دی جائے اور اسی جماعت کی مشاورت سے آئندہ خلیفہ کا انتخاب ہونا مقرر ہو۔

بعد رسول خلیفہ کا کسی دوسرے شخص کو اقتدار اعلیٰ سپرد کرنا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ تم اپنے معاملات میں اللہ اور رسول اور اولی الامر[1] کی طرف رجوع کرو--- اور اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ آپس میں معاملات طے کرو۔ جماعت اسلامی کے باقی مومنین جو تقویٰ و عبادت اور فہم و تدبر میں کامل درک رکھنے والے ہوں--- انہیں شرائط پر سب سے اعلیٰ شخصیت کا انتخاب کریں گے۔ اس میں یا تو خود خلیفہ ایسی شخصیت کا انتخاب کرے جو امت کے لیے قابل قبول ہوگا--- اس میں بھی امت کو انتخاب کرنے کی اجازت نہیں۔ سوائے مجلس شوریٰ کے۔ جو اعلیٰ صاحب قرآن جماعت اسلامی پر مشتمل ہو--- اس امر میں (شُوْرٰی بَیْنَهُمْ) مجلس شوریٰ کے ذمہ ایک اجتہادی فکر لازم ہے۔ وہ یہ کہ جب تبلیغ دین میں اقتدار اعلیٰ[2] کی بقاء لازم قرار دی گئی ہے۔ تو ایسی صورت میں دین سے متعلق شرائط

---

[1] اولی الامر سے مراد خلیفۃ المومنین

[2] کیونکہ اسلام کی بقا اقتدار اسلامی کی بقا پر منحصر کی گئی۔ تاریخ الخلفا کا پُر غور مطالعہ کرنے سے
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(نمبر۱-۲-۳-۴) میں کمی یا نقص کی صورت میں ایسے فرد کا انتخاب لازمی ہے۔ جو اقتدار اعلیٰ کی بقاء وسعت میں تدبر و سیاست میں اعلیٰ فہم و فراست رکھتا ہو۔۔۔ لیکن اس کے لیے بھی دین سے متعلق چار شرائط کا ہونا، لازمی ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ سیاست و تدبر میں کامل ہو اور دین کی تعمیل میں قطعی ناقص ہو۔ ایسے شخص کا انتخاب جائز نہیں۔۔۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت سے لے کر خلفائے اربعہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمر بن الخطاب فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت تک۔ دین اسلام۔ اور اقتدار اسلامی

(بقیہ حاشیہ صـ۱۱۱)

معلوم ہوگا کہ حضرت عثمانؓ بھی کسی حد تک حضرت امیر معاویہؓ کے نظریہ سے متفق تھے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے اس نظریہ کے تحت بعض اجتہادی اصلاحیں کیں لیکن اس وقت یہ قباحت پیدا ہوئی کہ صحابہ میں ------ مجلس شوریٰ سے سوا عمومی حیثیت میں لوگوں نے امورِ خلافت میں دخل دینا شروع کیا۔ جبکہ سوائے مجلس شوریٰ کے کسی عامی کو دخل دینا مناسب نہ تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مجلس شوریٰ کی اپنی حیثیت برقرار نہ رہ سکی۔ عام لوگوں نے خلیفہ پر نکتہ چینی شروع کی۔ ایسے موقع پر یہود و نصاریٰ، منافقین کو فتنہ اٹھانے کا موقع ملا۔ انہوں نے مومنین کی صفوں میں گھس کر فتنہ بھڑکایا --- جو حضرت عثمانؓ کی شہادت کا اصل سبب تھا۔ دیکھا جائے تو مورخین نے اس فتنہ کے بنیادی سبب کو نظر انداز کیا۔ الٰہی حکم کے تابع۔ سوائے رسول۔ صحابہ اور مجلس شوریٰ کے۔ عام اہل اسلام کو امورِ خلافت میں دخل دینا جائز نہ تھا۔ ان کے دخل دینے سے منافقین کو فتنہ پیدا کرنے کا بہتر موقع ملا۔ جس وجہ سے حضرت عثمانؓ کے خلاف جو بھی فتنے پیدا کیے گئے وہ یہود و نصاریٰ کے سوچے سمجھے منصوبہ اور سازش کے تحت بنائے گئے جن کی دراصل کوئی حقیقت نہ تھی۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب اور تربیت یافتہ اولوالعزم صحابی سے اس قسم کی لغزشیں کسی صورت بھی منسوب کرنا صحیح نہیں ہو سکتیں ----- اس حال میں کہ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں مجلسِ مشاورت کے بہت سے ارکان موجود تھے جن سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشورہ و رائے حاصل کرکے ہر کام کرتے تھے ایسا نہیں تھا کہ امور خلافت میں حضرت عثمانؓ محض اپنے ذاتی اجتہاد سے بغیر مجلسِ مشاورت کی رائے پوچھے کوئی کام کرتے جو خلاف قرآن و حدیث ثابت ہو سکتا تھا۔ لہذا اقتدار اسلامی میں وقت اور حالات کے مطابق ضروری تھا کہ اقتدار اسلامی کی وسعت۔ قوت اور تحفظ کے لیے اجتہاد سے کام لے کر اصلاحات کی جاتیں۔ جن میں مجلسِ مشاورت کی آراء شامل تھیں۔

میں خلافت کا یہی اصول قائم رہا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب فرمایا۔۔۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔۔۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد رسالت میں اقتدار اسلامی کو عرب و عجم کی وسیع سرزمین تک وسعت ملی۔۔۔ اور اقتدار اسلامی نے ایک حکمران حیثیت حاصل کی۔ لہذا اتنی وسیع سرزمین پر اندرونی معاشی نظام کی ایک نئی ذمہ داری اقتدار اسلامی کے سپرد ہوئی۔ اس لیے اندرونی نظام کی تکمیل اور بیرونی باطل طاقتوں کی معرکہ آرائی سے تحفظ اور وسعت کو اولیت دینے کی بھی ضرورت محسوس ہوئی۔۔۔ اس لیے ضروری ہوا کہ خلیفہ کے انتخاب میں دینی شرائط کے ساتھ۔۔۔ اقتدار اسلامی کے تحفظ و بقاء کے لیے ایک اعلیٰ صاحب تدبر و سیاست کی اہم ضرورت کو بھی لازم رکھا گیا۔ اس سلسلہ میں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عمرؓ کا انتخاب محض اجرائے دین۔ الدین الاسلام کی بقاء دوام کیلئے۔ خلیفہ کا شرائط دینی کے مطابق۔ کہ امت میں ایک فرد۔ قرآن و حدیث کا اولیٰ علم رکھنے والا ہو۔۔۔ امت مسلمہ میں بدرجہ اولیٰ صاحب علم اور عمل میں اکمل ہو۔۔۔ اجرائے دین الاسلام۔ قرآن و حدیث میں۔ صاحب علم و فقہ و اجتہاد میں تمام امت میں کامل اکمل ہو۔ الدین کے اعمال پورے کرنے والا۔ اکمل صاحب عمل ہو۔۔۔ جس کا انتخاب۔ خود ایک خلیفہ سے ہو۔ باقی امت مسلمہ ایک شخص کی تمام صلاحیتوں کا اندازہ نہیں کر سکتی۔ اس لیے امت کے ذریعہ کسی خلیفہ کا انتخاب جائز نہیں۔ بلکہ خلاف شرع ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا خلیفہ کیلئے انتخاب ہونا۔ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ سے انتخاب ہوا۔ آپؓ کے انتخاب پر حضرت عمرؓ کو خلافت کے لیے چنا گیا۔۔۔ اور آپ کی وفات کے بعد۔۔۔ امت مسلمہ میں۔۔۔ ایک تو کئی ایسے افراد (صحابہ) موجود تھے۔ جو خلافت کیلئے منتخب ہو سکتے تھے لیکن ان کا انتخاب ایک ساتھ بیک وقت نہ ہو سکتا تھا۔ کہ حضرت عمرؓ خود ایسے اصحاب میں کسی ایک کا انتخاب کرتے۔ لہذا آپؓ نے انتخاب خلیفہ میں ایک نئی طرح ڈالی کہ امت کے چیدہ اصحاب کی ایک جماعت میں اجرائے الدین الاسلام۔۔۔ اجرائے قرآن و حدیث۔۔۔ اجرائے شریعت اسلامی کیلئے خلافت اسلامی۔۔۔ یا اقتدار اسلامی (جو کسی نہ تک ایک حکومت کی ہیئت اختیار کر چکی تھی) تشکیل دی۔۔۔ یہ جماعت قرآنی آیت کے مطابق اللہ کے حکم کے مطابق لازم تھی کہ

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ

اللہ کی اطاعت کے بعد۔ رسول ﷺ کی اطاعت اور رسول ﷺ کی اطاعت کے بعد

امت میں (خلافت کیلئے) انتخاب۔ اصحاب رسول اللہ ﷺ میں۔ صاحبِ علم و عمل۔ متقی۔ دانشمند۔ صاحب تدبر اشخاص کی ایک جماعت میں سے۔ اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک فرد کی اطاعت کی جائے۔ چنانچہ اسی قرآنی حکم کے بعد۔ خلافت اسلامی یا اقتدار اعلیٰ میں پانچ اصحاب کا انتخاب حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ جو مجلس شوریٰ کے نام سے موسوم ہوتی ہے۔ اسی مجلس شوریٰ میں خود مجلس شوریٰ نے اپنے میں سے حضرت عثمانؓ کا انتخاب فرمایا۔ گویا حضور ﷺ کے مقام رسالت و نبوت کے بعد حضور ﷺ کی بنا کردہ۔ خلافت اسلامی کیلئے۔ ایک خلیفہ (خلیفۃ المومنین) اور خلیفہ اسلام کا ہونا لازم و ضروری ہوا۔ جو شرائط کے ساتھ۔۔۔ منتخب کیا جائے گا۔ یعنی گذشتہ واقعات کے مطابق۔ خلافت اسلامی میں ایک خلیفہ کا انتخاب۔ یا منتخب ہونا شرائط دینی کے ساتھ مقرر ہوگا یعنی

(۱) الدین الاسلام کیلئے ایک النبی۔ کا بحیثیت الرسول۔ خود اللہ انتخاب کرتا ہے۔

(۲) الدین الاسلام۔ اجرائے قرآن و حدیث کیلئے ایک امت مسلمہ کے ایک فرد کا انتخاب ایک خلیفہ کے ذریعہ ہوگا۔ اس حال میں کہ حضور ﷺ نے خود حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب فرمایا۔

(۳) الدین الاسلام۔ اور خلافت اسلامی کیلئے۔ بنیادی مقصد اجرائے الدین۔ قرآن و حدیث کے ساتھ۔ اقتدار اعلیٰ کی وسعت اور استحکام کیلئے ایک خلیفہ کے ذریعہ ہی سے خلیفہ کا انتخاب ہوسکتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بحیثیت خلیفہ۔۔۔ اپنی زندگی۔۔۔ دور خلافت میں حضرت عمرؓ کو بحیثیت خلیفہ منتخب فرمایا۔۔۔ علیٰ ہذا القیاس۔۔۔ وقت کے حالات کے مطابق حضرت عمرؓ نے امت مسلمہ میں مجلس شوریٰ کو تشکیل دیا اور اسی مجلس شوریٰ کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کا بحیثیت خلیفہ انتخاب ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چند مخصوص شخصیتوں کی نشاندہی فرمائی۔ جن میں حضرت علیؓ۔ عثمانؓ۔ طلحہؓ۔ زبیرؓ۔ عبدالرحمن بن عوفؓ۔ اور سعد بن ابی وقاصؓ قابل انتخاب شخصیتیں قرار دی گئیں۔ اس انتخاب میں اقتدار اعلیٰ کے تحفظ و وسعت کا خصوصی خیال رکھا گیا۔ اس انتخاب میں بھی بحیثیت عمومی امت کو انتخاب کا حق حاصل ہونا ازروئے شریعت اسلامی جائز قرار نہیں دیا گیا۔۔۔ چنانچہ جماعت اسلامی کی مجلس شوریٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو۔۔۔ بدیں وجہ کہ انہیں قرب رسول اللہ حاصل تھا۔ اور خود صاحب تدبر و سیاست تھے۔ منتخب کیا۔ آپ کے عہد خلافت میں دین کی حیثیت برقرار رہی۔۔۔ اور اقتدار اسلامی کو بھی تحفظ و وسعت میسر آئی۔۔۔ لیکن اس دور میں بعض صحابہ کبار جن میں حضرت امیر معاویہؓ۔ حضرت عمرو ابن العاصؓ اور بعض دیگر صحابہ،

عظیم مدبر سیاست داں ہستیاں شامل تھیں۔ ان کے نزدیک ایک عظیم و وسیع خلافت اسلامی کی بقا و تحفظ کے لیے۔ جبکہ اقتدار اسلامی میں مادی وسائل کو بروئے کار لانا ضروری تھا۔ ایک خلیفہ کے لیے۔ شرائط خلیفہ کے ساتھ ایک مدبر سیاست داں کی خصوصیت کا شامل ہونا لازمی تھا۔ یا خلیفہ کا مدبر سیاست داں ہونا ضروری سمجھا گیا۔ ان شخصیتوں میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس امر کا زیادہ احساس کیا۔۔۔ ان کے اس احساس کو اس امر سے بھی تقویت ملتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شام کا امیر مقرر کیا گیا۔ آپ دین کے اعتبار سے حد درجہ متقی و پرہیزگار۔۔۔ قرآن و سنت پر عامل ہونے کے علاوہ تدبر و سیاست میں اعلیٰ فہم و فراست کے مالک تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی بھی رہے ہیں۔ حضور ﷺ نے آپ کے لیے دعا بھی فرمائی کہ "اے اللہ معاویہ کے علم میں زیادتی کر"۔ آپ نے تبلیغ دین میں اقتدار اسلامی کے عمل میں آسانی کے مد نظر ایک اجتہادی طرز وضع کی۔ کہ اپنے لیے ایک محل بنایا۔۔۔ اور شاہانہ لباس استعمال کیا۔۔۔ وہ اس نظریہ کے تحت کہ آپ نے گذشتہ دورِ باطل کا جائزہ لے کر اندازہ کیا۔۔۔ کہ وہ لوگ مدتوں سے باطل کے جابر حکمرانوں کی دہشت سے مرعوب ہو کر ان کے محکوم رہے۔ ان کے ذہنوں پر ابھی تک دہشت زدگی کے آثار موجود ہیں لہذا اقتدارِ اسلامی میں شاہانہ رعب و جلال قائم ہونے سے لوگ متاثر ہو کر دینِ اسلام۔۔۔ یا اقتدار اسلامی کی طرف رجوع کریں گے۔ اس طرح لوگوں کو دین میں داخل ہونے میں آسانی ہو گی۔ دوسرے اقتدارِ اسلامی کے شاہانہ رعب و جلال کو دیکھ کر باطل قوتوں کو خلافت اسلامی پر یلغار کرنے کی جرأت پیدا نہ ہو سکے گی۔ اس طرح تحفظ اقتدارِ اسلامی میں آسانی ہو گی۔ جبکہ کسی شخص کا دین میں داخل ہونا محض اس کی اصلاح کے لیے تھا۔ نہ کہ محکومی کے لیے۔۔۔ مگر جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو یہ اطلاع دی گئی کہ حضرت امیر معاویہؓ نے محل تعمیر کیا ہے۔ اور شاہانہ لباس پہنا ہے۔ تو آپ نے اس محل کو مسمار کرا دیا۔ اور حضرت امیر معاویہ کا شاہانہ لباس اتروا دیا۔ لیکن یہ طریق حضرت امیر معاویہ کے نزدیک مناسب تھا۔۔۔ کیونکہ آپ نے اپنی خواہشِ نفس کے زیر اثر نہ محل بنایا تھا۔ نہ ایسا لباس وہ خود پسند کرتے تھے۔ یہ اقتدارِ اعلیٰ کی مادی حیثیت قائم کرنے کا ایک نیا انداز تھا۔۔۔ اور اس خیال سے بھی۔۔۔ کہ آئندہ آنے والے زمانوں میں اہل اسلام میں کسی طور تعمیل دین میں فرق آنے سے "وہ جذبۂ ایمانی معدوم نہ ہو جائے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء رسول ﷺ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں تھا۔ اس خیال کے مد نظر جب کہ اقتدار اسلامی میں بے شمار دولت اور

سرمایہ وسیع خطہ ارضی اور اقتدار اسلامی کی فتوحات سے۔ دنیا پر رعب و جلال طاری ہو چکا تھا۔ انہوں نے مادی اقتدار اعلیٰ کو ذریعہ ہدایت بنانا ضروری سمجھا کہ یہ حیثیت اہل اسلام میں بہر طور طویل زمانہ تک قائم رہ سکے گی۔ اس طرح اقتدار اسلامی کو طویل زمانہ تک استحکام میسر ہو گا۔۔۔ لیکن چونکہ حضرت عمر فاروقؓ کا حکم تھا۔ اس لیے اس حکم کے خلاف نہ آواز اٹھانے کی جرأت ہوئی نہ اپنی رائے پیش کرنے کی جرأت ہوئی۔ کیونکہ یہ اصحاب سنت نبوی ﷺ کے خلاف ذرہ بھر قدم باہر رکھنے کو پسند نہ کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلافت پر فائز ہونے کے ساتھ ہی۔۔۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر منافقین نے بغاوت شروع کی تو صحابہؓ نے بلکہ خود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے بھیجے ہوئے لشکر کو مدینہ میں روکنے کی رائے دی۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ بدیں وجہ یہ لشکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھیجا ہوا لشکر ہے۔ اس لئے اس لشکر کو کسی طرح بھی روکا نہ جائے گا۔ اس وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ کو اپنا منصوبہ روبہ عمل لانے کا موقع نہ ملا۔۔۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں چند ایسی اصلاحیں کیں جو حضرت معاویہؓ کے نظریہ سے ملتی تھیں۔ اس وجہ سے حضرت امیر معاویہؓ نے قطع نظر اس کے کہ اقتدار اعلیٰ میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے دینی شرائط (جو گذشتہ ۱، ۲، ۳، ۴ میں بیان کی گئیں) کا پابند رہ کر خلافت پر مامور ہونا تھا۔ مادی ذرائع کے استعمال۔۔۔ اور خلیفہ کے لئے۔ مدبر سیاست داں ہونے کو اولیت دینا لازمی سمجھا۔ جس میں سنت نبوی ﷺ کے مطابق خالص شرعی اصولوں پر اقتدار اعلیٰ کے قیام کو ثانوی حیثیت ملتی تھی۔ اس اصول کے مطابق اس سے قبل۔۔۔ بیت المال کی دولت صرف غربا و مساکین اور چندے اقتدار اعلیٰ کے تحفظ کے لئے سامان حرب اور دیگر ضروریات کی فراہمی پر ہی خرچ کی جاتی۔۔۔ لیکن اب بیت المال کی رقم کو ایسی مدوں میں خرچ کیا جانے لگا۔ جن پر طریق سنت کے مطابق خرچ کرنا جائز تصور نہ کیا جاتا تھا۔ نہ ازروئے قرآن ایسی مدوں پر بیت المال کی رقم خرچ کرنے کا کوئی قرآنی حکم جاری ہوا تھا۔ ان مدوں میں۔۔۔ قبیلہ کے سرداروں کو بیت المال سے دولت دی گئی۔۔۔ تاکہ مختلف قبائل کی اقتدار اسلامی کو حمایت حاصل رہے۔ اسی طرح بعض ایسے لوگوں کو روپیہ دیا گیا جو اقتدار اسلامی میں خلیفہ کے معاون و حامی تھے۔ ان میں اکثر لوگ خلیفہ کے رشتہ داروں میں سے تھے کیونکہ عزیز ہونے کی صورت میں ان سے معاونت و حمایت کی زیادہ توقع کی جاتی تھی۔ البتہ اس عمل میں کنبہ پروری کا جذبہ کارفرما نہ تھا۔ بلکہ اجرائے دین میں اقتدار اعلیٰ کی تحفظ و سالمیت کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ ایسے ہی واقعات سے جب

عامۃ المسلمین نے اعتراضات شروع کئے کہ یہ طریق سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ چنانچہ تاریخ طبری اور تاریخ ابنِ خلدون میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نظریہ کے خلاف حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا احتجاج اسی نوعیت کا تھا کہ خلافت کو طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم طریق صدیقیؓ اور طریق فاروقیؓ کے سوا کسی اجتہادی طریق کو اجرائے دین وخلافت میں شامل نہ کیا جائے۔۔۔ تو حضرت عثمانؓ نے آپ کے احتجاج کو خلیفہ وقت کے عملی منصوبہ میں رخنہ اندازی اور دخل اندازی کے بدِ نظر شہر بدر کر دیا کہ یہ امر خلافتِ اسلامی میں فتنہ کا سبب بن سکتا تھا۔ جبکہ موقع اور وقت کی نزاکت کے تحت۔ خلیفہ کا امورِ خلافت میں اجتہاد کرنا اشد ضروری تھا۔ تو صورت یہ پیدا ہوئی کہ اقتدار اعلیٰ سے منسلک قریبی حلقوں اور معترضین کے درمیان دلی رنجش اور اختلافاتِ پیدا ہو کر امت دو نظریوں کی صورت میں دو جماعتوں میں بٹ گئی۔۔۔ ان میں ایک جماعت مومنین کی تھی۔۔۔ جو طریق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق خلافت کو چلانے کی شدت سے حامی تھی۔ دوسری جماعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نظریہ کی حمایت میں اقتدار اعلیٰ کے قیام میں وقت کی نزاکت کے تابع اجتہادی صورت میں بعض اصلاحیں کرنے کی حامی تھی۔ اور اتنی اختلاف میں جمعیت المسلمین نے بحیثیت مجموعی حصہ لینا شروع کیا۔۔۔ جبکہ اصول شریعت کے تابع۔ ایسے امور میں صرف خلیفہ اور مجلسِ مشاورت کے ارکان کے سوا۔۔۔ جمعیت مسلمین کو اعتراضات و اختلافات پیدا کرنے کا حق نہیں تھا۔ اس طرح مجلس شوریٰ کی حیثیت برقرار نہ رہ سکی اور ہر شخص نے خلیفہ پر اعتراضات کرنا شروع کئے۔ ایسے موقع پر منافقین نے (جو ظاہراً خود کو مومن جتلاتے تھے) اس فساد میں شامل ہو کر واقعات کو گھناؤنے روپ دے کر دو جماعتوں کے درمیان سازش کر کے فساد کی آگ کو بھڑکا دیا۔۔۔ دیکھا جائے۔ جہاں تک دین اسلام اور اقتدار اسلامی کے تحفظ کا تصور تھا۔۔۔ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ صحیح نظریہ پر قائم تھے۔ مگر منافقین نے ایسے واقعات پیدا کر دیئے کہ ہر دو فریق کے درمیان اختلاف کی خلیج وسیع ہو گئی۔ یہاں تک کہ منافقین نے دونوں فریقوں کو کشت و خون تک پہنچایا۔۔۔ یہی اسباب تھے جن پر شہادتِ عثمانؓ کا اندوہناک واقعہ پیش آیا۔۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے نظریہ کو تقویت دینے کے لیے عملی اقدام شروع کیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد۔۔۔ نہ خلیفہ کی حیثیت باقی رہی۔ نہ مجلس شوریٰ کی۔۔۔ دونوں فریقوں میں دو مخالف جماعتوں کی صورت میں خلافت کے انتخاب پر نزاع پیدا ہوا۔۔۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد ازروئے سنت نبوی ﷺ۔۔۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی مقررہ شرائط کے مطابق

خلافت کے لائق تھے۔ مگر دوسری طرف حضرت امیر معاویہ کی حمایت میں بھی صحابہؓ اور عامۃ المسلمین کی جماعت ان کے نظریہ کی حامی[1] تھی۔۔۔ جن کے نزدیک خلافت کے لیے ایک مدبر سیاست دان ہونے کی حیثیت میں حضرت امیر معاویہؓ کو خلافت سپرد کرنا۔۔۔ اقتدار اسلامی کے تحفظ و وسعت کے لیے زیادہ بہتر تصور کیا جاتا تھا۔۔۔ اس خیال سے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔۔۔ ایک تو خلافت کو طریق نبوی ﷺ کی شرائط پر چلانے کے حامی تھے۔ دوسرے تدبر و سیاست کے اعتبار سے حضرت معاویہ کو حضرت علیؓ کے مقابل زیادہ اہل سمجھا جاتا تھا۔ یہی وہ بنیادی اختلاف تھا جو حصول خلافت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان۔ جنگ صفین کا سبب بنا۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک عظیم سانحہ تھی۔۔۔ اس شہادت میں پس پردہ یہود کی سازش کار فرما تھی۔ ادھر اس واقعہ کی شہادت میں۔۔۔ دو فریق میں سے ایک فریق کو مجرم گردانا جاتا تھا۔ اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حامیوں نے۔۔۔ جن میں حضرت امیر معاویہؓ پیش پیش تھے۔ اس قتل کو (جب کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقربین میں سے تھے)۔ ازروئے شریعت ناجائز قرار دے کر۔ قصاص کا مطالبہ کیا۔۔۔ اور جب عامۃ المسلمین میں ایک جماعت نے حضرت علیؓ کو خلافت کا حقدار قرار دیا۔۔۔ اور انہیں خلافت کے لیے مجبور کیا گیا۔۔۔ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت کا دعوئے نہیں کیا۔۔۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ تسلیم کرنے سے پہلے آپ سے حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا مطالبہ کیا۔ لیکن اس وقت جب دونوں فریق۔ دینِ اسلام کے دعویدار تھے۔ اور عامۃ المسلمین میں پیدا کئے ہوئے غیض و غضب میں یہ ممکن نہ تھا۔ کہ جماعتِ اسلامی میں مزید فتنہ کو فروغ دینے کے مدنظر فوری طور پر قاتلانِ حضرت عثمان کا محاسبہ کیا جاتا۔ حضرت علیؓ کی مصلحت بینی نے منافقین کو یہ موقع

---

[1] یہاں تک کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ بھی جو ایک عظیم محدثہ اور مجتہدہ کا مقام رکھتی تھیں۔ نظریہ معاویہ رضی اللہ عنہ کی حامی تھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اسی بنیادی نظریہ پر اختلاف میں حضرت عائشہ صدیقہؓ نے محض حضرت امیر معاویہؓ کے اسی اجتہادی نظریہ کی حمایت میں معرکہ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جنگ کی۔ ورنہ بلاوجہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا دو اصحاب کے درمیان جنگ میں کسی فریق (حضرت علیؓ) کے خلاف جنگ میں شامل ہونا لازمی نہ تھا۔

دیا۔۔۔ دوسرے حضرت عثمانؓ کے حامیوں نے اس تاخیر کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عدم توجہ کا تاثر دے کر۔ آپ کے خلاف بھی آواز اٹھائی۔۔۔ چنانچہ اس انتقامی کاروائی نے خلافت۔کے مسئلہ کو درمیان میں لا کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اطاعت سے انحراف کیا۔ جب یہ صورت پیدا ہوئی۔ تو حضرت امیر معاویہؓ نے بھی حضرت علیؓ کی اطاعت سے انحراف کر کے خود اقتدار اسلامی کو اپنے ہاتھ میں لینے کا اقدام کیا۔۔۔ یہاں تک کہ ان واقعات کا آخری نتیجہ جنگ صفین کی صورت میں رونما ہوا۔۔۔

اس مقام پر چند حقائق کا بہ نظر عمیق تجزیہ کرنا ضروری ہے۔۔۔ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت سے لے کر جنگ صفین کے واقعات پر ازروئے قرآن اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں تحقیق کی جائے۔۔۔ اس مقام پر مورخین نے جو تاریخ ترتیب دی ہے۔ انہوں نے تاریخ کی تدوین کو سطحی نظر سے تحقیق میں لا کر بنیادی اسباب پر نظر نہیں ڈالی۔ وہ ہے خلافت کا بنیادی تصور۔۔۔ کہ آیا۔۔۔ خلافت اسلامی کا حقیقی تصور کیا ہے۔

وہ ہے۔۔۔ کائنات۔۔۔ یا مخلوق پر کسی شخصیت کو حاکمیت کا حق حاصل ہونا۔ قرآن نے واضح الفاظ میں بیان کیا۔۔۔ کہ کائنات کا حاکم اعلیٰ احکم الحاکمین۔ اللہ ہے۔

وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ

اللہ خالق ہے۔ باقی سب مخلوق۔ عبد۔۔۔ اس اعتبار سے حاکمیت اللہ کو لازم ہے اس کی حاکمیت میں کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔۔۔ اس حال میں کہ انسان عبدیت (غلامی) کی حیثیت سے کسی موقع پر باہر نہیں ہو سکتا۔ (۲) دوسری نوعیت رسول کی ہے۔۔۔

اللہ تعالیٰ خود اپنی طرف سے ایک رسول کو منتخب کر کے حاکم بنا کر بھیجتا ہے۔۔۔ اس انتخاب میں بھی۔۔۔ کسی بندے۔۔۔ عبد۔۔۔ کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔۔۔ لہذا بندے کے لیے، رسول کی اطاعت لازم ہے۔ جس میں بندہ رسول کے کسی فعل پر۔۔۔ نہ سوال کر سکتا ہے نہ اعتراض۔۔۔ لازم ہوا۔۔۔ کہ ایسے حاکم پر۔ بندے کو۔ اعتراض کرنے کا حق حاصل نہیں۔

تیسری نوعیت رسول اپنی امت میں۔۔۔ اپنے تابعین میں سے کسی فرد کو بحیثیت حاکم منتخب کرتا ہے۔ لہذا۔۔ ایسے حاکم پر۔۔۔ بندے کو نہ اعتراض کا حق حاصل ہے نہ انتخاب کا حق حاصل ہے۔۔۔ اب رہا سوال حاکمیت کا کیا تصور ہے؟

اللہ کی حاکمیت--- وہ خالق ہے--- اور بندہ مخلوق--- خالق کو مخلوق پر فطری طور حاکمیت کا حق حاصل ہے۔ کہ بندہ اس کی ملکیت ہے--- یہ حاکمیت کا حقیقی پہلو ہے اور دوسرا پہلو "ھُدیٰ" یعنی ہدایت کا--- یعنی حاکم کا حکم بھیجنا ہے--- اس حکم میں ذات کا واسطہ نہیں--- "کہ میرا حکم مانو"--- نہیں--- بلکہ۔ کائنات فطرت میں جو نظام اس نے پیدا کیا--- اس کے بگاڑنے میں اپنی طرف سے کوئی غلط اقدام نہ کرو--- اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا--- جیسے ایک انسان ایک مضبوط چٹان سے سر ٹکرا کر "خود کو" پاش پاش کر دیتا ہے--- لہذا اللہ تعالیٰ نے ایسے اقدام سے باز رکھنے کے لیے--- ایک اصلاحی ضابطہ مرتب کر۔کے "حکم" دیا--- کہ اس "ضابطہ کی پیروی کرو"--- یہ بھی حکم ہے۔ مگر اس حکم میں ذات کا واسطہ نہیں--- بلکہ اس حکم میں فلاحِ انسانی مقصود ہے۔ البتہ اس مقام پر انسان کو بھی ایک اختیار دیا--- کہ اس حکم کی تعمیل میں تمہیں اختیار ہے۔ قبول کرو یا نہ کرو--- مگر اس مقام پر اللہ کے حکم کو فوقیت حاصل ہے۔ کہ "حکم مانو"--- عدول حکمی میں خود انسان کے لیے تباہی ہے۔ جو اس کے اپنے ارادہ و عمل سے اسے حاصل ہوگی۔ گویا اللہ کے احکام (حکم) اصلاح انسانی کے لیے ہیں۔ اس کی ذات سے کوئی واسطہ نہیں۔ جیسا کہ ایک آقا کے غلام کی خدمت صرف اس کے آقا کے لیے وقف ہوتی ہے۔ اللہ کی حاکمیت میں یہ تصور نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو اپنی ذات کے لیے استعمال کرے۔ کیونکہ وہ اس صفت سے منزہ و پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہدایت بھیجتا ہے۔ وہ بھی حکم ہے۔ مگر انسان کی اپنی فلاح کے لیے اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق وہ خود انسانوں میں سے ایک انسان کا انتخاب کرتا ہے۔ کہ وہ اللہ کے احکام کا نفاذ کرے۔ اور اس منتخب انسان (رسول) کو احکام کے نفاذ کے لیے حاکم بنایا جاتا ہے۔ یہ حاکمیت بھی اسی نوع کی ہے۔ کہ اس کی اطاعت۔ رسول کی ذات کے لیے نہیں۔ بلکہ انسان کی اپنی فلاح کے لیے ہے--- جس میں رسول کی ذات کے لیے کوئی مفاد--- یا خدمت کا تصور نہیں۔ سوائے اس کے کہ رسول۔ مخلوق انسانی کی فلاح و سعادت کے لیے خود محنت کرتا ہے۔ تکلیفیں اٹھاتا ہے۔ مصائب جھیلتا ہے۔ اور پھر یہ تصور اہم ہے کہ یہ حاکم--- یہ رسول دینی تعمیل ارشاد و تبلیغ میں اللہ کے نزدیک ذمہ دار ہے کہ آیا اس نے اللہ کے حکم کی تعمیل میں اپنا کردار پورا کیا۔ ا--- یہی وہ اہم نکتہ ہے جس میں اللہ کی حاکمیت--- اور اللہ کے منتخب کردہ رسول کی حاکمیت کے مقام کو بنیادی طور نظر میں رکھنا ہے--- کہ جہاں بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں--- اور جب اللہ تعالیٰ--- انسانوں میں کسی فرد کو منتخب کر کے حاکم بناتا ہے۔ تو اس کی کیا حیثیت

ہوتی ہے؟--- ایک طرف حکم ہے۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ ۔۔ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ --- اور وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۔۔۔ اللہ تعالیٰ خود رسول کا انتخاب کرتا ہے۔ رسول کے بعد۔ رسول کی ہدایت انسانوں تک پہنچانے کیلئے اولی الامر۔ علمائے امت۔ قائم مقام خلیفہ کی حیثیت میں حاکم ہوتے ہیں۔ رسول فلاح انسانی کے لیے محنت مصائب--- تکالیف--- قتل--- اور دل سوزی مول لیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے محاسبہ کے لیے ذمہ دار ہے--- یہی ہے۔ حاکمیت الٰہی کی اصل۔ اور دین اسلام کے اجراء کی ذمہ داری میں حاکمیت حاصل کرنا۔-- اس امر سے ظاہر ہے--- کہ دین الٰہی کے نفاذ میں--- کسی بندے کو انتخاب کا حق حاصل نہیں۔ دوسرے حاکمیت کی ذمہ داری نبھانے میں "محاسبہ کا خوف" یعنی عوام الناس کو بہر صورت فلاح تک پہنچانے کی ذمہ داری پوری کرنا۔ یہی ضابطہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے لیے بھی مقرر ہے۔ جس میں کسی خلیفہ کے لیے۔ نہ ذاتی منفعت۔ نہ احساس حکمرانی کی لذت اور نہ ہی اقتدار اعلیٰ میں--- مال وزر کے حصول کی خواہش تھی۔ برعکس اس کے سنت نبوی کے مطابق محنت۔ مصائب۔ تکالیف۔ دل سوزی۔ راتوں کی نیند حرام کرنا۔ فاقہ--- اور اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی ذمہ داری نبھانے میں اللہ تعالیٰ کے لرزہ خیز محاسبہ کا تصور--- تاریخ میرے اس بنیادی تصور کی دلیل پیش کرتی ہے--- حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں۔ آپ کی محنت۔ دل سوزی۔۔ مصائب ومشکلات سے ٹکرانا--- اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے رات دن رونا--- کہ "کاش میں زمین میں اگنے والی گھاس ہوتا تو اللہ کے محاسبہ سے بچ جاتا"--- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خود پھٹے کپڑوں میں رہنا۔ فاقوں رہنا--- خود سر پر اناج کی بوریاں اٹھانا--- اور محاسبہ کے خوف سے۔ اتنے جلیل القدر صحابی اور جرنیل۔ جو عشرہ مبشرین میں سے ہیں۔ خوف محاسبہ سے ایسے خوف زدہ ہوتے۔ جیسے کسی نے زمین پر پٹخ دیا ہو--- ہفتوں لرزہ سے بخار رہتا--- اور اس جدوجہد میں شہید ہونا--- یہ خلافت کا انتخاب--- اور حاکمیت کا اصل مظہر ہے--- حضرت عثمانؓ کا محصور ہونا اور تلاوت قرآن میں شہید ہونا--- حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا عبادت میں شہید ہونا--- اس شخص کی عقل پر ماتم کیا جائے--- جو یہ نہ سمجھے۔ کہ شہنشاہِ کونین ﷺ دنیا کے عظیم مدبر--- صاحب فہم و فراست۔ عالم الغیب کے دوستوں--- اور مقرب منتخب کردہ حاکموں سے کبھی غلطی یا لغزشوں کا احتمال ہوسکتا ہے!---

اس بیان کو مدنظر رکھ کر خلافت عثمانیہ کا تجزیہ کیا جائے--- اور حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی خلافت کے حصول میں واقعہ جنگ صفین کے حالات کو مدنظر رکھ کر۔ کیا یہ تصور کیا

جاسکتا ہے۔ کہ ان حضرات کی جنگ اس غرض سے تھی کہ دیوانگی کے عالم میں۔ (نعوذ باللہ) وہ خود مصائب۔ مشکلات۔ دل سوزی۔ قتل ہونا۔۔۔ اور اللہ تعالیٰ کے محاسبہ کو اپنے ذمہ لینے کے لیے خلافت حاصل کریں۔ جبکہ اس خلافت میں ذاتی منفعت یا احساس حکمرانی کی لذت کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔ تو صاف ظاہر ہے۔ کہ ان ہر دو فریق کا مطمحِ نظر۔ مخلوق انسانی کی خیر و فلاح دارین کی ذمہ داری کی تکمیل کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ خلفائے راشدین۔ اکثر حضرت علیؓ سے امور خلافت میں مشورے اور رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیدر کا خطاب فرمایا۔ اور اَنَا دَارُ الْحِکْمَةِ وَعَلِیٌّ بَابُهَا کی بشارت میں آپ کو آسمانوں کی بادشاہت عطا کی گئی۔ کیا ایسی ہستی کے سر ہزاروں اصحاب کا خون تھوپا جانا۔۔۔ شرارتِ نفس اور بے دینی کی علامت نہیں تو اور کیا ہوسکتا ہے۔۔۔

المختصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد "خلافت" قرآن و حدیث کے اجراء۔۔۔ شریعت و طریقت اور اقتدار اعلیٰ کے مجموعہ سے تشبیہ ہوتی ہے۔ کہ خلیفہ بحیثیت نائب رسول۔ خلیفۂ رسول علم شریعت۔ علم طریقت۔ اور اقتدار اعلیٰ کا جامع تام تھا۔ اسی تصور پر دینِ اسلام قائم ہوا۔ البتہ یہ امر واضح ہے کہ اجرائے قرآن و سنت میں۔۔۔ جبکہ اجرائے قرآن میں۔ بطریق سنتِ نبوی ﷺ۔ خالص تبلیغ کا ذریعہ استعمال ہوتا تھا۔۔۔ اقتدارِ اسلامی کا تصور ثانوی حیثیت میں۔۔۔ تبلیغ میں شامل کیا گیا۔ اگر باطل قوتیں تبلیغِ دین میں مزاحم نہ ہوتیں۔ تو اقتدار اسلامی کی ضرورت نہ رہتی۔۔۔ لہذا۔ اقتدار اسلامی کو تبلیغِ دین میں شامل کرنے سے۔۔۔ تبلیغِ دین کا ایک نیا تصور قائم ہوگیا۔۔۔ وہ یہ کہ۔۔۔ اولاً سنت نبوی ﷺ کے مطابق تبلیغِ دین کو جاری رکھنے کے لیے۔۔۔ باطل قوتوں کی مزاحمت کرکے۔ تبلیغِ دین کے لئے راہ ہموار کرکے۔ مخلوق انسانی کو اقتدارِ اسلامی کے حصار میں لاکر محفوظ کیا جائے۔ اس مقام پر اقتدارِ اسلامی کی ہیئت میں تین اجزاء پائے جاتے ہیں۔

اول۔۔۔ خلافت اسلامی میں۔۔۔ جماعت اسلامی۔۔۔ یعنی جمیع امتِ مسلمہ، خلیفہ اور جملہ اصحاب مومن جماعت۔۔۔ جو جہاد کے ذریعہ اقتدار اسلامی کو بقاء اور وسعت دے کر ایک پاکیزہ ماحول پیدا کرتے ہیں۔ اور مخلوقِ انسانی کو تعمیلِ شریعت کے لیے ایک پر امن ماحول فراہم کرتے ہیں (یعنی اسلامی اقتدار اعلیٰ)۔

دوسرا اقتدار اعلیٰ کے اس اسلامی ماحول میں لاکر ایک جماعت (علماء امت) لوگوں کی اصلاح کرکے انہیں دین پر عامل بنادیں۔ (یعنی حاملان قرآن و سنت علمائے امت)

تیسرا۔۔۔ ایک خاص جماعت (وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ) حامل شریعت لوگوں کو

علم طریقت میں راہنمائی کرتے ہیں--- تزکیہ مجاہدہ سے انہیں معرفت میں کامل کر دیتے ہیں--- (یہ جماعت علمائے امت میں طریق نبوی ﷺ کے مطابق راتوں کی عبادات میں شامل ہونے والی جماعت جسے قرآن نے وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ کے خطاب سے خاص الخاص جماعت قرار دیا)۔

انہیں تین اجزاء پر خلفائے اربعہ میں دین اسلام کی ہیئت قائم رہی--- اس حال میں کہ طریق نبوی کے مطابق--- شریعت پر خالص عمل--- تزکیہ مجاہدہ سے معرفت کا حاصل ہونا--- اور اسی صفت پر اقتدار اسلامی کی بقاء و وسعت کو قائم رکھنا--- جب کہ اقتدارِ اسلامی کی وسعت و تحفظ میں--- مادی ذرائع[1] کو ثانوی حیثیت حاصل رہی---

- البتہ حضرت معاویہ کے بعد۔ یزید بن معاویہ کے دور میں علم شریعت و طریقت کو ثانوی حیثیت دی گئی۔ بلکہ خلافت کی حقیقی شرط۔ یہ کہ خلیفہ کا صاحبِ علم قرآن و حدیث ہونے کے ساتھ صاحبِ عمل متقی ہونے کی شرط کو لازم نہ رکھا گیا۔ اور نہ ہی اصولِ قرآن کے تحت مجلس شوریٰ کا وجود ضروری سمجھا گیا۔ بلکہ مادی ذریعہ سے اقتدار اعلیٰ کو تحفظ و وسعت دینا مقدم سمجھا گیا--- یزید بن معاویہ کی بادشاہت کے بعد باقی اموی دور میں حضرت معاویہ کے نظریہ کے مطابق۔ خلیفہ نے محلات شاہی تعمیر کئے۔ اور اپنی شان شاہانہ وضع کی بنائی۔ یہ تمام اخراجات بیت المال سے حاصل کئے گئے۔ اس سے قبل اقتدار اسلامی نے ہر چہار دانگ عالم میں اپنی روحانی ہیبت و جلال سے عالمگیر فتوحات حاصل کیں۔ جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہی۔ اقتدارِ اسلامی میں۔ عجمی شہنشاہوں کی دولت کے انبار لگ گئے۔ تو کوئی زکوٰۃ لینے والا بھی باقی نہ رہا--- تو یہ تمام دولت اقتدارِ اسلامی میں شاہانہ جلال۔ محلات شاہی۔ خلفاء کے لباس فاخرہ۔ اور لشکر پر صرف کی جانے لگی۔ یہاں تک کہ خلفاء اسلام میں دولت کی فراوانی کے باعث۔ امارت و عیش سے دل چسپی اور لگاؤ بڑھنے کا نتیجتاً اُن میں تقویٰ و تزکیہ میں کوتاہی آنے لگی۔ اسکے نتیجہ میں لوگوں میں بھی آرام طلبی۔ عیش پرستی کے آثار پائے جانے لگے--- یہاں تک کہ لوگوں میں جذبہ ایمانی کی کمی آئی۔ لوگوں نے تعمیل احکامِ شریعت میں کوتاہی شروع کر دی۔ اس کا اثر زیادہ تر خلیفۂ وقت پر پڑا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی۔ کہ شرائط سنتِ نبوی ﷺ کو انتخابِ خلافت میں ملحوظ نہ رکھا گیا--- سوائے اس کے

---

[1] مادی ذرائع سے مراد۔ خلیفہ کے انتخاب میں بجائے تقویٰ کے عقلی فہم و تدبر کو بھی شرط خلافت میں لازم قرار دیا گیا جن میں مادی وسائل شامل رکھے گئے۔

کہ خلیفہ کا انتخاب یا تو تدبر و سیاست اور شجاعت پر منحصر رکھا گیا--- یا خلیفہ خود کسی کا انتخاب کرتا۔ خواہ وہ اس کا لڑکا ہی ہوتا--- یہ وہ زمانہ تھا۔ جب اقتدارِ اسلامی نے مکمل شہنشاہیت کا روپ دھار لیا۔ البتہ ابھی۔ ابتدائی دور تھا۔ خلفاء و رعایا میں ابھی جذبۂ ایمانی باقی تھا۔ اس لیے قرآن و حدیث پر عمل جاری رہا۔ اس کے علاوہ خلافت اسلامی میں ابھی ایسے لوگ موجود تھے جو بحیثیت عالم امت قرآن و حدیث کا اجراء کرتے تھے۔ اس وجہ سے اس شہنشاہیت میں خلافت اسلامی کا تصور قائم رہا۔ جب خلفاء نے شرعی احکام کے ضابطہ کے خلاف عمل شروع کیا۔ تو علمائے اسلام نے ان کی شدید مخالفت کی--- لیکن خلفاء کے پاس اقتدارِ اسلامی تھا۔ انہیں زیر کرنا آسان نہ تھا۔ تو نتیجہ یہ ہوا کہ علمائے امت نے اقتدار سے الگ ہو کر مسجد کو اپنا مسکن بنا کر مسجد سے ہی قرآن و حدیث کا اجراء کیا۔ اس طرح اقتدارِ اسلامی کے ساتھ قرآن و حدیث کی تعلیم اور امت کی اصلاح کا کام بھی جاری رہا۔ اس مقام پر خلافت اسلامی کی تین حیثیتیں ہو گئیں--- ایک "اقتدارِ اسلامی" (خلافت) دوسرا "علمائے امت" کی جماعت جنہوں نے طریق نبوی پر الدین الاسلام قرآن و حدیث کی تعلیم کو علیٰ حالہٖ برقرار رکھا--- زمانہ گذرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ علمائے امت بھی لذت دنیوی سے متاثر ہونے لگے۔ ان میں تزکیہ مجاہدہ کی قوت کم ہوتی گئی--- ایک طرف وہ حصولِ دنیا کی لذت سے متاثر ہو کر تعمیل احکام میں تزکیہ مجاہدہ سے عاری ہو گئے۔ دوسری طرف انہوں نے اقتدار اعلیٰ میں داخل ہونا شروع کیا۔ یہ جماعت علماء اسلام "علمائے سُوء" کے نام سے موسوم کی گئی اور جب شریعتِ اسلامی میں رفتہ رفتہ تزکیہ کم ہوا--- تو ان کے عمل سے حقیقت کی روح۔ تزکیہ۔ مجاہدہ۔ اور مشاہدات و معرفت اسرار الٰہی کی قوت کم ہونے لگی۔ جب علماء میں طریقت کا تصور کم ہونے لگا۔ تو ان کے پاس قال ہی قال رہا--- حال ان میں کم ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبِ معرفت علماء مسجد کا مسکن چھوڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر کے لوگوں کو علم شریعت کے ساتھ علم طریقت سے بھی آگاہی دیتے رہے--- یہ زمانہ خلافتِ عباسیہ کا تھا۔ کہ اس زمانہ میں اقتدارِ اسلامی کا سورج نصف النہار پر تھا۔ خلفاء بھی خود اگرچہ بطریق سنتِ نبوی ﷺ و صحابہ تقویٰ میں کامل نہ تھے۔ مگر قرآن شریعت کے اجراء میں حد درجہ مستعد تھے۔ علمائے شریعت نے قرآنی علم کے فلسفہ و حقائق کو کھول کھول کر بیان کیا۔ لیکن علمائے طریقت نے ان دونوں فریقوں سے علیحدگی اختیار کر کے گوشہ نشینی اختیار کی اور اسی گوشہ عافیت میں طالبان راہ معرفت کی راہنمائی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ خلافت عباسیہ کے بعد خلافت عثمانیہ کا دور شروع ہوا--- اس طرح خلافت اسلامی مدینہ سے لے کر

ترکی کی حدوں تک پہنچی۔۔۔

درحقیقت ابتدائے اسلام میں شریعت و طریقت کا الگ الگ تصور نہیں پایا گیا۔ بلکہ اس کا ایک ہی تصور تھا۔ کہ قرآنی احکام کی تعمیل کی جائے جسے شریعت کہا گیا۔ اس عمل میں زائد عبادات تہجد و نوافل، شب بے داری کو شریعت ہی کی جز قرار دیا گیا۔ جس میں "طریقت" کا کوئی علیحدہ تصور قائم نہیں کیا گیا۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے۔ کہ زائد عبادات سے قرب الٰہی۔ معرفتِ اسرار الٰہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت صحابہ میں ایک خاص جماعت کو حاصل ہوتا رہا۔۔۔ اس عمل کو شریعت میں شامل رکھا گیا۔ صحابہؓ کے زمانہ کے بعد خلافت اسلامی میں بھی۔۔۔ جب دین تین اجزاء میں تقسیم ہوا۔۔۔ یعنی اول خلافت (اقتدار اعلیٰ) جس میں حکومت بھی تھی۔ اور شریعت پر عمل بھی تھا۔ خلافت اسلامی سے موسوم ہوئی۔۔۔ دوم اقتدارِ اعلیٰ سے غیر متعلق علمائے امت۔ جن سے اجرائے قرآن و حدیث اور تعمیلِ احکام میں راہنمائی جس میں نہ حکومت تھی۔۔۔ نہ تزکیہ نفس۔ نہ زائد عبادت کا عمل شامل تھا۔ شریعت یا علمائے شریعت سے موسوم ہوا۔۔۔ تیسرے اس جماعت کا عمل جن میں علمائے امت نے قرآن و حدیث کی تعلیم کے ساتھ۔۔۔ زائد عبادات۔ نوافل۔ تزکیہ۔ مجاہدہ کو ایک الگ حیثیت دی۔۔۔ اس حال میں اس عمل کو شریعت کی جز کی حیثیت میں پورا کیا گیا۔۔۔ اور جب خلافت اسلامی۔ ترکی میں قائم ہوئی۔۔۔ اس وقت علمائے امت کی خاص الخاص جماعت نے ایران میں سکونت اختیار کی۔۔۔ تو اس عمل کا عربی تصور یکسر عجمی۔ ایرانی تصور میں بدل گیا۔۔۔ بہ الفاظِ دیگر قدیم عربی رواج و تہذیب نے ایرانی عجمی تہذیب کے اثرات قبول کر لئے۔ تو یہاں پر ایرانی تصورات اور عربی تصورات نے ایک مخلوط ہیئت اختیار کی۔۔۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب اقتدارِ اسلامی (خلافت اسلامی) میں بوجہ شریعت پر کامل عمل نہ ہونے کے۔۔۔ ضعف پیدا ہو چکا تھا۔ اور اقتدارِ اسلامی منتشر ہو کر مختلف حکومتوں میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اسی طرح شریعت اسلامی میں بھی۔۔۔ روحانیت کی حقیقی روح کا تصور مٹ چکا تھا۔ سوائے اس کے کہ علمائے امت میں مختصر جماعت نے طریق مجاہدہ۔ تزکیہ نفس اور روحانیت کی تعلیم کو۔۔۔ اقتدارِ اسلامی اور علمائے شریعت سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی کی صورت میں اس عمل کو جاری رکھا۔ اور جب اس عمل میں ایرانی تصور شامل ہوا۔ تو یہ طریق ایک علیحدہ عمل تصور کیا جانے لگا۔ جس کو "طریقت" سے موسوم کیا گیا۔ جبکہ اس سے پہلے زائد عبادت کو طریقت کے نام سے موسوم نہیں کیا گیا۔ سوائے اس کے اس طریق کو۔۔۔ طریقِ حصولِ معرفت میں تصور کیا

گیا--- اور طریق سے ہی "طریقت" اخذ کیا گیا- ہوا یہ کہ ایران--- اگرچہ قدیم زمانہ سے قدیم آرین قوموں کا مسکن رہا- ان قوموں میں بھی--- نبی--- رسول ان کی تہذیب و زبان میں آتے رہے- جن کا علم--- قوموں میں جاری تھا- وہ یہ کہ اکثر علمائے امت- جنگلوں کی تنہائیوں میں--- تزکیہ مجاہدہ--- مراقبہ سے روحانی قوت حاصل کرتے--- یہی عمل--- ایران میں--- قدیم سلسلوں سے جاری آتا رہا- یہی عمل اس وقت ایران کے لوگوں میں جاری تھا--- یعنی اس عمل میں خالص شریعت کا عمل- نماز- روزہ- زکوٰۃ- حج کا علم و عمل شامل نہ تھا- صرف- تزکیہ مجاہدہ سے (بغیر عمل شریعت) انہیں کچھ کمال حاصل ہوتا تھا- جس پر الدین الاسلام کا طریق--- قوموں میں جاری تھا اور اسی عمل کو--- الدین الاسلام سمجھا جاتا تھا- جبکہ الدین الاسلام کی تکمیل- عمل شریعت سے ہی ہوتی تھی- اسی حالت میں- قدیم قوموں میں علمائے امت نے- جنگلوں کی تنہائی میں- گوشہ نشینی اختیار کی--- اور انہیں جنگلوں میں اپنے عمل کو جاری رکھا--- اور طالبان حقیقت نے اسی مقام پر علمائے امت سے فیض حاصل کرنا شروع کیا--- اسی طرح یہ عمل علیٰحدہ حیثیت میں جاری ہوا--- صاحب علم عالم امت نے جنگل میں گھاس کی جھونپڑی میں سکونت اختیار کی--- اسی نسبت سے گھاس کی جھونپڑی کو فارسی میں "خانہ کاہ" پکارا گیا--- اسی "خانہ کاہ" کو خانقاہ کے نام سے شہرت ملی--- اور آئندہ ایک ولی کے مسکن کو خانقاہ کے نام سے پکارا جانے لگا--- اور ایک ولی کی وفات کے بعد--- ولی کی خانقاہ کو طریقت کا مرکز قرار دیا جانے لگا- چونکہ اس طریق میں ولی کی وفات کے بعد ایک قائم مقام ولی کا ہونا لازمی تھا- چنانچہ اسی ترتیب پر ایک ولی کے بعد اس کے جانشین- قائم مقام- خلیفہ نے--- ولی کی جگہ سنبھال کر خانقاہ کو اپنی تحویل میں لے کر یہ سلسلہ جاری رکھا- حقیقت یہ ہے کہ فطری بات ہے- جبکہ خانہ کاہ (خانقاہ) کے مقام پر ماحول تنہا و خاموش ہو- تو قدرتی طور- ایسے مقام پر- تزکیہ مجاہدہ کا موقع میسر آتا ہے- ایسے ماحول میں ایک صاحب شریعت انسان (عالم) میں- علم و مشاہدہ- اور کرامات کا صدور ہوتا ہے- ایسے مجاہدات میں- شریعت حقہ کی پوری اطاعت نہ بھی ہو- تو بھی کرامات و ولایت کا اظہار ہوتا ہے- ایسے موقع پر- چندے- ایک خلیفہ (جانشین ولی) میں کرامات کے اظہار سے طریقت و ولایت کا اظہار ہونے کی وجہ سے طالبانِ حقیقت اسی خانقاہ سے رجوع کرتے رہے- چونکہ شریعت میں- خانقاہ--- اور طریق طریقت نے ایک علیٰحدہ حیثیت اختیار کی--- اس وجہ سے یہ سمجھا جانے لگا کہ طریقت شریعت سے ایک علیٰحدہ عمل ہے- خانقاہ کی صورت یہ تھی- چونکہ جنگل کی تنہائی میں- ضروریات زندگی میسر نہ

تھیں۔ اس لیے خانقاہ کی طرف رجوع کرنے والے شہروں سے ضروریات زندگی کا سامان لا کر دیتے۔ جس سے خانقاہ کے طالب علموں کے خورد و نوش کا ذریعہ مہیا ہو جاتا۔ ظاہر ہے۔ خانقاہ کے علماء سے تزکیہ نفس اور مجاہدات سے کرامات کا ظہور ہوتا تھا۔ اس لیے عامۃ المسلمین انہیں عزت و عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور عقیدت کی وجہ سے ہر شخص نے خانقاہ کے لیے۔ نذرانے اور تحائف بھیجنے شروع کر دیئے اور جب ان تحائف میں کثرت ہونے لگی۔ تو یہ تحائف بحق خانقاہ۔ خزانہ ہونے لگے جب تحائف و نذرانہ کی کثرت ہونے لگی تو بعض طالبان علم کے ذہنوں میں ان تحائف کے تصورات شامل ہو گئے۔ اور غریب طلباء اب نذرانوں پر توجہ کرنے لگے۔ اس توجہ نے طلباء میں حرص پیدا کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے تزکیہ میں فرق آنے لگا۔ اس مسلسل عمل سے ایک ولی کی وفات پر اس کے جانشین میں وہ خصوصیت تزکیہ مجاہدہ اور کرامت باقی نہ رہی۔ بلکہ اس پر حرص غالب آنے لگی۔ چنانچہ ایک ولی کی وفات پر۔ اس کے قائم مقام خلیفہ نے تصنع کا لباس پہنا۔ اور بغیر خصوصیت ولایت۔ خود کو ولی ظاہر کیا تاکہ ایک طرف سے خانقاہ کی سرپرستی اسے حاصل ہو اور دوسری طرف اسے جاہ و مال حاصل ہو۔۔۔ اس مقام پر خانقاہ اور نام نہاد ولی سے طالبانِ حقیقت کو حقیقی علم میسر نہ ہوا۔ تو خانقاہ کے جانشینوں نے۔۔۔ اصل حقیقت سے ہٹ کر۔ تزکیہ کے چند فروعی طریقے اختیار کئے۔۔۔ علم طریقت میں طریق مجاہدہ لازم تھا۔ جس میں مراقبہ۔۔۔ تہجد۔۔۔ نوافل۔۔۔ فاقہ۔۔۔ رات جاگنا اور خصوصاً خواہشات نفسانی سے پاک ہو کر۔۔۔ تصور پیر۔۔۔ تصور رسول ﷺ۔۔۔ تصور ذات الٰہی کو خالص کرنا تھا۔ اور جب قلب میں نذرانہ کی ہوس نے طلب پیدا کی تو اس عمل سے وہ نتائج حاصل نہ ہو سکے۔ کیونکہ اس طریق میں مشاہدۂ اسرار الٰہی ہونا لازم تھا۔۔۔ چنانچہ خانقاہ کے خلفاء نے فروعی عمل اختراع کئے جس میں۔۔۔ ذکر۔۔۔ ذکر اللہ ھو۔۔۔ حبسِ نفس۔۔۔ چلہ کشی کا عمل شامل تھا۔ یہ عمل محض تزکیہ قلب کی صفائی کیلئے اختراع کئے گئے تاکہ اس عمل سے قوتِ مشاہدہ حاصل ہو۔ یہ طریق در حقیقت شریعت و طریقت کی اصل نہیں۔ چنانچہ اس عمل سے مشاہدہ کی قوت حاصل ہوتی رہی۔ لیکن یہ امر ضروری تھا۔ کہ خلیفہ کو خود صاحب مشاہدہ۔ اسرار الٰہی۔۔۔ مشاہدہ ذات الٰہی سے آراستہ ہونا چاہیئے تھا۔ جس کے لئے شریعت کی پابندی لازم تھی لیکن خلفاء کی کمزوری کے سبب طالبان حقیقت کو یہ مقام حاصل نہ ہو سکا۔ یہ مقامات عالم ملکوت سے متعلق تھے۔ اس کے برعکس اس عمل سے انہیں عالم ناسوت کے مقامات کا مشاہدہ ہوا جو بغیر پابندی شریعت حاصل ہوا۔۔۔ اور یہ عمل مسلسل مدتوں جاری رہا۔۔۔ اور طالب کو عالم ملکوت کا

مشاہدہ حاصل نہ ہو سکا۔ تو عالم ناسوت کے مشاہدات و کرامات کو اصل طریقت سمجھا جانے لگا۔ اور یہی طریق مستقل ہیئت اختیار کر گیا۔۔۔ یہی طریق سلطنت عثمانیہ۔۔۔ یا خلافت عثمانیہ کے بعد جب ہندوستان پر یورش کر کے ہندوستان میں اسلامی اقتدار حاصل کیا گیا۔ تو ان کے ساتھ علماء شریعت۔ اور علمائے طریقت نے بھی ہندوستان میں داخل ہو کر اسلام پھیلایا۔ تو علمائے طریقت نے اسی نوع کا علم ہندوستان میں جاری کیا۔ جس میں ذکر اللہ ھو۔۔۔ کلمہ توحید کا ذکر نفی اثبات (سانس کے ساتھ کلمہ شریف کا ورد کرنا) حبسِ نفس۔۔۔ اور دیگر اذکار کا علم طالبان حق کو دیا۔۔۔ اس علم سے صرف عالم ناسوت کا مشاہدہ حاصل ہوتا رہا۔۔۔ اس وقت حقیقی علم شریعت کا خاص عمل نہ استعمال ہوا۔ نہ انسانی ذہنوں کو اس کا سراغ ملا۔۔۔ اور پھر ہر زمانہ میں یہی عمل مستقلاً طریق طریقت کی اصل سمجھا جانے لگا۔ البتہ بعض علمائے امت کو شریعت کا حقیقی علم حاصل تھا۔ انہوں نے بھی۔ اس علم کو ہندوستان میں داخل ہو کر پھیلایا۔ لیکن یہ علم مختصر رہا۔۔۔ جسے بہت کم وسعت ملی۔۔۔ اور بہت کم لوگوں نے اس علم سے استفادہ کیا۔۔۔ ان علماء میں حضرت معین الدین چشتی۔۔۔ حضرت بابا فریدالدین گنج بخش۔۔۔ عبدالقدوس گنگوہی۔۔۔ حضرت علی احمد صابر کلیری۔۔۔ حضرت داتا گنج بخش رحمت اللہ علیہم اور پنجاب کے بعض مشہور فقراء ہوئے ہیں۔ اور زمانہ کے ساتھ ساتھ جب عہد مغلیہ میں۔ سلطنت مغلیہ کشمیر تک وسیع ہوئی۔ تو اس زمانہ میں کشمیر میں بھی فقراء کا ورود ہوا۔ انہوں نے زیادہ تر وہی علم پیش کیا جس میں عالم ناسوت کے کمالات کا مشاہدہ و مظاہرہ ہوتا تھا۔ اور یہی علم کشمیر کے فقراء کو حاصل ہوا جبکہ اس علم کے سوا۔ عالم ملکوت۔۔۔ اور حقیقی مشاہدہ اسرار الٰہی۔ معرفت الٰہی کا بہت کم لوگوں کو میسر ہوا۔ جنہیں۔ خواب میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔۔۔ اور یہ تصور قطعی مشکل تھا۔ کہ کسی طالب کو ایک ولی سے۔ تھوڑی محنت اور آسانی سے مراتب ملکوتی اور مشاہدہ اسرار الٰہی یا مشاہدہ ذات الٰہی میسر ہو سکتا ہے۔ یہی کیفیت حضور قبلہ عالم کے زمانہ سے قبل کشمیر میں تھی۔ کہ فقراء کو جنگلوں کی تنہائیوں میں۔ تزکیہ نفس۔ ذکر۔ اور وظائف سے عالم ناسوت کے مقامات کا مشاہدہ۔ اور کرامات حاصل تھیں۔ مگر عالم ملکوت اور اسرار الٰہی کے مشاہدات سے بہت کم فقراء آگاہ تھے۔ یہی زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالمؒ۔۔۔ ولایت تامہ لے کر واردِ کشمیر ہوئے۔۔۔ بلاشبہ آپ قرونِ اولیٰ کے علمائے امت کے قائم مقام علم شریعت بحد کمال تحصیل کئے ہوئے تھے۔ اور علم طریقت میں آپ ولی اکمل صاحبِ معرفت یکتائے روزگار اولیاء میں شامل تھے۔

حضور قبلہ عالم جناب الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ کی ذات گرامی کو یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کہ آپ کے مریدوں کو کثرت کے ساتھ منازل اعلیٰ حاصل تھیں۔۔۔ اور خود آپ کے مریدوں کو بھی یہ خصوصیت حاصل تھی۔ کہ وہ ایک طالبِ حق کو حضوری اجلاس محمدی ﷺ کر کے زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف کر دیں۔ ان مریدوں میں جناب خواجہ عبدالکریم صاحب کو خاص مقام حاصل تھا۔۔۔ چنانچہ آپ کی بیعت کے بعد علاقہ لولاب۔ تحصیل ہندواڑہ۔ سوپور۔ بارہمولہ تک آپ کی وساطت سے کثرت سے لوگ سلسلہ اُویسیہ میں داخل ہوئے۔ ان میں بھی بیشتر لوگوں کو زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی۔

راجہ سخی ولایت خانؒ کا قبول اسلام
اور ولایت سے مشرف ہونا

یہ زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ نے موضع کاشیراہ زانگلی میں مستقل سکونت اختیار کی۔۔۔ اسی دوران حضور قبلہ عالم کو کاشیراہ کی زمین کے انتقال کے لیے سٹیٹ سبجیکٹ (ریاستی باشندہ ہونے کی سند) حاصل کرنے کے لیے۔ اپنے آبائی وطن وادیٔ کرناہ (شاردہ) جانے کا اتفاق ہوا۔۔ حضور شاردہ تشریف لے گئے۔۔۔ اور وہاں ایک نمبردار کے گھر قیام کا ارادہ فرمایا۔ نمبردار آپ کے مریدوں میں سے تھا۔ موسم شدید سردی کا تھا۔ نمبردار کے گھر پہنچے تو وہ بہت خوش ہوا۔ حضور کو ایک کمرے میں بٹھایا کمرے میں انگیٹھی جل رہی تھی۔ حضور اسی کمرے میں تشریف فرما ہوئے تھوڑی دیر آرام کے بعد نمبردار نے آپ کے لیے ایک اور کمرے کا بندوبست کیا۔ حضور سے عرض کی کہ آپ دوسرے کمرے میں تشریف لے چلیں۔۔۔ حضور قبلہ عالم تھکے ہوئے تھے۔ کمرے میں آرام ملا تھا۔ فرمایا۔ ہم اسی کمرے میں رہیں گے۔ نمبردار نے عرض کی۔ کہ حضور اس میں ایک عیسائی رینجر ٹھہرا ہوا ہے۔ مبادا اس سے آپ کی شان میں بے ادبی ہو۔۔۔ حضور اسی کمرے میں بیٹھنے پر مصر ہوئے فرمایا۔۔۔ بے شک اس افسر کو آنے دو ہم اس کی کوئی حرکت خاطر میں نہ لائیں گے۔ چنانچہ شام کے قریب رینجر صاحب آئے۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا۔۔۔ یہ کون آدمی یہاں بیٹھا ہوا ہے۔ نمبردار نے اس خیال سے کہ کہیں رینجر صاحب کوئی گستاخانہ کلام نہ کر بیٹھیں۔ کہا۔ یہ میرے پیر صاحب ہیں۔ لیکن ہوا وہی جس کا نمبردار کو خدشہ تھا۔۔۔ رینجر صاحب نے چھوٹتے ہی کہا۔۔۔ "یہ تمہارے پیر ٹھگ

ہوتے ہیں" نمبردار پر گویا بجلی گری اس پر شدید غصہ طاری ہوا۔ ممکن تھا کہ وہ ر۔نجر صاحب کو اٹھا کر باہر پھونک دیتے۔ مگر حضور قبلہ عالم نے ہنستے ہوئے خاموشی کا اشارہ کیا۔ نمبردار خاموش ہو کر باہر چلا گیا۔۔۔ ر۔نجر صاحب کپڑے اتار کے کرسی کو انگیٹھی کے قریب لا کر بیٹھ گئے۔۔۔ حضور قبلہ عالم بھی خاموش بیٹھے رہے۔ ر۔نجر صاحب نے دیکھا کہ حضور نے ان کی بات پر اظہار ناراضگی نہ کیا۔ سمجھے کہ یہ کوئی معمولی آدمی ہے۔ خود ہی سلسلہ کلام شروع کیا۔۔۔ ان کے طرزِ کلام میں بے ادبی کا تاثر ظاہر ہوتا تھا۔ پوچھا۔ آپ کے کتنے مرید ہیں۔ نذرونیاز کتنا ملتا ہے؟ حضور نے نہایت نرمی سے جواب دیا۔ کہ مرید بہت ہیں۔ فقیر لوگ نذرونیاز بھی لیتے ہیں۔ آپ کے پادری بھی تو نذرونیاز لے کر عیش کی زندگی گذارتے ہیں۔۔۔ وہ امیر لوگ ہیں اس لیے ٹھگی نہیں کرتے ہیں۔ مگر وہ تمہیں کیا دیتے ہیں؟۔۔۔ ر۔نجر صاحب نے کہا کہ وہ ٹھگ نہیں وہ دعا دیتے ہیں۔ اور ہمارے گناہ معاف کراتے ہیں۔ ہمارے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف سے ان کے نمائندے ہیں۔ انہوں نے سولی چڑھ کر ہمارے گناہ معاف کرائے۔ مسلمانوں میں نہ کوئی ایسا آدمی ہے۔ نہ تمہارے گناہ معاف ہونے کی کوئی ضمانت ہے۔ حضور نے فرمایا۔۔۔ تو معلوم ہوا۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو آپ سے پیار ہے۔ کیا کبھی تمہارے پادریوں نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ جو وہ اپنے آپ کو ان کا نمائندہ بتاتے ہیں؟ کیا تم نے بھی کبھی عیسٰی علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ انہیں تم سے پیار ہے۔ تو پھر تمہیں ان کو دیکھنا چاہیئے۔ ر۔نجر صاحب بات سمجھے نہیں اپنے ہی کہہ دیا۔ ہم ان سے پیار کرتے ہیں۔ اور انہیں دیکھتے بھی ہیں۔ تو حضور نے فرمایا۔ تو ر۔نجر صاحب اگر آپ اپنے قول کے سچے ہیں کہ مسلمانوں کے پیر ٹھگ ہیں۔۔۔ اور تم ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام کے سچے پیرو اور پیارے ہو۔ تو پھر فیصلہ اس بات پر ہوگا۔ یا تو آپ مجھے دکھا دیں۔ اگر حضرت عیسٰی علیہ السلام مجھے دکھائی دیں اور کہیں آپ کا دین سچا ہے۔ تو میں اپنے مریدوں کے ساتھ عیسائی دین قبول کروں گا۔۔۔ اور اگر خود حضرت عیسٰی علیہ السلام تم سے کہہ دیں کہ اسلام کا دین قابل قبول ہے تو تمہیں اسلام میں داخل ہو کر ہمارا مرید بننا ہوگا۔ کہو شرط منظور ہے!۔۔۔ ر۔نجر صاحب تعلیم یافتہ تھے۔ یہ بات سن کر سناٹے میں آگئے۔ اپنی "انا" کو پست دیکھ کر کہہ اٹھے شرط منظور ہے۔۔۔ حضور نے فرمایا۔ تو آپ کوشش کیجئے۔۔۔ ہم عیسائی ہونا قبول کریں گے۔ چنانچہ اس وعدے کو آئندہ وقت پر چھوڑ گیا۔۔۔ بات معمولی نہ تھی۔۔۔ ر۔نجر صاحب نے محسوس کیا کہ ایسا سوال کرنا کسی معمولی شخصیت سے نہیں ہو سکتا۔ ان میں کچھ خصوصیت ہے۔۔۔ تو ر۔نجر صاحب متاثر ہوئے اور گفتگو کا انداز بدلا۔۔۔ اور

شریفانہ انداز میں سلسلہ کلام شروع ہوا۔۔۔ دوران گفتگو حضور قبلہ عالم نے دین اسلام کی حقیقت پر تفصیلاً حقائق بیان کئے۔ جس سے رینجر صاحب حضور کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور ان سے آداب کے اثرات ظاہر ہونے لگے۔۔۔ رات اسی خوش آئندہ ماحول میں گذری۔۔۔ علی الصبح حضور قبلہ عالم تحصیلدار سے سرٹیفکیٹ لینے تشریف لے گئے۔ ادھر رینجر صاحب کو جنگلات میں دورہ پر جانے کا حکم ملا۔۔۔ رینجر صاحب نے نمبردار سے کہا۔ کہ ہم دورہ پر جا رہے ہیں۔ اب پیر صاحب سے ملاقات نہ ہو سکے گی۔ اس لیے تم پیر صاحب کو میرا اسلام دینا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں دوبارہ ان کی صحبت حاصل نہ کرسکا۔ یہ سوا روپیہ انہیں میری طرف سے نذرانہ پیش کرنا اور کہنا میرے لئے دعا کریں۔ اب موقع ملا۔ تو پھر آپ سے ملاقات کی کوشش کروں گا۔ یہ پیغام دیکر رینجر صاحب دورے پر روانہ ہو گئے۔ بعد دوپہر حضور قبلہ عالم نمبردار کے ہاں تشریف لائے۔ تو نمبردار نے رینجر صاحب کا پیغام دیا۔ اور ان کی طرف سے نذرانہ پیش کیا۔ حضور نے نذرانہ لے لیا۔۔۔ دعا فرمائی۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے رینجر صاحب کے لیے دعا کی۔ کہ اے اللہ! جو کچھ میں اپنے ایمان کے لیے مانگتا ہوں۔ وہی اس شخص کے لیے مانگتا ہوں۔۔۔ یہاں سے رخصت ہو کر گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اثنائے راہ معاً یہ خیال گذرا۔۔۔ یہ شخص اسلام سے متنفر۔۔۔ کیا یہ وعدہ پورا ہو سکے گا۔ جس کا ہم نے دعائیہ الفاظ میں اظہار کیا۔ حضور کے قلب مبارک پر بوجھ محسوس ہوا۔۔۔ کیونکہ ایک عیسائی کے لیے معرفت کا حصول ہمارے لیے ایک امانت کا درجہ رکھتا تھا۔۔۔ اسی فکر میں سارا سفر طے ہوا اللہ کا فضل ہوا۔۔۔ گھر پہنچ کر اس شخص کے اسلام قبول کرنے کی بشارت مل گئی۔ عرصہ گذرا پھر رینجر صاحب سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔۔۔

ایک سال گذرا۔۔۔ ایک دن حضور قبلہ عالم موضع لنگیٹ میں اپنے ایک مرید سندر میر ذیلدار کے گھر تشریف لائے تھے۔ رینجر صاحب بھی اسی علاقہ میں تبدیل ہو کر آئے تھے۔۔۔ انہیں حضور کی آمد کا علم ہوا۔۔۔ تو آپ بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔ اور عرض کی۔ کہ حضور آپ ہی اپنی شرط پوری کریں۔۔۔ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام مجھے بشارت دیں۔ تو میں اسلام قبول کروں گا۔۔۔ اصولِ طریقت کے تحت یہ لازم ہے کہ حصولِ معرفت کے لیے اول دین قبول کرنا شرط ہے۔ ایمان لانے کے بعد ہی۔۔۔ معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر حضور نے فرمایا۔۔۔ کہ مسجد میں بیٹھ کر حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تصور کریں۔ رینجر صاحب مسجد میں چلے گئے۔ اور آنکھیں بند کر کے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تصور

شروع کیا۔ تھوڑی دیر گذری۔ آپ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اس عالم میں دیکھتے ہیں۔ ایک بہت وسیع باغ ہے۔ آپ باغ میں داخل ہوتے ہیں۔ وہاں پر ایک پُر نور بزرگ ملتے ہیں۔۔۔ انہوں نے اپنا نام۔۔۔ شاہ لونگ بتایا۔۔۔ وہ مجھے اس باغ میں لے گئے۔ اور سامنے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت شاہ لونگ سندھی نے ان سے تعارف کرایا۔۔۔ میں بہت خوش ہوا۔ کہ اتنے میں سامنے نظر پڑی وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ فرما تھے۔ جلال کی وجہ سے مجھ پر ہیبت طاری ہوئی۔۔۔ میری زبان گنگ ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے میری بے بسی پر تبسم فرمایا۔۔۔ اور فرمانے لگے۔ کہ آپ ہی نبی آخرالزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔۔۔ آپ ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے۔۔۔ آپ پر ایمان لاؤ۔۔۔ ان کا دین قبول کرو۔ یہی ایمان باعثِ نجات ہے۔ پھر میرا نام لے کر فرمانے لگے۔۔۔ سخی ولایت! گواہ رہو۔۔۔ میں نے اپنے آپ کو کبھی خدا کا بیٹا نہیں کہا! اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں۔ وہ ہم سے نہیں۔ مشرک ہیں۔ دین اسلام سچا دین ہے۔ اسے قبول کرو۔۔۔ ر۔ بز۔ جب مراقبہ سے فارغ ہو کر حضور قبلہ عالم کے قدموں میں گر پڑے۔۔۔ اور کلمہ شریف پڑھانے کی استدعا کی۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں کلمہ پڑھایا۔۔۔ اسی وقت ر۔ بنجر صاحب حضور کے دست حق پر بیعت بھی ہو گئے۔ یہ خوش نصیب ہستی۔۔۔ شجرۂ اویسیہ کا ایک ثمر شیریں۔

بن او سخی است در ولایت عطائے مصطفیٰؐ و ابن مریمؑ

جناب سخی ولایت خان صاحب کی ذات گرامی تھی۔۔۔ آہ! جنہیں آگ کی طلب بھی نہ تھی۔ مگر تجلی ان کا پیچھا کرتی رہی۔ یہ بھی خوش بختی کی علامت ہے۔ کہ ایک ولی اکمل سے گستاخی کا یہ صلہ۔۔۔ تجلیات ذاتی کی صورت میں عطا ہوا۔۔۔ یہ افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ جس کا ثبوت خود۔ عالی جناب سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی زندہ شخصیت تھی۔ ولیٔ اکمل کی۔۔۔ ولایت کی خصوصیت یہی ہے کہ ایک شخص کو بغیر دین میں داخل کئے بغیر اتباع شریعت۔ بغیر تزکیۂ مجاہدہ کے۔۔۔ صرف ایک تصور پر۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرا کر۔ اسلام کی حقیقی دلیل بالثبوت پیش کی گئی۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے جناب سخی ولایت خان صاحب کو نصیحت فرمائی۔ کہ فی الحال آپ قبول اسلام کا ظاہراً اعلان نہ کریں۔ بلکہ تنہائی میں نماز ادا کرتے رہیں۔ کیونکہ آپ کے خاندان کے بیشتر افراد اس وقت عیسائی مشنری سے منسلک ہیں۔۔۔ ہو سکتا ہے۔۔۔ تم ان کی مخالفت

لہ یہ واقعہ خود سخی ولایت خاں صاحبؒ اور حضور قبلہ عالمؒ کی زبانی سنا ہے۔

برداشت نہ کر سکو۔۔۔ مبادا تمہیں الجھن کا شکار ہونا پڑے۔۔۔ کچھ دن تو جناب سنی ولایت خان صاحب خاموشی سے۔ تنہائی میں نماز و درود شریف ادا کرتے رہے۔ لیکن انہیں ایسا کرنا پسند نہ آیا۔۔۔ قلب میں آتشِ عشق نے سوز پیدا کر دیا تھا۔۔۔ تابِ ضبط نہ رہی۔۔۔ اعلانیہ نماز ادا کرنی شروع کی۔ عیسائی مشنری کو جب جناب سنی ولایت خان صاحب کے مسلمان ہونے کا علم ہوا۔۔۔ تو ان میں کہرام مچ گیا۔۔۔ کیونکہ آپ عیسائی مشن کے مبلغ بھی تھے۔۔۔ اور آپ کے والد محترم بھی عیسائی مشن کے سرگرم مبلغ تھے۔ انہیں عیسائی مشنری میں ایک باعزت اور اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ یہ امر عیسائی مشنری کے لیے پریشانی کا باعث ہوا۔۔۔ کشمیر میں اس وقت پادری بسکو TANDALS BISCO عیسائی مشنری کے سربراہ تھے۔۔۔ پادری صاحب سے سنی صاحب کے گہرے تعلقات تھے۔۔۔ اس نے سنی صاحب کو بلا کر پوچھا۔۔۔ کہ تمہیں کس چیز نے اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا؟۔۔۔ جب کہ ہماری طرف سے تمہیں ہر سطح پر عزت و آسودگی حاصل تھی۔ قبلہ سنی صاحب نے صاف صاف حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا واقعہ بیان کیا۔۔۔ کہ ایک بزرگ ہستی نے یہ شرط پیش کی۔ کہ آپ یا تو مجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دکھا دیں۔ اور وہ مجھے کہہ دیں کہ عیسائی دین قبول کرو تو میں بمعہ اپنے مریدوں کے عیسائی ہو جاؤں گا۔ میں تو ایسا کر نہ سکا۔ انہوں نے مجھے مسجد میں بٹھایا۔ اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ اور ان کے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھا۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل ہمارے گرجے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمہ سے ملتی جلتی تھی۔ انہوں نے مجھے حکم دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قبول کرو۔۔۔ اس لیے اس حقیقت کو سمجھ کر میں نے اسلام قبول کیا۔ یہ واقعہ سن کر پادری بسکو حیران ہوا۔۔۔ کچھ کہہ نہ سکا۔ ویسے پادری بسکو نہایت نیک نفس پادری تھا۔ یہی وہ ہستی ہے۔ جس نے ابتدائی دور میں۔ کشمیر میں انگریزی سکول کا اجراء کیا۔ اور کشمیر کے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم سے آراستہ کر کے حکومت کے بڑے بڑے عہدوں تک ان کو رسائی کے مواقع فراہم کیے۔ پادری بسکو سمجھدار تھا۔ جناب سنی صاحب کے اسلام قبول کرنے پر ناراضگی یا نفرت کا اظہار نہ کیا (حالانکہ انہوں نے خود عیسائی مشنری میں عیسائی تبلیغ کا مشن قائم کیا تھا) پادری نے آپ کے اسلام قبول کرنے پر اظہار خوشنودی کیا کہا۔ سنی میں بہت خوش ہوں۔ تمہارا اقدام بالکل صحیح ہے۔ ہم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دینِ اسلام کے پیغمبر کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانتے ہیں۔ یہ دونوں دین سچے دین ہیں۔ مجھے تمہارے اسلام قبول کرنے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میں تمہیں اسلام قبول

کرنے پر مبارک باد دیتا ہوں۔ البتہ میرا ایک مشورہ قبول کرو۔۔۔ کہ اس واقعہ کی جو تم نے مجھے سنایا۔۔۔ عام تشہیر نہ کرو۔ اس سے عیسائی لوگ مشکوک ہو جائیں گے۔ جو ہمارے لیے حد درجہ پریشانی اور نقصان کا باعث ہوگا۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی اس واقعہ کی نزاکت کو سمجھ گئے ہو گے۔ جناب قبلہ سنی صاحب نے وعدہ کر لیا۔ ابتدائی دور میں عیسائی مشنری نے جناب قبلہ سنی صاحب کو ورغلانے کی کافی کوشش کی مگر وہ لوگ کامیاب نہ ہو سکے البتہ سنی صاحب کی اہلیہ کو عیسائی ننوں نے اپنے گھیرے میں لیے رکھا۔ مبادا بیگم صاحبہ بھی اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کریں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اہلیہ فوری طور اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔

جناب قبلہ سنی ولایت خان صاحب خاندانی مسلمان تھے۔ ان کا تعلق کشمیر کے راجپوت (گھگھڑ) خاندان سے تھا۔ آپ کا آبائی وطن میرپور کشمیر تھا۔ آپ کے والد راجہ داؤد خان صاحب فوج میں ملازم تھے۔ چنانچہ پہلی جنگ عظیم میں آپ انگریزی فوج میں جرمنی کے خلاف محاذ پر لڑائی میں شریک رہے۔ جنگ ختم ہونے پر آپ نے کشمیر (سری نگر) میں سکونت اختیار کی۔۔۔ جہاں آپ کا تعلق عیسائیوں سے رہا۔۔۔ عیسائی مشنری نے خان صاحب موصوف کو عیسائی بنا لیا۔۔۔ چنانچہ آپ اپنے خاندان میں سے اپنے اہل و عیال کو میرپور سے سری نگر لے آئے۔ جن میں آپ کی اہلیہ اور بچے۔ جناب راجہ سنی صاحب، احسان اللہ، نذیر احمد، بشیر احمد اور دختر نوشابہ بیگم تھیں۔ خان صاحب کا عیسائیوں نے مشنری میں رہائش کا انتظام کر دیا۔ اور آپ کے فرزندوں کو مشن سکول میں داخل کر دیا۔ جہاں راجہ سنی صاحب اور احسان اللہ نے تعلیم مکمل کر کے ملازمت اختیار کی راجہ سنی ولایت خان صاحب محکمہ جنگلات میں رینجر کے عہدے پر متعین ہو گئے۔ احسان اللہ کو ملٹری میں بھرتی کیا گیا۔ باقی بچوں میں اس وقت نذیر احمد (مظفر شائق) بشیر احمد ابھی زیر تعلیم تھے۔ اسی زمانہ میں جناب سنی ولایت خان صاحب کو حضور قبلہ عالم سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اور آپ نے دوبارہ اسلام قبول کیا۔۔۔ رفتہ رفتہ قبلہ سنی صاحب نے اپنے خاندان کو دوبارہ اسلام میں لانے کی کوشش کی۔ جس کی ابتداء آپ کی ہمشیرہ نوشابہ سے ہوئی۔۔۔ آپ نے اپنی ہمشیرہ کو حضور قبلہ عالمؒ کے پیش کیا۔ اور وہ بھی قبلہ سنی صاحب کی طرح کلمہ پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو گئیں۔ آپ نے بھی حضور قبلہ عالمؒ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ اس کے ساتھ ہی۔ احسان اللہ اور نذیر احمد نے بھی اسلام قبول کیا۔ احسان اللہ ملٹری ملازمت کی وجہ سے گھر سے باہر رہے۔ نذیر ان دنوں غالباً چھٹی جماعت میں مشن سکول میں تعلیم لے رہا

تھا۔ اس نے بھی حضور قبلہ عالم سے بیعت حاصل کی۔ اور زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو کر اجلاسِ محمدی ﷺ میں داخل ہوا۔۔۔ محترمہ نوشابہ اکثر حضور قبلۂ عالم کی خدمت میں حاضر ہوتی رہیں۔ اور خلوت کرتی رہیں۔ انہیں معرفت کے اعلیٰ مراتب عطا ہوئے۔۔۔ آپ شادی شدہ تھیں آپ کے شوہر مسلمان تھے۔ انہوں نے بھی حضور قبلہ عالم سے بیعت حاصل کی۔ جناب سنی صاحب کے والد عیسائی مشنری میں پادری تھے۔ اور عیسائیت کی تبلیغ کرتے تھے۔۔۔ ویسے آپ کو اسلامی علوم پر کافی عبور حاصل تھا۔ عیسائیت قبول کرنے کے بعد انجیل پر بھی عبور حاصل کر کے پادری کا درجہ حاصل کیا۔ اور عیسائیت میں مبلغ کی حیثیت سے سکول میں انجیل پڑھاتے رہے۔۔۔ چونکہ عیسائیت میں مبلغ کا مقام آپ کو حاصل تھا۔ اس لیے آپ کو علی الاعلان اسلام قبول کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ بظاہر آپ عیسائی مشنری سے ہی وابستہ رہے۔ آپ کے خاندان کے عیسائی مذہب سے منسلک ہونے پر آپ کے بقیہ خاندان سے تعلقات منقطع ہو گئے تھے۔ مگر قبلہ سنی صاحب اور باقی افراد خانہ کے اسلام قبول کرنے پر ان کے درمیان صلح ہو کر تعلقات بہتر ہو گئے۔ اور اس کے بعد اپنے وطن میرپور آنے جانے کا سلسلہ جاری ہوا۔ خان صاحب اور باقی عزیزوں نے اپنے وطن سے رابطہ قائم کیا۔ اور میرپور میں بھی سکونت شروع کی۔ آخر داؤد خان صاحب نے میرپور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ نوشابہ نے بھی میرپور میں مستقل سکونت اختیار کی۔ جناب قبلہ سنی صاحب نے عیسائی مشنری میں ہی شادی کی تھی۔ نیز ملازمت کی وجہ سے آپ نے سری نگر میں مستقل سکونت اختیار کی۔ احسان اللہ ملٹری میں ملازمت کی وجہ سے سفر میں ہی رہے۔ نذیر احمد نے اور بشیر صاحب نے میرپور میں اپنے والد کے ساتھ سکونت اختیار کی۔ آپ کی والدہؒ کا عیسائیت کے زمانہ میں ہی انتقال ہوا۔ اور آپ سری نگر میں شیخ باغ (امیرا کدل) میں عیسائی قبرستان میں مدفون ہوئیں۔ جناب قبلہ سنی صاحب کو والدہ کے عیسائی حالت میں فوت ہونے کا بے حد قلق تھا۔ کہ وہ اس عظیم نعمت سے محروم رہ گئیں۔ سنی صاحب کی اہلیہ بھی عیسائی تھیں۔ آپ کے اسلام قبول کرنے پر عیسائی مشنری نے آپ کی اہلیہ کو اسلام میں داخل ہونے سے باز رکھنے کی سر توڑ کوشش جاری رکھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی اہلیہ نے فوری طور اسلام قبول نہ کیا۔ قبلہ سنی صاحب نے اہلیہ کو اسلام میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے اہلیہ

لہ غالباً" یہ آپ کی سوتیلی والدہ تھیں۔

کو علیحدہ کرنے کا ارادہ کیا۔ حضور قبلہ عالم کو اس کا علم ہوا۔ تو آپ نے قبلہ سّی صاحب کو اس ارادے سے باز رکھا۔ فرمایا بیوی پر جبر نہ کریں۔ وقت آئے گا یہ خود ہی اسلام قبول کریں گی۔ جناب قبلہ سّی صاحب کی ایک لڑکی بھی تھی۔ اس کا نام زینت تھا۔ پیاز سے اسے "جوائے" کہتے تھے۔ یہ بچی حضور قبلہ عالمؒ سے بے حد انس رکھتی تھی۔ جب بھی حضور قبلہ عالمؒ، قبلہ سّی صاحب کے گھر تشریف لاتے۔ تو زینت بے حد خوش ہوتی۔ اور حضور قبلہ عالمؒ اسے اپنی گود میں بٹھاتے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ کی توجہ سے زینت کم سنی کی حالت میں ہی اجلاس محمدی ﷺ کا مشاہدہ کرنے لگی۔ اس کا مشاہدہ حقیقی تھا۔ مشاہدہ میں ذرہ بھر خیال کو دخل نہ تھا۔ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسے اونچے مراتب کا مشاہدہ بھی ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کے مشاہدہ کی وسعت عرش کا احاطہ کر لیتی تھی۔۔۔ قبلہ سّی صاحب اکثر اوقات زینت سے مراقبہ کراتے۔ اور زینت عالم باطن کے حالات بیان کرتی۔ کہ رات بستر پر سوتے وقت مراقبہ کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ اور نیند طاری ہونے کے ساتھ ہی جنت میں چلی جاتی۔ جہاں سفید لباس میں ملبوس عورتیں (حوریں) اسے خوش آمدید کہتیں۔ اس کے لیے ایک خوبصورت باغ مخصوص کیا جاتا۔ جہاں اسے لٹایا جاتا۔ اور اس پر نیند غالب آجاتی۔۔۔ اسی حالت میں رات بسر ہو جاتی۔ صبح اٹھ کر رات کے مشاہدات قبلہ سّی صاحب سے بیان کرتی۔ اس کے مشاہدہ کی کیفیت یہ ہوتی کہ زینت کھلی آنکھوں سے اجلاس کی کیفیت دیکھتی۔۔۔ یا جو کیفیت قبلہ سّی صاحب اس سے پوچھتے تو زینت کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کر کے کھیلتے کھیلتے حالات بیان کرتی۔۔۔ ایک دن قبلہ سّی صاحب کو اپنی والدہ کا خیال آیا۔۔۔ انہیں والدہ کی حالت معلوم کرنے کی فکر تھی۔۔۔ زینت کو بلا کر کہا۔۔۔ جوائے۔ ذرا اپنی دادی کو دیکھو کس حالت میں ہیں۔ زینت نے مراقبہ کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا۔ کہ دادی ایک سنسان جگہ پر بوسیدہ لباس میں غمزدہ حالت میں بیٹھی ہیں۔ یہ سن کر جناب قبلہ سّی صاحب کو شدید غم ہوا۔ کہ والدہ عالم برزخ میں تکلیف میں مبتلا ہیں۔ آپ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور والدہ کی کیفیت بیان کی۔ حضور قبلہ عالم نے تسلی دی۔ اور فرمایا کہ والدہ کی مغفرت کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار بار درود شریف پڑھ کر انہیں ثواب بھیج دیں۔۔۔ چنانچہ قبلہ سّی صاحب نے حضور قبلۂ عالمؒ کے دولت کدہ پر فاتحہ خوانی کا بندوبست کیا۔ گاؤں سے درود خوان اکٹھے کئے۔۔۔ سوا لاکھ درود پڑھا۔ اور اللہ کی راہ میں کھانا دیا۔ رات حضور قبلہ عالمؒ نے فاتحہ پڑھی اور دعا فرمائی۔۔۔ اور ساتھ ہی بشارت دی۔ کہ آپ کی والدہ کو جنت کے باغوں میں داخل کیا گیا۔ یہ بشارت جناب قبلہ سّی صاحب کے

لیے انتہائی خوش کن تھی۔ آپ دوسرے دن حضور سے رخصت ہو کر گھر پہنچے۔ آپ بہت خوش تھے۔ رات پھر زینت کو بلا کر مراقبہ میں بٹھایا۔ کہا۔ زینت تم نے دادی کے متعلق کیا دیکھا تھا۔ ذرا پھر دیکھو۔ ان کا کیا حال ہے۔ اس پر ظاہر نہیں کیا کہ انہوں نے ان کے لئے فاتحہ پڑھی ہے۔۔۔ زینت نے مراقبہ میں دیکھا۔ کہا پاپا آج تو دادی ایک خوبصورت باغ میں ہیں۔ آج تو دادی سفید خوبصورت لباس میں ہیں۔ اور وہ بہت خوش ہیں۔ اس مشاہدہ سے جناب قبلہ سخی صاحب کو یقین ہو گیا کہ پیر اکمل کی شفاعت سے ان کی والدہ کو مغفرت کی سند عطا ہو گئی۔ ان کے دل سے ایک عظیم بوجھ ہلکا ہو گیا۔ مگر ابھی اپنے والد اور بیوی کا بوجھ باقی تھا۔ اس سلسلہ میں حضور قبلہ عالم کی نصیحت تھی کہ اہلیہ پر جبر نہ کریں۔ بلکہ ان سے پیار و محبت سے پیش آئیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جناب قبلہ سخی صاحب نے اہلیہ کو اسلام قبول کرنے کا کئی طریقوں سے حیلہ کیا۔ کئی بار آزمائشی طور پر اپنی کرامات کا اظہار کیا۔ لیکن انہوں نے اسلام کی طرف آمادگی کا اظہار نہ کیا۔۔۔ یہ عجیب بات تھی کہ آپ کی اہلیہ اگرچہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوئیں۔ لیکن حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری پر کبھی ناپسندیدگی کا اظہار نہ کیا۔۔۔ بلکہ خود آپ کی خدمت کرتیں۔ کپڑے دھو کر دیتیں۔ جوتے صاف کر کے دیتیں اور نہایت عزت و احترام سے پیش آتیں۔ اور کبھی اپنی طرف سے حضرت اقدس محترمہ مائی صاحبہ کے لیے تحائف پیش کرتیں۔ اس عمل سے قبلہ سخی صاحب کو گونہ تسلی رہتی۔ دراصل میم صاحبہ[1] کو اپنے شوہر سے بے حد محبت تھی۔۔۔ اور اپنے مقام پر قبلہ سخی صاحب کی وفاداری اور خدمت گذاری میں حد درجہ مستعد رہتی تھیں۔ اس محبت کی وجہ سے انہوں نے باوجود عیسائی مشنری کی ننوں کی سازشوں کے۔ اپنے شوہر کا ساتھ نہ چھوڑا۔ عیسائی مشنری کی ننیں۔ اکثر اوقات میم صاحبہ پر اپنا اثر ڈالتی رہتی تھیں۔ دوسرے ان کی والدہ کا ایک بڑا ہسپتال تھا۔۔۔ اس کی کافی جائیداد تھی۔۔۔ یہ تمام جائیداد اس نے میم صاحبہ کے لیے وراثت میں چھوڑی تھی۔ میم صاحبہ (سخی صاحب کی بیگم) کا خیال تھا۔ اسلام میں داخل ہونے کے اظہار پر۔ اسے اپنی والدہ (مالک ہسپتال) کی جائیداد سے محروم ہونا پڑے گا۔ میم صاحبہ پر قبلہ سخی صاحب کی شخصیت کا کافی اثر پڑ چکا تھا۔ مگر وہ اسلام قبول کرنے میں گومگو کی حالت میں مبتلا تھیں۔۔۔ نہ اسلام قبول کرنے پر آمادہ تھیں۔ نہ شوہر کی رفاقت چھوڑ سکتی تھیں۔۔۔

---

[1] اہلیہ قبلہ سخی صاحب۔

ایک دن حضور قبلہ عالم اچانک شہر تشریف لائے۔ آپ بے حد فکرمند تھے۔۔۔ محمد حنیف صاحب کے گھر پہنچے۔۔۔ پوچھا نورالدین کہاں ہے۔ میں کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ حضور بغیر انتظار کیے واپس چلے گئے۔۔۔ فرمایا ہم سنی کے پاس جا رہے ہیں۔ معلوم ہوا سنی صاحب کے ہاں میم صاحبہ کے لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور وہ زنانہ مشن ہسپتال محلہ رعناداری میں داخل ہیں۔۔۔ ہم بھی ہسپتال کی طرف دوڑے۔ ہمیں معلوم نہ تھا۔ کہ میم صاحبہ بیمار ہیں۔۔۔ حضور قبلہ عالم شہر سے نکل کر سیدھے۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب پولیس کے گھر پہنچے۔ ان کا گھر قلعہ ہری پربت کے دامن میں تھا۔ یہاں سے ہسپتال نزدیک تھا۔ اس سے قبل نہ حضور قبلہ عالم انہیں جانتے تھے نہ ہی عبدالکریم صاحب آپ سے واقف تھے۔ مکان پر پہنچے۔ تو دروازہ پر عبدالکریم صاحب کے چھوٹے بھائی نظام الدین آپ کے منتظر تھے۔ حضور کو دیکھتے ہی نظام الدین آگے بڑھے۔ حضور کو اسلام علیکم عرض کی۔۔۔ اور نہایت عزت و احترام سے خوش آمدید کہہ کر اپنے مہمان خانہ میں لے گئے۔ مہمان خانہ نہایت صاف ستھرا سجایا ہوا تھا۔ حضور کو آتے ہی چائے پلائی۔ چائے سے فارغ ہو کر فرمایا۔ نظام الدین۔ ہم نے زنانہ ہسپتال جانا ہے۔۔۔ وہاں سنی ولایت خان صاحب کی اہلیہ داخل ہیں۔ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔۔۔ نظام الدین حضور کو ساتھ لے کر ہسپتال پہنچے دیکھا قبلہ سنی صاحب بے حد مضطرب و پریشان تھے۔ حضور کو اچانک دیکھ کر حیران رہ گئے۔ حضور نے پوچھا بچے کا کیا حال ہے۔ سنی صاحب کے لئے آپ کا ایسے موقع پر تشریف لانا باعث مسرت تھا۔ عرض کی حضور بچہ قریب المرگ ہے۔ ڈاکٹر نے اسے لاعلاج قرار دے دیا ہے۔ بچہ کو ایک شدید مرض (SINUSITIS) لاحق ہو گیا۔ پیدا ہوتے ہی اسے یہ مرض لاحق ہو گیا۔ اس کا سانس بند ہے۔ اور دودھ بھی نہیں پی سکتا۔ ڈاکٹر اس کی زندگی سے قطعی مایوس ہو کر علاج سے دست بردار ہو کر گھر چلا گیا ہے۔ ڈاکٹر ہندوستان کا ایک مشہور ڈاکٹر رولنس تھا۔ اس نے قبلہ سنی صاحب کے آگے اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ کہ بچہ کی جان خطرے میں ہے۔ چند گھنٹوں میں اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ سنی ڈاکٹر اپنا علاج کر چکا ہے۔ اب ہم خود اس کا علاج کریں گے فکر نہ کرو۔ بچہ مجھے دیدو۔۔۔ اور ایک کمرہ خالی کرو ہم بچے کو لے کر کمرے میں بیٹھیں گے۔ تم سب انتظار کرو کسی کو کمرے میں داخل نہ ہونے دینا۔ ہم خود کمرے سے باہر آجائیں گے۔ حضور قبلہ عالم بچے کو لے کر کمرے میں داخل ہو گئے۔ اسی وقت ہم بھی ہسپتال پہنچے۔ تو ہمیں حالات کا علم ہوا۔ ہم بھی حضور کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹہ کے قریب وقت گذرا حضور قبلہ عالم

کمرے سے باہر تشریف لائے۔ اور بچہ میم صاحبہ کو دے دیا۔ فرمایا میم صاحبہ بچے کو دودھ پلاؤ۔ کہاں بچہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تڑپ رہا تھا۔۔۔ دیکھا تو بچہ پرسکون تھا۔ میم صاحبہ نے اسے دودھ پلایا۔ بچہ نے دودھ پیا اور آرام سے سو گیا۔ ہم سب خوش ہو گئے قبلہ سنی صاحب۔ میم صاحبہ بہت مسرور تھے۔ میم صاحبہ حضور قبلہ عالم کو مشکور نگاہوں سے دیکھتی رہی۔۔۔ صبح ڈاکٹر رولنس صاحب مغموم انداز میں کمرے میں داخل ہوئے۔ تو یہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔ کہ سب لوگ خوش و خرم بیٹھے ہیں۔ اس کے اندازے کے مطابق بچہ کا زندہ رہنا صبح تک ممکن نہ تھا۔ پوچھا رات کیسے گذری۔ سنی صاحب نے کہا کہ بچہ خیریت سے ہے۔۔۔ اسے یقین نہ آیا۔ خود بچہ کو زندہ حالت میں دیکھا۔۔۔ نبض دیکھی۔ سانس دیکھا۔ تو سکتے میں آگیا۔ کہ بچہ بالکل صحت مند تھا۔۔۔ پوچھا رات میں کوئی واقعہ پیش آیا!۔۔۔ قبلہ سنی صاحب نے فرمایا۔۔۔ ہاں۔۔۔ میرے پیر صاحب آپ کے جانے کے بعد ہندواڑہ سے تشریف لائے۔ انہوں نے دعا کی بچہ اسی وقت صحت یاب ہو گیا۔ ڈاکٹر نے حضور قبلہ عالم سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ حضور قبلہ عالم نے اجازت دی۔۔۔ ڈاکٹر آیا۔ اور عیسائی عقیدہ کے مطابق آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر جھک گیا۔ حضور قبلہ عالم سے حد درجہ عقیدت کے ساتھ ملا۔۔۔ کہنے لگا۔ میں آپ کو بزرگ تسلیم کرتا ہوں۔ آپ اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی اسی طرح بیماروں کو اچھا کرتے تھے۔ ڈاکٹر رولنس نے۔ میم صاحبہ کو گھر جانے کی اجازت دی۔۔۔ قبلہ سنی صاحب اور میم صاحبہ ہسپتال سے فارغ ہو کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس اور ان کے خاندان کا بیعت ہونا

حضور قبلہ عالم کو نظام الدین نے گھر آنے کی دعوت دی۔۔۔ حضور نے دعوت قبول فرمائی۔۔۔ اور نظام الدین کے گھر تشریف لے گئے۔ نظام الدین کے بڑے بھائی۔۔۔ عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس بھی آپ سے ملے۔ وہ حیران تھے کہ حضور قبلہ عالم کیسے بغیر واقفیت کے ان کے گھر تشریف لائے۔ اس کی تفصیل خود نظام الدین نے بیان کی کہ میں کئی دنوں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک بزرگ یہاں تشریف لا رہے ہیں۔ اور میں انہیں اسی بیٹھک میں بٹھاتا ہوں۔ آج رات بھی میں نے حضور قبلہ عالم کو دیکھا۔ آپ تشریف لائے۔ مجھے یقین تھا۔ کہ آج آپ ظاہراً تشریف لائیں گے۔ اس لئے میں نے بیٹھک کو ان کے لئے سجا رکھا تھا۔ اور خود گیٹ پر کھڑا آپ کی راہ دیکھ رہا تھا۔ جونہی حضور

سامنے آئے میں نے انہیں پہچان لیا۔۔۔ اور بغیر کسی تعارف کے انہیں خوش آمدید کہا۔۔۔ یہ وہی ہستی تھیں جنہیں میں خواب میں دیکھتا رہا۔ آپ کی تشریف آوری پر واقعات خود بخود سامنے آگئے۔۔۔ عبدالکریم صاحب نے حضور قبلہ عالم کی عزت افزائی کی۔۔۔ اور سلسلہ اویسیہ میں داخل ہونے اور بیعت ہونے کی خواہش کی۔ چنانچہ عبدالکریم۔ نظام الدین اور ان کا خاندان حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوا۔۔۔ حضور سے استدعا کی گئی کہ کسی وقت ان کے ہاں تشریف لائیں۔ حضور نے آئندہ آنے کا وعدہ کیا۔ اور واپس گھر تشریف لے گئے۔

محترمہ سارہ بیگم کا قبول اسلام

بچے کا واقعہ میم صاحبہ کے حضور قبلہ عالم سے عقیدت و تشکر کے لئے اہم تھا۔ مگر آپ نے میم صاحبہ کو اسلام قبول کرنے پر اصرار نہ فرمایا۔۔۔ سَنّی صاحب نے میم صاحبہ سے کہا کہ اب تم کو اسلام قبول کرنا چاہیئے۔ میم صاحبہ نے کہا۔۔۔ سَنّی۔ میں تو تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہارے ساتھ رہوں گی۔ بچے بھی تمہارے ہیں۔ میں مصلحت کے تابع ابھی قبول اسلام کا اظہار کرنے سے مجبور ہوں۔ میم صاحبہ پر "مشنری کی ننیں" اثر ڈالتی رہیں۔ ایک دن ننوں نے میم صاحبہ کے خیالات کا اندازہ کرنے کے لئے۔ اس سے پوچھا۔ بتاؤ۔ اسلام قبول کرنے میں تمہارا کیا خیال ہے؟۔ اس نے یہی جواب دیا۔ کہ میں اپنے شوہر سے علیحدہ نہیں رہ سکتی۔ لہذا میرا بھی وہی دین ہوگا۔ جو میرے شوہر کا ہے۔ اس کے بعد ننیں۔ میم صاحبہ سے مایوس ہو گئیں۔ اور انہوں نے آئندہ ان سے ملنا ترک کر دیا۔۔۔ کیوں کہ وہ بھی۔ میم صاحبہ کی بیماری۔ اور بچہ کے معجزانہ طور صحت مند ہونے کا واقعہ دیکھ چکی تھیں میم صاحبہ کی والدہ کو بھی ان واقعات کا علم ہوا۔ تو اس نے بھی۔ میم صاحبہ کے خیالات کی حمایت کی۔ کہ سارہ (میم صاحبہ کا اصل نام) اپنے لئے جو کچھ پسند کرتی ہے۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس طرح میم صاحبہ کو اسلام کے قریب آنے کا بہتر موقع فراہم ہوا۔

میں پیلس[۱] میں کام کر رہا تھا۔ کہ قبلہ سَنّی ولایت خان صاحب کا پیغام ملا۔ کہ میں فوراً۔۔۔ گاندربل ان کے گھر پہنچوں۔ اچانک پیغام ملنے پر میں پریشان ہوا۔ کام چھوڑ کر قبلہ سَنّی صاحب کی خدمت میں پہنچا۔ دیکھا تو آپ بے حد پریشان تھے۔۔۔ میں نے خیریت پوچھی۔۔۔ فرمانے لگے۔ میم صاحبہ دو دن سے شدید بخار میں مبتلا ہیں۔ چوبیس گھنٹے۔ درد کی

---

[۱] میں ان دنوں مہاراجہ ہری سنگھ کے محل میں رنگ سازی کا کام کرتا تھا۔

شدت سے تڑپ رہی ہیں۔ انہیں شہر لے جا کر ڈاکٹر رولنس[1] کو دکھانا ہے۔ لہذا تم یہاں گھر پر رہو۔۔۔ اور بچوں کی نگرانی کرو۔ ہم بچوں کو گھر پر چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ قبلہ سنی صاحب میم صاحبہ کو شہر لائے۔ اور ڈاکٹر رولنس کے مشن ہسپتال (واقع گپکار) میں داخل کر دیا۔ ڈاکٹر رولنس میم صاحبہ کی تکلیف دیکھ کر خود فکر مند ہوئے۔ اس نے میم صاحبہ کا معائنہ کیا۔ کہا کہ انہیں مالٹا بخار ہو گیا ہے۔ یہ مرض شدید صورت اختیار کر گیا ہے۔ اس کے لئے طویل علاج کی ضرورت ہے میم صاحبہ کو کم از کم دو ماہ ہسپتال میں زیر علاج رہنا پڑے گا۔ اس کے علاج میں ذرا سی کوتاہی ہلاکت کا سبب بن سکتی ہے۔ اس خبر سے سنی صاحب کے اوسان خطا ہو گئے۔ اتنا طویل عرصہ بچوں اور گھر کو چھوڑنا۔ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ میم صاحبہ کے علاج کے لئے ہسپتال میں رہائش کی فیس اور قیمتی ادویات فراہم کرنا۔ پریشان کن مسئلہ تھا۔ کہ قبلہ سنی صاحب ہسپتال کی فیس ادا کرنے کے متحمل نہ تھے۔ ارادہ کیا۔ کہ ہسپتال کے قریب کرایہ پر مکان لیا جائے۔ قبلہ سنی صاحب کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ ایک طرف گھر ہے۔ گھر آ کر بچوں کو دیکھنا ملازمت پر حاضری دینا۔ پھر میم صاحبہ کی خود تیمارداری کرنا۔ علاج میں ابھی ہفتہ بھی نہ گذرا تھا۔ کہ اچانک وہ پشتی بان آپہنچا۔ جس نے اپنے محبوں کا غم اپنے سر لیا۔۔۔ ہاں!۔۔۔ وہ! جسے ہم "یا پیر مددی" کہہ کر پکارتے ہیں۔۔۔ وہ مددگار آپہنچا۔۔۔ ہاں وہی پیر۔۔۔ جنہیں سنی صاحب نے کہا تھا۔۔۔ "یہ پیر ٹھگ ہوتے ہیں۔" جس ذات کی "ٹھگی" کی قدم قدم پر سنی صاحب کو شہادت ملتی ہے۔ کہ پیر دین و دنیا میں حامی و ناصر ہوتا ہے۔۔ لَا رَیْبَ فِیْهِ ۔ اس میں کسی قسم کے شک و انکار کی گنجائش نہیں۔۔۔ وہ حاضر و ناظر ہوتا ہے۔۔۔ جو اپنے چاہنے والوں کے ظاہر و باطن سے آگاہ رہتا ہے۔۔۔ ان کی ہر مشکل میں ساتھ دیتا ہے ان کی مدد کرتا ہے۔ اور عاقبت سنوارتا ہے۔ مختار و شفیع ہوتا ہے۔۔ بِاِذْنِ اللّٰہِ یہ قوت اللہ اپنے خاص بندوں کو عطا کرتا ہے۔۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جن سے اللہ نے وعدہ کیا۔۔۔

وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ
بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۝ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۱)

جس نے اللہ کے ساتھ اپنا وعدہ پورا کیا۔ یعنی جان۔ مال۔ اولاد اللہ کے ہاتھ فروخت کر ڈالے۔ تو اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے اپنا محبوب بناتا ہے۔۔۔ محبوبیت کا مقام کیا ہے۔

---

[1] ڈاکٹر رولنس ان کا خاندانی ڈاکٹر تھا اس نے میم صاحبہ کو اپنی لڑکی بنایا تھا۔

بِاِذنِ اللّٰہِ۔ اللہ اپنی صفات سے اپنے بندے کو متصف کر دیتا ہے۔۔۔ اسے اختیار دے دیتا ہے۔ وہ جسے چاہے اس کے بندوں کو ان کی مصیبت کے وقت نصرت کرے۔ وہ جسے چاہے۔۔۔ اس کے بندوں کے لئے عذاب آخرت سے بھی نجات کا سبب بنے۔۔۔ شفاعت کرے۔۔۔ وہ محبوبِ خدا۔۔۔ وہ محبوبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اپنے دوست کی مدد کو سر پر آن پہنچا۔۔۔ پوچھا "سنی۔ تم غمزدہ نہ ہو۔۔۔ میں تیری مدد کو آپہنچا"۔۔۔ حضور قبلہ عالم سیدھے۔ میم صاحبہ کے پاس پہنچے۔۔۔ میم صاحبہ نے حضور کو دیکھا۔ تو چیخ چیخ کر رونے لگی۔ حضور آپ پہنچ گئے۔۔۔ میں شدید عذاب میں مبتلا ہوں۔۔۔ مجھے بچائیے۔ واللہ میں اب آپ کی غلام بنے بغیر ایک سانس بھی نہ لوں گی۔ میرے لئے دعا فرمائیں۔۔۔ میم صاحبہ نے واویلا کیا حضور میرا گھر برباد ہو گیا۔ میرے بچے یتیم حالت میں پہنچے ہیں۔ میرا مرض طویل ہے۔ لِلّٰہ مجھے بچائیے۔۔۔ حضور قبلہ عالم۔۔۔ ان کی اضطرابی کیفیت سے متاثر ہوئے جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔۔۔ پکارے۔۔۔ سنی میم صاحبہ کو گھر لے چلو۔ "میم صاحبہ ٹھیک ہیں۔۔۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں۔۔۔ فوراً گھر جانے کا بندوبست کرو۔۔۔" سنی تو حق الیقین کی حد تک پہنچ چکا تھا۔۔۔ شبہ کی یہاں گنجائش نہ تھی۔۔۔ عرض کی حضور میرے ماں باپ آپ پر فدا۔۔۔ ابھی انتظام کرتا ہوں حضور نے میم صاحبہ سے فرمایا۔۔۔ ڈاکٹر آئے تو اس سے چھٹی لے لو۔ کہو کہ میں گھر جاؤں گی۔ یہ ایک غیبی ندا تھی۔۔۔ جسے سن کر میم صاحبہ کی حالت بدل گئی۔۔۔ بستر پر اٹھ بیٹھی۔۔ جیسے کوئی مرض تھا ہی نہیں۔۔۔ ڈاکٹر آیا۔۔۔ میم صاحبہ نے کہا۔۔۔ ڈاکٹر میں گھر جانا چاہتی ہوں۔۔۔ مجھے اجازت دیں۔۔۔ ڈاکٹر متعجب ہوا۔ کہ میم صاحبہ کیا کہہ رہی ہیں۔ سمجھے شاید بحرانی کیفیت طاری ہو گئی۔ کہنے لگا۔۔۔ حوصلہ رکھو۔۔۔ گھبراؤ نہیں۔ ابھی تمہیں، علاج کی ضرورت ہے۔ جلدی نہ کرو۔۔۔ ڈاکٹر نے اپنی عادت کے مطابق دیکھنا شروع کیا۔ نبض دیکھی۔۔۔ نبض میں فرق محسوس کیا۔ تھرما میٹر لگایا۔۔۔ تو حیران رہ گیا۔ میٹر صحت مند حالت بتا رہا تھا۔ غور سے دیکھا۔ تو بخار کا ذرہ بھر اثر نہ پایا۔۔۔ گھبرا گیا واپس آیا۔۔۔ سنی سے پوچھا۔ سارہ تو اس وقت بالکل صحت یاب ہے۔ سنی صاحب کے قریب حضور قبلہ عالم تشریف فرما تھے۔۔۔ ڈاکٹر نے انہیں پہچانا۔۔۔ ڈاکٹر کچھ سوچ نہ سکا۔۔۔ سمجھ میں بات آگئی۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے آگے جھک گیا۔۔۔ پوچھا جناب کب تشریف لائے ہیں۔۔۔ سنی صاحب نے کہا۔۔۔ ابھی آدھ گھنٹہ گذرا ہو گا۔ اس کے بعد۔ زبان سے کچھ نہ بولا۔۔۔ دفتر جا کر میم صاحبہ کو ہسپتال سے خارج کر کے گھر جانے کی اجازت دے دی۔۔۔ اور گھر چلا گیا۔۔۔ سنی صاحب

شہر آنے لاری میسر نہ آسکی۔۔۔ کشتی مہیا کی۔۔۔ اور اسی دن کشتی میں سوار ہو کر میم صاحبہ کو گھر لے آئے۔ گھر پہنچتے ہی میم صاحبہ صحت مند حالت میں گھر کی صفائی۔۔۔ اور بچوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہو گئیں۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ تو میم صاحبہ نے حضور قبلہ عالم کے قدموں میں سر رکھ دیا۔۔۔ اور اعلانیہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

کا کلمہ بہ صمیم قلب پڑھ کر تصدیق بالقلب کا اظہار کیا اور بیعت ہو گئیں۔ آپ جانیں! یہ تو حضور قبلہ عالم کے ادنیٰ غلام کا ذکر ہے۔ ابھی اور بھی تذکار باقی ہیں۔۔۔ جن کا اس صحیفہ میں اپنے اپنے موقع پر ذکر ہوتا رہے گا۔

سخی صاحب کے والد کی وفات

ولی کے ناسوتی کمالات اس کی ولایت کی دلیل سمجھے جاتے ہیں۔۔۔ ایک نبی کے معجزات۔۔۔ کمالات نبوت۔۔۔ رسالت۔۔۔ اور من جانب اللہ مامور ہونے کی دلیل سمجھے جاتے ہیں۔۔۔ اب ایک ایسا ہی واقعہ بیان ہوتا ہے۔ جو ظاہراً ناسوتی عمل ہے۔ لیکن نتیجہ ملکوتی تصور ہوتا ہے۔ جناب قبلہ سخی صاحب کو حق الیقین کی حد تک اپنے پیر اکمل پر یقین ہو چکا تھا۔ یہ سب کچھ حادثاتی طور پر ظہور ہوتا رہتا۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے ایسے واقعات کو خود کوئی اہمیت نہ دی۔۔۔ نہ آپ نے اپنی کمالیت کی دلیل میں ایسے واقعات کا ذکر کرنا ضروری سمجھا۔۔۔ یہ صرف ہمارے چشم دید واقعات ہیں۔ جن کا ہم ذکر کرتے ہیں۔

جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب خود اس واقعہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جو ہو بہو یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔۔۔ کہ ایک دن گھر (میر پور) سے خط آیا۔ کہ والد صاحب شدید بیمار ہیں۔۔۔ آپ کے والد اگرچہ ظاہراً عیسائی مشنری سے قطع تعلق کر چکے تھے۔ اور اپنے آبائی گاؤں میں سکونت اختیار کر رکھی تھی۔ اور ان کے خاندان کے تمام افراد دولتِ ایمان سے سرفراز ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے دل میں اپنے والد کے متعلق خدشہ باقی تھا۔ کہ انہوں نے پیر صاحب کی بیعت نہیں کی تھی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ ان پر عیسائیت کا اثر باقی ہے۔ خط ملنے پر انہیں فکر لاحق ہوا۔ کہ واللہ اعلم والد کے ایمان کی کیا کیفیت ہے۔۔۔ اسی خیال سے اپنی بیٹی زینت کو بلا کر کہا بیٹی تمہارے دادا کی بیماری کا خط آیا ہے۔ انہیں پیش کرو دیکھو ان کا کیا حال ہے زینت نے مراقبہ کیا۔۔۔ کہنے لگی۔۔۔ پاپا۔ گھر میں چار پائی پر لیٹے ہیں۔ (ساتھ ہی گھر کا پورا نقشہ بیان کیا) کہتی ہے۔ ان کے پاس

نوشابہ۔۔۔ چچا بشیر وغیرہ بیٹھے ہیں۔ پاپا("پاپا" داؤد خان صاحب مرحوم کو کہتی ہے) سے کہتے ہیں۔ کلمہ پڑھو۔۔۔ مگر وہ کلمہ نہیں پڑھتے۔۔۔ قبلہ سنی صاحب نے پوچھا۔۔۔ کہ وہاں اور کون موجود ہے۔ زینت نے کہا۔ کہ ایک اجنبی شخص پاپا کے قریب کھڑا ہے۔ اس کی شکل ڈراونی نظر آتی ہے۔ وہ پاپا سے کہتا ہے۔ کلمہ نہ پڑھنا یہ سن کر قبلہ سنی صاحب بے حد پریشان ہو گئے۔۔۔ زینت سے کہا۔ پیر صاحب کا تصور کرو۔۔۔ تصور کے ساتھ ہی پیر صاحب موجود ہوئے۔۔۔ پیر صاحب نے اس اجنبی کو دیکھ کر تھپڑ مارا۔۔۔ اور وہ چیختا ہوا بھاگ گیا۔ پیر صاحب نے پاپا پر توجہ ڈالی تو پاپا نے کلمہ پڑھنا شروع کیا۔۔۔ اور آنکھیں بند ہو گئیں۔ سب لوگ رونے لگے قبلہ سنی صاحب نے زینت کو مراقبہ سے ہٹا لیا۔۔۔ اور اللہ کا شکر کیا۔ کہ ان کے والد ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ بعد میں قبلہ سنی صاحب نے گھر تعزیتی خط لکھا اور والد کی وفات کے متعلق واقعات پوچھے۔ تو زینت کے مراقبہ میں مشاہدہ کی گئی کیفیت حرف بحرف درست ثابت ہوئی (سوائے اس کے کہ انہیں شیطان کا والد صاحب پر توجہ ڈالنے کا علم نہ تھا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔۔۔ شیطان۔ عمر ابنِ الخطابؓ سے بھاگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا۔ کہ تو میرے بندوں میں سے۔ جنہیں میں پسند کروں بہکا نہ سکے گا۔ بلاشبہ۔ اللہ کے محبوب بندے۔ علمائے امت میں شامل ہیں علمائے امت ہر باطل شیطان قوت پر غالب ہوتے ہیں۔۔۔ انہیں یہ قوت حاصل ہے۔ کہ انسان کو بھی۔۔۔ شیطان کے غلبہ سے محفوظ کر سکیں۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ اللہ نے تمام انبیاء کو مخلوق انسانی کی ہدایت اور آخرت کے عذاب سے نجات کا سبب بنا کر بھیجا۔۔۔ کہ مخلوقِ انسانی کی مدد کریں۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ افضل الانبیاء کی حیثیت میں مخلوق انسانی کی نجاتِ آخرت کے لئے مبعوث ہوئے۔ اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کی امت میں علماء امت۔۔۔ اولیائے کاملین بھی مخلوقِ انسانی کی نجاتِ آخرت کے لئے مامور ہوئے۔۔۔ جو۔۔۔ مرضی الٰہی کے تابع۔ ہر انسان کے لئے نجاتِ آخرت میں مددگار ہوں۔۔۔ یہ ایک حقیقی، عمل ہے۔ جس میں کسی قسم کا مبالغہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔۔۔ قبلہ سنی صاحب کے والد کا واقعہ ایک حقیقت ہے۔ کہ ولی اکمل۔ صاحب فنا و بقا۔۔۔ محبوبِ خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں یہ خصوصیت شامل ہے۔ کہ وہ کسی مرید کے پکارنے پر۔۔۔ اپنی "باطنی خصوصیات" کے ساتھ اپنی روحانی قوت سے اس کی نجاتِ اخروی میں اس کی مدد کرے۔۔۔ اس حقیقت کو سمجھنے اور یقین کرنے کے لئے۔ قرآنی آیات کی روشنی میں۔۔۔ ایک ولی کی خصوصیاتِ

ولایت کو سمجھنا۔۔۔ ضروری ہے۔۔۔ کہ ولی اکمل کی حیثیتِ باطنی میں کیا خصوصیات پنہاں ہوتی ہیں۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔

پیر باشد مثلِ پیر من عیاں
نے چو پیر عرض کیسہ درنہاں
ایں سخن پایاں نہ دارد اے آمین
حصہ کو دارد کہ ہست حق الیقین
حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال
تا بیابی حکمت از صنعے جلال
کہ روی در پیش کامل راہنما
پر کنی کاسہ زِ خم او چوں گدا

ان انعامات کی روشنی میں۔ یہ سمجھنا آسان ہے۔ کہ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کے نزدیک حضور قبلہ عالم کی ذات ایک محبوب کی تھی۔ جن کے قدموں میں آپ اپنی جان و مال اولاد قربان کرنے پر ہر لمحہ مستعد رہتے تھے۔ آپ کو اپنے پیر سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ اور خود قبلہ سخی صاحب کا حضور کے نزدیک کیا مقام تھا۔؟ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔ کہ تم سب میرے مرید ہو۔۔۔ اور سخی میرا دوست ہے۔ یہ مقام وہی جان سکتا ہے۔ جو دوستی کے آداب سے واقف ہو۔۔۔ جو قرآنی آیات کی تفسیر کا حامل ہو۔۔۔ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ ۔۔ کی تفسیر جانتا ہو۔۔۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو "صاحب" (یعنی دوست) کے خطاب سے پکارا۔۔۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین کو "صحابی" کہہ کر پکارا۔

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ

میرے دوست میرا پر تو ہیں۔۔۔ جیسے ستارے سورج کا پر تو، ان کی اقتداء کرو۔۔۔ تو تمہیں حقیقت کا راستہ مل جائے گا۔۔۔ تم نجات یافتہ ہو جاؤ گے۔۔۔

اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ السَّفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ

میرے اہل۔۔۔ مانند کشتی نوح ہیں۔ جس نے ان کی اقتداء کی اس نے نجات (نجات آخرت) پائی۔۔۔۔ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ ۔۔ جس نے ان سے اختلاف کیا وہ قعرِ مذلت میں غرق ہوا۔۔۔ قرآن نے ایک خاص مقام کی طرف اشارہ کر کے "صاحب" کا خصوصی تصور

دیا---

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے "دوست" سے کہا یہ ڈر کا مقام نہیں۔ دو دوستوں کی معیت میں اللہ خود ساتھ ہوتا ہے۔ یہ دوست کی تفسیر ہے---!

ولی اللہ کا دوست--- اور ولی کا دوست بھی اللہ کا دوست--- قرآن نے ولی کی واضح خصوصیت بیان کی۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط

اللہ دوست رکھتا ہے ایمان والوں کو--- نکالتا ہے۔ اندھیرے سے نور کی طرف--- نور اس کے اسرار باطنی سے ہے--- اس کے دیدار و معرفت سے ہے--- "ولی" اور "صاحب" کے معنوں میں ایک ہی "دوست" کا مادہ ہے۔

جناب قبلہ سخی صاحب اپنے پیر اکمل کی محبت میں مقام فنا و بقائے ذات الہیٰ پا چکے تھے۔ آپ اپنے پیر اکمل کے "صدیق"--- دلیل۔ تھے۔ ولی اکمل۔آپ کی نسبت سے ہزاروں لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ حضور قبلہ عالم سے نسبت کے بعد قبلہ سخی صاحب نے مبلغ کی حیثیت سے سلسلہ اویسیہ کو بہت وسعت دی--- شہر (سری نگر) میں کثرت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے---

میم صاحبہ کا پاکستان جانے سے انکار
اور سخی صاحب کی وفات

تقسیم ہندو پاکستان کے ابتدائی زمانہ میں (غالباً یہ ۱۹۴۸ء اکتوبر کا زمانہ تھا) محمد حنیف کے چھوٹے بھائی محمد شریف قریشی--- بمعہ اپنے چھوٹے بھائی محمد عبدالحفیظ ۔والدہ۔ ہمشیران اور چند چھوٹی بچیوں کے پاکستان جانے کے لئے تیار ہو گئے--- قبلہ سخی ولایت خان صاحب کو پاکستان سے بے حد انس تھا--- آپ بھی بمعہ عیال پاکستان جانے کے لئے تیار ہو گئے--- آپ کی دیکھا دیکھی میں بھی آپ کے ہمراہ جانے پر تیار ہو گیا--- میرے ساتھ عبدالقادر لون بھی تیار ہو گیا۔ قبلہ سخی صاحب نے میم صاحبہ سے اپنے پاکستان جانے کا ذکر کیا--- کہ آپ بھی پاکستان جانے کے لئے تیار ہوں--- مگر میم صاحبہ نے پاکستان

جانے سے انکار کر دیا۔۔۔ اسی اثناء میں حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔۔۔ قبلہ سُنی صاحب نے حضور سے اپنے پاکستان جانے کا ذکر کیا۔۔۔ اور کہا کہ میم صاحبہ پاکستان جانے پر رضامند نہیں۔۔۔ آپ اسے سمجھائیں۔ کہ وہ بھی میرے ساتھ جانے پر آمادہ ہو۔۔۔ حضور قبلہ عالم گاندربل تشریف لے گئے اور میم صاحبہ کو قبلہ سُنی صاحب کے ساتھ پاکستان جانے کے لئے کہا۔۔۔ میم صاحبہ نے کہا۔۔۔ میں پاکستان جانے پر تیار ہوں۔ مگر گستاخی معاف۔۔۔ پہلے میرے سوالات کا جواب دیں۔۔۔ حضور نے سوالات پوچھے تو عرض کی۔۔۔

پہلا یہ کہ پاکستان جا کر ہمیں روزی تلاش کرنی ہو گی۔ اگر اس لئے جانا ہے۔ تو جیسے وہاں خدا رزاق ہے۔ ویسے ہی یہاں بھی وہی رزاق ہے۔ پاکستان میں اس کی رزاقی میں کوئی اضافہ نہیں۔ جس کے لئے ہم پاکستان جانے کے لئے مجبور ہوں۔

دوسری بات۔ ہم عقیدت کی خاطر پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں سب سے زیادہ عقیدت کس سے رکھنی واجب ہے؟۔ ہم نے اپنی زندگی کے مقصد کا تعین کر رکھا ہے۔ وہ یہ کہ آپ کی صحبت میں رہ کر۔۔۔ اللہ کی رضا حاصل کریں۔۔۔ ہم آپ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں۔۔۔ آپ کشمیر میں رہیں گے۔ اور ہم خدا ڈھونڈنے پاکستان جائیں۔

کایں راہ تو مے روی بہ ترکستان است۔

پاکستان جا کر ہم۔۔۔ آپ سے دور ہو جائیں گے۔ آپ کو کھو بیٹھیں گے۔۔۔ جب ہمارا دعوئے آپ سے محبت کا ہے۔۔۔ تو بے شک سُنی پاکستان جائے۔ میں تو وہاں رہوں گی۔ جہاں میرا پیر ہو گا!۔۔۔ حضور قبلہ عالم، میم صاحبہ کا یہ۔۔۔ استدلال سن کر خاموش ہو گئے۔۔۔ سُنی صاحب سکتہ میں آگئے۔ یہ سکتہ ایسا تھا جیسے کسی نے خواب سے جگا دیا ہو۔۔۔ اپنے فعل پر نادم ہو گئے۔ کہنے لگے جس بیوی کو میں پیر کی محبت میں حائل سمجھتا تھا۔ وہی میری ناصح ثابت ہوئی۔ اس نے مجھے حق کا راستہ دکھایا!۔۔ وہ مجھ سے سبقت لے گئی۔ میں پاکستان جانے سے توبہ کرتا ہوں۔۔۔ اس کے بعد جناب قبلہ سُنی صاحب مجسم محبت کا نمونہ بن گئے۔۔۔ اور پوری زندگی حضور قبلہ عالم کی رفاقت میں رہے۔ ان کے اہلِ و عیال نے حقِ دوستی۔۔۔ حقِ وفاداری پورا کر دکھایا۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے اس دورِ کرب و ابتلا میں۔ جب زمانہ کے حالات بد ترین صورت اختیار کر گئے۔ آپ نے حقِ رفاقت ادا کیا۔۔۔ جس سے حضور کو کافی ڈھارس ملی۔ یہاں تک کہ ۱۹۵۶ء میں ماہِ رمضان المبارک کا آخری عشرہ تھا۔ قبلہ سُنی صاحب شہر تشریف لائے۔۔۔ اور فرداً فرداً ہر دوست سے ملے۔۔۔ فرمایا۔۔۔

یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ ہم آپ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہوتے ہیں[1]۔ تو وعدہ الہیٰ پورا ہوا۔۔۔ آپ نے اپنے محسن اور جان سے عزیز محبوب کو اس دارالمحن میں چھوڑ کر۔۔۔ دارالقرار کا سفر اختیار کیا۔۔۔ اس جہاں فانی سے رخصت ہو گئے۔۔۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حصولِ حقیقت میں "حُب" کا ایک اہم مقام ہوتا ہے۔۔۔ قرآن و حدیث سے بھی اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے۔ کہ ایمان کی تصدیق بغیر حب کے نہیں۔۔۔ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ کے فرمان میں حب کو عمل کا اصل قرار دیا گیا۔۔۔ اور حدیث سے بھی اس امر کی تصدیق ہوتی ہے۔۔۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ

کے فرمان نبوی ﷺ میں حب کو ایمان کی اصل قرار دیا گیا۔۔۔ اور "حب" کی تکمیل "معیت" سے کامل ہوتی ہے۔ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا جب کہا آپ نے اپنے دوست سے۔۔۔ ڈرو نہیں۔ ہم دو میں تیسرا۔۔۔ اللہ ہمارے ساتھ (مددگار) ہے۔۔۔ دو دوستوں کی حب میں "معیت" کا تصور خود قرآن نے پیش کیا۔۔۔ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ اور آپ کے ساتھ دینے والوں میں سے ایک خاص الخاص جماعت زائد عبادت میں آپ سے اشتراک کرتی ہے۔ دونوں صورتوں میں معیت کا تصور پایا جاتا ہے۔ کہ حب کی صورت میں رسول کی زندگی میں ان کے خیر و شر میں اس کا ساتھ دینا۔۔۔ یہی عمل ایک قائم مقام۔۔۔ نائب رسول۔۔۔ عالم امت کے حصولِ معرفت میں۔ لازم آتا ہے۔ کہ ولی کی حب کی تصدیق اس کی رفاقت و معیت سے پیش کی جائے۔ یہ عمل کا احسن تصور ہے۔ اسی معیت پر حصولِ معرفت کا مدار ہوتا ہے۔۔۔ درحقیقت یہی عمل۔۔۔ یہی تصور حصولِ حقیقت حصولِ معرفت کی حقیقی روح ہوتی ہے۔۔۔ ہاں! حب اور معیت میں۔۔۔ مقصودِ نظر راہبر کامل ہوتا ہے۔

---

[1] جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کے بھائی بشیر احمد سے جب میں پاکستان آنے کے بعد ملا ۔۔۔۔ اس وقت آپ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس نے کہا لالہ (سخی صاحب) نے مجھے آخری خط میں حالات اور نصیحتیں لکھیں۔ اور خط میں لکھا تھا۔ یہ میرا آخری خط ہے۔ اس کے بعد میں اس دنیا سے کوچ کر جاؤں گا۔

پنڈت شری دھر (ڈی۔ ایف۔ اُو) کی درود خوانوں میں شمولیت

حضور قبلہ عالم، قبلہ سنی صاحب مرحوم کے گھر تشریف لاتے۔۔۔ قبلہ سنی صاحب کی شخصیت سے جنگلات کے ہندو افسر بھی متاثر تھے۔ تو ہندو افسر حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کی خواہش کرتے۔۔۔ ایک ہندو افسر محکمہ جنگلات کے کنزرویٹر۔ پنڈت شری دھر کو علم ہوا۔۔۔ کہ حضور تشریف لائے ہیں۔ پنڈت صاحب نے قبلہ سنی صاحب سے حضور کی خدمت میں پیش ہونے کی خواہش ظاہر کی۔۔۔ آپ اِسے حضور کی خدمت میں لے آئے۔ وہ شخص بھی حضور کے کلام سے متاثر ہوا۔۔۔ عرض کی پیر صاحب میرے لئے دعا فرمائیں۔ محکمہ کے بالا افسر مجھ سے عداوت رکھتے ہیں۔ میرے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ کسی وقت وہ میرے خلاف سازش کر کے نقصان نہ پہنچائیں۔۔۔ مجھے کوئی وظیفہ بھی دیں۔ جو پڑھا کروں جس سے میں محفوظ رہ سکوں۔ حضور قبلہ عالم نے اسے ایک درود شریف پڑھنے کو دیا۔

ھا[1]۔ ھُوْ۔ ہِیْ۔ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

فرمایا۔ یہ وظیفہ ہر وقت پڑھا کریں۔۔۔ پنڈت صاحب نے وظیفہ یاد کیا۔۔۔ اور پڑھنا شروع کیا۔۔۔ اب تو پنڈت صاحب بھی عام مریدوں کی طرح قبلہ سنی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عقیدت کا اظہار کرتے۔۔ حالانکہ قبلہ سنی صاحب اس وقت پنڈت صاحب کے ماتحت بحیثیت رینجر تھے۔۔۔ اللہ کا کرنا ایسا ہوا۔۔۔ کہ فی الواقع مخالفین نے پنڈت صاحب کے خلاف غبن کا مقدمہ بنا لیا۔ مقدمہ عدالت میں گیا۔ مخالفین نے ٹھوس ثبوت فراہم کئے۔ لہذا پنڈت صاحب کے خلاف فیصلہ ہوا۔۔۔ اور انہیں ملازمت سے برطرف کیا گیا۔ پنڈت صاحب پریشان حال قبلہ سنی ولایت خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہا کہ آخر مخالفین میرے خلاف، سازش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ میں ہمیشہ وظیفہ پڑھتا رہا۔۔۔ پیر صاحب نے بھی دعا کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا۔۔۔ قبلہ سنی صاحب نے انہیں تسلی دی کہ فکر نہ کریں یہ وقتی ابتلا ہے۔ آپ بری ہو جائیں گے۔ آپ اپیل کریں۔۔۔ پنڈت صاحب نے اپیل دائر کی۔۔۔ لیکن اپیل کا فیصلہ بھی پنڈت صاحب کے خلاف ہوا۔۔۔ پنڈت صاحب مایوس ہو کر قبلہ سنی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ

---

[1] ھا۔ ھو۔ ھی۔ کلمہ شریف کا مخفف ہے۔ لَا اِلٰہَ سے ھا۔ اِلَّا اللّٰہُ سے ھو۔ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰہِ سے ھی۔ باقی ساتھ درود شریف۔

بھی متفکر ہو گئے۔ اسی اثناء میں حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے قبلہ سخی صاحب نے پنڈت صاحب کو حضور کے پیش کر دیا اور سارا واقعہ سنایا۔۔۔ حضور نے فرمایا۔۔۔ پنڈت صاحب۔ اب کوئی اور جگہ ہے۔ جہاں آپ اپیل کریں پنڈت صاحب نے عرض کی کہ اب اور کوئی جگہ نہیں یہ فیصلہ آخری تھا۔ حضور نے فرمایا آپ براہ راست مہاراجہ کو درخواست دیں۔ فیصلہ آپ کے حق میں ہوگا۔ پنڈت صاحب نے بادلِ نخواستہ مہاراجہ کو درخواست دی۔ قبلہ سخی صاحب پنڈت صاحب کی مایوسی سے متاثر تھے۔۔۔ اور باطنی طور پر خود بھی اس امر میں کوشاں تھے۔ کہ پنڈت صاحب کو بری ہونا چاہیئے۔ انہیں یقین تھا۔ کہ پنڈت صاحب کا وظیفہ پڑھنا بے سود ثابت نہ ہو گا۔۔۔ ایک دن حضور قبلہ عالم کے مرید راجہ علی اکبر صاحب۔ جو محکمہ جنگلات میں فارسٹر تھے۔ قبلہ سخی صاحب سے ملاقات کے لئے آئے۔۔۔ دوران گفتگو پنڈت فسری دھر کی برطرفی کا ذکر آیا۔ قبلہ سخی صاحب نے راجہ علی اکبر سے اس بارے میں مراقبہ میں حالات مشاہدہ کرنے کو کہا۔ راجہ صاحب نے مراقبہ کیا۔ اجلاس میں پیش ہوئے تو اجلاس میں اس معاملہ کے متعلق فیصلہ سنایا گیا۔۔۔ کہ پنڈت صاحب درود پڑھتے ہیں۔ اس لئے انہیں بحال کیا جاتا ہے۔ یہ خبر راجہ صاحب نے قبلہ سخی صاحب کو سنائی۔ انہیں اطمینان ہو گیا۔۔۔ چنانچہ جب پنڈت صاحب کی اپیل مہاراجہ کے پاس پہنچی۔ تو انہیں معلوم ہوا کہ محکمہ نے پنڈت صاحب کے خلاف غبن کا مقدمہ بنایا ہے۔ اور انہیں برطرف کیا گیا ہے۔ درخواست پڑھ کر مہاراجہ بہت غصہ ہوئے۔ کہ ایسے شریف دیانتدار افسر پر الزام بے بنیاد ہے۔ یہ محض سازش ہے۔ انہوں نے غصہ میں آکر مثل پھاڑ دی۔۔۔ اور پنڈت صاحب کو باعزت طور بحال کر دیا اور محکمہ کو تنبیہ کی کہ آئندہ پنڈت صاحب کے خلاف کوئی ایسا مقدمہ بنایا گیا۔ تو ہم محکمہ کے افسران کو برطرف کر دیں گے۔ بظاہر پنڈت صاحب ہندو تھے۔ مگر اس واقعہ سے وہ بے حد متاثر ہوئے۔ ان کی عقیدت میں اور اضافہ ہوا۔۔۔ یہ بات واضح ہے۔ کہ ایک شخص نہ دینِ اسلام سے تعلق رکھتا ہے۔ نہ طریقت سے اسے لگاؤ ہے۔ محض عقیدتاً درود شریف پڑھنا۔۔۔ اور حضور قبلہ عالم کی صحبت سے فیض پانا۔ بیکار ثابت نہ ہوا۔۔۔ یہ تو قرآنی فیصلہ ہے۔

فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝

جو ایک مثقال بھر عمل نیک کرے۔ اسے وہ نتیجہ مل جائے گا۔ یہ ایک الہیٰ اصول ہے۔۔۔ ایک ہندو پیر اکمل کے فیض و نصرت سے محروم نہ رہا۔۔۔ اسے بھی بارگاہِ محمدی ﷺ سے فیض عطا ہوا۔ یہ مقام رحمت للعٰلمینی ہے۔ اور پیر اکمل کی محبوبیت کا مقام۔ ان کی سفارش

غیر مسلم کے حق میں بھی قبول ہوتی ہے۔ ہاں!

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔

یعنی آں تاوقتیکہ جوشد از کرم
بیشوند ایں جملہ در وے منعدم
آں کے از سیر گیرد ایں مقام
غالب فہمد رحمتِ حق برعوام
پس بداند او کہ از رحمت رحیم
کس نمی سوزد زعصیاں در جحیم

ایک ولی مقام معرفت میں ذات الہیٰ کی صفات[1] کا جب مشاہدہ کرتا ہے۔ تو اس پر یہ حقیقت بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ کہ اگر اللہ کا "بندہ" --- (اس میں مسلم۔ غیر مسلم کی تخصیص نہیں)۔ صرف "بندہ" اپنے معبود کو تسلیم کرتے ہوئے کسی بھی حالت میں۔ اس سے عفو طلب کرے۔ تو اللہ اسے عفو کر دیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا۔۔ کسی حالت میں بھی ضائع نہیں ہو سکتا۔۔۔ اور جب ایک پیر اکمل کی محبوبیت اس عمل میں شامل ہو۔۔۔ تو جانو! درود شریف پڑھنا۔ اور اس کا فیصلہ اللہ کے نزدیک "محفوظ" ہے کہ آخرت میں۔ نامہ اعمال میں لکھا ہوا۔ یہ عمل۔ بندے کی مغفرت کا یقیناً سبب بن سکتا ہے۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ ایک بندہ تمام عمر عبادت کرتا ہو۔۔۔ آخر وقت اس سے کوئی گناہ کبیرہ سرزد ہو۔۔۔ تو اس کی تمام عمر کی عبادت ضائع ہو سکتی ہے۔۔۔ اور ایک بندہ تمام عمر گناہ کرتا ہو۔ آخر وقت اس سے کوئی ایسی نیکی سرزد ہو۔ تو اس کے عمر بھر کے گناہ محو ہو سکتے ہیں۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔۔۔ انسان کے ظاہری عمل پر۔۔۔ جنت دوزخ کا مدار نہیں۔۔۔ نہ معلوم اس میں کوئی ایسی نیکی پائی جاتی ہو۔ جس سے صرف اللہ باخبر ہو۔ اس نیکی کے بدلے میں وہ بخش دیا جاتا ہے۔ انسان۔۔۔ انسان کے باطن سے باخبر نہیں ہو سکتا۔ شاید باطن میں اس کے عمل میں کوئی نیکی پائی جائے۔ جو اس کی بخشش کا سبب بن جائے۔۔۔ اور پھر ایک شخص کو ایک ولی اکمل کی صحبت میں ایک حرف بھی میسر آئے۔

---

[1] حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

جو اس کے قلب کو متاثر کرے۔ بہتر نتیجہ سے خالی نہیں ہو سکتا۔۔۔

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اتری کا قبلہ پیر صاحب سے مجادلہ

ایک دن حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔۔۔ آپ کے ہمراہ خواجہ عبدالکریم صاحب بھی تھے۔ خواجہ صاحب نے عینک خریدنی تھی۔۔۔ حضور قبلہ عالم۔ خواجہ صاحب اور چند مرید۔۔۔ بازار میں ڈاکٹر اتری کی دکان سے عینک لینے کے لئے گئے۔ ڈاکٹر اتری کٹر مہاسبھائی ہندو تھا۔ اپنے علم میں ماہر تھا۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے ڈاکٹر اتری سے کہا۔۔۔ ڈاکٹر صاحب خواجہ صاحب کے لئے ایک عینک دیں۔ ان کی بصارت کمزور ہے۔ یہ بات ڈاکٹر اتری کو بری لگی کہنے لگا۔ آپ کیا جانیں۔۔۔ آنکھ میں کیا تکلیف ہے۔ ایسے ہی کہہ دیا۔ "بصارت کمزور ہے"۔۔۔ بصارت کا لفظ عربی تھا۔ تو اسے عربی لفظ سے چڑ تھی۔ کہا۔ تم نہیں جانتے کہ کس طرح دیکھا جاتا ہے۔۔۔ یہ بصارت و صارت غلط بات ہے۔ ہم اس کا معائنہ کریں گے۔ پھر عینک دیں گے۔ حضور کے مریدوں کو ڈاکٹر کی یہ گستاخی ناگوار گذری وہ ڈاکٹر سے الجھنے والے ہی تھے کہ حضور نے آنکھ کے اشارہ سے منع فرمایا۔ پوچھا۔ ڈاکٹر صاحب بصارت کچھ نہیں۔ تو پھر انسان کیسے دیکھتا ہے؟۔۔۔ ڈاکٹر نے کہا انسان دماغ سے دیکھتا ہے۔ حضور نے فرمایا ٹھیک ہے۔ پھر دماغ کی عینک بنا دیں ڈاکٹر کو یہ بات بھی بری لگی۔ درشت لہجہ میں بولا۔ عینک لینی ہے۔ یا بحث کرنی ہے جب تم جانتے نہیں۔ پھر بولتے کیوں ہو یہ حرکت بھی آپ کے مریدوں کے لئے باعث رنج تھی۔ مگر حضور کے منع کرنے پر سب خاموش ہو گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے خواجہ صاحب کا ٹسٹ کیا۔۔۔ اور نمبر بتایا۔۔۔ کہا کل عینک بنا کر دوں گا۔ کل آنا۔۔۔ حضور قبلہ عالم کو مذاق کی سوجھی۔ پوچھا دماغ کی عینک دیں گے یا آنکھ کی۔ ہم تو سب کو آنکھ پر ہی عینک لگائے دیکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سمجھدار تھا۔ اس سوال پر کچھ سنجیدہ ہو گیا۔ کہنے لگا۔ دراصل دیکھنے کا نظام دماغ سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ دقیق مسئلہ ہے۔ تم اسے سمجھ نہیں سکتے۔۔۔ حضور نے فرمایا۔۔۔ اگر آنکھ سے نہ دیکھا جائے۔ تو کیا دماغ بغیر آنکھ کے دیکھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا۔۔۔ ایسا نہیں۔۔۔ آنکھ سے ہی عکس حاصل ہوتا ہے۔ حضور نے فرمایا۔۔۔ دماغ آنکھ کا محتاج ہے۔ اس لئے آنکھ کا دیکھنا اصلی ہے۔ البتہ جس بات پر آپ جھگڑ رہے ہیں۔ وہ غلط فہمی کے باعث ہے۔ جس عمل سے آنکھ دماغ کو عکس فراہم کرتی ہے۔ ہم اسی عمل کو بصارت کہتے ہیں۔ آپ آنکھ کی بصارت کے لئے عینک دیں گے۔۔۔ ڈاکٹر کو خیال آیا۔۔۔ مریدوں سے پوچھا یہ کون

صاحب ہیں۔ مریدوں نے کہا یہ پیر صاحب ہیں۔ اس وقت ڈاکٹر کو اپنے رویئے کا احساس ہوا۔ کہنے لگا۔ خیر جو کچھ بھی ہے۔ مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ آپ پیر صاحب ہیں۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ میں آپ سے الجھا۔ خیر کل تشریف لائیں۔ عینک تیار ہو گی۔ حضور اٹھے تو ڈاکٹر صاحب بھی کرسی سے اٹھ کر باہر تک ساتھ آیا۔۔۔ اور سلام کیا۔۔۔ یہ ایک رسمی واقعہ تھا۔ مگر خالی از مصلحت نہیں۔

نورالدین کی کہانی خود اس کی زبانی

غالباً یہ ۱۹۳۹ء کا زمانہ تھا۔۔۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی بیعت کے بعد سری نگر کے شہر کے بہت سے لوگ حضور قبلہ عالم سے بیعت ہو کر سلسلہ اویسیہ میں داخل ہوئے۔ ان میں محمد حنیف قریشی بھی حضور سے بیعت ہوئے۔ آپ بھی محکمہ جنگلات میں رینجر تھے قبلہ سخی صاحب سے پہلے ہی راہ و رسم تھی۔ اس کے توسل سے بیعت ہو گئے۔ ان دنوں آپ گاندربل سے سات میل دور وائل گاؤں میں ڈیوٹی دے رہے تھے۔ محمد حنیف صاحب میرے ہم جماعت تھے۔ ایک دن گھر آئے۔ تو میری ان سے ملاقات ہو گئی۔ باتوں میں حضور قبلہ عالم کا ذکر ہوا۔۔۔ کہنے لگے۔۔۔ گاندربل میں ایک مولوی صاحب تشریف لائے ہیں وہ سخی ولایت خان صاحب کے پیر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ میں نے پوچھا۔۔۔ وہ مجذوب فقیر ہیں۔ یا باتیں بھی کرتے ہیں۔ کہنے لگے۔ نہیں وہ عالم ہیں۔ ہوش مند ہیں۔ اس سے قبل میں بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تڑپ رکھتا تھا۔ اسی تڑپ میں۔ میں اکثر خوابوں میں۔۔۔ سمندری جہاز پر حج کے لئے جاتا۔۔۔ کبھی مدینہ شریف کے کسی مدرسہ میں داخل ہوتے دیکھتا۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑی پر وعظ کرتے دیکھتا۔ ایسے موقع پر مجھ پر دیوانگی طاری رہتی۔ اور میں فراقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زار و زار روتا رہتا۔۔۔ جب بلوغت کی حد کو پہنچا اسی زمانہ میں میرے والد کا انتقال ہو گیا۔ والد کے انتقال کے بعد میں پابندیوں سے آزاد ہو گیا۔ میں فقراء کی تلاش میں گھومتا رہا۔ اس زمانہ میں کشمیر میں مجذوب فقراء کا دور تھا۔ شہروں۔ دیہاتوں۔ پہاڑوں میں فقراء عزلت نشین تھے۔ میں ہر فقیر کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ بظاہر فقرا مجھ سے ہمدردی کرتے مگر ان سے فیض حاصل نہ ہوتا۔۔۔ تقریباً دس سال اسی بادہ پیمائی میں گذرے۔ مجذوب فقراء سے مجھے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ آخر اچانک محمد حنیف صاحب نے یہ نوید سنائی۔ میرے دل میں حضور قبلہ عالم سے ملاقات کی شدید تڑپ پیدا ہوئی۔ میں نے محمد

حنیف صاحب سے کہا کہ مجھے بھی ان مولوی صاحب سے ملادو۔ کہنے لگے کل ہم واپس ڈیوٹی پر جا رہے ہیں۔ تم وائل گاؤں میرے پاس آؤ میں ان سے ملادوں گا۔ رات میں نے بے چینی سے گذاری دوسرے دن میں صبح ہی۔۔۔ وائل کی طرف روانہ ہو گیا۔ محمد حنیف صاحب سے ملا۔ تو انہوں نے کہا کہ مولوی صاحب کل ہی واپس گھر تشریف لے گئے۔ میرے لئے یہ ایسی اطلاع تھی۔ کہ جیسے میرا جسم شل ہو گیا۔ دل پر شدید غم طاری ہو گیا۔۔۔ میں نے محمد حنیف صاحب سے پوچھا۔ کہ مولوی صاحب کہاں رہتے ہیں؟ کہنے لگے وہ لولاب میں رہتے ہیں۔ میں نے اسی وقت فیصلہ کیا۔ کہ میں اسی حال میں ان کے گھر جاؤں گا۔ میرا ارادہ جنگل کی راہ سے جانے کا تھا۔ محمد حنیف صاحب کہنے لگے جلدی مت کرو۔ یہ راستہ کٹھن ہے۔ انتظار کرو۔۔۔ وہ پھر کبھی آئیں گے تو ملاقات ہو جائے گی۔ مگر مجھ پر اضطراب طاری تھا۔ میں نے کہا۔ میں ہر صورت ان کی خدمت میں پہنچنا چاہتا ہوں۔ جب تک میں ان کی خدمت میں نہ پہنچوں گا۔ مجھے چین نہیں ہو گا۔ انہوں نے بمشکل مجھے جانے سے روکا۔ کہنے لگے۔ کل تم سوپور کے راستہ سے جاؤ۔ میں ان کے گھر کا صحیح پتہ کر لوں گا۔ رات میرے پاس رہو۔ اس امید پر کہ کل مجھے پتہ دینگے۔ میں رات محمد حنیف صاحب کے ہاں ٹھہر گیا۔ صبح محمد حنیف صاحب کہنے لگے کہ میں ابھی واپس آتا ہوں۔ میں نے راجہ سخی ولایت خان کے گھر جا کر اپنا ایک پارسل لانا ہے۔ وہاں سے واپسی تک میرا انتظار کرو۔ میں ان سے پیر صاحب کے صحیح ٹھکانے کا پتہ لے کر آؤں گا۔ محمد حنیف صاحب گاندربل گئے۔ دوپہر کے قریب واپس آئے۔ تو کہنے لگے۔ لو تمہارا کام یہیں پر ہو گیا۔۔۔ میں نے سخی صاحب سے تمہارا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا۔ اسے میرے پاس بھیج دو۔۔۔ تم اب سخی صاحب کے پاس جاؤ۔۔۔ وہ تمہاری راہنمائی کریں گے۔ میں جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔۔۔ مقصد پوچھا۔ میں نے کہا میں مولوی صاحب سے ملنا چاہتا ہوں۔ مجھے ان کا پتہ دیں۔۔۔ انہوں نے کہا۔ کہ اگر ان سے بیعت کرنا چاہتے ہو۔ تو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ مولوی صاحب نے مجھے درود شریف دینے کی اجازت دی ہے۔ بہتر ہے کہ تم درود شریف مجھ سے لے لو۔ پھر جب وہ تشریف لائیں۔ تو بیعت کر لینا۔ جناب قبلہ سخی صاحب کی نصیحت سے مجھے گونہ تسلی ہو گئی۔ انہوں نے دو طرح کا درود شریف بتایا۔۔۔ ایک درود خضری۔۔۔ پانچ ہزار۔۔۔ اور دوسرا درود حضوری گیارہ سو۔۔۔ میں نے پانچ ہزار درود شریف پڑھنے کی اجازت لی۔ آپ نے درود شریف "خضری"

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمْ

پڑھنے کی اجازت دی۔ درود شریف لے کر میں بے حد مسرور ہوا۔ گویا مجھے کائنات کے خزانے مل گئے۔ بلاشبہ آج مجھے میری خوابوں کی تعبیر مل گئی۔ میری تمناؤں۔۔۔ آرزوؤں کے بار آور ہونے کی امید مل گئی۔۔۔ قبلہ سنی صاحب سے رخصت ہو کر میں شاداں و فرحاں گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ گھر گاندربل سے تیرہ میل کے فاصلے پر تھا۔ ارادہ کیا۔ کہ یہ راستہ پیدل طے کروں گا۔۔۔ راستہ میں درود شریف یاد کرتا جاؤں گا۔ اور آج رات سے ہی پڑھنا شروع کروں گا۔ اس خیال سے میں گھر کی طرف پیدل روانہ ہوا۔۔۔ اور چلتے چلتے درود شریف یاد کرتا گیا۔۔۔ تقریباً دو میل طے کئے ہوں گے۔ درود شریف زبانی یاد ہو گیا۔۔۔ لیکن چلتے چلتے تھکان محسوس ہونے لگی۔ دل میں خیال آیا۔۔۔ چلو آج پہلی آزمائش کرتے ہیں۔ عصر کا وقت قریب تھا خیال کیا کہ کوئی ٹانگہ ملے۔ جو مجھے گھر تک لے جائے۔ تھوڑی دور چلا تھا۔ کہ سامنے سے ایک تانگہ آتا دکھائی دیا۔ گاندربل سے شہر تک تانگہ ہی چلتا تھا۔ جو سواریاں شہر چھوڑ کر شام واپس گاندربل آجاتا۔ ٹانگہ شہر سواریاں چھوڑ کر واپس گاندربل جارہا تھا۔ میرے قریب پہنچ کر ٹانگہ رک گیا۔ ٹانگہ بان نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ میں نے کہا شہر جارہا ہوں۔ اس نے بغیر بات کیے واپس شہر کے رخ ٹانگہ موڑ لیا۔ مجھے کہنے لگا۔ بیٹھو میں شہر چھوڑ آتا ہوں۔ میں ٹانگہ پر بغیر کرایہ طے کئے سوار ہو گیا۔ اور اس نے مجھے شہر پہنچا دیا۔۔ میں نے کرایہ دینا چاہا۔ مگر اس نے کرایہ لینے سے انکار کیا۔ کہنے لگا میں تو اپنی خوشی سے آیا ہوں۔ میرا یہاں آنے کا وقت نہیں تھا۔ بس رخصت چاہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ واپس گاندربل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس واقعہ سے میرے یقین کو قدرتی طور تقویت ملی۔۔۔ اور میں پُر امید ہو گیا۔۔۔ گھر پہنچا تو رات سے ہی درود شریف پڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔ اسی وقت ایک دوست نے سینما جانے کی دعوت دی۔ میں نے سوچا۔ چلو سینما چلتے ہیں۔۔۔ واپس آکر ایک گھنٹہ میں پانچ ہزار پورا کر لوں گا۔۔۔ سینما سے واپس آئے تو تقریباً گیارہ بج چکے تھے۔ جلدی سے وضو کیا۔ عشاء پڑھی اور مراقبہ شروع کیا۔ ایک سو درود شریف پڑھنے میں کافی وقت لگا۔ دو تین سو درود پڑھا تو نیند نے غلبہ شروع کیا۔ دیکھا تو ایک ہزار درود شریف ایک گھنٹہ میں پورا ہوا۔ ادھر نیند بھی غالب ہونے لگی۔ کبھی سر پر پانی ڈالتا ہوں۔ کبھی چائے کی پتی چباتا ہوں۔ اسی جدوجہد میں درود شریف پانچ ہزار پورا کیا۔ اور ساتھ ہی صبح کی اذان ہو گئی۔ جسم میں شدید تھکان محسوس ہوئی۔ دل میں گھبرایا کہ درود شریف پورا کرنا کافی وقت لیتا ہے۔ صبح ہوتے ہی مہاراجہ کے محل سے کام پر آنے کے لئے آدمی آیا۔ کہ کام پر چلو۔ میں نے کام پر جانے سے انکار کر دیا۔ لیکن جانا بھی مجبوری تھا۔ اب صورت یہ ہوئی کہ کام سے واپس

آکر کھانا کھایا۔۔۔ اور عشاء کی نماز مسجد میں پڑھی اور ساتھ ہی درود شریف شروع کیا۔ دو بجے رات تک مسجد میں مشغول رہا اور یہ سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب نے ہدایت فرمائی تھی۔ کہ چالیس روز تک مسلسل پڑھتے رہو چالیس دن پوری محنت سے درود شریف پڑھا۔ لیکن ذرہ بھر مشاہدہ نہ ہوا۔ سخی صاحب سے عرض کی کہ میں چالیس روز پورے کر چکا ہوں۔ اب کوئی مزید وظیفہ بتائیں۔ باوجود دس سال فقراء کی صحبت کرنے کے میں اصولِ طریقت سے بے خبر تھا۔ انہوں نے فرمایا۔ چالیس دن کی شرط عارضی تھی۔ یہی درود شریف مستقلاً جاری رکھو۔ میں حسب الحکم تعمیل میں مشغول رہا۔ آخر وہ ساعت آئی۔ جس کے لئے میں مدتوں جنگلوں، ویرانوں کی خاک چھانتا رہا۔ اس رحیم و کریم نے مجھ پر احسان کیا۔ مجھے وہ خضر راہ میسر کر دیا۔ جس کے بعد کسی خضر کی ضرورت باقی نہ رہی۔۔۔ وہ محبوب عطا ہوا۔ جس کے بعد کسی محبوب کا تصور قلب و ذہن نے قبول نہ کیا۔ وہ وسیع خزانوں کا شہنشاہ ملا۔۔۔ کہ اگر ابراہیم ادھمؒ کو نصیب ہوتا۔۔۔ تو شہنشاہی چھوڑ کر جنگلوں کی خاک چھاننے کی اسے نوبت نہ آتی۔۔۔ فداہ امی وابی۔۔۔ ایک دن دوپہر کے وقت میں مسجد میں مراقبہ میں مشغول تھا۔۔ کہ مسجد میں جناب قبلہ سخی صاحب تلاش کرتے پہنچے۔ مجھے حضور کی تشریف آوری کی نوید سنائی۔۔۔ گویا سکندر کو آبِ حیواں کا پتہ مل گیا۔ آپ ہوٹل میں تشریف فرما تھے۔۔۔ ایک سادہ سی غیر معروف ہستی۔۔۔ دیدار ہوا۔۔۔ السلام علیکم عرض کی۔ آپ نے شفقت سے مصافحہ کیا۔ قریب بٹھایا۔ حضور میری طرف دیکھتے رہے۔۔۔ میں خاموش سر جھکائے بیٹھا رہا۔۔۔ آپ کے چہرہ مبارک پر نظر جمانے کی جرات نہ ہوئی:

وہ رعب حسن تھا غالب بوقتِ دید جمال
ہم اپنا حال اشاروں میں بھی سنا نہ سکے

قبلہ سخی صاحب نے سفارش فرمائی۔۔۔ نورالدین کافی دنوں سے آپ کی ملاقات کا خواہشمند ہے۔ درود شریف پڑھتا ہے۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔۔ حضور قبلہ عالم نے پوچھا۔۔۔ کیا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کی۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

فرمایا ایسا ہی ہو گا۔۔۔ مراقبہ۔۔۔ درود شریف جاری رکھو۔۔۔ میرا تصور قائم رکھو۔۔۔ اس حقیر ذرہ کو آغوش میں لیا۔۔۔ بیعت فرمائی۔۔۔ تھوڑی دیر ہوٹل میں قیام کے بعد۔ قبلہ سخی صاحب کے ساتھ گاندربل تشریف لے گئے۔ طبیعت میں بے حد سرور و مستی پیدا ہوئی۔۔۔ میں خود کو بھول گیا۔۔۔ میں اس کیفیت کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ میں کچھ سوچ بھی نہ

سکا۔ میں کیا ہوں؟ کہاں ہوں؟--- یہ ایک ایسی ساعت تھی۔ جو میری لطیف ترین ساعتوں میں ایک ساعت تھی۔ جس کی لذت میں بیان نہیں کر سکتا--- میں بہت خوش تھا--- خوش نصیب تھا--- مجھے ایک ایسا محبوب ملا--- جو میری روح کے ذرہ ذرہ میں چھا گیا۔ بس جی یہی چاہے۔ کہ میں تصور محبوب میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کھو جاؤں--- اسی محبوب کے تصور میں۔ دن رات مراقبہ کرتا رہا۔ ہاں! میں نے--- زیارتِ رسول ﷺ کی خواہش کی تھی--- فنافی اللہ کی خواہش کی تھی۔ لیکن ایک سال کا عرصہ گذرا--- مجھے اس قسم کا مشاہدہ ایک لمحہ کے لئے بھی نہ ہوا--- میں آدابِ محبت سے بے خبر تھا--- کہ محبت کے اثرات کیا ہوتے ہیں۔ میں سمجھ نہ سکا محبت کیسے کی جاتی ہے--- ہاں! جب کسی ذات کو محبوب بنایا جائے۔ تو محبت خود سکھا دیتی ہے--- کہ محبوب کے تصور کے سوا۔ کسی دوسری شے کی طلب کو قلب و ذہن سے دور رکھا جائے۔ میں کیفیات نوری کی جستجو کرتا رہا۔ میں زیارتِ رسول ﷺ کو ذہن میں رکھتا رہا--- مگر وہ نہ ہو سکی۔ میں غلطی پر تھا۔ میری سوچ نے مجھے اصل راہ سے ہٹا دیا۔ بھلا تصور شیخ کے سوا--- معرفت کی راہ مل سکتی ہے!--- اس نے تو کہا تھا۔ "میرا تصور قائم رکھو"--- یہی تو اصل راہ ہے! جس سے معرفت کی راہ ملتی ہے۔! میں نے بغیر تصور پیر کے اللہ کو پانے کی کوشش کی۔ مگر یہ جستجو لاحاصل---

میں رات دن مراقبہ و درود شریف میں مشغول رہا--- راتوں کو اسی جد و جہد میں رہا مگر مشاہدہ نہ ہو سکا--- میں حضور قبلہ سخی صاحب سے بار بار گلہ کرتا رہا۔ کہ جناب! زینت بھی مشاہدہ کرتی ہے۔ راجہ علی اکبر صاحب ان کے بچے۔ بیوی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اجلاس دیکھتے ہیں۔ یہ لوگ نہ رات جاگتے ہیں۔ نہ محنت کرتے ہیں۔ میں باوجود راتوں جاگنے کے ذرہ بھر نور نہیں دیکھ پاتا--- جناب سخی صاحب مجھے دلاسہ دیتے--- اور صبر کی تلقین فرماتے--- ابتدائی زمانہ تھا--- ایسا ملکوتی علم ہم نے پہلے کہیں سنا تھا۔ نہ دیکھا تھا۔ ہمارے لئے یہی کافی ہوتا۔ کہ ایک فقیر بجائے خود صاحب کشف ہو--- اور ہم اس سے اپنی حاجات دینوی پوری کرنے کی استدعا کریں۔ کسی مرید کے صاحبِ کشف ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا--- لیکن رفتہ رفتہ قبلہ سخی صاحب کی صحبت اور سلسلہ کے مریدوں کے حالات سامنے آتے رہے۔ تو اس سلسلہ کی حقیقت واضح ہوتی گئی--- قبلہ سخی صاحب نے فرمایا۔ کہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہو کر۔ خلوت میں بیٹھنے کی استدعا کرو۔ خلوت میں زیارت ہو جائے گی--- حضور قبلہ عالم تشریف لاتے--- تو آپ کے سامنے تو سوال کرنے کی جرات نہ ہوتی--- نہ ادب ہی اجازت دیتا کہ ہم آپ سے اپنی طرف سے کوئی فرمائش کریں---

شاید یہ اس قلبی حب کا تاثر تھا۔ جو آپ کے لئے ہمارے وجود میں پیدا ہو رہا تھا۔ سوائے اس کے کہ آپ کی تشریف آوری پر ہم خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔۔۔ آپ کی صحبت میں رہ کر صرف ہم آپ کا دیدار کرتے رہیں حضور کی تشریف آوری پر۔ چند مختصر ساعتوں کی صحبت میں۔ اچانک آپ کا تشریف لے جانا۔۔۔ ہمارے لئے آنے والے فراق کا احساس قلب پر ایک عجیب درد کی لذت پیدا کرتا۔۔۔ تو ہم بے چین ہو جاتے۔ کہ پیر صاحب تشریف لے جا رہے ہیں۔ ہم آپ کی قلیل صحبت غنیمت جان کر۔۔۔ اپنے تمام کاروبار سے کنارہ کش ہو کر تمام وقت آپ کی صحبت میں گذارتے۔۔۔ لیکن یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ اس کے ساتھ ہی رفتہ رفتہ یہ کیفیت پیدا ہونے لگی۔۔۔ کہ جب حضور شہر تشریف لائیں تو ہمیں بے حد خوشی ہو۔ مگر یہ خوشی اب بار ہونے لگی۔ کہ کچھ دیر صحبت میں رہ کر طبیعت مکدر ہو جائے۔ استخواں مضمحل ہونا شروع ہوں۔ جی چاہے۔ کہ اس صحبت کو چھوڑ کر باہر گھومنا شروع کریں۔ زیادہ دیر صحبت میں رہنا بار محسوس ہو۔۔۔ دل یہی چاہے۔ کہ اب حضور جلد واپس تشریف لے جائیں۔ اور جب آپ تشریف لے جائیں۔ تو پھر وہی فراق کی کسک محسوس ہونے لگے اور پھر حضور کے تشریف لے جانے کے بعد دیر تک ہمارے قلب پر مستی کے آثار رہیں مگر اب طبیعت میں بے چینی اور اضمحلال پیدا ہو۔۔۔ ایک دن جب حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ تو میں نے آپ سے اپنی یہ کیفیت بیان کی۔۔۔ فرمانے لگے۔ "نورالدین علم سیکھو۔ یہ طریقت سے بے خبری کے سبب ہے۔۔۔ ہم سمجھتے ہیں۔۔۔ کہ تم ہم سے محبت رکھتے ہو۔۔۔ اصل بات یہ ہے۔ کہ ابھی تمہارا مجاہدہ کامل نہیں۔۔۔ یہ امر "نفسِ امارہ" کی شرارت سے تعبیر ہے۔ نفس امارہ کی غذا دنیا کی لذت ہوتی ہے۔ تمہارا مجاہدہ۔ اور پیر کی صحبت نفس امارہ کے لیے۔ سم قاتل کا درجہ رکھتی ہے۔ نوری توجہ سے اس کی قوت زائل ہو جاتی ہے۔ تو یہ نوری زد سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ تمہاری بے چینی اور اضمحلال نفس امارہ کی بے چینی ہے۔ عبادت و مراقبہ اور صحبتِ پیر میں۔ رحمت (نور) کا نزول ہوتا ہے جس سے نفسِ امارہ مردہ ہو جاتا ہے۔ یہی مردنی کی کیفیت تمہیں بے چینی کی شکل میں محسوس ہوتی ہے۔ نفسِ امارہ کی قوت ہی۔۔ مشاہدہ میں حائل رہتی ہے۔ تمہارا میری طرف متوجہ رہنا۔ میری صحبت کا خواہاں رہنا۔ روح کی طلب ہے۔ اسی اثر کے تابع تم میری قربت کے خواہاں رہتے ہو۔ ہماری قربت میں ہماری نوری توجہ تم پر پڑتی ہے۔ اس توجہ سے نفس امارہ پر ضرب پڑتی ہے۔ تو یہ تلملاتا ہے۔ توجہ سے بھاگنا چاہتا ہے۔ وہ تمہیں میری صحبت کی زد سے نکال کر۔۔۔ بازاروں میں لے جانا چاہتا ہے۔ حقیقتاً

صحبتِ پیر طریقت کی اصل ہے۔ تصور پیر سے یہ عمل کامل ہو جاتا ہے۔ تصور پیر صحبت پیر سے تعبیر ہے۔ اس سے روح قوی اور نفس امارہ مغلوب ہو جاتا ہے۔ اسی عمل سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اسی عمل سے ایک طالب کو معرفت کے مراتب حاصل ہوتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہو۔۔۔ یہ کیفیت بری نہیں بلکہ روح و جسم کی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ یہ اچھی علامت ہے۔ لیکن مجاہدہ کی کمی۔۔ نورالدین علم سیکھو۔۔۔ تصور و مراقبہ سے اپنے نفس امارہ کو مغلوب کرو۔۔۔ کہ اس طرح یہ نور کی زد میں رہ کر پاک ہو جاتا ہے۔ اس کا فرار اور شرارت نفس ختم ہو جاتا ہے"۔۔۔ گو مجھ میں اجلاسِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی۔ مگر اس نصیحت کے بعد مشاہدہ کی تڑپ کم ہوتی گئی۔ جوں جوں ہمیں حضور قبلہ عالم کے صحبت و مواعظ حسنہ سننے کا مواقع ملا۔۔۔ ہم آداب طریقت سے باخبر ہونے لگے۔ رفتہ رفتہ ہم اصولِ طریقت میں سنجیدہ ہوتے گئے۔ اس دوران حضور قبلہ عالم کے وہ روشن باب ہم پر کھلے۔ جس نے ہمیں آپ کا گرویدہ بنا کر ہر خواہشِ نفس سے بے نیاز کر دیا۔۔۔ ہمیں اصل طریقت کا علم ہونے لگا۔ کہ اصل طریقت کتنی وسیع اور مافوق العقل ہے۔

اس دوران مجھے قبلہ سخی صاحب کی مستقل صحبت میسر رہی۔ کیونکہ آپ میرے صحبتی پیر تھے۔ آپ کی نصیحتوں سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔۔۔ مگر جب میں دیکھوں کہ لوگ بغیر محنت چند ساعتوں میں صاحبِ مشاہدہ حضوری ہو جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔ اور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت رسول ﷺ کرتے ہیں۔ تو مجھ میں بھی زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ جاگ اٹھتی کیونکہ یہ تڑپ بچپن ہی سے میرے اندر موجود تھی۔۔۔ میں قبلہ سخی صاحب سے کھلنے کی التجا کرتا۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس قدر ارزاں فقیری کے باوجود میرا مشاہدہ نہ ہونا۔۔۔ ایک مصلحت کے تابع تھا۔ اسکی چند وجوہ تھیں۔۔۔ اول یہ کہ میں بھی ان خوش نصیبوں میں تھا۔ جن کو حضور قبلہ عالم کی خاص عنایت و شفقت حاصل تھی۔۔۔ حضور میری کثرتِ درود خوانی۔۔۔ اور محنت سے بہت خوش تھے۔ دوسرے آپ کی تشریف آوری پر میں اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے جب تک حضورؒ ہم میں موجود رہتے میں ہر جگہ آپ کی خدمت میں ساتھ رہتا۔۔۔ حضورؒ میری حُب کو دیکھ کر مجھے ہر مجلس میں ساتھ رکھتے۔ اس وجہ سے آپ مجھ پر شفقت فرماتے۔ ظاہر ہے اس شفقت میں توجہ کارفرما رہتی۔۔۔ تو مجھ پر اکثر نوری توجہ کا نزول رہتا۔۔۔ لیکن اس توجہ کا میرا قلب متحمل نہ ہوتا۔۔۔ تو مجھ پر قبض رہتا۔۔۔ دوسرے پیر کی حُب نے جب مجھے خواہش دنیا سے بے نیاز کر دیا۔۔ اس کا نتیجہ ظاہر تھا کہ میرا رحجان زیادہ تر باطن کی

طرف رہنے لگا--- لازم تھا۔ کہ مشاہدہ باطن سے۔ میں تارک الدنیا ہو جاتا۔ مگر یہ کیفیت میرے لیے مناسب نہ تھی۔ کیونکہ سلسلہ اویسیہ میں۔ جذب کو جائز قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اس سلسلہ کے فقیر کو سالکانہ حیثیت میں رہنا لازم قرار دیا گیا ہے۔ تاکہ سلسلہ کے اجراء کو وسعت دی جائے--- ان وجوہات کی بناء پر باوجود ممنت کے مجھ پر قبض طاری رہا--- لیکن میں مشاہدہ کے لیے اکثر سخی صاحب سے استدعا کرتا رہا۔ آپ مجھے خلوت کرنے کا مشورہ دیتے کہ تمہارا قلب انوار کا متحمل نہیں۔ اس کے لیے خلوت ضروری ہے۔ آپ بھی مجھ سے حد درجہ شفقت روا رکھتے تھے۔ چنانچہ آپ نے حضور قبلہ عالمؒ سے مجھے خلوت میں بٹھانے کی استدعا کی--- حضور نے مناسب وقت پر مجھے خلوت میں بٹھانے کا وعدہ فرمایا---- حضورؒ بعض مریدوں کو ان کی استدعا پر خلوت کی اجازت مرحمت فرماتے تھے۔ گو آپ کسی کو خلوت میں بٹھانا ضروری نہیں سمجھتے تھے--- یہ محض کسی مرید کی تسلی کے لیے ہوتا--- ورنہ کسی مرید کو کھلنے کے لیے آپ کی ایک توجہ کافی ہوتی--- اور اکثر مرید بغیر خلوت صاحب مشاہدہ ہو جاتے۔ آخر ایک دن قبلہ سخی صاحب گاندربل سے شہر تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ فرمانے لگے۔ حضور کچھ عرصہ کے لیے بمعہ محترمہ مائی صاحبہ کے میرے مہمان ہیں۔ گاندربل میں کچھ عرصہ قیام فرمائیں گے۔ یہ موقع غنیمت ہے۔ تم خلوت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم حضور سے سفارش کریں گے۔ چنانچہ مجھے حضور کے پیش کر کے خلوت کے لیے اجازت چاہی۔ حضور نے منظور فرمائی۔ فرمایا کل تم گاندربل آؤ۔ اور خلوت میں بیٹھو۔ یہ امر میرے لئے انتہائی مسرت کا تھا ان دنوں میں مہاراجہ کے پیلس (محل) میں کام کر رہا تھا۔ کام بھی زوروں پر تھا۔ میں نے کام چھوڑ دیا--- دوسرے دن علی الصبح میں حضور کی خدمت میں گاندربل پہنچا--- آپ گاؤں میں ایک ٹھیکیدار کے مکان میں فروکش تھے۔ حضورؒ کی خدمت میں پیش ہوا تو میری مایوسی کی انتہا نہ رہی۔ حضور فرمانے لگے۔ نورالدین، آج کل تم محل میں کام میں مصروف ہو۔ یہ موسم کام کا ہے۔ فی الحال تم کام نہ چھوڑو--- جب فارغ ہو جاؤ گے اسوقت خلوت کرنا--- یہ آواز مجھ پر برق بن کر گری--- میں نے بے ساختگی میں عرض کی--- کہ حضور میں نہ کام پر جاؤں گا نہ واپس جاؤں گا۔ خلوت نہ ہوئی تو میں جنگل کی راہ لوں گا۔ ساتھ ہی قبلہ سخی صاحب سے منت کی کہ حضور کو اجازت دینے پر آمادہ کریں--- قبلہ سخی صاحب نے سفارش کی--- تو حضور نے فرمایا--- اچھا--- جاؤ--- وہ سامنے مسجد ہے۔ اس میں داخل ہو کر خلوت کرو۔ دیکھو یا کامیاب ہو کر نکلو۔ یا مر کر نکلو اس فرمان سے میری جان میں جان آئی۔ میں مسجد کی طرف دوڑا--- نہر میں غسل کیا۔

اور مسجد میں داخل ہوا۔۔۔ یہ موسم اگست کی بہار کا تھا۔ موسم بے حد خوش گوار تھا۔ مسجد میں داخل ہوا۔ تو مسجد کو دیکھ کر دہشت طاری ہوئی۔ مسجد ویران تھی۔ نمی کی وجہ سے للوا جما ہوا۔۔۔ حبس اور بو آرہی تھی۔ چٹائیاں نمی سے بوسیدہ بودار ہو چکی تھیں۔ مسجد میں اندھیرا تھا۔ باہر نظر ڈالی۔ تو ساون کی پُرفضا بہار دیکھ کر دل دھڑکنے لگا۔ جیسے کسی قید خانے میں محبوس ہوا۔۔۔ شدید بے چینی و اضطراب طاری ہوا۔۔۔ آخر فیصلہ کیا کہ اس ویران جگہ ٹھہرنا مشکل ہے۔ پیر صاحب نے کہا ہی تھا۔۔۔ فی الحال کام کرو۔۔۔ یہی بہانہ رکھکر بغیر اطلاع دیئے بھاگ جاؤں گا۔ یہ فیصلہ کر کے ظہر کی نماز ادا کی فارغ ہوا۔ تو پھر باہر کی فضا پر نظر پڑی۔ جی بہت گھبرایا۔ کہ فوراً یہاں سے بھاگ جاؤں۔ پھر خیال آیا کہ بھاگ کر حضور قبلہ عالم کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ اسی کشمکش میں نیند نے غلبہ کیا پھر فیصلہ کیا کہ فی الحال سو جاتا ہوں۔ نیند سے فارغ ہو کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔ عصر کے قریب جاگا۔۔۔ خیال ہوا نماز عصر پڑھ کر جاؤں گا۔ نہر پر وضو کیا۔ اور عصر کی نماز شروع کی۔ نماز سے فارغ ہوا سلام پھیرا۔ تو اچانک اضطراب یکسر ختم ہو گیا۔ مسجد میں کچھ سکون محسوس ہوا۔ میں نے موقع غنیمت جانا۔ مراقبہ شروع کر دیا۔ آنکھیں بند کر کے سر پر چادر ڈالدی۔ اور بیرون ماحول سے علیحدہ ہو گیا۔۔۔ رفتہ رفتہ محویت طاری ہو گئی اور میں درود شریف میں مشغول ہو گیا مغرب کے قریب مچھروں کی اتنی بھنبھناہٹ سنائی دی۔ جیسے کوئی مشین چل رہی ہو۔ فکر مند ہوا کہ مچھروں کے کاٹنے سے رات گذارنا مشکل ہو گا۔ مگر مغرب کی نماز سے فارغ ہوا۔ تو اچانک بھنبھناہٹ ختم ہو گئی۔ دیکھا تو مسجد میں مچھر بالکل ختم ہو گئے۔ بعد مغرب حضور قبلہ عالم نے اپنے گھر سے کھانا بھیجا۔ حکم تھا۔۔۔ کہ محلہ میں کسی گھر سے روٹی نہ کھاؤں۔ میں نے عرض کی تھی۔ کہ حضور میں نے کھانے کا اپنا بندوبست کیا ہے۔ پوچھا کیا بندوبست ہے۔ میں نے عرض کی کہ میں نے گھر اطلاع دے رکھی ہے۔ کہ میرے لیے ڈاک لاری میں روزانہ کھانے کا سامان۔ جائے۔ ڈبل روٹی۔ مکھن اور دوسری اشیاء گوشت سبزی بھیجنا۔ میں اپنا نوکر رکھ کر روٹی پکوا لوں گا۔ حضور نے فرمایا۔ یہاں خلوت کے لیے آئے ہو یا سیر و تفریح کے لیے۔ خلوت میں کھانا وغیرہ سے پرہیز ہو گا۔ فاقہ میں رہنا ہو گا۔ لہذا یہاں محلہ میں اکثر لوگ بے نماز ہیں۔ ان کے گھر سے کھانا منع ہے۔ ہم خود اپنے کھانے سے شام ایک وقت کھانا بھیجیں گے۔ تمام دن روزہ سے رہو گے۔ غرض شام حضور قبلہ عالم نے اپنے برادر اصغر۔ محمد اسماعیل صاحب کے ہاتھ کھانا بھیجا۔۔۔ کھانا کھا کر نماز عشاء ادا کی۔ نماز سے فارغ ہو کر پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔۔۔ رات گہری ہونے لگی۔۔۔ تو اندھیرے میں۔ ایسا محسوس ہوا کہ کوئی مسجد میں ادھر

اُدھر دوڑ رہا ہے۔ میں خوفزدہ ہوا۔۔۔ مبادا یہ ویران جگہ ہے کہیں جنات کا مسکن ہو۔۔۔۔ اسی خوف میں کچھ وقت گذارا مراقبہ میں یکسوئی نہ رہ سکی اچانک میری ہیٹھ سے کوئی چیز ٹکرائی۔ تو میں نے محسوس کیا کہ مسجد میں کثرت سے چوہے ادھر اُدھر بھاگ رہے ہیں خوف دل سے نکل گیا۔ مراقبہ میں پھر یکسوئی ہونے لگی۔ مگر اس کے بعد میں نے چڑھوں کے بھاگنے کی آواز نہ سنی۔ چوہے بھی مسجد چھوڑ کر بھاگ گئے اور فضا بھی خوشگوار ہو گئی۔۔۔ دوسرے دن صبح چاشت کے وقت حضور قبلہ عالم مسجد میں تشریف لائے۔۔۔ اندر داخل ہوتے ہی فرمانے لگے "ہاں اب مسجد میں نور بھر گیا ہے"۔ میں نے السلام علیکم عرض کی۔ کہا کہ حضرت مجھے رات کو اندھیرے میں۔ دیوار کے تنکے تک نظر آنے لگے۔ فرمایا ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ تم نے تو مسجد سے بھاگنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ہم دیکھتے تھے۔ تم مسجد میں داخل ہو گئے۔ اس وقت باہر شیطان بھی آ گیا تھا۔ تم پر بھاگنے کے لیے توجہ دے رہا تھا۔ ہم تمہارے اضطراب کو دیکھ رہے تھے۔ اور تم بھاگنے والے تھے۔ ہمیں تمہاری حالت دیکھ کر ترس آ گیا۔ ہم نے شیطان کو بھگایا۔ عصر کی نماز کے بعد تم بھاگ جاتے۔ مگر ہم نے توجہ سے تمہیں سکون دلایا۔ میں بے حد شرمندہ ہوا۔ کچھ کہہ نہ سکا۔ فرمایا شاباش تمہارے دل میں حقیقت کی طلب ہے۔ اب محنت کرو اور کامیاب ہو کر نکلو۔۔۔ پھر توجہ دی اور تشریف لے گئے۔۔۔ میں پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔ شروع میں ہی مجھے روضے شریف کا تصور آیا تھا۔ اب جو مراقبہ کیا تو گھپ اندھیرا تھا۔۔۔ بہت زور لگایا۔ مگر اندھیرا غالب تھا۔۔۔ خیر۔۔۔ اسی حالت میں مغرب کا وقت آیا۔۔۔ محمد اسماعیل صاحب کھانا لائے۔ افطار کیا۔ کھانا کھایا اور پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔۔۔ درمیانِ خلوت کبھی حضور قبلہ عالم تشریف لاتے۔ توجہ دے کر تشریف لے جاتے۔ یہاں تک کہ پورا ایک ہفتہ اسی حالت میں گذرا۔ مگر عجیب بات یہ کہ اس دوران نور کا ایک ذرہ بھی دیکھنے میں نہ آیا۔۔۔ مجھ پر مایوسی طاری ہو گئی۔ حضور تشریف لائے تو میں نے عرض کی کہ حضور۔ "تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل"۔ شاید میری قسمت میں زیارت نہیں۔ بہتر ہے میں خلوت ترک کر دوں۔ حضور نے فرمایا۔ اب تم خلوت چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ خلوت ترک کرو گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ اس لیے خلوت جاری رکھو۔ آئندہ کھانا نہیں ملے گا۔ صرف ایک پیالی چائے کی، روزہ کھولنے کے لیے ملے گی۔۔۔۔ دورانِ خلوت حضور نے مجھے اور بھی درود پڑھنے کو بتائے۔ چنانچہ میں نے خلوت جاری رکھی۔ حضور رات آ کر مجھے توجہ دیتے۔ اسی حالت میں مزید پانچ دن گذرے اس دوران میں بمشکل حضور قبلہ عالم کا تصور پا سکا۔۔۔ پانچ دن گذرنے کے بعد رات حضور تشریف لائے۔ اور فرمایا

نورالدین۔ اب بہت دن تمہاری خلوت میں گذرے۔ تم سے پہلے ایک آدمی اسی مسجد میں ٹھہرا تھا۔ اور ایک رات میں حضوری ہوگیا۔ تمہارا نفس بہت موٹا ہے۔ اچھا آج رات سونا بالکل نہیں۔ خوب ڈٹ کر مراقبہ کرو۔ دیکھو آج تمہیں کچھ نظر آئے۔ حضور تشریف لے گئے میں مراقبہ میں مشغول ہوگیا۔ آدمی رات کے قریب میری کیفیت صاف ہونے لگی۔ اور اجلاس محمدی ﷺ کا مشاہدہ ہوا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوا۔ حضور ﷺ کے سامنے دو گلاس شربت کے تھے، مجھے ایک گلاس پینے کا اشارہ ہوا۔ ایک گلاس میں سفید شربت تھا۔ دوسرے میں سرخ۔ میں نے سرخ گلاس اٹھا کر دو گھونٹ پیئے، کہ حضور قبلہ عالم نے اشارہ دوسرے گلاس کی طرف کیا۔ میں نے سرخ گلاس رکھ دیا۔ اور سفید گلاس کا شربت پی لیا۔ پھر مجھے ایک جگہ بیٹھنے کا حکم ہوا۔۔۔ کچھ دیر اس عالم میں رہا۔ کہ مراقبہ کی کیفیت ہٹ گئی۔ صبح قریب ہو چکی تھی۔ نماز ادا کی اور پھر مراقبہ میں مشغول ہوا۔ دن چڑھنے پر حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ حالانکہ اس سے قبل آپ صبح کے وقت نہیں آئے تھے۔ پوچھا۔ نورالدین۔ بتاؤ کچھ دیکھا۔ میں نے رات کی کیفیت عرض کی۔ فرمایا۔ بوریا بستر اٹھاؤ گھر جانے کی تیاری کرو۔ مبارک ہو تمہاری کامیابی پر۔۔۔ میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ مسجد سے نکلا۔۔۔ اور حضور کے دولت خانہ پر پہنچا۔ وہاں قبلہ سنی صاحب بھی تشریف لائے تھے۔ آپ خوش تھے۔ مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا۔ میں بہت خوش تھا۔ قبلہ سنی صاحب نے اجلاس کی کیفیت پوچھی، میں نے بیان کی۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ نورالدین نے سرخ شربت پیا۔ مگر ہم نے اسے باز رکھا۔ ورنہ یہ مجذوب ہو جاتا تاہم دو گھونٹ کا اثر باقی رہے گا۔ حضور بھی میری محنت پر خوش ہوئے۔۔۔ حضور اپنے مریدوں میں میری تعریف فرماتے کہ سلسلہ میں نورالدین نے خلوت میں سب سے زیادہ محنت کی ہے۔ حضور جس ٹھیکے دار کے مکان میں فروکش تھے اسے رات حکم دیا تھا کہ صبح کھانا اچھا پکانا۔۔۔ کل صبح اس مجاور کو خلوت سے فارغ کرنا ہے۔ ٹھیکے دار نے مرغ پکایا تھا۔ مجھے کھانا کھلایا۔ میں نے ٹھیکے دار سے پوچھا یہ مرغ کس لیے پکایا۔ کہنے لگا۔ رات مجھے پیر صاحب نے حکم دیا تھا کہ کل صبح آپ خلوت سے فارغ ہوں گے۔ آپ کے لیے کھانے پکانے کے لیے کہا تھا۔ معلوم ہوا۔ کہ کل حضور قبلہ عالم کے گھر سے پیغام آیا تھا۔ کہ کسی ضروری امر کی وجہ سے آپ جلد واپس گھر تشریف لائیں۔ کل آپ نے گھر جانا ہے۔ میں نے اندازہ کیا۔ کہ قدرت نے یہ سبب کر دیا کہ حضور کو فوری طور گھر جانا پڑا۔۔۔ تو مجھے بھی ایک رات میں فارغ کر دیا۔ ورنہ ممکن تھا۔ کہ اگر مزید قیام ہوتا تو نہ معلوم اور کتنے دن مجھ پر محنت ڈالنا مقصود ہوتا۔۔۔ اللہ و رسول اور پیر اکمل کی کرم

نوازی سے میں اپنی مہم میں کامیاب ہو کر واپس گھر لوٹا۔۔۔

محمد لطیف قریشی اور ان کے خاندان کا بیعت ہونا

جناب قبلہ سخی ولایت صاحب کے توسل سے محمد حنیف صاحب نے حضور قبلہ عالم سے بیعت کی۔ محمد حنیف صاحب کا دولت خانہ وسط شہر (امیرا کدل) میں تھا۔ آپ نے حضور قبلہ عالم کو گھر آنے کی دعوت دی۔ حضور ان کے گھر تشریف لائے تو گھر کے تمام افراد۔ درود خوان ہو گئے۔ اور سب نے حضور قبلہ عالم کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ ان میں حنیف صاحب کے چھوٹے بھائی۔ محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ۔۔۔ محمد شریف صاحب۔ ڈاکٹر محمد عبدالحفیظ صاحب۔ ان کی والدہ۔ ہمشیرہ۔ اور دیگر چھوٹے بچے تھے۔ جو سب سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو گئے۔ یہاں تک کہ گھر کے ملازم بھی درود خوان ہو گئے۔ ان میں غلام قادر لون بھی تھا۔ جسے اسی گھر میں ملازمت کی بدولت ایک لازوال نعمت اور مرتبہ اعلیٰ میسر ہوا۔۔۔ محمد حنیف صاحب کے گھر میں غلام قادر لون کی حیثیت ملازم جیسی نہیں تھی۔ بلکہ اسے گھر کا ایک فرد جیسا سمجھا جاتا تھا۔ بیعت ہونے کے بعد محمد حنیف صاحب کی والدہ اسے بیٹوں کی مانند سمجھتی تھیں۔ جیسا حفیظ بیٹا۔ ویسا ہی غلام قادر بیٹا۔ ڈاکٹر حفیظ کے ساتھ تو اسے بے حد لگاؤ تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کی طرح رہتے۔ بعض اوقات غلام قادر۔ ڈاکٹر حفیظ سے جھگڑا کرنے میں بھی کسر نہ چھوڑتا۔ مگر آپس میں غیریت کا قطعی احساس نہ پایا جاتا۔ چنانچہ سلسلہ کی نسبت سے غلام قادر اس گھر کا ایک فرد سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ سلسلہ یگانگت طویل عرصہ تک قائم رہا۔

محمد حنیف صاحب اور گھر کے اکثر افراد حضوری ہو چکے تھے۔ خصوصاً آپ کی والدہ محترمہ اور محمد شریف صاحب مشاہدۂ حضوری تھے۔ محمد عبدالحفیظ صاحب اس زمانہ میں کمسن تھے۔ حضور قبلہ صاحب سے بے حد محبت و عقیدت رکھتے تھے۔ اس عمر میں بھی آپ کو حقیقت سے حد درجہ لگاؤ رہا۔۔۔ کمسنی میں ہی چونکہ گھر میں بنیادی طور عبادات کا شغل رہا۔۔۔ آپ کے والد والدہ دائمی عبادت گذار تہجد گذار تھے۔ گھر کا تمام ماحول مؤمنانہ تھا۔ ڈاکٹر حفیظ صاحب نماز کے پابند تھے۔ حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری کے بعد۔ درود خوانی کا سارے گھر میں چرچا ہوا۔۔۔ تو حفیظ صاحب بھی درود پڑھتے بلکہ آپ نے کم سنی میں ہی حضور قبلہ عالم کی بیعت کی۔۔۔ آپ سلیم القلب تھے۔ حق و باطل کی تمیز بچپن ہی میں پائی تھی۔ حق کی حمایت میں شدید تھے۔ حق کا ساتھ دینے میں کسی ذاتی مصلحت کو

درمیان میں نہ آنے دیتے۔ آپ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق اور پیر سے عقیدت مثالی تھی۔ آپ کلاس (جماعت) میں سبق پڑھنے کے دوران جب سامنے تختہ سیاہ (بلیک بورڈ) پر سوال دیکھتے۔ تو آپ پر کیفیت طاری ہو جاتی دیکھتے دیکھتے کھلی آنکھوں سے۔ تختہ سیاہ کی جگہ روضہ مدینہ منورہ دکھائی دینے لگ جاتا۔ جب اس کیفیت کو حضور قبلہ عالم کے آگے بیان کیا تو آپ نے کثرت سے درود پڑھنے اور مراقبہ کرنے سے روک دیا۔۔۔ حضور نے تعلیم پر زیادہ توجہ دینے کی تلقین فرمائی۔۔۔ اور حکم دیا کہ دن میں صرف گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھا کریں۔ باقی وقت تعلیم میں صرف کریں۔ لیکن قدرت نے جب ایک انسان کو اپنی محبوبیت کے لیے مخصوص کر دیا۔۔۔اس حال میں کہ ایک عظیم المرتبت ہستی کی محبت اس کے قلب و ذہن پر طاری ہو۔۔۔ تو بسا مشکل ہے۔ کہ اس کا قلب و ذہن حق کے سوا کسی اور شے کی طرف مائل ہو۔۔۔ باوجود کوشش کے بھی آپ کے قلب سے حق سے لگاؤ کا جذبہ کم نہ ہوا۔۔۔ آپ نے تعلیم کے ساتھ۔ نماز درود شریف پر بھی مداومت رکھی۔ حضور قبلہ عالم عبدالحفیظ صاحب کو تعلیم کی طرف زیادہ توجہ دینے کی ہمیشہ تلقین فرماتے۔ حضور قبلہ عالم اس گھر کے درود خوان ہونے کے بعد جب شہر تشریف لاتے۔۔۔ تو محمد حنیف صاحب کے گھر ہی قیام فرماتے۔ اس طرح اس گھرانے کو حضور قبلہ عالم کی صحبت و توجہ میسر رہی۔۔۔ ان میں حفیظ صاحب آپ کی تشریف آوری پر زیادہ تر وقت آپ کی قربت میں گذارتے۔ حضور قبلہ عالم ڈاکٹر حفیظ صاحب کی عقیدت دیکھ کر آپ سے بے حد شفقت فرماتے۔ اس نوازش کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ یہ گھرانہ حضور کی فیض یابی کا مرکز بن گیا۔ حضور کی تشریف آوری پر شہر کے لوگ ہجوم در ہجوم یہاں آکر حضور سے بیعت ہو جاتے۔۔۔ ڈاکٹر صاحب کی خدمت اور پیر سے عشق نے انہیں پیر کی قربت و توجہ میں خاص مقام دیا۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں حرم میں صرف تین اشخاص کو حضرت اقدس محترمہ مائی صاحبہ کے حضور حاضر ہونے کی رسائی نصیب تھی۔ ان میں آپ کے محبوب جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب کو خصوصی درجہ حاصل تھا۔ دوسرے خواجہ عبدالکریم صاحب۔ اور تیسری خوش نصیب شخصیت ڈاکٹر محمد عبدالحفیظ صاحب کی۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ بھی آپ پر بے حد شفقت فرماتی تھیں۔ ڈاکٹر صاحب باوجود اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے۔ اور ملک کی اعلیٰ تعلیم یافتہ سوسائٹی (مجلس) سے تعلق رکھنے کے مغربی تعلیم و تہذیب سے قطعاً متاثر نہیں۔ علوم مغربی سے آگاہ ہونے کے باوجود۔۔۔ آپ کا طرز زندگی مشرقی انداز کا حامل ہے۔ مغربی تہذیب میں رہ کر آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پیر اکمل کے اسوہ پر شدت سے پابند

رہتے ہیں۔۔۔ اور عقائد میں کٹر ملا دکھائی دیتے ہیں۔ مادی نظریات کو سمجھنے کے باوجود۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ اور اسلامی عقائد پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ دنیوی مصروفیات میں بھی نماز و روزہ۔ اور درود و مراقبہ کی شدت سے پابندی کرتے ہیں۔۔۔ غرض آپ اپنے پیر اکمل کی خصوصیتِ ولایت کی ایک اعلیٰ دلیل ثابت ہیں۔

محمد حنیف صاحب کے دولت خانہ پر حضور قبلہ عالم کے مسلسل قیام کی وجہ سے شہر میں آپ کی شہرت عام ہونے لگی۔۔۔ کہ ایک بزرگ ہستی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ کیونکہ اویسی سلسلہ میں اولین دعوئے زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تھا۔ لوگ جوق در جوق حضور کی طرف رجوع کرنے لگے۔ بہت سے لوگ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا رکھتے تھے۔ مگر ان کی نظر میں۔۔ یا فقراء کی نظر میں۔۔۔ زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ بغیر کثرتِ مجاہدہ ہونا ممکن تصور نہ ہوتا تھا۔ لوگوں کی دانست میں یہ ایک نئی بات تھی۔ کہ بغیر مجاہدہ چند ساعتوں میں حضوری ہونا۔۔۔ کیسے ممکن ہے۔ کشمیر میں فقراء تو تھے۔۔۔ مگر اس سے قبل اس قدر۔۔۔ اعلانیہ زیارتِ رسول ﷺ کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ فقیر کسی گھر میں مریدوں کے ہاں مدعو ہو۔۔۔ تو لوگوں کا ہجوم ہوجاتا۔۔۔ دعوتیں پکائی جاتیں۔ لنگر جاری ہوتے۔ قوالیاں شروع ہوجاتیں۔۔۔ اور لوگ فقیر سے صرف دنیوی حاجات کے لیے رجوع کرتے۔ بہت کم لوگ حصول معرفت کے لیے فقیر سے رجوع کرتے اس حصول میں بھی صرف فقیر سے وظیفہ حاصل کرنا۔۔۔ اور پھر محنت و مجاہدہ کرنا۔۔۔ ایک طالب کے لیے فقیر سے وظیفہ لینا ہی فقیری کے لیے کافی ہوتا۔۔۔ کہ وہ ایک فقیر کا مرید وظیفہ پر عامل ہے۔ یارات کو جاگتا ہے۔ اور اگر اس مریدی میں کسی کو کمال حاصل ہوا۔۔۔ وہ اسی حد تک تھا۔ کہ اسے کشف حاصل ہو۔۔۔ وہ کسی کے دل کی بات کشف سے کہہ دے۔ یا کسی بیمار کو جھاڑ پھونک سے تندرست کر دے۔ ان میں بہت کم فقراء ایسے ہوتے۔ جنہیں عالم ناسوت کی ابتدائی چند منازل کا مشاہدہ حاصل ہو۔۔۔ بلاشبہ یہ کیفیت تعجب خیز تھی۔ کہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں معمولی قسم کے لوگ حضوری ہونے کا دعویٰ کریں۔۔۔ یہ امر لوگوں کے لیے شبہ کا باعث تھا۔ کہ حضور کے مریدوں میں۔ اکثر لوگ۔ دنیادار۔ افسر وضع قطع میں۔ کوٹ پتلون پہننے والے۔ داڑھی مونچھ منڈائی ہوئی۔۔۔ نہ فقیرانہ ہیئت نہ مجاہدہ و تزکیہ۔۔۔ اور پھر خود حضور قبلہ عالم کی ذات سے نہ فقیرانہ وضع۔ نہ دعوے نہ نمائش نہ لوگوں کا ہجوم۔۔۔ نہ قوالی اور نہ دعوتوں کا چرچا۔ ایک سادہ سی غیر

معروف ہستی۔ جس کے بشرے سے فقیری کی کوئی علامت محسوس نہ ہو۔ ان حالات میں زیارت رسول ﷺ کا یقین کرنا مشکل تھا۔ لیکن جو شخص بھی حضور قبلہ عالم کی مجلس میں حاضر ہوتا۔۔۔ آپ کی چند ساعت کی صحبت سے متاثر ہو کر بیعت کر لیتا۔

حضور قبلہ عالم کی عادت شریفہ میں۔ یہ ایک اہم بات تھی کہ آپ نے گو اجرائے شریعت و طریقت میں اپنی مقدس زندگی کو وقف کر رکھا تھا۔ تاہم آپ نے نہ کبھی فقیری کا چرچا کیا نہ خود لوگوں کو سلسلہ میں دانستہ طور داخل کرنے کی کوشش کی۔ لوگ آپ کے مریدوں کے حالات سن کر خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ شہر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز وزراء و امراء بھی آپ کی شہرت سن کر ملاقات کی خواہش کرتے۔ مگر حضور خود کسی کے گھر جانا پسند نہ فرماتے نہ یہ خواہش رکھتے کہ سلسلہ میں اعلیٰ افسر یا وزراء و امراء صرف نمائش کے لیے شامل ہوں۔ جیسا کہ اکثر فقراء اپنی فقیری کی شہرت کے لیے۔ خود ایسے لوگوں کو سلسلہ میں داخل ہونے کے لیے۔ ان کے گھروں تک پہنچتے ہیں۔ تاکہ لوگ متاثر ہوں۔ کہ فلاں فقیر کے مریدوں میں بڑے بڑے افسر بھی شامل ہیں۔ گویا وزراء و امراء کے سلسلہ میں شمولیت ہی ایک فقیر کی فقیری کی سند، تصور کی جاتی ہے۔ کئی بار شہر کے امراء نے اپنے گھر آنے کی دعوت دی۔ مگر حضور قبلہ عالمؒ نے ہمیشہ ایسی دعوتوں کو قبول نہ کیا۔۔۔ تاوقتیکہ کہ کوئی شخص خود حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر مطمئن نہ ہو۔۔۔ اور بہ رضا و رغبت سلسلہ میں داخل ہو کر شریعت کی پابندی اختیار کر کے درود شریف پر مداومت کرے۔ اس حال میں کہ اس پر سلسلہ کی حقیقت واضح ہو۔ یا اسے زیارت رسول ﷺ حاصل ہو۔ حضورؒ کے مریدوں میں اونچے طبقہ کے امراء و وزراء بھی شامل تھے۔ لیکن ان کا شامل ہونا صرف رجسٹر میں نام درج کرانا۔ یا بیعت ہونے تک محدود نہ تھا۔ بلکہ حسب معمول اپنے نماز۔ تہجد۔ اور درود و مراقبہ کا پابند رہ کر حضوری اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتا۔ اس حال میں کہ اس پر فقیرانہ وضع قطع اختیار کرنے کی پابندی نہ ہوتی۔۔۔ بلکہ حسب معمول اپنے پسندیدہ لباس اور طریق معاشرت اختیار کرنے میں آزاد ہوتا۔۔۔ خواہ وہ داڑھی مونچھ منڈا کر انگریزی وضع میں ہی رہنا پسند کرتا ہو۔۔۔ ایسا طرزِ عمل اس کے حصول معرفت میں مانع نہ ہوتا۔۔۔ یہ ایک ایسا طریق فقر تھا۔ جو عام فقراء کے طریق طریقت میں ملنا مشکل تھا۔ کہ بغیر تزکیہ مجاہدہ۔ اور فقیرانہ صورت اختیار نہ کرنے کے باوجود لوگ حضوری ہوں۔۔۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے لوگوں پر فقیری کا تاثر دینے میں کبھی ظاہری نمائش کو داخل نہ کیا۔۔۔ آپ کا لباس عام آدمیوں جیسا سیدھا سادہ تھا۔ کاروبارِ زندگی میں۔ آپ نے عام آدمیوں کی طرح سادہ زندگی اختیار کر

رکھی تھی جیسے ایک عام دنیادار آدمی ہو۔۔۔ ایسی حالت میں آپ کی شخصیت کو پہچاننا مشکل امر تھا۔ آپ نے اپنے مریدوں کے ساتھ تعلق رکھنے میں نہ برتری کا احساس رکھا۔ نہ کسی مرید کو مرید سمجھ کر کمتر حیثیت میں اس کے ساتھ برتاؤ رکھا۔۔۔ اکثر دیکھا گیا۔۔۔ گھر ہو یا بازار۔ آپ اپنے مریدوں سے گھل مل کر رہتے۔ آپ اپنے مریدوں میں کبھی بڑھ کر آگے آگے چلنے میں سبقت نہ کرتے نہ اپنے لیے کوئی خاص برتر مقام شہ نشین یا مسند، تکیہ پر بیٹھنا پسند فرماتے۔ سوائے اس کے کہ آپ کے محب مرید آپ کو پلنگ پر بیٹھنے کے لیے مجبور کرتے ایسا بھی اخلاقاً محض اپنے محبوں کی دلجوئی کے لیے قبول فرماتے۔ آپ کی مجلس میں امیر و غریب اعلیٰ و ادنیٰ کی کوئی تمیز نہ ہوتی۔۔۔ بلکہ آپ کے مریدوں میں بھی۔ یہ تاثر پایا نہ جاتا۔ کہ ان میں کون امیر ہے۔ اور کون غریب۔ نہ ہی کسی مرید کو بذات خود اپنی برتری یا کمتری کا احساس رہتا۔ بلاشبہ آپ کے تابعین کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ کا کامل نمونہ تھے۔ یہ سب حضور قبلہ عالم کی ذاتی صفتِ کمالیت کا اثر تھا۔ ہاں! یہ قانون فطرۃ کے عین مطابق تھا۔ کہ کائنات کی وسعت میں تمام اجسام ستاروں سے معروف ہیں۔ البتہ حسب قدر اپنی تابانی کے باوصف کوئی شمس کہلاتا ہے۔ کوئی قمر۔۔۔ اور باقی سب ایک جنس کے سیارے محسوس ہوتے ہیں۔ فرق ہے۔ تو مراتب ہی کا ہے۔ حضور قبلہ عالم محبت و شفقت۔ عجز و فروتنی کا ایک اعلیٰ شاہ کار تھے۔ اپنے مریدوں کی خود عزت کرتے۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کو "آپ" کہہ کر پکارتے۔۔۔ سوائے بعض مصاحبوں کے۔ جو حُبِ پیر میں کامل درجہ رکھتے انہیں سادہ نام سے پکارتے۔ جس میں صاحب کا اعزاز نہ ہوتا۔ لیکن پیر کی نظر میں محبوب ترین شخصیتیں ہوتیں۔۔۔ جیسے اکثر حضور قبلہ عالم فرماتے۔۔۔ سخی کی عزت کرو۔۔۔ تم سب میرے مرید ہو۔۔۔ اور سخی میرا دوست ہے۔۔۔ یہی انداز کسی شخص کی پیر کے نزدیک مقبولیت و محبوبیت کی نشاندہی کرتا تھا۔ اس کے باوجود آپ اپنی نشست و برخواست میں فرقِ مراتب کا لحاظ نہ فرماتے۔ کسی غیر کے لیے یہ امر مشکل ہو جاتا کہ وہ جان سکے ان میں پیر کون ہے اور مرید کون۔ ایک روز حضورؒ اور سخی صاحب ڈاکٹر صاحب کے ہاں تشریف فرما تھے۔ ایک سکھ نجومی وارد ہوئے اس کی کچھ گھریلو مشکلات تھیں۔ وہ سخی صاحب کو پیر سمجھ بیٹھے۔ کیونکہ ان کی ریش مبارک پیر صاحب کے مقابلے میں زیادہ سفید تھی۔ جب آپ مجلس میں تشریف فرما ہوتے۔ تو آپ کے مریدوں میں بھی یہ احساس نہ پایا جاتا کہ آپ ایک پیر کی حیثیت میں تشریف فرما ہیں۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا۔۔۔ جیسے ایک شفیق والد اپنے عزیز بیٹوں میں بیٹھا۔ اپنے لاڈلے بیٹوں کی پیار بھری بولیاں سن کر خوش ہوتا ہو۔ حضور اپنے مریدوں کے ساتھ

بحث میں شریک ہوتے۔ ان کی کسی غیر معقول کلام و حرکت سے مکدر نہ ہوتے۔۔۔ یہاں تک کہ مرید حضور کی موجودگی میں آزادانہ مذاق بھی کرتے۔ اور آپ بھی اس مذاق میں شامل ہوتے۔ اپنے عزیز مریدوں سے مذاق فرماتے۔ بعد عشاء رات کے ابتدائی حصہ میں آپ آرام فرماتے۔ آپ کی نیند غفلت کی نیند نہ ہوتی۔۔۔ بلکہ دنیوی شور سے علیحدہ ہو کر مراتب کی سیر میں مشغول ہوتے۔ یہ عالم بھی بیداری کا عالم ہوتا۔ ایسے وقت میں جب حضور آرام فرماتے۔۔۔ تو مرید آپس میں مذاق اور خوش گپیاں شروع کر دیتے۔ اثنائے کلام کوئی کھل کھلا کر ہنس دیتا تو حضور جاگ جاتے۔ آپ ناراض نہ ہوتے بلکہ اٹھ بیٹھتے۔ اور پوچھتے کیا مذاق ہو رہا ہے۔ ایسی مجلسوں میں کبھی کبھی جناب قبلہ سخی صاحب اور عبداللطیف صاحب ایڈووکیٹ کے درمیان مذاق ہوتا۔۔۔ یا کوئی اور مرید ہوتا۔ اور خاص کر یہ خاکسار تمسخر کا نشانہ بنتا۔۔۔ تو حضور قبلہ عالم اس مذاق میں شریک ہو جاتے۔ پھر سونا۔۔۔ آرام کرنا بھول جاتے۔۔۔ بس مجھے آڑے ہاتھوں لینا۔۔۔ اور مذاق فرمانا۔۔۔ مگر سبحان اللہ!۔۔۔ ایسے وقت میں مذاق کیا تھا۔۔۔ حضور پر نیند سے بیدار ہونے پر جلالی کیفیت طاری ہوتی۔۔۔ اسی کیفیت میں جو مذاق آپ فرماتے۔۔۔ اس میں حقیقت کے رموز پائے جاتے۔۔۔ آپ عشق و محبت کے رموز بیان فرماتے۔۔۔ کبھی آیاتِ قرآنی تلاوت فرماتے اور گاہے۔ مثنوی مولانا روم۔۔۔ یا میاں محمد بخش کی سیف الملوک یا ہیر رانجھا کے عشقیہ اشعار میں آدابِ محبت بیان فرماتے۔ اس بیان میں وہ آثار حقیقت اور عشق و محبت کی داستانیں اور لطائف ہوتے مجلس کا ہر فرد سرور و مستی سے سرشار ہو کر۔ مجلس میں وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی۔۔۔ اسی مستی میں ہر شخص آپ کی ذات پر دل و جان سے نثار ہو جاتا۔۔۔ یہی وہ انداز گفتگو تھا۔ یہی وہ لطیف تاثر تھا۔ یہی وہ کیفیت مستی کا جذبہ آفرین تاثر تھا۔۔۔ جس نے آپ کے مریدوں کو حُبِ پیر میں کامل بنایا۔۔۔ جس کے بعد کسی تزکیہ مجاہدہ۔۔۔ اور کثرت عبادت اور اصلاح نفس کی ضرورت باقی نہ رہتی۔۔۔ یہی علم آپ نے اپنے مریدوں کو عطا کیا۔ جس میں اللہ و رسول ﷺ اور پیر اکمل سے محبت کے سوا۔۔۔ انسان کے دل میں۔۔۔ دنیا کی کسی لذیز شے کی خواہش باقی نہ رہتی۔۔۔ یہی مجلس تھی۔ جس میں ہر مرید سرشار ہو کر ایک کیفِ بے خودی میں خود کو بھول جاتا۔ یہی وہ حقیقت ہے۔ جو فقر کی اصل ہے۔ کہ سرور و مستی میں۔۔۔ اپنے پیر اکمل کی محبت و فنا میں۔۔۔ اپنی ذات کو گم کرنا۔۔۔ اسی سرور و مستی میں ہر شخص اپنے پیر کا پروانہ بن جاتا۔۔۔ اور پیر ہی اسکی زندگی کا مقصود بن کر رہ جاتا۔ آپ کو دیکھا۔ گویا کائنات مل گئی۔۔۔ پھر کون سی شے ہے۔ جس کی طلب باقی رہ جاتی ہے۔۔۔ یہ

نہ سمجھو کہ ایسی مجلس میں آدابِ طریقت میں فرق آجاتا ہے۔۔۔ نہیں۔۔۔ آداب میں دیوانگی۔۔۔ بے خودی طاری ہو جاتی ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ قلب میں رقت نہ ہو۔۔۔ تو اظہار محبت ہو نہیں سکتا۔۔۔ رقتِ قلب۔ ہی مستی و بے خودی کا نام ہے۔ بے خودی۔ دیوانگی سے تعبیر ہے۔ دیوانگی طاری نہ ہو۔ تو محبت میں تصنع آتا ہے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام اور مہدیت

زمانہ غالباً ۱۹۴۲ء کا تھا۔ حضور قبلہ عالم کی شہرت کشمیر کی وادی میں دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ کثرت سے سلسلہ اُویسیہ میں داخل ہو رہے تھے۔ اسی زمانہ میں اچانک حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا ملک میں چرچا ہونے لگا۔ کشمیر کے بعض فقراء نے جنوب سے شمال کی طرف سرہانے بدل ڈالے۔ کہ کشمیر کے شمالی پہاڑوں سے ایک نور طلوع ہوتا نظر آتا ہے۔ جناب قبلہ سَنی صاحب نے اپنی خود نوشت میں ایک خواب تحریر کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کشمیر کی شمالی پہاڑیوں کی سمت سے وائل گاؤں کی طرف سے ایک جلوس کی شکل میں کثرت سے لوگ آرہے ہیں۔ جلوس میں ایک بزرگ ہستی نمایاں طور نظر آرہی ہے۔ جس نے کاندھے پر ایک شیر خوار نورانی بچہ اٹھایا ہوا ہے۔ لوگ اس کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہے ہیں۔ یہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ قبلہ سَنی صاحب بھی جلوس کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ یہاں تک کہ جلوس دور نکل گیا۔ اور آپ جاگ گئے۔ اسی دوران اچانک حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ خواجہ عبدالکریم صاحب ہیں۔ تھوڑی دیر محمد حنیف صاحب کے ہاں قیام کے بعد۔ گاندربل تشریف لے گئے۔ گاندربل میں قبلہ سَنی صاحب کے ہاں پہنچے۔۔۔ تو سَنی صاحب سے فرمانے لگے۔ کہ خراسان کی جانب سے۔ ایک قافلہ کشمیر میں داخل ہو چکا ہے۔ ہم نے اس قافلہ کو دیکھنا ہے۔۔۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالمؒ خواجہ عبدالکریم صاحب کو لے کر قافلہ کی طرف روانہ ہو گئے۔۔۔ یہ قافلہ وائل گاؤں سے آگے پہاڑ کے دامن میں اتر چکا تھا۔ یہ قافلہ چینی ترکستان سے ہجرت کر کے آیا تھا۔ روسی کمیونسٹ حکومت نے محض اس بناء پر کہ ان لوگوں نے اسلام سے تعلق اور اسلامی تمدن ترک کرنے سے انکار کر دیا۔ ان پر شدید مظالم ڈھائے۔ یہاں تک کہ یہ مسلمان ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ یہ قافلہ تقریباً چالیس ہزار مسلمانوں پر مشتمل تھا۔۔۔ جو اپنا وطن چھوڑ کر ہمالیہ کے پہاڑوں کے طویل سلسلہ میں سرگرداں پھرتا رہا۔۔۔ جگہ جگہ روسی ان پر حملہ آور ہوتے

رہے--- روسی حملوں--- اور دشوار گذار راستوں میں سفر کی وجہ سے قافلہ کے ہزاروں مسلمان ہجرت کے دوران شہید ہو گئے۔ اور قافلہ کے اکثر قبیلے منتشر حالات میں بکھر گئے۔ ان میں چند قبیلے بچ کر کشمیر کی حدود تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ کشمیر کی حدود میں داخل ہونے پر--- ریاست کی ڈوگرہ حکومت نے انہیں سرحد پر روک دیا۔ مبادا--- یہ مسلمان کشمیر میں داخل ہو کر مستقل سکونت اختیار کریں۔ جس سے انہیں خطرہ محسوس ہوا۔ مسلمانان کشمیر ان کی شمولیت سے قوت میں آکر حکومت کا تختہ الٹ نہ دیں۔ اس وقت کشمیر میں تحریک آزادی چل چکی تھی۔ شیخ محمد عبداللہ نے حکومت سے کشمیریوں کے حقوق کا مطالبہ کیا تھا۔ دوسرے حکومت برطانیہ کو بھی علم ہو چکا تھا۔ کہ یہ لوگ روسی حکومت کے باغی باشندے ہیں۔ انہیں ریاست میں پناہ دینے--- یا حکومت ہند میں پناہ دینے پر روسی حکومت ناراض نہ ہو۔ ڈوگرہ حکومت نے قافلہ کو واپس بھیجنے کی کوشش کی--- مگر قافلہ نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ حدود کشمیر میں داخل ہونے پر بضد ہو گیا--- احتمال تھا کہ اس صورت میں ڈوگرہ حکومت کی سرحد پر فساد پیدا ہو جاتا--- اس لیے ڈوگرہ حکومت نے اس شرط پر کہ اپنے تمام ہتھیار حکومت کے حوالے کر دیں۔ انہیں کشمیر کی حدود میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ قافلہ کے لوگوں کے پاس، روسی ساخت کی بندوقیں، اور اونٹ۔ بھیڑیں۔ گھوڑے اور گھریلو سامان میں قالین اور دوسرا سامان ساتھ تھا۔ چنانچہ قافلہ والوں نے اپنی رائفلیں حکومت کے حوالے کر دیں۔ کشمیر کی حدود میں داخل ہو کر ان کا ابتدائی پڑاؤ دائل گاؤں میں ہوا--- حضور قبلہ عالم قافلہ کے ابتدائی کیمپ میں تشریف لے گئے--- اور بذات خود قافلہ کی بے سروسامانی کا مشاہدہ کیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضور بے حد متاثر ہوئے۔ واپسی پر ہر شخص کو قافلہ کے لوگوں کے لیے عطیات فراہم کرنے کا حکم دیا۔ شہر کے لوگوں کو بھی قافلہ کے پہنچنے کا علم ہوا۔ تو شہر کے لوگوں نے بھی عطیات جمع کرنے شروع کئے۔ شیخ محمد عبداللہ کو بھی قافلہ کے متعلق علم ہوا--- تو انہوں نے ملک بھر میں جگہ جگہ جلسے کر کے عوام کو قافلہ کے لیے عطیات فراہم کرنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ تمام شہر میں لوگوں نے، کپڑے، راشن، پکی پکائی روٹیاں، نقدی، جنس جمع کر کے قافلہ والوں تک پہنچانا شروع کر دیا۔ لیکن ان غیور مومن مہاجرین نے، اپنی بھیڑیں، گھوڑے اور قیمتی سامان فروخت کر کے اپنی ضرورتیں پوری کیں۔

کشمیر میں داخل ہونے کے بعد۔ حضور قبلہ عالمؒ بار بار گھر سے تشریف لا کر قافلہ کے حالات کا معائنہ کرتے رہے۔ اس کے علاوہ حضورؒ قافلہ میں کسی خاص شخصیت کو تلاش کرتے

رہے۔ یہاں تک کہ یہ قافلہ کشمیر کی شمالی پہاڑیوں کے دامن میں گذرتے ہوئے قصبہ بانڈی پورہ کے قریب ایک گاؤں میں پہنچا۔ ایک دن حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ خواجہ عبدالکریم صاحب، جناب ارسلان خان صاحب بھی تھے۔ فرمانے لگے ہم نے قافلہ کو دیکھنے کے لیے بانڈی پورہ جانا ہے۔ قصبہ بانڈی پورہ شہر سے تقریباً تیس میل دور تھا۔ بانڈی پورہ کا راستہ شاہراہ کشمیر پر شہر سے تقریباً چھ میل کے فاصلہ پر دائیں طرف الگ ہو کر جاتا تھا۔ چنانچہ دوسرے دن شہر کے اور بھی چند مرید حضور کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ بانڈی پورہ کی طرف جانے والی سڑک پر پہنچ کر باقی مرید واپس شہر کی طرف رخصت ہو گئے۔ حضور نے اس غلام کو اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ سب لوگ موٹر کار میں یہاں تک آئے تھے۔ آگے راستہ کچا تھا۔ موسم سردی کا تھا۔ بارش بھی ہو رہی تھی۔ اس وجہ سے حضور نے باقی مریدوں کو واپس جانے کا حکم دیا۔ مگر مجھ کو اپنے ساتھ رکھا۔ آگے بھی راستہ طویل تھا۔ رات اسی مقام پر ٹھہرنے کا ارادہ ہوا۔ چنانچہ خواجہ عبدالکریم صاحب کی ہمشیرہ کے گھر ٹھہرے۔ حضور قبلہ عالم کو قافلہ کے لوگوں کا بے حد فکر تھا۔ کہ کھلے میدان میں بارش اور برف باری میں انہیں بے حد تکلیف کا سامنا ہو گا۔ رفتہ رفتہ بارش نے شدت اختیار کی۔ جوں جوں بارش تیز ہونے لگی۔ حضور کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ حضور بار بار بارش بند ہونے کی دعا فرماتے۔ لیکن عجیب بات دیکھنے میں آئی۔ کہ جب بھی حضور بارش بند ہونے کی دعا فرماتے۔ بارش میں اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی کیفیت عشاء کے بعد نصف رات تک رہی۔ میرے دل میں خیال آیا۔ کہ کیا وجہ ہے کہ حضورؒ کے دعا کرنے پر بارش بند ہونے کی بجائے اس میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ مراقبہ کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ قافلہ کے مقام پر ہلکی بارش ہو رہی ہے۔ اسی حالت میں کشمیر کی پہاڑیوں پر نظر پڑی تو دیکھا کہ پہاڑوں پر اتنی برف پڑی ہے کہ اونچے درخت بھی برف میں دب گئے۔ آپ سے اس کیفیت کی تفصیل پوچھی گئی، تو فرمایا کہ آج حکومت برطانیہ کی طرف سے ڈوگرہ مہاراجہ کو حکم ملا ہے۔ کہ روسی حکومت کی ناراضگی کے مدنظر۔ قافلہ کے لوگوں کو واپس روسی سرحدوں کی طرف بھیجا جائے۔۔۔ کشمیر سے نکل کر قافلہ حکومت ہند میں داخل ہو گا۔ حکومت برطانیہ روسی حکومت کی ناراضگی مول لینا نہیں چاہتی۔ اس لیے انہیں واپس روسی سرحدوں کی طرف بھیجا جائے۔ لیکن قدرت کو یہ منظور نہیں۔ اس سبب برف باری سے پہاڑی راستے مسدود کر دیئے گئے۔ اب ان کے واپس کرنے کی گنجائش نہ رہی۔ لہذا یہ قافلہ آگے ہی بڑھتا جائے گا۔ ان میں ایک مخصوص ہستی شامل ہے۔ جسے فلسطین، شام اور مدینہ منورہ تک سفر کرنا ہے۔ ہم اسی ہستی کو دیکھنے قافلہ

تک پہنچتے ہیں۔ دوسرے دن صبح ہم باندمی پورہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ بارش کی وجہ سے راستہ خراب تھا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم اور خواجہ عبدالکریم صاحب کے لیے دو گھوڑے فراہم کیے گئے۔ باقی پیدل روانہ ہو گئے۔ دوپہر کے قریب گاؤں پہنچے۔ جہاں پہاڑ کے دامن میں قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس کو حضور قبلہ عالم کی منشاء پر قافلہ کا نگران مقرر کیا گیا تھا۔ اثناء راہ میں عجیب واقعات دیکھنے میں آئے۔ گاؤں کے قریب پہنچنے والے تھے۔ حضور قبلہ عالم آگے گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ آپکے پیچھے خواجہ عبدالکریم صاحب انکے پیچھے باقی پیدل جا رہے تھے۔

نورالدین صوفی فرماتے ہیں

اچانک مجھے خیال آیا، کہ میں قافلہ کی اس بزرگ ہستی کو دیکھ کر سجدہ کروں۔ ساتھ ہی حضور قبلہ عالم کا تصور سامنے آیا۔۔۔ تو چلتے چلتے یک لخت زمین سے اچھل کر چاروں شانے چت ہو کر گرا۔۔۔ گرتے ہی سنبھلا۔۔۔ سمجھ میں نہ آیا۔ کہ یہ حادثہ کیسے پیش آیا۔ ارسلان خان چلتے چلتے فرمانے لگے۔ ہاں ہاں۔ ادھر اُدھر نہ دیکھ۔ پیر کی طرف نظر رکھ۔۔۔ ورنہ ٹھوکر کھائے گا۔ بات میری سمجھ میں آگئی۔ حضور قبلہ عالم نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔۔۔ فرمانے لگے۔ نورالدین۔ آگے آؤ۔۔۔ ہمارے ساتھ ساتھ چلو۔۔۔ میں دوڑا۔ اور گھوڑے کے ساتھ ساتھ آپ کی رکاب تھامے چلنے لگا۔ یہاں اس وقت ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ آسمان پر گھرے بادل چھائے ہوئے تھے۔ قافلہ کے قریب پہنچے تو دیکھتا ہوں جیسے بادلوں کے بیچ میں سے سورج کی شعاعیں قافلہ پر پھیلی ہوئی ہیں۔ تمام قافلہ نور کے سایہ میں لپٹا ہوا نظر آیا۔۔۔ اسی عالم میں مشاہدہ کی حالت میں دیکھتا ہوں کہ قافلہ کے ساتھ روضہ مدینہ منورہ ملحق ہے اور روضہ شریف کے صحن میں قافلہ کے لوگ دیگیں لالا کر جمع کر رہے ہیں۔ ہوا یہ کہ قافلہ کا طویل مدت سفر۔ اور سفر کی جانکاہ مصائب۔ خوراک کی ناہمواری اور سرد موسم کی وجہ سے۔ لوگ بیمار ہو گئے۔ علاج میسر نہ آنے کی وجہ سے اموات ہونے لگیں۔ جنہیں اسی گاؤں میں دفن کیا جاتا۔ میں نے حضور قبلہ عالم سے کیفیت بیان کی۔ آپ بہت متاثر ہوئے۔ فرمانے لگے اس مقدس قافلہ میں وفات پانے والے لوگ شہید ہیں۔ ان کی روحیں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو رہی ہیں۔ کیمپ میں پہنچ کر عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خیمہ میں حضور تشریف لے گئے۔ آپ سے قافلہ سے متعلق حالات دریافت فرمائے۔ عبدالکریم صاحب نے چائے پلائی۔ فارغ ہو کر حضور کیمپ میں تشریف لے گئے۔ اور اس

مخصوص ہستی کی تلاش میں ان کے خیمہ پر پہنچے، تو معلوم ہوا، کہ اسی وقت وہ خیمہ سے نکل کر کسی طرف نکل گئے۔ ہم نے ان کی تلاش کی۔ مگر جہاں بھی جائیں۔ تو معلوم ہو۔۔۔ ابھی یہاں سے نکل کر آگے چلے گئے اسی تلاش میں وقت کافی گذرا۔ مگر وہ ہستی سامنے نہ آئی۔ آخر حضور قبلہ عالم واپس عبدالکریم صاحب کے خیمہ میں تشریف لائے۔ یہاں سے ہم قصبہ باندلی پورہ کی طرف روانہ ہوگئے۔ قصبہ میں محمد حنیف صاحب ر۔ینجر تبدیل ہو کر آئے تھے۔ وہ بمعہ اہل و عیال یہاں مقیم تھے۔ ہم سب ان کے گھر پہنچے۔ رات آرام سے گذاری، دوسرے دن صبح خواجہ عبدالکریم صاحب واپس گھر رخصت ہوگئے۔ چاشت کے قریب حضور قبلہ عالم نے کیمپ میں جانے کا ارادہ فرمایا۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کے لیے ایک گھوڑا فراہم کیا گیا۔ اور باقی محمد حنیف صاحب۔ ارسلان خان اور راقم پیدل کیمپ کی طرف روانہ ہوگئے۔ کیمپ میں پہنچ کر ہم نے عبدالکریم صاحب کے خیمہ میں قیام کیا۔ حضور قبلہ عالم پھر قافلہ میں اس ہستی کی تلاش میں گئے۔ مگر آج بھی ایسا ہی ہوا۔ کہ اس ہستی نے خود کو چھپایا۔۔۔ اور ہمیں ان سے ملاقات کا موقع نہ مل سکا۔ دوپہر کے قریب ہم پھر واپس باندلی پورہ حنیف صاحب کے گھر آگئے۔۔۔ دوسرے دن ارسلان خان صاحب کو بھی حضور قبلہ عالم نے رخصت کر دیا۔ اور میں حضور کی خدمت میں ان کے ساتھ ٹھہرا رہا۔ چار دن حضور قبلہ عالم نے محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرمایا۔ ان دنوں حضور مصروف رہے۔ میں نے عرض کی کہ میں بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔۔۔ حضور نے بعد از مغرب مجھے مراقبہ میں بٹھا کر توجہ دی۔ تو میں نے ایک ہستی کو دیکھا۔۔۔ میں مشاہدہ کی کیفیت حضور سے بیان کرتا رہا۔۔۔ لیکن اس ہستی کی شکل مجھے نظر نہ آئے۔ میں کوشش کروں تو ایک عظیم نور کی شعاع مجھ پر پڑے۔ تو میں ان کی شکل نہ دیکھ سکوں۔ جب بھی میں انہیں پہچاننے کی کوشش کروں تو مجھ پر نور کی تجلی پڑ جائے۔ تو میں کچھ دیکھ نہ سکا۔ چار دن مسلسل میں کوشش کرتا رہا۔ اس دوران حضور مجھ پر توجہ ڈالیں۔ مگر میں سوائے نوری شعاع کے اور کچھ نہ دیکھ سکوں۔ مسلسل مراقبہ سے میں نے بے حد تھکان محسوس کی۔ جیسے میرا بدن ٹوٹ گیا ہو۔ ایک دن صبح حضور قبلہ عالم باہر تشریف لائے میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ تو عجیب کیفیت محسوس ہوئی۔ میں حضور قبلہ عالم کی پشت دیکھتا ہوں۔ اور مجھے خود اپنا وجود محسوس ہوا۔ جیسے میرا ہاتھ حضور کے ہاتھ کے مشابہ ہے۔ اس وقت میری داڑھی نہیں تھی۔ مگر منہ پر داڑھی محسوس ہوئی۔ میں منہ کی طرف ہاتھ بڑھاؤں تو میرے ہاتھ میں داڑھی محسوس ہو۔ میں اپنے آپ کو پیر صاحب کی ہیئت میں محسوس کروں۔ اس کیفیت سے میں گھبرایا۔ میرا ابتدائی

دور تھا سلسلہ میں داخل ہوئے۔ مگر یہ کیفیت حضور کے سامنے بیان کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ شاید مجھ میں کوئی خامی پیدا ہوئی ہو۔۔۔ شام جب حضور نے مجھے مراقبہ میں بٹھایا۔ تو پھر ایسی ہی کیفیت محسوس ہوئی۔ اور مراقبہ میں بھی خود کو حضورؒ کی شکل میں دیکھتا ہوں۔۔۔ مجبوراً میں نے یہ کیفیت حضورؒ سے عرض کی فرمانے لگے۔ "بے وقوفا" (یہ لفظ حضور کا میرے لیے شفقت و پیار سے بھرا ہوا خطاب تھا) تجھے علم نہیں۔۔۔ اسے "فنائے شیخ کہتے ہیں"۔۔۔ یہی اچھی علامت ہے۔ تم پر ہماری توجہ کا یہ اثر ہے۔۔۔ مراقبہ میں مہدی علیہ السلام کی نوری توجہ کا بھی تم پر اثر ہوا ہے۔ اس وجہ سے تم فنائے شیخ کی کیفیت مشاہدہ کر رہے ہو۔ یہ سن کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی۔۔۔ میری دانست میں تو سالہا سال مجاہدہ کے بغیر ایسی کیفیت کا میسر آنا ممکن نہ تھا۔ مگر یہاں حضور قبلہ عالم کی چند ساعت صحبت سے مجھے یہ مقام حاصل ہوا۔۔۔ جس کا میں خود کو اہل ہی نہ سمجھ سکتا تھا۔

ایک ہفتہ گذرا، قافلہ نے اپنا سامان سمیٹا اور آگے کی طرف روانہ ہوا۔ آگے آگے قافلہ کے سردار گھوڑوں پر سوار۔ اپنے روایتی لباس، چغہ اور سر پر چرو (بالوں والی ٹوپیاں) کی ٹوپیاں سجائے جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے باقی قافلہ کے لوگ کوئی سوار اور کوئی پیدل بھیڑیں اور اونٹ لے کر جانے لگے۔ حضور قبلہ عالم بھی سرِ راہ قافلہ کو دیکھتے رہے۔ جس وقت قافلہ کے سردار گذر رہے تھے۔ تو حضور فرمانے لگے۔ نورالدین۔ چلو اب واپس ڈیرے پر چلتے ہیں۔ وہ "جوان" (مخصوص ہستی) ابھی سامنے نہیں آتا۔ ہمارے سامنے سے گھوڑے کو ایڑ لگا کر تیزی سے آگے چلا گیا۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم بھی قصبہ سوپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ محمد حنیف صاحب نے دو گھوڑے فراہم کئے۔ اور ساتھ ہی ایک خدمت گار دیا کہ ہمیں چھوڑ کر گھوڑے واپس لائے۔ دس میل کے فاصلہ پر پڑاؤ اترا ہوا تھا۔ یہاں حضور قبلہ عالم ٹھہرے اور قافلہ میں گئے۔ قافلہ کے سب سردار حضور سے ملے۔ حضور نے ان سے مختصر گفتگو کی۔ اور کچھ حالات پوچھے اور ان سے رخصت ہو کر ہم آگے روانہ ہو گئے۔ سوپور سے کچھ فاصلہ ادھر، حضور نے گھوڑے واپس کر دیئے۔ اور ہم پیدل سوپور کی طرف روانہ ہو گئے۔ قصبہ سے کچھ دور ہمیں تانگہ ملا۔ ہم تانگہ پر بیٹھ کر بازار کی طرف چلے۔ حضور تانگہ پر آگے بیٹھے تھے۔ میں تانگہ کے پچھلے حصہ پر بیٹھا تھا۔ سامنے سے ایک الف ننگا فقیر آ رہا تھا۔ وہ حضور کی طرف دیکھتا رہا۔ حضور نے مجھ سے پوچھا۔۔۔ نورالدین۔۔۔ دیکھو یہ ننگا آدمی۔۔۔ دیوانہ ہے۔ یا فقیر مجذوب ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور یہ تو بالکل ننگا ہے۔ صاف پاگل نظر آ رہا ہے۔ ویسے میرا استنجا نہیں۔ میں مراقبہ کر نہیں سکتا۔۔۔ فرمایا ہم جو کہہ رہے ہیں تم مراقبہ کرو تو

سی۔ میں نے تانگہ پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا۔۔۔ تو دیکھا یہ شخص اجلاس میں موجود ہے۔ اور سبز لباس پہنے خوبصورت لگ رہا ہے۔ میں نے عرض کی۔ کہ حضور یہ شخص اجلاس میں موجود ہے۔ یہاں تو اس نے سبز لباس پہنا ہے۔ فرمانے لگے۔ "ہاں یہ ولی ہے۔۔۔ یہ شخص اس علاقہ کا محافظ ہے۔ یہ بھی اسی سلسلہ میں قافلہ کے انتظار میں گشت کر رہا ہے۔" دراصل ہم تمہارا امتحان لینا چاہتے تھے۔ کہ آیا تمہارا مشاہدہ حقیقی ہے۔ یا اس میں خیالی تصور بھی شامل ہے۔ اب تم رفتہ رفتہ پختہ ہو رہے ہو۔۔۔ دیکھا تم نے!۔۔۔ تم تو کہتے تھے۔ استنجا نہیں ہے۔ اس حال میں بھی تمہارا مشاہدہ صاف رہا۔۔۔ ارے! اجلاس کا تعلق روح (روح رحمانی) سے ہے۔ جسم کا مشاہدہ سے کوئی تعلق نہیں۔۔۔ جسم مشاہدہ میں حائل ہوتا ہے۔ اس کے لیے تزکیہ ہوتا ہے۔ اتنے دنوں توجہ سے اس کی رکاوٹ دور ہو گئی۔ مشاہدہ کے لیے قلب کا پاک ہونا شرط ہے۔ قلب خواہشات نفسانی ترک کرنے سے صاف ہو جاتا ہے۔ یہ "حق کا آئینہ ہے"۔۔۔ اس پر عکس آیا۔ تو پھر جسمانی کثافت مشاہدہ میں حائل نہیں ہوتی"۔۔۔ ہاں! میں کہتا ہوں ضرور حائل ہوتی ہے۔ فقراء نے اس جسم کی کثافت کو کچلنے کے لیے عمریں ضائع کیں۔ مگر ہمارے پیر اکمل۔۔۔ حضور خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے محبوب کی ہی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے مرید کسی بھی حالت میں ہوں۔۔۔ ان کا مشاہدہ ہر حال میں جاری رہتا ہے۔ حضور قبلہ عالم بازار تشریف لائے۔ مجھے کرایہ دیا۔ لاری پر بٹھا کر رخصت کر دیا۔ اور میں نعمتوں سے مالامال گھر لوٹ آیا۔ حضور قبلہ عالم گھر تشریف لے گئے۔ یہاں تک کہ یہ مخصوص قافلہ۔ قصبہ سوپور سے ہوتا ہوا۔ پہاڑی کے دامن۔ قصبہ بارہمولہ سے آگے اُوڑی چناری۔ گڑھی دوپٹہ ہوتا ہوا مظفر آباد پہنچا۔ مظفر آباد قیام کے دوران ایک بار پھر خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر بھی قافلہ دیکھنے گئے۔ یہ سفر آپ کا باطنی حکم کے تحت تھا۔ کیونکہ حضور اس دوران گھر کی مصروفیات میں مصروف تھے۔ اس لیے اپنے قائم مقام خواجہ صاحب کو قافلہ کی نگرانی کے لیے بھیجا گیا۔ خواجہ صاحب کے بعد ایک بار جناب قبلہ سنی صاحب بھی قافلہ دیکھنے کے لیے گئے۔۔۔ مظفر آباد پہنچ کر آپ نے عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب کے کیمپ میں قیام فرمایا۔ عبدالکریم صاحب نے ایک ترجمان کو قبلہ سنی صاحب کے ساتھ دے کر قافلہ میں بھیجا۔ آپ سیدھے اس مخصوص ہستی کے خیمہ پر گئے۔ انہوں نے آپ سے ملنے میں تامل نہ کیا۔ قبلہ سنی صاحب کو دیکھ کر نہایت محبت سے پیش آئے۔ ترجمان کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ مگر آپ نے اپنی کچھ تفصیل بیان نہ کی۔۔۔ تاہم قبلہ سنی صاحب نے آپ سے اپنی خود نوشت تحریر (آٹوگراف) کی استدعا کی۔ آپ نے فرمایا میں امی ہوں۔ قبلہ سنی

صاحب نے اصرار کیا کہ اپنے دست مبارک سے کاغذ پر کچھ لکھ کر دیں۔ آپ نے کاغذ قلم لیا۔۔۔ ایک لمحہ توقف کیا۔۔۔ اور کاغذ پر لکھ دیا۔۔۔ کاغذ پر لکھا تھا۔۔۔ "شاہ مردان"۔۔۔ یہ آپ کا اسم مبارک تھا۔ قبلہ سُنی صاحب فرماتے ہیں کہ لکھتے وقت آپ کے چہرے کی کیفیت جلالی محسوس ہوئی۔ اور ماتھے پر پسینہ کے قطرے نظر آئے۔ قبلہ سُنی صاحب نہایت ہی خوش ہوئے۔ اور آپ کا شکریہ ادا کیا۔۔۔ آپ نے بھی نہایت شفقت و پیار سے قبلہ سُنی صاحب کو دیکھا۔ قبلہ سُنی صاحب یہ نوشتہ لے کر واپس تشریف لائے۔

کچھ دن گذرے حضور قبلہ عالم ایک بار پھر شہر تشریف لائے۔ خواجہ عبدالکریم صاحب بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ فرمانے لگے۔ ہم نے مظفر آباد فالله دیکھنے جانا ہے۔ چنانچہ آپ بمعہ خواجہ صاحب مظفر آباد تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچ کر آپ نے عبدالکریم صاحب سپرنٹنڈنٹ پولیس کے خیمہ میں قیام فرمایا۔ حضور قبلہ عالم نے۔ عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس سے۔۔۔ شاہ مردان سے ملاقات کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو سپرنٹنڈنٹ صاحب نے۔۔۔ شاہ مردان کے متعلق کچھ شبہات کا ذکر کیا۔ کہ وہ کیمپ سے باہر نکل جاتے ہیں۔ یا کہیں چھپے رہتے ہیں۔ عبدالکریم صاحب پر شاہ مردان کی شخصیت واضح ہو چکی تھی۔ کہ حضور قبلہ عالم ان سے ہر بار ملنے کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ گو وہ ان کی شخصیت کا احترام کرتے تھے۔ مگر اس دفعہ ان کے دل میں شبہات نے جگہ لی تھی۔ اندرونِ دل ان کے احترام میں فرق پیدا ہو گیا تھا۔ مگر حضور قبلہ عالم کے سامنے اپنے قلبی تاثرات بیان کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اور یہ بات درست تھی۔ کہ شاہ مردان نے ایسی حرکات کا مظاہرہ کیا تھا۔ کہ جس سے ان کی شخصیت کے متعلق شبہات کا اظہار ہوتا تھا۔ حضور قبلہ عالم شاہ مردان سے ملاقات کے لیے ان کے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ مگر وہ خیمہ میں موجود نہ تھے۔ عبدالکریم صاحب نے کہا کہ وہ کیمپ سے باہر چلے نہ گئے ہوں۔ ہمیں ان کی نگرانی پر زیادہ فکر مند رہنا پڑتا ہے۔ کہیں وہ کیمپ چھوڑ کر کسی طرف نکل نہ جائیں۔ حضور نے فرمایا۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔ وہ یہیں کہیں ہوں گے۔ حضور اکیلے آگے نکلے۔ تو شاہ مردان کو ایک چٹان پر بیٹھے محویت میں دیکھا۔۔۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔ یہ ایک اچانک موقع تھا۔ جو ہم نے انہیں اس حالت میں دیکھا۔ کہ عرش سے نور کا ایک دھارا۔ ان پر متجلی ہے۔ اور وہ اسی نور میں غرق محویت کے عالم میں ہیں۔ فرماتے ہیں۔ جونہی ہم ان کے قریب پہنچے۔ تو وہ اچانک جیسے خواب سے بیدار ہو گئے۔ نور کی تجلی غائب ہو گئی۔ اور شاہ مردان بغیر ملے ایک طرف نکل گئے۔ حضور قبلہ عالم کو بھی یہ حرکت ناگوار

گذری۔ آپ نے افسوس کیا۔ اور واپس عبدالکریم کے خیمہ میں تشریف لائے۔ گو حضور یہ جانتے تھے۔ کہ یہ شخص خود کو پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے اس معاملہ میں خاموشی اختیار فرمائی۔ عبدالکریم صاحب نے بتایا۔ کہ اب قافلہ کے لوگ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور ہمیں انہیں پکڑ کر لانا پڑتا ہے۔ ہم پر بہت ذمہ داری ہے کہ جب تک یہ قافلہ کشمیر کی حدود سے نکل کر حکومت ہند میں داخل نہ ہو۔ ہم ان کی نگرانی کریں۔ جب ہم انہیں پکڑ کر لاتے ہیں تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم کسی کام سے جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ لوگ حقیقتاً فرار ہو کر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ امر عبدالکریم صاحب کے شبہ کو تقویت دینے کے لیے کافی تھا۔ مگر حضور قبلہ عالم کی شخصیت کو دیکھ کر وہ گومگو حالت میں تھے۔ کہ سچ کیا ہے۔ اور جھوٹ کیا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں کچھ نہ کہا۔ رات کیمپ میں قیام فرمایا۔ صبح ہوئی۔ تو خواجہ عبدالکریم صاحب نے۔ حضور قبلہ عالم سے اس رات کا ایک خواب بیان کیا۔ آپ نے عرض کی۔ کہ آج رات ہم نے دیکھا۔ ہم سب خیمے میں بیٹھے ہیں۔ اور حضور ایک کرسی پر تشریف رکھتے ہیں۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ قافلہ کے سب قبیلوں کے سردار اپنے روایتی لباس میں خیمہ کی طرف آ رہے ہیں۔ ان کے ساتھ حضرت عالی جاہ سید محمد نورالزمان شاہ صاحب اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔۔۔ ان میں شاہ مردان بھی ساتھ ساتھ تشریف لا رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کے قریب پہنچے تو آپ تعظیماً کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا۔ عالی جاہ شاہ صاحب بھی حضورؒ سے عزت سے ملے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ مردان کو بلا کر حضور سے ملایا۔۔۔ انہوں نے مصافحہ کیا۔ اور ہنستے ہوئے بغلگیر ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں کرسی پر جگہ دی۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہ مردان سے مخاطب ہوئے۔ فرمایا۔ محمد امین صاحب آپ کے قافلہ کے منتظم اعلیٰ ہیں۔ آپ ان سے ملنے میں تامل کرتے ہیں۔۔۔ اور آج بھی آپ نے انہیں رنجیدہ کر دیا۔ یہ آپ کے حال سے واقف ہیں۔ ان سے پوشیدہ رہنے کی ضرورت نہیں۔ اس پر شاہ مردان نے عرض کی کہ ہم افشائے راز کے اندیشے کی بناء پر ایسا کرتے ہیں۔ آئندہ ایسا نہ ہو گا۔ ابھی خواب کا ذکر ہو رہا تھا۔ کہ بعینہٖ خواب میں دیکھی کیفیت کے مطابق سامنے سے قافلہ کے سردار روایتی لباس میں اکٹھے ہو کر خیمہ کی طرف آ رہے ہیں۔ ان میں شاہ مردان بھی ساتھ ساتھ آ رہے ہیں۔ خیمہ کے قریب پہنچے تو شاہ مردان آگے بڑھے اور حضور قبلہ عالم کو السلام علیکم کہہ کر بغل گیر ہو گئے۔۔۔ ہاتھ چومے حضور نے انہیں کرسی پر بٹھایا۔ اور باقی سرداروں کو بھی بٹھایا۔ اس وقت ترجمان بلایا گیا۔۔۔

ترجمان کے ذریعہ گفتگو ہوئی۔ شاہ مردان کچھ منفعل نظر آتے تھے۔ جیسے وہ اپنی حرکت پر نادم تھے۔ حضور قبلہ عالم نے اشارۃً اصل کیفیت کا اظہار فرمایا۔ شاہ مردان خاموش رہے۔ اس کے بعد حضور نے سرداروں سے تفصیلی حالات سنے۔ حضور نے ان سے آئندہ سفر کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے بتایا۔ فی الحال ہم کشمیر کی حدود سے نکل کر برطانیہ کی حکومت میں جائیں گے۔ آگے دیکھتے ہیں۔ وہاں ہم سے کیا سلوک ہو گا۔ ویسے ہمارا ارادہ اسلامی ممالک میں جانے کا ہے۔ یہ محفل حد درجہ خوش آئند و خوشگوار رہی۔ آخر سب رخصت ہو کر اپنے کیمپ میں چلے گئے۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم بھی واپس گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔

آئندہ پروگرام کے مطابق قافلہ نے صوبہ سرحد۔۔۔ ضلع ہزارہ میں داخل ہونا تھا۔ اس سے قبل کہ قافلہ صوبہ سرحد کی طرف بھیجا جاتا۔۔۔ ایک افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ کہ مظفر آباد قیام کے دوران جو خوراک حکومت کی طرف سے قافلہ والوں کو مہیا کی جاتی تھی۔ اس میں چونا اور زہریلے مادہ کی ملاوٹ کیگئی۔۔۔ جس نے قافلہ کے اکثر لوگ بیماری اور موت کا شکار ہو گئے۔ علاوہ ازیں طویل سفر کی پابندی کے باعث لوگوں میں اضطراب پھیلا۔۔۔ پریشانی کے عالم میں لوگ گھبرا کر کیمپ سے بھاگنے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ قافلہ میں بہت سے لوگ رات کے اندھیرے میں قافلہ سے الگ ہو کر جس طرف رخ ہوا بھاگنے لگے۔ یہ صورتحال عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ صاحب کے لیے تشویش کا سبب بنی۔ آپ نے قافلہ پر پابندی سخت کر دی۔ اور پولیس کی نگرانی بھی سخت کر دی۔ قافلہ سے جو لوگ بھاگنے کی کوشش کرتے۔ انہیں پکڑ کر واپس لایا گیا۔ یہ سختی قافلہ والوں کے لیے مزید پریشانی کا سبب بن گئی۔ اس طرزِ عمل سے قافلہ والوں اور پولیس کے درمیان نفرت پیدا ہو گئی۔ عبدالکریم صاحب بھی اس طرز عمل سے متاثر ہو گئے اور جو تقدس قافلہ کے متعلق آپ کے دل میں تھا۔ وہ نفرت میں بدل گیا۔ ایک دن علی الصبح شاہ مردان کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ (غالباً رفع حاجت کے لیے جاتے ہوں گے) پولیس والوں نے اس شبہ پر کہ یہ بھی فرار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں پکڑ کر عبدالکریم صاحب کے پیش کر دیا۔ انہوں نے دریافت کیا۔ تو شاہ مردان نے کہا کہ ہم رفع حاجت کے لیے کھیتوں میں جا رہے تھے۔ لیکن چونکہ ان کے دل میں نفرت کے اثرات پیدا ہو چکے تھے۔ انہوں نے شاہ مردان کے قول کو جھوٹ پر محمول کیا۔ اور انہیں بغیر اجازت کسی طرف جانے کے لیے پابند کر دیا۔ اس طرح عبدالکریم صاحب کا عقیدہ حضور قبلہ عالم پر بھی متزلزل ہو گیا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم دوبارہ مظفر آباد تشریف نہ لائے۔ یہاں تک کہ قافلہ مظفر آباد سے روانہ ہو کر صوبہ سرحد میں داخل

ہو گیا۔ قافلہ نے ایبٹ آباد میں قیام کیا۔ ضلع ہزارہ کے لوگ فطرۃً غیور۔۔۔ اسلام دوست اور مہمان نواز واقع ہوئے۔ یہاں کے لوگ قافلہ کی تباہ حالی دیکھ کر بے حد متاثر ہوئے۔ چنانچہ یہاں کے لوگوں نے قافلہ والوں کی بے حد خدمت کی۔ انہیں بہترین غذا۔۔۔ پلاؤ۔ گوشت اور ہر قسم کی سہولت مہیا کی۔ بیماروں کے علاج کے لیے بھی ہر قسم کی سہولیات مہیا کر دیں۔ جس سے قافلہ والوں کو آرام و سکون میسر آیا۔ قافلہ والوں پر اگرچہ حکومت کی طرف سے پولیس متعین تھی۔ لیکن مسلمانوں کا قافلہ والوں کے ساتھ ہمدردانہ سلوک دیکھ کر ان پر پابندی نرم کر دی گئی۔ لوگ آسانی سے اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ قافلہ میں بعض لوگوں نے معمولی کاروبار شروع کیا۔ اپنی بنائی ہوئی اشیاء اور دوسری ضرورت کی اشیاء کی خرید فروخت شروع کر کے، اپنی ضروریات خود حاصل کرنے لگے۔ حکومت ہند نے انگریز افسر قافلہ کے حالات جاننے کے لیے بھیجے۔ انہیں قافلہ کے حالات معلوم ہوئے۔ کہ یہ قافلہ بے سروسامانی کے عالم میں تباہ حالی کا شکار ہو چکا ہے۔ لہذا حکومت نے قافلہ پر سے یکسر پابندی اٹھائی اور انہیں ان کی مرضی پر جہاں چاہیں سکونت کیلئے آزاد چھوڑ دیا۔ قافلہ کے قبائل اسلامی حکومتوں میں جانے کا ارادہ رکھتے تھے۔ اس لیے حکومت نے ان پر سے پابندی ہٹالی۔ قافلہ کے لوگوں کو جب ضلع ہزارہ میں آسائش ملی۔ تو ان میں سے بعض لوگ صوبہ سرحد کے مختلف علاقوں میں مقیم ہو گئے۔ اور ان علاقوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔۔۔ اس زمانہ میں پشاور میں حکومت انگریز کے ایک پولیس افسر شہزادہ محمود بیگ[۱] تھے۔ آپ ترکی عثمانی مغلیہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ قافلہ والوں کی زبان جانتے تھے۔ آپ نے قافلہ والوں کے حالات دیکھے۔ تو انہوں نے حکومت ترکیہ سے رابطہ قائم کر کے حکومت ترکیہ کو قافلہ کے لوگوں کو ترکی میں بسانے پر آمادہ کر لیا۔ حکومت ترکیہ نے قافلہ کے لوگوں کو ترکی میں آنے کی اجازت دی۔ چنانچہ قافلہ سے بہت لوگ ترکی چلے گئے۔ اور وہاں مستقل سکونت اختیار کی۔ اور باقی قافلہ میں۔۔۔ عثمان خان قبیلہ کے سردار اور الیاس خان اور چند اور سرداران قبیلہ نے

---

[۱] میرے قیام پاکستان (ایبٹ آباد) پر محمود بیگ موصوف کے فرزند شہزادہ کمال بیگ اور ان کے خاندان کے بیشتر افراد سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو کر درود شریف پڑھتے رہے۔ شہزادہ کمال بیگ حضوریٔ اجلاس محمدیؐ ہوئے۔ ان کی اہلیہ بچے۔ والدہ۔ ہمشیران درود خوان سلسلہ کے عقیدت مند ہیں اسی سلسلہ میں جناب شہزادہ محمود بیگ سے بھی ملاقات ہوئی۔ آپ ہی سے اس قافلہ کے متعلق واقعات سننے میں آئے۔

افغانستان۔ ایران کے راستہ آگے نکل جانے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ قافلہ نے ایبٹ آباد سے نکل کر حسن ابدال، ٹیکسلا پہنچ کر خان پور میں ڈیرہ ڈال دیا۔ اس قافلہ میں شاہ مردان بھی شامل تھے۔

ایک دن پھر حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ اور قبلہ سخی صاحب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ قبلہ سخی صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے خان پور ٹیکسلا قافلہ میں جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میں نے بھی حضور قبلہ عالم سے ساتھ لے جانے کی درخواست کی۔ لیکن آپ نے مجھے ساتھ لے جانے سے قطعی انکار فرمایا۔ میں بے حد غمزدہ ہوا۔ قبلہ سخی صاحب سے سفارش کرنے کے لیے کہا۔ سخی صاحب نے بھی میرے لیے بہت زور دیا۔ تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ ہم نورالدین کو اپنے ساتھ لے جانے پر تیار نہیں۔ تم ساتھ رکھتے ہو۔ تو اپنی ذمہ داری پر ساتھ لے چلو۔ میں جانے پر بضد تھا۔ آخر میں بھی حضور کے ہمراہ تیار ہو گیا۔ سری نگر سے روانہ ہو کر دوسرے دن ہم ٹیکسلا پہنچے۔ ٹیکسلا سے پیدل خان پور پہنچے۔ جہاں عثمان خان۔ الیاس خان سردار اپنے قبیلہ کے ساتھ خیمہ زن تھے۔ اس کے ساتھ ہی شاہ مردان کا خیمہ بھی لگا ہوا تھا۔ قافلہ کے قریب پہنچے تو دیکھا چند دنوں میں ہی یہاں قبرستان بن چکا تھا۔ قافلہ کے بہت سے لوگ وفات پا چکے تھے۔ جنہیں اسی جگہ دفن کیا جاتا رہا۔ ہمارے پہنچنے پر بھی۔ لوگ ایک میت کو دفن کر رہے تھے۔ ہم قافلہ کی طرف روانہ ہوئے تو راستہ میں قافلہ کا ایک آدمی ملا۔ جو عربی زبان جانتا تھا۔ حضور نے عربی زبان میں اس سے قافلہ کی کیفیت پوچھی اور شاہ مردان کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے ان کا پتہ دیا اور ترجمانی کے لیے ہمارے ساتھ آیا۔ اور سیدھا شاہ مردان کے خیمہ پر لے گیا۔ آپ خیمہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ہمیں دیکھ کر فوراً خیمہ سے باہر تشریف لائے۔ اور حضور قبلہ عالم سے خوش ہو کر بغلگیر ہوئے۔ مصافحہ کیا۔ اور حضور کے دستِ مبارک پر بوسہ دیا۔ پھر قبلہ سخی صاحب سے بھی بغل گیر ہوئے اور ہاتھ چومے۔ ان کے بعد مجھ سے بھی بغلگیر ہوئے۔ اور میرے ہاتھ چومے۔ جب میں شاہ مردان سے بغلگیر ہوا۔ تو مجھے ایسا محسوس ہوا۔ کہ میں ایک ایسے وجود سے بغلگیر ہو رہا ہوں۔۔۔ جس کی وسعت بہت زیادہ ہے۔ میرے بازو، آپ کے جسم کا احاطہ نہیں کر سکتے تھے۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔ مگر میں نے اپنی حیرت کو بہت کوشش سے چھپایا۔ ورنہ میرے منہ سے چیخ نکل جاتی۔۔۔ شاہ مردان حضور سے حد درجہ عزت و محبت سے پیش آئے اور ترجمان کے ذریعہ تھوڑی دیر گفتگو کرتے رہے۔ بعد میں شاہ مردان حضور کو ساتھ لے کر الیاس خان کے کیمپ کی طرف چلے۔ اس وقت چلنے کی ترتیب یہ تھی۔

کہ آگے آگے شاہ مردان۔ انہوں نے ڈبل زین کا کوٹ پہنا تھا۔ ملیشیا کی قمیض شلوار لگی تھی۔ سر پر سفید لٹھے کی ٹوپی، اور پاؤں میں سفید فلیٹ جوتا پہنا تھا۔ ہاتھ میں (غالباً چھتری یا) چھڑی تھی۔ شاہ مردان کے پیچھے حضور قبلہ عالم چل رہے تھے۔ حضور کے پیچھے قبلہ سنی صاحب اور سنی صاحب کے پیچھے میں جا رہا تھا۔ ہم سب اسی ترتیب سے چل رہے تھے۔ تو قبلہ سنی صاحب وجدانی انداز میں سبحان اللہ۔۔۔ سبحان اللہ پکارتے جاتے تھے۔ میں خود حیرت زدہ تھا۔ قبلہ سنی صاحب سے پوچھ نہ سکا۔ آخر ہم الیاس خان کے کیمپ میں پہنچے۔ الیاس خان ہمیں پہچان گئے۔ آگے بڑھ کر پذیرائی کی۔ بغل گیر ہوئے۔ ہاتھ چومے اور اپنے قریب بٹھا لیا۔ باہمی تبادلہ خیال ہوا۔ خیریت پوچھی۔ الیاس خان نے ہمیں قہوہ پلایا۔ جمعہ کا دن تھا۔ ظہر ہو رہی تھی۔ جمعہ کی نماز پڑھی۔ الیاس خان نے امامت کی۔ اس طرح ہمیں قافلہ میں شمولیت سے جمعہ کی سعادت بھی نصیب ہوئی۔ کافی دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔ اور حضور سے تمام واقعات بیان کئے۔ الیاس خان نے کہا کہ ہم مشرق وسطیٰ۔ شام و مصر تک سفر جاری رکھیں گے۔ وقت تھوڑا تھا۔ حضور نے اجازت چاہی۔۔۔ الیاس خان تھوڑی دور تک قبلہ عالم کے ساتھ الوداع کہنے آئے۔ الیاس کے کیمپ سے چل کر ہم پھر شاہ مردان کے خیمہ تک آئے۔ یہاں بھی تھوڑی دیر گفتگو ہوتی رہی۔ شاہ مردان نے بھی بتایا۔ کہ آپ شام۔ فلسطین۔ مدینہ منورہ تک سفر کریں گے۔ آخر شاہ مردان سے رخصت چاہی۔ آپ پھر بغل گیر ہوئے ہاتھ چومے اور ہمیں رخصت کر دیا۔ یہاں سے رخصت ہو کر ہم واپس ٹیکسلا، حسن ابدال سے ہوتے ہوئے ایبٹ آباد پہنچے۔ شام ہو چکی تھی۔ شدت کی بھوک لگی تھی۔ قبلہ سنی صاحب کی خواہش تھی کہ ہم کسی ہوٹل پر ٹھہریں گے۔ اور کھانا بھی ہوٹل سے کھائیں گے۔ مگر حضور نے ہوٹل پر ٹھہرنے سے منع فرمایا۔ اور ہوٹل سے کھانا بھی کھانے نہ دیا۔ نانبائی کی دوکان سے روٹیاں لیں۔ اور دہی کے ساتھ روٹی کھائی۔ ہم نے سالن کی خواہش کی مگر حضور نے بغیر دہی کے اور کوئی چیز کھانے نہ دی۔ شام کے قریب ایک لاری مل گئی اور ہم اسی رات مظفر آباد پہنچ گئے دوسرے دن حضور قبلہ عالم شاہ راہ کشمیر پر بارہمولہ سے آگے سوپور قصبہ کی راہ اپنے دولت کدہ پر تشریف لے گئے۔ میں اور سنی صاحب سری نگر شہر پہنچ گئے۔ دوران سفر ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ مظفر آباد سے سری نگر کی طرف ہم لاری میں سوار جا رہے تھے۔ کہ مظفر آباد شہر سے تقریباً بیس میل کے فاصلہ پر لاری میں بیٹھے بیٹھے اچانک خود بخود میرے ذہن پر ایک خیال ابھرا کہ کیا یہ ایک غیر معروف شخصیت جس کی ظاہری شکل شباہت سے بھی امام مہدی علیہ السلام ہونا محسوس نہیں ہوتا۔ امام مہدی ہو سکتی ہے۔

اس خیال کے ابھرنے کے ساتھ ہی مجھ پر یک لخت غنودگی طاری ہو گئی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک تالاب ہے۔ تالاب کے بیچ میں ہی وہ ہستی کھڑی ہے۔ کنارے پر حضور قبلہ عالم کھڑے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ میں اس ہستی کو سجدہ کروں یا حضور قبلہ عالم کو سجدہ کروں۔ اچانک حضور قبلہ عالم اس ہستی کے قریب آگئے اور دونوں ہستیاں آپس میں بغل گیر ہو گئیں۔ اب دیکھتا ہوں حضور قبلہ عالم کھڑے ہیں۔ میں نے فوراً انہیں سجدہ کیا۔ بس مجھ پر سے غنودگی ہٹ گئی۔۔۔ اس اچانک خیال اور مشاہدہ سے میں۔ حیرت میں آگیا۔ خوف زدہ ہوا۔ کہ یہ کیا کیفیت دیکھنے میں آئی۔ خوف کے مارے میں حضور قبلہ عالم سے بھی کچھ کہہ نہ سکا۔ اس کے بعد بات ذہن سے اتر گئی ایک سال گذرا۔ حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ محمد حنیف صاحب کے گھر تشریف فرما تھے قبلہ سخی صاحب بھی مجلس میں موجود تھے اور بھی مرید موجود تھے۔ ذکر حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ہو رہا تھا۔ اس وقت پھر وہ کیفیت ذہن پر آئی۔ میں نے حضور سے یہ کیفیت بیان کی۔ حضور قبلہ عالم سنتے ہی غصہ کی حالت میں فرمانے لگے۔ ہم اس خطرے کے مد نظر تمہیں ساتھ لے جانے پر آمادہ نہ تھے۔ کہ تم شک کا شکار ہو جاؤ گے۔ یہ واقعات ابھی صیغہ راز میں ہیں۔ ایسے واقعات میں متضاد کیفیتیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ جن میں عقل شک کا شکار ہو جاتی ہے۔ یا افشائے راز سے جان کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت سخی صاحب نے بھی زیادتی کی۔ تمہارے ساتھ لے جانے پر زور دیا۔ مجھے ڈر تھا کہ کسی وقت تم حادثہ کا شکار ہو جاؤ گے۔ تاہم مجھے تمہارا ہر وقت خیال رہا۔۔۔ تمہاری قسمت اچھی تھی حادثہ سے بچ گئے۔ تمہیں ہماری صحبت نے بچا لیا۔۔۔ کہ بیشتر تم پر انکشافات ہو چکے تھے۔ دیکھو پیر کی راہنمائی میں، پیر کے قول پر عمل کیا کرو۔ پیر کے حکم کے خلاف اپنی پسند پر نہ چلا کرو۔۔۔ یہ نازک مقام ہوتا ہے۔ جب تک سینہ میں کشادگی اور عقل میں پختگی نہ ہو۔۔۔ انسان شک و ظن میں الجھ کر مراتب سے گر جاتا ہے۔

ایک بار حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ تو آپ نے اس سلسلہ میں مشاہدہ کرنے سے باز رکھا۔ مگر ماسٹر غلام محمد اور قبلہ سخی صاحب کبھی کبھی ان کے متعلق مراقبہ میں بتاتے کہ آپ کہاں کہاں سے گذرے۔ قبلہ سخی صاحب مجھے مراقبہ میں بٹھا کر توجہ دیتے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلق حالات پوچھتے۔ یہاں تک کہ ہم انہیں شام تک دیکھتے رہے۔ ماسٹر غلام محمد نے بھی ان کے شام تک پہنچنے کی خبر دی۔ اس کے بعد انہوں نے بہت کوشش کی مگر انہیں آگے کے حالات مشاہدہ نہ ہو سکے۔ مگر قبلہ سخی صاحب کی توجہ سے میں انہیں۔ فلسطین اور مدینہ منورہ تک دیکھتا رہا۔ آخری بار مجھے قبلہ سخی صاحب نے مراقبہ میں بٹھایا۔ تو

میں نے انہیں مدینہ منورہ کے بازار میں کوئی چیز فروخت کرتے دیکھا۔ اس کے بعد مجھ پر قبض طاری ہوا۔۔۔ اور میرا مشاہدہ بند ہو گیا۔ پھر یہ تصور ہی ہر ذہن سے خارج ہو گیا۔۔۔

اس واقعہ میں ایک باریک نکتہ سامنے آتا ہے۔ کہ اس زمانہ میں حضرت امام مہدی کے ظہور ہونے کی شہرت عام پھیل چکی تھی۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ہونے والا ہے۔ چنانچہ اکثر فقراء نے بھی اعلان کیا کہ حضرت امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اس سلسلہ میں جہاں تک حضور قبلہ عالم کا قافلہ کو بار بار دیکھنا۔۔۔ اور امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق۔ احادیث بیان کر کے یہ واضح کرنا۔ کہ

إِذَا جَاءَ عَسَاكِرُ - مِنْ جَانِبِ الْخُرَسَانَ ط فَتَجَسَّسُوا فَإِنَّ خَلِيفَةَ اللّٰهِ الْمَهْدِيْ فِيْهِمْ

حضور اس حدیث کا حوالہ دیکر فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مِنْ جَانِبِ الْخُرَاسَانَ۔۔۔ خراسان کی جانب سے ایک جماعت ہجرت کر کے نکلے گی۔ پس تجسس کرو اس قافلہ میں خلیفۃ اللہ المہدی ہوں گے۔ یہی وہ قافلہ ہے جسے حضور بار بار خان پور تک دیکھتے رہے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ امام مہدی اس قافلہ میں موجود ہیں۔۔۔ لیکن عمر کے لحاظ سے۔ جب کہ سنا گیا ہے۔ کہ ظہور مہدی آپ کی چالیس سال کی عمر میں ہو گا۔ اس حساب سے زمانہ کافی گذر چکا۔ مگر امام مہدی کا ظہور نہ ہوا۔۔۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ باوجود فقراء کے اعلان کے وقت پر امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہیں ہوا۔ گذشتہ زمانوں میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ زمانہ کے فقراء اکثر وقتوں میں ایسی ہی پیش گوئیاں کرتے رہے۔ مگر حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا۔۔۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔۔۔ کشمیری ظہور مہدی علیہ السلام کا وقت آگے چلا گیا۔ حضور نے عرض کی کہ کیا ہم وہ زمانہ پائیں گے؟۔۔۔ عالی جاہ شاہ صاحب نے فرمایا۔۔۔ "شاید"۔۔۔ چنانچہ حضور کے زمانہ میں ظہور مہدی کی شہرت عام ہو گئی۔۔۔ مگر تاحال ان کا ظہور نہیں ہوا۔۔۔ لیکن جہاں تک حضور قبلہ عالم کے تجسس کا تعلق ہے۔ حضور قبلہ عالم نے اس سلسلہ میں بہت سے انکشافات کئے۔ جن میں قافلہ میں ایک مخصوص ہستی کی نشاندہی فرمائی جس کا تعلق ظہورِ مہدی علیہ السلام سے ہی تھا۔ اور لوگوں نے یہ باور کر لیا۔ کہ اس قافلہ میں حضرت امام مہدی علیہ السلام شامل ہیں۔ یہ ایک خاص نکتہ ہے جو وضاحت طلب ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کی حیات میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا۔ لیکن یہ امر مسلّمہ و محقق ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم نے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کی حقیقت کو پا لیا۔

جس حقیقت سے بہت کم فقراء آگاہ ہیں۔ وہ ایک کیفیت پاتے ہیں۔ مگر اس کیفیت کی اصل تک ان کا ادراک نہیں۔ حضور قبلہ عالم ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ فصوص الحکم سے بیان فرماتے ہیں۔ کہ محی الدین ابن عربی کے نزدیک امام مہدی علیہ السلام کا ظہور ایک حقیقی واقعہ ہے۔ جو حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ مجھے حضرت امام مہدی علیہ السلام اور ان کے ظہور کے وقت کا علم دیں۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر ایک تجلی وارد ہوئی۔ اور آپ بے ہوش ہو جاتے سات بار آپ نے التجا کی مگر ہر بار آپ پر تجلی وارد ہوئی۔ اور آپ شدت تجلی[1] سے بے ہوش ہو جاتے۔۔۔ چنانچہ ابنِ عربی نے استدعا کی کہ انہیں ظہور مہدی علیہ السلام کے آثار دکھائے جائیں۔ لہذا آپ نے ظہور مہدی علیہ السلام کے متعلق زمانے کے آثار کی نشاندہی کی کہ زمانہ میں کیسے حالات رونما ہوں گے۔ ظاہر ہے۔ کہ زمانہ قدیم کے فقراء کا نور مہدی کا مشاہدہ کر کے ظہور مہدی کا اعلان کرنا۔ اور پھر ظہور مہدی نہ ہونا۔۔۔ عوام الناس کے لئے شک و ظن کا سبب بنا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ صاحبِ مشاہدہ فقراء کے نزدیک ظہور مہدی علیہ السلام ایک واقع ہونے والی حقیقت ہے لیکن اکثر اس عدم واقع ظہور کی اصل علامت کو نہ سمجھنے کے باعث خاموش ہیں۔ اور جب ظہور مہدی علیہ السلام کی اصل حقیقت کو نہ پایا گیا۔ تو خود محققین اسلام نے بسبب اس حقیقت کو نہ سمجھنے کے مختلف تاویلیں کیں۔ بلکہ دبی زبان

---

[1] اس کیفیت میں دو تاویلیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ ظہور مہدی کو اخفا میں رکھنا منظور ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کا آپ پر تجلی ڈال کر بے ہوش کرنے کا مقصد اس امر کو اخفا میں رکھنا ہے -------
دوسری تاویل یہ ہے کہ جب میں نے بانڈی پورہ میں حضور سے حضرت مہدیؑ کو دیکھنے کی التجا کی تو مراقبہ میں ----- میرا تصور قافلہ میں اس مخصوص ہستی کی طرف ہوتا۔ جسے حضور قبلہ عالم ملنا چاہتے تھے۔ مگر حقیقتاً حضورؒ کی توجہ سے مجھ پر اصل کیفیت آئی۔ کہ میں ان کے نور (روح) کو ایک عظیم نور کی شکل میں دیکھتا۔ تو ابن عربی پر یہی نور متجلی ہوتا ہو جس سے وہ بے ہوش ہوتے ہوں۔ ظاہراً میرا مشاہدہ۔ فنائے شیخ کی صورت میں تھا۔ اس وجہ سے میرے مشاہدہ میں تجلی پیر اکمل کے قلب سے ہو کر آتی جس وجہ سے مجھ پر بے ہوشی طاری نہ ہوتی۔ کیونکہ ابن عربی بذات خود مشاہدہ کرتے۔ اس وجہ سے وہ نور مہدی علیہ السلام کے متحمل نہ ہوتے مگر حضور قبلہ عالم مقام فنا و بقا پر فائز تھے۔ اس لیے آپ پر نور مہدی علیہ السلام کا مشاہدہ آسان تھا۔

میں، اس واقعہ کی نفی کر کے اس حقیقت کو وہم و ظن یا قدما (قدیم) کا اختراعی تصور قرار دیا۔[۵۵]
اور ظہور مہدی علیہ السلام کے تصور کے ساتھ نصاریٰ اور علمائے اسلام (یعنی فقراء) نے نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کو بھی شامل کیا۔ کہ حضرت امام مہدی کے ظہور کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہو گا۔ اس حقیقت کو جب کہ قرآن سے اس امر کی شہادت میسر نہیں (سوائے حدیث کے) اس حقیقت میں بھی تاویلات کر کے۔ غلط مفروضہ قرار دیا ہے۔ کہ یہ نظریہ عیسائیوں کے عقائد سے اختراع کیا گیا۔ ورنہ اس امر کی کوئی حقیقت نہیں اس نظریہ کی نفی کو جماعتِ احمدیہ کے نظریہ نے تقویت دی۔ جب کہ ان کے نزدیک جماعت احمدیہ کے بانی۔ مرزا غلام احمد نے خود کو مہدی موعود۔۔۔ اور مسیح موعود قرار دیا۔ تو علمائے اسلام نے اس نظریہ کی ضد میں سرے سے ظہور مہدی اور نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کی نفی کر دی کہ اسلام میں در حقیقت ایسا کوئی نظریہ موجود ہی نہیں۔ دراصل اس نفی کا سبب اصل حقیقت سے عدم واقفیت ہے۔

بلاشبہ قرآنی عقائد و نظریات کی اساس۔ قرآنی شہادت اور حدیث پر ہوتی ہے۔ قرآن میں احکامات ہیں۔ جو واضح ہیں۔ ان احکامات کی تفسیر حدیث سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں قصص (گذشتہ انبیاء کے واقعات) ہیں۔ جن کی شرح کی ضرورت نہیں۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ کچھ واضح ہے۔ اور کچھ تشبیہی۔۔۔ اس طرح قرآن میں بعض واقعات یکسر متشابہ ہیں۔ جن کی واضح تفصیل قرآن میں بیان نہیں کی گئی۔ بعض کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔ اور کچھ کی حدیث سے بھی واضح نہیں۔ لہذا یہ تسلیم کرنا ضروری ہے۔ کہ قرآن میں دیئے گئے واقعات۔۔۔ نظریات و عقائد۔۔۔ متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں یہاں چند نظریات کا ذکر کرتے ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ در حقیقت پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام شعائر اللہ۔ آیات سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں آپ کی پیدائش۔ آپ کا صلیب پانا۔ قتل ہونا۔۔۔ اور رفع متشابہات سے تعلق رکھتا ہے اس لئے نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متشابہات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ خروج دجال قیامِ قیامت۔۔۔ اور بعض امورِ غیب۔ یہ سب متشابہات

---

[۵۵] چنانچہ مفکر پاکستان علامہ اقبال صاحب نے بھی اس عقیدہ کی نفی کی ہے کہ "مسلمانوں نے یہ عقیدہ ہندو عقیدہ "کلکی اوتار" سے لیا ہے۔ حقیقتاً امام مہدی کا ظہور ہونا محض اختراعی نظریہ ہے"۔

سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی نسبت سے ظہورِ امام مہدی علیہ السلام اور نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی متشابہات سے تعبیر ہے۔ اور یہ امور مصلحت الٰہی کے تابع مخفی رکھے گئے ہیں۔ جیسے قیامِ قیامت کو مخفی رکھا گیا ہے۔ ان امور کا ازروئے شریعت تسلیم و اقرار جائز ہے۔ سوائے اس کے کہ ایسے نظریات عقلی تاویلات سے سمجھنا یا تسلیم کرنا ممکن نہیں اس لئے ظہورِ مہدی علیہ السلام اور نزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی نوع کے امور سے تعلق رکھتا ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کا تصور۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے بھی ثابت ہے۔ درحقیقت اس نظریہ کی نفی کا اصل سبب علمائے اسلام کی اصل حقیقت نہ سمجھنے کے باعث۔۔۔ دوسرے اکثر زمانوں میں فقراء کے اعلان کے باوجود۔ حضرت امام مہدیؑ کا ظہور نہ ہونا اس نظریہ کی نفی کا سبب بھی ہے۔۔۔ یہاں اس نکتہ کو سمجھنا ضروری ہے۔ کہ فقراء کا ظہور مہدی علیہ السلام کا اعلان کرنا۔ ان کے باطنی مشاہدہ سے متعلق ہے۔ کہ وہ باطناً حضرت امام مہدی علیہ السلام سے متعلق ایک کیفیت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ جو ایک حقیقت ہے۔ مگر ظاہراً اس کا ظہور نہ ہونا۔۔۔ یہی ایک نکتہ ہے۔ جس پر عقلی طور احاطہ نہیں کیا جاتا۔۔۔ اس نکتہ کی وضاحت ہم قرآنی آیات کی روشنی میں پیش کریں گے۔

قرآن نے سیرت انبیاء سے متعلق ایک تفصیلی بیان پیش کیا۔ جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا خصوصی ذکر ہوا ہے۔ "آیت"

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۝

تحقیق اللہ نے منتخب کیا۔ آدم کو۔۔۔ نوح کو۔۔۔ ابراہیم و آلِ ابراہیم کو۔۔۔ اور خصوصاً آلِ عمران کو تمام لوگوں میں سے۔ (پارہ ۳۔ سورہ ۳۔ آیت ۳۳)

اس آیت میں آلِ عمران کی خصوصیت کا ایک مکمل باب قرآن نے پیش کیا۔ اس کی ابتداء آلِ عمران سے ہی ہوتی ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۝ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۵)

جب کہا عمران کی بیوی نے۔ اے رب میں نذر کرتی ہوں تیرے لئے جو میرے پیٹ میں ہے۔ پس تو قبول کر۔۔۔ تحقیق تو سننے والا جاننے والا ہے۔

یہ قرآن کا دانستہ بیان ہے جس میں خصوصیتِ آلِ عمران کا اظہار مقصود ہے۔ اس بیان میں ایک نکتہ ہے۔ جس میں خصوصیتِ آلِ عمران پوشیدہ ہے۔ یہ کہ دین موسوی میں لوگ ہیکل کے لئے اپنی نذر مانتے تھے۔ کہ عورت نے نذر مانی۔ تو اس کے لڑکا پیدا ہوتا۔ لڑکا

ہیکل والوں کے سپرد کیا جاتا۔ ہیکل کے راہب اس کی تربیت کرتے اور وہ آئندہ صاحب مشاہدہ عالم بن کر ہیکل کا عالم بنتا عمران کی بیوی نے نذر مانی تو خلافِ توقع اس کے لڑکی پیدا ہوئی۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ط وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ج

اس نے کہا کہ خلاف توقع لڑکی پیدا ہوئی اسے ہیکل میں کیسے نذر میں دیا جائے گا۔ اب قرآن دانستہ طور واقعات کا ذکر کرتا ہے۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ

اللہ نے اس لڑکی کو ہیکل کے لئے قبول کیا۔ اللہ جانتا ہے۔ کہ اس نے جو کچھ جنا۔۔۔ یہ تو اللہ کی مرضی تھی کہ لڑکی پیدا ہو۔ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ ۔۔ اللہ نے خود اس کا نام مریم رکھا۔

یہ کس کے لئے ہوا؟۔۔۔ اس میں آل عمران کی خصوصیت میں ایک الٰہی منصوبہ کا مظاہرہ کرنا مقصود تھا۔۔۔ کہ حضرت مریم علیہ السلام کے بطن سے بغیر سلسلہ تناسل کے ایک انسان کے وجود کے لئے نور سے بشر پیدا کیا جائے۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام کی خصوصیت سے متعلق قرآن نے دانستہ طور چند واقعات کا ذکر کیا۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۶-۱۷)

ذکر کیجئے قرآن میں سے حضرت مریم کا جب اسے ہیکل والوں نے ہیکل کے مشرقی حجرے میں مقفل کر رکھا تھا۔۔۔ تو میں نے اپنا ایک روح "نور" مریم کی طرف بھیجا۔ جو ان کے سامنے بشر کی شکل و صورت میں آیا۔۔۔ اس آیت میں حضرت مریم علیہا السلام کے انتخاب۔۔۔ اور ایک نور کا بشری ہیئت میں متمثل ہونا۔ دانستہ طور بیان کیا گیا۔ اس لئے یہ جانا جائے کہ "روح" یا "نور" بشر کی ہیئت اختیار کر سکتا ہے۔ اور یہ کہ بشری ہیئت میں ایک وجود نوری تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک نوری بشر۔۔۔ یا بشر کی شکل و صورت میں محسوس کی جانے والی ہیئت۔ نوری خاصیت کی حامل ہوتی ہے۔۔۔

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝

(پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۸)

کہا مریم نے میں پناہ مانگتی ہوں رحمٰن سے۔ تجھ سے کہ تو پاک ہے؟۔۔۔ یہ بیان بھی دانستہ طور دیا گیا۔ جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے۔ کہ ایک نوری خاصیت کا بشر۔ انسانی

شکل وصورت میں دیکھا۔ پہچانا جاتا ہے۔۔۔

مکر قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝

(پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۱۹)

کہا (ملائکہ نے) سوائے اس کے نہیں۔ کہ میں اللہ کی طرف سے بھیجا گیا۔ ملائکہ ہوں تاکہ تمہیں "وہبی طور" ایک لڑکا دیا جائے گا۔

سوال یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے مخصوص ہستیوں کی طرف ملائکہ نوری ہیئت میں بھی آتے ہیں۔۔۔ یہاں ملائکہ کے انسانی شکل وصورت میں آنے کی کیا مصلحت ہے؟۔ وہ یہی کہ ثابت ہو۔۔۔ بشر نور سے بھی ہو سکتا ہے۔۔ اسی لئے اللہ نے ملائکہ کو یہ خبر دے کر بھیجا۔ کہ اللہ تعالیٰ۔ اپنی قدرت کاملہ سے۔۔۔ تم سے ایک انسان بشری شکل وصورت میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔۔ لِاَهَبَ میں وہبی طور بغیر ظاہری اسباب کے بشر پیدا کرنا۔۔۔ تصور میں لایا گیا۔۔۔ سنت الٰہی میں تھا۔ کہ زمین پر حضرت آدم علیہ السلام کی نسل سے۔۔۔ سلسلہ تناسل کے طریق پر۔۔۔ بشر پیدا ہوتا ہے۔۔۔ مگر اس مقام پر نسلی طریق اختیار نہیں کیا جاتا۔ بلکہ نور سے بشر پیدا کیا جاتا ہے۔۔۔ اس مقام پر پھر ایک دانستہ بیان پیش کیا جاتا ہے قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا کہا حضرت مریم نے میرے لڑکا پیدا ہونے کی الٰہی ترکیب کیا ہے۔۔۔ جب کہ سنت الٰہی کے مطابق نسلی طور لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے کہا۔ كَذٰلِكِ ایسے ہی ہو گا۔ بغیر ذریعہ نسلی کے هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وہ اللہ اختیار رکھتا ہے۔ جس طرح چاہے پیدا کرے۔ بغیر نسلی طریق کے بھی وہ ایک بشر پیدا کرنے کے لیے ایک نئی طرح ڈالے۔۔۔ یہ اس لیے کہ اس خصوصی ترتیب پیدائش کو بھی۔ پیدائشِ انسانی میں شامل کرنا مقصود ہے۔ کہ بشر نور سے بھی پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ پیدائش آئندہ آنے والے واقعات کے لیے بطور دلیل قبل از وقت مقرر کی جاتی ہے۔۔ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ تاکہ بنایا جائے اس واقعہ کو لوگوں کے لیے۔۔۔ ایک "آیت"۔ ایک دلیل اور یہ امر ازل سے ہمارے منصوبہ میں مقرر کیا گیا تھا۔۔۔ اس آیت سے واضح ہے کہ اول ایسا کرنا منصوبہ الٰہی کے تحت ایک نئی تخلیق۔ جو ابن آدم میں شامل نہیں یعنی نسل سے نہیں پیدا کرنا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ پیدائش نوری وجود سے بشری ہیئت میں پیدا کی جائے گی۔۔۔ تیسری خصوصی بات یہ کہ ایسی پیدائشوں کے لیے ازل سے نور مخصوص ومنتخب کیا جاتا ہے۔ اور یہ نور اللہ تعالیٰ کے خزانہ غیب (عالمِ بالا) میں کسی مقام پر مخزن کیا جاتا ہے۔۔۔ اور وقت موعود پر اس نور کو ملائکہ کے ذریعہ (ہاتھ) نفخ کیا جاتا ہے۔ چوتھے ان آیاتِ قرآنی

اور واقعہ حضرت مریم و حضرت عیسیٰ علیہما السلام سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیقی ترکیب چار انواع کی استعمال کی۔۔۔ (۱) اول۔ بغیر ماں باپ۔ ایک ذرہ ناری سے ایک وجود (آدم) بنایا (۲) دوسرا۔ مرد عورت کے اختلاط (نسل) سے۔ (۳) تیسرا۔ بغیر باپ۔ ایک مخصوص نور سے جس میں ایک وجود پیدا کرنے کے لیے بغیر نسلی ذریعہ کے روح کو رحم میں القا کیا جاتا ہے۔ (۴) چوتھا۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے خالص نور[لہ] سے۔ جیسے قرآن نے حضرت یحییٰ کی پیدائش میں اشارہ دیا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا۔۔۔ اس کے متعلق قرآن دعوےٰ کرتا ہے۔۔۔ کَذٰلِکَ۔ اسی طرح یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص کردہ ایک ترکیب

لہ خالص۔ مخصوص نور۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی صرف نور سے پیدا ہونے کے متعلق قرآن نے تفصیلی بیان پیش کیا ------- اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ نِدَآءً خَفِیًّا ○ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَھَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْ بِدُعَآئِکَ رَبِّ شَقِیًّا ○ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَ کَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۳ تا ۵) اور جب پکارے (زکریا) خفیہ طور اپنے رب سے اے رب میرے بدن کے جوڑ کمزور ہو چکے ہیں اور سر بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکا ہے۔ (اس حال میں کہ مجھ میں نطفہ کی قوت باقی نہیں) لیکن میں تجھ سے مانگنے میں (اس حال میں بھی) ناامید نہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے بعد قوم بنی اسرائیل میں کوئی نبی نہ ہوگا جس سے قوم ہدایت پا سکے۔ اور میری بیوی بھی بانجھ ہے۔ پس مجھے بغیر نسلی ذریعہ کے ---- قدرت کاملہ سے (وہبی طور) ایک لڑکا عطا کر ----- قرآن نے ان آیات میں حضرت زکریاؑ کی حالت کا جو نقشہ کھینچا۔ اس میں یہ وضاحت کر دی۔ کہ حضرت زکریا علیہ السلام میں نطفہ کی قوت نہیں۔ اور ایسی حالت میں انسان کا ناامید ہونا فطری اصول کے تحت یقینی ہے۔ لیکن حضرت زکریاؑ اس امید پر بھروسہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر نطفہ کے۔ وہبی روحانی۔ طور ایک فرزند عطا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس لیے فَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ کا لفظ استعمال ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حالت میں حضرت زکریاؑ کو حضرت یحییٰؑ کی بشارت دی۔ یٰزَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُہٗ یَحْیٰی (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۷) اے زکریا! ہم تمہیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ حضرت زکریاؑ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا۔ کہ بغیر نسلی ذریعہ۔ بغیر رحم مادر لڑکا پیدا ہونے کی صورت کیا ہو گی؟ ------- قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۃ ۱۹ آیت ۸) تو اللہ تعالیٰ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے۔ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ۔ اللہ تعالیٰ محض نسلی طریق پر پیدا کرنے کا پابند نہیں۔ وہ جو طریق چاہے کرسکتا ہے اور ایسا کرنا مشیت الٰہی کے عین مطابق ہے۔ ایسے واقعہ کا انکار و عدم تسلیم ممکن نہیں۔ چنانچہ قرآن اس اہم پیدائش کی واضح ترتیب بیان کرتا ہے۔ فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا۔

اور ہم نے یہ نور حضرت مریم میں نفخ کیا۔۔۔ گویا لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا اور أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ کے جواب میں اللہ تعالیٰ ایک بشر کی پیدائشی ترتیب بھی بیان کرتا ہے۔ تو اس سے ایک بشر پیدا ہوتا ہے۔ اس کی تعریف خود قرآن کرتا ہے۔

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ

"سوائے اس کے نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام (ابن آدم سے نہیں) بلکہ کلمہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۰)

نے بتایا كَذَٰلِكِ یہ فرزند بجائے نسلی نطفہ کے خالص نور سے پیدا ہو گا۔ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ یہ امر میرے لیے آسان ہے۔ میں پیدا کرنے میں کسی ترتیب کا پابند نہیں۔ یہ میرے لیے آسان ہے۔ البتہ یہاں پیدائش کے لیے ماں کا ہونا ضروری تھا۔ اس لیے اللہ نے یہ صورت پیدا کر دی۔ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ اور ہم نے حضرت زکریاؑ کی بیوی کا بانجھ پن دور کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریاؑ کی بیوی میں ایک نور نفخ کر کے حضرت یحییٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ----- چنانچہ اس ترتیب نوری کے لیے قرآن نے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں واضح ترتیب اس کی دلیل میں پیش کی جسے قرآن نے بتایا إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۷۱) سوائے اس کے نہیں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بھیجا ہوا۔ اس کا مخصوص کردہ ایک نور ہے ----- جو بطریق القا نفخ کیا گیا بطن مریم علیہا السلام میں ----- یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخصوص کیے گئے انوار میں سے ایک نور ہے۔ اس ترتیبِ پیدائش میں بھی قرآن نے وہی الفاظ استعمال کئے۔ جو پیدائش حضرت یحییٰؑ کے لیے حضرت زکریاؑ نے اپنی دعا میں استعمال کیے إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ○ لہٰذا اس قرآنی بیان سے واضح ہے کہ ماں باپ کے ہوتے ہوئے بھی فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ کی ترتیب کے ایک نور کو بشری وجود کے لیے مخصوص کر کے بطن مادر میں نفخ کیا جاتا ہے جس کا طریق فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا یعنی ایک نور مخصوص بطن مریم علیہا السلام میں نفخ کیا گیا۔ جس نور نے حضرت عیسیٰ کی شکل میں ظہور کیا۔

(نور) ہے اللہ کا۔ جو حضرت مریم میں القا کیا گیا۔۔۔" اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نوری وجود کے بنیادی وجود۔۔۔ پیدائش۔ اور ترتیبِ پیدائش کی پوری نشاندہی کی گئی ہے۔۔۔ اگرچہ پیدائشی حیثیت میں۔۔۔ جبکہ آپ کا وجود نوری ہے۔ تمام پیدائش انسانی میں جو نطفہ سے پیدا ہوئی۔۔۔ حضرت عیسیٰ کو تمام عالم کے انسانوں پر فضیلتِ تامہ حاصل ہے۔ لیکن یہ خصوصیت درحقیقت اصل نہیں۔ بلکہ ایک دلیل کے طور پر یہ خصوصیت پیش کی جاتی ہے۔۔۔ کہ کائنات میں ایک افضل الانبیاء کا ظہور ابھی باقی ہے۔ یہ وہ ذات ہے۔۔۔ جو "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ جسے تمام کائنات ارض و سمٰوت پر ہر حیثیت میں فضیلت عطا کرنا ہے۔ لہذا ضروری ہے۔ کہ اس وجود مقدس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود سے افضل حیثیت حاصل ہو۔ اور اگر ایک وجود کو نوری حیثیت میں فضیلت حاصل ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی پیدائش میں بھی نوری ترتیب شامل رکھنا ضروری ہے۔ اگر ایسا تسلیم نہ کیا گیا۔ تو لامحالہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جسمانی حیثیت میں فضیلت تسلیم کرنا ہوگی۔۔۔ مگر ایسا نہیں۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نوری کو تسلیم کرنے کے لیے ہی۔۔ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش نوری کو۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشِ نوری کے لیے قبل از وقت تسلیم کرنے کے لیے دلیل بنایا گیا۔۔۔ اس تمام واقعہ میں صرف ایک نکتہ کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا یہ ہمارے ارادہ ازلی میں مقرر ہو چکا تھا۔ اس لیے اس امر کا تقاضا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجودِ بشری کے لیے ازل سے اللہ تعالیٰ نے ایک نور مقرر کیا۔ جو نور اس کے خزانہ مخفی میں رکھا گیا اور وقت موعود پر حضرت مریم علیہا السلام میں نفخ کیا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے بھی ایک عظیم نور اللہ تعالیٰ کے خزانہ مخفی[1] میں رکھا گیا۔

---

[1] خزانہ مخفی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کے متعلق ایک نعت پیش کی جاتی ہے یہ نعت حضرت عباسؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے پڑھی جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ غزوہ تبوک سے واپسی پر رمضان ۹ھ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے۔ تو حضرت عباسؓ نے آپکی مدح میں یہ اشعار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہاں۔ اب ترتیب کا فرق ہے۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے والد نہیں لہذا اس کے لیے نفخ کی ترتیب ہی ہو سکتی ہے۔۔۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے معنی میں والد سے نسبت دی جائے۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت کو

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۹۲)

اظہارِ خوشنودی فرمایا۔ (ماخوذ از سیرت رسول عربیؐ مصنف نوری بخش توکلی پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور بحوالہ طبرانی بروایت مواہب زرقانی (غزوہ تبوک)

نعت رسول مقبولؐ از حضرت عباسؓ

مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِی الظِّلَالِ وَ فِیْ
مُسْتَوْدَعٍ حَیْثُ یَخْصَفُ الْوَرَقُ

اس دنیا میں آنے سے پہلے آپؐ (عالم بالا کے خزانہ مخفی) سایہ خاص میں مخزن تھے۔ پھر پشت آدم علیہ السلام میں اترے۔ (القاہوئے) تب جب حضرت آدمؑ کو باغ (جنت) میں سکونت کا حکم ہوا۔

ثُمَّ هَبَطْتَ الْبِلَادَ لَا بَشَرٌ
اَنْتَ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقٌ

پھر آپ (پشتِ آدم سے) اترے اولادِ آدم کی پشتوں میں منتقل ہوتے۔ اس حال میں کہ آپ نطفہ کی مانند نہ بشری ہیئت میں۔ نہ گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں۔ نہ لہو کی بوند۔

بَلْ نُطْفَةٌ تَرْكَبُ السَّفِيْنَ وَقَدْ
اَلْجَمَ نَسْرًا وَاَهْلَهُ الْغَرَقُ

بلکہ ایک نوری وجود ------ جو حضرت نوح علیہ السلام کی پشت میں منتقل ہوا۔ جب وہ کشتی میں سوار تھے۔ اس وقت جب پانی کی موجیں پہاڑ کو چھو رہی تھیں اور قومِ نوحؑ غرق ہو چکی تھی۔

تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ اِلٰی رَحِمٍ
اِذَا مَضٰی عَالَمٌ بَدَا طَبَقٌ

پھر یہ نورِ مقدس اولاد آدم کی پشتوں میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ زمانہ گزرتا رہا۔ اولاد آدم طبقوں میں بٹ گئی اور بستیاں بنیں زمین پر۔ ہاں! یہ وہ صالب (پشتیں) نہیں جس کا اشارہ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ الصُّلْبِ میں باپ کی پشتوں سے دیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس نورِ مقدس کے پشت

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اہمیت دی جائے۔ لہذا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کو گذشتہ آیات کی ترکیب پیدائش کی روشنی میں قبل از وقت دلائل کے ساتھ۔ خزانہ عالم غیب میں محفوظ کر رکھا اور وقت موعود پر یہ نور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں القا کیا۔۔۔ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ کے خطاب سے اس ترتیب کو سمجھنا۔۔۔ یا تسلیم کرنا ممکن ہے۔۔۔ حضرت مولانا روم

(بقیہ حاشیہ صہ ۱۹۳)

در پشت انتقال کے لیے ۔۔۔۔ انسان کے "قلب" کو مخصوص کیا۔ کیونکہ انسانی وجود میں نور کے خزانہ کے لیے ۔۔۔۔ قلب کے سوا اور کوئی صلب (پشت) نہیں جہاں اس نور کا قرار ہو ۔۔۔۔۔۔ کیونکہ یہ نور وَلَا بَشَرٌ وَلَا مُضْغَةٌ وَلَا عَلَقٌ کی ہیئت میں ہے۔

وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا
فِيْ صُلْبِهٖ اَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

پھر آپ نوری ہیئت میں حضرت ابراہیمؑ کی پشت میں منتقل ہوئے ۔۔۔۔ ہاں ! آپ اس وقت پشتِ ابراہیمؑ علیہ الصلوۃ والسلام میں پوشیدہ تھے۔ تو پھر انہیں کیسے آگ جلاتی !

حَتّٰى احْتَوٰى بَيْتُكَ الْمُهَيْمِنُ
مِنْ خِنْدِفَ عَلْيَاءَ تَحْتَهَا النُّطُقُ

یہاں تک کہ آپ ذریتِ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی پشتوں میں منتقل ہوتے رہے جس نے اللہ کے امن والے گھر کے قریب سکونت رکھی تھی۔ جن میں قبیلہ خندف کو ایک بلند مرتبہ خاتون ام مالکہ بن الیاس کی نسبت سے شرف حاصل تھا اور جس قبیلہ میں وہ عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں جن میں اولاد اسماعیل علیہ السلام ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اکیسویں پشت عدنان سے آپ کی اولاد میں برگزیدہ ہستیاں۔ عدنان۔ معد۔ نزار۔ مضر۔ الیاس۔ مدرکہ۔ نضر۔ مالک۔ فہر۔ ہاشم جیسی محترم ہستیاں شمار کی جاتی ہیں۔ قبیلہ خندف میں ام مالکہ بن الیاس جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں۔ ایک عابد و زاہدہ بلند مرتبہ خاتون تھیں جن کی نسبت سے اس قبیلہ خندف کو اعلیٰ مقام حاصل رہا۔ اسی قبیلہ میں مالک کے فرزند فہر (فہر بن مالک) قریش کے لقب سے عرب میں مشہور ہوئے۔ کیونکہ یہ عرب کے جملہ قبائل سے بہادر اور طاقت ور قبیلہ سے تھے۔ عرب پر ان کی طاقت کی دھاک بیٹھی تھی۔ اس لیے انہیں قریش کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ قریش عربی اصطلاح میں "وہیل مچھلی" کو کہا جاتا ہے۔ فہر نے اپنے قبیلہ کے تمام آدمیوں کو اکٹھا کر کے مکہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نے اپنی مثنوی میں ایک حدیث کی شرح میں بیان کیا:

وز برائے من بدش سجدہ ملک
وز پئے من رفت بر ہفتم فلک
گر بصورت من ز آدم زادہ ام
وز بمعنی جد جد افتادہ ام

(بقیہ حاشیہ صـ۱۹۴)

میں بسایا۔ اس لیے کعبۃ اللہ کی تولیت اور مکہ پر فہر کی حکومت قائم ہو گئی۔ رِخِنْدِفِ عَلْیَاءَ تَحْتِهَا النُّطُقُ میں فہر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ قبیلہ خندف کے ایک بہادر سردار نے اپنی قوم کو اپنی سربراہی میں لے کر طاقت ور قوت حاصل کی۔ اسی سردار کا سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے ---- اسی فہر کی اولاد سے غالب۔ لوی۔ کعب۔ مرہ۔ کلاب۔ قصی۔ عبد مناف۔ ہاشم۔ عبدالمطلب۔ عبداللہ علیہم السلام بڑے فرزندوں میں سے ہیں۔ جن کی پشتوں سے یہ نورِ مقدس محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم منتقل ہوتا۔ پشت عبدالمطلب میں پہنچا۔ اور آپ کی پشت سے یہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ پشت عبداللہ علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اور حضرت عبداللہ علیہ السلام کی (صلب) پشت سے بطن آمنہ علیہا السلام میں مثل اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ نفخ ہوا۔ اور یہی نور مثل حضرت عیسیٰ کی پیدائش کے وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ کی دلیل کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری شکل میں پیدا ہوا ---- سو حضرت عباسؓ فرماتے ہیں۔

وَنَحْنُ فِىْ ذَالِكَ الضِّيَاءِ وَفِى النُّوْرِ
وَسُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اور ہم سب اسی روشنی میں ہیں اور اسی نور سے رشد و ہدایت کی راہیں نکال رہے ہیں اس نعت کا حوالہ ------ "اسد الغابہ" میں دیا گیا ہے --- اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو کلماتِ تحسین فرمائے۔

ان اشعار سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش مثل عیسیٰ علیہ السلام مثل حضرت یحییٰ علیہ السلام مخصوص نور سے ہوئی۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وجود کے لیے خزانۂ عالمِ بالا میں ایک نور مخصوص کیا گیا اور وقت موعود پر یہی نور نَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا کی ترتیب کے ساتھ حضرت مریم علیہا السلام میں نفخ کیا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے حضرت عیسیٰ کے نور سے افضل نورازلی سے مخصوص کر کے ----- مِنْ قَبْلِهَا طِبْتَ فِى

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضور کے نور جسدی کو حضرت آدم کی پشت میں القا کیا گیا۔ اور یہ نور اولاد آدم میں پشت در پشت منتقل ہوتا رہا۔۔۔ یہاں تک کہ یہ نور پشت حضرت نوح علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اس کے بعد یہ نور پشت حضرت ابراہیم علیہ السلام میں منتقل ہوا۔۔۔ اسی نور کا اثر تھا۔ کہ آپ پر نمرود کی آگ اثر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۵)

الظلال خزانۂ عالم بالا میں مخزن کیا گیا۔ اور یہی نور حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں مستودع حَبَثَ یَخْصِفُ الْوَرَقُ باغ ارضی میں جب حضرت آدمؑ نے یَخْصِفٰنِ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ۔۔۔ اپنے آپ کو باغ کی پتوں سے ڈھانپا۔ القا کیا گیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ترکیب میں نَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا کا طریق اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے نئی تخلیقی ترکیب اختیار کی ------- یہ اس لیے۔ کہ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح اپنے مخصوص و منتخب بندوں کو اعلیٰ صفات کے ساتھ پیدا کرنا تھا۔ یہ امر ازل سے اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں مقرر ہو چکا تھا کہ زمین پر نسلی پیدائش سے سوا --- نوری پیدائش کا ظہور بھی ہو گا۔

قرآن نے سیرت النبی کے بیان میں۔ آلِ عمران کی خصوصیات کا تفصیلی ذکر کیا۔ دراصل آل عمران میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے متعلق جو واقعات بیان کیے ہیں۔ ان میں اصل مقصد ان واقعات کا بیان کرنا نہیں۔ جیسے قرآن واقعات بیان کرتا ہے۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰۤى اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اور جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں تمہیں طبعی موت دوں گا۔ اور تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا ---- اور پاک کروں گا ان کافروں کے شر سے۔ یہ بیان اس زمانہ کا ہے۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف یہودیوں نے سازش شروع کی۔ کہ آپ کو بغاوت کے الزام میں قتل کیا جائے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بشارت دیتے ہیں اے عیسیٰ فکر نہ کریں۔ آپ کے لیے۔ طبعی موت مقصد کی گئی ہے۔ یہ آپ کے خلاف سازشیں کرتے ہیں کہ آپ کو قتل کریں۔ لیکن یہ اپنے مکر میں کامیاب نہ ہوں گے ---- بلکہ میرا منصوبہ یہ ہے ---- کہ آپ کی عظمت کو بلند و بالا کرنے کے لیے آپ کو آسمان پر اٹھا لے جاؤں گا ---- اسی منصوبہ کی تصدیق کے لیے قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اصل حقیقت سے یہود و نصاریٰ کو بھی آگاہ کیا ---- جیسے کہ واقعات اس زمانہ میں دیکھنے میں آئے کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو صلیب ہوتے اور وفات پاتے دیکھا۔ تو سب ہی نے یقین کر لیا

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اندازنہ ہو سکی۔۔۔ یہی نور پشتِ اسماعیل علیہ السلام میں منتقل ہوتا ہوا۔۔۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے قربانی کے لیے منتخب کیا۔۔۔ یہی نور ذریت حضرت اسماعیل (بڑے فرزند) کی پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا پشت حضرت عبداللہ علیہ السلام میں منتقل ہوا۔ اس خصوصیت پر آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ قربانی کے لیے منتخب کیا گیا۔ اور اب۔۔۔ اسی مقام پر گذشتہ قرآنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶)

حضرت عیسیٰؑ صلیب دیے گئے۔ اور دفن کیے گئے۔ مگر قرآن اصل واقعہ چھ سو سال بعد پیش کرتا ہے ------ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ (پارہ ۶ سورۃ ۴ آیت ۱۵۷، ۱۵۸) ترجمہ = اور ان کا (یہودیوں کا) کہنا ہے کہ ہم نے مسیح ابن مریم رسول اللہ کو قتل کیا۔ مگر نہیں قتل کیا اس کو اور نہ صلیب دیا اس کو۔ لیکن وہ اس معاملہ میں تذبذب اور شبہ میں ہیں۔ کہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل ہوئے یا نہیں ---- اور ان میں آپس میں قتلِ مسیح پر اختلاف پیدا ہو گیا۔ وہ اس قتل میں شک میں پڑ گئے۔ نہیں ہے انہیں علم اس کا۔ مگر پیروی کرتے ہیں ظن کی ---- یقیناً انہیں قتل نہیں کیا گیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف (آسمان پر) اٹھا لیا۔ اللہ اپنے منصوبے پورا کرنے کی غالب قوت رکھتا ہے۔ اور وہ پوشیدہ اسرار کا جاننے والا ہے۔

دراصل قرآن حالاتِ زمانہ کے مطابق نزولِ حضرت عیسیٰؑ اور یہود کی مخالفت اور قتل کی سازش کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن اس بیان میں صرف رَافِعُكَ اِلَيَّ اصل مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازلی منصوبہ کے تحت حضرت عیسیٰؑ کو نور سے پیدا کرنا۔ اور اس نوری وجود کی صفت بیان کرنے کا اصل مقصد تھا کہ اس نوری وجود کی صفت جسم کے ساتھ آسمانوں میں داخل ہونا ہے۔ اور یہ امر وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا کے تحت تھا اور یہ اس لیے بھی کہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ اصل مقصد نہیں۔ بلکہ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ تاکہ اس واقعہ کو کسی آنے والے واقعہ کے لیے بطور دلیل سامنے رکھا جائے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ کے ساتھ بغیر نسلی (نطفہ) ذریعہ کے خالص نور سے ایک بشری انسان پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور ایسی پیدائش بھی فطری تخلیقی قانون کے دائرے میں آتی ہیں۔

ان قرآنی بیانات کا اصل مقصد قرآن سے ہی واضح کیا جا سکتا ہے۔ کہ قرآنی بیان سے یہ امر

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آیات کو۔ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ۔ بطور دلیل پیش کر کے۔ ایک پیدائشی ترتیب کا اعادہ کیا گیا اَنْعَمْنَا اِلٰى رَبْوَةٍ کی جگہ۔ حضرت آمنہ علیہا السلام کے بطن میں نور محمدی ﷺ کو پشت عبداللہ علیہ السلام سے القا کیا گیا۔ جس کی دلیل اسی قرآنی آیت سے دی گئی۔ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ۔ یہ فرمان دراصل حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائشی ترتیب کی طرف

(بقیہ حاشیہ صک ۱۹۷)

واضح ہے۔ کہ پیدائشی اعتبار سے۔ نوری وجود۔ ہر حال میں نسلی وجود سے افضل درجہ رکھتا ہے ---- نسلی وجود کا مرکب۔ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ مٹی ایک سفلی ادنیٰ درجہ کا مرکب ہے۔ اس کے مقابل خاک سے افضل خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ ناری ہیئت اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ قرار دی گئی ہے۔ اور نار سے افضل نور قرار دیا جاتا ہے۔ سو ظاہر ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا وجود اس قرآنی بیان کی روشنی میں نسلی پیدائش سے افضل قرار دیا جاتا ہے۔ یہی کیفیت وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ سے ظاہر کرتی ہے کہ کسی وجود کی افضلیت اس کی جسمانی ہیئت و مرکب سے ثابت ہوگی۔ جو "رَفَعَ" جسمانی رَفَعَ سے ثابت ہو گی ---- اسی اصول کو سامنے رکھ کر --- حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنے والی ایک اولوالعزم ہستی جو کائنات میں بزرگ ترین ہستی تسلیم کی جاتی ہے۔ جب تک اس وجود کی ہیئت نوری نہ ہو۔ اس کی فضیلت حضرت عیسیٰؑ کے نوری وجود کے مقابلہ میں افضل ہونا لازمی ہے۔ چنانچہ قرآن اسی ہستی کی فضیلت اسی رَفَعَ سے ثابت کرتا ہے سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت اول) پاک ہے وہ ذات مبالغہ آمیزی سے۔ جس نے اٹھایا اپنے بندے کو مسجد الحرام (کعبۃ اللہ) سے مسجد اقصیٰ تک۔ رات کے ایک قلیل وقفہ میں ----۔ اس آیت میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک رات کے قلیل وقفہ میں جانے کے ذکر سے خود اس امر کی وضاحت کرنا مقصود ہے۔ کہ یہ انتقال بہر صورت جسمانی ہے۔ بغیر اس تصور کے اس بیان میں کوئی خاص اہمیت نظر نہیں آتی۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خود اس واقعہ کا ذکر کرنا واقعہ معراج کو اہمیت دیتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی رات (لیلۃ الاسریٰ) میں مسجد اقصیٰ میں دو رکعت نماز میں تمام انبیاء نے آپؐ کی امامت میں نماز ادا کی۔ جس میں حضورؐ کی اقتدا میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل تھے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نورِ احد تک رسائی۔ عروج۔ وَرَفَعَ حاصل کیا اس کے مقابل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رُفِعَ جسمانی آسمان سوئم تک ہے۔ چنانچہ قرآن

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اشارہ ہے۔ کہ اگرچہ قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کو واضح طور پر بیان نہیں کیا۔۔۔ لیکن قرآنی آیات سے یہ بات واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۸)

نے بھی حضورؐ کے اس بیان کی تصدیق کی۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ⑨ فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ○ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی ○--- مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ○ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۳ آیت ۸ تا ۱۲، ۱۷، ۱۸) پھر قریب ہوا پس تجلیاں نازل ہوئیں آپ پر۔ پس اللہ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کم سے کم فاصلہ رہ گیا۔ پس اللہ نے مشاہدہ کرایا اپنے اسرار کا۔ جو پوشیدہ ہے ---- کیا تم اس بات پر رسول سے جھگڑ رہے ہو۔ یہ جو کہتے ہیں۔ کہ رات کے قلیل وقفے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجسم آسمان و عالمِ بالا اور ذاتِ الٰہی تک عروج کیا۔ ہاں آپ نے مجھے دیکھا (اپنی آنکھوں سے) اس حال میں کہ (حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں) میری تجلیات و تدلیات کے مشاہدہ میں آپ کی آنکھ تک نہ جھپکی نہ ادھر ادھر گھومی --- البتہ یہ سچ ہے۔ آپ نے اس رات اللہ تعالیٰ کے بہت سے اسرار کی سیر (بجسم) اور مشاہدہ (بالبصر) کیا۔ درحقیقت یہ معراج (وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا) کے منصوبہ کے تحت ازل میں طے ہو چکا تھا۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نور سے بنایا جائے گا۔ اور اس جسم کی صفت کا مظاہرہ "رَفَعَ" سے کیا جائے گا۔ اور یہ واقعہ محض ایک دلیل کی صورت میں پیش کیا جائے گا۔ اس لیے کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو تمام انبیا پر فضیلت دینی ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کی صورت میں ہوگا۔ جس کی دلیل رَفَعَ سے ہی دی جائے گی۔ اور اس رفع کا ذکر قران نے سُبْحٰنَ الَّذِيْۤ اَسْرٰی کی صورت میں پیش کیا۔ ان واقعات میں ایک نکتہ واضح ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰؑ کی نوری پیدائش دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوری پیدائش کے تسلیم کے لئے پیشگی دلیل پیش کرتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے لیے حضرت عیسیٰؑ کی نوری پیدائش (نوری جسم) کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے۔ نوری ترتیب پیدائش کا ہونا فطری اور لازی تھا۔ اور اس ترکیب میں جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی ایک نور مخصوص ہونا ضروری ہوا۔ بلکہ ازل سے آپ ہی کا نور۔ جسم کے لیے مخصوص ہوا۔ جو حضرت آدمؑ کی پشت سے لے کر حضرت عبداللہ علیہ السلام کی پشت تک منتقل ہوتا بطنِ آمنہ علیہا السلام میں القا ہوا۔

افضل نوری وجود پیدا کرنا تھا۔۔۔ اور ایسا کرنا ضروری بھی تھا۔۔۔ اور یہ امر وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا (کہ امر ازل سے مقرر ہوا تھا) کے فرمان میں پوشیدہ تھا۔ کہ دراصل یہ واقعات بطور دلیل پیش کرنا مقصود۔تھے۔ تاکہ ان آیات کی روشنی میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش نوری کو تسلیم کیا جائے سو کَذٰلِکَ اس طرح بھی۔۔۔ اللہ پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جسم کے لیے خزانۂ مخفی میں ایک نور کو مخزن کیا گیا۔ تو لازمی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نور سے اعلیٰ و افضل نور منتخب کیا تا کہ اسی ترتیب سے آپ کی پیدائش ہو۔۔۔ فرق صرف اتنا ہے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نور براہ راست بطن مریم علیہا السلام میں نفخ کیا گیا۔ مگر۔۔۔ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ یہ اللہ کے لیے آسان ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کے لیے ایک نئی ترتیب مقرر کرے کیونکہ آئندہ بھی اس ترتیب کو جاری رکھنا منظور ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی "آلِ" میں یہ خصوصیت پائی جائے۔ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مَقَامًا مَّحْمُودًا کا مقام عطا کیا۔ کہ آپ کی آل اور امت میں مخصوص ہستیاں پیدا ہوں گی جو اُسوۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک باقی رکھیں۔ چنانچہ اس ترتیب کے لیے بھی ایک نظام قائم ہوا۔۔۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود سے نور مخصوص کر کے آلِ محمد ﷺ میں منتقل کیا گیا۔۔۔ یہ مخصوص ہستی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے۔۔۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دَمُكَ دَمِي لَحْمُكَ لَحْمِي۔ (آپ کا خون میرا خون۔ آپ کا گوشت میرا گوشت) کی خصوصیت سے پکارا۔۔۔ اگرچہ یہ فرمان حضرت علیؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے قربت اور علو مرتب کی طرف استعارۃً اشارہ ہے۔ تاہم اس بیان میں انتقالِ نوری کی طرف بھی اشارہ ہے۔۔۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔۔ "علی مجھ سے ہے"۔۔۔ سو یہ امر قابل تسلیم ہو سکتا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مجسم ﷺ سے ایک نور حضرت امام حسن علیہ السلام و امام حسین علیہ السلام کے لیے مخصوص ہوا۔ انہیں انوار نے بطنِ فاطمۃ الزہراؓ میں منتقل ہو کر حضرت امام حسین علیہ السلام و حسن علیہ السلام کی شکل میں ظہور کیا۔۔۔ چنانچہ حضرت امام عالی مقام حضرت امام حسین علیہ السلام

لہ حضرت امام عالی مقام۔ امام حسین علیہ السلام کی ذاتِ اقدس کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ جسدی سے ایک جز کو مخصوص کر کے بطنِ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا میں

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کی ذات اقدس کو شہادت کے لیے منتخب کرنا منشاء الٰہی کے تابع تھا۔ ورنہ زمین و آسمان کی تمام طاقتیں یکجا ہو کر بھی حضرت امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کا ایک بال بھی بیکا کرنے کی طاقت نہ رکھتیں۔ کیونکہ یہ اولاد--- شیر خدا۔ حیدر کرار۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت یافتہ تھی--- ہاں۔ یہ شہادت اسی خصوصیت کی بناء پر مقرر تھی۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا -- یہ ارادہ الٰہی میں ازل سے منصوبہ مکمل ہو چکا تھا۔ کہ ان کی ذات اقدس سے مقامِ محمود کی تکمیل ہو--- جیسا کہ حضرت معین الدین چشتی رحمت اللہ علیہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۰)

القا ہوا (اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ) اس حقیقت کی شہادت دو طرح سے پیش کی جاتی ہے۔ (نقل از مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی۔ مضمون اخبار جنگ ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۲ء) مضمون حسب ذیل ہے۔

"ولادتِ گلِ باغِ رسالت" حضرت امام عالی مقام (حضرت امام حسین) علیہ السلام تاریخ اور سنہ ولادت ۳ شعبان ۴ھ ہے۔ آپ بطنِ مادر میں چھ ماہ رہے---- اور بیان کیا گیا ہے۔ کہ کوئی بچہ سوائے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور امام عالی مقامؓ کے چھ مہینے کا زندہ نہیں رہا۔ اس نسبت سے آپ کی پیدائش حضرت یحییٰؑ کی پیدائش سے مشابہت رکھتی ہے۔ جس میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش قرآنی بیان کی روشنی میں (ماں باپ کے ہوتے) نسلی ذریعہ سے سوا۔ نوری پیدائش ثابت ہے۔ یہی طریق حضرت امام عالی مقامؑ کی پیدائش میں کار فرما ہے۔

دوسری شہادت ---- زوجۂ محترمہ حضرت عباسؓ کے خواب سے ملتی ہے ام فضل بنت حارث زوجہ حضرت عباسؓ نے ایک خواب دیکھا جس کی وجہ سے ان کو پھر نیند نہ آئی۔ اور صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی ---- کہ آج شب خواب میں دیکھا کہ آپؐ کے جسم اطہر سے ایک ٹکڑا الگ ہو کر میری گود میں آ پڑا --- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا خواب سچا ہے میری صاحبزادی (حضرت فاطمۃ الزہراء اللہ عنہا) کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہونے والا ہے جسے تم اپنی گود میں پرورش کرو گی۔ چنانچہ ام فضلؓ بیان کرتی ہیں۔ کہ واقعی حضرت فاطمہؓ کے حضرت امام حسینؓ پیدا ہوئے۔ ان کی پرورش میری گود میں ہوئی۔ اس خواب کی تعبیر واضح ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے ایک ٹکڑا الگ ہونا آپ کے وجود کی ایک جز سے امام حسین علیہ السلام کے وجودِ مقدس کا ظہور ہونا ثابت ہے۔ کہ حقیقتاً۔ ماں باپ کے ہوتے ہوئے امام حسین علیہ السلام کی پیدائش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری جز سے ہوئی (وفاالوفا)

نے فرمایا:

سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بناءِ لَآ اِلٰہَ ہست حسین!

اور یہ منصوبہ جاری رہنا مقصود تھا۔ اور اس منصوبہ کی تکمیل کے لیے۔ یہی پیدائشی خصوصیت رو بہ عمل لائی گئی۔ اور اب اس خصوصیت کو حضرت امام مہدی علیہ السلام پر تمتہ کرنا مقرر ہوا۔۔۔ کہ یہ زمانہ قربِ قیامت سے ہے۔۔۔ اور ایک زمانہ میں جس وقت علمائے امتِ محمدی ﷺ نے یہود و نصاریٰ کے علماء جیسی ہیئت اختیار کی۔۔۔ اور دین کو مسخ کر ڈالا۔۔۔ تو اس وقت امتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہستیاں منتخب کی جائیں گی۔ جنہیں مجدد کہا جائے گا۔۔۔ جو ہر زمانہ میں تجدید دین کریں گے۔ ان میں حضرت محی الدین عبدالقادرؒ جیسی ہستیاں ہوں گی۔ اور ان ہستیوں میں حضرت امام المہدی ﷺ کی ذات کو مخصوص کیا گیا۔ کہ قریب قیامت میں جب علمائے امت نے دین محمدیؐ کو بے رونق کر دیا ہو گا۔ اس وقت امام المہدی علیہ السلام کا ظہور ہو گا۔ آپ کی پیدائش بھی۔ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا کے تحت ہو گی۔ آپ کے وجود کے لیے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود سے ایک نور منتخب کیا گیا۔ یہ نور امامین علیہما السلام میں منتقل ہوتا ہوا والد[1] امام مہدی سے بطن والدہ امام مہدی علیہ السلام میں منتقل ہو گا۔ لہذا اس ترتیب کی روشنی میں۔ ہر زمانہ میں مثلِ ذریتِ اسماعیل علیہ السلام یہ نور ذریتِ امام حسین میں منتقل ہو گا۔ اسی انتقال کے وقت جب یہ نور ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتا ہے۔ وقت کے اولیاء مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو انہیں یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ حضرت امام مہدی کا ظہور ہونے والا ہے۔ صورت یہ ہے کہ جب ذریت میں ایک فرزند میں نور انتقال کرتا ہے۔ تو اس نور کے مشاہدہ میں وہ شخصیت بھی مشاہدہ میں آتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام مہدی اس وقت نوری حیثیت میں ہوتے ہیں۔ مگر پشت میں ہوتے ہیں۔ تو لازمی طور جس پشت میں ہوں اسی ہستی کا مشاہدہ بھی سامنے آتا ہے۔ تو اسی ہستی کو دیکھ کر گمان کیا جاتا ہے۔ کہ یہی امام المہدی ہیں۔ مگر ظہور امام مہدی علیہ السلام کے لیے قرب قیامت کا وقت معین ہے۔ اس لیے ایسے مشاہدات میں جب حضرت امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہوا۔ تو یہ امر شک و ظن کا سبب بن جاتا ہے۔ دراصل یہ امر متشابہات سے متعلق ہے۔ اس لیے پیدائش حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ خروج دجال۔ قیام

---

[1] والد امام مہدیؑ۔ ممکن ہے شاہ مردان ہی ہوں۔

قیامت اور ظہور مہدی۔ شعائر اللہ۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی آیات میں شمار ہیں۔ اس کی حقیقت ایک ولی اکمل پر ہی واضح ہو سکتی ہے۔ چونکہ ظہور مہدی کا تعین نہیں۔ اس لیے جب بھی کسی ولی کو اس انتقال نوری پر مشاہدہ ہوا۔ اس نے گمان کیا۔ کہ یہی امام مہدی ہیں۔ اور اسی زمانہ میں ان کا ظہور ہونے والا ہے۔ زمانہ کے تعین کے سبب جب کہ یہ زمانہ متشابہات سے متعلق ہے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کو اخفا میں رکھا گیا۔۔۔ اب یہ کسی ولی اکمل کی خصوصیت ہے۔ جو اصل حقیقت سے آگاہی رکھ سکتا ہو۔۔۔ یہ خصوصیت حضور قبلہ عالم کو حاصل تھی۔ کہ آپ ان جملہ حقائق کے بدرجہ اولیٰ شاہد تھے۔ آپ شاہِ مردان کی شخصیت کو پہچانتے تھے۔ کہ ان کی پشت میں حضرت امام مہدیؑ[1] کا نور ہے۔ اور اب اسی حیثیت میں آپ کا احترام کرتے تھے۔ چونکہ حضور قبلہ عالم کو ظہور امام مہدی سے متعلق تمام انتظامات سپرد کیے گئے تھے۔ اس لیے حضور اس قافلہ کی نگرانی کی خاطر خان پور تک تشریف لے گئے۔

نور محمد صوفی شرابی کا خواب اور اس کا درود خوانوں میں شامل ہونا

ایک دن میں گھر سے بازار کی طرف نکلا۔ (مائسمہ امیرا کدل میں) میرا ماموں نور محمد صوفی مجھ سے ملا۔ کہنے لگا آج میں نے تمہارے پیر صاحب کو خواب میں دیکھا ہے۔ نور محمد بے حد شراب پیتا تھا۔ یہ شخص شہر کے دس نمبر بدمعاشوں میں شمار ہوتا تھا۔ شراب کے نشہ میں بازاروں میں شور مچاتا۔ اکثر بے ہوش ہو کر سڑک پر گر جاتا۔ گھر کے لوگ اس کی کثرت شراب نوشی سے نالاں تھے۔ کہنے لگا آج میں نے خواب دیکھا۔ کہ شہر کے باہر ایک بڑی عید گاہ ہے۔۔۔ اس کے ملحق ایک پرانی زیارت (علم صاحب کی) مشہور ہے۔ وہاں بہت سے لوگ ریل کی پٹڑی بچھا رہے ہیں۔ تمہارے پیر صاحب بھی وہاں موجود ہیں۔ یہ

---

[1] اس امر کی دلیل جناب قبلہ سخی صاحب کے خواب سے واضح طور ملتی ہے۔ کہ آپ نے خواب میں ایک ہستی کے کندھوں پر ایک بچے کو دیکھا اور لوگ اس بچے کو امام مہدی کہتے ہیں۔ یہ ہستی حضرت شاہ مردان کی تھی "آپ کے کاندھوں پر بچہ" حضرت امام مہدیؑ کا ان کی پشت میں ہونا تعبیر کیا جاتا ہے۔ جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا بیان ہے کہ میں نے حضورؒ سے پوچھا کہ کیا ہم

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک افسر کی طرح پٹڑمی بچھانے کا حکم دیتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں۔ امام مہدی علیہ السلام آنے والے ہیں۔ یہ ریل کی پٹڑمی انہیں کے لیے بچھائی جارہی ہے۔ اتنے میں دیکھتا ہوں۔ سیاہ رنگ کے خوفناک شکل کے لوگ ہاتھوں میں نیزے لیے۔ لوگوں کو پکڑتے ہیں۔ کہتے جاتے ہیں پکڑو ان کو یہ گنہگار ہیں۔ اور نیزہ مار کر ہلاک کر دیتے ہیں۔ ایک خوف ناک شخص میری طرف نیزہ تانے لپکا۔ اور مجھے نیزہ مارنے لگا۔ میں خوف زدہ ہوا۔ اتنے میں پیچھے سے کسی نے آواز دی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۳)

حضرت امام مہدیؑ کا زمانہ پائیں گے ؟ آپ نے فرمایا کہ اب زمانہ قریب آ چکا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا۔ کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق گزشتہ فقراء اعلان کرتے رہے۔ لیکن آپ کے ظہور کو اخفا میں رکھا گیا۔ چنانچہ محی الدین ابن عربی کے بیان سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آپ کا ظہور اخفا میں رکھا گیا۔ لیکن ایک زمانہ میں آپ ضرور ظہور کریں گے ----- اس سلسلہ میں حضورؒ فرماتے ہیں یہ وہ زمانہ تھا۔ جب عالی جاہ سید مولانا محمد نورالزمان شاہ صاحب دارالعلوم امروہہ کے نگران اعلیٰ تھے حضور قبلہ عالم آپ کی خدمت میں رہتے تھے۔(غالباً حضور قبلہ عالم کی عمر اس وقت دس بارہ سال تک ہوگی جس زمانہ میں شہنشاہ افغانستان امان اللہ خان مرحوم کو سلطنت چھوڑ کر یورپ جانا پڑا)۔ حضورؒ اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں۔ کہ خواب میں دیکھتے ہیں۔ کہ دہلی کی جامع مسجد کے صدر دروازے پر کھڑے ہیں۔ دروازہ کے دونوں جانب دیوار پر چونٹیاں قطار میں گردش کر رہی ہیں۔۔۔دیوار کی دائیں طرف قطار میں عبدالقیوم لکھا نظر آتا ہے۔ اور بائیں طرف چونٹیوں کی قطار سے عبدالسں لکھا ہوا ہے۔ اسی دوران لوگ آآ کر ان الفاظ کو دیکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ظہور مہدی کا وقت قریب ہو رہا ہے۔ یہ خواب حضور قبلہ عالم نے حضرت عالی جاہ سید مولانا محمد نورالزمان شاہ صاحبؒ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا ایک وقت ہو گا کہ ہندوستان تقسیم ہوگا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔ اور ایک وقت آئے گا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ ہوگی (اس سلسلہ میں حضور نے اور بھی واقعات بیان کیے جن کا ذکر یہاں کرنا مناسب نہیں)۔ اسی سلسلہ میں بیان فرمایا کہ بیت المقدس پر یہودی قابض ہوں گے۔ اور یہودیوں کے ہاتھوں مسلمان پسپا ہو جائیں گے۔ ان میں آپس میں جنگ ہوتی رہے گی۔ آخر جب یہودیوں کے مظالم مسلمانوں پر شدت اختیار کریں گے۔ تو اس وقت شکست خوردہ مسلمان یکجا ہو کر اعلانِ جہاد کریں گے۔ اُخْرِجَ الْیَہُوْدُ اِلَی الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَۃِ تو مسلمانوں (اہل عرب) اور یہودیوں میں شدید جنگ چھڑ جائے گی۔ چونکہ اس وقت شرعی ضابطہ کے تحت جہاد

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسے مت مارو۔ اس شخص نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھا۔ ایک دراز قد سفید لباس میں ملبوس خوبصورت ہستی کھڑی ہے۔ میں ان کے قریب گیا۔ پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں۔ جنہوں نے میری جان بچائی۔ وہ خاموش کھڑے رہے۔ میں ان کے اور قریب ہوا۔ مگر انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ میں نے ان کے قریب پہنچنے کی کوشش کی۔ مگر وہ پرواز کر کے میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے۔ جاتے جاتے میری طرف کوئی چیز پھینک گئے۔ میں نے اٹھا کر دیکھی تو وہ زبان کا ایک ٹکڑا تھا۔ اس حالت میں۔ میں جاگ گیا۔ یہ خواب سن کر میں نے موقع مناسب سمجھا۔ میں نے کہا۔ ہمارے پیر صاحب تشریف لائے ہیں۔ ان کے سامنے اپنا خواب بیان کرو۔ نور محمد میرے ساتھ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہوا۔ اور اپنا خواب بیان کیا۔ آپ نے جواباً فرمایا نور محمد تم درود شریف پڑھو تمہیں خواب کی تعبیر مل جائے گی۔ مجھے حکم دیا کہ میں نور محمد کو درود شریف یاد کراؤں۔ حضور قبلہ عالم کی مجلس میں اور بھی لوگ بیٹھے تھے۔ وہ اس بات پر ہنسنے لگے۔ کہ نور محمد دس نمبر بدمعاش شرابی ہے۔ اس نے کب درود شریف پڑھنا ہے۔ رات کو پھر سڑک پر بے ہوش پڑا ہوگا۔ میں

(بقیہ حاشیہ صہ ۲۰۴)
ہوگا۔ اس لیے اہل اسلام ایک خلیفہ کا تقرر کریں گے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ یہ جہاد بیت اللہ سے شروع ہوگا۔ اور اسی جگہ ایک خلیفہ کا انتخاب کیا جائے گا۔ لیکن خلیفہ کے تقرر میں مشکل پیش آئے گی۔ کہ کس شخص کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ اسی دوران شام سے سات "ذی ملہ" شریف میں آئیں گے۔ وہ ایک شخص کی نشاندہی کریں گے۔ کہ اس شخص کو خلیفہ بنایا جائے۔ لیکن وہ شخص انکار کرے گا۔ کہ میں خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس سلسلہ میں پھر مشورہ ہو گا اور پھر یہ سات آدمی اسی شخص کی نشاندہی کریں گے۔ یہ شخص بار بار انکار کرے گا۔ مسلمانوں میں شدید اضطراب پیدا ہو گا۔ تو بیت اللہ سے آواز آئے گی۔ هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ ----- اس غیبی آواز پر یہ شخص مجبور ہوگا۔ اور مسلمانوں سے بیعت لے گا۔ یہی وہ ہستی ہو گی جو امام المہدی ہوں گے۔ اسی سلسلہ میں حضور قبلہ عالم نے اور بھی واقعات بیان بطور پیش گوئی فرمائے ہیں۔ لیکن یہاں قبل از وقت ان واقعات کا بیان کرنا مناسب نہیں ---- البتہ جب سے حضور قبلہ عالم خراسان سے آمدہ لشکر میں امام مہدی کی تلاش میں اس لشکر کے ساتھ خانپور ٹیکسلا تک جاتے رہے۔ آپ نے فرمایا کہ ظہور مہدی اب بہت قریب ہو چکا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کا بیان ہے۔ اس سے اندازہ لگتا ہے کہ اب قریبی چند سال کے دوران ظہور مہدی ہونے والا ہے۔ اس کے آثار کی واضح نشاندہی عرب اسرائیل جنگ سے ہو رہی ہے۔

نے نور محمد سے پوچھا۔ بتاؤ۔ پیر صاحب کے سامنے وعدہ کرو۔۔۔ تم درود شریف پڑھو گے۔ اس نے کہا میں ضرور پڑھوں گا۔ میں نے اسے درود شریف یاد کرایا۔۔۔ اس نے وعدہ کیا کہ آج سے شراب پینا چھوڑ دوں گا۔ اور مستقل نماز پڑھوں گا۔۔۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ واپس آیا۔ تو میں نے نور محمد سے دریافت کیا۔ کہنے لگا۔ آج نماز پڑھی۔ رات میں نے شراب نہیں پی۔۔۔ درود شریف بھی پڑھا۔ میں نے پوچھا۔ مراقبہ کیا؟۔۔۔ کہنے لگا۔ مراقبہ نہیں کیا۔ میں مغرب کی نماز کے وقت اسے مسجد میں لے گیا۔ مغرب کی نماز ادا کی۔ تو نور محمد کو مراقبہ میں بٹھایا۔ نور محمد عشا تک مراقبہ میں مشغول رہا۔۔۔ عشا کی نماز شروع ہوئی تو میں نے اسے مراقبہ سے ہٹایا۔ لیکن نور محمد بالکل مدہوش تھا۔ میں نے اسے زور سے ہلایا۔ لیکن ایسے معلوم ہوا کہ وہ بے ہوش ہے۔ نماز عشا میں لوگ کھڑے ہو گئے۔ مگر نور محمد مراقبہ میں غرق رہا۔ نماز ختم ہو گئی۔ نور محمد کا استغراق ختم نہ ہوا۔ کافی دیر ہو گئی۔ آخر میں نے اسے زور سے ہلایا۔ تو اس نے سر اٹھایا۔۔۔ مگر مبہوت دیکھتا رہا۔۔۔ زبان سے کچھ نہ بولا۔ میں گھبرا گیا۔ کہ کہیں اس کا دماغ چل نہ گیا ہو۔۔۔ مسجد سے باہر نکالا۔۔۔ باہر ہوا ٹھنڈی لگی تو ہوش میں آگیا۔ میں نے کیفیت پوچھی۔۔۔ تو کہنے لگا۔ کہ مراقبہ کے ساتھ ہی مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ اسی عالم بے ہوشی میں روضہ شریف دیکھا۔ پیر صاحب وہاں کھڑے تھے۔ مجھے روضہ شریف کے اندر لے گئے۔۔۔ اندر ایک دربار لگا تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر تشریف فرما تھے۔ حضور نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے مجھ پر شفقت فرمائی۔۔۔ پھر پیر صاحب وہاں سے نکل کر مجھے بیت اللہ میں لے گئے۔۔۔ میں نے بیت اللہ دیکھا۔ طواف کیا۔ وہاں سے اڑا کر مجھے اور ایک جگہ لے گئے۔ یہ بیت المقدس تھا۔ وہاں اندر لے گئے۔ وہاں سے نکلا تو اونچی پرواز کرنے لگا۔ اور ساری دنیا کا چکر لگاتا رہا۔ اور بھی بہت سی کیفیتیں دیکھیں۔ اگر تم نہ اٹھاتے تو میں کچھ اور بھی دیکھتا۔ کہنے لگا ابھی مجھے کچھ نظر نہیں آرہا ہے میری آنکھوں کے سامنے نور پھیلا ہوا ہے۔ تھوڑی دیر بعد نور محمد کے حواس بحال ہو گئے۔ میں خود یقین نہ کر سکا۔ کہ نور محمد سچ کہہ رہا ہے۔ یا اس کے قول میں بناوٹ ہے۔ یہاں سے میں اسے اپنے ایک دوست (اللہ داد خان) کے گھر لے گیا۔ میں نے اُسے پھر مراقبہ میں بٹھایا۔ اور اس سے اور حالات پوچھتا رہا۔ جو کچھ بھی میں نے پوچھا۔ اس کا درست جواب دیتا رہا۔ مجھے یقین ہو گیا۔ کہ نور محمد نے حالات صحیح بتائے ہیں۔ آدھی رات کا وقت تھا۔ میں خوش تھا۔ اللہ داد خان سے چائے کی فرمائش کی۔ اس نے چائے بنا دی۔ مراقبہ میں

شغولیت میں ہم نے کھانا بھی نہ کھایا۔۔۔ میں نے اللہ داد خان سے کہا کچھ کھانے کے لیے بھی دو۔۔۔ مگر اور کچھ میسر نہ ہوسکا۔ نور محمد کہنے لگا۔ میں دکان سے ایک کیک لاتا ہوں۔ نور محمد بیکری کی دکان کرتا تھا کہنے لگا مجھے نظر آتا ہے۔ کہ محمد رجب (نور محمد کا نوکر) باہر الماری سے کیک اٹھانا بھول گیا۔ الماری میں کیک پڑا ہوا ہے۔ میں ابھی لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ دکان پر گیا۔ دکان بند تھی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد آیا۔۔۔ تو اس کے ہاتھ میں کیک تھا۔ کہنے لگا۔ آج محمد رجب کیک اٹھانا بھول گیا۔۔۔ واقعی باہر الماری میں کیک پڑا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر میں بے حد خوش ہوا کہ نور محمد کا مشاہدہ بالکل صحیح ہے۔ تھوڑی دیر باتیں کر کے ہم سو گئے۔ صبح نور محمد اپنی دکان پر گیا۔ اور حسب معمول کام میں مصروف ہوا۔ اپنے نوکر سے کہا رات تم نے دکان بند کی۔ مگر الماری میں کیک چھوڑ گئے۔ اس نے الماری کی طرف دیکھا تو اس میں کیک موجود نہ تھا۔ وہ نادم ہوا۔ سمجھا کہ کوئی رات کو چرا کر لے گیا۔ آج نور محمد کا چہرہ چمک رہا ہے۔ میں فکر مند تھا۔ کہ کہیں نور محمد شراب خانہ کی طرف نہ جائے۔ مغرب کے قریب میں اسے پھر مسجد میں لے گیا۔ آج اس پر غنودگی طاری نہ ہوئی بلکہ ہوش و حواس میں مراقبہ کیا۔ اور اجلاس کی کیفیت دیکھتا رہا۔۔۔ اب جو نور محمد بازار میں آیا۔ تو لوگوں سے کہنے لگا۔ کہ ہمارے پیر بڑے بزرگ ہیں۔ زیارت کراتے ہیں۔ میں نے ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ لوگوں کو نور محمد کا حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا علم نہ تھا۔ لوگ اس کا تمسخر اڑانے لگے۔ کہ آج تو تم نے صبح صبح ہی پی ڈالی ہے۔ بہکی باتیں کرنے لگے۔۔۔ وہ خود لوگوں کا تمسخر اڑانے لگا۔ کہ تم کنوئیں کے مینڈک ہو۔ تم کیا جانو۔۔۔ میں یقین سے کہتا ہوں۔ میں نے شراب چھوڑ دی ہے۔ میں نے توبہ کی ہے۔ اور پیر صاحب سے بیعت کی ہے۔ کل رات میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی ہے۔ لیکن یہ امر قابل یقین نہ ہوسکتا تھا۔ نہ اس پر یقین کرنے کا مقام تھا۔ کہ ایک شرابی دس نمبر بدمعاش۔ ایک رات میں حضوری ہو سکتا ہے۔ الوگ پھر بھی اس سے مذاق کرنے لگے۔ تو نور محمد سے جو بھی مذاق کرتا۔ اس نے اس کے گھر کے راز تک کہتا۔ تو وہ تذبذب میں پڑ جاتا۔۔۔ کہ نور محمد دل کی باتیں اور راز کی باتیں بالکل درست بتاتا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر لوگ حضور قبلہ عالم سے ملنے کی خواہش کرنے لگے۔ اسی اثناء میں حضور شہر تشریف لائے۔ اور محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرمایا۔ اب لوگ انہیں دیکھنے آئے مگر یہاں بھی فقیری کی کوئی نمائش نہ دیکھی۔ نہ آپ کی ذات سے فقیری کی علامت ظاہر ہوتی تھی۔ اور پھر آپکے مریدوں میں عام آدمی تھے جنکی وضع قطع سے مریدی کی کوئی شکل نظر نہ آتی تھی۔ یہاں فقیر

کیلئے اسکی فقیرانہ ہیئت سے فقیر ہونا محسوس ہوتا تھا۔ یا فقیر کے گرد مریدوں کا ہجوم ہو۔۔۔ مرید باادب بیٹھے ہوں۔ فقیر کشف کا اظہار کرتا ہو۔ یا اس سے کرامات کا اظہار ہوتا ہو۔۔۔ دعوتوں کا انتظام ہو۔ قوالی ہو۔۔۔ یا دل کی بات کہتا ہو۔۔۔ ان میں سے انہیں کوئی بات نظر نہ آئے۔۔۔ لوگ آپ کو آزمانے کے لیے دل میں بات رکھ کر آئے۔ فقیر دل کی بات بتا دے۔ مگر یہاں تو کسی کو جواب نہ ملتا۔۔۔ جیسے آیا۔ ویسے ہی چلا گیا۔۔۔ اور فیصلہ دیا کہ یہ شخص فقیر نہیں۔ ہم دل میں بات لے کر گئے۔ اس نے ہمیں جواب نہیں دیا۔ لہذا ہم انہیں فقیر نہیں مانتے اور پھر جو لوگ بھی۔ مریدی کے دعوے کرتے ہیں۔ سب لوگ خلافِ شریعت داڑھی منڈھائے بابو لوگ کوٹ پتلون پہنتے ہیں۔ اور پھر پیر کی عزت نہیں کرتے۔ نہ پیر ہی سے کوئی علامت ملتی ہے۔ ان میں بعض لوگ۔ عقیدت کا اظہار کرتے۔ حضور سے گفتگو کرتے۔ حضور کا کلام سن کر متاثر ہوتے۔ اور آپ سے درود شریف کی اجازت لے کر بیعت کی خواہش کرتے۔ مگر حضور فرماتے پہلے درود شریف پڑھیں۔ جب کچھ نظر آئے۔ تو پھر بیعت کرنا۔ ان میں بعض بغیر تحقیق بیعت کی استدعا کرتے۔ اور اکثر دیکھنے میں آیا کہ جو شخص عقیدت کے ساتھ حضور کی خدمت میں پیش ہوا۔ درود شریف کی اجازت کے ساتھ بیعت کی خواہش کی۔ تو اسے حضور بیعت فرماتے۔ اور وہ بیعت ہوتے ہی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر لیتا۔۔۔

ایک بار حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے۔ حضور کی آمد پر شہر کے بہت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہو گئے۔ نور محمد بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اپنے حالات بیان کئے۔ حضور نور محمد سے بہت خوش ہوئے۔ فرمانے لگے۔ نور محمد جیسے دنیا میں غنڈا تھا۔ ایسے ہی باطن میں بھی غنڈا نکلا۔ اس کا مشاہدہ بہت اچھا ہے۔ حضور نور محمد سے بہت خوش ہوئے۔۔۔ نور محمد نے حضور کو خوش دیکھا۔ تو قریب آیا۔ اور عرض کی کہ حضور میں بہت خوش نصیب ہوں۔ "جس کو آپ جیسی ہستی" کی غلامی کا شرف حاصل ہوا۔۔۔ شراب کی حالت میں جب میں سڑک پر بے ہوش پڑا رہتا۔ تو مجھ میں اور اس مردہ کتے میں جو سڑک پر پڑا ہو کچھ فرق نہ ہوتا۔۔۔ میں اس سے بدتر اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوں۔ مگر حضور بلاشبہ ولی ہیں۔۔۔ جن کی صفت ہے کہ:

آناں کہ خاک را بہ نظر کیمیا کنند
سگے را بہ نظر اولیاء کنند

بلاشبہ آپ نے ایک مردہ کتے کو ولی بنایا۔۔۔ مگر میری گذارش ہے کہ شراب نوشی

کے زمانہ میں شہر کے بدمعاش میرے دوست تھے۔ میں انہیں شراب پلاتا تھا۔ اب وہ شراب اور میری دوستی سے محروم ہو گئے۔۔۔ وہ اب بھی میرا پیچھا کرتے ہیں۔۔۔ ان کی کوشش ہے۔ کہ پھر ان کی صحبت اختیار کروں۔ وہ اس سلسلہ میں منصوبے بناتے ہیں۔ میں نے وعدہ کیا ہے۔ کہ اب کبھی شراب نہ پیئوں گا۔ مگر ڈر ہے کہ وہ مجھے بہکا نہ لے جائیں۔ ابھی میں پختہ نہیں ہوں۔ اس لیے میری طرف توجہ فرماتے رہیں۔ آپ ہی کی نظر سے میں محفوظ رہ سکتا ہوں۔ یہ بیان سن کر حضور بہت خوش ہوئے۔ طبیعت خوش تھی۔۔۔ نور محمد کو قریب لا کر سینۂ منور سے لگا لیا۔ فرمایا۔ نور محمد (چہرۂ انور پر ہاتھ پھیر کر فرمایا) "یہ چہرہ یاد رکھو۔ میرا تصور قائم رکھو۔" پھر تمہاری فقیری کسی حال میں بھی نہ جائے گی۔ نور محمد کے آنسو نکل آئے۔۔۔ فرمایا۔ نور محمد۔۔۔ جاؤ۔۔۔ خواہ تم پر کچھ بھی واردات آئے۔ تمہاری فقیری۔ تمہارا مشاہدہ قائم رہے گا۔۔۔ تم اپنی طرف سے پرہیز پر قائم رہنے کی کوشش جاری رکھو۔

حضور قبلہ عالم شہر سے واپس تشریف لے گئے۔ اور مجھے حکم دیا۔ نورالدین تم ہمارے ساتھ چلو۔۔۔ ہم گھر جائیں گے۔ میں بھی حضور کے ساتھ آپ کے دولت خانہ پر چلا گیا۔ حضور مجھ سے بہت خوش تھے۔ کہ میں اجرائے طریقت میں کافی دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک ہفتہ حضور کی خدمت میں رہا۔ حضور نے مجھے واپس جانے کی اجازت دی اور میں گھر آ گیا۔ ابھی گھر پہنچا نہیں۔ بازار میں احد خان کے ہوٹل پر گیا۔۔۔ احد خان کو یقین نہ آیا۔ کہ نور محمد واقعی فقیر ہو گیا۔ کیونکہ نور محمد اکثر احد خان کے ہوٹل پر شراب پیتا تھا۔ وہ نور محمد کے حالات سے پوری طرح واقف تھا۔ کہنے لگا۔ نورالدین صاحب کیوں وقت ضائع کر رہے ہیں۔ نور محمد زمانہ کا بدمعاش اور جعلساز ہے۔ میں اس کی کسی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ ایک دن ایسا ہی ہوا۔ احد خان نے کہا۔ کہ آج نور محمد نے میرے ہوٹل سے شراب پی ہے۔ میں جو کہتا ہوں یہ سب فراڈ ہے۔ مجھے سخت غصہ آیا۔ کہ یہ شخص کیونکر ایک حقیقت سے انکار کے لیے حیلے تراش رہا ہے۔ میں نور محمد سے ملا۔ میں نے کہا۔ احد خان کہتا تھا۔ تم نے شراب پی ہے نور محمد ہنسنے لگا۔ کہا وہ جھوٹ کہتا ہے۔ اگر یقین نہیں تو تم مراقبہ کر کے دیکھو، میں نے کہا مراقبہ کرو۔ اور میری باتوں کا جواب دو۔ اس نے مراقبہ کیا تو سب باتیں درست تھیں، میں سمجھا۔ احد خان حسد کی وجہ سے ایسا کہتا ہے۔۔۔ اب جو میں ایک ہفتہ بعد واپس آیا۔ تو پھر احد خان نے طعنہ دیا۔ کہ تم مجھے جھوٹا کہتے ہو۔۔۔ جاؤ آج گھر میں نور محمد کو دیکھو۔ آج تو سارے شہر کو پتہ چلا ہے۔ نور محمد کو فلاں ڈرائیور کے گھر سے اٹھا کر لے گئے۔ وہ شراب

میں مدہوش تھا۔ یہ بات میرے دل کو سخت بُری لگی۔ میں غصہ میں گھر چلا گیا۔ رات بے تابی سے گذاری سوچا اب پیر صاحب کو کیا منہ دکھائیں گے۔ اور اب سلسلہ بھی بدنام ہو گیا۔ لوگ ہمارے کردار پر شک کریں گے۔ جس سے حضور کی ذات متاثر ہو گی۔ دوسرے دن صبح میں نور محمد کی دکان پر گیا۔ اس نے مجھے غصہ میں دیکھا۔ کچھ گھبرایا۔ مگر پھر ہنسنے لگا۔ اس کی ہنسی پر میں غضبناک ہو کر اسے گالیاں دینے لگا۔ وہ میرا ماموں تھا۔ میں اسے مارنے کے لیے آگے بڑھا۔ اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور ٹھنڈے دل سے کہنے لگا۔ زیادہ غصہ نہ کرو۔۔۔ ذرا بیٹھ جاؤ۔ میں سمجھتا ہوں۔ تمہیں میرا حال معلوم ہو گیا ہے۔ مگر ٹھنڈے دل سے میرا واقعہ سنو۔۔۔ میں خاموش بیٹھ گیا۔ نور محمد کہنے لگا۔ بے شک پہلی بار بھی میں نے شراب پی تھی اور دوسری بار بھی میں نے شراب پی ہے۔ مجھ سے خطا ہو گئی۔۔۔ مگر تمام ماجرا سنو۔ ہوا یہ کہ میرے چند دوستوں نے میری دعوت کی۔۔۔ میں نے اس شرط پر دعوت قبول کی کہ دعوت میں شراب استعمال نہ ہو گی۔ انہوں نے وعدہ کیا۔ کہ شراب نہیں پیئیں گے۔ بلکہ ہم بھی شراب چھوڑ دیں گے۔ اسی خوشی میں کہ میں بھی انہیں شراب ترک کراؤں گا۔ میں ان کے ساتھ دعوت پر گیا۔ کھانا کھانے کے بعد وہ شراب لائے۔ اور مجھے بھی پینے کے لیے کہا۔ میں غصے ہوا کہ تم نے مجھ سے دھوکہ کیا۔ مگر وہ سب اکٹھے ہو کر مجھ سے لپٹ گئے۔۔۔ کہنے لگے اگر شراب نہ پی تو تجھے قتل کر دیں گے۔ اور کہیں گے زیادہ شراب پینے سے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ انہوں نے مجھے مجبور کر دیا۔ میرے لیے کوئی چارہ نہ رہا۔ آخر مجبوراً مجھے شراب پینا پڑی اور اسی شراب نوشی میں، میں بے ہوش ہو گیا۔ انہوں نے میرے گھر اطلاع دی۔ وہ مجھے اٹھا کر گھر لے آئے۔ جب مجھے ہوش آیا۔ تو میں نے خود کو بستر پر پڑا پایا۔۔۔ اس وقت میری بری حالت تھی۔ اور میں بے حد پریشان تھا۔ خیال آیا۔ کہ اب میں جن کے سامنے فقیری کا دعوےٰ کرتا تھا۔ انہیں کیا منہ دکھاؤں گا۔ اور پریشانی ہوئی کہ اب میں پیر صاحب کے سامنے نہ جا سکوں گا۔ پیر صاحب نے وعدہ فرمایا تھا۔ کہ وہ مجھے بچائیں گے مگر انہوں نے بھی میری مدد نہ کی۔ معاً خیال آیا۔۔۔ پیر صاحب نے فرمایا تھا۔ میرا چہرا یاد رکھو۔ یہ خیال آتے ہی اسی حالت میں۔ میں نے پیر صاحب کو اپنے قریب محسوس کیا۔ میں گھبرایا۔ شاید وہ مجھ سے ناراض ہیں۔ کوئی سزا نہ دیں۔ میں جلدی سے اٹھا۔ غسل کیا۔ کپڑے بدلے، اور دو رکعت نفل پڑھے۔ اور پیر صاحب کا تصور کیا۔ تو میں حیران ہوا۔۔۔ کہ میں نے خود کو اجلاس میں پایا۔ جونہی میں اجلاس میں پہنچا۔ تو ایک شخص اٹھا۔ اس نے

مجھے پکڑ کر کہا۔ تو گنہگار ہے۔ تجھے سزا ملنی چاہیے۔ زور سے گردن پر تھپڑ مارا[1]۔ پیر صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔۔۔ "اسے چھوڑ دو یہ میرا مرید ہے"۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر مجھ پر شدید دہشت طاری ہوئی۔ میں نے مراقبہ چھوڑ دیا۔ میں نے اب ڈر کے مارے نہ نماز پڑھی۔ نہ درود شریف پڑھا۔ کہیں مراقبہ میں پھر میرے ساتھ کچھ واردات ہو۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس زمانہ میں بتدی تھا۔ اور رموزِ فقر سے پورا واقف نہ تھا۔ میں ایسا تصور کر ہی نہ سکتا تھا۔ کہ اس حال میں مراقبہ میں مشاہدہ جاری رہ سکتا ہے۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔ سمجھا کہ نور محمد بات ٹالنے کے لیے جھوٹ بول رہا ہے۔ پھر میں نے تصدیق چاہی۔ میں نے کہا۔ اچھا گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ جب تجھے پیر صاحب نے بچایا۔۔۔ تو مراقبہ کرو۔ اگر تم سچ کہتے ہو۔ تو وہ تمہیں بچائیں گے۔ میں نے نور محمد کو مراقبہ پر مجبور کر دیا۔ اس نے دوکان پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ کیا تو سبحان اللہ۔ آج مجھ پر ایک ولی کی ولایت کی حقیقت واضح ہو گئی۔ نور محمد سیدھا اجلاس میں داخل ہوا۔ کہنے لگا۔ اجلاس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ فرما ہیں۔ حضور قبلہ عالم حضور ﷺ کے قریب بیٹھے ہیں۔۔۔ میں نے کہا۔ حضور قبلہ عالم کے قریب ہو جاؤ۔ نور محمد حضور کے قریب آگیا۔ آپ نے تبسم فرمایا۔ اور نور محمد سے کسی قسم کا مواخذہ نہ فرمایا۔۔۔ نور محمد کے دل سے خوف جاتا رہا۔۔۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ آخر میں نے نور محمد کو مراقبہ سے ہٹایا۔ میرا دل خوشی کے مارے دھڑک رہا تھا۔ مگر نور محمد اپنے کیے پر پشیمان گریہ کناں تھا۔۔۔ میں نے اسے تسلی دی۔۔۔ اور دوبارہ وعدہ کرایا۔ کہ آئندہ کسی دعوت میں نہ شریک ہو۔ نہ کسی شخص سے دوستی رکھو۔ ان سب سے قطع تعلق کرو۔۔۔ اور اب بازار میں بھی مشاہدہ سے متعلق کوئی بات نہ کرو۔۔۔ مگر جب لوگوں نے نور محمد پر پھبتیاں کسنا شروع کیں تو اس نے پیر فقیری کا دعوےٰ کرنا شروع کیا۔ اور لوگوں کو ان کے خفیہ حالات بتائے۔ تو لوگ اس کے کشف پر حیران ہو گئے۔۔۔ لوگ اگرچہ طریقت کی حقیقت سے ناآشنا تھے۔ لیکن نور محمد کے حالات دیکھ کر سلسلہ کے لوگوں پر نکتہ چینی کرنے سے باز رہے اور اکثر لوگ حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہونے لگے۔

---

[1] نور محمد نے گردن دکھائی کہنے لگا ابھی تک مجھے گردن میں درد محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ گردن پر تھپڑ کا نشان نظر آ رہا تھا۔

حُب رحمتہ اللعالمین کے اثرات

بلاشبہ شریعت کی رو سے یہ امر قطعاً مبالغہ تصور کیا جاتا ہے۔ کہ قرآنی احکام کی خلاف ورزی کرنے والا ایسا مقام پا نہیں سکتا۔۔۔ البتہ اس مقام پر قرآن کریم کی وسعت علمی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشخص کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ قرآن تمام انبیاء کی کتابوں سے افضل ترین کتاب ہدایت ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝

"ہم نے قرآن پڑھنے والوں کے لیے آسانی پیدا کر دی۔" یہ کتاب فلاحِ انسانی۔۔۔ نجات آخرت۔۔۔ اور معرفتِ حقیقی کے لیے پیش کی گئی۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ۔۔۔ اس قرآن میں احکام دیئے گئے ہیں۔ یہ احکام اصلاحِ انسانی کے لیے مخصوص ہیں۔ جو شریعت سے تعبیر ہیں۔ انہیں احکام پر عمل کے نتیجہ میں نجاتِ آخرت منحصر ہے۔۔۔ اس کے علاوہ قرآن نے معرفت حقیقی حاصل کرنے کا ایک خاص طریق بھی پیش کیا۔ جس کے لیے قرآن نے زائد عبادت۔۔۔ اور اللہ و رسول سے محبت کو ایک خاص عمل قرار دیا۔ اس عمل کے نتیجہ کا تعلق متشابہات سے ہے۔ جیسا قرآن نے خود متشابہات کا ذکر کیا ہے۔ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ احکام سے سوا قرآن میں ایسی آیات بھی ہیں۔ جن کا تعلق متشابہات سے ہے۔ متشابہات سے مراد وہ آیات جن کا ایک ظاہری تصور ہے۔ لیکن اس ظاہری تصور پر اس کے متشابہ۔۔۔ باطنی تصور ہم معنی و ہم شکل نہیں۔۔۔ بلکہ روحانی اعتبار سے ان آیات کا تصور مختلف ہے۔ یہی مختلف تصور ہے۔ جو ظاہر و باطن میں فرق پیدا کرتا ہے۔ اس حال میں اگر باطن کو ظاہر کے ساتھ متشکل (یکساں) کیا جائے۔ تو فتنہ پیدا ہونے کا احتمال ہوگا۔ اور اگر باطن کو ظاہر کے خلاف تصور کیا جائے۔ تو بھی فتنہ پیدا ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ

"پس جن کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ قرآنی آیات کو جھٹلانے کی خاطر متشابہات کیفیات پر بلا تحقیق و مشاہدہ بحث کرتے ہیں۔ وَابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وہ فتنہ پیدا کرنے کے لیے باطنی کیفیتوں کو ظاہری تصور میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ متشابہاتِ آیات بغیر مشاہدہ قلبی تصور میں نہیں آتے۔ بجائے خود ان آیات کی بھی ایک حیثیت ہے۔ جو ظاہر تصور کے برعکس محسوس کی جاتی ہے۔ یہ ایک باریک نکتہ ہے جو قرآنی آیات کی روشنی میں سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے لیے عقلِ سلیم اور صحیح قوتِ اجتہاد۔۔۔ نورِ قلبی اور لطیف شعور کی

ضرورت ہے۔

بلاشبہ قرآنی احکام میں خلافِ شریعت احکام کسی طرح بھی قابل عمل نہیں ہو سکتے۔۔۔ لیکن قرآنی عظمت کا معجزہ ہے۔ کہ ایسے خلاف شریعت اعمال بھی قابل مواخذہ نہیں رہتے۔۔۔ یہ معجزہ دراصل حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ کہ قرآن نے آپ ﷺ کو اولوالعزم خطابات سے پکارا۔۔۔

وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ ٥

"نہیں بھیجا آپ کو ہم نے۔ مگر مخلوق انسانی کے لیے ذریعۂ رحمت و عفو اور ذریعہ نجات" ۔ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ۔ جب کفار احکام الٰہی کی تعمیل میں خلاف ورزی کرتے ہیں۔ تو ان کے نتائج میں عذاب کا احساس کر کے دکھی ہو جاتے ہیں۔ کہ انہیں عذاب کی تکلیف ہو گی۔ تو آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی مغفرت یافتہ ہو جائیں۔ آپ ﷺ ان کے لیے بھی غمگین رہتے ہیں۔۔۔ اور جب مومنوں سے عمل میں کوتاہی ہو جاتی ہے تو آپ ﷺ ان کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ تو ان کے گناہ "معاف ہو جاتے ہیں"۔۔۔ ظاہر ہوا۔۔۔ کہ خلاف شریعت احکام کی خلاف ورزی پر آپ مخلوق انسانی کے شفیع ہو جاتے ہیں۔۔۔ یہی صفتِ رحمت ہے کہ آپ ﷺ کی شفاعت سے گناہ محو (عفو) ہو جاتے ہیں۔ قرآن نے اس صفتِ رحمت کا خصوصی طور پر اظہار کیا۔۔۔

قرآنی تاریخ میں ان آثار میں ایک حقیقت پوشیدہ ہے۔۔۔ کہ گذشتہ انبیاء نے اپنی قوموں کی نافرمانی پر اظہار غضب کیا ۔ وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِينَ دَيَّارًا کہا نوح علیہ السلام نے اے رب اس قوم کو ان کی نافرمانی کے سبب نیست و نابود کر دے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی اونٹنی کو ہلاک کرنے کی پاداش میں ان کی قوم کو ہلاک کیا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام کی قوم عاد اور ثمود کو ہلاک کیا گیا۔ فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا گیا۔۔۔ فرعون نے پکار پکار کر کہا۔ اے موسیٰ علیہ السلام میں تجھ پر اور تیرے رب پر ایمان لایا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غضبناکی نے اسے نجات کا موقع نہ دیا۔۔۔ ایسے ہی کئی واقعات سے گذشتہ انبیاء کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جن کا ذکر قرآن نے دانستہ طور (جان بوجھ کر) کیا۔۔۔ ان واقعات کے بیان کرنے میں ایک مصلحت تھی۔ وہ یہ کہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام رحمت کی نشاندہی ہو حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے۔ ایک نیا بابِ رحمت وا ہوا۔۔۔ آپ ﷺ اپنے دشمنوں پر بھی رحمت بن کر تشریف لائے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ میں آپ ﷺ

کے دشمنوں کو شدید عذاب دوں گا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے بھی قلبِ اطہر میں درد رکھتے ہیں۔۔۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر آپ کی قوم نے انتہائی مظالم ڈھائے۔۔۔ ہاں! ذرا غور کرو۔۔۔ قرآنی احکام کی خلاف ورزی ایک طرف۔۔۔ مگر یہاں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب شخصیت ظلم و ستم کا نشانہ بنی۔ طائف میں کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رحمت پر اس قدر پتھراؤ کیا۔ کہ آپ ﷺ کے جسم اطہر سے خون بہنے لگا۔۔۔ شدت اذیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ مگر آپ ﷺ ان کے لیے اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ کی سفارش فرماتے ہیں۔۔۔ اے رب انہیں معاف کر دے۔ یہ مجھے نہیں پہچانتے۔۔۔ لَا يَعْلَمُوْنَ۔۔ نہیں پہچانتے۔ یہ صرف ان پر عفو واجب کرنے کی کوشش ہے۔ کہ کسی طور اس قوم پر "عفو" واجب ہو جائے ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی اذیت نہ برداشت کرتا۔۔۔ انہیں یقیناً تباہ کر دیتا ہے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ

ہاتھ ٹوٹیں ابولہب کے۔۔۔ یہ مقام انتہائی شدت کا تھا۔ جسے خود اللہ تعالیٰ بھی برداشت نہ کر سکا۔۔۔ حقیقت ہیں۔۔۔ حقیقت کی نگاہ سے دیکھے۔۔۔ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ کی ذات رحمت اس سزا پر بھی خوش نہ ہو گی۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی غلام اور ہندہ کا واقعہ مشہور ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی۔۔۔ ایمان و سلامتی کے دروازے بند نہ کئے اس حال، میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وحشی غلام کو دیکھ کر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم تازہ ہو جاتا تھا۔ اس حال میں بھی انہیں ان کے گناہوں سے نجات دلا کر لائق جنت بنایا۔۔۔ ہاں ان کے گناہ محو (عفو) ہو گئے۔ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لیے سکون کے تمام دروازے بند کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ مگر فِدَاهُ اُمِّيْ وَاَبِيْ۔۔ آپ ﷺ نے اس کے عوض رحمت و عفو سے کام لے کر اعلان فرمایا۔۔۔ ابوسفیان کو ہی شفیع بنایا۔۔۔ کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر پناہ لے۔ اسے پناہ دی جاتی ہے۔ اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کو دیکھئے۔۔۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ○

اس کے مقابل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمت ملاحظہ کیجئے۔ اس کے مقابلہ میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط

آج کے دن تم سے --- تمہارے گناہوں کا مواخذہ نہ ہو گا۔ تم رحم کئے جاتے ہو --- تم عفو کئے جاتے ہو --- تم اگر میری اطاعت کرو --- تو تمہیں اسی وقت جنت و نجات کی سند دی جائے گی۔ سو آج تمہارے گناہ حصولِ رحمت میں مانع نہیں ہو سکتے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی "محبوبیت" پر دلالت کرتی ہیں --- خود اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "مجسم حُب" اور "محبوب" بنایا ---

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

ان سے کہہ دیں کہ رضائے الٰہی --- محبت الٰہی انسانی فریضہ میں شامل ہے۔ یہ محبت و رضا حاصل کرنا --- سوائے اس کے نہیں کہ یہ عمل مخصوص ہے۔ یہ عمل محبت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر ہے۔ اتباع بغیر حُب کے کامل نہیں۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

اے مومنو (جو تعمیل شریعت میں ایمان کا درجہ حاصل کر چکے ہیں)۔ اس حال میں بھی تم کامل مومن نہیں کہلا سکتے۔ جب تک کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ذات --- اپنی اولاد --- اپنے ماں باپ اور دنیا کی ہر شے کے مقابلہ میں زیادہ محبت نہ رکھو --- ظاہر ہوا۔ تعمیل شریعت سے سوا --- حُب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک خاص عمل ہے۔ جس حُب کے مقابلہ میں ہر عمل کی حیثیت مقدار میں ادنیٰ تصور کی جاتی ہے --- گذشتہ انبیاء کی تاریخ کو مد نظر رکھ کر --- یہ باور کیا جا سکتا ہے --- کہ جن یہود و نصاریٰ اور کفار عرب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شدید مظالم ڈھائے --- وہی کائنات کے وارث اور جنت کے حقدار بن جاتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت پر کمر باندھ کر نکلتے ہیں --- ہاں! کائنات کی محبوب ترین ہستی کے قتل پر آمادہ ہونا --- کائنات کا سب سے بڑا جرم ہے --- اور ایسا ہی ہونا تھا --- کہ سب سے عظیم گناہ کا مظاہرہ ہو --- تاکہ اس جرم کے مقابلہ میں --- حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو کا اعلیٰ مظاہرہ ہو --- یہ محبوبیت کا اعلیٰ مقام ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے چاہیں اسے معاف کیا جاتا ہے۔ یہی حضرت عمرؓ عشرہ بشرہ میں داخل کئے جاتے ہیں یہ محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو جملہ انبیاء کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ حاصل ہے --- یہی صفتِ محبوبیت امت محمدی ﷺ کو ورثہ میں ملتی ہے۔ کہ امت کے گناہ معاف کئے جاتے ہیں --- معاف کا مادہ --- "عفو" --- سے ہے۔ عفو سے مراد نامۂ اعمال

سے گناہ کا مٹ جانا--- پھر گناہ کی کوئی حیثیت نہیں رہتی--- یہی محبوبیت علمائے امت--- اولیائے کاملین کو ورثہ میں ملتی ہے۔ کہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان--- اپنی اولاد--- اپنے ماں باپ--- اور دنیا کی ہر شے سے زیادہ محبت رکھتے ہیں--- اس محبت کے صلہ میں انہیں بھی محبوبیت کا مقام ملتا ہے۔ لہذا جو شخص اولیائے کاملین سے محبت رکھے وہ بھی محبوب بن جاتا ہے۔ اس سے خلاف شریعت افعال سرزد ہوں--- تو ایک نیکی کے عوض اس کے گناہ محو کئے جاتے ہیں۔ اور اس کی نیکی باقی رہتی ہے۔

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ

"نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں---" یہ انعام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کے طفیل عطا کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ صَلَّى عَلَيَّ وَاحِدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ عَشْرًا

"جو شخص ہم پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر دس بار درود (عفو و رحمت) بھیجتا ہے۔" اس ارشاد گرامی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خوش ہو کر ایک کے بدلے دس نیکیاں عطا کرتا ہے۔ ان ارشادات کی روشنی میں--- ایک ولی اکمل کی--- محبوبیت کے پیش نظر--- ایک مرید کے درود بھیجنے پر--- اس کے گناہ--- خوشنودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم--- اور قربِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فرق پیدا نہیں کر سکتے--- یہی کیفیت نور محمد کے واقعہ میں اصل علت ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کی محبوبیت کے سبب اس کا گناہ--- اس کے حصولِ مراتب اور مشاہدہ میں حارج نہیں ہوا--- یہ ایک حقیقت ہے--- بارہا۔ یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں ان کے خلاف شریعت افعال پر ان کے مراتب میں فرق نہیں آتا--- ہاں!--- اس کا یہ مطلب نہیں کہ سلسلہ اویسیہ میں۔ مرید کو خلافِ شریعت افعال کی کھلی چھٹی دی جاتی ہے--- نہیں--- ایسا نہیں بلکہ ہر گناہ کا مواخذہ لازم آتا ہے۔ جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہے--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ کافر کی نیکی کا بدل اسے دنیا میں آسودگی کی شکل میں ملتا ہے۔ اور اس کے گناہ کا اجر آخرت پر چھوڑا جاتا ہے--- اس کے برعکس مومن کے گناہ کا بدل دنیا میں--- جسمانی تکلیف کی صورت میں پورا کیا جاتا ہے۔ اس کی نیکیاں آخرت کے لیے وقف کی جاتی ہیں--- اسی طرح طالبِ حق کی لغزشیں--- محو ہوتی ہیں۔ اس حال میں کہ اسے جسمانی تکلیف میں ڈالا جاتا ہے--- اور اس

کے درود و حُب کے عوض اسے قربِ پیر۔ قربِ رسول ﷺ میسر رہتا ہے۔ البتہ یہ اصول بھی متعین ہے۔ کہ بتدی کے لیے ایسی رعایت ہوتی ہے۔ کہ اعلیٰ مراتب کے ولی کے لیے۔ حُب کے آداب کو ملحوظ رکھنے میں شدید پابندی ہے کہ اس سے کسی لغزش پر سخت مواخذہ ہوتا ہے۔ یہ امر خلافِ آدابِ حُب و طریقت تصور ہوتا ہے۔ کہ کسی ولی سے معمولی سی لغزش بھی قابل مواخذہ ہوتی ہے۔۔۔ ایسی صورت میں ولی مراتب سے گر سکتا ہے۔ اور اس پر قبض (مشاہدہ کی بندش) طاری ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ وہ تزکیۂ نفس سے اپنے جسم کو محنت و تکلیف میں ڈال کر پاک نہ کرے۔۔۔ لہذا اعلیٰ مرتبہ کا ولی ہر لغزش میں محتاط رہتا ہے۔ اس سے کوئی لغزش (گناہ) سرزد نہیں ہوتی۔۔۔ اس حال میں کہ وہ ہر لحہ دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مشغول رہتا ہے۔ ایک ولی کے لیے یہ امر خلافِ ادب تصور کیا جاتا ہے۔۔۔ وہ ایک نورِ مجسم سے نظر ہٹا کر ادنیٰ شے کی طرف نظر اٹھائے البتہ میں یہ کہوں گا۔ کہ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ گرامی کو یہ خصوصیتِ محبوبیت عطا ہے کہ آپ کے مریدوں پر کسی حال میں۔ بازپرس نہیں ہوتی۔ سوائے اس کے کہ اصولِ طریقت کے مطابق ان کے تزکیہ نفس کے لیے ان پر جسمانی تکلیف ڈالی جائے۔۔۔ یہ اس لیے کہ سلسلہ اویسیہ میں حصولِ مشاہدہ و حصول مراتب میں تزکیہ کی پابندی نہیں۔ پیر اکمل جسے چاہے اپنی ذات و اختیار سے کسی کو مراتب عطا کرے۔ البتہ اصولِ طریقت کے تابع ہر شخص کے لیے تزکیہ نفس لازم ہوتا ہے۔ تاکہ اس سے لغزش سرزد نہ ہو۔۔۔ یہی کیفیت نور محمد کے واقعہ میں سامنے آتی ہے۔۔۔ اسی خصوصیت کے تابع۔ غیر مسلم۔ عیسائی۔ ہندو۔ جب حضور قبلہ عالم کی خدمت میں۔ خواہ عقیدتاً یا آزمایشاً حاضر ہوتے۔ تو وہ بغیر دین میں داخل ہوئے۔ بغیر شرعی پابندی۔۔۔ بلکہ بغیر درود شریف پڑھنے کے صرف مراقبہ میں تصورِ پیر کرنے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو جاتے۔۔۔ ایسے لوگوں میں جناب قبلہ سُنی صاحب کا ایمان لانا۔ خود ایک دلیل ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ یہ وہ ہستیاں ہیں۔ جو حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ کہ خیالی تصورات کو حقیقت سمجھنے میں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ کہ آیا یہ واقعات حقیقت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یا نظر کا دھوکہ ہے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُنِیْ

جس نے ہمیں (خواب یا بیداری میں) دیکھا۔ درحقیقت اس نے ہمیں ہی دیکھا۔۔۔ پس نہ شیطان ہماری مثل بن سکتا ہے۔ نہ تصور خیالی میں ہمارا تصور آسکتا ہے۔ یقیناً انہوں

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔۔۔ یہ واقعات حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت اور محبوبیت کی واضح دلیل ہے۔۔۔ نور محمد کا ایک رات میں حضوری ہونا۔۔۔ یا گناہ کی حالت میں اپنے مقام پر قائم رہنا حضور قبلہ عالم کی صفتِ محبوبیت کے تابع تھا۔۔۔ اس کے بعد جب تک نور محمد زندہ رہا۔۔۔ وہ اپنے عہد پر قائم رہا اور حضوری فقیر رہا۔۔۔ گذشتہ دور میں جب تقسیم ہند کے بعد۔ پاکستان وجود میں آیا۔۔۔ نور محمد نے حکام وقت کے ساتھ اختلاف کیا۔ جس کے نتیجہ میں اسے جیل میں ڈالا گیا۔ حالاتِ زمانہ نے اس کے نظریہ سے مناسبت نہ کی۔ اسی حالت میں وہ اس فساد زدہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر۔ دار آخرت کو سدھارا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔۔

سلسلہ اویسیہ کی خصوصیت

حضور قبلہ عالم سلسلہ اویسیہ قادریہ کی خصوصیت میں فرماتے ہیں:

اَلطُّرُقُ اِلَی اللّٰہِ اَحْسَنَ طَرِیْقَۃُ الْقَادِرِیَّۃِ

طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک بہتر طریق قادریہ ہے کہ بسبب محبوبیت حضرت محبوب سبحانی شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کو بھی محبوبیت کا مقام عطا ہوا۔ آپ کی محبوبیت کے طفیل سلسلہ قادریہ کے فقیر کو اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہونے کی اجازت ملتی ہے۔ اور ایک طالب کو آسانی سے حضوری حاصل ہوتی ہے۔ پھر فرمایا:

اَلطُّرُقُ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ طَرِیْقَۃُ الْاُوَیْسِیَّۃِ

"اور طریقوں (سلسلوں) میں اللہ کے نزدیک محبوب سلسلہ۔ سلسلہ اویسیہ ہے۔" بسببِ محبوبیت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کہ آپ کو محبوبیت کا اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے۔ آپکی محبوبیت کے طفیل سلسلہ اویسیہ کے فقیر کو بلا مجاہدہ و تزکیہ ایک آن میں حضوری حاصل ہو جاتی ہے۔ جس وقت چاہے۔ جتنی بار چاہے۔ بلا اجازت اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہو سکتا ہے۔ باقی سلسلوں کے فقراء کو اجلاس میں داخل ہونے کے لیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لینی ہوتی ہے۔ باقی سلسلوں میں ایک طالب کو عالمِ ناسوت کی اکتالیس منزلیں طے کرنے کے بعد اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہونا ہے۔ مگر سلسلہ اویسیہ کا طالب، عالم ناسوت کی منازل کو ایک آن میں پھلانگ کر اپنی پہلی منزل میں اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی خصوصیت محبوبیت حضور قبلہ عالم، الحاج محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ اویسی کو ورثہ میں عطا کی گئی ہے۔۔۔ کہ کسی شخص کا حضور قبلہ عالم کی

خدمت میں حاضری دینا ہی کافی ہوتا کہ وہ حضوری ہو جاتا جس میں نہ اصولِ اویسیہ۔ نہ شریعت کی اتباع۔ لازم آتی ہے۔ بلکہ حضور کی طرف ایک ساعت رجوع ہی کافی ہوتا۔

یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ کہ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کو شریعت کی پابندی کی تلقین فرماتے۔۔۔ لیکن اگر کسی مرید سے لغزش بھی ہو جاتی۔ تو آپ ظاہراً اس سے اظہار ناراضگی نہ فرماتے۔۔۔ بلکہ بعض اوقات جلال میں آکر فرماتے "تم چاہے بھاگ بھی جاؤ۔ مگر جس کے گلے میں میرا ہاتھ پڑ گیا۔۔۔ میں اسے فقیری سے جانے نہ دوں گا"۔ فِدَاہُ اُمِّیْ وَاَبِیْ ہم نے کئی لوگوں کو ان کی شرارت نفس کے سبب۔ سلسلہ سے برگشتہ ہوتے دیکھا۔ مگر حضور کبھی ان کے فرار کو خاطر میں نہ لاتے۔ بلکہ فرماتے جانے دو۔۔۔ خود ہی سیدھا ہو جائے گا۔ آخر ایسا ہی ہوتا۔۔۔ کہ وہ خود نادم ہو کر حضور کے قدموں میں گر پڑتا۔۔۔ جانو!۔۔۔ حضور قبلہ عالم کو نہ پیری مریدی کی خواہش تھی۔ نہ کسی شخص سے مال وزر کے حصول کی خواہش تھی۔ نہ ہی یہ جذبہ تھا۔ کہ کوئی آپ کو پیر سمجھ کر۔ اظہار عقیدت کرے یا احترام کرے۔ آپ ان خواہشات سے یکسر لااُبال تھے۔ بلکہ اکثر دیکھا کہ کوئی شخص آپ سے گستاخی سے پیش آتا۔ تو حضور کے قلبِ اطہر پر ذرہ بھر ملال نہ آتا۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں ایسا گستاخ شخص بھی کچھ فیض لے کر جاتا۔۔۔ بعض اوقات حضور کے محبوں میں کوئی مرید کسی دوسرے مرید کی آداب طریقت میں کوتاہی کی شکایت کرتا۔ تو آپ اس سے ناراض ہو جاتے۔۔۔ فرماتے ہمارے سامنے کسی شخص کی شکایت نہ کی جائے۔ یہی ہو گا کہ ہم اسے اپنی مریدی سے خارج کر دیں گے۔ مگر ایسا نہ ہو گا۔ ہم کسی کو اپنی توجہ سے باہر نہ چھوڑیں گے۔ کرنے دو جو کچھ کرتا ہے۔ فقیر کی توجہ ہر وقت مرید پر رہتی ہے۔ نفس کتنی دیر شرارت کرے گا۔۔۔ آخر ایکدن درست ہو گا۔ یہ امر ہماری ذمہ داری میں ہے کہ ہم اسے راہِ راست پر لائیں۔ فیض سے دور کرنا ہمارا دستور نہیں۔ سبحان اللہ!

ماسٹر غلام محمد مریدوں میں شامل ہو گئے

گذشتہ صفحات میں ماسٹر غلام محمد کا ذکر ہوا۔ کہ بارہمولہ قصبہ میں جب حضور قبلہ عالم نے مسجد میں دو فریق میں حاضر وناظر مسئلہ کے تنازعہ پر صلح کرا دی تو ماسٹر صاحب نے حضور سے کہا۔ کہ مجھے بھی تسخیر کا کوئی وظیفہ دیں۔ حضور نے اسے درود شریف دیا۔ کچھ عرصہ گذرا۔ ماسٹر صاحب تحصیل ہندواڑہ میں تبدیل ہو گئے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم، جناب خواجہ

عبدالکریم صاحب کے گھر سے واپس اپنے دولت کدہ پر تشریف لے جا رہے تھے۔ زمانہ موسم سرما کا تھا۔ شدت کی سردی تھی۔ حضور قبلہ عالم گھوڑے پر سوار ہندواڑہ بازار سے گذر رہے تھے۔ ماسٹر غلام محمد نے انہیں جاتے دیکھا۔ دور سے پکارا۔۔۔ اُو۔۔۔ پیرا۔۔۔ تمہارے وظیفہ نے تو کچھ کام نہ دیا۔۔۔ ماسٹر صاحب بڑے گستاخانہ انداز میں بولے۔۔۔ حضور کو سخت غصہ آیا۔۔۔ جاتے جاتے غصہ سے کہا۔۔۔ حرام زادے۔ ایسا ڈنڈا چڑھاؤں گا۔ پھر نکلنا مشکل ہو جائے گا۔ حضور سیدھے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔۔۔ اسی رات ماسٹر صاحب پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی۔۔۔ بلاارادہ روضہ مدینہ منورہ کھلا۔۔۔ سیدھا اجلاسِ محمدی ﷺ میں پیش ہو گیا۔۔۔ نفس سر کش تھا۔ جذب طاری ہو گیا۔ اب اجلاس کی کیفیت نظروں سے ہٹتی نہیں۔ نور کی شدت سے بھاگتے پھرے۔ ان کی والدہ نے ماسٹر صاحب کی حالت دیکھی۔ پریشان ہوئی۔ پوچھا کیا بات ہے۔ ماسٹر صاحب نے بتایا۔ کل پیر صاحب گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ میں نے ان سے مذاقاً ایسا کہا۔ ان کی توجہ سے میرا یہ حال ہے۔ ماسٹر صاحب کی والدہ اسے حضور کی خدمت میں لائی۔ اور ماسٹر صاحب کی گستاخی کی معافی چاہی۔ حضور نے فرمایا۔۔۔ ماسٹر صاحب اب کچھ پتہ چلا کس طرح تسخیر ہوتی ہے۔۔۔ اٹھو۔۔۔ اور زمین کھودو۔ ہم نے بیج بونا ہے۔ ماسٹر صاحب نے بیلچہ ہاتھ میں لے کر زمین کھودنا شروع کر دی۔ جب تھک گئے تو حضور نے بلایا۔ توجہ دی۔ ماسٹر صاحب سے جذب دور ہو گیا۔ اور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ صاف ہو گیا۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب کے حالات بدل گئے۔ اور مراتب کا انکشاف ہونا شروع ہوا۔۔۔ اب ان کے مشاہدہ کی کیفیت یہ تھی کہ کھلی آنکھوں سے اجلاس کی کیفیت مشاہدہ کرتے۔ باوصف اس کے کہ ماسٹر صاحب سلسلہ میں اچھے مشاہدہ کرنے والوں میں سے ہوئے۔۔۔ ان کی شرارتِ نفس بدستور قائم رہی۔ اس وجہ سے ان پر اکثر جذب طاری ہو جاتا۔۔۔ تو والدہ انہیں حضور کی خدمت میں لاتی۔۔۔ آپ ماسٹر صاحب کو زمین کھودنے کی مشقت ڈالتے۔ تو ان سے جذب ہٹ جاتا۔۔۔ اور کبھی ایسا ہوتا کہ ماسٹر صاحب کو گہری نیند سے اٹھایا جاتا۔۔۔ حکم ہوتا کہ اٹھو۔ دریا سے غسل کر کے ایک سو رکعت نفل ادا کرو۔ سردی کا موسم ہوتا۔ تو ماسٹر صاحب بستر سے اٹھنے میں تساہل کرتے تو اجلاس مشاہدہ ہو جاتا اور حضور حکم دیتے اسے کوڑے لگاؤ۔ جناب قبلہ سخی خان صاحب کو کوڑے لگانے کا حکم ہوتا۔۔۔ آپ اسے کوڑے لگاتے۔ تو ماسٹر صاحب اٹھ کر نفل پڑھنا شروع کرتے ماسٹر صاحب آداب کا لحاظ نہ رکھتے۔ قبلہ سخی صاحب سے کد رکھتے۔ کہ یہ اجلاس میں مجھے کوڑے لگاتے ہیں۔ اس کے باوجود سلسلہ

کے مرید ماسٹر صاحب کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اور اپنے اپنے معاملات میں ان سے مدد مانگتے۔ ماسٹر صاحب کھلی آنکھوں ان کے معاملات اجلاس میں پیش کر کے حل بتا دیتے۔۔۔ نفس کی شرارت کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات حضور کی شان میں بھی گستاخی کرتے۔ مگر حضور ان کی گستاخی پر تبسم فرماتے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ حضور قبلہ عالم شہر میں محمد حنیف صاحب کے گھر تشریف لائے۔ قریبی مرید حضور کی مجلس میں بیٹھے ہیں۔ ماسٹر صاحب بھی حضور قبلہ عالم کے ساتھ آئے تھے۔ دوران گفتگو ہم سے کہنے لگے۔ تحصیل ہنڈواڑہ میں جنات نے زور پکڑ رکھا تھا۔ ایک آدمی کو میرے پاس لایا گیا کہ اس پر جنات کا دخل ہے۔ میں نے علاقہ کے تمام جنات کو جمع کر کے حکم دیا۔ کہ یہ علاقہ چھوڑ کر کسی اور ویران جگہ چلے جاؤ۔ ورنہ میں سب کو جلا کر بھسم کر دوں گا۔ جنات گھبرا گئے۔ اور معافی مانگنے لگے۔ آئندہ ہم اس علاقہ میں کسی کو تنگ نہ کریں گے۔ میں نے اس شرط پر معافی دی کہ علاقہ میں کسی شخص کو نہ چھیڑیں۔۔۔ اور ہفتہ وار پانچ روپے ٹیکس ادا کریں۔ جنات نے شرط منظور کر لی۔ اور ہفتہ وار پانچ روپے ماسٹر صاحب کے گھر پھینک دیتے۔ ہم نے یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کو سنایا۔۔۔ آپ نے تبسم فرمایا۔۔۔ اور ماسٹر صاحب کو گالی دے کر فرمایا۔۔۔ تم ابھی شرارت سے باز نہیں آئے۔ اب حرام کھانا بھی شروع کیا۔ اچھا ہم تمہارا بندوبست کر دیں گے۔ ماسٹر صاحب ناراض ہو گئے۔ کہ تم نے حضور قبلہ عالم سے کیوں ذکر کیا۔ اب تو وہ مجھ پر عذاب ڈالیں گے۔ اس کے بعد ماسٹر صاحب کے روپے آنے بند ہو گئے۔۔۔ اب نہ ان کے بلائے کوئی جن ان کے پاس آتا۔ باوجود نفسی شرارت کے ماسٹر صاحب کے مشاہدہ میں فرق نہ آیا۔۔۔ اور اجلاس میں حاضری بھی دیتے رہے۔۔۔ واللہ!۔۔۔ اس میں قطعاً مبالغہ نہیں۔ یہ ایک حقیقی واقعہ ہے۔۔۔ حضور قبلہ عالم سے عقیدتاً نسبت رکھنا ہی حضوری ہونے کے لیے کافی ہوتا۔۔۔ بعض ایسے لوگ بھی حضور کی خدمت میں پیش ہوتے۔ جو کسی دوسرے سلسلہ سے نسبت رکھتے آپ انہیں بغیر شرائط درود شریف کی اجازت دیتے۔ اور وہ لوگ حضوری ہو جاتے۔۔۔ حضور کسی شخص کو سلسلہ سے الگ ہو کر سلسلہ اویسیہ کی بیعت ہونے کا پابند نہ فرماتے۔ اس حال میں بھی لوگ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر لیتے۔

عبدالعزیز، درود شریف پڑھنے سے صحت مند ہو گئے

حضور قبلہ عالم، جناب عبدالکریم سپرنٹنڈنٹ پولیس کے گھر تشریف لائے۔ شہر

کے لوگوں کو آپ کی آمد کی اطلاع ملی۔ تو جوق در جوق آپ کی خدمت میں آنے لگے اور بیعت ہوگئے۔۔۔ ایک بیمار کو لایا گیا۔ کہ حضور اس کی صحت کے لیے دعا فرمائیں۔ یہاں یہ عام رواج تھا کہ جہاں کسی فقیر کی اطلاع ملی۔ تو لوگ دنیوی حاجات کے لیے فقیر سے رجوع کرتے کہ فقیر کرامات سے لوگوں کی حاجتیں پوری کرتا۔۔۔ حضورؒ کا طریق یہ تھا کہ ہر حاجت مند کو نماز کی تلقین فرماتے۔ اور درود شریف پڑھنے کے لئے دیتے کہ درود شریف پڑھو تو خود بخود صحت مند ہو جاؤ گے۔ بعض کے لیے دعا بھی فرماتے۔ بیمار کے ساتھ اس کے تین چار عزیز بھی تھے جو اسے اٹھا کر لائے تھے۔ بیمار بہت لاغر ہو چکا تھا۔ اسے گردوں میں تکلیف تھی۔ ڈاکٹر نے علاج کیا آخر اپریشن کے ذریعہ ایک گردہ نکالنے کا مشورہ دیا۔ بیمار سخت مایوس تھا۔ یہ شخص شہر کا رہنے والا، عبدالعزیز راتھر صاحب تھے۔ جو محلہ بربر شاہ میں رہتے تھے۔ حضور نے راتھر صاحب کو درود شریف پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ راتھر صاحب نے عذر پیش کیا۔ کہ میں نہ آرام سے بیٹھ سکتا ہوں۔ نہ کچھ پڑھنے کی سکت ہے۔ دعا فرمائیں ذرا آرام آجائے۔ تو میں درود شریف پڑھوں گا۔ حضور نے تسلی دی کہ تم صحت مند ہو جاؤ گے۔ اچھا ہم توجہ دیتے ہیں۔ رات کو یہ وظیفہ پڑھنا شروع کرو۔۔۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ -

ایک سو بار پڑھیں۔ پھر کل ہمارے پاس آئیں۔ پھر ہم باقی علاج کر دیں گے۔۔۔ دوسرے دن عبدالعزیز صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔ ہم نے دیکھا ان سے مایوسی چھٹ چکی تھی۔ کسی حد تک خوش محسوس ہو رہے تھے۔ عرض کی۔ آج میں نے رات تین سو سے زیادہ وظیفہ پڑھا۔ اور بہت مدت بعد رات آرام سے سویا۔ حضور نے تسلی دی کہ اللہ کے فضل سے تم صحت یاب ہو جاؤ گے۔ اور درود شریف لکھ کر دیا۔ کہ یہ درود شریف گیارہ سو مرتبہ پڑھیں۔ فی الحال جتنا ہو سکے۔ اتنا ہی پڑھیں فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اس کے بعد راجہ علی اکبر صاحب فارسٹر۔۔۔ اور مجھے حکم دیا کہ ہم عبدالعزیز کی نگرانی کریں۔۔۔ یعنی انہیں اجلاس محمدی ﷺ میں (حضور قبلہ عالم کے) پیش کر کے راتھر صاحب کا باطنی علاج[1]

---

[1] سلسلہ اویسیہ کا یہ طریقہ ہے کہ سائل کو اجلاس میں پیش کیا جاتا ہے۔ اجلاس میں حضرت شہید غازیؒ سلسلہ اویسیہ کے ڈاکٹر ہیں۔ بیمار کو ان کے پیش کیا جاتا ہے۔ اور آپ بیمار کا علاج کرتے ہیں۔ دوا دیتے ہیں۔ اپریشن کرتے ہیں تو بیمار ظاہر طور صحت مند ہو جاتا ہے۔

کریں۔ عبدالعزیز راتھر صاحب پُرامید ہو کر گھر چلے آئے۔ دوسرے دن میں اور علی اکبر صاحب، ان کا لڑکا نذیر احمد راتھر صاحب کے گھر گئے۔ اور راتھر صاحب کو اجلاس میں پیش کر کے حضرت شہید غازی رحمت اللہ علیہ سے علاج کرایا۔ مراقبہ سے فارغ ہو کر ہم تینوں نے مراقبہ کی کیفیت ایک دوسرے سے پوچھی۔ کہ شہید غازیؒ نے کس طرح راتھر صاحب کا علاج کیا تو ہم تینوں کے مشاہدے یکساں تھے۔ ہر ایک نے ایک جیسی کیفیت مشاہدہ کی۔ ہمیں یقین ہو گیا۔ کہ راتھر صاحب صحت مند ہو جائیں گے۔ تین دن متواتر ہم نے عبدالعزیز صاحب کے گھر جا کر اسی طرح باطنی کارروائی کی۔ تین دن میں ہی راتھر صاحب نے صحت محسوس کی رفتہ رفتہ راتھر صاحب کی بیماری دور ہو گئی۔۔۔ اسکے بعد راتھر صاحب ڈاکٹر کے پاس گئے۔ ڈاکٹر نے معائنہ کیا۔ تو کہا کہ تمہارے گردے صحیح کام کر رہے ہیں۔ اب اپریشن کی ضرورت نہیں۔ اب تم مکمل صحت یاب ہو۔ اسکے ساتھ ہی راتھر صاحب نے راز و درود شریف شروع کیا۔ آپ محکمہ ابریشم (ریشم خانہ) میں ملازم تھے۔ اب راتھر صاحب کی حالت یہ تھی کہ گھر سے دفتر جاتے اور آتے آپ کا ہاتھ پتلون کی جیب میں رہتا۔ اور ہر وقت تسبیح چلاتے۔ درود شریف پڑھتے رہتے۔ آخر عبدالعزیز صاحب نے حضور قبلہ عالم کو گھر مدعو کیا۔ حضور نے آپ کی دعوت منظور فرمائی۔ اور حضور قبلہ عالم ایک دن راتھر صاحب کے گھر تشریف لائے۔ قبلہ سخی ولایت خان صاحب، میں، اور کئی ایک درود خوان راجہ علی اکبر وغیرہ مدعو ہوئے۔ اس موقع پر عبدالعزیز راتھر صاحب کے بھائی۔ (عبدالقادر صاحب، غلام رسول راتھر۔ ثناء اللہ راتھر وغیرہ) اور گھر کی اکثر مستورات اور بچے سب حضور قبلہ عالم کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ ان میں ان کے بھائی اور چند مستورات اور بچے صاحب مشاہدہ حضوری ہو گئے۔۔۔ اس طرح۔۔۔ موسیٰ کو آگ کی تلاش تھی۔۔۔ "پیغمبری ملی" کے مصداق۔ عبدالعزیز راتھر صاحب کی بیماری ان کے لیے حصولِ معرفت کا سبب بن گئی۔۔۔ ظاہر ہے کسی بیمار کو صحت مند کرنا ایک ناسوتی عمل ہے کہ پھونک مار دی تو صحت مند ہو گیا۔ حضور قبلہ عالم کے لیے ایسا کرنا کچھ مشکل نہ تھا۔ لیکن حضور نے کبھی توجہ سے کرامات کو استعمال نہ فرمایا۔ اس وجہ سے کہ طریقِ اویسیہ کے مطابق ایک حاجت مند کی حاجت پوری ہو۔ اور ساتھ معرفت بھی حاصل ہو۔ اس حال میں کہ وہ خود اپنا علاج کرنے کی خاصیت پا کر دوسروں کے لیے حاجت روائی کا سبب بن جاتا۔۔۔ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کو تلقین فرماتے کہ اپنی فقیری معمولی کاموں کے لیے استعمال نہ کرو۔ ظاہر کے لیے عقل و فہم اور تدبّر استعمال کرو۔۔۔ باطن کو باطن، اور مراتب کے لیے وقف رکھو اگر

ضرورت محسوس ہو۔ تو خود اپنا علاج کرو۔۔۔ ایک بار میں اور قبلہ سخی صاحب حضور قبلہ عالم کے ہمراہ ریل کے سفر میں کہیں جا رہے تھے۔ اثنائے سفر، میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا۔ تو میری آنکھ میں انجن کے دھوئیں سے کوئلہ کا ایک ذرہ چلا گیا میری آنکھ میں شدت کا درد شروع ہوا۔۔۔ آنکھ سرخ ہو گئی۔۔۔ درد کی وجہ سے میں بے چین ہو گیا۔۔۔ حضور سے عرض کی کہ میری آنکھ میں کوئلے کا ذرہ چلا گیا۔ اور سخت درد محسوس ہو رہا ہے۔ آپ نے مجھے جھاڑ دیا۔۔۔ فرمایا۔ اب ہم کیسے ذرہ نکالیں خود اپنا علاج کرو۔ میں نے ایسی حالت میں حضور قبلہ عالم کا تصور کیا۔ تصور میں آپ کے دست مبارک کا انگوٹھا آنکھ پر ملا۔۔۔ آنکھ کھولی۔ آناً فاناً درد جاتا رہا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضور خود کسی شخص کو پیش نہ فرماتے۔ بلکہ کسی مرید سے کہتے کہ "اسے ہمارے پیش کرو"۔۔۔ اس طریق سے یہ فائدہ ہوتا کہ علاج کے ساتھ ایک شخص فیضِ باطنی سے بھی مستفید ہو جاتا۔۔۔

حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کی مشکلات میں ان کی تکلیفوں میں کرامات استعمال نہ فرماتے۔۔۔ بلکہ ظاہری تدبیر و علاج پر زور دیتے۔ فرماتے۔ باطنی قوت کو ظاہری حالت میں استعمال کرنا جائز نہیں۔ فرماتے اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ ھُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ ھُوَ خَیْرٌ کیا تم اپنی روحانی قوت کو ادنیٰ کیفیتوں کے عوض خرچ کرتے ہو۔۔۔ ظاہر کے لیے اللہ تعالیٰ نے ظاہری علاج رکھا ہے۔ اس لیے تدبر استعمال کرو۔۔۔ جناب قبلہ سخی صاحب گنٹھیا کے مرض میں مبتلا رہے۔ اور کبھی یہ درد شدت اختیار کر جاتا۔ بعض اوقات انہیں ڈیوٹی سے چارپائی پر اٹھا کر گھر لایا جاتا۔ مگر حضور قبلہ عالم نے کبھی ان کی تکلیف پر توجہ نہ فرمائی۔ فرماتے فقیر پر ابتلا اس کے روحانی مراتب کے عروج کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لیے تکالیف کو خود اہمیت نہ دو۔ بلکہ صبر و استقلال سے کام لیا کرو۔۔۔ محمد حنیف صاحب ایک دفعہ بیمار ہو گئے۔ آپ دورے پر گاندربل کے علاقہ میں گئے تھے۔ بخار ہو گیا۔ گرمی کا موسم تھا۔ آپ نے ٹھنڈا پانی پی لیا۔ بخار شدت اختیار کر گیا۔ واپس گھر آ گئے۔ قبلہ سخی صاحب کو اطلاع ملی۔ آپ بھی تشریف لائے۔ محمد حنیف صاحب کو ڈاکٹر رونس کے پاس لے گئے۔ ڈاکٹر نے بتایا انہیں پلوریسی ہو گئی ہے۔ یعنی ان کے پھیپھڑے کی جھلی میں پانی بھر گیا ہے۔ اسی دوران حضور قبلہ عالم بھی تشریف لائے۔ ڈاکٹر نے مسلسل دو ماہ بستر پر لیٹے رہنے کی تلقین کی۔۔۔ اور دوا بتائی۔۔۔ محمد حنیف صاحب مسلسل دو ماہ تک بستر پر فراش رہے۔ حضور نے بھی دعا فرمائی۔ آخر صحت یاب ہو گئے۔ اسی طرح ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب بھی اسی مرض میں مبتلا ہو گئے۔ حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ تشریف لائے۔ چونکہ ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب زیر تعلیم

تھے۔ اتنی طویل مدت ان کی تعلیم میں حارج ہوتی۔۔۔ حضور نے دوا استعمال کرنے کا حکم دیا۔۔۔ اور خود توجہ فرمائی۔ دو ہفتہ میں محمد حفیظ صاحب صحت یاب ہو گئے۔ محمد حنیف صاحب کے چھوٹے بھائی۔۔۔ محمد شریف صاحب بجلی کے کام کی ٹریننگ کے لیے لدھیانہ میں تھے۔ انہیں بخار ہو گیا۔ کام چھوڑ کر بخار کی حالت میں گھر آئے۔ سفر کی وجہ سے بخار نے شدت اختیار کی۔۔۔ ان کے ہاں، ڈاکٹر رولنس کے شاگرد۔ ڈاکٹر بیزلیل عیسائی ڈاکٹر آئے تھے۔ اس نے کہا بخار بگڑ گیا ہے۔ تپ محرقہ ہو گیا۔ لہذا تقریباً ایک ماہ آرام ان کی صحت کے لئے ضروری ہے۔ قبلہ سخی صاحب کو علم ہوا۔ آپ تشریف لائے۔ شریف صاحب دو دن سے بے ہوش تھے۔ قبلہ سخی صاحب نے انہیں توجہ دی بے ہوشی کے عالم میں شریف صاحب بولنے لگے۔۔۔ اسلام علیکم۔۔۔ پیر صاحب۔ قبلہ سخی صاحب فرمانے لگے۔ لو! اب خود حکیم پہنچ گئے۔ قبلہ پیر صاحب خود علاج کریں گے۔ ہم اٹھ کر باہر چلے آئے۔ شام کے قریب شریف صاحب کو ہوش آیا۔ اس وقت ڈاکٹر بیزلیل بھی شریف صاحب کو دیکھنے آیا۔۔۔ بخار دیکھا تو حیران رہ گیا۔ بخار ختم تھا۔ ٹمپریچر نارمل ہو چکا تھا۔ شریف صاحب بستر سے اٹھے۔ اور کھانا مانگا۔ کھانا دیا گیا تو بالکل صحت یاب تھے۔ ڈاکٹر بیزلیل حیران تھے کہ میری تشخیص غلط نہیں ہو سکتی۔ میرے نزدیک یہ بخار تقریباً ستائیس دن تک رہنا تھا۔ مگر یہ تو اب صحت مند ہیں۔ ہم سے پوچھا۔ ہم نے کہا۔ قبلہ سخی صاحب نے پیش کیا۔ پیر صاحب کی نظر سے ٹھیک ہو گئے۔ وہ بھی متاثر ہوا۔ حضور قبلہ عالم تشریف لاتے تو بہت عقیدت سے پیش آیا۔ اور اپنی معروضات قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کے سامنے پیش کیں کہ میرے لیے دعا فرمائیں۔ میری چند مشکلات ہیں۔ حضور نے وعدہ فرمایا۔ ہفتہ کے اندر ڈاکٹر بیزلیل کی مشکل آسان ہو گئی۔۔۔ ایک دن حضور گھر سے تشریف لائے۔ آپ کو کچھ تکلیف تھی۔ فرمایا۔ ڈاکٹر بیزلیل کو بلاؤ۔۔۔ ڈاکٹر کو بلایا۔۔۔ اس نے دیکھا کہنے لگا۔ پیر صاحب آپ میرے پیر ہیں۔ اور اب میں آپ کا پیر بن گیا۔ حضور نے فرمایا۔ اچھا ہمارا علاج کرو۔۔۔ بعد میں ہم آپ کے پیر بنیں گے۔ ڈاکٹر۔ نے دعا لا کر دی۔ دو دن حضور محمد حنیف صاحب کے گھر تشریف فرما رہے۔ اور صحت یاب ہو گئے۔ تیسرے دن ڈاکٹر صاحب روتے ہوئے آئے آپ اچھے پیر ہیں۔ میں مصیبت میں پھنسا۔۔۔ حضور نے پوچھا کیا ہوا؟۔۔۔ کہنے لگا رات میری بیوی نے ناراض ہو کر میرے والد کو گھر سے نکال دیا۔ حضور نے فرمایا آپ میرے پیر ہیں۔ خود اس کا علاج نہیں کر سکتے۔ ڈاکٹر بہت شرمندہ ہوا۔ کہ مجھ سے گستاخی ہو گئی۔ معاف فرما دیں۔ حضور نے فرمایا۔ آپ تو مسلمان ہوتے نہیں۔ چلو

ایسے ہی پیر بنیں گے۔ جائیے معاملہ ٹھیک ہو گیا۔۔۔ ڈاکٹر بیزلیل گھر گیا۔ تو بیوی نے روتے روتے ڈاکٹر سے معافی مانگی۔ مجھ سے غلطی ہو گئی۔ میں والد سے معافی مانگتی ہوں۔ آئندہ ایسا نہ کروں گی۔ چنانچہ ان کی صلح ہو گئی۔ اور بیوی فرمانبردار ہو گئی۔

حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کوئی بھی آتا خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ آپ نے کبھی کسی کے داخلی معاملہ میں مداخلت نہ کی۔ بلکہ انسانی حیثیت میں ہر شخص سے اخلاقاً پیش آتے۔ اور ان سے فراخدلی سے پیش آتے۔ اپنی طرف سے سخاوت پیش کرنے میں آپ نے کبھی تنگ دلی سے کام نہ لیا۔ اور ہر شخص سے بلا تمیز مذہب و ملت توجہ فرماتے رہے۔ اور ہر شخص نے آپ کی توجہ سے فیض پایا۔

ایک واعظ صاحب کے عجیب وغریب حالات

ایک دن حضور قبلہ عالم گاندربل میں جناب قبلہ سخی صاحب کے گھر تشریف فرما تھے۔ صحن میں تشریف رکھتے ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بھی قریب بیٹھے ہیں۔ میں بھی خدمت میں حاضر ہوں اور بھی گاؤں کے چند لوگ خدمت میں حاضر ہیں۔ دو آدمی آئے۔ پوچھا ہم سخی ولایت خان صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا۔ یہ سامنے سخی صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ وہ ادب سے جھکے سلام کیا۔ اور عرض کی کہ ہم مدت سے آپ کی تلاش میں تھے۔ آج آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ہم نے سنا ہے کہ آپ فقیر ہیں۔۔۔ استدعا ہے کہ ہمیں بھی کچھ فیض عطا کریں۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ ہمارے پیر صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ ان سے رجوع کریں۔ وہ حضور کو پہچان نہ سکے۔ سمجھے قبلہ سخی صاحب ہم سے مذاق کر رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالم خاموش بیٹھے ہیں۔ وہ لوگ شش و پنج میں پڑ گئے۔ آپ کی شکل سے یہ محسوس نہ ہوتا تھا کہ آپ قبلہ سخی صاحب کے پیر ہیں۔ شکل و صورت کے توازن سے قبلہ سخی صاحب پیر نظر آتے تھے۔ انہوں نے پھر التجا کی کہ حضور ہم آپ کے پیچھے مدت سے سرگرداں رہے ہیں۔ آج ہمیں آپ کے متعلق معلوم ہوا۔ اس لیے ہمیں محروم نہ کریں۔ قبلہ سخی صاحب نے یقین دلایا کہ حضور ہی ہمارے پیر ہیں۔ یہ سن کر وہ بہت نادم ہوئے۔۔۔ اور حضور سے معذرت چاہی کہ ہم آپ کو پہچان نہ سکے۔ حضورؒ نے تبسم فرمایا۔۔۔ فرمایا۔۔۔ سخی انہیں درود شریف بتا دو۔۔۔ قبلہ سخی صاحب نے مجھے حکم دیا کہ انہیں درود شریف لکھ کر دوں۔ میں نے انہیں درود شریف لکھ کر دیا۔۔۔ حضور نے فرمایا کہ یہ درود شریف گیارہ سو بار۔ مراقبہ میں روضہ مدینہ شریف کا تصور کر کے پڑھیں۔ آپ کی مراد انشاءاللہ پوری ہو

جائے گی۔۔۔ قبلہ سنی صاحب نے ان سے تعارف پوچھا کہ آپ کون ہیں۔۔۔ ان میں ایک نے کہا کہ ہم واعظ خوانؔ ہیں۔ میں تلاش حق کے لیے بہت سے فقراء کے درباروں میں پھرتا رہا۔ لیکن مقصد حاصل نہ ہوا۔ معلوم ہوا ایک گاؤں میں ایک چرواہا فقیر ہے۔ میں اس سے ملا۔۔۔ اور اپنا مقصد بیان کیا۔ اس فقیر نے مجھے ایک وظیفہ دیا کہ رات کو تہجد کے بعد یہ وظیفہ پڑھوں۔ میں نے وظیفہ شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد مجھ پر وظیفہ کے اثرات ظاہر ہو گئے۔ میں نے سورج کے مانند ایک نور اپنے سامنے مشاہدہ کیا۔۔۔ مسلسل مداومت کے بعد۔ ایک دن یہ نور میرے قریب دائیں طرف کان کے پاس آیا۔۔۔ یہ نور دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا نیچے زمین پر بکھر کر غائب ہو گیا۔۔۔ دوسرا ٹکڑا میرے کان کے قریب قرار کر گیا۔ یہ حالت میں ہر روز دیکھتا رہا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ جو شخص بھی میرے سامنے آتا۔ اس نور کے ذریعہ مجھے اس کے تمام حالات سے آگاہی ہو جاتی۔۔۔ کہ اس کے دل میں کیا ہے۔ اس کی حالت کیا ہے۔ اس کی مشکل کیا ہے۔ اور اس کی مشکل کا حل کیا ہے۔ جب یہ انکشاف ہوا تو میں نے لوگوں کو حالات بتانا شروع کیے۔ لوگ میری طرف رجوع کرنے لگے۔ اور میں فقیر مشہور ہوا۔۔۔ لوگ میرے پاس آنے لگے۔ اور میں ان کے حالات بتاتا۔ ان کی مشکلوں کا حل بتاتا۔ ایک دن شہر سے دور چند آدمی مجھے اپنے گاؤں مدعو کر کے لے گئے۔ میں گاؤں چلا گیا۔ ان میزبانوں کے دو سوال تھے۔ ایک بیمار تھا۔ دوسرا ایک مقدمہ تھا۔ وہاں دعوت ہوئی بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔ رات قوالی ہوتی رہی۔ تہجد کے وقت میں نے عمل شروع کیا۔ تو جواب ملا کہ مقدمہ ان کے حق میں ہو گا۔ مگر بیمار کی صحت ٹھیک نہ ہو گی۔ صبح میں نے انہیں یہ کیفیت بتائی۔ انہوں نے بیمار کے متعلق اصرار کیا کہ اس کی صحت کے لیے بھی کچھ کروں۔ میں نے رات کو پھر مراقبہ کیا۔ لیکن جواب مایوس کن تھا۔ میں نے مصلحتاً انہیں مبہم جواب دیا۔ تاکہ مایوس نہ ہوں۔ دوسرے دن ایک ہمسایہ نے بھی دعوت دی۔ میں ان کے گھر گیا۔ وہاں بھی دعوت کا انتظام تھا۔ کھانا لگایا گیا۔ میرے ساتھ ایک اور آدمی کھانے میں شریک کیا گیا۔ ہم دونوں کھانا کھانے لگے۔ وہ دوسرا شخص عجیب حرکتیں کرنے لگا۔

ؔ کشمیر میں رواج ہے کہ صبح کی نماز پر مولوی لوگ مسجدوں میں جاتے ہیں۔ اور نماز کے بعد قرآن و حدیث کا وعظ کرتے ہیں۔ لوگ ان کے لیے نمازی حضرات سے چندہ کر کے کچھ رقم جمع کر کے دیتے ہیں۔ یہ لوگ اسی رقم سے اپنی گزر اوقات کرتے ہیں۔ یہ معمول ہے صبح ہر مسجد میں ایک مولوی وعظ کرتا ہے۔ اور کچھ رقم حاصل کر کے چلا جاتا ہے۔

اپنی طرف کا کھانا میری طرف ڈال دیتا۔ اور میری طرف کا کھانا اٹھا کر خود کھاتا۔ میں سمجھا یہ نادان ہے۔ عقیدتاً ایسا کرتا ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر قوالی شروع ہو گئی۔ رات وقت مقررہ پر تہجد کے بعد میں مراقبہ میں بیٹھا تو بہت کوشش کرتا ہوں۔ نور میرے کان کے سامنے حاضر نہ ہوا۔۔۔ نور غائب ہو گیا۔ میں سمجھا وہ کوئی فقیر تھا۔ جو میرا عمل چھین کر لے گیا۔ میں نے بہت کوشش کی۔ مگر ناکام رہا۔ میں مایوس ہو کر سو گیا۔ صبح اٹھا تو بخار کی شدت سے تپ رہا تھا۔ دو دن سخت بخار رہا۔۔۔ اسی حالت میں۔ میں بے ہوش ہو گیا۔ میرے گھر اطلاع دی گئی۔ اور گھر والے مجھے بے ہوشی کی حالت میں اٹھا کر گھر لے آئے۔ تین دن بعد ہوش آیا۔ تو خود کو گھر میں پایا۔۔۔ ہفتہ بھر میں خستہ حالت میں پڑا رہا۔ کچھ افاقہ ہوا۔ تو اس چرواہے کے پاس گیا۔ اس سے اپنی تمام داستان بیان کی۔ اس نے کہا کہ یہ چیز مجھے بھی حاصل نہیں۔ یہ تو تمہیں اپنی ہی محنت سے ملا ہے۔ اب میں کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔ میں مایوس ہو کر واپس لوٹا۔۔۔ اور پھر تلاش حق کے لیے پھرتا رہا۔۔۔ ایک دن معلوم ہوا۔ شہر میں پیر جماعت علی شاہ صاحب علی پور سیداں والے تشریف لائے ہیں۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ پیر جماعت علی شاہ صاحب ہندوستان بھر میں مشہور تھے۔ آپ لوگوں کو بیعت بھی کرتے تھے۔ ہندوستان میں بے شمار لوگ ان کے مرید تھے۔ کشمیر میں بھی ان کے بہت سے مرید تھے۔ اسی سلسلہ میں کشمیر تشریف لائے تھے۔ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا۔ کیا چاہتے ہو۔۔۔ میں نے عرض کی کہ مجھے "کار منصور"[1] دکھائیں۔ پیر صاحب نے مجھے قریب بلا کر سر پر ہاتھ رکھا۔ کہا دیکھو "کار منصور"۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھتے ہی میں بے ہوش ہو گیا۔ عالم بے ہوشی میں۔۔۔ دیکھتا ہوں کہ ایک ہاتھی پر سوار۔ میں ہوا۔ میں اونچی پرواز کرتا ہوں۔ اور ساری دنیا کا چکر کاٹتا ہوں۔ کافی دیر اسی عالم میں رہا۔۔۔ ہوش آیا۔ تو خود کو اپنے گھر میں بستر پر پڑا پایا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا سارا بدن چور ہو چکا ہے۔ جگہ جگہ سے لہو بہہ چکا ہے۔ کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ میں نے گھر والوں سے پوچھا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ تو انہوں نے بتایا۔ ہم نے تجھے بے ہوش پایا۔ تیرا جسم لہولہان تھا۔۔۔ مجھے معلوم ہوا۔ جب پیر صاحب نے میرے سر پر ہاتھ رکھا تو میں اچھلا اور سیڑھیوں سے لڑھکتا نیچے آن گرا۔ اور میرا جسم زخمی ہو گیا۔ اور میں بے ہوشی کے عالم میں یہ کیفیت دیکھتا رہا۔ ہفتہ بھر بعد میں ٹھیک ہوا۔ میں نے مراقبہ کیا۔ تو میں ہوا میں اسی طرح اونچا اڑتا رہا۔ اور

---

[1] منصور حلاج کا عمل۔ مجذوبیت میں اَنَا الحق پکارنا۔

دنیا کی سیر کرتا رہا۔ رفتہ رفتہ یہ کیفیت کم ہوتی گئی۔ اور پھر یہ سب مشاہدہ ختم ہو گیا۔ اس حادثہ سے میں دہشت زدہ ہو گیا۔ پھر کسی فقیر کے پاس جانے کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک دن میں اپنے چند دوستوں کے ساتھ نشاط باغ[1] سیر کے لیے گیا۔ دوستوں نے نشاط باغ سے قریب "ایشبر گاؤں" میں ایک فقیر رحمان صاحب کے پاس جانے کا ارادہ کیا۔ یہ کشمیر کے ایک مشہور مجذوب ولی تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ گیا۔ رحمان صاحب کے پاس پہنچے۔ وہاں کافی لوگ حاجت روائی کے لیے جمع تھے۔ سب لوگ چلے گئے۔ ہم وہیں ٹھہرے رہے۔ رحمان صاحب نے استغراق سے سر اٹھایا۔۔۔ میری طرف دیکھا آپ اٹھے اور مجھے اپنے ساتھ چلنے کا حکم دیا۔ پہلے مجھے ایک قبر نما گڑھے میں لیٹنے کا حکم دیا۔ میں ڈر کے مارے کچھ کہہ نہ سکا۔ اور گڑھے میں لیٹا رہا۔۔۔ رحمان صاحب جھونپڑی میں سے حقہ اٹھا کر لائے۔ اور مجھے گڑھے سے نکال کر مسجد میں لے گئے۔ حقہ جلایا۔ اور مجھے حقہ پینے کا حکم دیا۔۔۔ میں تمباکو نوشی سے نفرت کرتا تھا۔ مجبوراً حقہ پیا۔۔۔ تھوڑی دیر مسجد میں رہ کر واپس آئے۔ اور مجھے واپس جانے کا حکم دیا۔ میں گھر آیا۔ رات کھانا کھایا۔ اور ساتھ ہی مجھے قے شروع ہو گئی۔۔۔ ایسی کہ میں کچھ کھاؤں فوراً۔ قے ہو کر سب کچھ باہر آجاتا۔ حکیم کا علاج کیا۔ مگر کچھ افاقہ نہ ہوا۔ ایسی حالت میں ایک ماہ کا عرصہ گذرا میں نڈھال ہو گیا۔ رشتہ دار میری تیمار داری کرنے آتے۔ شاید میں اس قے کی بیماری سے جان بر نہ ہو سکوں۔ اسی اثنا میں ہمارے ایک رشتہ دار مجھے دیکھنے آئے۔ اس نے میری بیماری کا سبب پوچھا۔ مجھ سے کہنے لگا۔ تم کسی فقیر کے پاس تو نہیں گئے تھے۔ میں نے رحمان صاحب کے پاس جانے کا سارا واقعہ سنایا۔ وہ اچھلا۔ کہنے لگا۔ میں نے بیماری کی تشخیص کر ڈالی ہے۔ یہ ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔ اس نے حقہ منگوایا۔ اور چلم بھر کر مجھے حقہ پلایا۔ کہنے لگا یہی اس کا سبب ہے۔ اور یہی اس کا علاج ہے۔ اب کھاؤ جو جی چاہے۔ اب قے نہ ہو گی۔ گھر والوں نے مجھے۔ بند اور دودھ کھلایا۔ واقعی میری قے بند ہو گئی۔۔۔ اس صاحب نے کہا۔ بے کار فقیروں کے پیچھے پھر کر اپنا حال برباد نہ کرو۔ اس کے بعد میں نے اس خواہش کو ترک کر دیا۔ لیکن جب کسی فقیر کی تعریف سنتا ہوں تو پھر صبر نہیں ہوتا۔۔۔ آپ کے متعلق مجھے معلوم ہوا تو میں صبر نہ کر سکا۔ اب آپ پیر صاحب مجھ پر نظر کرم فرمائیں۔ قبلہ سُنی صاحب نے مذاقاً فرمایا۔ اب تمہیں کار اَنَاالْحَقّ بتائیں گے۔ اس پر حضور قبلہ عالم ہنس پڑے۔ فرمایا۔ جاؤ اب ایسی کوئی مصیبت

---

[1] نشاط باغ سری نگر سے سات میل مشرق کی طرف مغلیہ شہنشاہ کا ایک مشہور باغ ہے۔

نہ آئے گی۔ درود شریف روضہ مدینہ شریف کا تصور کر کے پڑھو۔ اور اپنا کاروبار کرو۔۔۔ دین میں زیادہ محنت نہ اٹھاؤ تمہیں آسانی سے مراد مل جائے گی۔ دوسرے آدمی نے بھی درود شریف لیا۔ اور دونوں بیعت ہو کر چلے گئے۔

پیر غلام نبی رفو گر۔۔۔ ناؤ پورہ

ایک دفعہ ایک صاحب حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درود شریف پڑھنے کی اجازت چاہی۔ حضور نے اسے درود شریف پڑھنے کی اجازت دی۔ یہ شخص درود شریف لے کر چلا گیا۔ یہ شخص محلہ ناؤ پورہ کا رہنے والا غلام نبی رفو گر تھا۔ حسب ارشاد درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ دوسری رات کو مراقبہ میں مسجد نبوی ﷺ میں پہنچا۔ منبر پر ایک صاحب کو بیٹھے دیکھا۔ اس سے قبل یہ صاحب کشمیر کے میرواعظ (خطیب جامع مسجد کشمیر) مولانا احمد صاحب (المعروف مولوی عمہ صاحب) کا مرید تھا۔۔۔ گمان کیا منبر پر بیٹھے مولانا احمد صاحب ہیں۔ اور انہیں یہ صاحب ان کی شکل میں نظر آئے۔ خیال کیا کہ احمد صاحب بھی حضوری ہیں۔ پھر تیسرے دن مراقبہ کیا تو یہی صورت نظر آئی۔ چوتھے دن مراقبہ کیا۔ تو مسجد نبوی ﷺ نظر نہ آئی۔ ساری رات مراقبہ میں گذاری مگر پھر مشاہدہ نہ ہوا۔ غلام نبی نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو خط میں اپنی کیفیت تحریر کر کے بھیجی۔ حضور نے جواباً فرمایا۔ کہ ہم شہر آئیں گے تو بات ہو گی۔ حضور شہر تشریف لائے۔ تو غلام نبی بھی حاضر ہوا۔ اور حضور کو اپنے گھر مدعو کیا۔ حضور، غلام نبی کے گھر تشریف لے گئے۔ اور بھی چند مرید آپ کے ساتھ ان کے گھر گئے۔ کھانا کھانے کے بعد غلام نبی خدمت میں حاضر ہوا۔۔۔ حضور نے فرمایا۔۔۔ غلط فہمی کی وجہ سے تمہارا مشاہدہ بند ہو گیا۔ یہ بات تم پر واضح ہو جائے گی۔ مجھے حکم دیا، اسے تنہا جگہ بٹھا کر مراقبہ کراؤ اور توجہ دو۔ میں غلام نبی کو دوسرے کمرے میں لے گیا۔ اس نے مراقبہ شروع کیا۔۔۔ ابھی اس پر مشاہدہ نہ کھلا۔ میں نے توجہ دی۔ تو پھر وہی کیفیت سامنے آئی۔ کہنے لگا کہ مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر مولوی احمد صاحب کو بیٹھا دیکھتا ہوں۔ میں نے پھر توجہ دی۔ کہنے لگا۔ یہ احمد صاحب نہیں۔ یہ تو حضور قبلہ عالم ہیں۔ میں نے کہا۔ یہی گمان تمہارے بند ہونے کا سبب بنا۔ اب حضور سے استدعا کرو۔ کہ اجلاس میں لے جائیں۔ حضور اسے اجلاس میں لے گئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کیا۔ اس عالم میں غلام نبی نے اور بھی چند کیفیتیں مشاہدہ کیں۔ میں نے

اسے مراقبہ سے ہٹایا۔ اور حضور کے پیش کر دیا۔ فرمایا کمل گیا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور نے فرمایا، اگر مولوی احمد صاحب حضوری کرتے تو تمہیں ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہ رہتی۔ تمہارے قلب میں ابھی احمد صاحب کا تصور باقی تھا۔ جو حقیقت پہچاننے میں حائل ہوا۔۔۔ خیر ہم تمہیں ان سے تعلق ختم کرنے پر مجبور نہیں کرتے۔ اس حال میں بھی آپ مولوی احمد صاحب کے مرید رہ سکتے ہیں۔ مگر غلام نبی سمجھ گیا۔ عرض کی یہ میری علم کی کمی کی وجہ سے ہوا۔۔۔ میں حضور سے بیعت کی التجا کرتا ہوں۔ حضور نے اسے بیعت کیا۔ دوسرے دن حضور قبلہ عالم واپس گھر تشریف لے گئے۔ میں ان دنوں غلام نبی کے محلہ ناؤ پورہ کے قریب محلہ نقاش پورہ اپنے ماموں کے ہاں رہتا تھا۔ میں غلام نبی کے حالات دریافت کرنے کی غرض سے ناؤ پورہ اس کی دکان پر گیا۔ مجھے دیکھ کر بہت تعظیم سے اٹھا۔ عزت سے دکان پر بٹھایا۔ میں نے حالات دریافت کئے۔ غلام نبی نے ایک رات میں بہت سی کیفیاتِ مشاہدہ بتائیں۔ میں بہت خوش ہوا۔ خوشی میں، میں نے کہا۔ آپ اسی جگہ مراقبہ شروع کر دیں۔۔۔ غلام نبی فوراً اجلاس میں پہنچا۔۔۔ میں نے کہا حضور سے اجازت لو۔ کہ ہم بیت اللہ میں جائیں۔ حضور نے اجازت مرحمت فرمائی۔ میں نے کہا چلو بیت اللہ کی طرف پرواز کرو۔ چند لمحوں میں بیت اللہ پہنچا۔ میں نے بیت اللہ کی کیفیت پوچھی تو غلام نبی نے بجائے بیت اللہ دیکھنے کے دریائے توحید کا منظر بتایا۔۔۔ کہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ ساتھ کھڑے ہیں۔ ایک وسیع نورانی دریا ہے۔ میں نے کہا کہ حضور سے عرض کرو۔ کہ مجھے اجلاس میں لے جائیں۔ حضور اسے دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے۔۔۔ غلام نبی نے اجلاس دوئم کی تمام کیفیت بیان کی۔ اس کے بعد میں نے مراقبہ سے ہٹایا۔ کہنے لگا۔ میں تو سمجھا تھا۔ کہ مجھے بیت اللہ نظر آئے گا۔ مگر یہاں تو اور ہی اسرار دیکھنے میں آئے۔ میں نے کہا یہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی نظرِ عنایت ہے۔ کہ ایسا مقام سالہا سال تمہیں میسر نہ آسکتا۔ اب فقر کی طرف پوری توجہ رکھو۔ اس کے بعد میں اکثر غلام نبی کی دکان پر جاتا رہا۔ ہر بار وہ کسی نہ کسی نئی کیفیت کے مشاہدہ کے متعلق بتاتا۔ ایک دن میں غلام نبی کی دکان پر گیا۔ تو اس نے ایک نیا واقعہ بیان کیا۔ کہنے لگا۔ کل دن میں دکان پر چادر رفو کر رہا تھا۔ کہ اچانک مجھ پر مشاہدہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ دیکھتا ہوں کہ ایک فقیر میری دکان کے سامنے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک رجسٹر ہے۔ کہنے لگا۔ کہ آج سے آپ میرے ساتھ ڈیوٹی دیں گے۔ رجسٹر مجھے دیا۔ کہ آپ پڑھے لکھے ہیں۔ لہذا اس رجسٹر پر آپ رپورٹیں لکھیں گے۔ اور رپورٹیں درج کریں گے۔ رجسٹر دے کر وہ فقیر چلا گیا۔ میں

نے کہا۔ مبارک ہو تمہیں مجلس مشاورت میں عہدہ دیا گیا ہے۔ اب وہ فقیر اچانک آتا ہے۔ تو غلام نبی پر کام کرتے کرتے کیفیت آجاتی ہے۔ فقیر شہر کے حالات بتاتا ہے۔ غلام نبی رجسٹر پر درج کرتے ہیں۔ اور جو احکام لکھے ہوتے ہیں وہ اسے پڑھ کر سناتا ہے۔ اس طرح غلام نبی کو شہروں۔ محلوں کے حالات کا قبل از وقت علم ہو جاتا تھا۔ اسی دوران ملک میں شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری پر جلسے جلوس ہونے لگے۔ تو فقیر کا آنا جانا بار بار شروع ہوا۔ رجسٹر میں درج ہوتا کہاں جلسے جلوس ہوں گے۔ کہاں۔ ملٹری یا پولیس کا دورہ ہو گا۔ کہاں جھگڑا فساد ہو گا۔ غلام نبی بتاتے۔ آج فلاں فلاں جگہ جھگڑا ہو گا۔ گولی چلے گی۔ فلاں فلاں آدمی ہلاک ہو گا۔ اور بعینہ ایسے ہی واقعات پیش آتے۔ اسی دوران شہر میں ہیضہ کی وبا پھیلی۔ تو فقیر صاحب دکان پر حاضر ہوئے۔ رجسٹر میں ہیضہ کا حکم درج تھا۔ کس کس محلہ میں ہیضہ ہو گا۔ کتنے آدمی ہیضہ کا شکار ہوں گے اور کتنے مریں گے۔ غلام نبی اس کے متعلق بھی پیشگوئی کرتے کہ فلاں محلہ میں ہیضہ ہو گا۔ اتنے آدمی مریں گے۔ دو ہفتہ یہ سلسلہ جاری رہا۔ اب غلام نبی کام کرتے کرتے بے خود ہو جاتے۔ اور کام رہ جاتا۔ مگر وہ بہت خوش تھے۔ کہ باطن میں ان کا مقام اعلیٰ تھا۔۔۔ ایک دن فقیر صاحب آئے اور رجسٹر پیش کیا۔ دیکھا کہ غلام نبی کے اپنے محلے میں ہیضہ کی وباء کا حکم دیا گیا ہے۔ اور فلاں فلاں آدمی ہیضہ کا شکار ہوں گے۔ دیکھا تو واقعی نامزد آدمی فوت ہو گئے۔ دوسری بار پھر فقیر صاحب حاضر ہوئے۔ رجسٹر پیش کیا۔ تو دیکھا اسی محلہ میں ان کے گھر میں ان کی لڑکی بھی شامل ہے۔ بہت سراسیمہ ہو گئے۔ دستخط کرنے سے ہچکچائے۔ فقیر نے کہا دوسروں کی موت پر تو دستخط کر دیئے۔ اپنی باری آئی تو عدل چھوڑ دیا۔ لہذا دستخط کر دیں۔ غلام نبی نے دستخط کر دیئے۔ رات مراقبہ میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بہت گڑگڑائے۔ مگر حضور تبسم فرماتے رہے۔ آخر غلام نبی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیا۔ کہ یہ لڑکی کی بریت کے لیے استدعا کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آج نہیں تو کل۔ پھر موت سے تو دوچار ہونا ہی ہے۔ اس حالت میں لڑکی کے لیے فوت ہونا بہتر ہے کہ حساب سے فارغ ہو گی۔ البتہ اس کے بدل میں تمہیں ایک لڑکی دی جائے گی۔ تمہاری اور اہلیہ کی محبت اس لڑکی میں عود کی جائے گی۔ غلام نبی خاموش ہو گئے۔ گھر میں لڑکی بیمار ہو گئی۔ سب گھر کو فکر ہوا۔ بیوی نے رونا شروع کر دیا۔ غلام نبی ہنستے تھے کہ اب علاج کرنا بے کار ہے۔ بیوی نے شکایت کی کہ آپ اس کے علاج کے لیے کوشش نہیں کرتے۔ نہ ڈاکٹر کو دکھایا نہ دوا دے رہے ہیں۔ اس طرح لڑکی مر جائے گی۔ خود کچھ کہہ بھی نہ سکتے تھے۔ مجبوراً ڈاکٹر کو دکھایا۔ دوا بھی لا دی۔۔۔ مگر فیصلہ تھا۔ لڑکی

فوت ہو گئی۔ تمام رشتہ دار تعزیت کو آئے۔ ان کے رشتہ دار نشاط باغ سے آئے۔ انہوں نے تسلی دی اور کہا۔ غم نہ کریں۔ یہ ہماری لڑکی اس لڑکی کے بدل میں تم رکھ لو۔۔۔ ہم تمہیں دے دیتے ہیں۔ انہوں نے لڑکی رکھ لی۔ غلام نبی سمجھے کہ یہ لڑکی کا بدل دیا گیا ہے۔

انکی بیوی نے اسے قبول کر لیا۔ ماتم ختم ہوا۔ چند دن گذرے تو ان کی بیوی کا غم بھی غلط ہوا۔۔۔ اور اس لڑکی سے انس ہو گیا۔ جیسے اپنی ہی لڑکی ہے۔ بہر حال فساد ختم ہوا۔ ہیضہ بھی ختم ہوا۔ غلام نبی نے اجلاس میں درخواست دی کہ میں ایسے واقعات کا متحمل نہیں۔ لہذا یہ رجسٹر مجھ سے واپس لیا جائے۔ میں اب فقیر کے ساتھ ڈیوٹی دینے کے قابل نہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے تبسم فرمایا۔ اور رجسٹر فقیر کو دے دیا۔ اس طرح غلام نبی اس کشمکش سے نجات پا گئے۔ غلام نبی سلسلہ کے مریدوں میں بہتر صاحبِ مشاہدہ، صاحبِ مراتب فقیر تھا۔ انہیں ارادی اور غیر ارادی دونوں حالتوں میں مشاہدہ ہوتا تھا۔ اجلاس میں ان کے سوال کو مقبولیت کا درجہ عطا تھا۔ لیکن اب افسوس!۔۔۔

محکمہ جنگلات کے ٹھیکیدار عبد الاحد کا واقعہ

ایک واقعہ غلام نبی کے مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے جس کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے۔ جناب قبلہ سُنی ولایت خان صاحب، گاندربل میں رینجر کی حیثیت سے متعین تھے۔ آپ سکونت گاندربل رینج آفس میں ہی رکھتے تھے۔ محکمہ جنگلات کے اکثر لوگ (ہندو مسلمان) آپ سے عقیدت رکھتے اور آفیسر بھی آپ کی عزت کرتے۔ ایک دن محکمہ جنگلات کا ٹھیکیدار عبد الاحد۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی کہ چیف کنزرویٹر نے اسے (BLACK· LIST) کر دیا ہے۔ حکومت نے کسی جرم کی پاداش میں اسے ٹھیکیداروں کی فہرست سے خارج کر کے آئندہ جنگلات کے ٹھیکے دینے بند کر دیئے ہیں۔ اور حکومت نے ایک کثیر رقم بھی ضبط کر لی۔ عبد الاحد ٹھیکیدار نے عدالتی چارہ جوئی کی، مگر فیصلہ اس کے خلاف ہوا۔۔۔ عبد الاحد ٹھیکیدار نے قبلہ سُنی صاحب سے دعا کے لیے التجا کی۔ ان دنوں قبلہ سُنی صاحب محلہ ناؤ پورہ میں سکونت رکھتے تھے۔ قریب ہی غلام نبی رفوگر کی دکان ناؤ پورہ پل کے قریب تھی۔ قبلہ سُنی صاحب نے غلام نبی کو عبد الاحد ٹھیکیدار کا معاملہ اجلاس میں پیش کرنے کے لیے کہا۔ لیکن اجلاس سے بھی عبد الاحد ٹھیکیدار کے خلاف فیصلہ ہوا۔۔۔ قبلہ سُنی صاحب نے افسوس ظاہر کرتے ہوئے ٹھیکیدار کو اجلاس کے حکم سے آگاہ کیا۔ کہ وہاں بھی تمہارے خلاف فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ ہمیں افسوس ہے۔۔۔ تاہم قبلہ سُنی صاحب نے

ٹھیکیدار کو تسلی دی۔ کہ انتظار کرو۔۔۔ ہم کوئی اور سبیل سوچیں گے۔ کہ تمہارے حق میں اجلاس میں فیصلہ حاصل کیا جائے۔ قبلہ سنی صاحب ایسے معاملات میں۔۔۔ اجلاس میں اپنی تدبیر بھی استعمال کرتے اور کسی نہ کسی طرح اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے اجلاس سے بہرحال منظوری حاصل کرتے۔ یہ ان کی محبوبیت کی خصوصیت تھی کہ قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ اکثر موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سفارش فرما کر ان کا مطالبہ پورا کر دیتے۔ ایسے ہی ہوا۔ کہ عید میلادالنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر آپ نے ٹھیکیدار کو بلا کر کہا۔ درگاہ حضرت بل[1] میں جانے کا بندوبست کرو۔۔۔ ہم حضرت بل میں یہ مسئلہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کریں گے۔ چنانچہ ٹھیکیدار نے فوری طور ایک ڈونگہ (کشتی) کا انتظام کیا اور اس میں دعوت کا تمام انتظام کر کے ڈونگہ ناوٗ پورہ پل پر پہنچا دیا۔ قبلہ سنی صاحب کشتی میں سوار ہوئے، ساتھ غلام نبی کو بھی بٹھا لیا۔ اس وقت محمد عبدالحفیظ قریشی (ڈاکٹر) بھی قبلہ سنی صاحب کے گھر آئے تھے۔ انہیں بھی قبلہ سنی صاحب ساتھ لے گئے۔ کشتی ناوٗ پورہ سے جھیل ڈل میں داخل ہو گئی۔ اثنائے راہ غلام نبی نے حفیظ صاحب سے ذکر کیا، کہ آج قبلہ سنی صاحب خاص مقصد کے لیے درگاہ شریف جا رہے ہیں۔ عبدالاحد ٹھیکیدار کو BLACK LIST کیا گیا ہے۔ اجلاس میں بھی اسکے خلاف فیصلہ ہوا ہے۔ قبلہ سنی صاحب درگاہ شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجلاس میں دوبارہ معاملہ پیش کریں گے۔ حفیظ صاحب ابھی سکول میں تعلیم حاصل کر رہے تھے مگر انہیں اپنے پیر سے دیوانگی کی حد تک عشق تھا۔ قبلہ سنی صاحب بھی ان سے حد درجہ پیار کرتے تھے۔ اس وقت حفیظ صاحب بھی جلال میں آگئے۔ غلام نبی سے کہا۔ چلو ابھی مراقبہ شروع کرتے ہیں۔ غلام نبی نے علیحدگی میں مراقبہ شروع کیا۔ مشاہدہ ہوتے ہی اس نے کیفیت بیان کرنا شروع کی۔ کہ اس وقت میں نورالدین کو دیکھ رہا ہوں۔ وہ ہنس رہا ہے۔۔۔ ہنسی کا سبب پوچھا تو نورالدین

---

[1] حضرت بل کشمیر میں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موئے مبارک کو ایک عظیم الشان زیارت میں رکھا ہوا ہے۔ اسی نسبت سے اس زیارت کو "حضرت بل" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس زیارت کی تعمیر مغلیہ سلطنت کے شہنشاہ جہانگیر کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس زیارت کی تعمیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہنشاہ جہانگیر کو خواب میں جگہ کی نشاندہی کی۔ کشمیر کے اکثر فقراء۔ اس زیارت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار مشاہدہ کرتے ہیں۔

نے بتایا- میں تمہیں آسان راستہ دکھاتا ہوں- حضرت غوث الاعظمؓ کے دربار چلو- وہاں سے دستگیر صاحب کی سفارش لیں گے- چنانچہ غلام نبی، حفیظ صاحب دربار حضرت غوث الاعظمؓ دستگیر جناب پیرانِ پیر محی الدین رضی اللہ عنہ میں حضرت غوث اعظمؓ کی خدمت میں پیش ہوئے--- سبحان اللہ!-- سلسلہ اویسیہ کی محبوبیت- ایک عظیم خصوصیت ہے- حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ جناب محمد امین رحمت اللہ علیہ کے غلاموں کے ساتھ بھی- آپ کی محبوبیت کے واسطہ سے شفقت کی جاتی ہے- حضور غوث پاکؓ سے اس طرح سوال کرتے ہیں- جیسے ایک لاڈلا بیٹا اپنے شفیق باپ سے اپنی بات منوانے کے لیے ضد کرتا ہے- عرض کی کہ حضور ہماری سفارش اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں فرمائیں- اور ہمارے ساتھ اجلاس میں تشریف لے چلیں- چنانچہ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ قبلہ سخی صاحب- حفیظ- اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوتے ہیں- حضرت غوث پاک عبدالاحد ٹھیکیدار کی درخواست، حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو دے کر فرماتے ہیں کہ درخواست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کریں- حضور ﷺ غوث پاکؓ کو دیکھ کر پدرانہ شفقت و عقیدت سے پیش آتے ہیں- اور درخواست منظور فرماتے ہیں- حضور ﷺ درخواست پر مہر ثبت فرماتے ہیں- مہر پر اَللّٰہُ اَکبَرُ وَلِلّٰہِ الحَمدُ کندہ ہے- حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ درخواست لے کر غوث پاک رضی اللہ عنہ کے پیش کرتے ہیں- آپ بھی دستخط فرما کے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو دے دیتے ہیں- حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ سخی صاحب کے حوالے کر دیتے ہیں- قصہ ختم درخواست منظور ہو گئی--- قبلہ سخی صاحب مسرور ہوئے- حفیظ صاحب کو شاباش دی- عبدالاحد ٹھیکیدار کو خوش خبری سنائی- اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی، وہ قبلہ سخی صاحب کے قدموں میں جھک گیا- ڈونگہ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی- خوب دعوت اڑائی--- رات درگاہ حضرت بل میں قیام کیا- دربار میں حاضری دی- اب فیصلہ ہو چکا تھا- صبح واپس شہر تشریف لائے قبلہ سخی صاحب نے ٹھیکیدار کو ہدایت کی کہ اب دوبارہ چیف کنزرویٹر کو درخواست دو- چیف کے پاس درخواست پیش ہوئی- اس نے درخواست بغیر مطالعہ منظور کر کے عبدالاحد ٹھیکیدار کو بحال کر دیا- اور اس کی رقم ادا کی-

مقام محبوبیت

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- مومن کی دعاء سے قضائے مطلق بھی بدلی جاتی

ہے۔ یہی وہ دعا ہے کہ ولی کی محبوبیت کے وسیلہ سے رد کی ہوئی درخواست کو دوبارہ قبولیت کا درجہ ملتا ہے۔ اس واقعہ کے شاہد ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ یہ واقعہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی علوِ مرتبت کی بین دلیل ہے کہ آپ کے ادنیٰ مریدوں میں یہ خصوصیت بہ واسطۂ محبوبیت حضرت محمد امین صاحب۔۔۔ نسبتِ حضرت محبوب سبحانی، الشیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ۔۔۔ اور نسبتِ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ۔۔۔ پائی جاتی ہے۔ کہ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کے سوال کو رد نہیں کیا جاتا۔۔۔ حضور غوث اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی محبوبیت آپ کے مرتبہ اعلیٰ کی مظہر تھی۔

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے تمام اسرار قدیم کا مشاہدہ و علم دیا۔۔۔ اس مرتبہ اولیٰ کے اعتبار سے ہر ولی پر میری تقلید لازم کی گئی۔ اس مقام ارفع کی خصوصیت میں ہمیں محبوبیت کا مقام عطا ہوا۔ کہ جو کچھ مانگو قبول کیا جائے گا۔

یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم، حضرت محمد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی۔۔۔ اُویسی محبوبیت۔۔۔ قادری محبوبیت کے دونوں واسطوں سے وراثت میں عطا ہوئی ہے۔ جس محبوبیت کے شرف سے آپ کے مریدوں کی بھی دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پذیرائی فرمائی جاتی ہے۔

قرآن نے واضح طور پر اس محبوبیت کا اظہار کیا ہے۔ جس میں کسی لفظی تاویل کی گنجائش نہیں۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ

لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم یہ چاہو کہ اللہ کے نزدیک تم محبوب بن جاؤ۔۔۔ تو ہماری اتباع کرو۔۔۔ اس حال میں کہ ہم اس اتباع کے نتیجہ میں ہر شے سے زیادہ عزیز ہو جائیں۔۔۔ تو اللہ تمہیں اپنا محبوب بنائے گا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ۔

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا۔۔۔ جب تک کہ ہمیں اپنی اولاد۔۔۔ اپنے ماں باپ۔۔۔ اور ہر شے سے زیادہ محبوب نہ رکھے۔۔۔ ظاہر ہوا کہ ایمان کی سند "حُب"۔۔۔ حُبِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے۔۔۔ حُب ایسی جیسے ماں باپ۔۔۔ اولاد۔۔۔ اور دنیا کی ہر عزیز شے کیلئے کی جاتی ہے۔۔۔ یہ حُب عمل نہیں۔۔۔ بلکہ ایک قلبی

جذبہ--- قلبی وجدان ہے۔ جو درد کی صورت رکھتا ہے۔ یہ جذبہ کامل ہو تو انسان اپنی ہر محبوب سے محبوب شے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے پر تیار ہوتا ہے۔ اور جب تک اس قربانی کا مظاہرہ نہ کیا جائے تو حُب کا عملی مظاہرہ بھی کامل نہیں ہو سکتا۔

مدینہ کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے عرض کی--- یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ مدینہ کی سکونت قبول فرمائیں۔ اس وفد میں ایک مدبر شخص نے مدینہ والوں سے کہا--- اے مدینہ والو! سوچ سمجھ کے فیصلہ کرو--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اپنے شہر میں دعوت دینا آسان کام نہیں۔ جان لو! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دینا۔ موت کو دعوت دینا ہے!--- تم اس دعوت سے دنیا کی جابر قوتوں کے ظلم و جبر کا نشانہ بنو گے--- تم مکہ کے قریش کے ظلم و ستم کو دعوت دیتے ہو--- تم دنیا کے مصائب و آلام کو دعوت دیتے ہو۔ تم عرب کے تمام قبیلوں سے دشمنی مول لے رہے ہو--- سوچ لو! اگر تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی میں اتنی قربانی دینے پر تیار ہو۔ تو ثابت قدم رہنا ہو گا۔ ورنہ خاموشی سے اپنے وطن واپس چلے جاؤ--- اس کے جواب میں مدینہ کے لوگوں نے ایک زبان ہو کر کہا--- ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح کی پناہ دینے کے لیے اپنی جان، اپنا مال، اپنی اولاد قربان کرنے پر تیار ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم آخر دم تک اس عہد پر ثابت قدم رہیں گے۔ سبحان اللہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی شخصیت کس طرح دلوں کو مسخر کر لیتی ہے۔ کہ بغیر کسی خوش آئند مستقبل کے تصور کے محض عزت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ میں ابھی سے جانیں دینے پر تیار ہو گئے۔ انہیں نہ حکومت کا تصور ہے۔ نہ ترقیِ منصب کا تصور ہے۔ نہ عیش و امارت کا تصور ہے۔ اگر ہے، تو جانیں قربان کرنے کا تصور۔ ہاں! اللہ تعالیٰ اس عہد پر ہی--- ایسے لوگوں کو اپنی رضا و خوشنودی کی بشارت دیتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ
يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ
وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ
الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ○ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۱)

تحقیق اللہ نے خرید لی مومنوں سے ان کی جانیں، ان کے مال بدلے جنت کے اس لیے کہ--- وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی میں--- بغیر کسی لالچ یا ذاتی منفعت کے حصول کے تصور کے--- محض محبتِ رسول اللہ--- عزتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خاطر--- دشمنوں سے لڑیں گے--- ہاں!--- یہ عمل فی سبیل اللہ ہی ہے۔ وہ اس راہ میں اپنی جانیں۔ مال قربان کریں گے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک موئے مبارک کو آنچ نہ آنے دیں گے--- لوگو!--- اسلام کی جنگ تو اسی نکتہ پر آتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اور جماعت اسلامی) ختم ہوئی تو اسلام کا نام مٹ جائے گا۔! آپ کے دوست آپ کے دشمنوں کو قتل کر ڈالیں گے۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر اٹھائے گا--- اس کی آنکھ نکال دیں گے۔ تو یہ آپ کے جاں نثاروں کو اسی جان نثاری پر بشارت دی جاتی ہے۔ کہ ان کی جان نثاری کے عوض فوز عظیم ہے۔

ذرا دل کی گہرائی سے سوچو۔ ان کا کونسا سوال رد ہو سکتا ہے؟۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس خدائے برتر و عظیم کی عظمت کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے "حُب" رکھنے والا--- اپنی جان و مال۔ اولاد۔ اور دنیا کی ہر نعمت کو قربان کرنے کا جذبہ رکھتا ہے۔ بس اللہ کی یہی مرضی۔ یہی خواہش ہے۔ کیونکہ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو احمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا--- تو مجھے اس کائنات کے بنانے کی خواہش نہ تھی--- یہ سب کچھ نہ بناتا--- صاحبِ دل۔ جن کے سینے نور معرفت سے منور ہیں--- وہ اس کائنات کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہی دیکھتے ہیں۔ وہ بھی تو اسی صورت کی پہچان کرتے ہیں۔ اسی کے عشق میں راتوں کی نیندیں حرام کرتے ہیں-- فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ط-- عشق میں جان بیچ ڈالنا ہی اصل سودا ہے! یہ سودا--- ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کیا--- عمر ابن خطاب رضی اللہ عنہ نے کیا۔ عثمان ذوالنورین ابن عفان رضی اللہ عنہ نے کیا--- علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ نے کیا۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے کیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ نے کیا۔ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا نے کیا--- حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے کیا۔ حضرت محی الدین جیلانی شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ امت کے اولیاء اکرام نے کیا--- ہاں!--- میرا کلام سن کر--- تو کھل کھلا کر ہنستا ہے۔ مضحکہ اڑاتا ہے۔ یہ افسانہ لکھ رہا ہے۔ مگر حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں:

تو بکوری ماندۂ اے بے یقین | زیں سبب حاصل نہ شد حق الیقین
نور مرداں مشرق و مغرب گرفت | تو نہ بینی باش تو بے جان خشت

منکر را ایں چنیں باشد سزا　　　که نه بیند نورِ مرداں از خدا

کیا تو اس قولِ قدسی پر بھی یقین نہیں رکھتا۔ کہ میں مومن کی زبان بنتا ہوں۔ جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ میں[1] مومن کی آنکھ بنتا ہوں۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ میں مومن کے کان بنتا ہوں۔ جس سے وہ سنتا ہے۔ یہ مردِ مومن کا متصف بہ صفات اللہ ہونا نہیں تو کیا ہے۔۔۔یہی تو دستگیر عالم شیخ محی الدین جیلانی فرماتے ہیں۔۔۔

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ　　　وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالِیْ

اللہ تعالیٰ مومن کے ہر سوال کو قبولیت کا درجہ دیتا ہے۔ جو مومن مانگے اقبول ہو گا۔۔۔ نہیں۔۔۔ اسے بہ صفات اللہ کر کے اختیار دیتا ہے۔ جو تو چاہے تجھے قوت بہ صفات اللہ۔۔۔ میں خود دیتا ہوں۔ تو کرنے پر قدرت رکھ سکتا ہے۔ یہی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمائے امت نائب رسول ﷺ کی ہوتی ہے۔۔۔ یہ شان بوسیلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ بواسطہ حضرت غوث اعظم دستگیر رضی اللہ عنہ۔ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی محبوبیت کے واسطہ سے قادری۔۔۔ اویسی سلسلہ کے اولیاء کو وراثت میں ملتی ہے۔ یہی خصوصیت محبوبیت حضور انور۔ حضور محمد امین صاحب قطب الاقطاب وارث سلسلہ اویسیہ کی ذات گرامی کو ورثہ میں عنایت ہوئی۔ یہ کہ آپ کے ادنیٰ مریدوں کے بھی سوال رد نہیں کئے جاتے۔

قلم اٹھا کر، کاغذ پر لکھنا آسان کام ہے۔۔۔ ایسے ہی۔ محققین۔ منکرین۔ مجتہدین۔ مفسرین بھی قلم اٹھا کر حقائق بیان کرتے ہیں۔۔۔ انسانی زندگی کے ضابطے مرتب کرتے ہیں۔۔۔ تفسیریں لکھتے ہیں۔ ترجمے لکھتے ہیں۔۔۔ یہ تمام حقائق انسان کی راہنمائی۔۔۔ اور حق کی طرف صحیح سمت کی نشاندہی کے لیے مرتب کئے جاتے ہیں۔۔۔ لہذا ہر مصنف اپنی تحریر میں صحیح تصور دینے یا غلط تصور دینے کے لیے بہر حال اللہ کے نزدیک ذمہ دار ہو گا۔ قلم اٹھا کر افسانہ لکھنا آسان کام نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہم پر جھوٹ بولے، وہ ہم سے نہیں۔۔۔ اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ لہذا حقائق کو افسانوی رنگ میں پیش کرنا۔۔۔ کوئی سمجھے اس کی ذات کے خسران کا سبب ہو گا۔۔۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح کے متعلق جو کچھ بیان ہوتا ہے۔ اسی اصول اور نظریہ کے تابع تحریر میں لایا جاتا ہے۔ ان واقعات میں مبالغہ آمیزی کو دخل نہیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہیں۔ یہ چند واقعات جو عام

---

[1] سَمْعَهُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِهٖ بَصَرَهُ الَّذِیْ یُبْصِرُ بِهٖ

عقول کی فہم کے مطابق تحریر میں لائے جاتے ہیں- ورنہ ایسے بھی واقعات مشاہدے میں آئے ہیں- حضور کے مریدوں کو عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْل کی صفات کے مطابق--- وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ کی صفات سے متصف ہیں- کہ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی محبوبیت کے وسیلہ سے موت میں داخل ہوئے بیماروں کو اللہ تعالیٰ نے دوبارہ زندگی عطا کی--- یہ صرف ایک اشارہ ہے- تفصیلی واقعات بیان کرنے کا یہاں موقع نہیں- حالانکہ ایسے واقعات بھی ناسوتی کرامات سے تعلق رکھتے ہیں مگر قارئین عام حیثیت میں ایسے واقعات سننے کے متحمل نہیں-

راجہ علی اکبر خان اور اس کے خاندان کی عجیب کہانی
(نورالدین کی زبانی)

غالباً یہ ۱۹۴۳ء کا زمانہ تھا- حضور قبلہ عالم سری نگر تشریف لائے ہیں- سردیوں کا آغاز ہو رہا تھا--- ان دنوں میرا کاروبار مندا تھا- میں حضور رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا--- میرے ہاتھ میں ایک گاہک کے شمعدان تھے- پوچھا یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟- میں نے عرض کی کسی گاہک نے پالش کرنے کے لیئے دیئے تھے- گاہک اجرت نہیں دے رہا- آجکل کام بھی تھوڑا ہے- فرمانے لگے نورالدین! ابھی تم ان جھگڑوں میں الجھے ہوئے ہو--- دیکھو!--- ان فکروں سے ذہن کو خالی کرو--- چھوڑو ان کھلونوں کو--- چلے جاؤ مظفر آباد اپنے دوست کے پاس-- سردیاں وہیں گذارو- اور کثرت سے درود جاری رکھو- بظاہر ایسے موقع پر- مظفر آباد دوست کے گھر جانے کا ذکر چھیڑنا بے محل بات تھی- یا ایسا خیال آنا بھی بے محل تھا- لیکن حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے ایسے موقع پر مجھے مظفر آباد جانے کا مشورہ دیا--- اس سے پیشتر بھی میں کبھی سردیوں میں اپنے دوست راجہ محمد لطیف خان صاحب کے گھر جاتا رہا--- راجہ محمد لطیف خان صاحب میرے قریبی دوست تھے- آپ راجہ علی اکبر خان صاحب جاگیردار علاقہ چکار (مظفر آباد) کے فرزند تھے- آپ وسیع زمینوں کے مالک تھے- آپ امیرانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے- گھر میں راگ ورنگ، عیش پرستی میں شراب کا بھی دور رہتا تھا- راجہ صاحب بھی شراب اور گانے کے بے حد شائق تھے- یہاں نماز روزے کی پابندی نہ تھی- البتہ خود راجہ علی اکبر خان صاحب نماز بھی ادا کرتے تھے- گر موقع میسر ہوا--- تو شراب نوشی بھی کرتے--- ویسے ظاہراً اہل حدیث مسلک کے حامی تھے- لیکن طریقت سے بھی لگاؤ تھا- آپ کا سارا خاندان قدیمی حضرت

فقیر اللہ بکوئی کے مریدوں میں تھا۔ ان کے بے حد معتقد بھی تھے۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کو اس تعلق کا علم نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ ایک زمانہ میں جب حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ۔ قبلہ سخی صاحب۔ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے سلسلہ میں خان پور ٹیکسلا قافلہ کو دیکھنے تشریف لے گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ واپسی پر جب ہم شاہراہ کشمیر پر مظفر آباد سے تقریباً بیس میل آگے نکل آئے۔ یہاں سے راجہ محمد لطیف خان صاحب کا گاؤں موضع اسلام آباد سامنے نظر آتا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں نے قبلہ سخی صاحب کو گاؤں کی طرف اشارہ کر کے بتایا۔ یہاں میرے دوست راجہ محمد لطیف خان صاحب رہتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے بھی میری بات سنی آپ نے بھی اوپر گاؤں کی طرف نگاہ اٹھائی۔ سخی صاحب بھی دیکھنے لگے۔ پھر دونوں حضرات نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تبسم فرمایا۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اچھا۔ یہاں تمہارا دوست رہتا ہے؟--- میں نے اثبات میں جواب دیا۔ گاڑی آگے نکل گئی--- بس--- بات آئی گئی ہو گئی۔ حضور نے مزید استفسار نہ فرمایا۔ بس اتنا حضور کو معلوم تھا۔ لیکن اس موقع پر حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے زور دے کر فرمایا--- جاؤ اپنے دوست کے پاس مظفر آباد چلے جاؤ۔ اور کثرت سے درود شریف پڑھتے رہو۔ حضور کا فرمان سن کر میں خاموش رہا--- دراصل میں عرصہ تین سال سے راجہ صاحب کے گھر نہیں گیا۔ میں نے ان سے قطع تعلق کیا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ میں اس زمانہ میں حضور سے بیعت ہو چکا تھا--- بیعت سے قبل میں راجہ صاحب کے گھر جاتا رہا۔ ان کے ماحول میں میں بھی شامل تھا۔ مگر اللہ کا فضل تھا کہ باوجود شریک محفل رہنے کے میں شراب نوشی سے محفوظ رہا۔ وہاں تمام رات گانا بجانا ہوتا--- شراب پی جاتی--- لیکن میں شراب کے قریب نہ جاتا--- اکثر ایسا ہو جاتا کہ کھانا کھانے کے بعد تاش کھیلنا شروع کر دیتے۔ اور اس قدر مشغول ہو جاتے کہ صبح ہو جاتی۔ ہمیں اس وقت معلوم ہوتا جب نماز کے وقت راجہ علی اکبر خان صاحب نماز کے لیے باہر نکلتے کہ صبح ہو گئی۔ دن کا بھی یہی حال تھا۔ کہ میں اکثر شرارتیں کرتا۔ یہی ہمارا دن رات کا مشغلہ رہتا۔ اللہ نے کرم فرمایا۔ میں حضور سے بیعت ہوا--- بیعت کے بعد ایک بار میں راجہ صاحب کے گھر گیا۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب کی یہ حالت تھی کہ سوائے راگ و رنگ اور شراب کے اور کوئی کام نہ تھا۔ تعلیم یافتہ تھے۔ دسویں جماعت تک ہم اکٹھے سکول جاتے رہے۔ سکول کے زمانہ میں میری ان سے گہری دوستی ہوئی--- اب یہ حالت تھی کہ دین سے سخت متنفر تھے۔ اللہ و رسول ﷺ کا احترام دل سے مٹ چکا تھا۔ دہریہ قسم کا عقیدہ ہو چکا تھا۔ اور شہر کے بے دین اور دہریہ

قسم کے عیاش لوگوں کی صحبت میں رہتے تھے۔ دوران گفتگو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا ذکر ہوا۔ راجہ صاحب حضرت غوث الاعظمؒ کی ذات کو بھی گالیاں دیتے تھے۔ آپ نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی شان میں سخت الفاظ کہے۔ دوسرے دن میں ان سے ناراض ہو کر واپس گھر آگیا۔ اور عہد کیا کہ اب کبھی ان کے گھر نہ جاؤں گا۔ میں تذبذب میں تھا کہ ایسی حالت میں، میں حضور کے حکم کی کیسے تعمیل کروں، مجبور تھا۔ بہ امر مجبوری فیصلہ کیا کہ ہر حال میں حضور کے حکم کی تعمیل کروں گا۔ چنانچہ حضور قبلہ گھر تشریف لے گئے۔ میں نے دوسرے دن مظفر آباد جانے کا پروگرام بنایا۔۔۔ یہ زمانہ تھا کہ میں تنگدستی کی حالت میں تھا۔ کچھ روپے کرایہ کے جمع کئے۔ عجیب اتفاق ہوا۔ صبح میں نے مظفر آباد جانے کا فیصلہ کیا۔ اچانک رات اتنی برف باری ہوئی کہ راولپنڈی کشمیر کا راستہ بند ہو گیا۔ میں جا نہ سکا۔۔۔ کچھ دن بعد پیسے بھی خرچ ہو گئے۔ دل میں فکر تھا۔ کہ میں مظفر آباد جانے سے رہ نہ جاؤں۔ پھر کچھ روپے جمع کئے۔ اور پھر جانے کی تیاری کی اور پھر ایسا ہوا کہ رات شدید برفباری ہوئی۔ اور پھر راستہ بند ہو گیا۔ تین بار ایسا ہی ہوا۔ اور میں مظفر آباد نہ جا سکا۔۔۔ وقت گذر گیا۔ بہار آگئی۔ اور میں مہاراجہ ہری سنگھ کے محل میں کام پر لگ گیا۔ یہاں تک کہ پھر سردیوں کا آغاز ہوا۔ پیلس میں کام ختم ہو گیا۔ اور پھر ایک دن حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ شہر تشریف لائے۔ ان دنوں میرا کام بھی مندا تھا۔ حضورؒ، محمد حنیف صاحب کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ کافی لوگ مجلس میں حاضر تھے۔ قبلہ سخی صاحب بھی حضورؒ کی خدمت میں حاضر تھے۔۔۔ حضورؒ نے مجھ سے پوچھا۔ نورالدین کیا حال ہے تمہارا؟۔۔ میں نے عرض کی آج کل تنگ دستی ہے۔ فرمانے لگے تمہیں تنگ دستی رہے گی۔ تم دنیا نہیں چھوڑتے۔ تمہیں سزا ملی ہے۔۔۔ میں سخت پریشان ہوا۔ کہ مجھ سے کیا قصور ہوا۔ حالانکہ ایک سال کے قریب وقت گذر گیا۔ حضور کئی بار شہر تشریف لائے۔ اس دوران آپ نے کبھی مجھ سے مظفر آباد جانے کے متعلق نہ پوچھا۔ یہ حضور کی عادت شریفہ میں تھا۔ کہ وہ کسی مرید کی کوتاہی پر اسے تنبیہ نہ فرماتے۔ آج اچانک مجھ پر اظہار ناراضگی فرمایا۔۔۔ فرمانے لگے ہم نے تمہیں مظفر آباد جانے کا حکم دیا تھا۔ تم نے حکم عدولی کی۔ اس وقت مجھے اپنی کوتاہی کا احساس ہوا۔ میں نے گذشتہ سال کا واقعہ بیان کیا۔ کہ میں کئی بار جانے کے لیے تیار ہوا مگر برفباری سے راستہ بند ہوتا رہا۔ فرمانے لگے۔ "حکم" "حکم ہے۔ حکم کی تعمیل ضروری ہے۔ تعمیل میں آسائش نہیں۔ بلکہ آزمائش ہوتی ہے۔۔۔ "تمہیں برف پر پیدل چل کر جانا چاہیے تھا۔" یہ حضور کے واضح الفاظ تھے جو میں کبھی نہ بھول سکا۔ یقین جانیں۔۔۔ جیسے مجھے حکمت کی تفہیم

کتابوں کا مطالعہ ہوا۔ آپ کی آواز میں برقی رَو تھی۔ جو میری رگ رگ میں دوڑ گئی۔ سمجھ میں آیا کہ پیر سے نسبت میں ایک قلبی جذبہ اصل شے ہے جو تکمیل احکام میں محرک ہوتا ہے۔ فرمایا "ابھی تعمیل حکم میں، جذبہ کی کمی ہے"۔ حقیقتاً یہ جذبہ نہ ہو--- تو ہر حکم۔ خواہ قرآن سے ہو--- خواہ حدیث سے ہو--- خواہ پیر اکمل سے ہو--- انسان غفلت و کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی مقام ہے۔ جہاں طالبِ حق کے قلب کا معائنہ ہوتا ہے کہ آیا یہ شخص حقیقی جذبہ رکھتا ہے۔ یا شوقیہ خواہش کرتا ہے۔ جو چند دن کی نفسانی لذت لے کر۔ حق سے دور بھاگتا ہے۔ یہ جذبہ کیا ہے؟۔ "حُب"۔

بہرحال میں نے معافی طلب کی۔ اور ہر حال میں مظفر آباد جانے کا ارادہ مستحکم کر لیا۔-- لیکن ذہن میں یہ بات تھی کہ حضور میری تنگ دستی کے مدنظر مجھے وقت گذارنے کے لیے مظفر آباد جانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ حضور قبلہ عالمؒ واپس گھر تشریف لے گئے۔ دوسرے دن میں مظفر آباد جانے کے لئے تیار ہو گیا۔ راستہ صاف تھا۔ کوئی دقت پیش نہ آئی۔ صبح گھر سے نکلا۔ دوپہر کے قریب میں راجہ محمد لطیف خان صاحب کے گھر پہنچا۔-- سیدھا کمرے میں داخل ہوا۔ آپ بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ میں بستر کے قریب کھڑا ہو گیا۔ یہ تاثر تھا کہ راجہ صاحب گہری نیند سے اچھل کر بیٹھ گئے۔ مجھ کو سامنے دیکھ کر بغلگیر ہو گئے۔ انہیں میری موجودگی سے، انتہائی خوشی ہوئی۔ خوشی کے عالم میں دوڑ کر اندرونِ خانہ چلے گئے۔ "نورالدین آگیا"۔ گھر کے سب لوگ باہر آئے اور سب خوش ہو ہو کر ملے۔ آج تین سال کے بعد ان کے گھر آیا تھا۔ راجہ صاحب نے شکایت کی کہ تم ناراض ہو کر چلے گئے۔ اور مجھ سے تعلق قطع کر دیا۔ رات کھانا کھانے کے بعد آپس کی گفتگو ہوئی۔ طویل عرصہ کی وارداتوں کا تذکرہ ہوا۔ کہنے لگے میں نے سنا تھا۔ کہ تم فقیر ہو گئے ہو۔ شاید دنیا سے لاتعلق ہو گئے ہو۔ اس لیے مجھ سے بھی لاتعلق ہو گئے۔ مجھے تمہاری جدائی کا سخت صدمہ رہا۔ میں عیش میں رہا۔ مگر تمہاری کمی ہمیشہ محسوس کرتا رہا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں میری سخت کلامی سے دکھ ہوا۔-- لیکن اس میں میرا کچھ قصور نہ تھا۔ وقت اور زمانہ کے حالات کا تقاضا تھا کہ مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہوئی۔ میرا دل تمہاری محبت سے خالی نہ تھا۔ زمانہ کے حالات نے مجھے اور بھی دین اور دنیا سے متنفر کر دیا۔ اب زمانہ ہے کہ مجھ پر حد درجہ مایوسی طاری ہے۔ میں بے بس ہو چکا ہوں۔ آج میرا دل کہتا ہے کہ میرا ساتھی شاید میرے لیے امید کا سہارا لے کر آیا ہے۔ اب میں محتاط رہوں گا۔ آئندہ، میری کسی بات سے تمہیں دکھ نہ پہنچے گا۔ آج مجھے میرا دوست مل گیا۔ اب اپنے حالات سناؤ۔ کہ تم پر کیا گذری۔-- میں نے بھی اپنے حالات

مکمل کر سنائے۔ گھر سے روانہ ہونے پر میرا خیال تھا۔ کہ راجہ صاحب بے حد شراب نوشی کرتے ہیں۔ رات دن شراب میں مست رہتے ہیں۔ گھر میں ہر وقت طبلہ سارنگی اور گانے کا چرچا رہتا ہے۔ میں جاؤں گا تو خفیہ طور پر۔ نماز درُود جاری رکھوں گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ راجہ صاحب پیر حضورؒ کے خلاف کوئی غلط بات کہیں۔ تو یہ امر میرے لیے بھی پریشانی کا سبب بنے گا۔ انہیں قدرت نے ایک شدید ابتلا میں گرفتار کر رکھا تھا۔ میری موجودگی میں ان کے چچا، چچی نے انہیں رشتہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان کے خاندان میں آپس میں شدید مخالفت رہتی یہاں تک کہ ایک دوسرے کے قتل پر آمادہ رہتے۔ راجہ محمد لطیف خان مدبر شخص تھا۔ چچا نے محض خانگی اختلافات دور ہونے کے خیال سے رشتہ دینا منظور کیا۔ بات طے ہو گئی۔ مگر میرے جانے کے بعد ان کے اختلافات اور شدید ہو گئے۔ ادھر راجہ صاحب اور ان کی منگیتر کے درمیان محبت کی حد تک تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔ فساد کی وجہ سے یہ رشتہ ٹوٹ گیا۔ چچا۔ چچی نے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ اور لڑکی نے بھی اپنی طرف سے انکار کر دیا۔ یہ واقعہ راجہ صاحب کے لیے پریشانی کا سبب بنا۔ یہاں تک کہ خاندان کا ہر فرد ان کے خلاف ہو گیا۔ انسان کتنا طاقتور ہو۔ اور کتنی ہی غالب قوت کا مالک ہو اگر عقلمندی سے کام نہ لے۔ تو فرعون بن جاتا ہے۔ اور وہ ایک عظیم و غالب قوت والے قادرِ مطلق کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ یہ محض انسان کی بھول اور نادانی ہے۔ کہ وہ اپنی پیدائش، اپنی ہیئت و ساخت کو ذہن میں نہیں رکھتا کہ انسان باوجود غلبہ کے تخلیقی اعتبار سے۔ اپنی بقا و دوام میں محتاج رہتا ہے۔ قدرت کے بنائے ہوئے حادثات۔ بیماری۔ صحت۔ موت اور بیرونی حادثات اُسکے حدِ اختیار سے باہر ہیں اور وہ خود کو ان حادثات سے بچانے کی قوت نہیں رکھتا۔ انسان خود کو بھول جاتا ہے۔ اور بھولنے کی کوشش کرتا ہے۔ عقلمندی کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی بے بسی پر نظر رکھ کر خود کو نہ بھولے۔ کہ وہ ایک معمولی سے دردِ شکم سے تڑپ تڑپ کر سر پٹخنا شروع کر دے گا۔ اس حال میں کہ وہ اس عذاب سے خود کو نجات دلانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ بہتر ہے کہ انسان اپنی صحت و توانائی، اپنے غلبہ و اقتدار کو حدِ اعتدال میں رکھ کر انہیں خیر کے لئے استعمال کرے۔ اور ان قوتوں کے خالق کو پہچان کر اسکے آگے عجز پیش کرے۔ راجہ صاحب نے میرے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔ اور مجھ سے مدد کے طلب گار ہوئے کہ تم فقیر ہو گئے ہو۔۔۔ میرے لیے دعا کرو۔۔۔ میرا تو زمین کا ذرہ ذرہ مخالف ہو گیا ہے۔ تمہارے آنے سے میری امید بندھتی نظر آ رہی ہے۔ لطیف صاحب کے الفاظ سن کر مجھے گونہ اطمینان ہوا۔ کہ مجھے اپنے عمل میں کسی قسم کی دقت پیش نہ آئے گی۔ میں نے انہیں

تسلی دی۔ اور پھر ایسے موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے ہر طرح کی مدد کا وعدہ دیا۔ میں نے کہا کہ میں تمہاری کامیابی کی ضمانت دیتا ہوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آج سے باغیانہ تصورات سے ذہن کو خالی کر کے نماز شروع کریں۔ ایک آرام طلب نازوں میں پلے ہوئے جاگیردار لڑکے سے نماز درود پڑھنے کا بوجھ برداشت کرنا مشکل تصور ہوتا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ کل سے غسل کر کے پاک کپڑے پہن کر نماز کے ساتھ ایک سو ایک بار درود شریف بھی پڑھیں۔ آپ نے میری بات مان لی۔۔۔ دوسرے دن علی الصبح غسل کیا۔ کپڑے بدلے اور صبح ہی سے نماز شروع کر دی۔ دن میں درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ رات عشا کی نماز کے بعد میں نے انہیں مراقبہ میں بٹھایا۔ قدرت خدا کی مراقبہ کے ساتھ ہی کیفیات آنے لگیں۔ کہنے لگے مجھے ایک پھولوں کا خوبصورت گلدستہ نظر آرہا ہے۔ اس کے گرد نور بھی نظر آرہا ہے۔ میں نے اندازہ کیا کہ مشاہدہ صحیح ہے۔ دوسرے دن راجہ صاحب نے گیارہ سو سے زیادہ درود شریف پڑھا۔ بعد عشاء پھر میں نے انہیں مراقبہ میں بٹھایا۔ تو انہیں روضہ شریف صاف نظر آرہا تھا۔ کچھ دیر بعد کہنے لگے۔ حضرت صاحب بکوٹ شریف والے، اور ان کے ساتھ ایک اور بزرگ ہیں۔ مجھے روضہ شریف میں اندر لے جا رہے ہیں۔ اندر پہنچ کر انہوں نے مجھے تخت نشین ہستی کے روبرو پیش کیا۔ میں نے انہیں وضاحت کر دی دوسری ہستی قبلہ پیر صاحب ہیں۔ اور تخت نشین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ راجہ صاحب نے دل سے تصدیق کی کہ واقعی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر رہا ہوں۔ آدمی سمجھدار تھا۔ اور محقق بھی۔ یقین کر لیا کہ میں حقیقت کا مشاہدہ کر رہا ہوں۔۔۔ اس یقین کے ساتھ ان کے دل میں میرے لیے دوستی کی بے تکلفی سے بڑھ کر عزت کا جذبہ پیدا ہوا۔ مجھے کہنے لگے۔ میرے رشتہ کے متعلق بھی دعا کریں۔ میں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن چاشت کے وقت راجہ صاحب کو مراقبہ میں بٹھا کر کہا۔ کہ اب آپ خود اپنا معاملہ حضور قبلہ عالم کے پیش کریں۔ راجہ صاحب نے مراقبہ شروع کیا۔ تو سیدھا اجلاس میں پہنچے اور اجلاس محمدی ﷺ کی پوری کیفیت بیان کی۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے دائیں طرف کرسی نشین پایا۔ آپ نے ان کے سامنے پیش ہو کر اپنے رشتہ کے متعلق عرض کی۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ تمہاری کامیابی لکھ دی گئی۔۔۔ میں راجہ صاحب کو ساتھ ساتھ ہدایت دیتا رہا۔ حضورؒ سے عرض کریں کہ دل کی تسلی کے لیے آج مجھے لڑکی کی طرف سے خط ملنا چاہیے۔ حضور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ایسا ہی ہو گا۔ بعد دوپہر راجہ صاحب میں شدت سے بے چینی پیدا ہو گئی۔ کہ کیا جس مسئلہ میں قوم کا ہر فرد

لڑکی کے والدین، خود لڑکی قطعی انکار کر چکے ہوں، یہ ممکن ہے کہ وہ خود مجھے دوبارہ دعوت دیں۔ اس پر ستم یہ کہ راجہ محمد لطیف خان صاحب کے والد سخت جابر قسم کے آدمی تھے۔ وہ خاندانی عداوت کی وجہ سے اس رشتہ کے شدید مخالف تھے۔ قسم کھار کھی تھی کہ ہم یہ رشتہ ہرگز نہ ہونے دیں گے۔ ایسے مایوسی کے عالم میں جب انہیں یقین کا سہارا ملا۔۔۔ تو وہ بار بار پہاڑ کی چوٹی کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھتے۔ جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ ان کی بے چینی بڑھنے لگی۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ کہ اچانک راجہ صاحب خوشی سے اچھل پڑے۔ کہنے لگے یقیناً خط آرہا ہے۔ انہوں نے اپنے دیرینہ قاصد کو پہچان لیا۔ قاصد سیدھا راجہ صاحب کے پاس آیا۔ اور لڑکی کی طرف سے انہیں خط حوالے کیا۔۔۔ کھولا تو اس میں وہی کچھ تحریر تھا۔ جس کی حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے یقین دہانی کرائی تھی۔

یہ واقعہ راجہ محمد لطیف خان صاحب کے قلب و ذہن میں یکسر تبدیلی کرنے کے لیے کافی تھا۔ حد درجہ خوش ہوئے اور میرے ہاتھ چومنے لگے۔۔۔ اب ان کی یہ حالت تھی، کہاں وہ مجھے "تو" کہہ کر پکارتے تھے۔ اب تکلف برطرف آپ میری طرف پیٹھ کرنا گوارہ نہ کرتے۔۔۔ بڑے احترام کے ساتھ نورالدین صاحب کہہ کر کلام کرنے لگے۔۔۔ آپ کی ہمشیرہ گلنساء بیگم عرصہ سے ہسٹیریا کے مرض میں مبتلا تھی۔ اس سے قبل ان کی ایک ہمشیرہ اسی مرض میں وفات پا چکی تھیں۔ گلنساء بیگم کا مرض بھی شدید ہو چکا تھا۔۔۔ رات دن ان پر غشی کے دورے پڑتے۔ تمام رات ان کے پاس نگرانی کیلئے آدمی بیٹھے رہتے۔ کہ اچانک ان پر کوئی حادثہ طاری نہ ہو۔۔۔ راجہ صاحب نے ہمشیرہ سے کہا کہ نورالدین صاحب فقیر ہیں۔ ان سے دعا کراؤں گا تم ٹھیک ہو جاؤ گی۔ اس نے جواب دیا۔ میں نورالدین کو اچھی طرح جانتی ہوں ہر وقت سینما گھروں میں پھرتا تھا۔ یہاں بھی مجھے پتہ ہے۔ کیا شرارتیں کرتا تھا۔ راجہ صاحب نے فوراً منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایسا نہ کہو۔ واقعی وہ فقیر ہیں میں ان سے تمہارے لیے دعا کراؤنگا۔ تم ان کی شان میں اب ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالو۔ راجہ صاحب نے میرے سامنے ہمشیرہ کی تکلیف کا ذکر کیا۔ میں گذشتہ آٹھ نو سال سے ان کے گھر آتا رہتا تھا۔ دوستی کی وجہ سے میں ان کے گھر کا ایک فرد بن چکا تھا۔ میری عمر اس وقت تیرہ چودہ سال کی تھی۔ گھر میں مجھ پر پردے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ لطیف صاحب کی تبدیلی دیکھ کر گھر کا ہر فرد مجھ سے متاثر تھا۔ مگر گلنساء بیگم کو مجھ پر یقین نہ تھا۔ میں نے راجہ صاحب کو چند تعویذ لکھ کر دیئے۔ کہ ہمشیرہ کو پلا دیں۔ ساتھ درود شریف لکھ کر دیا۔ کہ اسے یاد کرا کر کہیں کہ ایک سو بار روزانہ پڑھیں۔ لیکن گلنساء بیگم نے کچھ توجہ نہ دی۔ گھر میں میرے

متعلق باتیں سن کر اسے خیال آیا۔ کہ چلو آزما کر دیکھیں۔ (اپنی زبانی خود بیان کیا) ارادہ کیا۔ کہ اگر آج رات مجھے دورہ نہ پڑا اور میں سو گئی تو پھر یقین کر لوں گی۔ رات کھانا کھانے کے بعد اسی خیال سے بستر پر لیٹ گئی۔ اور بے ہوش ہو گئی۔ آنکھ کھلی تو صبح ہو چکی تھی۔ دل میں خوشی اور تعجب کے ملے جلے اثرات پیدا ہوئے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ مجھے رات سونا نصیب ہو گا۔ دوسرے دن پھر اسی خیال سے بستر پر لیٹ گئی۔ اور بغیر کسی دورے کے رات آرام سے سوتی رہی۔ مگر اس رات اس نے خواب دیکھا۔ کہ میں اس کے سر پر پٹی باندھ دیتا ہوں۔۔۔ صبح اٹھی تو وہ شک کا شکار ہو گئی۔ خیال گذرا کہ یہ تو شریعت کے خلاف ہے کہ بالغ لڑکی کے سر پر پٹی باندھنا غیر مرد کے ہاتھوں جائز نہیں۔ شاید یہ کوئی شعبدہ بازی کا چکر ہو گا۔ دن اسی تذبذب میں گذرا۔۔۔ لڑکی سنجیدہ اور سمجھ دار تھی۔ خیال گذرا کہ درود شریف یا نماز پڑھنا شعبدہ بازی سے تعلق نہیں رکھتا۔ لہذا فیصلہ کیا۔ کہ آج رات درود شریف پڑھ کر دیکھتی ہوں کیا واقعات سامنے آتے ہیں۔

ان چند دنوں میں راجہ محمد لطیف خان صاحب میری بے حد عزت کرنے لگے۔ اور مراقبہ میں انہیں مسلسل مشاہدات ہوتے رہے۔ ان کے تین اور بھائی تھے۔ راجہ علی اصغر خان بڑے بھائی تھے۔ چھوٹے بھائی راجہ عبدالرشید خان۔ ان سے چھوٹا راجہ عبدالحمید خان۔۔۔ راجہ اصغر خاں۔ عبدالرشید خان بھی پیشتر میرے حالات سے واقف تھے۔ وہ میری شخصیت کو دیکھ کر یقین کرنے کو تیار نہ تھے۔ بلکہ مخالفت پر اتر آئے۔ اور بات بات پر نکتہ چینی شروع کر دی۔۔۔ شام کا وقت تھا ہم لوگ راجہ محمد لطیف خان صاحب کے کمرے میں حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق ذکر کر رہے تھے۔ اتنے میں راجہ اصغر خان گھبرائے ہوئے اندر کمرے میں داخل ہوئے۔۔۔ کہا کہ گلنساء بیگم پر دورہ پڑ گیا۔ وہ زمین پر لیٹی ہے۔ اور نورالدین کو بلا رہی ہے۔ سب لوگ گھبرا گئے۔ میں نے سب کو تسلی دی۔ اور سیدھا گلنساء بیگم کے کمرے میں پہنچا۔ دیکھا وہ جائے نماز پر سجدے کی حالت میں پڑی ہے۔ میں نے آواز دی تو اس نے جواب دیا۔ میں سمجھا یہ غشی کا عالم نہیں، مراقبہ کی حالت ہے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہے؟۔۔۔ کہنے لگی میں نے ابھی درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ ساتھ ہی مجھے دورہ پڑا۔ میں اس وقت ایک آدمی کو دیکھ رہی ہوں۔ جو میرے سامنے کھڑے ہیں۔ ان کی جلالی ہیبت دیکھ کر مجھ پر لرزا طاری ہو رہا ہے۔ اب میں نہ سر اٹھا سکتی ہوں نہ یہ نظر سے اوجھل ہو رہے ہیں۔ میں سخت خوف زدہ ہوں۔ میں نے حلیہ پوچھا۔ تو اس نے حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کا حلیہ بیان کیا۔ میں نے اسے تسلی دی کہ دورہ نہیں۔ تم ٹھیک ہو گھبراؤ

نہیں۔ ساتھ ہی اپنا تصور بھی دیا۔ کہنے لگی تم بھی ان کے ساتھ ہو۔ میں نے تسلی دی اور کہا یہ میرے پیر صاحب ہیں۔ جہاں یہ جائیں تم ان کے ساتھ چلو۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ اسے روضہ مدینہ شریف میں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے۔ گلنساء نے مسلسل مشاہدات بتانے شروع کئے۔ اجلاس کی صحیح کیفیت بتائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاباش دی۔ کلام فرمایا۔۔۔ اس کے ساتھ ہی بعض غیر واقف ہستیاں اجلاس میں تشریف لائیں۔ ہر ایک اسے ملا اور مرحبا کہا۔ میں نے ساتھ ہی کہا کہ ان سے تعارف پوچھو تو ہر ایک ملنے والی ہستی نے اپنا تعارف کرایا۔ پہلے حضرت اویس قرنیؓ سے ملاقات ہوئی پھر حضرت آدم علیہ السلام سے تعارف ہوا۔ پھر حضرت یعقوب علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ اور بھی کئی ہستیاں اجلاس میں تشریف لائیں۔ سب نے اپنا اسم مبارک بتایا۔ اور مرحبا فرمائی۔ گلنساء بیگم میری ہدایت کے مطابق ہر کیفیت مشاہدہ کی بتاتی رہی۔ مشاہدہ دیر تک رہا۔ سجدے میں رہنے کی وجہ سے کہنے لگی۔ اب میں بہت تھک گئی ہوں۔ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہو کر عرض کرو کہ میرا یہاں تک مشاہدہ ہمیشہ جاری رہنا چاہیے۔ حضور ﷺ نے نہایت شفقت و پیار سے فرمایا۔ جب چاہو۔ یہاں تک مشاہدہ جاری رہے گا۔ تو میں نے سجدہ سے سر اٹھانے کو کہا۔ وہ مجھے اپنے قریب دیکھ کر حیران رہ گئی۔ کہ اس نے مجھے باطن میں، باطنی لباس میں دیکھا۔ اور یہاں میں اس کے سامنے سادہ لباس میں بیٹھا ہوں۔۔۔ تین سال کا عرصہ گذر چکا تھا۔ اس وقت میری کچھ اور ہیئت تھی۔ اور وہ مجھے کسی اور ہیئت میں دیکھتی رہی۔ اور اس کے سامنے وہی پرانا نورالدین بیٹھا ہے۔ وہ مجھے گھور گھور کر دیکھتی رہی۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے۔ اب تو تم ہوش میں ہو۔ خاموش ہو کر سر جھکا لیا۔ کچھ نہ کہہ سکی۔۔۔ کیوں کہ اب اسے اپنی خواب کی حقیقی تعبیر مل چکی تھی۔ اور اب مطمئن ہو چکی تھی۔ رات اس کی آرام و سکون سے گذری۔۔۔ غشی کے دورے ختم ہو گئے۔ وہ صحت مند ہو چکی تھی۔ یہ واقعہ تمام گھر والوں کے لئے ایک معجزہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ کہ جس لڑکی کی زندگی کی امید وہ کھو چکے تھے۔ ان کے سامنے صحت مند حالت میں ہنسی خوشی پھر رہی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ ان دنوں میں حضور قبلہ عالمؒ کی صفات کا ذکر کرتا تھا اور وہ سب۔۔۔ حضور قبلہ عالمؒ کے دیدار کے لئے بے چین ہو رہے تھے کہ کسی طرح حضورؒ سے ان کی ملاقات ہو۔ اس گھر میں علی اصغر خان، عبدالرشید خان نے اس حال میں بھی اپنا رویہ نہ

بدلا--- راجہ علی اکبر خان صاحب تک واقعات پہنچتے رہے--- لیکن انہوں نے بھی ان واقعات سے کوئی تاثر قبول نہ کیا- ان تین ہستیوں کے سوا باقی گھر کے سب عورتوں، بچوں نے نماز- اور درود شریف پڑھنے پر توجہ دینا شروع کی- ان کا تیسرا بھائی عبدالمجید خان گھر پر موجود نہ تھا- وہ اکثر گھر سے باہر رہتا- ایک دن اچانک وہ گھر آیا- میں راجہ صاحب کے کمرے کے باہر برآمدہ میں بیٹھا ہوا تھا- سامنے سے گذرا میں نے اس کے آتے ہی کہا--- "کافانی آگیا"--- وہ گھبرایا اور سیدھا اندر چلا گیا- تھوڑی دیر بعد گلنساء بیگم نے کاغذ کے پرچہ پر لکھ کر بھیجا- میں نے حمید کو تمام واقعات بتا دیئے ہیں- وہ آپ سے خوف زدہ ہے- آپ کے سامنے آنے کی جرات نہیں کرتا- اسے تسلی دیں--- حمید خان بھی باہر آیا--- تو میں نے تسلی دی- اس کی گھبراہٹ دور ہو گئی--- میں نے اسے پوچھا کہ تو مجھ سے خوف زدہ کیوں ہوا- اس نے کہا آپ نے میرا راز فاش کر دیا- اگر یہ بات آپ راجہ صاحب سے کہہ دیں تو وہ مجھے گولی مار کر ہلاک کر دیں گے- میں نے انجان بن کر پوچھا وہ کیا راز ہے؟ کہنے لگا ایک دن میں کسی گاؤں میں جا رہا تھا- راستے میں مجھے ڈاکو مل گئے- میں سمجھا یہ ڈاکو ہیں کہیں مجھے نقصان نہ پہنچائیں- مجھ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں کافانی ہوں- مسافر ہوں- انہوں نے مجھے اپنے ساتھ ملانے پر مجبور کر دیا- مجھے گھر لے گئے وہاں چند دن میری خاطر کی- اور میں اس گروہ میں شامل ہو گیا- جب وہ کسی جگہ ڈاکہ ڈالنے جاتے ہیں مجھے یہاں سے ساتھ لے جاتے ہیں- میں ان کے ساتھ پنجاب تک ڈاکہ ڈالنے جاتا رہا- یہی وجہ ہے میں اکثر گھر سے غائب رہتا ہوں- آپ نے آتے ہی مجھے کافانی کہہ کر پکارا- میں لرز گیا- شاید آپ نے میرا راز فاش کر دیا ہے- میں نے گلنساء سے آج اس بات کا ذکر کیا- میں نے اسے توبہ کرائی- درود شریف یاد کرایا- ایک رات مراقبہ کرایا- تو اسے روضہ شریف کا مشاہدہ ہوا- مگر اجلاس میں جانے کی فی الحال اجازت نہ ملی- وہ بھی اپنی جگہ مطمئن ہو گیا- اور آئندہ ڈاکوؤں کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا- اب صرف راجہ صاحب تھے- جنہوں نے اس طرف رجوع نہیں کیا---

ابھی چند دن ہی گذرے تھے- میں راجہ لطیف خان کے کمرے میں بیٹھا کچھ حضور قبلہ عالم کا ذکر چھیڑا ہی تھا- اتنی دیر میں گلنساء کمرے میں آئی سر پر پٹی باندھی تھی- میں نے پوچھا ابھی تمہاری پٹی سر سے نہیں اتری--- کہنے لگی آج مجھے دورہ محسوس ہو رہا ہے- میں نے کہا اب تم خود اپنا علاج کرو--- مراقبہ کرو--- اور قبلہ پیر صاحب کے پیش ہو جاؤ--- میری ہدایت کے مطابق اس نے مراقبہ میں حضور قبلہ عالم سے عرض کی کہ میرا دورہ مستقلاً ختم ہو

جانا چاہیئے۔ گلنساء نے مشاہدہ میں بتایا۔ کہ حضور نے حضرت شہید غازی رحمت اللہ علیہ کے پیش کر دیا۔ انہوں نے میرے سر کا اپریشن کیا۔ میں خود اپنے سر کا اپریشن دیکھ رہی ہوں۔ دوا دی۔ اور پھر انگلی کے اشارے سے درست ہو گیا۔ مراقبہ سے ہٹی تو سر کی گرانی بالکل ختم ہو چکی تھی۔ اس کے بعد پھر کبھی دورے کی شکایت نہ ہوئی۔ اب خصوصی طور گلنساء پر انکشاف کا سلسلہ شروع ہوا۔۔۔ اسی طرح ایک دن ہم لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ گلنساء بھی اندر سے آئی اور میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ میں گفتگو میں مصروف تھا۔ دیکھتا ہوں۔ گلنساء خاموش بیٹھی ہے۔ کسی وقت سر گھٹنوں میں جھکا لیتی ہے۔ پھر فوراً گھبراہٹ میں سر اٹھا لیتی ہے۔ کئی بار ایسا ہی ہوا۔۔۔ میں نے پوچھا تم اس حالت میں کیوں بیٹھی ہو۔؟ کہنے لگی میں اندر کمرے میں بیٹھی تھی۔ اچانک میرا سر جھک جاتا ہے۔ مراقبہ کی کیفیت طاری ہوتی ہے خود کو اجلاس میں پاتی ہوں۔ اجلاس میں پیر صاحب ہیں۔ قبلہ سخی صاحب۔ خواجہ عبدالکریم صاحب ہیں۔ آپ بھی ہیں۔ اور بھی لوگ ہیں جنہیں میں پہچانتی نہیں۔ سب کے پاس ایک ایک ببر شیر کی شکل کے جانور جیسی چیز ہے۔ پیر صاحب مجھے بھی ایک شیر دیتے ہیں۔ میں اسے دیکھ کر ڈر جاتی ہوں۔ ڈر کے مارے میں اندر سے باہر آپ کے پاس آئی۔ مگر یہاں پر بھی یہی حالت طاری ہو رہی ہے۔ میں شیر کو دیکھ کر ڈر جاتی ہوں سر اٹھاتی ہوں مگر خود بخود پھر میرا سر جھک جاتا ہے۔ اور وہی کیفیت بار بار میرے سامنے آتی ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ دورہ ہے یا کچھ اور معاملہ۔۔۔ میں ابھی تک اس کیفیت کا علم نہ رکھتا تھا۔ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ ابھی ابتدائی زمانہ تھا مگر میں نے اندازہ کیا کہ باطنی طور سے کسی خاص مقام کا مشاہدہ دیا جاتا ہے۔ ببر شیر کی حیثیت سے میں نے اندازہ کیا کہ یہ صورت براق کی ہو سکتی ہے۔ براق پیش کرنا کسی اونچے مقام کی طرف لے جانے کا اشارہ ہے۔ میں نے ہدایت کی کہ تم شیر لے لو۔ یہ براق ہے۔ اور جیسے حضور حکم دیں ویسے کرو۔ مگر وہ براق کی صورت دیکھ کر ڈر جاتی۔۔۔ آخر میں نے قبلہ سخی صاحب سے مدد لینے کے لیے کہا۔ قبلہ سخی صاحب نے اسے براق پر بٹھا دیا۔ معاً براق پرواز کرنے لگا۔ تسلی کے لئے میں نے اسے اپنا تصور ساتھ رکھنے کے لیے کہا۔ آخر چند لمحوں میں ایک نوری مقام پر براق ٹھہرا۔ تو میں ساتھ کیفیت پوچھتا رہا۔ کہنے لگی یہ نوری زمین دور وسعتوں میں پھیلی ہوئی ہے آگے بڑھ کر تخت پر ایک بزرگ دیکھا میں نے کہا ان سے پوچھو کون ہیں، کیا نام ہے ان بزرگ نے کہا میں ملائکہ کا سردار ہوں، میرا نام موسائیل ہے۔ یہ چہارم آسمان ہے۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ آگے بڑھو۔ وہ آگے چلی تو ایک اور بزرگ کو

تخت پر بیٹھے دیکھا۔ آپ کو السلام علیکم عرض کی۔ آپ نے وعلیکم کہہ کر فرمایا ہم نے تمہیں کافی دیر سے یہاں بلا بھیجا تھا۔ تم نے یہاں آنے میں دیر لگا دی۔ میں نے عرض کی (گلنساء مجھے بھی اپنے ساتھ دیکھتی رہی) کہ یہ براق سے ڈر رہی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ آئندہ تمہارا یہاں تک آنا ہوگا۔ آپ نے ایک پرچہ دیا۔ جس پر وظیفہ تحریر تھا۔

سُبْحَانَ الْهَادِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۔ سُبْحَانَ الْمَخْدُوْمُ الرَّحِیْمِ

گلنساء نے مجھے پرچہ کی تحریر پڑھ کر سنائی۔ میں نے کاپی پر یہ وظیفہ لکھ لیا۔ فرمایا آئندہ جب ہم بلائیں یا تم نے یہاں آنا ہو۔ یہ وظیفہ ورد کرو بلا توقف یہاں پہنچ جاؤ گی۔ اب براق کی ضرورت محسوس نہ ہوگی۔ آپ نے بتایا ہم (حضرت) موسیٰ (علیہ السلام) ہیں یہ آسمان چہارم کا مقام ہے۔ آپ نے شفقت سے سر پر دست مبارک پھیرا۔ اور فرمایا آج رات نصف شب پھر تم حاضر ہونا۔ تاکید ہے۔ تغافل نہ کرنا۔ اور رخصت کر دیا۔ گلنساء بازگشت میں پھر موسائل سردار کے پاس آئی۔ آپ نے فرمایا ایک طرف اشارہ کر کے۔ ادھر دیکھو۔ تو اس طرف دور دور قطار اندر قطار ملائکہ صف بستہ کھڑے نظر آئے۔ آپ نے ملائکہ کی طرف توجہ کی دو ملائکہ آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ دو ملائکہ تمہارے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ تو جب ضرورت پڑے تو جو وظیفہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عطا کیا، وہی وظیفہ ورد کرو۔ اسی آن یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ بس مراقبہ سے فارغ ہوئی۔ تو خود کو کمرے میں محسوس کیا۔ اس وقت کمرے میں گھر کے سب آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ گلنساء بیگم تمام کیفیات مشاہدہ زبان سے بھی دہراتی رہی۔ یہ واقعات سب حیرت سے سن رہے تھے۔ یہ واقعات ان کی سمجھ سے باہر تھے۔ تاہم یہ واقعات سن کر ہر شخص حضور قبلہ عالم کی زیارت کے لئے بے تاب ہوتا جا رہا تھا۔ میں خود حیران تھا۔ کہ ایسی کیفیات کا مشاہدہ ہونا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ بجائے اس کے کہ میں نے ارادہ کیا تھا۔ کہ میں راجہ محمد لطیف خان صاحب سے چھپ کر درود و مراقبہ کیا کروں گا۔ مگر یہاں قدرت نے حضور انور جناب محمد امین صاحبؒ کی توجہ سے ایسے مناظر دکھائے۔ جنہوں نے ہر فرد کو آپ کے دیدار کے لئے بے چین کر ڈالا۔۔۔ گلنساء بے چینی سے رات کا انتظار کرنے لگی۔ شام ہوئی تو اس نے اپنے چھوٹے بھائی عبدالمجید کو کمرے میں رہنے کا حکم دیا۔ رات چائے مٹھائی کا انتظام کیا۔ نصف شب تک جاگتے رہے۔ چائے پیتے رہے۔ دو بجے کا وقت ہوا۔ گلنساء نے مجھے بھی ساتھ رہنے کے لئے کہا۔ میں بھی کمرے میں آگیا۔ ٹھیک دو بجے مراقبہ شروع ہوا۔ گلنساء نے ایک بار وظیفہ ورد کیا تو سیدھا آسمان چہارم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش

ہوئی۔ آپ نے مرحبا کہی۔ اور شفقت فرمائی۔ اور ساتھ ہو کر آسمان چہارم کے کئی اسرار مشاہدہ کرائے۔ اور ہر کیفیت کی وضاحت فرماتے رہے۔ آخر ایک مقام پر لے گئے۔ جہاں ایک گول ڈھکن (جیسے تنور پر ڈھکن لگا ہو) دکھایا۔۔۔ فرمایا اسے اٹھاؤ۔ گلنساء نے ڈھکن ہٹایا۔ تو فرمایا نیچے دیکھو۔ تو اس سوراخ سے کوسوں دور نیچے زمین نظر آئی۔ فرمایا۔ دیکھو تم کتنے اونچے مقام پر ہو۔ تم سے کوئی غفلت اور کوئی کوتاہی ہوئی۔ تو تمہیں یہاں سے نیچے دھکیل دیا جائے گا۔ گلنساء خوف کے مارے دور ہٹ گئی۔ آپ نے فرمایا۔ آئندہ شریعت کی تابعداری اور طریقت پر مستعدی سے قائم رہو۔ خطا سے بچے رہو۔ ورنہ کسی خطا کا نتیجہ یہی پستی ہو گا۔ یہاں سے نیچے گرادی جاؤ گی۔ ہوشیار رہنا۔۔۔ جو عمل اختیار کیا۔ اس پر قائم رہو۔ پھر آپ نے تبسم فرما کر شفقت سے سر پر دست مبارک رکھا۔ فرمایا جاؤ۔ پھر جب چاہو یہاں آنا۔ تمہارے لئے یہ مقام ہمیشہ کے لئے کھلا رہے گا۔

ایک دن حسب دستور ہم مردانہ میں راجہ لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے طریقت کے متعلق باتیں کر رہے تھے۔ اب یہاں نہ راگ و رنگ تھا۔ نہ مسخرا پن تھا۔ نہ شراب تھی بلکہ ہر فرد شراب معرفت کی خوش آئندہ خوشبو کی مہک سے مسرور تھا۔ بس طریقت اور حضور قبلہ عالمؒ کی یادیں۔ اور آپؒ کا ذکر صبح و شام ہوتا تھا۔ ہم سب محو گفتگو تھے۔ گلنساء بیگم بھی کمرے میں بیٹھی تھی۔ میں اس کے حالات دیکھ کر دل میں بے حد مسروز تھا۔ اچانک مجھے کچھ خیال آیا۔ میں نے گلنساء سے کہا کہ مراقبہ کرو۔ اور حضور قبلہ عالم کے پیش ہو۔ گلنساء حضور کے پیش ہوئی۔ میں نے کہا۔ حضور سے اجازت لو کہ ہمیں بیت اللہ کی سیر کی اجازت دیں۔ آپ نے بیت اللہ جانے کی اجازت فرمائی۔ میں نے گلنساء بیگم کو بیت اللہ شریف کی طرف پرواز کرنے کو کہا۔ یہاں سے پرواز کی تو آناً فاناً بیت اللہ تک پہنچے۔ ظاہراً بیت اللہ تک پہنچنا تھا۔ مگر یہاں دوئم اجلاس محمدی ﷺ میں داخل کرنا میرا مقصد تھا۔ گلنساء بیگم نے یہاں بجائے کعبۃ اللہ دیکھنے کے دوئم اجلاس[1] محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کیا۔ حالانکہ میں نے اس سے قبل دوئم اجلاس محمدی ﷺ کے متعلق بالکل ذکر نہیں کیا تھا۔ یہاں پہنچ کر اجلاس دوئم کے علاوہ اور بھی اسرار و کیفیات کا مشاہدہ دیا گیا۔ ایک

---

[1] بیت اللہ۔ باطن میں بیت اللہ کی جگہ ایک سنہری دریا نظر آتا ہے۔ جس میں بے شمار کشتیاں تیرتی نظر آتی ہیں۔ ان میں ایک سنہری کشتی نظر آتی ہے۔ اس کشتی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا اجلاس قائم ہے۔ اسے اجلاس دوئم کہا جاتا ہے۔

مقام پر ہاروت و ماروت کو بھی دکھایا گیا۔ ان سے کلام بھی ہوا۔ یہ امر میرے لئے بھی باعث خوشی تھا۔ کہ چند ساعتوں میں دوئم اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوا۔ دوسرے دن مزید آثار کا مشاہدہ دیا گیا۔ جس میں ایک خصوصی مقام "بحرالقیوم" تھا۔ یہ مقام مثل دریائے توحید ایک سبز نوری سمندر کی شکل میں مشاہدہ میں آیا۔ اس دریا کو عبور کر کے گلنساء بیگم ایک سرسبز وادی میں داخل ہوئی۔ جہاں ایک اونچے مقام پر ایک نورانی محل تھا۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام فقراء کے ایک جلوس کی صورت میں تشریف لائے۔ محل کے قریب پہنچے تو گلنساء کو محل میں ساتھ لے گئے۔ حضور قبلہ عالم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ محل کے اندر حضرت مریم علیہا السلام حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا سے فرداً فرداً ملاقات ہوئی۔ ان مقدس ہستیوں نے انتہائی شفقت سے گلے لگایا۔ اور مرحبا فرمائی۔ اس محل میں تمام انبیاء کی صاحبزادیاں جمع تھیں۔ جن کی سردار حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ بنائی گئیں۔ حضرت مریم، حضرت فاطمہ علیہما السلام نے گلنساء کو پھولوں کے گلدستے اور بہت سے نورانی تحائف عطا فرمائے۔ بہت سے مشروبات پلائے۔ جن کی لذت سے وہ ناآشنا تھی۔ کہ ایسا لذیذ شربت دنیا پر پایا جانا ممکن نہ تھا۔ اور بہت سے میوے کھلائے۔۔۔ حضرت فاطمۃ الزہرا۔ حضرت مریم علیہما السلام نے گلنساء پر خصوصی توجہ اور شفقت فرمائی اور اجازت دی جب جی چاہے یہاں آسکتی ہو۔ یہ مقام تمہارے لئے کھلا رہے گا۔ دوسرے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے بحرالقیوم میں حاضر ہونے کا حکم ہوا۔ وقت پر گلنساء مراقب ہوئی۔ تو سیدھی اس وادی میں پہنچی۔ جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام موجود تھے۔ حضرت عیسیٰ اسے اونچے مقام پر لے گئے فرمایا ہم تمہیں سوم آسمان پر لے جائیں گے۔ گلنساء نے خوف کا اظہار کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور فرمایا آنکھ بند کر کے قدم اٹھاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا تو آنکھ کھولی۔ خود کو آسمان سوئم پر پایا۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ ہمارا مسکن ہے۔ یہاں تخت پر ایک نورانی بزرگ دکھائی دیئے۔ میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کا نام پوچھا کون ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ یہ آسمانِ سوئم کے ملائکہ کا سردار ہے۔ ان کا نام "بلون" ہے۔ ان کے ماتحت حد نظر تک قطار اندر قطار ملائکہ صف بستہ کھڑے تھے۔ گلنساء حضرت بلون ملائکہ کے قریب گئی السلام علیکم کہا۔ انہوں نے وعلیکم السلام کہا۔ اور بہت شفقت فرمائی۔۔۔ ان مسلسل مشاہدات سے گلنساء میں کچھ سنجیدگی اور تدبر پیدا ہو چکا تھا۔۔۔ اب اس میں عقیدت مندانہ رعب کا اثر کم ہو چکا تھا۔ وہ کھل کر حضرت بلون سے

باتیں کرنے لگی۔ اور ان سے کئی سوالات پوچھے۔ حضرت بلون ملائم انداز میں جواب دیتے رہے۔ آپ نے ایک رجسٹر گلنساء کو دکھایا۔ جس میں ہر انسان کا نام۔ اس کا رزق موت و حیات، اور زندگی کے تمام واقعات کی تفصیل درج دیکھی۔ اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام اولیاء کے نام بھی بمعہ مراتب درج تھے۔ حضرت بلون نے ایک اور رجسٹر دکھایا۔ جس میں لیلتہ البراٗت میں مقرر کئے گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ احکام درج تھے۔ آپ نے اس رجسٹر کی تفصیل بیان کی۔ یہ احکام لَیْلَۃُ الْبَرَاۗتْ میں ہم تک نازل ہوتے ہیں۔ اور لَیْلَۃُ الْقَدْرِ کی رات دوئم اجلاس اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کئے جاتے ہیں۔ اس موقع پر حضرت بلون نے اور بھی کئی کیفیتوں کا انکشاف فرمایا۔ (جو ضابطہ تحریر میں نہیں آسکتی)۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو ایک تخت پر جلوہ افروز تھے نے گلنساء کو شرف باریابی بخشا اور بہت شفقت فرمائی۔ اور بہت دیر تک ہم کلام ہوئے۔۔۔ آخر میں آپ نے بھی ایک وظیفہ عنایت فرمایا۔۔۔ فرمایا جب یہاں آنا ہو، تو وظیفہ پڑھو۔ فوراً یہاں پہنچ جاؤ گی۔۔۔ میں نے گلنساء سے وظیفہ پوچھا۔ تو اس نے زبان سے وظیفہ دہرایا۔ وظیفہ یہ تھا۔

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ - سُبْحَانَ نُوْرُ الْمُبِیْنِ - سُبْحَانَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

میں نے وظیفہ کاپی پر لکھ لیا۔ گلنساء کے مراقبہ کرنے کا طریقہ یہ تھا۔ کہ وہ مافوق العقل کیفیات دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتی تھی۔ مبادا اسے کوئی حادثہ پیش آئے۔ اس پر یہ وہم غالب تھا۔ اس لئے مراقبہ کرتے وقت مجھے پاس بٹھا لیتی۔ میں ہر مشاہدہ پر اسے ہدایت دیتا۔ وہ اپنی کیفیات ساتھ ساتھ بیان کرتی رہتی۔ میں خود ان مشاہدات سے بے خبر تھا۔ ابھی تک مجھے حضور قبلہ عالم نے دریائے توحید میں اجلاس دوئم کا مشاہدہ عطا کیا تھا۔ اس سے آگے مجھے کسی کیفیت کا علم نہ تھا۔ اب گلنساء۔ کے ذریعہ ہی مجھے ان مقامات کا علم الیقین ہوا۔ مگر مجھے ان مقامات کا مشاہدہ نہیں ہوا۔ لیکن میری ہدایات جو میں گلنساء کو کیفیات کے مشاہدے میں دیتا رہا۔ کہ یہاں یہ بات عرض کرو۔ یہاں اس طرح ادب کرو۔ وغیرہ تو میری ہر ہدایت مناسب اور برمحل ثابت ہوتی۔ گلنساء میری ہدایت کے مطابق کچھ عرض کرتی۔ اس کا اسے جواب مل جاتا۔۔۔ جو طریق میں اسے بتاتا۔ وہ حسب حال ہوتا۔۔۔ البتہ گلنساء ہر مقام کے مشاہدے میں میرا تصور ساتھ رکھتی اور خود حضور قبلہ عالمؒ بھی اکثر مقامات میں ساتھ ہوتے۔ میں ان مشاہدات کو سن کر خود متحیر تھا کہ اسے کن کن انعامات سے نوازا جا رہا

ہے۔۔۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے وظیفہ عطا کیا۔ تو میں نے گلنساء سے وظیفہ دہرانے کو کہا۔۔۔ معلوم نہیں۔ گلنساء کے دہرانے میں غلطی ہوئی یا میری تحریر میں غلطی ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رخصت ہو کر ہم روضہ شریف اجلاس اول میں پہنچے۔ دیکھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تشریف فرما تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور قبلہ عالم سے گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گلنساء کو قریب بلا کر فرمایا۔ ہمارا دیا ہوا وظیفہ دوبارہ دہراؤ۔ گلنساء کو تو یاد نہیں رہا۔ لہذا میں کاپی سے وظیفہ پڑھتا رہا۔ اور گلنساء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے دہراتی رہی۔ جب میں نے کاپی پر لکھے ہوئے وظیفہ میں مُبْہَمَاتَ نُوْرُ دَنْبِیْنِ پڑھا۔ تو گلنساء نے ایسے ہی پڑھ کر سنایا۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ تم نے غلط لفظ لکھا۔ یہ نُوْرُ النَّبِیِّیْنِ ہے۔ اس کی تصحیح کرو۔۔۔ مجھے اس تصحیح کے لئے یہاں آنا پڑا۔ آئندہ خیال رکھو کسی کیفیت کا غلط تصور قائم نہ کرنا۔ غلطی سے "ال" حذف ہو گیا تھا۔ یہ واقعات دیکھ کر میں متحیر تھا۔ میری سوچ گم ہو چکی تھی۔ کہ میں کیا دیکھ رہا ہوں۔ کیا سن رہا ہوں۔۔۔ ایسے واقعات کا ہونا میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ مجھ پر حیرت طاری ہوئی۔ کہ کاپی پر لکھی ہوئی تحریر میں غلطی کا بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو علم ہوا۔ اور ساتھ ہی انہوں نے خصوصی طور اس کی تصحیح فرمائی۔ ایسے نادیدہ شنیدہ واقعات کا انکشاف حیران کن تھا۔ یقیناً حضور قبلہ عالم کی ذات پر ہمارا ایمان پختہ ہو گیا۔ اور اسی پختہ ایمان نے ہماری راہنمائی کی کہ ہم ایسے واقعات کو برحق سمجھتے رہے۔ ہمارے دلوں میں ذرہ بھر شک کا اثر نہ پیدا ہوا۔۔۔ یہ واقعات گھر میں سب لوگوں کے سامنے بیان ہوتے رہے۔ اور ہر شخص ان واقعات کو سن کر حضور قبلہ عالم کی شخصیت کو غائبانہ طور عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا رہا۔۔۔ ان کے دلوں میں محبت و عزت کے سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگے۔۔۔ ہر شخص کا دل بیتاب تھا۔ کہ کب حضور قبلہ عالم کے دیدار نصیب ہوں۔ بہر حال ان واقعات کے اثرات کو نہ بیان کیا جا سکتا ہے۔ نہ ان کی تفصیل بیان کی جا سکتی ہے۔ نہ اپنی حالت بیان کی جا سکتی ہے کہ اس وقت ہماری کیفیت کیا تھی۔

ایک دن حسب معمول ہم راجہ محمد لطیف خان کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ میں نے گلنساء سے کہا۔ مراقبہ کرو۔ آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوں گے۔ اس نے مراقبہ شروع کیا اور بغیر توقف کے آسمانِ چہارم پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوئی۔ میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے چند باتیں دریافت کرنے کو کہا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آسمان چہارم کے کئی اسرار بیان فرمائے۔ اور بھی کیفیات بتا رہے تھے۔ کہ درمیان میں

آپ نے فرمایا۔ دیکھو یہ سر کی باتیں ہیں۔ کمرے میں اور بھی آدمی بیٹھے ہیں۔ تم کیفیات کا ذکر کر رہی ہو۔ اور سب سن رہے ہیں۔ فی الواقع اس کمرے میں گھر کے سب بچے ملازم اور گاؤں کے چند لوگ بھی یہ باتیں گلنساء کی زبانی سن رہے تھے۔ آپ نے فرمایا یہ واقعات عام لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرنے چاہئیں۔ لہذا تخلیہ کرو۔ باقی سب لوگوں کو کمرے سے باہر جانے کے لیے کہہ دو۔ گلنساء نے مجھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ حکم سنایا کہ آپ ایسا فرما رہے ہیں۔ میں نے سب سے معذرت کی تھوڑی دیر کے لئے سب باہر جائیں سوائے راجہ محمد لطیف خان صاحب کے، باقی کمرے سے باہر نکل گئے۔ تھوڑی دیر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو ہوتی رہی۔ اس کے بعد تواتر کے ساتھ ہر روز ہی ایک نئی کیفیت دکھائی جاتی۔ ہر آسمان کی سیر کرائی جاتی۔ اور ہر آسمان میں ایک نبی۔۔۔ اور اس آسمان کے ملائکہ کے سردار کے ساتھ ملاقات کرائی جاتی۔ یہاں تک کہ گلنساء کو آسمانِ ششم (چھٹے آسمان) پر لے جایا گیا۔۔۔ یہ سیر خود حضور قبلہ عالم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کراتے۔ اس سیر میں گلنساء خود واقعات دہراتی۔ کہ میرے ساتھ آپ ہیں۔ پیر صاحب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساتھ ساتھ ہیں۔ آسمانِ ششم میں خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کرائی گئی۔ آپ نے گلنساء پر بے حد شفقت فرمائی اور تبسم فرماتے ہوئے آپ نے گلنساء سے بے حد پسندیدگی اور خوشی کا اظہار فرما کر مرحبا فرمائی۔ اور بہت پیار سے گلنساء سے کلام فرماتے رہے۔ یہاں پر بھی بہت سے اسرار کا مشاہدہ کرایا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امتحاناً گلنساء سے سوالات کئے۔ چونکہ وہ ان واقعات سے لاعلم تھی۔ تاہم وہ اپنی ذہنی صلاحیت پر جواب باصواب دیتی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے بہت خوش ہوتے اور شاباش دیتے، ایسے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور قبلہ عالم بھی۔ تبسم فرماتے اور خوش ہوتے۔ جیسے باپ اپنے ہونہار بچے کی ذہانت پر خوش ہوتے ہیں۔۔۔ اور جہاں کہیں گلنساء کسی سوال کے جواب دینے میں مجبور ہو جاتی۔ تو قبلہ پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو جاتی۔ تو آپ خاموش رہتے۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتی کہ حضور ﷺ مجھے اس سوال کا جواب بتائیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے اور خاموش رہتے۔ تو گلنساء مجھ سے کہتی کہ آپ بتائیں میں کیا جواب دوں میں ان اسرار سے خود بے خبر تھا۔ تاہم میرے ذہن میں القائی طور الفاظ آتے۔ تو میں گلنساء کو بتا دیتا۔ وہی جواب گلنساء دے دیتی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام خوش ہو کر تبسم فرماتے اور شاباش دیتے۔ جیسے آپ کے تبسم سے یہ اظہار ہوتا ہے "شاباش تم بہت سمجھدار لائق انعام ہو"۔

اسی دوران حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گلنساء کے سامنے چار رنگ[1] کی چار تکیاں رکھ دیں۔ فرمایا ان میں سے ایک تکیہ اٹھاؤ۔ (گلنساء ساتھ ساتھ میرے سامنے کیفیت دہراتی ہے) مجھ سے کہنے لگی میں سمجھ نہیں سکتی کون سے تکیہ اٹھاؤں۔ میں بھی فیصلہ نہ کر سکا۔ میں نے کہا پیر صاحب سے پوچھو۔۔۔ پیر صاحب کی طرف دیکھا۔ تو آپ نے تبسم فرمایا۔ مگر جواب نہ دیا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف متوجہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے بھی تبسم فرمایا۔ اور خاموش رہے۔ مجھ سے کہنی لگی یہ بتاتے نہیں۔ تم بتاؤ کون سے تکیہ اٹھاؤں۔ اب تینوں ہستیاں گلنساء کی طرف تبسم کناں دیکھ رہی ہیں۔۔۔ معاً مجھے خیال آیا کہ ولایت کے مشاہدات و مراتب کے نشان ہوں گے۔ جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شرابِ سرخ اور شرابِ سفید (دودھ) پیش کیا گیا۔ تو آپ ﷺ نے شرابِ سفید کو پسند فرمایا۔ تو جبرئیل امین علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے دینِ فطرت کو قبول فرمایا اسی خیال پر میں نے اشارہ دیا۔ کہ سفید رنگ[2] کی تکیہ اٹھا۔ گلنساء نے سفید رنگ کی تکیہ اٹھائی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوش ہو کر آفرین و مرحبا فرمائی۔۔۔ اور بشارت دی کہ تم لائق انعام قرار پائی۔۔۔ تمہیں کامل ولایت دی جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور قبلہ عالم نے بھی بے حد خوشی و تحسین کا اظہار فرمایا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سر پر دست شفقت پھیر کر رخصت کر دیا۔۔۔ اور (غالباً کل) پھر حاضر ہونے کا حکم دیا۔۔۔ دوسرے دن غالباً چاشت کا وقت ہو گا۔ گلنساء نے مراقبہ کیا۔ تو سیدھے آسمان ششم پر پہنچی۔ دیکھا تو یہاں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قبلہ پیر صاحب منتظر تھے۔ آپ بہت خوش ہوئے۔ بہت سے انعامات عطا فرمائے۔ اسی اثنا میں نماز کا اہتمام شروع ہوا۔۔۔ اس مقام پر تمام انبیاء۔ اولیاء جمع ہوئے۔ اور سب گلنساء کو بہ نظر تحسین دیکھتے صف در صف جماعت کی صورت میں جمع ہوئے تو وسعت نظر تک صفیں درست ہو گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی آپ کے پیچھے حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے ساتھ چہار

---

[1] سبز، سرخ، زرد اور سفید رنگ کی تکیاں تھیں۔

[2] میں نے اندازہ کیا کہ چار رنگ انبیا کے انوار سے مشابہ ہیں۔ سبز رنگ نورِ عیسوی، سرخ رنگ نورِ موسوی، زرد رنگ نورِ آدمی اور سفید نورِ ابراہیمیؑ سے تشبیہ ہے۔

یاران باصفا۔ امامین علیہ السلام آپ کے ساتھ حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ آپ کے ساتھ گلنساء، خواجہ عبدالکریم صاحب قبلہ سخی صاحب۔ ان کے ساتھ یہ سگ در آستانہ امینسی بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت فرمائی --- لیکن یہ سماں --- یہ سماع --- یہ کیف --- ناقابل برداشت تھا --- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قدسی لحن ناقابل برداشت تھا --- کائنات وجد میں محسوس ہو رہی تھی۔ شدت سے دل دھڑکنے لگا۔ ایسی مدہوشی طاری ہونے لگی کہ روح جسم سے پرواز کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز ادا فرمائی --- گلنساء تو پہلے ہی رقیق القلب تھی۔ گھبرا گئی۔ بے ہوشی طاری ہونے لگی۔ کہنے لگی مجھے سنبھالیں میری روح نکلنے لگی۔ میں نے تسلی دی۔ کچھ توجہ دی۔ ساتھ ساتھ اسے بھی حوصلہ دیتا رہا۔ یہاں تک کہ نماز ادا ہو گئی۔ اسی عالم میں مراقبہ ختم ہوا۔ دیر تک حواس قائم نہ ہو سکے۔ کچھ ہوش آیا، تو پھر کیا سوچا جا سکتا تھا۔ کہ جو کچھ دیکھنے۔ سننے میں آ رہا تھا۔ اس پر ذہن فکر کرنے میں بے بس تھا۔ ہم کیا کہیں۔ کہ کیا ہے۔ اور یہ کیا ہو رہا ہے۔ میں خود سوچنے سے رہ گیا --- دماغ شل تھا۔ کہ اس لڑکی پر کیسے انعامات نازل ہو رہے ہیں۔ جس کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ---

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اللہ بے نیاز ہے جسے جو دینا چاہے۔ اہلیت دیکھے بغیر دے دیتا ہے۔ مگر یہ نسبت سے ملتا ہے۔ یہ سب عنایت حضور عالی مقام جناب حضرت محمد امین صاحب اویسیؒ کی نسبت سے ہی میسر آنا ممکن ہوا۔ یہ سب اسی ذات کی محبوبیت کے صدقے میسر آیا ---

میں راجہ محمد لطیف خان صاحب کی گھریلو زندگی سے واقف تھا --- ایک جاگیر دار فرزند کی حیثیت سے جس کو دنیا کی تمام آسائشیں میسر ہوں۔ جسے دنیا کی عیش و عشرت کا ہر سامان میسر ہو۔ جو اپنی زندگی میں آزاد اپنی ہر خواہش پوری کرنے میں آزاد ہو، ایسے امیر گھرانے میں دنیوی عیش و عشرت کی رونق۔ حسب نفس مرغن غذائیں، شراب وراگ و رنگ۔ اور دنیا کی ہر شے، لونڈی بن کر سامنے آئے۔ وہ خدا کو کیا جانے۔ وہ رسول ﷺ کو کیا سمجھے۔ جو اپنی خواہش کو پورا پائے اسے کتاب کی کیا ضرورت! جو نشۂ دولت، نشۂ نخوت، نشۂ خمر، کی فراوانی میں مدہوش، دنیوی نعمتوں کی فراوانی میں مطمئن ہو۔ اسے کسی کی محتاجی کی کیا ضرورت! اسے دار آخرت کا کب احساس ہو سکتا ہے۔ یا احساس کی فرصت ہوا --- مگر وہ ذات کبریا --- اَللّٰهُ الصَّمَدُ ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ہے۔ اَلرَّحِيْمُ ہے۔ اس کے سامنے سات بادشاہوں کا مالک عظیم طاقت کا مالک جابر حکمران۔ غالب طاقت کا مالک فرعون۔ بے شمار خزانوں کا مالک ہامان، شداد --- آخر ایک "بندہ" ہی تو ہے۔ "بندہ" آخر کوڑے

کرکٹ کے ڈھیر میں ایک حقیر کیڑے سے زیادہ حیثیت۔ اس کبریا کے آگے۔ نہیں رکھتا۔۔۔ بھلا اس خدائے عظیم کے آگے ایسے بندے کی کیا حیثیت! جس کے لئے خدائے برتر پرواہ کرے۔ وہ تو بے نیاز ہے۔ اس کے سامنے بندے کی کوئی حیثیت لائق توجہ نہیں۔۔۔ یہ معمولی بات ہے۔ وہ ایسی باتوں کو خاطر میں نہیں لاتا بھلا اس کی ہمسری کوئی کر سکتا ہے!۔۔۔ تو پھر بندے کے گناہوں کی بھی کوئی وقعت و حیثیت نہیں۔ سوائے اس کے کہ کوئی بندہ نادانی میں اس کی ہمسری و کبریائی کا دعوےٰ کرے۔۔۔ پھر بھی۔ بندہ۔ اس ذات کبریا کی نظر میں کوئی غالب حیثیت نہیں رکھتا۔ تو پھر ایسے بندے کی ہمسری بھی لائق توجہ نہیں۔ کہ محسوس کی جائے۔۔ اس ذات کے آگے۔ کسی حقیر ذرہ کا اچھل کر حملہ کرنا۔۔ اس ذات پر کیا اثر ڈال سکتا ہے۔۔۔ وہ تو ایسی نامعقول حرکت پر غصہ نہیں کرتا۔۔! بلکہ ہنس دیتا ہے۔ کہ اس بندے کو درد شکم میں مبتلا کر دوں۔ تو اس کا سارا غرور لمحہ میں خاک میں مل جائے گا۔ باقی وہی بندہ مجبور عاجز ہو کر رہ جائے گا۔۔۔ ایک عاجز پر۔ اس خدائے غیور کا غضب اس کی شایان شان نہیں۔۔۔

سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ

اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت رکھتی ہے کہ کوئی ایسی ہمسر طاقت نہیں جس پر غضب کیا جائے۔ کوئی ایسا موقع نہیں جہاں غضب استعمال ہو۔۔ خود بندے کے لئے۔۔۔ خواہ وہ فرعون ہو۔۔۔ نمرود ہو۔۔۔ شداد ہو۔۔۔ کوئی بھی نادان ہمسری کا دعوےٰ کرنے والا ہو۔۔۔ بندے کی حیثیت میں بہر حال۔ رحمت وقف کر رکھی ہے۔ یہی نہیں کہ منہ دیکھ کر دے۔۔۔ نہیں۔۔۔ بلا تمیز۔ نیک و بد۔ ہر بندے کے لئے۔ اپنے انعامات کے دروازے کھلے چھوڑ دیئے ہیں۔ میں خود نہیں دیتا۔۔۔ خود آ کر جو چاہے لے لے۔ جتنا چاہے لے لے۔ فرعون بن کر ہی آئے لے لے۔ شداد بن کر ہی آئے۔ لے لے کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس سے بڑھ کر وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ کی اور کیا تفسیر ہو سکتی ہے! قسم ہے اس خدائے رحمٰن و رحیم کی۔ جو ہدایت دینے میں فیاض عظیم ہے۔ اس صحیفہ میں بیان کردہ واقعات میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں۔ جو چاہے مانے۔ جو نہ چاہے۔ نہ مانے۔ "لعل" (جواہر) اپنی تابانی کی صفت پر محبوب ہے۔ اسے نہ کسی کی صفت کی ضرورت ہے۔ نہ کسی کی صفت پر اس کی افضلیت منحصر ہے۔ ہاں! اس کی صفت کرنے سے خود جوہری کو افضلیت ملتی ہے! یہ واقعات تفصیل سے بیان کرنا اس غرض سے ہے۔ کہ انسان کو حق و باطل۔۔۔ خیر و شر میں تمیز حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہو۔ اور وہ یہ تمیز حاصل کر کے حقیقی نفع ایک

حقیقی "علم" حقیقی "عمل" حقیقی "سمجھ" حقیقی "فکر" حاصل کرنے میں اپنے لئے صحیح راہ پانے میں کامیاب ہو۔۔۔ بس۔۔۔

جیسا کہ بیان ہوا۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب۔ کو دنیوی عیاشانہ زندگی نے اللہ سے دور کر رکھا تھا۔ اس نے زندگی کا ماحصل، شراب، راگ و رنگ کو ہی سمجھ رکھا تھا۔ اسے خدا کی ضرورت محسوس نہ ہوتی تھی۔ وہ اچھا تعلیم یافتہ تھا۔ شاعر بھی تھا۔ ادیب بھی تھا۔۔۔ وہ اپنی علمی قابلیت کے بھروسہ پر خدا کے نہ ہونے کی دلیلیں پیش کرتا تھا۔ کوئی عالم نہ اسے قائل کر سکتا تھا۔ نہ اسے دلائل دے سکتا تھا۔۔۔ یہ حق بات نہ تھی۔۔۔ بلکہ اس کی دنیوی آسودگی کا نتیجہ تھا۔ کہ وہ کسی ذات کا غلام بننے پر تیار نہ تھا۔ نہ اس کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔۔۔ ان کے والد راجہ علی اکبر خان صاحب علاقہ کے بڑے جاگیرداروں میں سے تھے۔ حکومت کشمیر میں مہاراجہ کے نزدیک انہیں باعزت مقام حاصل تھا۔ اکثر شہروں کی سیر و سیاحت میں وقت گذارتے۔ بہت بارعب شخصیت تھی۔ کوئی شخص ان سے آنکھیں چار کر کے بات نہیں کر سکتا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا افسر بھی ان سے کھل کر بات کرنے کی جرات نہ کرتا۔۔۔ آپ بھی شراب کے عادی تھے راگ و رنگ کو آپ بھی پسند کرتے۔ مگر آپ کا انداز شریفانہ تھا۔ پنجاب و ہند کے بڑے مشہور گویئے آپ کا نام سن کر آتے۔ ہفتوں گانے کی محفلیں لگی رہتیں۔۔۔ اور جی بھر کر انعام حاصل کرتے راجہ صاحب فطرتاً سلیم الطبع۔ فیاض و مدبر تھے۔ غرباء پرور تھے۔ غیور تھے۔ کہ کسی شخص کی بڑھائی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ان کا دوسرا پہلو عقیدت مندانہ بھی تھا۔ نماز، روزہ کے بھی پابند تھے۔ تہجد بھی ادا کرتے تھے۔ اہلحدیث مسلک بھی رکھتے تھے۔ اس کے باوجود آپ حضرت فقیر اللہ بکوئی رحمت اللہ علیہ کے مریدوں میں سے تھے۔ اس زمانہ میں حضرت فقیر اللہ صاحب کشمیر اور صوبہ سرحد تک مشہور ولی مانے جاتے تھے۔ اور تمام جاگیردار طبقہ ان کا مرید تھا۔ بلاشبہ فقیر اللہ صاحب بکوئی زمانہ کے اولیاء میں بے مثال فقیر تھے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے تھے۔ کہ عالی جاہ سید نور الزمان شاہ صاحب بھی آپ کی تعریف فرماتے تھے۔ کہ "فقیر اللہ دنیائے ولایت کی ایک آنکھ ہے" راجہ صاحب کے تمام خاندان کی ان سے بے حد عقیدت تھی۔ بلکہ راجہ محمد لطیف خان صاحب کا خود بیان ہے۔ کہ ایک بار حضرت صاحب گھر تشریف لائے تو میرے متعلق والد صاحب نے عرض کی کہ بچے کے لئے دعا فرمائیں۔ آپ نے مجھے گود میں لے کر فرمایا۔ کہ منہ کھول میں نے منہ کھولا۔ تو آپ نے میرے دہن میں تھوک ڈالا۔۔۔ فرمایا یہ بڑا آدمی ہو گا۔۔۔ آخر اس کی تعبیر پوری ہوئی۔ کہ جب میں نے پہلی

بار انہیں مراقبہ کرایا، تو لطیف صاحب نے مشاہدہ میں دیکھا کہ حضرت صاحب بکوٹ والے اور حضور قبلہ عالم انہیں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں لے گئے۔۔ حضرت فقیر اللہ صاحب رحمت اللہ علیہ وفات پا چکے تھے۔ اس کے باوجود اس خاندان کی آپ سے عقیدت قائم تھی۔ راجہ صاحب۔ اپنے خاندان کے حالات دیکھ چکے تھے۔ خاص کر گلنساء کے حالات ان تک پہنچ رہے تھے۔ اس کے باوجود آپ حضرت فقیر اللہ بکوئی سے عقیدت میں قائم تھے۔ وہ حضور قبلہ عالم کی بیعت میں آنے پر تیار نہ ہوئے۔

ایک دن ہم مکان کے قریب باغ میں بیٹھے تھے طریقت سے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ راجہ صاحب تشریف رکھتے تھے۔ کہنے لگے آج رات ہم نے ایک عجیب کیفیت دیکھی کہ حضرت صاحب بکوٹ شریف والے تشریف لائے۔ اور مجھے ایک شراب کا گلاس دیا۔ میں نے وہ شراب کا گلاس پی لیا۔ اس شراب میں ایسی لذت و سرور محسوس کیا۔ کہ میں نے عمر بھر ایسا سرور نہیں دیکھا۔ ابھی تک اس شراب کا نشہ مجھ پر طاری ہے۔ ان کے خیال میں۔ انہیں یہ شراب حضرت صاحب نے پلائی۔ ان کے واقعہ سناتے ہی میں سمجھ گیا کہ شراب انہیں حضور قبلہ عالم نے پلائی۔ دوران گفتگو قبلہ سخی صاحب کا ذکر آیا۔۔۔ راجہ صاحب نے طنز آمیز لہجہ میں کہا۔ میں اس عیسائی کو جانتا ہوں۔۔۔ وہ بھی شرابی تھا۔۔۔ میں اس کی فقیری کا قائل نہیں۔۔۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ یہ الفاظ میرے لئے حد درجہ دلخراش تھے۔ میں راجہ صاحب کی عزت کرتا تھا۔ انہوں نے والد کی طرح مجھ پر شفقت کی تھی۔ میں برداشت نہ کرسکا زبان سے سخت سست الفاظ کہے اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلا آیا۔ راجہ صاحب نے خلاف توقع میری زبان سے۔ سخت کلام سن کر محسوس کیا۔ کہ مجھے ایسا کہنا نہیں چاہیئے تھا۔ خاموش ہو گئے۔ رات اپنے کمرے میں بیٹھے تھے پھر قبلہ سخی صاحب کا ذکر چھیڑا۔ کہنے لگے میں حضرت صاحب بکوٹ والے سے بڑا کسی کو نہیں سمجھتا۔۔۔ میں گلنساء کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ کسی نے آکر ہم سے اس کا ذکر کیا۔ کہ راجہ صاحب کہتے ہیں کہ ہم فقیر اللہ کے برابر کسی کو ولی نہیں سمجھتے۔ یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ جی میں آیا کہ ابھی انہیں دکھاؤں گا کہ محمد امین کی ہستی کیا ہے۔ مگر ان کی عزت مانع ہوئی۔ میں نے غصہ میں آکر کہا۔ جاؤ راجہ صاحب سے کہہ دو۔۔۔ ہمارے پیر سائیں سہیلی کو مار بھگانے والے کو بھی بھگانے کی طاقت رکھتا ہے۔ ایسے سینکڑوں پیر میرے پیر کی پاکٹ میں پڑے رہتے ہیں۔۔۔ مجھ پر غصہ طاری تھا۔ میرے سامنے کسی کو بولنے کی جرات نہ ہوئی سب ڈر گئے۔ کہ اس بات سے راجہ صاحب سخت ناراض ہوں گے۔ راجہ صاحب کو جب میرا پیغام

پہنچا۔ تو وہ دیکھتے رہ گئے اور زبان سے کچھ نہ بولے۔ کافی دیر تک خاموش رہے۔ گلنساء کی والدہ نے راجہ صاحب سے پوچھا۔ نورالدین کی بات سن کر آپ خاموش ہو گئے کہ کچھ کہہ نہیں رہے۔ راجہ صاحب نے کہا کہ میں حیرت میں ہوں۔ نورالدین نے جو بات کہی میں سکتہ میں آگیا۔ یہ بات سوائے میرے اور کسی کو معلوم نہیں۔ بات یہ ہے۔ چالیس سال قبل کی بات ہے۔ جب مجھ پر میرے مخالفین (راجہ محمد افضل خان راجہ حیدر خان کے بھائی اور راجہ علی بہادر خان وغیرہ) نے مقدمہ چلا رکھا تھا۔ یہ لوگ سائیں سہیلی کی زیارت پر حاضری دیتے تھے۔ صورت یہ تھی کہ باطن میں سائیں سہیلی ان کی مدد کرتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں۔ مقدمہ میں میرے خلاف فیصلہ دیا جانا تھا۔ مقدمہ کی تاریخ سے ایک دن قبل میں تاریخ پر مظفر آباد چلا گیا۔ رات میں نے خواب دیکھا کہ سائیں سہیلی میرے مخالفین کو لے کر مجھ پر حملہ آور ہو رہا ہے۔ میں خود کو اکیلا دیکھ کر گھبرا گیا۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت صاحب بکوٹ والے تشریف لائے اور سائیں سہیلی انہیں دیکھتے ہی سب مخالفین کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور مجھے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں فیصلہ تمہارے حق میں ہو گا۔ دوسرے دن فیصلہ میرے حق میں ہو گیا۔ میں حیران ہوں کہ چالیس سال پرانا واقعہ نورالدین کو کیسے علم ہوا۔ حالانکہ اس وقت وہ پیدا بھی نہ ہوا تھا اب مجھے یقین آیا کہ نورالدین واقعی فقیر ہے۔ دوسرے دن، رات کو گلنساء کو بلایا۔ کہا بیٹی مجھے درود شریف بتاؤ میں بھی پڑھوں گا۔ یہ دن تھا کہ اس گھر پر اللہ کی بے شمار نعمتیں نازل ہونا شروع ہو گئیں راجہ صاحب نے مجھے بلا لیا۔ اور معذرت کی۔ کہ مجھے علم نہ تھا غلطی سے بات زبان سے نکل گئی اور مجھ سے شفقت فرمائی کہنے لگے۔ اب میں بھی درود شریف پڑھوں گا۔ یہ امر میرے لئے انتہائی خوشی کا تھا کہ راجہ صاحب نے میرے پیر اور قبلہ سخی صاحب کی عظمت کو تسلیم کر لیا۔

... گلنساء کے آسمان ششم تک پے در پے مراتب و مشاہدات میرے لئے حیران کن تھے۔ اس قدر فوری پرواز تعجب خیز تھی۔ گلنساء کی نازک طبیعت سے میں واقف تھا۔ مجھے فکر لاحق ہوا۔ مبادا کسی وقت کثرت انوار سے اس پر جذب طاری ہو جائے یہ کیفیت میں آسمان ششم میں "نماز حقیقت" میں گلنساء پر جذب کی کیفیت طاری ہونے سے محسوس کرنے لگا۔ مجھے ڈر تھا کہ اس پر جذب طاری ہوا۔۔۔ تو یہ لوگ ابھی طریقت سے واقف نہیں۔ کہیں یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ لڑکی پاگل ہو گئی۔ ان کے عقائد متزلزل ہو کر منحرف نہ ہو جائیں اور یہ لوگ ایسی نعمتوں سے محروم ہو جائیں۔ لہٰذا میں نے فیصلہ کیا کہ بہر صورت خود حاضر ہو کر ان واقعات کی اطلاع حضور قبلہ عالم کو کر دوں۔ اور ان کا بیعت ہونا بھی ضروری تھا۔ اس لئے میں

نے یہاں سے بھاگ نکلنے کا بہانہ بنا کر کہا کہ مجھے ضروری کام سے گھر جانا ہے۔ اب تم لوگوں کو بیعت ہونا ضروری ہے۔ اس لئے میں پیر صاحب سے عرض کروں گا۔ یا تو وہ خود تشریف لائیں گے۔ یا تمہیں ان کی خدمت میں حاضر ہونا ہو گا یہ لوگ خوش ہوئے کہ حضور قبلہ عالم یہاں تشریف لائیں گے۔ یہ فیصلہ کر کے میں گھر روانہ ہو گیا۔ بارہ مولا پہنچا۔ تو خیال آیا چلتے چلتے میں خط کے ذریعہ حالات سے آگاہ کروں۔ اتنی دیر میں گھر سے واپس ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ خوش قسمتی سے لفافہ میری جیب میں تھا۔ بس میں بیٹھے بیٹھے میں نے مختصر حالات لکھے۔ اور خط ساتھ ہی لیٹر بکس میں ڈالدیا۔ بس روانہ ہو گئی شام کو میں گھر پہنچ گیا۔ گھر پہنچ کر میں نے حفیظ صاحب سے ان واقعات کا ذکر کیا۔ انہیں بھی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں چلنے کے لئے تیار کیا۔ اس دوران میں نے راجہ زبردست خان صاحب کے گھر بار ہمولہ سے دس میل کے فاصلہ پر موضع چاشنی کسی کام سے جانا تھا ہم گھر سے روانہ ہو کر سیدھے چاشنی چلے آئے۔ رات وہاں ٹھہرے دوسرے دن صبح ہم واپس بار ہمولہ پہنچے۔ یہاں سے ہم نے سوپور کے لئے لاری میں بیٹھ کر جانا تھا۔ میں لاری میں سوار ہوا۔ تو غیر ارادی طور میں بس سے اتر آیا۔ میں نے حفیظ صاحب سے کہا۔ تانگہ پر چلیں گے۔ تانگہ پر بیٹھے، پھر ایسا ہی ہوا کہ میں تانگہ سے اتر آیا میں نے کہا یہ تانگہ ٹھیک نہیں ہے۔ اور کسی تانگہ پر بیٹھ کر جائیں گے۔ اس خیال سے ہم نے دوسرے بازار کا رخ کیا۔ بازار سے گذر رہے تھے۔ کہ سامنے راجہ عبدالحمید خان (گلنساء کا چھوٹا بھائی) فیروز خان کو کھڑا دیکھا۔ میں حیران ہوا کہ انہیں میں اسلام آباد چھوڑ آیا تھا۔ یہ یہاں کیسے پہنچے انہوں نے ہمیں دیکھا تو دوڑ کر ملے اور گھبراہٹ سے بولے۔ ہم آپ کا دیر سے انتظار کر رہے تھے۔ آپ کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ میں نے پوچھا خیر تو ہے۔ تم یہاں کیسے۔ گلنساء ٹھیک تو ہے؟ کہنے لگے لطیف خان صاحب اور گلنساء ہوٹل میں آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ میں حیرت میں تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ ہوٹل پر گئے تو دیکھا۔ یہ لوگ فکرمند حالت میں بیٹھے ہیں۔ راجہ صاحب نے شکایت کی آپ بہانہ بنا کر ہم سے بھاگ آئے۔ اور ہمیں مصیبت میں چھوڑ آئے۔ جلدی کریں ہمیں پیر صاحب تک پہنچا دیں۔ بظاہر گلنساء اچھی حالت میں نظر آتی تھی مجھے گونہ تسلی ہوئی میں نے آنے کا سبب پوچھا۔ تو راجہ محمد لطیف خان صاحب نے واقعہ بیان کیا۔ کہ تمہارے جانے کے بعد گلنساء پر مشاہدات کا سلسلہ جاری رہا۔ میں تو خود اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم تک ہی جاتا رہا۔ گلنساء کو سات آسمانوں کی مکمل سیر کرائی گئی مجھے پریشانی ہوئی۔ کہ آپ پہلے تو گلنساء کی رہنمائی کرتے رہے۔ اب یہ اکیلی گھبرا

جائے گی۔ مگر پیر صاحب خود انہیں ساتھ لے جاتے رہے۔ کچھ دن مشاہدات میں توقف رہا۔۔۔ ہم خوش تھے کہ آپ پیر صاحب کو ساتھ لے کر آئیں گے۔ مگر ایک حیرت انگیز واقعہ پیش آیا۔۔۔ کہ دوپہر کا وقت تھا۔ ہم سب کمرے میں بیٹھے آپ اور پیر صاحب کا ذکر کر رہے تھے۔ اچانک دن کی روشنی میں کمرے میں دھواں چھا گیا۔ ہم گھبرا گئے۔۔۔ ابھی اٹھنے نہ پائے تھے کہ کمرے کی چھت پھٹتی نظر آئی آسمان سے نور کا ایک دھارا اندر سیدھا آیا اور گلنساء کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ میں نے اسے سنبھالا۔۔۔ گھر کے سب لوگ کمرے میں داخل ہو گئے۔ سب رونے لگے۔ گلنساء کو دیکھ کر سب لوگ پکارنے لگے۔ یا محمد امین صاحب بچائیے۔ یا نورالدین صاحب بچائیے۔ اندر والدہ نے گلنساء کی حالت دیکھی تو وہ برآمدہ میں گر کر بے ہوش ہو گئیں۔ ہماری پکار کا اثر ہوا۔ کمرے کا نور کم ہوا۔ گلنساء نیم بے ہوشی کے عالم میں کافی دیر آہ آہ پکارتی رہی۔ آخر اس کی زبان سے بس پیر صاحب بس۔ اب میں برداشت نہیں کر سکتی۔ بس کیجیے۔ کے الفاظ سنتے رہے۔ اتنی دیر میں گلنساء کو ہوش آیا۔ ہمیں گونہ تسلی ہوئی۔ گلنساء کہنے لگی پیر صاحب نے تو مجھے مار ہی دیا تھا۔ مجھ پر شدید تجلیات ڈالتے رہے۔ میں تجلیات میں چکر کاٹتی رہی۔ مجھے سخت تھکان ہوئی۔ بمشکل پیر صاحب نے تجلیات سے نکالا۔ حکم دیا کہ میں تمہارے گھر آؤں! یا تم میرے پاس آؤ! تم میرے انتظار میں مزے سے بیٹھی ہوئی ہو۔ اب تیاری کرو۔۔۔ فوراً میرے پاس پہنچو۔۔۔ وہیں تمہاری بیعت ہو گی۔ جب تک تم ہمارے پاس نہیں پہنچتی۔ تب تک کوئی شے نہ کھانی ہو گی۔ ہم خود تمہیں کھلائیں گے۔ خبردار کوئی چیز کھائی تو پھر جذب میں آجاؤ گی۔ لہٰذا ہم تمہاری تیاری تک تمہارے پاس ٹھہریں گے۔ ابھی سے تیاری شروع کر دو گلنساء نے راجہ لطیف خان، حمید خان، فیروز خان کو ساتھ تیار ہونے کو کہا۔ خود اندر گئی۔ دیکھا والدہ بے ہوش پڑی ہیں۔ تھوڑی توجہ دی تو انہیں ہوش آگیا۔۔۔ گلنساء کو ٹھیک دیکھ کر گلے لگایا۔ اور کہا بیٹی شکر ہے تم ٹھیک ہو۔ تم پیر صاحب کے گھر جا رہی ہو۔۔۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ جاؤ۔ راجہ صاحب سے بھی اجازت لے کر دی۔ وہ بھی یہ حالت دیکھ کر ششدر تھے۔ کہ یہ کیسے اسرار دیکھنے میں آتے ہیں۔ آدمی مدبر تھا۔ حقیقت شناس تھا۔ انہوں نے بھی اجازت دی۔ گلنساء نے والدہ سے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں پیر صاحب کے گھر جا رہی ہوں کہنے لگی۔ بے ہوشی کے عالم میں پیر صاحب باہر سے اندر یہاں برآمدے میں تشریف لائے۔ اور مجھے حالات بتائے۔ فرمایا۔ ہم گلنساء کو لے جا رہے ہیں۔ آپ بالکل نہ گھبرانا۔ اسے پھر صحیح سلامت آپ کے پاس پہنچا دیں گے۔ میں

مطمئن ہوں تم بھی بے فکر ہو کر جاؤ۔ یہ ایک عجیب واقعہ تھا۔ کہ ایسے گھرانے میں اور خاص کر ایسے راجپوت جاگیردار گھرانے میں عورتوں کا گھر سے باہر نکلنا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ کسی بڑی عورت کا اپنے عزیزوں کے گھر جانے کے لئے۔ مخصوص ڈولی یا پردہ میں بٹھا کر گھر کے خاص ملازم اٹھا کر لے جاتے۔ وہ بھی رات کے اندھیرے میں۔ چھوٹی یا جوان لڑکیوں کو گھر سے باہر جانے کی اجازت دینے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ مگر قدرت جسے ہدایت دے۔۔۔ ایسے موقع پر کسی کے ذہن میں ایسا خیال ہی نہ ابھرا۔ اب گلنساء سامان سفر تیار کرنے میں مصروف ہے۔ حضور قبلہ عالم محمد لطیف خان صاحب کے کمرے میں (باطناً) تشریف فرما ہیں۔ گلنساء بار بار ہدایت لینے آتی ہے۔ اور کھلی آنکھوں سے حضور کو دیکھ کر پوچھ رہی ہیں۔ ایک بار وہ رشید خان کی شیر خوار بچی کو گود میں لے کر حضور قبلہ عالم کے پاس آئی۔ تو بچی پیر صاحب کیطرف لپکی جیسے وہ سمجھ رہی ہے۔ کوئی کرسی پر بیٹھا ہے۔ یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ کہ بچی حضور کو دیکھ رہی ہے۔ آخر عصر کے بعد سب تیار ہو کر پہاڑ سے نیچے شاہراہ کشمیر پر آئے۔ یہاں سے تانگہ لیا۔ اور کشمیر کی طرف روانہ ہو گئے۔ کافی دیر ہو چکی تھی۔ فیصلہ کیا کہ رات یہاں سے تیرہ میل کے فاصلہ پر چناری (اپنے عزیزوں کے ہاں) ٹھہریں گے۔شام کے قریب چناری پہنچے۔ عزیزوں کا مکان لبِ سڑک تھا۔ یہ خاندان راجہ حیدر خان اور راجہ محمد افضل خان کا تھا۔ انہیں بھی معلوم ہو چکا تھا کہ یہ سب لوگ کشمیر کے پیر صاحب سے فیض حاصل کر چکے ہیں۔ گلنساء کے متعلق بھی انہیں علم ہو چکا تھا۔ وہ رات کے وقت گلنساء کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ کہ ایسے موقع پر یہ لوگ کیسے گھر سے نکل کر یہاں آئے کچھ گھبرا گئے۔ گلنساء نے مختصراً ذکر کیا کہ ہم کشمیر کے پیر صاحب کے گھر جا رہے ہیں۔ کچھ اپنے مختصر حالات بیان کئے۔ وہ بے حد خوش ہوئے۔ رات کھانے کا اہتمام ہوا۔ گلنساء نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کہ مجھے کھانا کھانے کی اجازت نہیں بہت اصرار کیا مگر اس نے معذوری ظاہر کی۔ اس کیفیت کو دیکھ کر وہ بے حد متاثر ہوئے رات گزاری عزیزوں سے رخصت چاہی۔ انہوں نے ناشتہ کے لئے زور دیا۔ سب کے لئے جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا۔ گلنساء کو ناشتہ کے لئے کہا مگر اس نے پھر انکار کیا۔ آخر پھوپھی نے بہت زور دیا کہ پیر صاحب سے اجازت لو۔ گلنساء نے حضورؒ کو چچی کے اصرار پر مجبور کیا۔ حضور نے ایک چائے کی پیالی، ایک انڈے کی اجازت دی۔ علی الصبح یہ لوگ روانہ ہونے کے لئے سڑک پر اتر آئے۔ گھر والوں نے کہا ابھی تو اندھیرا ہے۔ اس وقت لاری ملنا ممکن نہیں۔ لاری تو دن چڑھے آئے گی۔ گلنساء نے کہا ہم نے جلدی پہنچنا ہے۔ پیر صاحب کا حکم ہے۔ سڑک تک

پہنچتے لاری آجائے گی۔ لاری کا بندوبست ہو چکا ہے۔ یہ لوگ سڑک پر پہنچے تو سامنے سے لاری آگئی۔ اور قریب آکر رک گئی۔ سب لوگ لاری میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ گلنساء کا کہنا ہے کہ سفر میں ہمارے سوا اور کوئی سواری نہ تھی۔ ہمارے دادا پیر صاحب عالی جاہ حضرت سید نور الذمان شاہ صاحب بھی ہمراہ تھے۔ ایک جگہ مرد اور عورت پیدل سفر کر رہے تھے۔ تو حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ گلنساء دیکھو یہ بھی اپنے پیر حضرت صاحب بنیاں والے کے پاس پیدل جا رہے ہیں۔ اور تم پیر کے پاس جانے میں ہچکچاتے رہے۔ دیکھو ان کی پیر سے کتنی عقیدت ہے۔ صرف دعا کے لئے جا رہے ہیں۔ تم ان کا اپنے ساتھ موازنہ کرو۔ پھر تبسم فرمایا۔ آخر رام پور (موہرہ) اوڑی سے آگے، سڑک کے کنارے گاؤں پہنچے، یہاں سے بارہ مولا تقریباً ۱۵ میل کے فاصلہ پر ہے۔ حضور نے فرمایا اب ہم جا رہے ہیں۔ بارہ مولا اترنا وہاں سے نور الدین تمہیں اپنے ساتھ لے آئے گا۔ تم اس کا تھوڑی دیر انتظار کرنا وہ خود تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ وہ بھی اسی علاقہ میں آیا ہے تمہارے بارہ مولا پہنچنے تک وہ بھی پہنچ جائے گا۔ گلنساء کہنے لگی ہم آپ کے انتظار میں تھے۔ اب چلیں ہمیں پیر صاحب کے گھر پہنچا دیں۔

میں ان حیرت انگیز واقعات سے قطعی نابلد تھا۔ یہ حالات سن کر میں کچھ سوچ بھی نہ سکا۔ کہ یہ کیا اسرار ہیں۔۔۔ بہر حال ہم نے تانگہ کیا اور سوپور کی طرف خوشیوں سے لبریز دل لے کر روانہ ہو گئے۔

شاہراہ کشمیر سے پانچ میل بائیں جانب تحصیل ہندواڑہ۔ سوپور کی طرف حضور قبلہ عالم کے دولت خانہ، کپواڑہ۔ کاشیراہ کو راستہ جاتا ہے۔ اسی راہ ہم سوپور کچھ دیر ٹھہر کر کپواڑہ پڑاؤ کی طرف تانگہ پر سوار ہو کر چلے۔ راستہ میں "درگ مولہ" گاؤں میں ایک نہر کے قریب اترے کچھ ستائے۔ حقہ پیا ادھر اُدھر گھومے اور پھر روانہ ہو کر کپواڑہ پہنچے۔ یہاں سے دو گھوڑے کرایہ پر لے کر گلنساء کو گھوڑے پر سوار کر کے کاشیراہ (جو سڑک سے تقریباً آدھ میل دور اونچائی پر واقع) حضور کے آستانہ پر پہنچ گئے۔ حضور قبلہ عالم اپنے مکان کے برآمدہ میں تشریف فرما تھے۔ ہم سب نے حاضر ہو کر السلام علیکم عرض کی۔ حضور بے حد تپاک سے ملے۔ مجھ سے فرمانے لگے۔ نور الدین انہیں ساتھ لائے ہو۔ میں نے عرض کی ان کا حال ملاحظہ فرمایئے۔ لانا تو ضرور تھا۔ فرمانے لگے۔ ان کو یہاں آنے میں کافی زحمت اٹھانی پڑی۔۔۔ میں نے عرض کی حضور ہی کا تو حکم تھا۔ آپ خاموش ہو گئے۔ ہمیں مکان کی دوسری منزل پر لا کر بٹھا دیا۔ ماسٹر غلام محمد بھی حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔ وہ بھی

ہماری باتیں سن رہے تھے۔ ہم حجرے میں بیٹھے۔ تو ماسٹر صاحب کہنے لگے۔ یہ پیر ٹھگی کرتا ہے۔۔۔ یہ وقت تھا کہ کسی پیر کے متعلق اس کے مافوق العقل کمالات دیکھ کر ہمارے دلوں میں پیر سے متعلق جو عزت و عقیدت کے تصورات قائم ہوئے تھے۔ اس کے خلاف پیر کے کسی قریبی آدمی سے ایسے الفاظ سن کر یہی اندازہ ہو سکتا تھا۔ کہ یہ شخص پاگل ہے۔ راجہ فیروز خاں نے ماسٹر صاحب کے یہ الفاظ سنے تو کہنے لگے۔ یہ شخص پاگل ہے پیر صاحب کے متعلق ایسے سخت الفاظ استعمال کر رہا ہے۔ سب ہی ماسٹر صاحب کو دیکھ کر یہی سمجھے کہ یہ شخص پاگل ہے۔ میں نے راجہ فیروز خان کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔۔ مبادا غصہ میں کچھ اور کہہ جائے۔ میں اسے نہ روکتا تو ممکن تھا کہ فیروز خان اسے کھڑکی سے اٹھا کر باہر پھینک دیتے۔ میں نے اسے کہا انہیں کچھ نہ کہو۔ یہ "ولی" ہے۔ وہ تعجب سے اسے دیکھ کر کہنے لگا۔ ولی بھی ایسی بات اپنے پیر کے متعلق کہہ سکتا ہے؟ ماسٹر صاحب خاموش نہ رہے کہنے لگے۔ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ یہ پیر ٹھگی کرتا ہے۔ تمہیں تو پیر کہتا ہے۔ کہ ان کو زحمت کیوں دی۔ خط کیوں نہ لکھا۔ یہ ابھی برآمدہ میں بیٹھا بتا رہا تھا کہ مظفر آباد کے راجے اس وقت بارہمولہ پہنچے نورالدین کا انتظار کر رہے ہیں۔ نورالدین چاشنی سے بارہمولہ پہنچا۔ بارہمولہ سے روانہ ہوئے سوپورہ ٹھہرے۔ درگ مولہ ندی کے پاس تانگہ سے اترے۔ ندی سے پانی پیا۔ راجہ صاحب نے حقہ پیا۔۔۔ پھر تانگہ میں بیٹھ کر جب تم لوگ پہاڑی کے نیچے تک پہنچے۔ پیر بتا رہا تھا۔ اور مائی صاحبہ اندر مراقبہ میں دیکھ رہی تھیں۔ تم قریب پہنچے تو یہ اب آپ کو ایسے ملتے ہیں۔ جیسے تم کو انہوں نے وہاں سے اٹھا کر نہیں لایا۔ تم خود آئے ہو۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ خود تم سب کو گھر سے نکالا۔۔۔ اور یہاں کہتے ہیں تم کو زحمت ہوئی۔ یہ ٹھگی نہیں تو کیا ہے۔ میں خود بھی تم کو جگہ جگہ دیکھتا رہا۔۔۔ آخر طریقت کا بھی ایک انداز ہے کہ فقیری کا بغیر مجاہدہ کے ملنا تصور میں نہیں آسکتا۔ چند دنوں میں اتنے عظیم مراتب کا پانا اور ان کا مشاہدہ کرنا۔ اس حال میں کہ مشاہدہ کرنے والے۔ اصل و نقل کی تمیز کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور مشاہدات جن کی دلیل ساتھ ساتھ مل رہی ہے۔ یہ کیفیات مافوق العقل بھی ہیں۔ قابل تسلی بھی ہیں کہ اسمیں شک کی ذرہ بھر گنجائش بھی نہیں۔ وہی آنکھیں، وہی کان۔ یہ بھی سن رہے ہیں کہ یہ "پیر ٹھگی کرتا ہے" اور کہنے والا شاہدہ کی تصدیق کرتا ہے۔ کہ تم فلاں جگہ ٹھہرے۔ فلاں جگہ یہ ہوا۔ وہ ہوا۔ تو اس میں بھی شک کرنے کی گنجائش نہیں۔ کہ واقعی یہ شخص پاگل ہے۔ یہ واقعات کا تضاد بھی ہے۔ جو یقیناً انسانی سمجھ سے ماوراء۔۔۔ ماورائی ہے۔ خیر اتنا ہوا۔۔۔ ماسٹر صاحب کے بارے میں ان کا خیال بدل گیا۔

سمجھے کہ یہ مجذوب ہو گا۔ مگر ایسا بھی نہیں۔ وہ ہوش مند ہے۔ حضور اسے بلاتے ہیں۔ تو ادب سے غلاموں کی طرح کھڑا ہو جاتا ہے۔ ایسے حالات کا سمجھنا عام عقل کے لیے۔۔۔ اور خاص کر جو اصل طریقت سے واقف نہ ہو۔ ناقابل فہم ہی تھے۔

راجہ محمد لطیف خان۔ حمید خان۔ فیروز خان۔ میں۔ ماسٹر صاحب حجرے میں بیٹھ گئے۔ گلنساء کو حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی خدمت میں حاضری کے لیے اندر بلایا گیا۔ تھوڑی دیر بعد حضور حجرے میں تشریف لائے۔ فراغت کے بعد میں نے تمام واقعات بیان کیے۔ حضور تمام واقعات خاموشی سے سنتے رہے۔ فرمانے لگے۔ تمہارا خط جو بارہمولہ سے ڈالا گیا تھا۔ ہمیں مل گیا۔ مجھے تمہارے اس کارِ خیر سے بہت خوشی ہوئی۔۔۔ دیکھا!۔۔۔ ہماری تمہیں مظفر آباد بھیجنے میں کیا مصلحت تھی؟۔۔۔ اچھا ہوا تم چلے گئے۔ اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ محمد لطیف خان صاحب جس وقت حضور سے ملے، تو مصافحہ کرتے وقت حضور کے سامنے جھک گئے۔ حضور نے فرمایا۔ لطیف خان صاحب سر کو نہ جھکائیں، دل کو جھکائیں۔ ان لوگوں کے ذہنوں میں پیر سے متعلق جو تصور تھا۔ یہاں تو اس کے برعکس دیکھنے میں آیا۔ حضور قبلہ عالم کی ہئیت ایک عام زمیندار جیسی تھی۔ وہ فقیرانہ لباس۔ یہاں ٹھاٹھ باٹھ رعب و دبدبہ کا تو نشان ہی نہ تھا۔ حضورؒ نے ان کی سادگی سے پذیرائی فرمائی۔ خود ان کی خدمت میں مصروف ہو گئے۔ نہ مرید۔ نہ خدام۔ خود ہاتھ دھلانا۔ کھانا سامنے رکھنا۔ اور خندہ پیشانی سے ہر شخص سے ملنا۔ ایک خدمت گار کی طرح۔ خدمات مہمانداری انجام دینا۔ یہ ایسا مظاہرہ تھا۔ جس سے ان کے دلوں میں حضور قبلہ عالم کی ذات کے لیے عقیدت و محبت کا لافانی جذبہ امڈ آیا۔۔۔ یہ ایسا مظاہرہ تھا۔ جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ کہ ایک اولوالعزم ولی کی شخصیت ایسی بھی ہوتی ہے! گلنساء اندرون خانہ حضرت اقدس جناب محترمہ مائی صاحبہ کی خدمت میں پیش ہوئی۔ تو وہاں بھی ایسی ہی سادگی بجائے رعب کے، ماں سے زیادہ شفقت دیکھ کر وہ اپنی تمام تکلیفیں بھول گئی۔ اسے ایسا سکون ملا۔ جو ماں کی گود میں بھی میسر نہیں آتا۔ آپ کی سادہ طبیعت دیکھ کر وہ بھول گئی۔ کہ میں کسی پیر کے گھر آگئی ہوں۔۔۔ ماحول میں رعبِ فقیری محسوس نہ ہوا۔ تو کھل کر حضرت محترمہ مائی صاحبہ سے ہم کلام ہوئی آپ اس کی باتیں سن کر تبسم فرماتیں اور خوش ہوتیں۔ گلنساء نے اپنی تمام داستان حضرت اقدس میں بیان کی۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے فرمایا۔ ہمیں تمام حالات کا علم ہے۔۔۔ آپ نے فرمایا کہ چند دن ہوئے۔ حضور قبلہ عالم کو نور الدین کا خط ملا۔ جو اس نے بارہمولہ سے بھیجا تھا۔ اس خط کا ذکر حضور قبلہ عالم نے ہم سے کیا اور خط میں تحریر مختصر

حالات بیان فرمائے۔ آپ نے فرمایا وہ لوگ جاگیردار ہیں۔ اور آپ بیعت کرنے یہاں آئیں گے۔ ہم نے کہا کہ وہ لوگ جاگیردار ہیں۔ ان کا یہاں آنا ممکن نہیں ہوسکتا۔ وہ کب یہاں آنا گوارا کریں گے۔ حضور فرمانے لگے۔ فقر میں جاگیرداری نہیں رہتی۔ انہیں بہت سے انعامات ملے ہیں۔ وہ ضرور آئیں گے۔ ہم نے کہا کہ دنیا دار لوگ فقیری کی قدر کرنا نہیں جانتے۔ خواہ وہ کچھ بھی بنیں۔ یہ سن کر حضور جلال میں آگئے۔ فرمانے لگے۔ دیکھو ہم دکھاتے ہیں وہ کس طرح یہاں آتے ہیں۔۔۔ مراقبہ کریں۔ اور خود مشاہدہ کریں۔ ہم نے مشاہدہ کیا۔ تو خود حیران رہ گئے کہ اتنے وقفہ میں حضور نے تمہیں کہاں تک پہنچایا۔۔۔ تمہارا تمام مراتب میں جانا ہم نے مشاہدہ کیا۔۔۔ پھر فرمانے لگے۔ کیا اب بھی وہ فقر کی قدر نہ کریں گے۔ ہم نے پھر وہی بات دہرائی۔ جاگیردار لوگ اونچے خیال کے لوگ یہاں آنا گوارا نہیں کریں گے۔ پھر زور دے کر فرمایا۔ اب دیکھو! تو ہم نے دیکھا کہ تم بھائی کے کمرے میں بیٹھی تھیں۔ حضور نے توجہ فرمائی تو تم پر جذب طاری ہوا۔ اور جو واقعات تمہیں پیش آئے وہ ہم مشاہدہ کرتے رہے۔ تمہاری والدہ اندر مکان کے برآمدے میں بے ہوش ہو گئیں۔ تمہارے بھائی مونچھوں والے دراصل تماشا دیکھنے آئے تھے۔ وہ ابھی بھی یقین نہیں کرتے تھے۔ وہ بھی کمرے سے باہر پھینکے گئے اس وقت انہیں ہوش آیا۔ اور یقین کر لیا۔ اس کے بعد گھر سے روانہ ہونے سے لے کر یہاں پہنچنے تک حضور تمہارے سفر کے متعلق بیان فرماتے رہے۔ اور ہم بھی مشاہدہ کرتے رہے۔ بارہمولہ پہنچنا۔ نورالدین کا تم سے ملنا۔ سوپور پہنچ کر تانگہ میں سوار ہونا۔ درگہ مولہ میں ٹھہرنا۔ کپواڑہ پہنچ کر غرض یہاں پہاڑی کے نیچے پہنچے تو پیر صاحب فرمانے لگے اب نیچے پہنچ گئے بس کرو۔ اب خود ان کی حالت دیکھ لوگی۔ گلنساء یہ حالات سن کر سکتے میں آگئی۔ تمام واقعات اس کے علم میں تھے۔ وہ زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ سر قدموں میں رکھ دیا۔ حضرت مائی صاحبہ نے سر اٹھا کر گلے لگایا۔ فرمایا تم بے حد خوش قسمت ہو۔۔۔ پیر صاحب کی تم پر خاص نظرِ عنایت رہی۔۔۔ اس اثناء میں حضور بھی اندر تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم اور حضرت محترمہ مائی صاحبہ کی سادگی دیکھ کر گلنساء کے دل سے پیرانہ رعب اٹھ گیا۔ وہ حضور سے آزادانہ انداز میں گفتگو کرنے لگی۔۔۔ شائستہ انداز میں بولی۔ پیر صاحب امیری تو بری حالت ہو گئی۔ میں تو اس قدر مشقت اٹھانے کے قابل نہ تھی۔ آپ نے مجھ پر بہت زیادہ بوجھ ڈالا۔۔۔ حضور ویسے بھی حکم دیتے تو ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ یہ انداز اختیار کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ مائی صاحبہ کہتی تھیں۔ کہ امیر کبیر لوگ ہیں۔ وہ کب یہاں آنے پر راضی ہوں

گے۔ یہ چیز تمہاری آزمائش کا سبب بنی۔ کہ یہ بھی دیکھ لیں کہ امیر کو جب انعام عطا ہوتا ہے۔ وہ انعام کی قدر کرنا بھی جانتا ہے۔ تمہاری عقیدت قابل تعریف ہے۔ آزمائش یہی تھی کہ کیا تم اس انعام کی قدر کرنا جانتی ہو۔ یا نہیں۔ ہم جانتے ہیں تم آج تک گھر سے باہر نہیں نکلیں۔ مگر کیا تم ہمارے پاس آنے پر تیار بھی ہو۔۔۔ سو تم آزمائش میں پوری اتریں کہ تم نے ہمارے پاس آنے میں اپنی خاندانی برتری کا احساس نہ کیا۔ دوسرے اب تمہیں فقیری کی قدر بھی ہوگی۔ مفت انعام ملے تو اس کی ویسے بھی قدر نہیں کی جاتی۔ محنت سے حاصل کی ہوئی شے کی قدر و قیمت کا احساس ہو جاتا ہے۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے تمام مراتب کی سیر کے متعلق گلنساء کو بتایا کہ تمہیں کیا کیا مشاہدات ہوئے۔ حضور نے بھی گلنساء پر بے حد شفقت و عنایت فرمائی۔ گلنساء نے حضرت محترمہ مائی صاحبہ سے عرض کی کہ میری والدہ مجھ سے بے حد محبت رکھتی ہیں۔ ان پر توجہ فرمائیں۔ اور انہیں ہمارے یہاں بخیریت پہنچنے کی اطلاع دیں۔ تاکہ انہیں تسلی ہو۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے گلنساء کو مراقبہ میں والدہ کی حالت مشاہدہ کرنے کے لیے فرمایا۔۔۔ تو دیکھا والدہ گھر پر کمرے میں بیٹھی پریشان تھیں۔ حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے توجہ دی تو وہ بستر پر لیٹ گئیں۔ لیٹتے ہی خواب[1] کی کیفیت طاری ہوئی۔ دیکھا کہ محترمہ مائی صاحبہ۔ گلنساء ان کے قریب آئے اور سب کی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں بخیریت پہنچنے کی خبر دی۔ اور انہیں تسلی دی کہ آپ مطمئن رہیں۔ جلد ہی سب لوگ خیریت سے واپس پہنچ جائیں گے۔۔۔ حضور قبلہ عالم۔۔۔ محترمہ مائی صاحبہ نے نئے مہمانوں کی اچھی طرح خدمت و دلجوئی فرمائی۔ انہیں یہ احساس نہ رہا کہ ہم کسی پیر کے گھر بحیثیت مرید حاضر ہوئے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کی آزادانہ گفتگو اور سادگی نے ان کے دلوں سے ہیبت نکال کر محبت و عقیدت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ ہر شخص حضور سے گفتگو کرنے لگا۔ اور ہنسی مذاق میں وقت گذرا۔۔۔ یہ دن ہماری زندگی کے لطیف و پر مسرت دن تھے۔ یہ ساعتیں ہماری زندگی کی یادگار ساعتیں تھیں۔ حضور قبلہ عالم نے حد درجہ محبت و شفقت سے ہمیں نوازا۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ کسی پیر کے سامنے رعب و دہشت کو تصور میں

---

[1] واپسی پر گل نساء نے والدہ سے پوچھا ہمارے جانے کے بعد آپ نے کوئی خواب دیکھا؟ تو انہوں نے اس خواب کی تمام کیفیت بیان کی جو حضرت محترمہ مائی صاحبہ نے گل نساء کو مراقبہ میں مشاہدہ کرائی تھی۔

نہ رکھ کر جب اس سے شفقت و محبت کا اظہار ہو۔ تو لازمی طور دل میں ایک کیف مسرت پیدا ہوتا ہے۔۔۔ یہ ایک لطیف کیف ہے۔ جو دل کی اصل غذا ہے۔۔۔ اسی غذا سے دل زندہ ہو جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہم ایک ولی کے خوبصورت تصور سے ناآشنا تھے۔ فقیری سے ناآشنا تھے۔ اسرارِ ملکوتی کے تصورات سے ہم بے خبر تھے۔۔۔ ہمارے دلوں پر ناقص فقرا کی دہشت طاری ہوتی تھی۔ ایسے میں ہمیں ایک حسین محبوب کی فراخدلانہ مسکراہٹ ملی۔ ہم اس حسین محبوب پر ہزار جان قربان ہوئے۔ ہمارے دل عشقِ پیر کی لذت سے جھومنے لگے۔۔۔ ہم دنیا کے غم و آلام سے بے نیاز اپنے محبوب کے گرد طواف کرنے لگے۔ ہم خوش تھے۔۔۔ بے حد خوش!۔۔۔ جیسے غم یہاں مٹ گیا اور اب پکار پکار کر کوئی کہہ رہا تھا۔ لَاخَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ○۔ انہیں خوف رہا نہ غم۔ حقیقتاً اس آیت کی تفسیر کا یہی مقام ہے!۔۔۔ کسی محبوب کی محبت میں سرشار ہو کر۔ غم سے بے پرواہ ہو جانا۔ حضور قبلہ عالم ہم پر حد درجہ شفقت فرماتے رہے۔ اس شفقت و دل جوئی میں۔ جو کچھ آپ کی ذات سے ہم نے مشاہدہ کیا۔ یہ محبت و ایثار ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

حضور قبلہ عالم دوسرے دن ہمیں قریبی جنگل میں سیر کے لیے لے گئے۔ ہم سب بلا احساس پیری مریدی گھل مل کر گھومتے رہے۔ آپس کی گفتگو میں بھی آداب مریدی کا احساس نہ رہا۔ موسم بہار کا آغاز تھا۔ اس موسم میں، پہاڑی علاقہ میں زمین سے گھمیاں (ایک قسم کی بوٹی جو ترکاری کے طور استعمال ہوتی ہے) پھوٹتی ہیں۔ ہم سب گھمیاں تلاش کرنے لگے۔۔۔ یہ بوٹی خاکی رنگ کی زمین میں کسی کسی جگہ پھوٹ کر نکلتی ہے۔ اس کی تلاش میں جب تک زمین پر غور سے نہ دیکھا جائے، جلدی نظر نہیں آتی۔ اس بوٹی کی تلاش میں مقابلہ شروع ہوا۔ ایک طرف ہم سب تلاش کرنے لگے۔ دوسری طرف گلنساء بیگم اور حضور قبلہ عالم۔ ہر شخص ایک دوسرے سے گھمی حاصل کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔ حضور قبلہ عالم اور گلنساء کا مقابلہ ہوتا ہے۔ جہاں کہیں گھمی نظر آئی، دونوں معصوم ہستیاں جھپٹ پڑتی ہیں۔ دیر تک مقابلہ ہوتا رہا۔ گلنساء حضور قبلہ عالم سے سبقت لے جانا چاہتی ہے۔ بڑی کوشش سے چکر کاٹتی ہے۔ حضور تبسم فرماتے ہیں۔ اور بغیر کوشش کسی نہ کسی جگہ انہیں گھمی مل جاتی ہے۔ آخر نتیجہ نکلتا ہے۔ تو سب سے زیادہ گھمیاں حضور حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے نمبر پر گلنساء۔۔۔ اور ہم میں کسی کے پاس ایک دو۔۔۔ اور کوئی خالی ہاتھ۔۔۔ بے جھجک قہقہے لگتے ہیں۔ اس طرح حضور قبلہ عالم جنگل کی سیر میں ہمیں بہلاتے ہیں۔ اس وقت ہمارا زہد۔۔۔ ہمارے مراقبے۔ ہمارا مشاہدہ۔ ہمارے باطن کی سیر یکسر

بھول جاتی ہے۔ عجیب کیفیت ہے۔ کہاں پیر کے سامنے مرید کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ کہاں مرید پیر سے سبقت لے جانے میں پیر سے مقابلہ کی جرأت کرتا ہے۔۔۔ دل غم دنیا سے آزاد۔۔۔ بے حد مسرور۔۔۔ معلوم نہیں ہم کس دنیا میں بس رہے ہیں۔ سبحان اللہ۔ کیا پیری۔ اور کیا مریدی!۔۔۔ ہاں!۔۔۔ یقیناً یہ حقیقت کی تلاش کا حقیقی تصور ہے۔۔۔ جب تک ایک طالب کے قلب میں۔ "حُب" کا تاثر پیدا ہو کر اپنے پیر کو محبوب بنانے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا۔۔۔ تلاش حقیقت میں منزل کا پانا ممکن نہیں۔۔۔ بغیر حُب زہد و عبادت۔۔۔ رات جاگنا۔ فاقہ و محنت کا لاً نتیجہ خیز نہیں۔

چند دن قیام کے بعد حضور قبلہ عالم نے واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی اور بہ نفسِ نفیس، کہواڑہ قصبہ تک تشریف لائے۔ حضور قبلہ عالم خود تانگہ پر سامان لاد رہے ہیں۔ اور ہم مبہوت محو حیرت دیکھ رہے ہیں۔ قلب و ذہن پر ایسا اثر طاری ہے کہ نہ سوچ کام کر رہی ہے نہ کچھ کہہ سکتے ہیں۔ سکتہ طاری ہے کہ پیر خود ہمارا سامان اٹھا رہے ہیں اور انہیں اپنی پیری کا احساس تک نہیں۔ آپ نے نہایت شفقت و اعزاز سے ہمیں رخصت کیا۔ جس کے جواب میں ہم نے آنسوؤں سے دلی جذبات کو آنکھوں سے بہایا۔ ہم نے آج فراق کی لذت کو محسوس کیا۔ ہمارے دلوں میں اس نقاشِ فطرت نے ایسا محبت کا نقش ابھارا جو ہماری زندگی تک نہ مٹ سکے گا۔

واہ رے صورت گرِ فطرت یہ تیرا انتظام[1]
مار ڈالا جب مجھے، جینے کے قابل کر دیا

حضور قبلہ عالم نے مجھے ہدایت فرمائی کہ میں اس قافلہ کو گھر تک پہنچا کر کچھ عرصہ ان کی راہنمائی اور تربیت کرتا رہوں۔ چنانچہ میں ان کے ہمراہ اسلام آباد (چکار) گھر تک آیا۔ اب اس گھر کا ماحول بالکل بدل چکا تھا۔ جہاں رات و دن راگ و شراب کا دور چلتا تھا وہاں گھر کا بچہ بچہ درود شریف کا ورد کرتا نظر آتا تھا۔ گاؤں میں بھی لوگوں کو ان واقعات کا علم ہوا۔ تو وہ لوگ حیرت میں آ گئے۔ کہ کیا جاگیردار خاندان بھی فقیر بن گیا اور پھر اس فقیری میں حیران کن واقعات کا اظہار ہوا کہ کل کے شراب پینے والے آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا

---

[1] یہ شعر حضرت علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم کا ہے۔ جس میں "انتظام" کی جگہ اصل لفظ "انتقام" ہے۔

دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر اس امر سے صاف کرامات ظاہر تھی کہ گلنساء جو قریب الرگ حالت میں تھی چند دنوں میں بغیر علاج صحت مند ہو گئی اور پھر حضوری صاحب مشاہدہ بن گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دور دور تک گاؤں کے لوگ یہاں آنے لگے۔ اپنی آنکھوں سے حقیقت دیکھ کر بیعت ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ ان میں مرد خواہشمند مجھ سے درود شریف کی اجازت لیتے اور عورتوں کو خود گلنساء بیگم درود شریف کی اجازت دیتی۔ یہاں تک کہ تمام علاقہ چکار میں سلسلہ کی شہرت پھیل گئی اور لوگ دور دور سے راجہ محمد لطیف خانصاحب کے گھر آکر حقیقت حال سے آگاہ ہو کر درود شریف پڑھنے لگے۔ یہ لوگ بیعت کی خواہش رکھتے تھے۔ جس کے لیے ہر شخص قبلہ عالم کی زیارت کے لیے بے تاب تھا۔ اللہ تعالیٰ کا کرم تھا کہ یہ گھرانہ ہدایت کا مرکز بن گیا۔ گھر کے تمام لوگ انتہائی مسرت کے ساتھ شب و روز اسی شغل میں گذارنے لگے۔

ایک دن جمعہ کی عصر کے وقت ہم راجہ محمد لطیف کے کمرے میں سلسلہ کے متعلق گفتگو میں مشغول تھے کہ اچانک صحن میں ہنگامہ سنائی دیا۔ ایک بچہ گھبرایا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔۔۔ کہنے لگا کہ گلنساء باجی کو کچھ ہو گیا۔ ہم باہر نکلے تو دیکھا گلنساء دیوانگی کے عالم میں ادھر اُدھر بے چینی سے گھوم رہی ہے جیسے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ یہ حالت دیکھ کر میں پاس گیا۔ پوچھا تمہیں کیا واردات پیش آئی؟ کہنے لگی قبلہ پیر صاحب نے پریشان کر رکھا ہے۔ پیر صاحب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے سامنے آکر اپنے دستِ مبارک میری طرف کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں سے ایسی شدید تیز شعاعیں نکلتی ہیں جو مجھ پر ڈالی جاتی ہیں کہ میں اس نور کو برداشت نہیں کرتی۔ میں ان انوار کی زد سے بھاگ کر دوسری جاتی ہوں۔ تو دونوں حضرات جدھر میں جاتی ہوں سامنے آکر ہاتھ کی شعاعیں مجھ پر ڈالتے ہیں۔ اس وجہ سے میں بھاگ بھاگ کر تنگ گئی ہوں۔ یہ حضرات میرا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ میں گلنساء کو راجہ صاحب کے کمرے میں لایا۔ تھوڑی توجہ دی اور مراقبہ کیلئے کہا کہ اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہو جاؤ تو وہاں بھی حضور قبلہ عالم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے تھے۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ یہ تمہاری غفلت کی سزا ہے۔ تم نے ہمارے حکم کی تعمیل میں کوتاہی کی۔۔۔ ہم نے آج کے دن کے لیے وقت مقرر کیا تھا کہ جمعہ کو ظہر کے وقت مراقبہ کرنا۔ تم نے خیال نہ کیا۔ لہذا اس طرح اب تمہیں تنگ کیا جائے گا۔۔۔ گلنساء نے بتایا جب ہم حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوئے تھے تو حضور نے مجھے چند راز کی باتیں بتائی تھیں۔ ان میں یہ بات بھی بتائی تھی کہ آج کی تاریخ جمعہ کو مراقبہ کرنا ہم تمہیں احدیتِ مجردہ کی

سیر کرائیں گے بد قسمتی سے میں بھول گئی۔ اب انہوں نے خود ہی مجھے اس غفلت سے جگانے کا اچھا انتظام کیا۔۔۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم نے حکم دیا کہ آج رات تمہیں جاگنا ہوگا۔ نصف رات کے وقت ہم حاضر ہوں گے۔ تمہیں احدیت مجردہ میں لے جائیں گے۔ چنانچہ گلنساء نے سرشام ہی نصف رات مراقبہ کا انتظام شروع کیا۔ رات کھانا کھانے کے بعد اپنی بہنوں اور چھوٹے بھائی عبدالحمید کو کمرے میں اکٹھا کر لیا اور درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ اور کچھ چائے وغیرہ کا انتظام بھی کر رکھا۔ نصف رات ہوئی تو مجھے بھی بلالیا۔ میں بھی گلنساء کے پاس آیا۔۔۔ عین وقت پر مراقبہ شروع کرایا۔ حضور قبلہ عالم اسے اجلاس محمدی ﷺ سے اٹھا کر عالم علیا کی طرف لے گئے۔ کافی عرصہ تک گلنساء مدہوشی کے عالم میں رہی۔۔۔ آخر سیر سے فارغ ہو کر ہوش میں آئی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ کسی طویل سفر سے تھک کر آئی ہے۔ تھکن محسوس ہو رہی تھی مگر اس کے چہرے پر پراسرار خوشی جھلک رہی تھی۔۔۔ کہنے لگی پیر صاحب نے پھر ایک بار سیر کرنے کیلئے حکم دیا مگر وقت نہیں بتایا فرمایا ہم خود تمہارے پاس آئیں گے۔۔۔ یہ واقعہ ہر شخص کے لیے محیر العقول۔ ناقابل فہم تھا۔۔۔ یقیناً ایسی فقیری کا اس سے قبل وہم و گمان بھی نہ تھا کہ اس طرح مشاہدات و مراتب کی سیر کی جاتی ہے۔

میاں عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

بیشک محب و محبوب میں جو سری "خفیہ" رابطہ ہوتا ہے وہ ضابطۂ تحریر میں نہیں آسکتا۔ نہ کراماً کاتبین کی تحریر میں آسکتا ہے۔ کیونکہ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ ملائکہ ایسی کیفیات و تعلق کا ادراک نہیں کر سکتے۔ بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وحی "جبرئیل" پر ہی عمل کرتے ہیں اور قرآن ہی شریعت و طریقت کی اصل سند ہے مگر یہ بھی تو ہے کہ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بغیر جبرئیل کے واسطہ کے بھی کلام ہوتا ہے جو قرآن میں درج نہیں۔ ایسے واقعات کا ظہور ہو تو ان کی دلیل قرآن سے نہیں مل سکتی بلکہ نہیں مل سکے گی۔ لہٰذا یہ قول کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ جس امر کی دلیل قرآن سے نہ ملتی ہو وہ قابل تسلیم نہیں۔ نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر بغیر دلیل تسلیم و یقین اسلام کی اولین شرط ہے۔ اسی طرح علماء امت اولیاء کاملین کے قول اور مشاہدات غیبی کے لیے قرآن سے دلیل نہ ملنے کی صورت میں بھی تسلیم و یقین لازمی ہے کیونکہ یہ امور متشابہات سے متعلق ہوتے ہیں جن کا علم وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ کو حاصل رہتا ہے۔ یہی علم

ماورائے عقل۔ مشاہدہ قلبی سے حاصل ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ ہماری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے مانند ہیں۔ انہیں علم کے ساتھ معجزات عطا ہوئے لہذا امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معجزات بنی اسرائیل حاصل ہونا ازروئے حدیث یقینی ہے۔ جس کی مثال حضور قبلہ عالم کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گلنساء کے سامنے آکر ید بیضا کا مظاہرہ کرنے سے واضح ہو جاتی ہے کہ جو نور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ید بیضا سے نکلتا ہے وہی نور حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک سے نکلتا ہے۔ یہ واضح مثال اَلْعُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ کے لیے کافی دلیل ہو سکتی ہے۔

گلنساء کے احدیت مجردہ کی سیر کے بعد اب یہ صورت پیش آئی کہ اسے باطنی اہتمام کے ساتھ مراتب کی سیر میں لے جایا جانے لگا کہ ایک وقت اس پر بلا ارادہ اچانک غنودگی طاری ہو جاتی۔ خود حضور قبلہ عالم تشریف لاتے کہ تیار ہو جاؤ تمہیں مراتب کی سیر میں لے جانا ہے۔۔۔ پرہیز کی پابندی ہے۔۔۔ مراقبہ میں رہو۔۔۔ بغیر اجازت کھانا پینا بند ہے۔ وقت آیا تو اس پر غنودگی طاری ہو گئی۔ بے ہوشی کے عالم میں مراتب کی سیر میں مشاہدات کرائے گئے۔ یہ مشاہدات تین تین دن تک جاری رہتے۔۔۔ طویل اور مسلسل مراقبہ کی وجہ سے گلنساء مضمحل ہو جاتی تو حضورؒ سے التجا کی کہ اس قدر طویل مشاہدات سے تنگ جاتی ہوں تو حضور قبلہ عالم کچھ وقفہ دیتے کہ درمیان مراقبہ و مشاہدات دس منٹ کا آرام دیتے۔ اس حالت میں یہ کیفیت ہو جاتی کہ اچانک غنودگی طاری ہو جاتی۔۔۔ اور مراتب کی سیر شروع ہو جاتی۔۔۔ آدھ گھنٹہ اسی حالت میں گذرا کہ خود بخود ہوش آجاتا۔۔۔ دس منٹ تک ہوش میں رہتی۔۔۔ اور کبھی مراتب کے آثار بیان کرتی کہ کیا دیکھا۔ دس منٹ پورے ہو جاتے۔۔۔ تو خود بخود بے ہوش ہو جاتی۔۔۔ ایسے مشاہدات اکثر بستر پر لیٹ کر کرائے جاتے۔۔۔ اور پھر آدھ گھنٹہ مشاہدات میں گذر جاتا۔ پھر ہوش آجاتا۔۔۔ یہی حالت دس منٹ آرام کے لئے ہوش میں آنا اور آدھ گھنٹہ مراتب کی سیر میں بے ہوش رہنا، تین دن چار دن۔۔۔ کبھی دو دن۔۔۔ کبھی ایک دن تک رہتی۔۔۔ ان اوقات میں حضور قبلہ عالم خود تشریف لا کر مراتب کی سیر میں لے جاتے۔ اس حالت میں غالباً ایک ماہ گذرا کہ گلنساء نے عالم بالا کی کئی منازل طے کر لیں۔۔۔ لیکن ان مشاہدات میں مراتب کے آثار عام لوگوں کے سامنے بیان کرنے سے منع کیا گیا۔۔۔ اس طرح راجہ محمد لطیف خان صاحب ان کے بھائی راجہ محمد اصغر خان، بڑے بھائی عبدالرشید خان، راجہ عبدالحمید خان، ان کے والد راجہ علی اکبر خان اور گھر

کے تمام افراد نماز و روزہ کے شدت سے پابند ہو گئے۔۔۔ اور کثرت سے علاقہ کے لوگ بھی یہاں آکر درود شریف کی اجازت لیکر سلسلہ سے منسلک ہو گئے۔ ہر شخص حضور کی آمد کا منتظر تھا کہ کب حضور قبلہ عالم تشریف لائیں تو سب لوگ بیعت ہو جائیں۔ چنانچہ حضور قبلہ عالم کو اسلام آباد تشریف لانے کے لیے دعوت دی گئی۔ راجہ صاحب نے مجھے حضور قبلہ عالم کو لانے کے لیے بھیجا۔ چنانچہ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کاشیراہ شریف در اقدس پر حاضر ہوا۔ حضور قبلہ عالم اس دن سخت بیمار تھے۔ آپ کو وجع الورق (شاٹیکا) کی تکلیف تھی چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ میں نے عرض کی حضور مجھے آپ کے لیے بھیجا گیا ہے۔ راجہ صاحب نے آنے کی دعوت دی ہے۔ آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ رات حضور کی خدمت میں رہا۔ پریشان تھا کہ ایسی حالت میں حضور کیسے سفر کریں گے۔ کہیں زیادہ تکلیف کی وجہ سے آپ کا جانا ناممکن نہ ہو جائے۔ لیکن صبح نماز فجر کے وقت آپ حجرے میں تشریف لائے تو آپ کی صحت ٹھیک معلوم ہو رہی تھی۔ صبح ناشتہ کرنے کے بعد حضور سفر کیلئے تیار ہو گئے۔ تقریباً چاشت کے وقت آپ گھر سے روانہ ہوئے۔ دو میل پر کہواڑہ سے گاڑی ملتی تھی۔ چنانچہ ہم گاڑی میں سوار ہو کر تقریباً دوپہر کے قریب شاہراہِ کشمیر پر جو مظفر آباد۔ پنڈی کی طرف جاتی تھی۔ پہاڑی کے دامن میں سراں گاؤں میں اترے۔۔۔ راجہ صاحب نے حضور کی تشریف آوری کیلئے پورا انتظام کر رکھا تھا۔ اطلاع ملتے ہی گاؤں کے لوگ حضور کے گرد جمع ہو گئے۔ حضور گھوڑے پر سوار ہو کر پہاڑ کے اوپر تقریباً ایک میل اسلام آباد گاؤں تشریف لے گئے۔ یہاں پہنچتے ہی گھر کے سب لوگ حضور کے استقبال کے لیے آگے پہنچے تھے۔ راجہ علی اکبر خان صاحب نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام تھام لی اور حضور کو اندرون خانہ لے آئے۔ تمام گھر اور گاؤں میں خوشی اور جوش کی لہر دوڑ گئی۔۔۔ اس دن حضور نے مکمل آرام فرمایا۔ دوسرے دن تمام گھر کے لوگ حضور سے بیعت ہوئے۔ اور گاؤں کے بہت سے لوگ بھی بیعت ہو گئے۔ دوسرے دن کثرت سے لوگوں کا ہجوم رہا۔ لوگ حضور قبلہ عالم کی زیارت و ملاقات کے لیے دور دور سے آئے۔۔۔ شام ہو چکی تھی۔ حضور قبلہ عالم، راجہ محمد لطیف کے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ میں، راجہ فیروز خان اور چند مہمان گاؤں کے دوسرے کمرے میں بیٹھے تھے۔۔۔ سامنے برآمدہ تھا اور مکان کے آگے وسیع باغ و صحن تھا۔ ہم لوگ کمرے میں محوِ گفتگو تھے کہ اچانک گلنساہ کمرے میں بھاگ کر اندر آئی ساتھ ہی ایک زوردار پتھر دیوار سے جا لگا۔ بعض لوگ گھبرا کر باہر نکلنے لگے۔ انہیں گمان ہوا کہ شاید راجہ صاحب کے مخالفین نے اچانک حملہ کیا ہو گا۔ مگر گلنساہ نے سب کو باہر جانے سے روکا

اور تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سب لوگ آرام سے بیٹھے رہیں۔۔۔ کچھ دیر خاموشی رہی۔۔۔ آخر میں نے گلنساء سے دریافت کیا کہ یہ پتھر کہاں سے آیا۔ اس نے کہا۔ کہ یہ ماجرا پیر صاحب کے سامنے بیان کروں گی۔ لڑکی بہت دلیر تھی۔ اس کے بشرے سے خوف کے آثار ظاہر نہ ہوتے تھے۔ ساتھ ہی حضور دوسرے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ حضور نے گلنساء کو دیکھ کر فرمایا۔ کچھ واردات تو نہیں ہوئی تو گلنساء نے عرض کی کہ ابھی ایک عجیب واقعہ دیکھنے میں آیا کہ اندھیرے میں صحن میں کوئی شخص آتا دکھائی دیا۔ قریب سے دیکھا تو ایک خوفناک شکل دکھائی دی۔ میں کمرے کی طرف بھاگی۔ وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔ مگر اسے موقع نہ مل سکا۔ جاتے میں ایک پتھر اٹھا کر مجھ پر مارا۔ میں کمرے میں داخل ہو چکی تھی۔ پتھر کمرے کے اندر دیوار سے ٹکرا کر گرا مگر کسی کے نہ لگا۔ حضور متبسم ہوئے فرمانے لگے۔ یہ تمہارا قدیمی دوست تھا۔ تم نے اس سے بیوفائی کی۔ اسے بہت رنج پہنچا ہے۔ یہ شیطان تھا۔ اس کو تمہارے فقیر ہونے کا بہت رنج ہوا اور کچھ نہ کر سکا جاتے میں وار کر گیا۔ خیر یہ شیطان ہی ہے۔ مومن اس کے فر سے محفوظ ہوتا ہے۔ فکر کرنے کی بات نہیں۔ گلنساء نے کہا مجھے اس کے متعلق پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ عرض کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دو ملائکہ میری مدد کے لیے عنایت کئے تھے۔ جس وقت ان کی ضرورت ہو تو سُبْحَانَ الْهَادِیْ مَنْ یَّشَآءُ سُبْحَانَ الْغَفُوْرِ الرَّحِیْمِ پڑھو اسی آن یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔ شیطان کی خوفناک شکل دیکھتے ہی میں نے وظیفہ پڑھا۔ تو ملائکہ سامنے پہنچے۔ انہوں نے بتایا یہ شیطان ہے۔ میں نے شیطان پر توجہ ڈالی وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا مگر جاتے میں مجھ پر پتھر کا وار کیا۔ بس میں نے ملائکہ کو واپس جانے کے لیے کہا۔ وہ اسی آن واپس ہو گئے۔ میں کمرے میں دوڑ کر چلی آئی۔ حضور نے تبسم فرمایا۔ گلنساء سے بہت خوش ہوئے۔ کمرے میں راجہ علی اکبر خانصاحب، راجہ محمد لطیف خانصاحب اور دوسرے بھائی اور بھی چند مہمان حضور کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ وہ یہ واقعہ سن کر حیرت میں آ گئے۔ اور اس واقعہ سے بیحد متاثر ہوئے۔ حضور کی عزت و احترام ان کے دل میں شدت سے جاگزیں ہوا۔ ان کے لیے یہ محیر العقول واقعہ تھا۔ جس کا انہیں وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کہ ایسا بھی ہوتا ہے۔ تین دن حضور قبلہ عالم نے یہاں قیام فرما کر واپسی کا ارادہ فرمایا۔ حضور کی واپسی کا سن کر ہر شخص پر پریشانی طاری ہونے لگی۔ جیسے حضور مدتوں اس گھر میں رہتے ہوں اور آج جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت ہو رہا ہے۔ سب نے چند دن مزید قیام کی درخواست کی۔ راجہ صاحب اور گلنساء نے بھی سخت منت کی لیکن حضور نے اپنا فیصلہ تبدیل نہ فرمایا۔ رات سب نے بے چینی میں گذاری۔ گھر

کے سب چھوٹے بڑے حضور کی خدمت میں ساری رات بیٹھے رہے۔ دوسرے دن صبح تقریباً چاشت کے وقت حضور یہاں سے رخصت ہو کر روانہ ہو گئے۔ آپ کا گھر سے روانہ ہونا تھا کہ گھر میں کہرام مچ گیا۔ سب عورتیں، بچے، مرد زار و قطار رونے لگے۔ راجہ صاحب کا مکان پہاڑ کے عام راستے سے ہٹ کر واقع تھا۔ یہاں پردے کی شدت سے پابندی رہتی تھی۔ لیکن اس وقت کسی کو ہوش نہ رہا۔ سب لوگ حضور کے پیچھے پیچھے باہر نکل آئے۔۔۔ حضور قبلہ عالم یہ منظر دیکھ کر بہت متاثر ہوئے کہ ان لوگوں کے دلوں میں پہلی ملاقات میں کس قدر محبت و احترام کا جذبہ پایا جاتا تھا۔ بالآخر حضور نے سب کو ساتھ جانے سے روکا۔ گلنساء اپنے پیر کی جدائی کے احساس سے بیمار ہو گئی وہ بھی گریہ کناں باہر نکل آئی اور پہاڑ کے ایک کنارے بیٹھ کر حضور قبلہ عالم کو دیکھتی اور روتی رہی۔ حضور قبلہ عالم پہاڑ سے اتر کر سڑک پر شاہراہِ کشمیر پر پہنچے اور بس (گاڑی) کا انتظار کرنے لگے۔ ان کے ساتھ راجہ اصغر خان، عبدالرشید، فیروز خان اور بھی چند ملازم نیچے تک آئے۔ اصغر خان پر تو دیوانگی طاری ہو گئی۔ وہ راستہ میں بھی روتا رہا۔ اور کہتا کہ میں پیر صاحب کو بس میں بیٹھنے نہیں دوں گا جو انہیں لے جائے اس بس کو پتھر مار کر توڑ دوں گا۔ بہر حال بس کا انتظار ہونے لگا۔ بسیں آئی ہیں مگر کوئی بس رکتی نہیں۔ سیدھا نکل جاتی۔ یہاں تک کہ دوپہر کا وقت گذرنے لگا۔ وقت گزرتا گیا یہاں تک کہ امید نہ رہی کہ راولپنڈی کی طرف سے کشمیر جانے والی کوئی بس ملے۔ حضور اوپر غمناک منظر دیکھ کر خاموش ہو گئے۔ کسی سے بات نہ کی۔ آخر سب نے فیصلہ کیا کہ اب اوپر واپس جانا چاہیے۔ اوپر پیغام دیا کہ فوراً گھوڑا بھیجدیں۔ نیچے سڑک سے اوپر پہاڑ کی طرف دیکھو تو اسلام آباد گاؤں نظر آتا ہے۔ گلنساء اور گھر کی چند لڑکیاں اوپر ٹیلے پر بیٹھی نظر آرہی ہیں۔ اچانک حضور کی نظر ٹیلے کی طرف اٹھی۔ پوچھا اس ٹیلے پر کون بیٹھا ہے۔ میں نے عرض کی گلنساء اور لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ یہ کہہ کر حضور مجھ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا ہم نیچے کھیتوں کیطرف جاتے ہیں۔ تم ابھی انتظار کرو۔ شاید کوئی گاڑی آئے اسے روکو۔ سب لوگ خوش تھے کہ اب حضور کے واپس جانے کی گنجائش نہیں بازار سے سودا سلف لینے لگے۔ حضور تھوڑی دیر نیچے کھیتوں میں اتر کر پیشاب کے لیے بیٹھے۔ اچانک بس چلنے کی آواز آئی۔ میں راستہ میں کھڑا ہو گیا تو دیکھا کہ ایک پٹرول کا ٹینکر آرہا ہے۔ میں مایوس ہوا کہ پہلے بس والے نہیں بٹھاتے۔ ٹینکر والا تو مشکل سے جگہ دے میں نے لاری کو روکنے کا اشارہ دیا لاری رک گئی۔ اتنی دیر میں حضور بھی قریب پہنچ گئے۔ ڈرائیور نے بغیر پوچھے کلینر کو نیچے اتار دیا اور حضور کو اپنے ساتھ بٹھا دیا۔ کلینر کو کہا کہ تم پیچھے کھڑے رہو۔ میں بھی پیچھے لوہے کے

جنگلے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ بس آناً فاناً گاڑی روانہ ہو گئی۔ سب لوگ حیرت و پریشانی میں منہ دیکھتے رہے۔ خدا خدا کر کے ہم بارہمولہ پہنچے۔[1]

وہاں سے شاہراہ کشمیر چھوڑ کر بائیں جانب قصبہ سوپور کی بس میں بیٹھ کر سوپور پہنچے۔ یہاں خواجہ عبدالکریم صاحب حضور قبلہ عالم کی آمد کے منتظر تھے۔ حضور سے ملے۔ حضور سوپور بازار میں ایک مرید کے ہاں دوکان پر تشریف لائے۔ خواجہ عبدالکریم صاحب سے فرمایا۔ خواجہ مراقبہ کریں اور گلنساء کی حالت کا مشاہدہ کریں۔ کس حال میں ہے۔ خواجہ صاحب نے مراقبہ کیا۔ کہنے لگے۔ لڑکی اضطراب میں ہے۔ اجلاس میں رو رہی ہے۔ حضور نے فرمایا وہ لوگ ہماری جدائی سے پریشان ہیں۔ خواجہ صاحب نے گلنساء کا مشاہدہ بند کرنے کے لیے اس پر نقاب ڈالنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ لڑکی مجذوب ہو جائیگی۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرما کر سکون دیا۔ پیر صاحب اس واقعہ سے بے حد متاثر ہوئے۔ اس دوران آپ نے بہت کم کلام فرمایا۔ میں نے گھر جانے کی اجازت

---

[1] حضور قبلہ عالم جب دوسری بار اسلام آباد تشریف لائے تو گل نساء حضورؒ کے پیش ہوئی۔ حضور گل نساء کو دیکھتے رہے اور گل نساء نادم ہو کر حضور کو دیکھتی رہی۔ حضور نے فرمایا گل نساء تم بہت ذہین اور مدبر ہو۔ مجھے گمان بھی نہ تھا کہ میرے فیصلہ میں کوئی حائل ہونے کی جرات بھی کرسکتا ہے تم نے مجھے روکنے کی اچھی تدبیر نکالی تھی۔ لیکن پیر صاحب مجھے خلافت دے چکے ہیں اب میرا ہی حکم چلتا ہے۔ تمہیں معلوم نہیں میرا اختیار ہر امر پر غالب ہے۔ تم نے غلطی کی تھی۔ ہمارا فیصلہ باطن کے تحت ہوتا ہے ورنہ میں تمہارے جذبات اور گریہ کو دیکھ کر رک سکتا تھا لیکن ہر قدم باطن کے تحت اٹھتا ہے۔ تم نے زبردست حملہ کیا تھا۔ آخر ہم جانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔ گل نساء نے ندامت سے سر جھکا لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ کمرے میں راجہ صاحب، لطیف صاحب اور بھی چند آدمی بیٹھے تھے۔ ہم اس گفتگو کو قطعاً نہ سمجھ سکے کہ گل نساء نے پیر صاحب پر حملہ کردیا۔ یہ عجیب بات تھی جس کا سمجھنا ہمارے علم و عقل سے باہر تھا۔ گل نساء نے عرض کی۔ اس کے لہجہ میں کچھ شکایت کے تاثرات تھے۔ آپ کا دل ہماری حالت دیکھ کر بھی نرم نہ ہوا۔ میں بے بس تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ آپ کے فراق میں۔ میں رات نہیں گزار

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چاہیں۔ پوچھا اب تم گھر جاؤ گے؟۔ میں نے عرض کی کہ کافی عرصہ میں گھر سے باہر رہا ہوں۔ حضور دوکان سے اٹھ کر گھر جانے کے لیے اڈے کی طرف روانہ ہوگئے۔ بازار کے درمیان دریا بہتا تھا۔ حضور پُل عبور کرنے لگے۔ میں نے وقت کی نزاکت دیکھ کر عرض کی کہ حضور اجازت دیں میں یہ کاروباری فکر چھوڑ کر سلسلہ کے فیض کا اجرا کرتا رہوں۔ حضور نے پیچھے

(بقیہ حاشیہ صد ۲۷۹)

سکی۔ اچانک میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ دادا پیر سے شکایت کروں۔ ان سے ہی مدد مانگوں۔ میں نے ٹیلے پر بیٹھے بیٹھے مراقبہ میں دادا پیر صاحب سے استدعا کی انہوں نے بھی آپ کو دیکھا اور مجھے ہنستے ہوئے حکم دیا کہ لاری والوں کو یہاں ٹھہرنے نہ دو۔ حضور عالی جاہ بھی میری حرکت دیکھ کر مسکراتے رہے۔ جب سب لوگوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ میں خوش ہوئی کہ اب آپ واپس آئیں گے۔ میں خوشی میں گھر کے اندر چلی آئی اور انتظار کرنے لگی مگر جب سب لوگ واپس آئے تو آپ ان میں نہ تھے۔ انہوں نے بتایا کہ اچانک ایک ٹینکر آیا اور آپ اس میں بیٹھ کر چلے گئے۔ اس وقت عالی جاہ شاہ صاحب پھر سامنے ہوئے۔ ہنستے ہوئے فرمایا مرید کتنا چالاک ہو مگر پیر ایک گُر مرید سے چھپا کر رکھتا ہے۔ دیکھو محمد امین اپنا گُر چلا کر نکل گئے۔ یقین جانیں! اگر حضور عالی جاہ سامنے نہ ہوتے تو شاید میں برداشت نہ کرسکتی۔ تاہم میری پریشانی کافی دنوں تک مجھے عذاب میں رکھے رہی۔ میں مجبور تھی۔ میں اپنی گستاخی کی معافی چاہتی ہوں۔ حضور نے سر پر دستِ شفقت فرمایا۔ تمہاری محبت تمہارے آڑے آئی۔ ہم نے گھر جاتے ہی تمہاری تسکین کا انتظام کردیا تھا۔ ہم تمہیں اس حال میں مرنے نہ دیتے۔ خیر اس حال میں ہم تم سے خوش ہیں مگر آئندہ پیر کے مقام کا خیال رکھو۔ ایسی حرکت نہ کرنا۔ جو پیر کی شان کے خلاف ہو۔ بات ہم سب کو سمجھ آئی۔ ہم ششدر و حیران تھے کہ ولی اکمل محمد امین صاحب کی فقیری میں کیا کیا اسرار پائے جاتے ہیں۔ اس واقعہ سے ہمارے دلوں میں حضور جلبہ عالم کی محبت نے حقیقی اثر پیدا کیا۔ اور ہمیں پیر سے محبت کی اصلی حقیقت سے آگاہی ملی کہ ولی اکمل کی کیا شان ہوتی ہے۔ اور اصل فقیروں کی محبت ہی ہے۔ اور آج حضور نے بھی اسلام آباد میں ایک عیاش جاگیردار خاندان میں حقیقی محبت کا مظاہرہ دیکھا جس کو آپ ہمیشہ یاد کرتے رہے۔ اسی محبت نے آگے چل کر اس خاندان کو وافر نعمتوں سے نوازا۔

گھوم کر مجھ پر نظر ڈالی۔ چند لمحے خاموش رہے۔ فرمانے لگے نورالدین ہم تم سے بہت خوش ہیں۔ تم جا ہو دین کا کام کرنا تو ہماری طرف سے اجازت ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضور درود شریف بتانا ہی کافی نہیں۔ لوگوں کو مشاہدہ بھی ہونا چاہیے تو ابھی مجھ میں اس کی پوری صلاحیت نہیں۔۔۔ حضور نے جلال میں فرمایا۔ جاؤ جسے بٹھاؤ اسے مراتب بھی ملیں گے مگر آدمی دیکھ کر لیا کرنا۔ یہ باتیں پل کے درمیان میں ہوئیں۔ پل عبور کرنے کے بعد میں نے محسوس کیا جیسے حضور نے مجھے زمین سے اٹھا کر آسمان میں پہنچا دیا۔ بس "یہ کلمہ" معجز نما تھا۔ جس کی تاثیر میں نے پائی۔ یہ اگرچہ تزکیہ و آداب طریقت پر پورا نہ اتر سکا۔ لیکن میرا دعویٰ ہمیشہ پورا ہوا۔ اکثر لوگ خود بخود حضوری ہوتے رہے اور کبھی کسی کو تھوڑی سی توجہ دی اسی وقت حضوری ہوا۔ حضور قبلہ عالم نے نہایت شفقت و مہربانی سے رخصت کیا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اسلام آباد جا کر ان لوگوں کی تربیت اور نگرانی کرتے رہو۔ یہاں سے رخصت ہو کر میں نعمتوں سے مالامال گھر واپس لوٹا۔

کچھ عرصہ بعد پھر میں اسلام آباد چلا گیا۔ وہاں حالات پرسکون تھے اور طریقت کا سلسلہ زور و شور سے جاری تھا۔ علاقہ چکار کے لوگ جوق در جوق راجہ صاحب کے گھر آتے اور سلسلہ میں داخل ہونے کی استدعا کرتے۔ انہیں درود شریف بتایا جاتا اور بیعت کے لیے آئندہ حضور قبلہ عالم کی تشریف آوری تک انتظار کرنے کی ہدایت کی جاتی۔ علاقہ کی عورتیں گلنساء سے درود شریف لیتیں۔ حضور قبلہ عالم نے خصوصی طور اسے بیعت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔ مگر گلنساء عورتوں کو بیعت کرتی اور مردوں کو حضور سے بیعت کرنے کے لیے کہا جاتا۔ سلسلہ کی وسعت کے مد نظر فیصلہ ہوا کہ حضور قبلہ عالم کو دوبارہ مدعو کیا جائے۔ چنانچہ اس بار حضور قبلہ عالم کو لانے کے لیے راجہ محمد اصغر خان کو بھیجا گیا۔ دوسرے ہی دن حضور قبلہ عالم اسلام آباد پہنچے۔ علاقہ کے لوگوں کو علم ہوا۔ تو لوگ جوق در جوق زیارت کے لیے آتے اور بیعت ہوتے رہے۔ تین دن مسلسل بیعت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس اثناء میں علاقہ چکار کے لوگوں نے حضور کو گاؤں تشریف لے جانے کی دعوت دی۔ حضور نے قبول فرمائی۔۔۔ حضور کی شہرت سن کر لوگوں کو آپ کے دیکھنے کا شوق ہوا کہ دیکھیں یہ کونسی ہستی ہے۔ جن کا دعویٰ ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراتے ہیں۔ حالانکہ اس سے قبل کسی فقیر نے نہ ایسا دعویٰ کیا نہ ایسا کرنے کی جرأت کی۔ سوائے اس کے کہ فقراء آتے تو لوگوں کو دل کی باتیں بتاتے اور بیماروں کو آناً فاناً ٹھیک کر دیتے۔ لوگ اپنے فقیروں کو مدعو کرتے لنگر چلاتے اور کثرت سے لوگوں کا ہجوم ہوتا۔ دور دور سے

لوگ بیماروں کو لاتے اور وہ صحت مند ہو جاتے اور یہ فقیر نذرانہ میں کثیر دولت جمع کر کے لے جاتے۔ لیکن کسی فقیر نے زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرانے کا دعویٰ نہ کیا۔ یہاں حضور قبلہ عالم کے ہاں تعجب اور حیرانی کا یہ عالم ہے کہ ان لوگوں کو زیارت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی جو دنیا کی بدکاری۔ شراب نوشی وغیرہ میں مست و مدہوش تھے۔

شیر وڈاکو کا مرید بن کر ولایت سے سرفراز ہونا

لوگ ظاہری حالات دیکھ کر یقین کرنے پر مجبور تھے لیکن اس گھرانے کے حالات سے آگاہ ہونے پر یقین کرنا بھی مشکل تھا۔ کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ تاہم ظاہری حالات نے لوگوں میں شوق پیدا کر دیا کہ وہ حضور قبلہ عالم کی ذاتِ والا کا بچشم خود مشاہدہ کریں۔ ویسے ابتدائی ملاقات میں لوگ شک میں مبتلا ہوتے لیکن جب حضور کی صحبت میں بیٹھ کر آپ کے واعظ سنتے تو حیران رہ جاتے اور حضور کی عقیدت و عزت ان کے دلوں میں پیدا ہوتی۔ اکثر لوگ ایک ہی صحبت میں بیٹھ کر بیعت ہو جاتے۔

راجہ صاحب کے دوستوں میں علاقہ چکار کے ایک مستری لالہ وارث علی پٹھوار (راولپنڈی) کے علاقہ کے یہاں مقیم ہو گئے تھے۔ اعلیٰ پایہ کا انجینئر اَن پڑھ تھا۔ راج مزدور کا کام کرتا تھا۔ مگر کام انجینئر کے برابر ہوتا۔ حکمت کے بھی ماہر تھے۔ یہ راجہ صاحب کے قریبی دوست بھی تھے۔ اس نے بھی سنا کہ اسلام آباد میں اکثر لوگ فقیر ہو گئے۔ وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ سورج کبھی مغرب سے طلوع نہیں ہوتا۔ میرے متعلق اسے کہا گیا کہ راجہ لطیف خان کا دوست نور الدین یہ سلسلہ لایا ہے۔ سب درود و نماز پڑھتے ہیں۔ حمید خان اسے ملنے گیا۔ وہ بچہ تھا اس نے سادگی میں کہا۔۔۔ گھر میں لطیف خان، گلنساء، امجد "چھوٹا بچہ" درود شریف پڑھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں۔ لالہ وارث علی نے راجہ صاحب کو چٹھی لکھی کہ ہوشیار رہیں آپ کے گھر میں کسی سازش نے جنم لیا ہے!! اس کے ساتھ ہی خود حالات کا جائزہ لینے کی غرض سے اسلام آباد آیا۔ میں پیشتر ازیں لالہ وارث علی خان کو جانتا تھا وہ بھی مجھے جانتا تھا۔ ہم سب لڑکے رات بھر تاش کھیلتے رہتے تھے۔ ہر وقت ناچ گانے میں مشغول رہتے البتہ اللہ کا فضل تھا کہ میں روزہ کا سخت پابند تھا۔ کبھی نماز میں کوتاہی ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے شراب سے محفوظ رکھا۔ میں بھی شب و روز راجہ صاحب کی محفل میں شامل رہتا۔ لالہ وارث علی کے نزدیک اگر فرشتہ آکر انہیں ہدایت کی کوشش

کرے تو ان کا ہدایت پانا قابل یقین نہیں اور پھر نورالدین! ماشاءاللہ یہ امر تو قطعی قابل یقین نہ تھا۔ حضور قبلہ عالم تشریف لائے تو لالہ وارث علی بھی دیکھنے آیا اور حضور کی مجلس میں بیٹھا۔ حضور کسی مسئلہ کے متعلق گفتگو فرمائیں تو لالہ مختلف قسم کی تاویلیں پیش کرے۔ ہم سب لوگ اندرون شعلہ پا ہوجائیں مگر حضور اس کی باتوں کو خاطر میں نہ لائیں۔ آخر علاقہ چکار کی دعوت پر حضور تشریف لے چلے ہماری کوشش تھی کہ لالہ وارث علی یہاں سے چلا جائے۔ حضور نے فرمایا لالہ وارث علی بھی ہمارے ساتھ چکار چلے گا۔ اس نے بھی ارادہ ظاہر کیا کہ میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گا۔ اس سلسلہ میں ہم کسی قسم کی مزاحمت نہ کرسکے۔۔۔ اسلام آباد سے کافی لوگ حضور کے ساتھ چکار آئے۔ چکار اونچے پہاڑوں کے درمیان ایک قصبہ ہے جہاں چھوٹا بازار بھی ہے۔ یہاں دوکاندار کشمیری ہیں۔ انہیں خواجہ کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ یہاں کے ایک امیر تاجر خواجہ غلام محی الدین نے حضور کو اپنے گھر مدعو کیا۔ یہاں پر قصبہ کے بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ ان ہی میں ایک دیہاتی کو راجہ اصغر خان نے حضور کی خدمت میں بیعت کے لیے پیش کیا۔ یہ شخص شیرو نامی علاقہ کا بدنام ڈاکو تھا۔ ہم سب نے راجہ صاحب کو برا بھلا کہا کہ سلسلہ کو بدنام کرنے کے لیے تم شیرو کو کیوں پیر صاحب کے پاس لائے۔ وہ بضد رہا کہ شیرو کو پیر صاحب سے بیعت کراؤنگا۔ حضور قبلہ عالم کو علم ہوا۔ آپ نے بھی اصغر خان سے اظہار ناراضگی نہ کیا اور فرمایا کہ کسی کو ہمارے پاس آنے سے نہ روکا جائے۔ حضور نے شیرو کو قریب بلایا۔ پوچھا؟۔۔۔ کیا چاہتے ہو۔ تو شیرو نے جواب دیا۔ مجھ سے کیا پوچھتا ہے۔ راجے سے پوچھ یہ مجھے تیرے پاس لایا۔۔۔ اصغر خان بھی لاپرواہ اسے بھی شیرو کی بے ادبی کا احساس نہیں۔۔۔ کہنے لگا حضرت اس کو درود شریف کی اجازت دیں۔ حضور نے شیرو سے پوچھا نماز پڑھتے ہو۔ شیرو نے جواب دیا میں نماز جانتا ہی نہیں۔۔۔ راجہ کہتا ہے۔۔۔ درود بتا دے پڑھوں گا۔۔۔ حضور نے اصغر کو حکم دیا شیرو کو درود شریف یاد کراؤ۔۔۔ فرمایا۔۔۔ اچھا شیر افسر خان درود پڑھو۔۔۔ شیرو نے حضور کا دست مبارک پکڑ کر زور سے کھینچا۔۔۔ میرا ہاتھ بھی پکڑ۔ اب میں تیرا مرید بن گیا۔۔۔ حضور نے تبسم فرمایا اور شیرو کو بیعت کیا۔ شیرو بیعت ہو کر اصغر خان کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ہم لوگ آتش غضب سے جل بھن کر راکھ ہوگئے کہ کس قدر بدتمیز ہے یہ شخص اور اصغر خان پر بھی لعن طعن کی۔ مگر یہ لوگ لاپرواہ کسی بات کا احساس ہی نہ کرتے۔ خیر۔۔۔ رات خواجہ غلام محی الدین کے ہاں گذاری۔ دوسرے دن علاقہ چکار سے دو تین میل دور ایک گاؤں نڑگولی میں ایک نمبردار کے گھر دعوت تھی۔ حضور وہاں تشریف لے گئے۔ وہاں تمام علاقہ سے لوگ

جمع ہو گئے تھے کہ راجوں کے کشمیری پیر تشریف لائے ہیں--- گاؤں کے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کے رشتہ دار حضور سے بیعت ہوئے اور اپنے جدی پیر سے بیعت توڑ دی۔ ان لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا۔ انہوں نے علاقہ پونچھ سے ایک عالم کو بلایا کہ وہ حضور قبلہ عالم سے بحث و مناظرہ کرے۔ تاکہ حضور بحث و مناظرہ میں ہار جائیں--- یہ لوگ بھی اپنے عالم کے ہمراہ میزبان کے گھر آئے۔ حضور اس وقت عام لوگوں میں وعظ فرما رہے تھے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر مجھے شک گذرا کہ یہ لوگ اچھی نیت سے نہیں آئے ہیں۔ پھر ان کے عالم کو دیکھا کہ وہ بڑے رعب سے حضور کو گھورتا رہا--- میں نے اسے نظر میں رکھا--- درمیان میں کھانے کا وقت آیا۔ میزبان نے تمام لوگوں کو کھانا دیا۔ حضور نے بھی عام لوگوں میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ میں نے اندازہ کیا کہ عالم صاحب حضور کی عام حیثیت دیکھکر سمجھے کہ یہ معمولی فقیر ہے۔ کھانے سے فارغ ہو کر عالم صاحب نے پرجلال انداز میں حضور سے سوال کیا--- اس کے سوال پر میں نے مداخلت کی۔ میں نے عالم صاحب سے کہا کہ آپ کا سوال غلط ہے بلکہ سوال اس طرح ہے۔ اس کا جواب یہ ہے میں نے پوچھا کچھ اعتراض؟ عالم صاحب نے کہا میں پیر صاحب سے سوال کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے جواب دیا کہ آپ کسی مسئلہ کی حقیقت واضح کرنا چاہتے ہیں یا پیر صاحب سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حقیقت کی وضاحت چاہتے ہیں تو آپ مجھ سے بھی مسئلہ کا حل حاصل کر سکتے ہیں۔ ایسے چھوٹے چھوٹے مسائل کے لیے حضور کے خادم کافی ہیں جو آپ کی تسلی کر سکتے ہیں۔ اگر مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو پھر معقول سوال کریں۔ غرض مولانا صاحب نے کئی سوال کئے۔ مگر میں ہر بار مداخلت کرتے ہوئے اسے جواب دیتا رہا۔ مولانا چڑ گئے۔ مجھے خاموش رہنے پر سختی سے زور دیا۔ آخر حضور قبلہ عالم نے منع فرمایا کہ میں خاموش رہوں۔ حضور قبلہ عالم وعظ میں مشغول ہو گئے۔ آپ کی تقریر ایسی تھی کہ مولانا کو سوال کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ آخر حضور خاموش ہو گئے۔ مولانا کو قریب بلا کر جگہ دی۔ پوچھا اب آپ سوال کیجئے ہم آپ کے سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے مگر مولانا صاحب نے معذرت چاہی کہ اب سوال کرنے کا موقع نہیں--- خاموش ہو گئے۔ حضور نے پوچھا کہ آپ نے تعلیم کہاں پائی۔ مولانا نے جواب دیا دیوبند سے سند حاصل کی ہے اور بھی چند درسگاہوں کا حوالہ دیا۔ حضور نے اساتذہ کے متعلق پوچھا۔ جسکے جواب میں مولانا نے بہت سے چیدہ علماء کا نام لیا۔ حضور نے فرمایا ہم نے بھی دیوبند۔ امروہہ سے تعلیم پائی ہے اور فلاں فلاں۔ اساتذہ سے سبق پڑھا ہے۔ یہ وہ اساتذہ تھے جو وقت کے مشہور علماء میں سے تھے۔ جن میں مولانا محمد قاسم نانوتوی کے شاگرد مولانا امداداللہ

صاحب (حاجی) اور دیگر مشاہیر علما شامل ہیں تو مولانا صاحب نے خود ہی اعتراف کیا کہ ہمارے اساتذہ تو ان کے پوتوں میں سے ہیں۔ بے شک آپ کی تقریر سے میں نے اندازہ کیا کہ آپ کا ضم آپ کی ہیئت سے نہیں آپ کی زبان سے جانا جاسکتا ہے۔ مولانا صاحب نے برملا معافی مانگی کہنے لگے میں غلط فہمی کا شکار ہوا۔ میں آپ کو پہچان نہ سکا۔ اس لیے میں نے سوالات کئے مگر آپ کے مرید نے مجھے آگے بڑھنے نہ دیا۔ دراصل مجھے گاؤں کے لوگوں نے یہاں بلایا تھا۔ لیکن اصل حقیقت سے میں آگاہ نہ تھا کہ میں نے کسی صاحبِ علم ولی سے مناظرہ کرنا ہے۔ میں پھر آپ سے معافی کا خواستگار ہوں۔ یہاں یہ گفتگو ہوتی رہی ادھر مخالف جماعت کے لوگ فرار ہوگئے۔ ایسے گم ہوئے کہ انہیں کسی نے جاتے بھی نہ دیکھا اور مولانا صاحب کو وہیں چھوڑ گئے۔ خیر مولانا صاحب حضور سے گفتگو کرتے رہے۔ مگر اب ان کی گفتگو اور انداز میں ادب نمایاں ہوچکا تھا۔ حضور قبلہ عالم کو یہاں سے دوسرے گاؤں جانا تھا۔ یہاں راجہ علی اکبر خان صاحب کے چچازاد بھائی راجہ زین اکبر خانصاحب رہتے تھے۔ آخر یہاں سے رخصت ہو کر راجہ صاحب کے گاؤں کی طرف روانہ ہوگئے۔ مولانا صاحب نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور انہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ عصر کے قریب ہم زین اکبر خان صاحب کے گھر پہنچے۔ رات اسی جگہ قیام کرنا تھا۔ یہاں بھی بہت سے لوگ آکر حضور سے بیعت ہوگئے۔ رات عشاء کے بعد مولانا صاحب پر پوری حقیقت واضح ہوگئی۔ مجھے قریب بلایا کہنے لگے میری سفارش کرو میں بھی پیر صاحب سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا یہاں سفارش کی ضرورت نہیں آپ خود حضور سے استدعا کریں۔ آخر مولانا صاحب نے خود حضور کے قریب جا کر عرض کی مجھے بیعت کریں۔ حضور نے انہیں بھی بیعت کیا۔ ویسے علاقہ پونچھ میں مولانا صاحب ولی کی حیثیت سے بھی مشہور تھے۔ لیکن یہاں آکر اپنی ذات کی نفی کر گئے۔ میں نے مولانا صاحب کے آگے معذرت کی کہ آپ کے حق میں مجھ سے گستاخی ہوئی آپ معاف کریں۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ دراصل آپ کے سینہ میں ایک معصوم قلب تھا۔ جس میں حقیقت سمانے کی صلاحیت تھی۔ مبارک ہو آپ نے حقیقت کو پا لیا اور حقیقت کو سچائی کے ساتھ قبول کر لیا ورنہ ایسے مقام پر کسی شخص کی "انا" اسے جھکنے پر آمادہ نہیں ہونے دیتی۔ آپ میں حق قبول کرنے کا مادہ ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کامیاب ہوگئے۔ مولانا صاحب بہت مشکور ہوئے۔ رات بھر خوب کلام ہوتے رہے۔ صبح بھی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ دوپہر کے کھانے میں شریک رہے اور جب حضور یہاں سے رخصت ہوئے تو بہت عجز و انکساری کے ساتھ

رخصت چاہی۔ حضور نے خوش ہو کر انہیں رخصت کیا۔ یہاں سے قبلہ عالم واپس قصبہ چکار کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں گاؤں کے نمبردار نے استدعا کی کہ اس کے گھر تھوڑی دیر قیام فرمائیں۔ نمبردار نے کھانا بھی پکایا تھا۔ حضور نمبردار کے گھر تشریف لے گئے۔ اس نے زبردستی دوبارہ کھانا کھلایا اور خود بیعت ہوا۔ اپنی بیوی کو بھی بیعت کرایا۔ یہاں سے فارغ ہو کر قصبہ چکار پہنچے۔ رات یہاں دوبارہ قیام فرمایا۔ اس موقع پر بھی کافی لوگ حضور کی آمد کے منتظر تھے۔ اور بہت سے لوگ بیعت ہوئے۔ غرض کہ علاقہ چکار کا تمام کا تمام قصبہ حضور کے مریدوں میں شامل ہو گیا۔ یہاں بہت سے لوگ دوسرے بزرگوں سے بیعت تھے اور کچھ جاگیردار اور کسان زمیندار حضرت فقیر اللہ صاحب بکوٹی کے مرید تھے۔ فقیر اللہ عرصہ دراز سے وصال فرما چکے تھے۔ یہ حضرت بھی اعلیٰ پایہ کے اولیاء میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالم ان کا ذکر فرماتے تھے۔ بلکہ ایک بار آپ نے فرمایا کہ عالیجاہ نور الزمان شاہ صاحب (دادا پیر صاحب) نے فرمایا کہ فقیر اللہ دنیائے ولایت کی ایک آنکھ ہیں۔ ان کے مریدوں میں سے اکثر حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوئے۔ اس وقت تک لوگ فقیری سے متعلق صرف اتنا ہی جانتے تھے کہ فقیر دل کی بات بتاتے ہیں۔ یا کہہ دیا کہ یہ کام تمہارا ہو جائے گا یا علاقہ میں ایسے فقیر آئے جنہوں نے بیمار اچھا کرنے کا مظاہرہ کیا۔ کسی فقیر کے متعلق مشہور تھا کہ ان کے پاس کوئی بیمار لایا جائے تو وہ کہتے کہ "ہٹ جا بیماری" تو بیمار اسی وقت چلنے پھرنے لگ جاتا۔ تو ایسے فقیر کے پاس لوگ جاتے اور پیچھے پھرتے دعوتیں دیتے۔ رات دن لوگوں کا میلہ لگ جاتا۔ فقیر صاحب علاقہ سے اچھی خاصی دولت جمع کر کے لے جاتے۔ اب لوگوں کو علم ہوا کہ اصل فقیری کیا شے ہے۔ لیکن اس حال میں بھی لوگ یہ بات سمجھنے سے قاصر رہے کہ شیرو جیسا ڈاکو بھی رات میں فقیر بن سکتا ہے۔ شیرو بھی اسی گاؤں نڑگولی کا رہنے والا تھا۔ اس کا ایک عزیز رشتہ دار حضور سے بیعت ہوا وہ بھی مشہور چور سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب اس کی حالت یہ تھی کہ پانچ وقت نماز اور چوبیس گھنٹے تسبیح ہاتھ میں رہتی۔۔۔ اور کمال یہ کہ لالہ وارث علی حضور قبلہ عالم کے جلو میں ساتھ ساتھ رہنے لگا۔ وہ بھی لوگوں کو درود شریف پڑھنے اور بیعت ہونے کی تلقین کرتا رہا۔

لالہ وارث علی کا مرید ہونا

گاؤں نڑگولی سے واپسی پر حضور قبلہ عالم ایک نہر کے قریب نماز پڑھنے کے لیے رک گئے۔ سب نے نماز ادا کی۔ حضور نہر کے قریب ایک ٹیلے پر بیٹھ گئے۔ لالہ وارث علی بے حد

عجز و احترام سے حضور کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ لالہ وارث علی بڑا ذہین شخص تھا۔ بہت معقول اور مدلل بات کرتا۔ کبھی کبھی لطیف تمسخر بھی کرتا۔ ہنستے ہنستے عرض کی کہ حضرت اتنی دیر چھری تیز کرتے رہے۔ اب موقع ہے میں سر آگے۔ رکھ دیتا ہوں مجھے ذبح فرمائیے۔ حضور قبلہ عالم بھی ہنس دیئے۔ فرمانے لگے لالہ ہم بکرا دیکھ کر چھری تیز کرتے ہیں۔ لالہ وارث علی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ حضور نے اسے گلے لگا لیا اور درود شریف پڑھنے کی اجازت دی۔۔۔ عرض کی جناب میں نے اسلام آباد سے ہی درود شریف پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ اب بیعت بھی فرما دیجئے۔ حضور نے اسی جگہ لالہ وارث علی کو بیعت فرمایا۔ لالہ وارث علی کی یہ حالت تھی کہ کہتے ہیں راہ چلتے کوئی السلام علیکم کہتا ہے۔ میرے منہ سے اَللّٰھُمَّ صَلِّ نکلتا۔ اور آگے چل کر لالہ وارث علی کے ذبح ہونے کا ذکر بھی حضرت محمد امین صاحب کی ولایت کا ایک بین مظاہرہ ہے۔ اس کا آگے ذکر آئے گا۔ ہم یہاں علاقہ چکار کے چند مریدوں کا ذکر کریں گے جن میں شیرو ڈاکو کا ذکر حیرت افزا ہے۔

چکار میں مریدوں کے عجیب و غریب حالات

شیرو ڈاکو یہ نہیں سمجھتا کہ میں نے کیا کیا۔ درود شریف پڑھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ بیعت کیا ہوتی ہے۔۔۔ اور اب کیا کرنا ہے۔۔۔ اور مقصد کیا ہے۔۔۔ سوائے اس کے موسیٰ علیہ السلام طور پر آگ لینے گئے۔ آگے اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور نبوت و رسالت کا شرف عطا ہوا۔ شیرو کو اصغر خان نے درود شریف مشکل سے یاد کرایا۔۔۔ سمجھایا پیر صاحب سے بیعت ہوئے ہو اور اب مسلمان بن جاؤ۔ چوری ڈاکہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو درود شریف گیارہ سو بار رات کو پڑھو اور پیر صاحب کی شکل خیال میں رکھکر پڑھو۔۔۔ بس ان پڑھ شیرو کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ نماز۔ درود شریف پڑھے۔۔۔ چوری سے باز آئے۔ تین چار دن بعد شیرو اسلام آباد آیا۔ اس وقت حضور قبلہ عالم تشریف لے جا چکے تھے۔۔۔ پوچھا راجہ اصغر خان کہاں ہے۔ میں نے اس سے بات کرنی ہے۔ ہم نے پوچھا بتاؤ کیا بات کرنی ہے۔ جواب دیا نہیں میں راجہ سے بات کروں گا۔ شیرو اصغر خان سے ملا اور بتایا کہ میں نے رات کو درود شریف پڑھا۔ دوسری رات کو بھی پڑھا اور جاگتا رہا۔ میں نے اندھیرے میں روشنی دیکھی۔ مکان دیکھا۔ وہاں اس قسم کا کاروبار دیکھا۔ لوگوں کو دیکھا۔ ایک ہستی کو تخت پر بیٹھے دیکھا۔ پیر صاحب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیٹھے دیکھا۔ گلو رانی کو بھی وہاں دیکھا۔ راجہ لطیف خان، نور الدین، راجہ صاحب سب کو دیکھا۔ میں کہاں پر تھا مجھے معلوم نہیں

یہ کیا دیکھا اور کہاں دیکھا؟۔ اصغر خان نے شیرو کے تمام حالات بیان کئے۔ یقین جانیں۔ باوجود پیر کی عظمت سمجھنے کے ہم شیرو کی بات پر یقین کرنے پر تیار نہ تھے۔ یہ بے ادب۔ جاہل۔ ان پڑھ ڈاکو ایک رات میں حضوری ہو سکتا ہے۔ لیکن جب گلنساء نے اس سے پوری تفصیل پوچھی تو تمام کیفیات بالکل صحیح بتا رہا تھا۔ اب شیرو جاہل۔ ان پڑھ نہیں نظر آتا۔ وہ فقر کو سمجھ چکا تھا۔ مسلسل مشاہدات سے وہ صاحب علم ہو چکا تھا۔ اور اکثر اپنے مشاہدات بتاتا۔ ہم سب ہی طریقت میں بتدی کی حیثیت رکھتے تھے۔ آداب طریقت سے واقف نہ تھے۔ اس لیے ہر شخص اپنے مشاہدات کا سر عام ذکر کرتا کہ میں نے اجلاس میں دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ اسی طرح شیرو کے مشاہدات کا بھی عام لوگوں کے سامنے ذکر کرتے۔ لوگ تو ایسے واقعات سن کر کچھ تو ہمیں لغو سمجھتے کچھ جھوٹ کی تہمت لگاتے۔ کچھ یہ کہتے کہ یہ باتیں ناممکن ہیں اور پھر ایسا ہونا لازمی تھا۔ کہ ہر دعویٰ کرنے والے کا کردار لوگوں کے سامنے تھا۔ کوئی چور، کوئی ڈاکو، کوئی شرابی، کوئی جابر، کوئی بدمعاش۔۔۔ اور پھر آناً فاناً کایا پلٹ جانا قابل یقین بات ہو بھی نہیں سکتی۔۔۔ اکثر لوگ شیرو کی بات کو من گھڑت سمجھتے اور اس کا امتحان لیتے۔ کیونکہ شیرو کے مشاہدات ایسے تھے جن کا علم نہ ہمیں تھا نہ ان کا تصور ہمیں حاصل تھا۔۔۔ ایک دن شیرو اسلام آباد راجہ صاحب کے ہاں آیا۔ مغرب قریب تھی۔ راجہ صاحب نے شیرو سے حالات پوچھے۔ اس نے ایسے مقامات کا مشاہدہ بتایا جو ہماری سمجھ اور علم سے باہر تھے۔ ہم یقین نہ کر سکے۔ راجہ صاحب نے کہا شیرو جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ تم یونہی گپ مارتے ہو۔ ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم صحیح کہتے ہو۔ یا تمہیں صحیح مشاہدہ ہے۔ شیرو ناراض ہو کر بولا راجہ تیری مرضی تو مان یا نہ مان میں کشمیری پیر کو بہت بڑا پیر مانتا ہوں میں نے اس کو نہیں کہا تھا مجھے فقیر بنا۔ یہ اسی نے دیا۔ وہی دکھاتا ہے اگر تمہیں پیر پر یقین نہیں تو تم بھی ان کا مرید نہیں۔ یقین نہیں آتا جس طرح مرضی ہے آزما لے جھوٹا ہوا جو مرضی سزا دینا۔ مجھے گاؤں سے نکال دینا۔ راجہ صاحب شیرو کی باتیں سن کر حیرت میں آگئے۔ گلنساء نے کہا اچھا شیرو ہم تمہاری آزمائش کرتے ہیں۔۔۔ تو تیار ہے؟ شیرو نے کہا بالکل تیار ہوں جو پوچھو بتاؤنگا۔ گلنساء نے کہا۔ جو کچھ میں دیکھوں گی۔ تو بتا دے میں تب سچ مان لوں گی۔۔۔ شیرو صحن میں راجہ صاحب کے قریب ہو کر بیٹھا۔ گلنساء مکان کے برآمدہ میں بیٹھ گئی۔ باقی لوگ صحن میں یہ "تماشا" دیکھنے بیٹھ گئے۔ ان میں گاؤں کے لوگ بھی تھے۔ میں اور راجہ محمد لطیف، راجہ اصغر خان گلنساء کے قریب بیٹھے۔ گلنساء نے مراقبہ شروع کیا اور اجلاس میں حاضر ہو گئی اور ہمیں بتاتی رہی کہ میں اس وقت اجلاس میں

ہوں۔۔۔ اسی کے ساتھ شیرو نے بھی مراقبہ شروع کیا۔ کہا گلو رانی[1] اجلاس میں کھڑی ہے۔ گلنساء پیر صاحب سے پوچھتی ہے جو کچھ شیرو کہتا ہے سچ ہے۔ شیرو کہتا ہے کہ آپ نے پیر صاحب سے پوچھا کہ شیرو سچ بولتا ہے؟ پیر صاحب فرماتے ہیں شیرو ولی ہے سب کچھ صحیح دیکھتا ہے اس کا مشاہدہ تم سب سے صاف ہے۔ شیرو ہر بات اسی طرح زور زور سے بتاتا جاتا ہے۔ گلنساء کہتی ہے میں پیر صاحب اور سخی صاحب کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کر پرواز کرتی ہوں۔ شیرو اسی طرح بتاتا ہے کہ تم پیر صاحب اور سخی صاحب کے ساتھ جہاز میں سیر کرتی ہو۔ ایک باغ میں اتری ہو خوبصورت باغ ہے نہریں چلتی ہیں درختوں میں میوے لگے ہیں نہر سے پانی پیا مجھے بھی دے رہی ہو وغیرہ غرض جو کچھ مراقبہ میں گلنساء کیفیات بیان کرتی بعینہٖ شیرو ہر کیفیت بتادیتا صحن میں تمام لوگ شیرو کے مشاہدات سن رہے ہیں۔ اور گلنساء بھی تصدیق کر رہی ہے کہ جو کچھ میں کرتی یا دیکھتی ہوں شیرو بھی وہی کچھ بتا رہا ہے لہذا شیرو کے مشاہدہ پر سب نے یقین کر لیا۔ اور ہم پر بھی طریقت کی حقیقت، سلسلہ کی حقیقت اور حضور قبلہ عالم کی عظمت واضح ہو گئی۔۔۔ سلسلہ اویسیہ کی سچائی کا یہ انوکھا طریقہ تھا کہ ہر شخص کو درود شریف پڑھنے کے ساتھ مشاہدہ ہو جاتا اور اکثر مرید تھوڑا سا درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جاتے یہ حالات دیکھ کر لوگوں پر حیرت و تعجب بھی طاری ہو جاتا کہ اس قدر سستی فقیری کیسے ظہور میں آئی۔ اور کیسے کیسے لوگ حضوری ہو جاتے ہیں جن کے متعلق یہ باور کرنا مشکل تھا کہ یہ لوگ مسلمان کہلانے کے بھی مستحق ہو سکتے ہیں ان مریدوں میں ان کے بعض مخالفین حسد کی وجہ ان کی مخالفت کرنے لگے اور بلاوجہ ان پر الزام تراشی کرنے لگے۔ چنانچہ ان لوگوں میں فقیری کا آنا ان کے درمیان فساد کا بھی سبب بنا لوگ انہیں تکلیفیں دینے پر بھی اتر آئے لیکن جس نے درود شریف پڑھا کامل مومن کی صفات اس میں پیدا ہو گئیں کہاں وہ خود جنگ وجدل لوٹ مار پر آمادہ رہتے کہاں ان میں صبر و تحمل اور بردباری اور استقلال کا مادہ عود کر آیا ہر بات سنی مگر اپنا عمل ہر حال میں جاری رکھا۔۔۔ لوگ اکثر کہتے کہ شیرو چوری کرتا ہے اسی گاؤں میں شیرو کا ایک رشتہ دار اس کا نام بھی شیرو افسر[2] تھا لوگ اسے سائیں کہتے یہ بھی چوری ڈاکہ میں شامل رہتا بیعت ہوا تو پکا مومن بنا۔ نماز پانچ وقت اور ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رہتی اس کا مشاہدہ بھی کامل تھا۔ حضوری تھا۔ اس کے متعلق اس کے خاندان کے مخالفین ہمیشہ

---

[1] گل نساء کا نام۔

[2] یہ شخص جھنڈو کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

اس کے خلاف الزام لگاتے مگر سائیں شیرو کسی کی پرواہ نہ کرتا۔۔۔ ایک دفعہ سائیں کے مخالفین نے افواہ اڑائی کہ شیرو مرغی چرا کر لے گیا۔ ہم نے شیرو سائیں سے پوچھا کہنے لگا عداوت سے کہہ رہے ہیں۔ مراقبہ کی کیفیت پوچھی تو اجلاس کے صحیح حالات بتاتا تھا۔ ایسے ہی دوسرے شیرو کے متعلق بھی مخالفین نے بھی افواہ پھیلائی اور پروپیگنڈا کیا کہ شیرو چوروں کے ساتھ رات کو ڈاکہ ڈالنے جاتا ہے لیکن ان کے مشاہدات افواہ بازوں کی افواہوں کو رد کر دیتے تھے۔ اور کسی ایسی بات پر یقین نہ کرتے تھے۔ آخر ایک دن سائیں شیرو کے قریبی عزیز نے شہادت دی کہ سائیں مخالفوں کی مرغیاں چراتا رہا اور سائیں نے بھی اپنے عزیز کی موجودگی میں اقبال کیا کہ میں اپنے رشتہ داروں کی مرغیاں پکڑ کر کھاتا رہا لیکن یہ امر ہماری سمجھ سے باہر تھا کہ اگر شیرو چوری کرتا ہے تو اس کا مشاہدہ حضوری کیسے قائم ہے ایسی حالت میں ہم کچھ فیصلہ نہ دے سکتے۔ شیرو نمبر ۱ نے اسلام آباد آنا جانا کم کر دیا اس کے متعلق بھی افواہیں سننے میں آئیں مگر جب بھی آیا اس نے مشاہدہ کے متعلق بتلایا کہ میں مشاہدہ کرتا ہوں رفتہ رفتہ شیرو دور ہوتا گیا ہم سمجھے کہ شیرو جھوٹ بولتا ہے۔ اس نے نماز اور درود ترک کر دیا ہے۔ تقریباً تین ماہ گذر گئے لیکن شیرو نظر نہ آیا۔ ایک دن اچانک قصبہ چکار بنکے بازار میں راجہ صاحب نے اسے پکڑ لیا اور گھر لے آئے ہم نے پوچھا شیرو تم نے درود پڑھنا چھوڑ دیا۔۔۔ جواب دیا کچھ مدت چھوڑ دیا تھا۔ لیکن ایک ہفتہ سے پھر حسب سابقہ نماز اور درود پڑھتا ہوں۔ مگر مشاہدے میں فرق آگیا ہے۔ رات ہم راجہ محمد لطیف خان صاحب کے کمرے میں بیٹھے حضور قبلہ عالم کا ذکر کر رہے تھے۔ تو شیرو نے کان پکڑے اور کہنے لگا۔۔۔ توبہ۔۔۔ یہ کشمیر کا پیر بڑا ڈھاڈا ہے (اپنی زبان میں بڑا سخت ہے) ہم نے پوچھا یہ بات تم نے کیسے کہی؟ کہنے لگا میں نے ایک عجیب واقعہ دیکھا ہے۔ لوگ ہمارے خلاف الزام لگاتے رہے ان میں بعض الزام درست بھی تھے ہم چوری کرتے رہے مگر نماز۔ درود شریف پڑھتے رہے اور ہم اجلاس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کرتے رہے۔ ایک بار میرے دوستوں میں سے کچھ ڈاکو۔ مجھ سے گھر ملنے آئے۔ انہوں نے بتایا کہ دور افتادہ گاؤں میں ایک امیر آدمی کے گھر ڈاکہ ڈالنا ہے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں نے چوری کرنے سے توبہ کی ہے۔ میں اب بیعت ہو چکا ہوں۔ اب ایسا نہیں کر سکتا لیکن انہوں نے مجھے سخت مجبور کیا۔۔۔ میرے دل نے کہا پہلے بھی چوری کرتے ہیں تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ چلو آج ڈاکہ میں شامل ہوتا ہوں۔ میں بھی ڈاکوؤں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ کافی سامان۔۔۔ ڈاکوؤں نے میرے حصہ میں دے دیا۔۔۔ میں نے سارا مال گھر میں رکھ دیا۔ مجھے یقین تھا کہ

چوری کا پتہ کسی کو نہیں لگ سکتا۔ نہ ہم پکڑے جا سکتے ہیں۔ میں نے اپنا مال رکھ دیا ایک ہفتہ گذرا میں رات سویا ہوا تھا۔۔۔ خواب دیکھتا ہوں پیر صاحب آتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں شیر افسر تم نے بہت برا کیا مال چوری کر کے لائے اور گھر میں رکھ دیا لہذا یہ سارا مال گھر سے نکال دو۔۔۔ میں اسی وقت جاگ گیا۔ سوچا کہ مال کا کسی کو پتہ نہیں اتنا مال کیسے میں گھر سے نکالوں۔ پھر سو گیا۔ سوتے ہی پھر یہی خواب دیکھا پیر صاحب آئے اور پھر مجھے کہا شیرو مال گھر سے نکال دو۔ پھر میں جاگ گیا اب اسی سوچ میں تھا کہ کیا کروں اتنا مال پھینک دوں خیال ہوا صبح فیصلہ کروں گا اور پھر سو گیا ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ پیر صاحب پھر آئے اور غضبناک ہو کر لات ماری کہا شیرو! میں تم سے کہتا ہوں چوری کا مال گھر سے ابھی نکال صبح پولیس تمہارے گھر کا گھیراؤ کرنے والی ہے پکڑے جاؤ گے خوف کے مارے میری آنکھ کھلی تو میں چارپائی سے نیچے گرا ہوا تھا میں سخت ڈر گیا جلدی سے بیوی کو اٹھایا اور سارا سامان اٹھا کر باہر جنگل میں گڑھا کھود کر چھپا دیا اور مطمئن ہو کر گھر آ کر سو گیا۔ رات بار بار جاگنے کی وجہ سے صبح دیر سے آنکھ کھلی باہر نکلا تو دروازہ پر پولیس افسر کو کھڑا دیکھا اس نے حکم دیا کہ خانہ تلاشی دو تم نے چوری کا مال گھر میں رکھا ہے۔ میں نے اطمینان سے تھانیدار سے کہا گھر کا دروازہ کھلا ہے جا کر تلاشی لو۔۔۔ تھانیدار پولیس کو لے کر اندر گیا مگر اسے کچھ بھی نہ ملا۔ کہنے لگا تم نے چوروں کے ساتھ ڈاکہ ڈالا ہے۔ باقی لوگ پکڑے گئے تمہارے خلاف مخبری تھی کہ سامان ابھی تک تمہارے گھر میں موجود ہے میں نے کہا کہ میں رات بھر گھر میں سویا رہا ہوتا تو مل جاتا۔۔ یہ دشمنوں کی سازش ہے لہذا آپ واپس تشریف لے جائیں تھانیدار خاموش ہو کر واپس چلا گیا۔۔ میں شکر بجا لایا کہ اگر پیر صاحب خواب میں آکر نہ بتاتے تو میں گرفتار ہو جاتا۔ قید بھی ہو جاتا اور بدنامی بھی ہو جاتی واقعی کشمیر کا پیر بہت بڑا ولی ہے جو اپنے مریدوں کے گناہوں پر بھی پردہ ڈالتا ہے۔۔۔ یہ ابتدائی زمانہ تھا ہمارے نزدیک فقیری، تقویٰ اور مجاہدہ، پاکیزگی کا عمل تھا۔ یہ تصور ہمارے ذہنوں کو ابھی تک حاصل نہ تھا نہ ہی ہو سکتا تھا کہ فقیری میں چوری کے بعد بھی فقیر رہ سکتا ہے۔ یہ حالات سن کر ہم پر حیرت طاری ہوئی کہ شیرو خود تسلیم کرتا ہے کہ میں نے چوری کی اور پھر چند دنوں کے مسلسل نماز ادا کرنے اور درود شریف پڑھنے سے اس کا مشاہدہ برابر جاری ہے اور وہ اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہے اور پیر اس حال میں بھی اس کی نگرانی کرتا ہے۔ رفتہ رفتہ سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات ہم پر واضح ہوتی گئیں۔ یہ زمانہ تھا جب قبلہ عالم ایک دو بار راجہ صاحب کی دعوت پر اسلام آباد تشریف لائے۔ یہ گھر انوار و تجلیات کا مرکز بنا رہا۔۔۔ اور اکثر لوگ یہاں آکر درود شریف کی

اجازت لیتے۔ اُدھر گلنساء پر اکثر انکشافات ہوتے رہے۔ راجہ محمد لطیف خان صاحب بھی مشاہدہ رکھتے تھے لیکن گلنساء پر انوار کھلتے رہے۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے اس سے فرمایا تھا کہ موقع بہ موقع تمہیں مراتب دیئے جائیں گے۔ چنانچہ اس پر متواتر انکشافات شروع ہونے لگے۔۔۔ حضور قبلہ عالم خود بخود ظاہر ہو جاتے فرماتے تیار ہو جاؤ تمہیں مراتب کی سیر میں لے جایا جائے گا۔ پرہیز رکھو بغیر ارشاد کوئی چیز نہیں کھانی۔ تین دن یا چار دن یا دو دن کے لیے روزے رکھو۔ اول تو ہوش میں مشاہدہ کرایا جاتا۔۔۔ لیکن طویل مراقبہ میں گلنساء تھکن اور تکلیف محسوس کرتی ۔۔۔ تو حضور سے عرض کرتی مجھے زیادہ دیر مراقبہ میں نہ رکھا جائے۔ میں تنگ جاتی ہوں۔ درمیان میں وقفہ دیا جاتا۔ اس طرح وقت پورا کیا جاتا۔ متواتر مراقبہ کی وجہ سے گلنساء تنگی محسوس کرنے لگی۔ اور مراقبہ سے کترانے لگی۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔۔۔ پھر بھی مراقبہ جاری رہا کہ عین وقت پر اسے غنودگی طاری ہو جاتی اور خود بخود مشاہدہ شروع ہو جاتا۔۔۔ اس طرح بھی گلنساء تھکن اور بوجھ محسوس کرتی تو حضور سے التجا کرتی کہ بس کیجئے میں تنگ جاتی ہوں۔ پھر حضور اس حال میں بھی وقفہ دیتے اچھا دس منٹ آرام کرو۔۔۔ اچانک غنودگی ہٹ جاتی۔ یہ مراقبہ بستر پر لیٹ کر ہوتا۔۔۔ دس منٹ آرام سے ستانے کے بعد خود بخود غنودگی طاری ہو کر گلنساء بے ہوش ہو جاتی۔ اس عالم میں اسے عالم بالا کی منازل دکھائی جاتیں۔۔۔ دس منٹ مشاہدہ کرایا جاتا پھر وقفہ دیا جاتا دس منٹ گذرنے پر خود بخود ہوش میں آجاتی۔ مراتب طے ہوتے تو کچھ دن وقفہ دیا جاتا۔ اور پھر اچانک حضور ظاہر ہو جاتے اور پھر مراتب کی سیر کے لیے حکم دیتے۔ اس عالم بے ہوشی میں مقامات ولایت طے کرائے گئے۔ ان میں سے بعض مقامات کی کیفیات کا ذکر گلنساء ہم سے کرتی اور بعض کا ذکر کرنے سے منع کیا جاتا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ یہ سلسلہ بند ہو گیا۔۔۔ اور پھر جب شروع ہوا تو اب حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ، حضرت شاہ لونگ سندھیؒ ظاہر ہو کر اسی عالم بے ہوشی میں مراتب میں لے جاتے چونکہ یہ مقامات خالص تجلیات الٰہی سے معمور تھے گلنساء ان مراتب میں مضمحل ہو جاتی۔ اور حضرت خواجہ سے جھگڑتی کہ بس کیجئے میں برداشت نہیں کر سکتی۔ کبھی عالم بے ہوشی میں گلنساء کی زبان سے الفاظ ادا ہوتے جو ہم بھی سن لیتے کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے غصہ ہو کر کہتی مجھے فقیری کی ضرورت نہیں بس مجھے چھوڑ دیں۔ اسی عالم میں ہوش آنے پر گلنساء نے بتایا کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ مجھے زبردستی مراتب میں لے جاتے ہیں۔ یہ مقام نورانی ہوتے ہیں اور سمندروں کی طرح سنہری سمندر اس میں غرق ہو جاتی ہوں اور میرا وجود گم ہو جاتا ہے۔ کسی جگہ قرار ہوتا

ہے تو حضور قبلہ عالم آتے ہیں اور مجھے توجہ دیتے ہیں اور خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے بھی جھگڑتے ہیں۔ ایک بار حضور قبلہ عالم نے حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے غصہ میں کہا "بس کر نیک بخت" اب چھوڑ دو اسے مگر حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ ہنس کر ٹال دیتے۔۔۔ گلنساء کی ضد کے باوجود یہ سلسلہ مراتب اسی طرح کافی مدت تک جاری رہا کہ ایک مہینہ ایک وقفہ ہو جاتا پھر اچانک غنودگی کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ تین چار دن جاری رہتا پھر وقفہ ہو جاتا۔ آخر ایک وقت آیا کہ گلنساء پر جذب طاری ہونے لگا کہ خود بخود غنودگی طاری ہونے لگی اور انوار کا نزول مستقل شروع ہوا۔ یہ نزول مسلسل جاری رہنے لگا۔ صرف رات کھانے کے وقت فرصت ملتی۔ باقی دن کسی وقت اتنی مہلت ملتی کہ کچھ کھانے کی ضرورت ہوتی۔ اس کے علاوہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ غنودگی مسلسل رہنے لگی۔ ان دنوں میں بھی یہیں پر تھا۔ پہلے تو مجھے خوشی تھی کہ گلنساء کے تمام مراتب طے کرا دیے گئے مگر اب متواتر غنودگی سے میں بھی گھبرا گیا۔ خیال ہوا کہ اس حالت سے حضور قبلہ عالم کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔ قدرت کا کرنا کہ اچانک حضور قبلہ عالم تشریف لائے۔ آپ نے اچانک دادا پیر صاحب کی زیارت پر جانے کا ارادہ کیا۔ محترمہ مائی صاحبہ اور بچے لے کر سرینگر راجہ علی اکبر خان فارسٹر کے گھر چھوڑ گئے۔ خواجہ عبدالکریم صاحب کو ساتھ لے کر دادا پیر صاحب کے آستانہ پر جاتے ہوئے اسلام آباد راجہ صاحب سے ملنے کی غرض سے یہاں اترے ہمیں معلوم ہوا تو راجہ صاحب نے گھوڑا بھیج دیا۔ آپ گھر تشریف لائے میں نے گلنساء کی حالت بیان کی۔ آپ گھبرا گئے۔ آکر دیکھا تو مجھ سے سخت ناراض ہوئے کہ تم نے قبل از وقت ہمیں باخبر کیوں نہ کیا۔ فرمانے لگے۔ اس پر جذب طاری ہو رہا ہے۔ "یہ منازلِ بایزیدی" سے گذر رہی ہے۔ فرمایا اگر چند دن اور یہ حالت رہی تو یہ مجذوب ہو جائے گی۔ حضور نے توجہ دی تو جذب ہٹ گیا۔ گلنساء سے کیفیات دریافت کیں اس نے تمام حالات بیان کیے۔۔۔ حضور نے فرمایا ہم ابھی جا رہے ہیں ہم ٹھہر نہیں سکتے۔ ہم کو پیر خانہ عالیجاہ حضرت سید نورالزمان شاہ صاحب کے روضہ پر پہنچنا ہے۔ لہذا تم جلد از جلد سری نگر چلی جاؤ اور محترمہ مائی صاحبہ کے پیش ہو جاؤ۔ تاخیر نہ کرو ورنہ جذب غالب آ جائے گا۔ حضور تھوڑی دیر قیام کے بعد رخصت ہو گئے۔ دوسرے دن گلنساء سری نگر کے لیے تیار ہو گئی۔۔۔ اس کے ہمراہ راجہ اصغر خان، عبدالحمید خان بھی روانہ ہوئے۔ اسی روز دوپہر کے قریب ہم سری نگر محلہ چھتہ بل راجہ علی اکبر خان کے گھر پہنچے۔ گلنساء کو محترمہ مائی صاحبہ کے پیش کیا۔ آپ نے توجہ دی اور تمام مراتب کا مشاہدہ بند کر دیا۔ تو گلنساء سے جذب ہٹ گیا۔ تھوڑی دیر میں طبیعت

بحال ہو گئی اور ہوشمند ہو کر چلنے پھرنے لگی۔ اس نے محترمہ مائی صاحبہ سے تمام واقعات بیان کئے۔ انہوں نے بتایا کہ خوش قسمتی ہے کہ پیر صاحب پہنچ گئے ورنہ تمہارا جذب سے نکلنا ممکن نہ ہوتا۔ اب تم خود مراقبہ کی۔ کوشش نہ کرو۔ محترمہ مائی صاحبہ نے صرف اجلاس اول تک مشاہدہ رکھا اور اس کے اوپر مشاہدہ بالکل بند ہو گیا۔ تیسرے دن حضور قبلہ عالم پیر خانہ سے واپس تشریف لائے۔ گلنساء نے کہا۔ حضور عجیب بات ہے ادھر آپ ہی نے یہ سلسلہ جاری کیا اور آپ نے چھوڑا تو حضرت اویس قرنی اور شاہ لونگ سندھی صاحب سیر کراتے رہے۔ یہ ان ہی کا منصوبہ تھا۔ تب پیر صاحب نے فرمایا مگر اس میں نورالدین کی مرضی بھی شامل تھی۔ وہ بھی اس سلسلہ میں زور دیتا رہا اگر وہ پیشتر ہمیں آگاہ کرتا تو ہم ظاہراً اس منصوبہ کو روکنے کی تدبیر کرتے کیونکہ ظاہر الگ عمل ہے اور باطن الگ عمل کرتا ہے۔۔۔ وغیرہ۔۔۔ حضور نے فرمایا شکر ہے کہ ہمیں قدرت نے بروقت پہنچایا ورنہ تم قطعی مجذوب ہو جاتیں۔ اس طرح گلنساء کو منازل فقر کی تمام منازل طے کرا کے ذات الٰہی کے قرب تک ولایت کی تکمیل کرادی گئی۔۔۔ حضور قبلہ عالم تیسرے دن واپس گھر تشریف لے گئے اور ہم بھی بخیروعافیت ہفتہ تک واپس اسلام آباد پہنچ گئے۔ اس کے بعد گلنساء پر کسی قسم کا جذب طاری نہ ہوا۔ ایک دن میں نے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ لیا تھا کہ آسمان چہارم تک تمہاری رسائی ہمیشہ قائم رہنی چاہیے۔ وہ تو بند ہو گیا۔ کہنے لگی پہلے تو ایسا ہی ہوا۔ محترمہ مائی صاحبہ نے تمام مراتب کا مشاہدہ بند کر دیا۔ میں نے کوشش کی تھی دیکھوں اب آگے مشاہدہ ہوتا ہے یا نہیں مگر آگے نہ جا سکی پھر ایک دن رات مجھے کسی امر کیلئے ضرورت پڑی تو میں نے سُبْحَانَ الْهَادِیْ مَنْ یَّشَآءُ سُبْحَانَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْم کا وظیفہ پڑھا۔ تو آسمان چہارم تک مشاہدہ کھل گیا تو میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش ہوئی۔ آپ نے تبسم فرمایا۔۔۔ فرمایا تم نے اپنا راستہ یہاں تک بنالیا۔

گلنساء کا محدود مشاہدہ آسمان چہارم تک جاری رہا۔ کبھی چاہا تو سات آسمان۔ عرش۔ جنت تک بھی سیر کرتی رہی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ برابر اسی طرح جاری رہا اور وہ اپنے مراتب میں کامل۔ اکمل صاحب مشاہدہ رہی۔ بلاشبہ یہ واقعات عام عقل کے احاطہ میں نہ آنے والے ہیں۔ ایسے واقعات پر یقین کرنا عام عقول کے لیے کسی طرح بھی ممکن نہیں۔ سوائے اس کے کہ طریقت سے تعلق رکھنے والے۔ بلا دلیل ایسے واقعات پر یقین کرسکیں۔ یہ ایسے واقعات ہیں جو بظاہر طریقت کے آداب واصول سے بھی مطابقت نہیں رکھتے کہ ایک شخص گناہ کا مرتکب ہو اور پھر بجائے مواخذہ کے اسے انعام دیا جائے۔ گناہ ہوتے ہوئے بھی

مسلمان ہونا کجا یہ تو قطعی خلاف شریعت امر ہے۔ ایسے شخص کا فقیر یا ولی ہونا قطعی ممکن نہیں۔ ہاں یہ امر ضروری ہے کہ یہ واقعات طریقت سے تعلق رکھنے والوں کے لیے بیان کئے گئے ہیں جو لوگ طریقت کے اسرار سے آگاہ نہیں ان کے لیے ایسے واقعات کا تسلیم کرنا ضروری بھی نہیں تاوقتیکہ وہ طریقت میں داخل ہو کر اس کی حقیقت سے آگاہ ہوں یا انہیں مشاہدہ حاصل ہو۔ اور شریعت تو کسی طرح ایسے واقعات کو تسلیم کرنے کی اجازت نہیں دیتی کیونکہ بغیر شریعت کی تکمیل کے طریقت کا حصول بھی ممکن نہیں لیکن جو واقعہ اپنی اصل کے ساتھ رونما ہو۔ اس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ یہ چشم دید واقعات ہیں جو سننے والے کے لیے ناقابل تسلیم ہیں لیکن جو ان واقعات کے شاہد ہیں ان کے لیے عدم تسلیم کی گنجائش نہیں۔ ان کے لیے یقین کرنا لازمی ہے۔۔۔ البتہ ان حقائق و واقعات کو تسلیم کرنے کا ایک واحد طریقہ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ جس ہستی کی یہ سوانح بیان کی جاتی ہے اس کی شخصیت کو پہچانا جائے کہ وہ شخصیت کیا ہے اور کیسی ہے؟ اس کے لیے منبعِ حقیقت۔۔۔ خالقِ طریقت۔۔۔ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ۔۔۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت۔۔۔ اور حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی صفت ولی الٰہی "اللہ کے دوست اور محبوب" کی نسبت و اتباع۔ کسی شخص کو محبوبیت کا مقام حاصل ہونا۔۔۔ کسی شخص کی اولوالعزمی۔ ایسے واقعات کے حق ہونے کی دلیل ہو سکتی ہے کہ حضور قبلہ عالم کو وراثت اویسی میں یہ مقام حاصل تھا (وَکَلَّمَنِیْ وَ اَعْطَانِیْ سُؤٰلِیْ (وَکَلَّمَنِیْ وَ اَعْطَانِیْ سُؤٰلِیْ قصیدہ غوثیہ میں حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک شعر ہے)۔۔۔ وراثتِ قادری۔۔۔ نسبتِ قادری سے آپ کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضوری میں اعزاز حاصل تھا کہ آپ کے مریدوں سے ان کے گناہوں پر یا لغزشوں پر باز پرس نہ ہوتی بلکہ حضور قبلہ عالم کے طفیل انہیں مراتب سے بھی گرایا نہ جاتا۔۔۔ یہ تو ایک اصولی دلیل ہے۔ اس کے سوا ایسے واقعات کا ظہور و اظہار جس زمانہ میں جن لوگوں سے ہوا وہ خود اس امر کی شہادت ہیں جو اظہر من الشمس ہے جن میں خصوصی طور پر جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی ذات والا تھی۔ جنہوں نے کسی لالچ یا غرض کے بغیر اسلام قبول کیا۔ اور پھر حضور کی غلامی قبول کی۔ ان کی ولایت ہر عام و خاص نے تسلیم کی۔ ان کے علاوہ بعض غیر مسلم ہندو دوست اس امر کی شہادت دیتے ہیں۔ جن کا ذکر اس صحیفہ میں آئے گا۔۔۔ اور وہ لوگ خود بھی شاہد ہیں جن پر یہ وارداتیں گذریں۔ ان میں شیر افسر ڈاکو۔۔۔ شیرو سائیں اور گلنساء بیگم دختر راجہ علی اکبر خان صاحب اور خود راجہ صاحب ایسی ہستیاں ہیں جن کی شہادت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

۲/ یہ واقعات تقسیم ہند و پاکستان سے قبل کے ہیں۔ یہ زمانہ تھا جب حضور قبلہ عالم کی علاقہ کوہستان مظفر آباد میں شہرت عام ہو چکی تھی۔ جہاں کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو گئے تھے۔ اکثر اوقات حضور قبلہ عالم علاقہ چکار (مظفر آباد) میں راجہ علی اکبر خان صاحب جاگیردار کے گھر تشریف لاتے اور یہ خاندان سلسلہ اویسیہ کا مرکز بنا رہا۔ جہاں اس خاندان کے خاص افراد خصوصاً گلنساء بیگم، راجہ محمد لطیف خان صاحب کی وساطت سے بھی سلسلہ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ہندوستان دو حصوں میں تقسیم ہوا اور ایک نئی مملکت پاکستان وجود پذیر ہوئی۔۔۔ اس زمانہ میں کشمیر پر بھی یلغار ہوئی اور کشمیر بھی دو حصوں میں بٹ گیا۔ اس سانحہ کے بعد کشمیر کے دو حصوں کے درمیان ایک حدِ فاصل قائم ہو گئی۔ یہ حد فاصل حضور قبلہ عالم اور علاقہ مظفر آباد کے مریدوں اور اس جاگیردار خاندان کے درمیان آپس کی ملاقات و تعلقات میں سدراہ بنی۔ اس کے بعد حضور کو مظفر آباد آنے کا موقع نہ مل سکا۔ لیکن سلسلہ اویسیہ کا اجراء اس کے بعد بھی یہاں ہوتا رہا۔

فساد کشمیر کا زمانہ تھا۔ راجہ علی اکبر خان صاحب بعض حملہ آوروں کی بے ضابطگیوں کی وجہ سے کشمیر پر حملہ کے خلاف ہو گئے۔ آپ نے حملہ آوروں کی غلط کاری پر شدید نکتہ چینی اور مخالفت کی جس کے نتیجہ میں انہیں شدید تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔۔۔ راجہ صاحب حضور قبلہ عالم کی ذات سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ ابتدائی زمانہ۔ میں بیعت سے قبل آپ حضرت فقیر اللہ بکوٹی رحمتہ اللہ علیہ کے مریدوں میں تھے۔ اس کے ساتھ آپ مسلک اہلحدیث رکھتے تھے۔ اس عقیدت و مسلک کے باوجود آپ کثرت سے شراب نوشی کے عادی تھے۔ لطف یہ ہے کہ اس حالت میں بھی۔ روزہ۔ تہجد کے ہمیشہ پابند رہے۔ حضور سے بیعت کے بعد آپ کی حالت یکسر بدل گئی اور خالص اہل طریقت مومن بن گئے۔۔۔ چنانچہ آخری دور میں فساد کے درمیان آپ نے کئی پیشگوئیاں کیں جن میں ہندوستان کی ریاستوں پر ہندوؤں کا ناجائز تسلط۔ حیدر آباد پر بھارت کی یلغار۔ قائداعظم محمد علی جناح کی وفات اور کشمیر پر حملہ آوروں کا کشمیر چھوڑ کر واپس آنا۔ ان واقعات کا آپ نے برملا اظہار کیا۔۔۔ غالباً ۱۹۴۸ء کا زمانہ تھا۔ آپ نے اپنی وفات کی پیشگوئی کی۔۔۔ آخر وقت آگیا۔ آپ نے اپنی موت کے متعلق وقت کا تعین بھی کیا۔ اسی سلسلہ میں آپ نے اشارۃً بتایا کہ ہمارا وقت قریب آچکا ہے۔ اس کے متعلق گلنساء کو بھی اطلاع دی گئی جو خواب کی صورت میں تھی۔ گلنساء نے تائید کی کہ مجھے والد صاحب کی وفات کے متعلق خواب میں بتایا گیا۔ ابھی کشمیر کی جنگ جاری تھی۔ آپ علیل ہو گئے۔ عزیزوں نے علاج کے لیے ڈاکٹر کو

بلوایا۔ لیکن راجہ صاحب نے دوا استعمال کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے عزیزوں، بیٹوں کو بلا کر ہر معاملہ میں وصیت و نصیحت کی۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ آپ صحت مند ہیں۔ آپ پر کسی بیماری کا عارضہ نہیں۔ ابھی ایک دن آپ کی وفات میں باقی تھا کہ آپ کی زبان سے چند پراسرار الفاظ ادا ہوئے۔۔۔ اسی وقت زبان بند ہو گئی اور غنودگی طاری ہوئی یعنی سکرات الموت طاری ہوا۔ اسی عالم میں آپ عالم جاوداں کی طرف رخصت ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بلاشبہ راجہ علی اکبر خان صاحب کی شخصیت ہمارے پیر اکمل حضرت محمد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ایک واضح دلیل تھی۔ آپ دعویٰ کرتے تھے کہ کشمیر کے پیر دنیا میں ایک ہے۔۔۔ اور اکمل ہیں۔۔۔ وہ ہمارے مددگار اور رہبر ہیں۔۔۔ اور مجھے فخر ہے کہ میں ان کا مرید ہوں۔۔۔ میں فقیر ہوں۔۔۔ اور فقیر ہو کر مروں گا۔۔۔ آپ کی فقیرانہ حیثیت یہ تھی کہ آپ اپنے پیر پر کامل یقین رکھتے تھے۔۔۔ آپ کے مشاہدات میں ذرہ بھر فرق نہ پایا جاتا۔۔۔ آپ کی خوابیں یکسر رویائے صادقہ ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ میرا چشم دیدہ ہے۔ جو بظاہر معمولی سا ہے لیکن راجہ صاحب مرحوم کی عقیدت کا ایک عجیب مظاہرہ ہے۔ یہ ان دنوں کا ذکر ہے کہ آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے درمیان کسی بات پر نزاع پیدا ہوا تو وہ بمعہ گلنساء، راجہ محمد لطیف خان صاحب، راجہ حمید خان، اپنے گاؤں موضع نڑگولی مکان میں آگئیں۔ ان دنوں حضور قبلہ عالم نے مجھے صلح کیلئے ان کے ہاں بھیجا۔ میں ان دنوں والدہ گلنساء صاحبہ کے پاس نڑگولی میں مقیم تھا۔ ایک رات اچانک راجہ صاحب اپنے چچازاد بھائی راجہ زین اکبر خان صاحب کے گھر پہنچے۔ اسی مکان کے ملحق ان کا اپنا مکان بھی تھا جہاں والدہ گلنسا صاحبہ وغیرہ قیام رکھتے تھے۔ راجہ صاحب کی آمد کی خبر سن کر شیرا فسر ڈاکو بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کھانا کھانے کے بعد راجہ صاحب نے شیرو کو بلایا۔ شیرو حاضر ہوا تو شیرو سے کہا شیرو تم تمام داستان سناؤ جو میں نے خواب میں دیکھی ہے۔ راجہ صاحب کہنے لگے کہ ہمارے مخالفین ہم پر طنز کرتے ہیں کہ ہم فقیر نہیں اور کشمیر والے پیر صاحب بھی معمولی فقیر ہیں۔ شیرو آج تم ساری داستان یہاں مجلس میں بیٹھے ہوئے سب لوگوں کے سامنے بیان کرو۔ مراقبہ کرو اور بتاؤ کیا واقعہ ہے۔ شیرو نے مراقبہ کیا اور ساتھ ہی بتانا شروع کیا۔۔۔ حضور قبلہ عالم مکان کی جنوبی سمت ٹیلے پر کھڑے ہیں۔ ہاتھ میں نیزہ پکڑے ہوئے ہیں۔ آپ سے فرما رہے ہیں۔۔۔ کہ فلاں شخص (اس کا نام لکھنے سے مصلحتاً گریز کیا جاتا ہے) آپ کے کھیت سے شلغم چرا کر لے گیا۔ وہ شخص پروردہ ہے۔ اس سے مواخذہ نہ کریں۔ نہ اس سے ناراض ہوں۔ اس کی مدد کریں۔۔۔ راجہ صاحب جوش میں آئے اور پکار کر

کہا۔۔۔ خدا کی قسم شیرو نے سچ بتایا۔۔۔ یہی واقعہ ہے جو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ سنو لوگو! ہمارا پیر ہماری ہر چیز پر نظر رکھتا ہے۔ جب دنیا میں ہماری خبر گیری کرتے ہیں تو ہم نے آخرت کا سودا کیا ہوا ہے۔ انشاء اللہ وہ آخرت میں بھی ہماری مدد کریں گے۔۔۔ راجہ صاحب نے کہا کہ انکے مکان کے قریب کھیت میں شلغم لگائے تھے۔ صبح پیشاب کرنے کھیت میں گئے تو ایک جگہ ایسی لگی جیسے کسی نے شلغم نکالا ہے۔ آپ بہت ذہن رسا رکھتے تھے۔ ساتھ ہی شک گذرا کہ واقعی کسی نے شلغم نکالا ہے اور وہ فلاں شخص ہے۔۔۔ اس کو بلایا اور پوچھا کہ تو رات شلغم چرا کر لے گیا۔ اس نے انکار کیا کہ میں نے ایسا کام نہیں کیا ہے۔ خیر اس کے انکار پر خاموش ہو گئے۔ اسی رات میں نے خواب دیکھا۔ دیکھا پیر صاحب ایک ٹیلے پر کھڑے ہیں فرمانے لگے ہم کسی خاص کام کے لیے آئے ہیں۔ اور مجھے ایک راز کی بات بتائی جس سے میں بے خبر تھا۔ اسکے ساتھ ہی یہ بھی بتایا فلاں شخص شلغم چرا کر لے گیا مگر آپ اس کا مواخذہ نہ کریں۔ اس کی حالت اچھی نہیں۔ اس کی مدد کریں۔۔۔ صبح میں نے اس شخص کو دوبارہ بلایا۔ گاؤں کے قریبی رہنے والے لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ میں نے شخص مذکورہ کو بُرا بھلا کہا شلغم لینا تھا تو گھر سے مانگ کر لیتا اور جو ضرورت تھی وہ بھی لیتا اس طرح چوری کیوں کی۔ اس نے پھر انکار کیا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے پیر صاحب نے خواب میں آکر بتایا اور یہ جگہ میں نے خواب میں بھی دیکھی۔ تو نے بھی پیر صاحب سے بیعت کی ہے سچ بتا ورنہ میں قرآن سر پر رکھوں گا۔ اس نے ندامت سے سر جھکایا اور اقرار کیا کہ میں نے رات کو شلغم نکالا۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ آج کل آپ ناراض تھے۔ میں سمجھا کہیں آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔ اس لیے چونکہ "سرکار"[۵] گھر میں نہ تھیں۔ میں آپ سے مانگنے کی جرأت نہ کر سکا۔۔۔ کہتے ہیں کسی مغل شہزادی کو دیوان حافظ پر پورا یقین تھا۔۔۔ ایک دن شہزادی کا جواہرات کا ہار چوری ہو گیا۔ تلاش کرنے پر نہ ملا۔۔۔ آخری رات اپنی کنیزوں کو اکٹھا کر کے دیوان حافظ سے فال نکالی تو اس میں یہ شعر تھا:-

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

شہزادی نے یہ شعر پڑھ کر فوراً چراغ ہاتھ میں لئے ہوئے کنیز کا ہاتھ پکڑ لیا اور مطالبہ کیا کہ فوراً ہار واپس کر دے تو میرا ہار چرا کر لے گئی ہے۔ اس نے اقبال کر کے ہار واپس کر دیا۔ یہ تو مجازی عقیدہ ہے۔ یہاں تو حقیقی مشاہدہ سامنے آتا ہے۔ کہنے کو بات معمولی ہے مگر

---

[۵] سرکار ' راجہ صاحب کی اہلیہ کی طرف اشارہ ہے۔

صاحب بصیرت کے لیے حقیقت تسلیم کرنے کے لیے عظیم سرمایہ ہے---

خدا گواہ ہے اس سوانح کی تحریر و بیان میں ذرہ بھر بھی مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا گیا۔ نہ ان واقعات میں سلسلہ کی خوبیاں بیان کرنا مقصود ہے۔ سوائے اس کے کہ ایک اولوالعزم ہستی کی نسبت اپنے چشم دید واقعات بیان کر کے طریقت کی اصل کا اظہار کرنا ہے۔ کیونکہ طریقت حقیقتاً متشابہات سے متعلق ہے۔ جس کے لیے عام انسان کیلئے دلیل حاصل کرنا ممکن نہیں سوائے اس کے کہ طریقت سے متعلق اصول و ضوابط کے تحت طریقت کے طریقہ پر عمل کر کے طالب علم۔ حال سے ایسے واقعات و مشاہدات کے بیان و اظہار سے ہی دلیل میسر آسکتی ہے--- جس کے لیے وقت پر سلسلہ اویسیہ کے ایسے ہی مریدوں سے شہادت و دلیل ملتی رہی--- جس کے حق ہونے میں ذرہ بھر شک و فریب کی گنجائش نہیں--- میرے چشم دید واقعات میں گلنساء بیگم کے مشاہدات ایسے ہیں جیسے دن کی روشنی میں سورج کے وجود کا یقین کرنا ہے--- یہ میرا ابتدائی زمانہ تھا۔ جبکہ میں طریقت میں مبتدی کی حیثیت رکھتا تھا۔ گلنساء کے ابتدائی مشاہدات سے میں خود بے خبر تھا۔ چنانچہ اس وقت میں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور دریائے توحید سے علاوہ جو کچھ اس کے مشاہدات میں آتا ساتھ ساتھ تحریر میں لاتا--- اور جب گلنساء نے ایک ہفتہ میں آسمانِ ششم تک سیر کی تو میں نے ہر آسمان کی کیفیت ساتھ ساتھ قلمبند کی۔ اس کے بعد ۱۹۴۸ء میں مَیں پاکستان آیا--- یہاں میں نے ایبٹ آباد میں سکونت اختیار کی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ میں دوپہر کو بستر پر لیٹا تھا۔ میرے پاس معراج نامہ پڑا تھا۔ میں نے ویسے ہی بے خیالی میں کھول کر اس کے اشعار پڑھنے شروع کیے۔ اچانک آسمان سوئم کے بیان میں، مَیں نے یہ وظیفہ پڑھا۔ سُبْحَانَ اللهِ الْكَرِيْمِ سُبْحَانَ نُوْرُ الْمُبِيْنِ سُبْحَانَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ حیرانگی کے عالم میں اٹھ بیٹھا۔ ورق الٹائے تو پھر آسمانِ چہارم کے بیان میں یہ وظیفہ لکھا نظر آیا سُبْحَانَ الْقَادِرُ مَنْ يَّشَاءُ سُبْحَانَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمِ شدت حیرت سے میں باہر صحن میں نکل آیا--- اور معراج نامہ کی ورق گردانی شروع کی تو میری عقل کچھ سوچنے سے جواب دے گئی۔ دیکھا تو ہر آسمان کی وہی کیفیت وہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سوئم میں مقام حضرت موسیٰ علیہ السلام کا آسمان چہارم میں مقام حضرت آدم علیہ السلام کا آسمان اول میں قیام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آسمان ششم میں قیام اور ہر آسمان میں ملائکہ کا قیام اور ان کے سردار، بالکل ایسا ہی جیسا گلنساء کے مشاہدہ میں آیا۔ خیال ہوا کہ اس معراج نامہ کا مصنف کوئی ولی ہو گا۔ جس نے مراتب کی نشاندہی کی ہو گی۔ غور سے سرورق پڑھا تو اس پر صاف تحریر تھا۔

معراج نامہ قادر یار یعنی یہ معراج نامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کی سیر میں آئے ہوئے مقامات تھے جو قادر یار نے اشعار میں بیان کئے اور اس کا ماخذ اس نے معارج النبوت (حضور ﷺ کے معراج روحانی و جسمانی) سے بیان کیا کہ یہ تفصیل "معارج النبوت" یعنی حضور کے معراج کی احادیث کی سند سے حاصل کئے گئے مشاہدات و واقعات تھے۔ مجھے ایسے محسوس ہوا کہ میں ایک طویل عرصہ۔ ایک طویل راہ طے کر کے آیا ہوں۔ گویا اس انکشاف میں اسی آن مجھ پر حقیقت محمدی ﷺ کی حقیقت عیاں و واضح ہو گئی جیسے مجھ پر اس حقیقت کے تمام آثار کھل گئے کہ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و حیثیت کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی حیثیت کیا۔ جسمانی حیثیت کیا ہے۔ نبوت کی حیثیت کیا ہے۔ رسالت کی حیثیت کیا ہے۔ مجھے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ کی واضح تفسیر نظر آئی۔ اس حقیت کے انکشاف نے مجھے سیرت النبی ﷺ کی تصنیف کی جرأت دلائی۔ اسی دن سے میں نے سیرت النبی ﷺ لکھنا شروع کر دی۔ قرآن کھولا تو یہ آیت میرے سامنے آئی اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت ۳۳) اور اسی آیت پر میں نے سیرت النبی ﷺ کی ابتداء کی جس حقیقت محمدی ﷺ کی تفسیر در حقیقت محترمہ گلنساء کے مشاہدات پر ہی بیان کی گئی کہ قرآن نے واضح الفاظ میں اس حقیقت کی طرح اشارہ کیا۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۱)

یعنی حضور ﷺ کا جسم مقدس بمنزلہ روح ہے جو ایک آن میں (مثل نور) مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک پہنچا۔ اس خاصیت کے اعتبار سے آپ ﷺ کا جسم مقدس۔ روح (نور) کی خاصیت کا حامل ہے۔ یہ کیفیت حضور ﷺ کے جسم اقدس کی نوری ہیئت کی دلیل ہے۔ اس لیے کہ ایک ولی اپنی روح رحمانی (وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ) سے مقامات معرفت کا مشاہدہ کرتا ہے۔۔۔ انہیں مقاماتِ معرفت (زمین۔ جسم سے آسمان۔ تا ذات الٰہی) کا مشاہدہ۔ حضور ﷺ نے معراج میں اپنے جسم اقدس (جسم بشری) سے کیا۔۔۔ گویا۔ ایک ولی کی روح (روح رحمانی۔۔۔ نور) اور حضور ﷺ کا جسم مقدس۔ ایک ہی مرکب و کیفیت سے تخلیق ہوا۔ اس کی مختصر تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ کہ مخلوق انسانی میں۔ ہر انسان (از آدم علیہ السلام تا انسان آخر قیامت) میں دو روحیں موجود ہیں۔ ایک روح۔۔۔ روح حیوانی سے موسوم ہے۔ جس روح سے انسان کی زندگی و حرکت (حیات) وابستہ ہے۔ یہ روح صرف انسانی۔۔۔

زندگی۔۔۔ حرکت و عمل کیلئے مخصوص ہے۔ اسی روح پر انسان کی زندگی و حرکت (حیات) وابستہ ہے۔ یہ روح قرآنی بیان وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِي میں شامل نہیں۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کے وجود میں قبل از نفخ روح موجود تھی۔ جس سے سَوَّیۡتُهٗ سویٰ کے ذریعہ انسانی جسم کی تکمیل ہوئی۔ اس کے بعد اللہ نے خصوصی بیان کے متعلق فرمایا وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِي یہ روح تکمیلِ آدم۔۔۔ تکمیلِ انسانی پر نفخ کی گئی۔ اس حال میں کہ اس روح کا جسم انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ ایک اضافی روح ہے۔ جو فِی الۡاَرۡضِ خَلِيفَةً زمین کے مرکب سے نہیں۔ بلکہ ایک مخصوص اضافی روح ہے۔۔۔ حقیقتاً اگر یہ روح زمین کے مرکب (MATERIAL) سے نہیں۔ تو اس کے مقام و عمل کے اعتبار سے۔ یہ ایک "مخصوص نور کی جز۔ تخلیق کائنات: کے عمل میں۔ نور اول۔۔۔ نورِ ابتدائی سے لی گئی ہے۔ یہ روح (نور) آدم علیہ السلام میں صرف معرفت و مشاہدہ کیلئے۔ ملائکہ سے افضل ہیئت میں ودیعت کی گئی ہے۔۔۔ غرض انسان اپنی خلقت (تخلیق) میں دو روحوں سے مرکب ہے ایک روح جسمانی۔ جسے روح حیوانی۔۔۔ متحرک کرنے والی کہا جاتا ہے۔ انسانی جسم کو حرکت و زندگی دینے والی۔ دوسری۔ صرف مشاہدہ و علم حاصل کرنے والی۔ جسے روح رحمانی۔۔۔ یعنی وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِي۔ یعنی "روحی"۔۔۔ نور محض کی جز یا MATERIAL کہا جاتا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے تخلیقی منصوبہ میں۔ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الۡاَرۡضِ خَلِيفَةً کی خصوصیت اسی روح رحمانی کے ودیعت سے واضح ہے۔۔۔ اس امر سے ثابت ہے۔ کہ اِنِّي جَاعِلٌ فِي الۡاَرۡضِ خَلِيفَةً کے بیان میں اِنِّي خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّن طِينٍ کے بیان میں وَنَفَخۡتُ فِيهِ مِن رُّوحِي اسی نوری روح کا حوالہ دیا گیا ہے۔ جس سے انسان میں۔ ہر انسان کی تخلیق میں۔ دو روحیں مرکب کی گئی ہیں۔ یہ دونوں روحیں حضرت آدم علیہ السلام۔۔۔ انسان اول سے۔۔۔ قیامت کی آخری پیدائشِ انسانی میں۔ ہر انسان میں پائی جاتی ہیں۔۔۔ ہاں مخلوق انسانی میں۔ ہر مخلوق۔ ہر انسان۔۔۔ خواہ رسول و نبی ہو خواہ عام انسان۔۔۔ بغیر تخصیص ہر انسان میں دو روحیں موجود ہیں۔۔۔ البتہ تخلیقی عمل میں ترتیب و ترکیبِ پیدائش میں کسی مقام پر فرق ہے۔ وہ اس قرآن کی آیت کے بیان سے واضح ہے:

خَلَقَ الۡاِنۡسَانِ مِنۡ طِيۡنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسۡلَهٗ مِنۡ سُلٰلَةٍ مِّنۡ مَّآءٍ مَّهِيۡنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ۝ ط (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۷ تا ۹)

ترجمہ:۔ بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی اور لیسدار گارے (کیچڑ) سے۔ پھر دوسری

ترتیب میں۔ اس انسان کو ماں کے پیٹ سے پیدا کیا۔ پھر اسے انسانی جسم و ہیئت سے سنوارا یہ کہ اس کے اعضا میں قویٰ آنکھیں اور کان اور دل و دماغ بنائے۔ اس کے بعد (جب یہ مکمل انسانی ہیئت پر پہنچا) تو اس میں اپنی نوری روح ودیعت کی۔۔۔

اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق چار نوع کی بنائی۔۔۔

اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ

یعنی انسانی وجود کی ابتداء نفس واحد۔ ایک ذرہ (CELL) سے ہوئی۔ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا۔ اسی ذرہ (CELL) سے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر انسانی تخلیقی ترتیب میں ایک نئی ترکیب اختراع کی کہ

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّکِیْنٍ

عورت (زَوْجَهَا) کے پیٹ سے ایک انسان کو پیدا کیا۔ جس کی ترتیب و ترکیب میں وضاحت کی۔

خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۙ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ؕ

اس کی ترتیب عورت مرد کی مباشرت سے ایک انسان پیدا کیا۔۔۔ اور یہی ترتیب تمام مخلوق انسانی کیلئے مقرر و مخصوص کی کہ عورت مرد کی مباشرت سے۔ نسلی طور ایک انسان پیدا کیا۔ پھر اس ترتیب میں ایک اضافی ترکیب شامل کر دی وہ یہ کہ بجائے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ لیسدار کیچڑ کے اور نسلی ترتیب کے۔ خالص نور سے بنایا۔ اس حال میں کہ نسلی حیثیت میں اس کا بنیادی مرکب (MATERIAL) ناری (روح حیوانی) قوت سے اس کا وجود خاکی ترتیب پایا۔ مگر نوری ترتیب میں چونکہ اس کا بنیادی مرکب نور سے ہوا۔ اس لیے اس کے وجود جسمانی کی حیثیت (بنیادی طور) نوری وجود کی حامل ہو گی۔۔۔ اس کی ترتیب خاص یہ ہے کہ کسی مخصوص انسان کی پیدائش کیلئے ایک مخصوص نور مقرر کیا جو نسلی طریق پر بجائے "نطفہ" کے "نفخ روح" کے ذریعہ ماں کے پیٹ میں نفخ کیا گیا۔ جس سے ایک انسان۔ عام بشری انسانی شکل و صورت میں پیدا کیا گیا۔ اس صورت میں۔ کہ نسلی حیثیت میں انسان کا جسم ناری (خاکی) حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن خلقت کے اعتبار سے اس کا جسم نوری قوت کا حامل ہو گا۔ یہ سب تخلیقی ترتیبیں انسانی۔۔۔ روح حیوانی۔۔۔ ناری (خاکی) اور روح رحمانی۔۔۔ نوری وجود کے ذریعہ ہوتی ہیں۔ انہیں ترتیبوں پر جیسا کہ قرآن نے ان چار انواع کا ذکر (اشارہ) کیا۔۔۔ پہلا اشارہ۔ حضرت آدم کی تخلیق پر

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ۔

بنایا۔ انسان کو زمین کی مٹی سے یعنی انسانی جسم خاکی خاصیت کا بنایا گیا۔۔۔ صلصال۔۔۔ ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی۔ یہ اشارہ ہے زمین کی ہیئت کا کہ زمین جب سورج سے جدا ہوئی تو مانندِ سورج ناری ہیئت رکھتی تھی۔ بعد ہزاروں سال گزرنے کے یہ ناری ہیئت مٹی میں آئی۔ اس وقت یہ ایک تپتی مٹی کی ہیئت میں ٹھوس شکل میں محسوس ہوئی۔ اسی ہیئت و کیفیت کو صلصال۔ ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے تشبیہ دیا گیا اور پھر یہی زمین۔۔۔ زمین کی مٹی ہزاروں سال کے بعد جب اس پر پانی برستا رہا تو یہ اپنی آخری ہیئت میں۔۔۔ ایک مقام پر۔ دلدل کی شکل اختیار کر گئی جسے حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ سے تشبیہ دیا گیا۔۔۔ یہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مقرر کردہ۔ نوری ذرہ۔۔۔ نوری قوت۔ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم کیلئے مخصوص کیا تھا۔ اسی دلدل میں اس۔ ناری ذرہ نے قرار کر کے انسانی ہیئت و شکل میں انتقال کرنا شروع کیا۔ جو اپنے تخلیقی منازل۔ مراحل سے گزر کر انسانی شکل و اعضا۔۔۔ سویٰ۔۔۔ سے انسانی جسم میں نمودار ہوا۔ یہی وہ جسم ہے جو آدم کے نام سے موسوم ہوا۔۔۔ اور دوسری تخلیقی ترتیب اور آدم کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیقی ترتیب بدل دی۔ کہ یٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ اے آدم تم اپنے زوجہ جوڑے۔ عورت مل کر زمین پر رہو۔۔۔ تو اسی جوڑے کے اختلاط۔۔۔ مباشرت۔ سے ایک انسان مرد عورت خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ یَّخْرُجُ مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ۔۔۔ سے بنا۔ اس ترتیب میں انسانی وجود کا مرکب (MATERIAL) خود انسان کے جسم۔ مادہ منویہ۔۔۔ جو اصل روح حیوانی کا۔۔۔ ناری اور خاکی مرکب ہے۔ جو مرد عورت کے مباشرت سے ماں کے خون (حماء مسنون) سے نشوونما پا کر انسانی ہیئت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جسمانی وجود ناری روح سے تخلیق ہوتا ہے۔۔۔ یہ روح تاثیر میں ناری۔۔۔ خاکی۔۔۔ اور۔۔۔ روح حیوانی سے تشبیہ ہوتی ہے۔ گویا یہ انسانی وجود نسل آدم سے ناری روح سے تخلیق ہوا۔۔۔ اس کے بعد کسی زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے ایک نئی تخلیقی ترکیب و ترتیب کا قرآنی حوالہ پیش کیا۔ جو ایک انسانی وجود کی نوری خاصیت کی حامل ہوتی ہے۔ اول تو اس ترتیب کا اشارہ مجملاً قصہ حضرت زکریا علیہ السلام میں بیان کیا۔

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ - فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّاۙ یَّرِثُنِیْ وَ
یَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ - وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ○

یعنی حضرت زکریا نے بڑھاپے کی حالت میں جب کہ حضرت زکریا اس عمر کے مقام تک پہنچے۔ کہ ان میں قوت نسلی (نسل) ختم ہو چکی تھی۔ اور آپ علیہ السلام کی بیوی بانجھ تھی۔ اس حال

میں اللہ سے ایک لڑکا (انسان) پیدا ہونے کی تھب لی۔۔۔ (وھبی طور پر) قدرت کاملہ کی کرامت کے ذریعہ مِنۡ لَّدُنۡكَ وَلِيًّا پیدا ہونے کی خواہش کی۔۔۔ تو اللہ نے اپنے نئے منصوبہ کی ابتداء کی یٰزَكَرِيَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اِسۡمُهٗ يَحۡيٰى " اے زکریا تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس حال میں کہ آپ میں لڑکا (انسان) پیدا کرنے کی نسلی قوت باقی نہ رہی۔ تو میں یہ لڑکا نوری مرکب MATERIAL سے پیدا کروں گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے استفسار کیا کہ اے اللہ اس لڑکے کے بغیر اسباب نسلی پیدا ہونے کی ترکیب کیا ہے؟ کہ بغیر نسل کے ماں کے پیٹ سے انسان پیدا ہو؟ اللہ تعالیٰ نے کہا كَذٰلِكَ۔۔۔ اسی طرح یہ بغیر نسلی مادہ کے۔۔۔ (نور سے) ایک لڑکا پیدا کروں گا۔ اس اعلان کے مطابق حضرت یحیٰی علیہ السلام کا انسانی شکل میں ظہور ہوا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک نئی ترتیب ہے کہ اللہ بغیر ذریعہ، بغیر نسل، بغیر سلصال۔۔ بغیر نَفۡسٍ وَّاحِدَةٍ کے "نور" سے ایک انسان پیدا کرتا ہے۔ اس حال۔ میں کہ ایک طرف یہ انسانی شکل و ہیئت میں پیدا ہوا۔ دوسرا۔ نوری اعتبار سے قانون فطرت کے مطابق اس نور کا بنیادی مرکب زمین۔۔۔ نسل سے نہیں۔ بلکہ نور قرار دیا جاتا ہے۔ اور اس نوری خاصیت کے وجود کی دلیل وضاحت سے اللہ تعالیٰ قرآن میں پیش کرتا ہے۔

اِنَّمَا الۡمَسِيۡحُ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلۡقٰهَاۤ اِلٰى مَرۡيَمَ

سوائے اس کے نہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ نسل آدم سے (نسلی بشر) نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا ایک مخصوص کردہ نور ہے۔ جو حضرت مریم علیہا السلام میں نفخ کے ذریعہ بطن میں ڈالا گیا۔ جب کہ حضرت مریم علیہا السلام کی زبانی قرآن نے اس امر کی وضاحت کی۔

قَالَتۡ اَنّٰى يَكُوۡنُ لِىۡ غُلٰمٌ وَّلَمۡ يَمۡسَسۡنِىۡ بَشَرٌ وَّلَمۡ اَكُ بَغِيًّا

حضرت مریم علیہا السلام نے کہا کہ میرے کیسے لڑکا ہوسکتا ہے۔ جب کہ میری شادی (نکاح) نہیں کہ بشری ترتیب پر لڑکا ہو۔ قَالَ كَذٰلِكِ کہا اللہ نے ایسے ہی بغیر نسل کے۔ کیونکہ یہ میرے ارادہ ازلی میں مقرر ہو چکا ہے کہ مخلوق انسانی میں اس نوع کی مخلوق بھی بناؤں۔

وَلِنَجۡعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ - وَكَانَ اَمۡرًا مَّقۡضِيًّا

اس لئے کہ ایسی پیدائش کو، بطور دلیل، ثبوت پیش کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ بغیر باپ کے بھی ایک پیدائش پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ امر میرے منصوبہ میں ازل سے طے ہو چکا ہے۔ فَنَفَخۡنَا فِيۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا پھر ہم نے حضرت مریم کے بطن میں ایک "کلمہ" ایک مخصوص نور نفخ کیا۔ جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بظاہر بشری شکل و صورت میں پیدا ہوئے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ نوری نسل کو بھی شکل بشری میں دیکھا جاتا ہے؟ اس کی بشری

حالت میں کہ اس پیدائش کی خاصیت بشری ہو؟۔ اس کے متعلق بھی قرآن نے قبل ازوقت ایک آیت۔۔۔ ایک دلیل پیش کی کہ

فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا

پھر ہم نے حضرت مریم کی طرف ایک "روح" ملائکہ بھیجا۔ جو اس کے سامنے بشری ہیئت میں آیا۔ تو حضرت مریم نے کہا اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا میں اس آدم نما بشر سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ کہ یہ نوری ملائکہ بشر (انسان) سمجھا گیا۔۔۔ مگر قرآن نے اس کی وضاحت کر دی۔ کہ نوری وجود۔۔۔ نوری نسل۔۔۔ بشری شکل و صورت۔ اختیار کرنے پر خاصیت میں نوری ہوتا ہے۔

اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا۔

میں بشری ہیئت میں ہوں۔ مگر میری خاصیت نوری ہے! میں نوری خاصیت کا ملائکہ ہوں۔ تاکہ اللہ تعالیٰ آپ سے ایک نوری وجود (بشری شکل و صورت میں) پیدا کرنے والا ہے۔ قرآن اس مفصل بیان میں آخر بتاتا ہے۔

اٰیَةً لِّلنَّاسِ۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا یہ امر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے منصوبہ میں طے ہوا ہے۔ کہ مخلوق انسانی میں۔ ایک انسان بغیر باپ کے بھی بناؤں گا۔ تاکہ کسی کو یہ اعتراض یا بے خبری نہ ہو کہ اللہ ایک بشر کو نوری مرکب MATERIAL سے بنائے گا۔ جس میں نوری خاصیت ہونے میں شبہ نہیں ہو سکتا۔ اس حال میں کہ قرآنی بیان پر غور و تحقیق سے۔۔۔ انسانی انواع و تخلیق سے "نور"۔۔۔ اور "بشر" کی صفات کا اندازہ کر سکے۔ اس تخلیق پر ایک پیدا ہونے والے بشر کو ماں باپ کے ہوتے بھی نور سے پہچانا جاتا ہے۔

الغرض انسانی تخلیق کے اس قرآنی بیان کا لب لباب۔۔۔ مقصد یہ ہے وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ کہ اس تخلیق کی ہر "نوع" کیلئے آثار و دلائل واضح ہوں کہ

۱۔ اول تخلیق۔ ماں باپ کے بغیر انسان (بشر) پیدا کیا جاتا ہے جیسے حضرت آدم علیہ السلام بشری ہیئت میں پیدا ہوئے۔

۲۔ دوسری تخلیق۔ مرد اور عورت کے اختلاط (مباشرت) سے ماں کے بطن (رحم) سے جیسے تمام مخلوقِ انسانی۔ نسل اور بشری ہیئت میں پیدا ہوتی ہے کہ یہ بھی ایک تخلیقی عمل نوع انسانی ہے۔

۳۔ تیسری تخلیق۔ بغیر باپ۔ ماں سے پیدا ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ جس کی بنیاد

(بنیادی MATERIAI) نور محض (نُوْرٌ مِّنْہُ) ایک نوری وجود ہے --- بشری شکل میں۔ نوری حساسات کا مرقع پیدا ہوا۔

۴۔ تہر سین۔ باپ اور ماں کے ہوتے ہوئے خالص نور سے۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام "فَھَبْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا" یعنی۔ بغیر نسلی قوت۔ قدرت کاملہ سے۔ جس کا سبب بھی "نور" ہی ہوتا ہے۔ ہاں لب لباب --- ماحصل اس کا بشری ہیئت سے علاوہ۔ مخلوق انسانی میں "وَکَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا" ارادہ ازلی --- ارادہ الٰہیٰ میں۔

اسی قرآنی بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے منصوبہ ازلی میں۔ جہاں ان انبیاء خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جسمانی فضیلت عطا کی یہ حقیقتاً ایک امر واقع نہیں۔ بلکہ وَلِنَجْعَلَہٗ آیَۃً لِّلنَّاسِ ایک دلیل ہے اصل امر حضورﷺ کی ذات اقدس کو تمام مخلوقِ کائنات۔ پر فضیلت عطا کرنے کیلئے بطور دلیل سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی پیش کیا گیا۔ کہ تخلیقی حیثیت میں بھی حضورﷺ امام الانبیاء امام الرسلین حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اعلیٰ فضیلت رکھتے ہیں۔ اس لئے حضورﷺ کی تخلیق بھی اسی "نوع" میں شامل ہے کہ باپ (عبداللہ علیہ السلام) اور والدہ (حضرت آمنہ علیہا السلام) کے ہوتے بھی حضورﷺ کی ذات اقدس کے لئے مثل عیسیٰ علیہ السلام --- ایک نور مخصوص ہوا۔ جو تمام انوار --- روح حیوانی --- روح رحمانی سے افضل قرار دیا گیا۔ یہی نور "اَلْقَاہَا اِلٰی آمِنَۃَ عَلَیْہَا السَّلَامُ" نفخ نور سے حضورﷺ کے وجود مقدس کا ظہور ہوا۔

واضح ہو کہ تمام مخلوق انسانی۔ بمعہ انبیاء کے جسم میں دو روحیں پائی جاتی ہیں (روح حیوانی) زندگی کی روح اور دوسری (روحِ رحمانی) حصولِ علم کیلئے تخلیقی اعتبار سے۔ حضورﷺ کی روح حیوانی --- زندگی کی روح۔ چونکہ نسلی نہیں بلکہ مخصوص نور ہے آپ میں روح حیوانی نہیں۔ بلکہ نور سے تخلیق ہوئے --- اس لئے یہ نور مخصوص اصلاً نور اول --- نور ابتدائی۔ کائنات کی تعین کا نور اول ہے۔ جس نور کے ایک جز سے حضورﷺ کی روح ازمانی (جسے روح حیوانی سے تشبیہ دیا جاتا ہے) تخلیق ہوئی۔ جو حضورﷺ کے جسم مقدس کیلئے وقف کی گئی اور اسی نور اول کی ایک جز۔ نوری جز تخلیق انسانی میں وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ کیلئے مخصوص کی گئی۔ جو حضرت آدم (انسان) کی روح رحمانی کیلئے اس میں جسم کی تکمیل پر نفخ کیجاتی ہے۔ لہذا۔ حضورﷺ کی (حقیقت محمدیﷺ) روح جسمانی اور عام انسان کی روح رحمانی یکساں ہیئتیں ہیں۔ اسی تخلیق پر قرآن نے "سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" کا اعلان کیا کہ جہاں مخلوقِ انسانی میں اولیاء اللہ دیدار الٰہیٰ میں روح رحمانی سے دیدار و معرفت حاصل کرتے

ہیں وہاں حضور ﷺ کا جسم مقدس بھی نور سے تخلیق ہے۔ اس لئے اس معراج میں آپ ﷺ بمنزلہ روح رحمانی جسم سے رسائی و دیدار کرتے ہیں اسی کیفیت کیلئے قرآن نے "سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ" اور "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" اور "فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی کا بیان پیش کیا۔

لہٰذا حضور ﷺ کے فرمان قدسی کے مطابق اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ۔۔ نُوْرِیْ۔۔ وَخَلَقَ کُلَّ خَلْقٍ مِنْ نُوْرِیْ اس کی حقیقی تفسیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کے منصوبہ ازلی میں جب کائنات بنانے کا ارادہ کیا۔۔۔ اس کے سوا مخلوقی حیثیت میں۔۔۔ مخلوق کائنات بنانے کی کوئی صورت میسر نہ تھی۔ کہ براہ راست اپنی ذات احد۔ اپنے نور لامحدود و خالق سے مخلوق بننا ممکن نہ تھا کہ کل مخلوق۔ مخلوقی حیثیت میں۔ مخلوق ہیئت میں ظہور کرتی۔ سوائے اس کے کہ

لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر نور ابتدائی۔۔۔ اپنی ذات سے نہ بناتا تو مخلوق۔ مخلوق نام سے مخلوق نہ بنتی۔۔۔ جس کے لئے۔ اپنی ذات احد سے، اول ایک مخلوقی نور ظاہر کیا۔۔۔ پھر اسی مخلوقی نور سے۔ محمد ﷺ کل کائنات کو مخلوقی صورت میں پیدا کیا۔۔۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ سب سے پہلے کائنات بنانے میں جو نور (نور الٰہی۔۔۔ نور احد) سے "جو" بنایا گیا وہ میرے نام (نام مقدس) سے معروف ہے۔ اور آئندہ اسی نور سے کل کائنات بنائی گئی۔۔۔ "بنی"۔۔۔ اس نور کا نام۔۔۔ (جیسے عرش۔۔۔ کرسی۔ آسمان۔ سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ) محمد ﷺ سے معروف ہوا۔۔۔ کہ اسرار کائنات میں جب ایک فرد معرفت الٰہی کی پہچان کرتا ہے تو کائنات۔۔۔ اسرار کائنات۔۔۔ میں ہر ہیئت۔ ہر کیفیت میں اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ میرا (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی نور مشاہدہ میں آتا ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ کا اسم مقدس محمد پہچانا گیا (پایا گیا)۔ یہ کائنات۔۔۔ اسرار کائنات۔۔۔ دراصل محمد ﷺ۔۔۔ نور محمد ﷺ سے تشبیہ دیا جاتا ہے یہی کیفیت خاتم النبیین سے تعبیر ہے۔ حقیقتاً حضور ﷺ کا جسم مقدس (نور جسمی) اسی نور اول کی ایک نوری جز مقرر کی گئی۔ اور تمام مخلوق۔۔۔ تمام انبیاء کی روحِ رحمانی جس سے انہیں مقام نبوت حاصل ہوتا ہے۔ اسی نور محمدی ﷺ کی اجزاء ہیں۔ جو روح وقت معراج میں "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ○ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" کے مقام پر جسمانی آنکھوں۔۔۔ جسم۔۔۔ نے اللہ کی ذات میں "جذب" ہوا۔۔۔ معراج (معراج جسمانی) سے تعبیر ہے۔

یہ حقیقت ہے--- بلاشبہ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں کئی ایسے مرید ہیں جو محترمہ گلنساء کی مانند معرفت و عرفانِ الٰہی کے مراتب کی سیر میں کامل اکمل صاحب عرفان پائے گئے۔ لیکن میرے اس صحیفہ میں تحریر و بیان میں جو "نورالعرفان" کے چراغ پیش کئے گئے ہیں۔ ان میں انہیں جیسے فقراء کے مشاہدات سے روشنی حاصل کی گئی ہے جس میں میری ذاتی کاوش و عمل کو دخل نہیں--- میری حیثیت صرف راوی کی ہے--- اس کے سوا کچھ نہیں--- اور مجھے فخر ہے کہ اس صحیفہ میں، میں محترمہ گلنساء اور دیگر مریدوں کے مشاہدات کو بطور دلیل پیش کرنے میں ایک واضح دعویٰ رکھتا ہوں کہ جو تلاش حقیقت کا طالب ہے ان چند واقعات پر عقل سلیم کے ساتھ مطالعہ کرے تو اس کی ہدایت و راہنمائی کے لئے یقیناً نتیجہ خیز ثابت ہوگی۔

افسوس کہ زمانہ ہر حال میں فانی ہے۔ آج کی دلیل کل میسر نہیں آسکتی۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں اکثر ایسے مخصوص فقیر حال میں موجود نہیں مگر یہ دعویٰ ہے کہ نورالعرفان میں ان کے درج شدہ واقعات پر تسلیم کے ساتھ کوئی شخص سلسلہ اویسیہ سے نسبت قائم کرے تو آج بھی (یہ "آج"--- ماضی--- مستقبل میں بھی قائم رہے گا)۔ اسے ایسے ہی مشاہدات اور مراتب کے اسرار کا انکشاف ہو سکتا ہے۔ ہاں یہ خاتون بھی موت کی وادی میں داخل ہو چکی ہے---والد کی وفات کا گلنساء نے اپنے عزیزوں کے مقابلہ میں زیادہ اثر قبول کیا۔ آپ کو اپنے والد سے بے حد محبت تھی--- اور پھر یہ زمانہ حادثات سے پُر تھا۔ کشمیر میں فساد برپا ہونا۔ اس جنگ میں گلنساء کو جن حادثات سے دوچار ہونا پڑا وہ حد درجہ دلخراش اور اندوہناک تھے۔ اس نے جنگ کے دوران کمزور اور معصوم عورتوں، بچوں کو تباہ حالت میں دیکھا۔ ان کی دہشت زدگی، عصمت لٹی ہوئی پریشان حال معصوم لڑکیوں کی دہشت نے اسے دہشت زدہ کر دیا۔ وہ دنیا سے متنفر ہوگئی۔ جہاں اسلام اور جہاد کے نام پر مظلوموں پر ظلم ڈھائے گئے۔ یہ حادثات گلنساء کے لئے ناقابل برداشت تھے۔ پھر اپنے محبوب پیر سے جدائی میں ایک وسیع اور شدید حد فاصل نے اس کے قلب کو فراق کی آگ میں خاکستر کر دیا۔ والد کی وفات کے بعد وہ کچھ عرصہ زندہ رہی۔ اس کی شادی بھی ہوگئی۔ تین بچے بھی ہوئے۔ گلنساء بے حد سنجیدہ، بردبار، مستقل مزاج، صابر اور دلیر لڑکی تھی۔ وہ حادثات سے ٹکرانے کی قوت رکھتی تھی۔ مگر اس کے سامنے جو حادثات آئے وہ ان کی ہولناکی کی متحمل نہ ہو سکی۔ وہ زندہ رہی مگر دنیا کی زندگی کو رسماً قبول کیا۔ یقیناً وہ ایک مومنہ تھی۔ جو فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کے مصداق--- مومن کی طرح موت کی طلب میں زندگی

گذارتی رہی۔ وہ دنیوی زندگی کے مقابلہ میں ہمیشہ آخرت کی زندگی کی طرف جانے میں کبھی خوفزدہ نہیں رہی--- آخراس نے موت پر فتح پالی--- ابھی اس کی زندگی کے تقریباً تیس سال ہی گذرے تھے۔ اس کی ہمیشگی کی تمنا پوری ہو گئی--- اس نے اپنے عزیزواقربا۔ خاوند اولاد کی محبت پر قابو پا کر موت کی طرف قدم بڑھایا اور دارِ آخرت کی طرف ہجرت کر گئی--- آپ کو معمولی سی ہیپچش شروع ہوگئی۔ آپ اپنے علاج میں ہمیشہ لاپرواہ رہیں--- معمولی سی تکلیف نے طول پکڑا۔ علاج کیا مگر صحت نہ ہو سکی۔ عزیزوں نے فیصلہ کیا کہ اسے ٹیکسلا ہسپتال میں داخل کریں۔ گو وہ خود اس پر راضی نہ تھی مگر عزیزوں اور بزرگوں کے اصرار پر مجبور ہو گئی۔ آخر اسے ٹیکسلا ہسپتال میں داخل کیا گیا اور پیٹ کا مرض البسر تشخیص کیا گیا۔ ڈاکٹروں کے مطابق مرض چند دنوں میں رفع ہو کر مریض صحت یاب ہوتا مگر ایسا نہ ہوا۔ مرض مرض ہی رہا--- آخر گلنساء نے بتا ہی دیا کہ اب علاج ہی بیکار ہے۔ میں ہر حال میں جانا چاہتی ہوں--- دوا پینے سے انکار کر دیا۔ چونکہ ہسپتال میں زیر علاج تھی۔ نرسوں نے دوا پینے پر مجبور کیا مگر اس نے صاف کہہ دیا کہ میں اب مرنے والی ہوں۔ مجھے تنگ نہ کرو۔ نرسوں نے کہا تم مسلمان لوگ وہمی اور کمزور عقیدے کے لوگ ہوتے ہو۔ تکلیف میں طوالت ہوئی تو موت موت رٹنا شروع کر دیا۔ موت کا تو کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تم نے مرنا ہے۔ گلنساء مزاج کی بھی تیز تھی۔ ان کی اس بات کو برداشت نہ کر سکی اور جلال میں آ کر بولی میں مسلمان ہوں۔ مسلمان جب مرتا ہے تو اس کے رسول ﷺ خود اس کے پاس آتے ہیں اور اپنے پاس لے جاتے ہیں۔ تم عیسائی ہو تمہارا مذہب سچا نہیں۔ اسلام سچا دین ہے۔ تم اسلام اور مسلمان کی حقیقت نہیں جانتے ہو--- میرے پیر مکمل راہبر ہیں۔ اور اس وقت میرے پاس ہیں۔ وہ مجھے لینے کے واسطے آئے ہیں۔ میں تھوڑی دیر کے بعد ان کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم خود ہی دیکھ لو گی۔ جاؤ اپنا کام کرو میرا علاج ختم ہو گیا۔ یہ سن کر نرسیں حیران ہو کر گلنساء کو دیکھتی رہیں۔ انہوں نے ڈاکٹروں کو بتایا کہ ایک مریضہ نے دوا پینے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتی ہے میں مرنے والی ہوں۔ ڈاکٹر بھی گلنساء کو دیکھنے آئے۔ گلنساء نے انہیں بھی اسلام اور روحانیت پر چند حقائق بیان کئے اور اسلام اور عیسائیت کے متعلق واقعات سنائے تو ڈاکٹر بھی خاموش ہو گئے۔ آخر گلنساء نے اپنے خاوند کو وصیت کی کہ بچوں کا خیال رکھنا اور اسے نڑگولی گاؤں (اس کے شوہر کے گھر) دفن کرنا اور بھی چند پیشگوئیاں کیں اور یہ بھی بتایا کہ آئندہ تم نے کیا کچھ کرنا ہے--- اس کے علاوہ اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ مجھے کسی علیحدہ جگہ لے چلو۔ تنہائی میں، میں نے تم سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔ لیکن

اس کے شوہر نے غالباً اس خیال سے کہ کہیں ان باتوں میں اس پر کچھ ذمہ داریاں آجائیں جو اس سے پوری نہ ہو سکیں۔ تنہائی میں جانے سے ٹال گیا۔ گلنساء سمجھ گئی مجبوراً خاموش ہو گئی۔۔۔ آخر وقت قریب آ گیا تو گلنساء نے اپنے شوہر سے کہا میری موت پر واویلا نہ کرنا۔۔۔ یہ بے عزتی ہوگی۔۔۔ صبر سے کام لینا۔۔۔ میرے جسم کو کسی کو ہاتھ نہ لگانے دینا۔ اپنے عزیزوں کے سوا مجھے یہاں سے کوئی نہ اٹھائے۔ اور موت کے وقت میری آنکھیں اور منہ بند کر دینا۔ پھر کہنے لگی تیرے اوسان خطا ہو جائیں گے تو مجھے سنبھال نہ سکے گا۔ میں خود ہی اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لوں گی۔ سب کو سلام اور دعا کے بعد اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیے۔ آنکھیں بند کیں۔ خدا حافظ کہکر فوراً ہاتھ سینے پر باندھ دیے۔ بس! اتنے ہی لمحہ کی دیر تھی۔ گلنساء اپنے مقصد کو پا کر اپنے مقصد کو پہنچ چکی تھی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ شعر خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را۔ مت کہو ان لوگوں کو جو قتل ہوئے اللہ کی راہ میں مردہ، بلکہ زندہ ہیں لیکن تم اس زندگی کو دیکھ نہیں سکتے۔ تَشْعُرُوْنَ کا اشارہ متشابہات کی وجہ سے ہے کہ یہ کیفیت متشابہات سے تعلق رکھتی ہے۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ

نہیں مشاہدہ رکھتے، نہیں علم رکھتے (کہ قیامت کے دن) کب اٹھائے جائیں گے۔

یہاں موت کے واقعہ کو بھی متشابہ تصور کر کے يَشْعُرُوْنَ کا اشارہ دیا گیا ہے۔

فی الحقیقت انسان پر وارد سکرات الموت۔ موت کی غنودگی میں اس کے عمل کے مطابق۔ خوبصورت، خوش آئندہ کیفیات کا مشاہدہ ایمان کی صورت میں، اور گنہگار کے لئے سکرات الموت کے وقت خوفناک مناظر اور تکلیفات انسانی علم سے باہر ہیں۔ اس لئے جبکہ سکرات الموت حق قرآنی بیان سے ظاہر ہے کہ موت کے وقت سکر کی حالت یعنی غنودگی کے عالم میں باطنی کیفیات برزخ کا مشاہدہ حق ہے تو موت کے وقت ولی پر ایسے انکشافات یقیناً حق ثابت ہوتے ہیں۔

حضور قبلہ عالمؒ ولی اکمل۔۔۔ اور قطب الاقطاب کا مقام رکھتے تھے۔۔۔ اپنے مقام کے اعتبار سے رحمانی (روح رحمانی) اعتبار سے آپ کو زندگی اور موت میں یکساں مقام فنائے ذات الٰہی حاصل تھا اور روح حیوانی کے اعتبار سے۔۔۔ آپ کا مقام اعلیٰ علیین میں ہونا حق ہے۔۔۔ صفات ولایت کے اعتبار سے آپ کی حیثیت۔ زندگی۔۔۔ اور موت دونوں صورتوں میں یکساں ہے۔۔۔ آپ بہمہ صفات ولایت معرفت۔۔۔ علم۔۔۔ قوت۔۔۔ کرامات کے عالم برزخ میں بھی حامل ہیں۔۔۔ موت کے بعد بھی آپ کسی مرید کو خواہ وہ

زندگی میں ہو یا نزع کے عالم میں۔۔۔ یا بعد موت بھی۔۔۔ اس کی عیادت۔۔۔ اس کی مدد پر حاضر ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔۔۔ یہ کوئی مبالغہ نہیں۔ بلکہ ایک حقیقت ہے لیکن اس کے فہم کے لئے۔ قلبِ سلیم۔ عقلِ سلیم۔۔۔ اور حسنِ نیت لازم ہے۔

حضورؒ کا اپنے مریدوں کی وقت آخرت دستگیری فرمانا

ان ہی صفات کے مطابق حضور قبلہ عالمؒ اپنے مریدوں کی نزع کے وقت رفاقت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ گلنساء کے چشم دید واقعہ سے ظاہر ہے۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں بیشتر ایسے واقعات ہیں جو باطنی کمالات کے مظہر ہیں لیکن واقعات کا اظہار ممکن نہیں نہ کوئی ایسے واقعات سننے کا متحمل ہو سکتا ہے۔ بلکہ آداب طریقت ان کے بیان کرنے میں مانع ہیں۔ سوائے اس کے کہ چند عام چشم دید واقعات پیش کئے جائیں۔

پیشتر علاقہ چکار میں حضور قبلہ عالم کے چند مریدوں کا ذکر ہوا۔ ان میں قصبہ چکار کا ایک مرید شیرو سائیں (جھنڈو) صاحبِ مشاہدہ حضوری فقیر تھا۔ لوگ اکثر اس کی شکایت کرتے کہ جھنڈو مرغیاں چرا کر لے جاتا ہے۔۔۔ ہر وقت تسبیح ہاتھ میں رکھ کر ظاہر کرتا ہے کہ میں درود شریف پڑھتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی کرتا ہوں۔ لوگ اکثر اسے مشکوک نظروں سے دیکھتے۔ ایک دفعہ جھنڈو بیمار ہو گیا۔ معمولی سا بخار ہوا۔۔۔ دیسی قسم کا دیہاتی علاج کرایا۔ مگر بخار نہ اترا۔ یہاں تک کہ ایک ماہ کا عرصہ گذرا۔ جھنڈو بستر پر دراز ہو گیا۔۔۔ اسکے عزیز و اقربا بیمار پرسی کے لئے آتے رہے۔ ایک دن اپنے ایک حاسد عزیز نے طعنہ دیا۔۔۔ کہ تُو تو اپنے آپ کو بڑا ولی سمجھتا تھا۔ اپنے کشمیر کے پیر کو کیوں نہیں بلاتا۔ تجھے ٹھیک کر دے۔ جھنڈو غضبناک ہوا اور بستر سے اٹھ کر حملہ آور ہوا۔ اسکے عزیزوں نے اسے تھاما اور بستر پر لٹا دیا۔ جھنڈو کہنے لگا تم سب شیطان کی امت ہو۔ ایک ولی کی شان میں بغض و حسد کی وجہ سے گستاخی کرتے ہو۔۔۔ تم لوگ مجھ پر الزام لگاتے رہے میں چوری کرتا تھا بے شک میں چوری کرتا تھا۔ مگر کشمیر کا پیر ایک عظیم پیر ہے۔۔۔ اس کے باوجود میں ان کا مرید ہوں، مرید رہا۔ اور زیارت بھی کرتا رہا۔ بدبختو تم اس ولی کو نہیں جانتے۔۔۔ افسوس کہ میں اب مرنے والا ہوں، میرا پیر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ میرا پیر مجھے لینے آیا ہے۔ میں جلدی رخصت ہونے والا ہوں۔ موت کی بیماری مقدر ہوتی ہے۔ اس میں صحت نہیں ہوتی۔ جھنڈو کی باتیں سن کر اسکے عزیز اس شخص سے ناراض ہو گئے کہ ایسے وقت میں ایسی بات کرنی مناسب نہ تھی۔ اسے بہت

صدمہ پہنچا۔ دیکھو یہ کیسی باتیں کرنے لگا۔ جھنڈو غصے میں اپنے پیر کی تعریف کرنے لگا ایک سیکنڈ خاموش رہا۔ تسبیح ہاتھ سے گر گئی دیکھا تو جھنڈو چور۔۔۔ اپنے نگہبان۔۔۔ راہبر کے ساتھ جا چکا تھا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

اسی گاؤں کا ایک نمبردار اور اس کی بیوی حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوئے تھے۔ نمبردار کی بیوی بیمار ہو گئی۔۔۔ کچھ عرصہ بیمار رہی۔۔۔ علاج ہوا۔۔۔ کچھ صحت ہوئی۔ ابھی کمزور تھی۔ زیادہ تر بستر پر ہی پڑی رہتی۔۔۔ ایک دن صبح اٹھتے ہی اپنے عزیزوں کو بلایا اور دوسرے رشتہ داروں کو بھی بلوانے کے لئے کہنے لگی کہ میں اب رخصت ہونے والی ہوں۔ سب کو آخری ملاقات کے لئے بلواؤ۔۔۔ بظاہر اس کے بشرے سے موت کے آثار ظاہر نہیں ہو رہے تھے۔ عزیزوں نے تسلی دینے کی کوشش کی مگر اس نے زور دے کر کہا کہ میری بات پر یقین کرو۔۔۔ رشتہ داروں کو خبر کر دو، ورنہ انہیں افسوس ہو گا۔ مجبوراً عزیزوں کو خبر دینے کے لئے آدمی بھیجے گئے۔ اور آپ انتظار میں بیٹھی رہیں۔ کچھ وقت گزرا تو اچانک دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ دیکھتے ہی باادب ہو گئی اور قریب بچھی ہوئی چارپائی سے لوگوں کو ہٹا دیا کہ جلدی چارپائی خالی کرو۔ پیر صاحب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ ایسے محسوس ہوا جیسے وہ ان کے لئے احتراماً جھک گئی اور وہ چارپائی پر تشریف فرما ہوئے۔ نمبردار کی بیوی ٹکٹکی باندھے چارپائی کی طرف باادب ہو کر دیکھتی رہی۔ اس اثناء میں بہت سے عزیز آئے اور وہ اسے حیران ہو کر دیکھتے رہے۔ اچانک اس نے سب کو اسلام علیکم کہا اور بستر پر لیٹ گئی۔ آنکھیں بند کیں کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔ کسی نے اٹھ کر بلایا تو دیکھا کہ وہ اپنے رفیقِ حقیقی کی ہمراہی میں رفیقِ اعلیٰ سے وصال پا چکی تھی۔

گذشتہ اوراق میں لالہ وارث علی کا ذکر ہو چکا۔۔۔ یہ شخص اپنی جوانی کے زمانہ میں۔۔۔ ایک خودسر خونی تھا۔۔۔ شدید انتقامی آدمی۔۔۔ کئی قتل کر چکا تھا۔ راجہ علی اکبر خان صاحب اس سے اس کی وارداتوں کے متعلق پوچھتے تو رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات سناتا۔۔۔ معمولی سی اردو تعلیم رکھتا تھا۔۔۔ راج مزدور تھا۔۔۔ مگر ذہنی قابلیت میں انجینئر بھی اس کے منصوبہ کی تعریف کرتے۔ حد درجہ ذہین تھا۔ گھر بیٹھے حکمت کی کتابیں پڑھ کر حکیم حاذق کی سند حاصل کی۔ عقل اس قدر وسیع تھی کہ باریک سے باریک نقطہ کی تہہ تک پہنچ جاتا۔ حضور سے بیعت ہوا تو اس کی ہئیت بدل گئی۔ ضعیف ہو چکا تھا۔ لیکن سرد راتوں میں اٹھ کر تہجد ادا کرتا اور کثرت سے درود شریف پڑھتا۔ آخر اس کا وقت بھی آن پہنچا۔۔۔ بیمار ہو گیا۔۔۔ خود ہی علاج کیا۔ لالہ وارث علی کو تشخیص اور نسخہ ترتیب دینے میں کمال

حاصل تھا--- لیکن کوئی دوائی موثر ثابت نہ ہوئی- لالہ اکثر مذاق بھی کرتا تھا--- کہنے لگا- بھائی لقمان والی بات یاد آگئی- میں دوا کھاتا ہوں--- فرشتے دوا حلق سے باہر پھینک دیتے ہیں- اچھا بھئی فرشتو ہم دوا نہیں کھاتے--- بس دوا کھانی ترک کر دی- بستر پر لیٹے رہے- اس حالت میں بھی رفع حاجت کے لیے خود باہر جانا، کسی کی مدد نہ لینا--- وضو کرنا--- نماز ادا کرنا--- درود شریف پڑھنا برابر جاری رکھا- آخر ایک دن صبح کے وقت کہنے لگے! لو بھئی وقت آگیا- آج ہمارا آخری دن ہے- بس وقت کا انتظار ہے- اپنے عزیزوں سے باتیں کرتے رہے- اپنی لڑکی کا رشتہ اپنے کسی عزیز سے طے کیا- بیوی کو نصیحت کی- غرض ہر شخص کے ساتھ معاملات طے کئے- کمال یہ ہے کہ تیمارداروں عزیزوں سے باتیں کر رہے ہیں- ساتھ ساتھ بتا رہے ہیں کہ میری روح پاؤں سے اوپر آگئی- تھوڑی دیر بعد بتایا کہ روح گھٹنوں تک پہنچ گئی- لاتیں بے روح ہو گئی ہیں- دیکھا تو واقعی پاؤں، پنڈلیاں ٹھنڈی اور سخت ہو گئی ہیں- تھوڑی دیر بعد بتایا اب روح سینہ تک پہنچی ہے--- اب روح سینہ سے اوپر آگئی ہے- دیکھا تو بدن ٹھنڈا اور بے حس ہو چکا ہے- اس دوران خوش باش بغیر کسی دہشت و خوف کے مزے مزے، ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں، جیسے اس پر کوئی حادثہ نہیں ہو رہا ہے- گلے کے قریب روح پہنچی تو گلے سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی تو صاف کہنے لگا- یہ آخری مقام ہے- موت کا آخری منظر--- یہ گلا بجتا ہے--- اسے گھنگرو بجنا بھی کہتے ہیں- اس کے بعد خاموش ہو گیا--- لالہ وارث--- بستر پر لیٹے نہیں بلکہ بیٹھے ہیں- خاموشی ہو گئی سر ڈھلک گیا--- دیکھا تو واقعی وہ جسم کو چھوڑ کر مغفرت کی وادی میں داخل ہو چکا تھا--- ایک پیر اکمل نے اسے شہادت گہ الفت کی قربانی دیکر--- آج ذبح کر دیا--- اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کو قبول کر کے لالہ وارث علی کو اَشھَدُ اَنْ میں داخل کر کے اپنے انعامات سے نوازا- لالہ وارث علی نے عرض کی تھی کہ حضرت اتنی چھری تیز کرتے رہے- میں نے سر جھکا دیا اب ذبح کر دیجئے واقعی اس مرد مومن ولی اکمل نے لالہ وارث کے لیے موت اور حیات یکساں کر دی--- موت کے باوجود آخری دم تک اس کی زندگی میں فرق نہ آنے دیا--- نکتہ ہے--- جو سمجھے--- سمجھنے کی کوشش کرے- روح جسم سے علیحدہ ہو کر جسم کو بے حس کر رہی ہے مگر خود کلام و فہم پر قادر ہے--- روح خود نکل رہی ہے--- خود بول رہی ہے--- جسم نہیں بول رہا--- حلق تک پہنچ کر بھی کلام پر قادر ہے--- تو ظاہر ہوا جسم کی کوئی حیثیت نہیں--- اصل انسان روح ہے--- جب ہی تو روح کی علیحدگی پر جسم نہ بول سکتا ہے نہ سن سکتا ہے- نہ کہہ سکتا ہے- مگر کوئی تو بول رہا ہے--- جو الگ ہو

گیا۔۔۔ ہاں الگ ہو گیا۔۔۔ کہاں ؟۔۔۔ عالم ظاہر سے ملے ہوئے۔۔۔ عالم باطن۔۔۔ عالم برزخ میں موجود ہے۔۔۔ مگر اب زبان نہیں کہ لوگ زبان کے واسطہ سے کلام سن سکیں۔۔۔ یہ روح حقیقتاً مجسم انسان ہے جس میں قوتِ سمع و بصر۔ فہم و ارادہ حرکت موجود ہے۔۔۔ اب اس کا لباس نہیں جس سے اس کا احساس ہوتا رہا۔۔۔ اب روح ہے خالص۔۔۔ ہاں تم میں بھی روح ہے۔۔۔ یہی روح ہے۔۔۔ جو دیکھنا چاہو تو روح کی آنکھ۔ روح کے کان۔۔۔ روح کی زبان سے تم بغیر جسم اس روح کو دیکھ سکتے ہو۔ اس سے کلام کر سکتے ہو۔۔۔ اس سے کہہ سکتے ہو۔۔۔ جواب لے سکتے ہو۔۔۔ یہ ولی۔۔۔ اور ولایت کی خصوصیت ہے کہ روح انسان ہے۔۔۔ روح۔۔۔ روح کو دیکھ لیتی ہے سن لیتی ہے، بات کر لیتی ہے۔۔۔ ولی۔۔۔ ولی سے بات کرتی ہے (روح)۔ خواہ عالم ظاہر ہو یا عالم برزخ۔۔۔ ہاں! یہاں ولی کی صفت ہونا لازم ہے۔

حضور پُر نور حضرت الحاج محمد امین صاحب اویسی رحمتہ اللہ علیہ کی ذات گرامی کسی تعریف کی محتاج نہیں۔۔۔ نہ ہم آپ کی سوانح میں آپ کی ذاتی خصوصیات کا ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ کے غلاموں کی خصوصیات کے چند پہلو پیش کرتے ہیں۔۔۔ یہ سب علم و کمال حضور عالی مقام کی کرم نوازی اور محبوبیت کے طفیل آپ کے غلاموں کو حاصل رہا۔ یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت کے اظہار کے لیے کافی سمجھی جاتی ہے۔

ذرہ میں آفتاب کا قائل رہا ہوں میں
سر گشتۂ حقیقت و باطل رہا ہوں میں

ولی کے کمالات تین طرح کے ہوتے ہیں

اس صحیفہ کے ابتدائی باب میں بیان ہو چکا ہے ولی سے متعلق سیرت بیان کرنے میں ولی کے کمالات کا تذکرہ شامل ہوتا ہے۔ اس تذکرہ میں تین اقسام کی کیفیات ہوتی ہیں۔ قسم اول جسمانی خصوصیت جس میں ولی کا کردار، خصائل و اخلاق اس کی روزمرہ زندگی کے حالات کا ذکر۔۔۔ قسم دوئم روحانی خصوصیت جس میں ولی کی روحانی کرامات یا ناسوتی کرامات شامل ہیں۔ ان کرامات کا تعلق روح حیوانی سے ہے۔ یہ انسانی مادی قوت کی خصوصیت کا اظہار ہے مثلاً بیماروں کا صحتمند ہونا۔ دل کی باتیں بتانا۔ مستقبل کے حالات کی پیشگوئی کرنا۔۔۔ پانی پر چلنا۔۔۔ ہوا میں بجسم پرواز کرنا وغیرہ۔ یہ کمالات اگرچہ مافوق العقل تصور کئے

جاتے ہیں۔ لیکن انسان کی ناری قوت (روح حیوانی) سے ایسے مظاہر ہونا ممکن ہیں۔ ایسے مظاہر کو کرامات کہا جاتا ہے۔ ایسے واقعات میں بعض ایسے مظاہر ہوتے ہیں جن کا ذکر کیا جائے تو عام عقل ایسے واقعات کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی۔۔۔ تاوقتیکہ ان میں سے بعض کو (سائنٹیفک) دلائل سے تسلیم نہ کرایا جائے۔ یہ واقعات بھی ایک ولی کی سیرت میں خصوصی مقام رکھتے ہیں۔ لیکن واقعات کے تذکرہ سے ایک ولی کی سیرت کی تکمیل نہیں ہوتی۔ جب تک کہ ولی کی ولایت میں اس کے کمالات ملکوتی کا ذکر موجود نہ ہو۔۔۔ یہ قسم سوئم ہے۔۔۔ جس میں عالم ملکوت کے آثار و اسرار کا ذکر۔۔۔ ان کے مشاہدات۔۔۔ ان مقامات کی روحانی (روح رحمانی کے ذریعہ) سیر کے حقیقی تصورات کا ذکر شامل ہوتا ہے۔ لیکن ملکوتی کمالات پر یقین و تسلیم۔۔۔ ناسوتی کمالات کے تسلیم سے بھی مشکل ہے کیونکہ ایسے واقعات یکسر نورانی اور روحانی ہوتے ہیں۔۔۔ جن کے لیے کوئی مادی عقلی دلیل میسر نہیں آسکتی۔ سوائے اس کے کہ ایک طالب علم قرآن حکیم۔۔۔ اور اس کتاب کی تفہیم و تفسیر کا بدرجہ کمال ادراک رکھتا ہو۔۔۔ اس علم کے یقین و تسلیم کے لیے قرآن نے خود ایک اصول مقرر کیا کہ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ ۔ یعنی قرآنی تعلیمات۔۔۔ اس میں درج محکمات۔۔۔ متشابہات پر ایمان کے لیے لازم ہے کہ قرآن کے حامل رسول کی شخصیت اولاً تسلیم کی جائے۔۔۔ یعنی جسمانی خصوصیت نمبر ا میں اس کے کردار و اخلاق کو شخصیت کیلئے دلیل لیا جائے۔۔۔ کہ یہ شخص امین و صادق ہے۔۔۔ کہ اس کا ہر قول و فعل مبنی بر حقیقت ہے۔ پھر دوسری دلیل روحانی خصوصیت یعنی کرامات۔۔۔ یعنی اس کے پاکیزہ نفس میں روحانی پاکیزگی کا مظاہرہ۔ یہ مظاہرہ ایک شخصیت کے مامور من جانب اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ ان دو دلائل کے بعد جبکہ روحانی اسرار کے دلائل عقلی طور میسر نہیں۔ ایک شخصیت کے قول و فعل کو بلا دلیل تسلیم کرنا لازمی ہوتا ہے۔۔۔ لہذا ایک مدعی ولایت کے لیے اولاً شخصیت کو تسلیم کرنے کے لیے اس کا کردار و اخلاق۔۔۔ عمل صالح۔۔۔ پاکیزہ نفسی۔۔۔ اور قرآنی احکام۔۔۔ احکام شریعت۔۔۔ اور شریعت کی حامل عظیم شخصیت۔۔۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے عین مطابق عمل پایا جانا ضروری ہے۔۔۔ گذشتہ زمانوں میں بھی۔ اجرائے شریعت و طریقت میں یہی اصول کار فرما رہا۔۔۔ کہ انبیاء سابقین کے لیے شخصی کردار سے سوا مافوق الفطرت کرامات کا اظہار ضروری ہوا۔۔۔ یہ اظہار مامور من جانب اللہ ہونے کے لیے کیا گیا۔ یہ ناسوتی کرامات معجزات تھے۔۔۔ جو محض انبیاء کے حق ہونے کی دلیل میں پیش کئے گئے۔ اس دلیل پر

آئندہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی صورت میں معرفت الٰہی کے آثار و اسرار کا تسلیم کرنا منحصر کیا گیا۔ اس حال میں کہ ایک طالب، نبی کی اقتداء و اتباع میں آکر خود بالعمل اسرار و آثار کا مشاہدہ کر کے حقیقت پا سکے۔ یہی طریق نبی و رسول کے بعد علمائے امت کے لیے مقرر ہوتا ہے۔۔۔ کہ علمائے امت میں۔۔۔ ولی اکمل میں ان تین خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے۔ جس میں ایک ولی کی سیرت کے اظہار میں۔۔۔ اولاً اس کی شخصیت میں کردار و اخلاق حسنہ دوسرے کرامات۔۔۔ ہاں۔۔۔ کرامات سے سوا۔۔۔ کمالات ملکوتی کا اظہار لازمی ہے کیونکہ یہی نوع ولایت کی اصل ہوتی ہے جیسے حضور قبلہ عالم منازل فقر میں فرماتے ہیں:۔

ایں سخن پایاں نہ دارد اے امیںؔ
حصہ کو دارد کہ ہست حق الیقین
حاصل ایں آید کہ اے محصل کمال
تا بیابی حکمت از صنع جلال
کہ روی درپیش کامل راہنما
پُر کنی کاسہ زخُم او چُوں گدا

معرفت کے آثار سے آگاہی و تسلیم کے متعلق فرماتے ہیں:۔

آں خلاف از قلم کس شد پدید
ظاہر گردد کل حقیقت چُوں بدید
جملہ تا ویلات، علامت بے وصول
چُوں رسد با اصل شد عین الوصول
چوں اصل نہ دید تاویلات شُد
چوں بہ اصل آید یقین عین شُد

حضور پُر نور حضرت الحاج مولوی محمد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے متعلق اس سیرت میں آپ کے کمالات ملکوتی کو ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا کہ آپ کے کمالات ملکوتی کی اساس آپ کے مراتب اعلیٰ میں۔۔۔ یعنی ایک ولی کی ولایت کی تکمیل میں معرفت الٰہی۔۔۔ مشاہدہ اسرار الٰہی۔۔۔ آثار ملکوتی۔۔۔ عرش۔۔۔ عالم بالا کے نورانی مراتب حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ معرفت ذات الٰہی میں۔۔۔ فنا فی اللہ۔۔۔ بقا باللہ کا مقام حاصل ہونا۔۔۔ اسکی سیرت سے تعبیر ہوتی۔ ایسے صفات و کمالات کا ذکر۔۔۔ ہر زبان۔۔۔ ہر قلم سے بغیر دلیل دیئے بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے پیر۔ غوث زماں۔۔۔ سراج منیر۔۔۔ شہنشاہ

اولیاء۔۔۔ سراج الاولیاء۔۔۔ حضور انور وغیرہ کا مقام رکھتے ہیں۔۔۔ لیکن ان مقامات کی دلیل کسی طرح بھی نہیں دی جا سکتی۔۔۔ کہ یہ کیسے تسلیم ہو۔۔۔ کہ ہمارے پیر فنا فی اللہ۔۔۔ غوث زمان؟۔۔۔ جبکہ ظاہراً۔۔۔ عقلاً اس کی شناخت کا کوئی ذریعہ میسر نہیں۔۔۔ جب تک کہ کوئی بالمشاہدہ اس مقام سے آگاہی نہ پا سکے!۔۔۔ لہذا۔۔۔ ایک ولی کے دعوے میں اس کی ولایت کی دلیل۔۔۔ سوائے اس کے نہیں کہ اس کے مریدوں میں مقامات ملکوتی۔ اسرار الٰہی۔۔۔ آثار عالم نورانی۔۔۔ حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور معرفت الٰہی کے مشاہدہ کرنے والے موجود ہوں۔۔۔ جو ایک ولی کے دعوے کی اپنے مشاہدات کی بناء پر تصدیق کا اعلان کریں۔۔۔ بس۔۔۔ یہی ایک طریق ہے۔۔۔ جو ایک ولی کی سیرت میں۔۔۔ کمالات ملکوتی کی تصدیق سے سیرت کی تکمیل کر سکتا ہے۔ ہاں! امت کے اولیاء۔۔۔ اور خود حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں۔۔۔ بلکہ یہ آپ کا دعویٰ تھا۔۔۔ کہ ولی اکمل کی صفت یہ ہے کہ وہ مقام فنا و بقا میں اکمل ہو۔ اور خصوصاً ایک طالب حق کو۔ بغیر کسی مجاہدہ کے ایک آن میں تمام مراتب ولایت تا ذات الٰہی بالمشاہدہ طے کرا دے۔

اس اصول کے تحت "نورالعرفان" میں حضور پُر نور کی "سوانح حیات" مرتب کی گئی ہے۔ کہ آپ کے ظاہری کردار و عمل کی وہ تصویر جو اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔۔۔ اس کے بعد چونکہ ناسوتی کمالات ایک ولی کی سیرت میں نہ باعث تکمیل سیرت ہیں نہ اصول ولایت میں ایسے کمالات کو وجہِ شرف قرار دیا جاتا ہے۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے چند کمالات کا ضمناً ذکر کیا جاتا ہے، جو بجائے خود ولایت کی دلیل کے طور پیش نہیں کئے جاتے۔۔۔ سوائے اس کے کہ آپ کے کمالاتِ ملکوتی آپ کے مریدوں کے کمالات کی صورت میں پیش کئے جاتے ہیں کہ "ذرہ" سے آفتاب کی حیثیت کو پہچانا جاتا ہے۔

اس صحیفہ میں چند ایک مریدوں کے ملکوتی کمالات و مشاہدات کا ذکر اختصار کے ساتھ ہی پیش کیا گیا ہے۔۔۔ جن میں ساتھ ساتھ مقامات ملکوتی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ ان مقامات کی کیفیات اور تصورات بھی متشابہات سے تعلق رکھتے ہیں۔ جنہیں یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے قرآنی اصول کے تابع تسلیم کرنا شرط ہے۔ لیکن ان کے تسلیم کے لئے عقل و شعور کو آمادہ کرنے کے لئے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کی نسبت سے اسی لئے بیان کیا گیا کہ ان کیفیات کے تسلیم کا طریق یہی ہے۔۔۔ کہ کوئی غیر شخص خود عین الیقین۔ حق الیقین کی صورت میں دیکھ کر خود اس امر کی شہادت دے کہ اس سیرت میں ایک ولی نے

کمالات ملکوتی --- آثار و اسرار الٰہی کا مشاہدہ کمشاہدہ ذات الٰہی کرایا جانا --- حق ہے ---

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۴۳)

اللہ --- قیامت --- جنت --- ملکوت السمٰوات --- عرش --- کرسی --- سدرۃ المنتہیٰ کیفیات --- متشابہات کو تسلیم کرنے کے لئے تمہارے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو شاہد بنا کر بھیجا گیا کہ اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ آپ ﷺ خبر پانے والے خبر دینے والے ہیں --- آپ عالم ملکوتی --- اسرار الٰہی --- جملہ متشابہات --- ذات الٰہی کے شاہد ہیں۔ آپ ﷺ پر ہر عالم غیب عیاں ہے۔ آپ ﷺ کو امین و صادق تسلیم کیا گیا۔

اے لوگو! اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ حق پانے کے لئے اسی شاہد صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع۔ اطاعت تقلید حاصل کرو۔ تو یہ لوگ رسول کی اطاعت میں صاحب معرفت کہلائیں گے۔ لہذا! اے لوگو یہی لوگ --- اللہ کی اطاعت --- رسول کی اطاعت و تسلیم کا ذریعہ ہوں گے --- لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ یہی لوگ لوگوں کے لئے شاہد ہیں۔ یہ اُولِی الْاَمْرِ -- علمائے امت، اولیائے کاملین ہیں۔ ان کا کردار دیکھو۔ ان کا قول سنو۔ ان کی اطاعت کرو یہ گواہی دیں گے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بالمشاہدہ اس امر کی نشاندہی کر دی کہ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں تمام غیب المتشابہات کا علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں --- سوائے جس کو میں نے علم دیا --- وہ --- وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ۔ جنہیں علم راسخ عطا کیا گیا --- یہ وہ لوگ ہیں۔ جنہیں اولیائے کاملین سے پکارا گیا۔

یہی وہ لوگ ہیں جو قیامت تک حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام محمود کو قائم رکھیں گے --- ان کو تسلیم کرنے سے ہی انسان اپنے مقصد کو پا سکتا ہے۔

نور العرفان کے ابتدائی بیان میں گذارش احوال کے موضوع میں اس امر کا اظہار کیا گیا کہ حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ کے منظور نظر مریدوں میں سے جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب نے حضور قبلہ عالم کی سیرت مرتب کرنے میں جو مستحسن اقدام کیا --- بلاشبہ اس اقدام کی تحریک میں حضور قبلہ عالم کی موصوف پر مشفقانہ وابستگی اور موصوف پر حضور کی نظر عنایت اصل محرک ہے۔ حضور کی قربت میں جو توجہ موصوف کو حاصل ہوئی۔ موصوف کے قلم سے اسی توجہ کے نقوش قرطاس پر ثبت ہوئے --- کوئی شخص بلا مرضی حضور قبلہ عالم اس اقدام کی نہ صلاحیت رکھتا ہے --- نہ جرات کر سکتا

ہے۔۔۔ حقیقتاً نورالعرفان میں قلبی تاثرات کے ظاہری تصورات کو نقش کیا گیا۔۔۔ جو کسی کو محبوب کی فنا میں میسر آتے ہیں ڈاکٹر صاحب حد درجہ خوش بخت ہیں۔ جنہیں حضور قبلہ عالم کی دائمی رفاقت و قربت میسر رہی۔۔۔ کیونکہ حضور قبلہ عالم کے آخری سفر میں موصوف ہی آپ کی توجہ میں مخصوص رہے۔ یہ مقام بہت اہم ہے۔ یہ وقت انتقال وراثت (ولایت و خلافت) ہیں۔۔۔ وارث کے انتخاب کا ہوتا ہے۔۔۔ میری دانست میں اس وراثت کی تقسیم میں جناب ڈاکٹر صاحب کو قربت و ہمنشینی کے اعتبار سے وافر فیض و عنایت سے نوازا گیا۔۔۔ مقولہ ہے "حاضر کو مہر"۔۔۔ ڈاکٹر صاحب نے جناب قبلہ سخی ولایت خان صاب کی وفات کے بعد جب کہ حضور قبلہ عالم قبلہ سخی صاحب کو حد درجہ عزیز اور دوست رکھتے تھے اور قبلہ سخی صاحب بھی حضور کی ہر ممکن خدمت میں ہمہ تن مستعد رہتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد یہ خلاڈاکٹر صاحب نے کسی حد تک پر کیا۔ آپ نے بھی حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حقِ رفاقت ادا کیا۔۔۔ چنانچہ ظاہراً بھی اور باطناً بھی حضور قبلہ عالم نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے بعد قائم مقام سجادہ نشین جناب صاحب زادہ امین الدین صاحب کے اجرائے فیض اویسی وامینی میں مشیر و نگران مقرر فرمایا۔ اس اعتبار سے حضور قبلہ عالم کی سیرت نگاری۔۔۔ جناب موصوف ہی کا حصہ ہو سکتی ہے۔

جیسا کہ حضور قبلہ عالم کی سوانح کے بیان میں ڈاکٹر محمد رمضان صاحب نے نورالعرفان میں آپ کی مختصر سیرت کو ترتیب دیا۔ اس سلسلہ میں میں (معاون راوی۔ محمد نورالدین اویسی) نے بحیثیت "معاون راوی" اپنے وقت کے چند چشم دید واقعات کا تفصیلاً ذکر کیا۔ یہ واقعات ۱۹۴۸ء تک کے ہیں۔ یہ زمانہ ڈاکٹر صاحب کی حضور قبلہ عالم سے نسبت سے پہلے کا زمانہ ہے جب کہ ۱۹۴۸ء کے بعد میں محمد حنیف صاحب قریشی کے خاندان کے ساتھ پاکستان چلا آیا۔

نورالعرفان کے مطالعہ کے بعد میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے زمانہ کے واقعات کو تفصیلاً بیان کروں۔۔۔ اس خیال کے مدنظر کہ اس سیرت کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے یقین و تسلیم کی راہ ہموار کر کے انہیں حضور کے فیوضِ باطنیہ سے مستفید کرنے میں "شاید" یہ واقعات مشعلِ راہ ثابت ہو سکیں۔۔۔ اس سلسلہ میں ان واقعات کا بیان کرنا اس قرآنی اصول کے تحت لازم کیا گیا۔۔۔ کہ لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔ سلسلہ اویسیہ کے طالبان حقیقت کے کردار و مشاہدات۔ سلسلہ اویسیہ کے حق ہونے کی ایک بین دلیل ہو سکتے ہیں جن میں کسی قسم کی لفظی ادبیت یا افسانوی رنگ و نمائش کو دخل نہیں۔ بلکہ اصولاً حقیقت کی

نشاندہی کی گئی ہے۔۔۔ البتہ اس سیرت میں میرا بیان بھی آخری فیصلہ نہیں۔۔۔ بلکہ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے مریدوں میں سے چند کا ذکر ہوا۔۔۔ بلاشبہ اگر تمام تفصیل بیان کی جائے تو یہ امر واقع ہے کہ ایسے واقعات کی فہم اور یقین کے لئے فی زمانہ انسانی عقل و شعور میں استطاعت ممکن نہیں کہ ایسے مافوق الفطرت واقعات کو قبول کریں۔

نورالدین کی ہجرت

حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کی عادت شریفہ میں تھا کہ جب حضور گھر سے شہر تشریف لاتے تو شہر میں ابتدائی قیام محمد حنیف صاحب، عبداللطیف صاحب ایڈووکیٹ کے گھر میں ہی ہوتا۔ حضور صحن میں داخل ہوتے ہی آواز۔۔۔ حفیظ صاحب! دیکر اپنی آمد کی اطلاع دیتے تو سب لوگ نکل کر حضور کے گرد جمع ہو جاتے۔ حضور گھر میں تشریف رکھتے ہی فرماتے۔۔۔ نورالدین کہاں ہے؟ اسے بلاؤ۔ میں پیشتر ہی حضور کی خوشبو سونگھ کر گھر میں منتظر رہتا۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر رہتا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ یا تو جناب قبلہ سنی صاحب ہی پہلے گاندربل سے تشریف لاتے یا حضور کے تشریف لانے کے ساتھ ہی شام تک حضور کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ چند دن شہر میں قیام کے بعد حضور قبلہ عالم، سنی صاحب کے گھر تشریف لے جاتے۔ میں خود اپنا تمام کاروبار چھوڑ کر حضور کی خدمت میں حاضر رہتا۔ یہ حضور قبلہ عالم کی کرم نوازی تھی کہ حضور شہر میں جہاں بھی مدعو ہوں مجھے ہر جگہ ساتھ رکھتے۔ بعض اوقات شہر سے باہر کسی مہم میں جانا ہو تو مجھے ساتھ رہنے کا خصوصی حکم فرماتے یہاں تک کہ سفر میں ضروری خرچ، آمدورفت کا کرایہ وغیرہ خود اپنی گرہ سے ادا فرماتے۔ میری عادت تھی کہ حضور جب بھی شہر تشریف لائیں تو میں ہر شے سے بے تعلق ہو جاتا خواہ کیسا ہی ضروری کام میرے ذمہ ہوتا۔ میں جب تک حضور موجود ہوں کسی کام کی طرف توجہ نہ دیتا۔ اور پھر اس محبت میں امتحان کا وقت آیا۔ محمد حنیف صاحب کے خاندان میں آپ کی والدہ، ہمشیرہ، محمد شریف صاحب، ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب [illegible] اور غلام قادر لون پاکستان جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ سنی صاحب مرحوم بھی اس زما[illegible] سے بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ کشمیر کے حالات دیکھ کر دل برداشتہ ہو گئے۔ [illegible] اکستان جانے کا فیصلہ کر لیا مگر آپ کی بیگم صاحبہ پاکستان جانے کے لئے تی[illegible] حضور قبلہ عالم شہر تشریف لائے حضور نے ہم سب کا پاکستان جانا م[illegible] سنی صاحب کا حضور کا ساتھ چھوڑ کر جانا۔ آپ کے لئے بے حد رنج در

صاحبہ کے پاکستان جانے سے انکار نے قبلہ سنی صاحب کو مجبور کر دیا کہ وہ پاکستان جانے کا ارادہ ترک کر دیں۔ میم صاحبہ نے آخری حربہ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ سنی صاحب بچوں کو لے کر پاکستان جائیں لیکن میں پیر صاحب کو یہاں چھوڑ کر پاکستان نہیں جاتی۔۔۔ یہ الفاظ ہمارے دعوئے محبت کے لئے ایک چیلنج تھا۔ لہذا ہمارے سب دعوے کھوکھلے ثابت ہوئے۔۔۔ قبلہ سنی صاحب کو ان کی بیگم نے اچھا سبق دیا۔ انہوں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ لیکن میری حالت ایسی تھی جیسے گھاٹ میں بندھی ہوئی کشتی کا لنگر کھل جائے اور وہ غیر ارادی طور پر دریا کے بہاؤ میں بہنے لگے۔ میں دیکھتا ہی رہا۔۔۔ یہاں تک کہ کشتی دریا کے موجوں کی لپیٹ میں دور حد نظر سے دور ایسی بہتی گئی کہ کنارہ پھر دیکھنا ہمیشہ کے لئے نصیب نہ ہوا۔ ہم سب جدا ہوتے وقت روتے رہے۔ قبلہ سنی صاحب ہمیں رخصت کرتے وقت خدا حافظ کہتے رہے۔۔۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہاتھ ہلا کر فرماتے رہے ہماری روح تمہارے ساتھ ہے۔۔۔ خدا حافظ۔ یہ عجیب سانحہ تھا کہ میں جو حضور قبلہ عالم کے فراق کا تصور کرتے لرز جاتا تھا۔۔۔ بے ساختگی میں آپ سے جدا ہوتا رہا۔۔۔ دیکھتا رہا۔۔۔ عقل کچھ سوچ نہ سکی۔۔۔ سمجھ نہ سکی۔۔۔ ارادہ بھی ساقط ہو گیا۔۔۔ حالانکہ مجھے پاکستان سے عقیدت تھی نہ دلچسپی۔۔۔ لطف کی بات سناؤں۔۔۔ میں بلاوجہ۔۔۔ بلاضرورت پاکستان جانے کے لئے تیار ہوا۔ میرا ایک دوست محمد یوسف درزی جو نیا نیا حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوا تھا اور مجھ سے بے حد لگاؤ رکھتا تھا۔ میرے دوستوں نے مجھے پاکستان جانے سے بہت روکا مگر میں بضد رہا۔۔۔ آخر محمد یوسف درزی نے بددعا دی۔ کہنے لگا اچھا جا! میرا دستگیر تجھے واپس لے آئے گا۔۔۔ میں نے کہا میں جاتا ہوں۔ جب دستگیر نے واپس کر دیا تو میں واپس آجاؤں گا۔۔۔ چنانچہ ہم لوگ ماؤف ذہنوں کے ساتھ اپنے محبوب پیر کو حادثات میں چھوڑ کر آزاد ملک کی فضا میں سانس لینے کی ہوس میں پاکستان روانہ ہو گئے۔۔۔ دوسرے دن ہمارا قافلہ ادھم پور ٹھہرا۔ یہاں تمام قافلہ والوں کی تلاشی لی جاتی تھی۔۔۔ ہماری باری آئی تو ایک آدمی نے پوچھا کشمیری بولتے ہو؟ میں نے اثبات میں جواب دیا تو مجھے پکڑ کر مہاراجہ کے پرانے کھنڈر محل میں دھکیل دیا کہ تم آگے نہیں جا سکتے۔ تمہارے لئے واپس سری نگر بھیجنے کا حکم آیا ہے۔ کھنڈر کے اندر اور بھی لوگوں کو پکڑ کر قید کر دیا گیا۔ غلام قادر لون صاحب بھی دھر لئے گئے۔ شریف صاحب کے دو نوکر بھی ساتھ تھے انہیں بھی پکڑ کر کھنڈر میں ڈال دیا گیا۔ تمام دن اسی قید خانہ میں گذرا۔۔۔ طبیعت سخت پریشان تھی۔ خیال آیا کہ اب ہمیں واپس سری نگر لے جایا جائے گا۔۔۔ محمد یوسف کی بات پوری ہو کر رہی۔ وہ طعنہ دے گا۔ یہ امر

میرے لئے باعث شرمندگی ہو گا۔۔۔شاید دستگیر نے میرا راستہ روک دیا۔۔۔یہی سوجھی کہ اب دستگیر سے ہی منت کر کے اجازت لی جائے۔ چنانچہ میں مراقبہ میں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ صاف بات عرض کر دی محمد یوسف آخر مجھے طعنہ دے گا۔ مجھے یہ بات گوارا نہیں مہربانی کر کے مجھے اس قید سے نکالیں۔۔۔ آپ نے جواب تو نہیں دیا صرف تبسم فرمایا۔ میں مزید کچھ عرض نہ کر سکا۔ فکر ہوا شاید مجھے ٹال دیا گیا۔۔۔ بہرحال اب واپس ہی جانا ہو گا۔ شام ہونے والی تھی۔ ایک سپاہی آیا، محل کے دروازہ پر پکارا۔ محمد شریف کے دو نوکر اندر ہیں ان کو باہر بھیج دو معاً میرے ذہن نے تحریک دی میں نے غلام قادر لون کو ساتھ لیا۔ دروازے کی طرف لپکے اور باہر نکل آئے۔ آگے پولیس سپرنٹنڈنٹ تلاشی لے رہے تھے۔ میں نے بکس کھولا اور سامان پنڈت جی کو دکھایا۔۔۔ اس نے غلام قادر کو پکڑا یا۔ غلام قادر نے مجھے واپس کر دیا جلدی جلدی اِدھر اُدھر کر کے سامان دکھا کر بند کیا۔ اور یہاں سے بھاگ کر سیدھا کیمپ میں آگئے۔۔۔ بے چارے۔ شریف صاحب کے دونوں نوکر ہماری بھینٹ چڑھے۔ اور ہم آزاد ہو گئے۔۔۔ دستگیر نے ہمیں چھوڑ ہی دیا۔۔۔ ہاں یہ مصلحتِ الٰہی تھی کہ مجھ جیسا پیر سے حب رکھنے والا۔ بے حس ہو کر، دیدہ و دانستہ پیر سے جدا ہونے پر بضد رہا۔

پاکستان وارد ہونے کے بعد ہمارا خیال بھی تھا کہ یہ جھگڑا چار پانچ ماہ تک ختم ہو گا۔ اور ہم اوڑمی کے راستے واپس کشمیر چلے جائیں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ جھگڑا طویل ہو گیا۔ واپس جانے کی امید ختم ہو گئی۔۔۔ غلام قادر لون کی خوش بختی تھی اسے دوبارہ واپس جانے کا موقع ملا۔ اور وہ اپنے پیر کے قدموں میں حاضر ہوا۔ اس کے جانے کے بعد مجھ میں تڑپ پیدا ہوئی چناری کی طرف سے تین دن کا دشوار پہاڑی راستہ کشمیر جانے کے لئے تھا۔ لیکن اب میں اس قابل نہ تھا کہ اتنا طویل سفر طے کر سکوں۔ مجبوراً خاموش ہو گیا۔۔۔ اس دوران حضور قبلہ عالم سے خط و کتابت رہی۔ حضور کی کرم نوازی آپ نے اکثر خطوط کے ذریعہ ہمیں تسلی، دلجوئی، وعظ و نصیحت سے سرفراز فرمایا۔ سلسلہ کے متعلق اکثر ہدایت فرماتے رہے۔ حضور کی عنایت سے پاکستان سے سلسلہ کا بہتر اجراء ہوتا رہا۔۔۔ اور کثرت سے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ چنانچہ سلسلہ اویسیہ امینیہ کو پاکستان کے بیشتر شہروں تک وسعت ملی۔ میرا مستقل قیام ایبٹ آباد (ہزارہ) میں ہوا۔ یہاں پنجاب کے اکثر شہروں میں راولپنڈی، گوجر خان، جہلم، گجرات، لائل پور، منٹگمری اور مختلف علاقوں کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے۔ دوسری طرف ملتان، حیدر آباد، سندھ، کوئٹہ، کراچی تک یہ سلسلہ وسیع ہوتا گیا۔۔۔ اللہ،

رسول ﷺ کی نصرت اور حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی محبوبیت کے طفیل یہ سلسلہ روشن طریقہ پر جاری رہا۔ جبکہ حضور قبلہ عالمؒ تک لوگوں کی رسائی نہیں تھی۔ اس کے باوجود لوگ حضوری ہوتے رہے۔ اور اکثر باطناً حضور قبلہ عالم سے فیض و دیدار حاصل کرتے رہے۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کہ درحقیقت میرا حضور قبلہ عالم کی صحبت سے دور ہونا۔۔۔ شاید اس وجہ سے ہو کہ پاکستان میں طالبانِ حق کو میری وساطت سے سلسلہ اویسیہ کا فیض حاصل ہونا مقدر ہو۔۔۔ اس سے قبل سلسلہ اویسیہ ابتداء سے ضلع ہزارہ، پنجاب، سندھ، کراچی، کوئٹہ بلوچستان کے اکثر علاقوں میں موجود تھا۔ یہ سلسلہ حضرت سید نورالزمان شاہ صاحب رحمت اللہ علیہ کی نسبت سے جاری تھا۔ عالی جاہ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند عالی مرتبت حضرت فخرالزمان شاہ صاحب کی جہد بلیغ سے یہ سلسلہ اپنی پوری نورانیت سے ہر شہر میں جلوہ گر رہا اور آپ کی وفات کے بعد بھی تاحال موضع کوٹ چاند نہ شریف۔ کالا باغ ضلع میانوالی سلسلہ اویسیہ کے منبعِ ولایت سے آپ کے دو فرزندان حضرت مولانا شمس الزمان شاہ صاحب اور مولانا بدرالزمان شاہ صاحب کی وساطت سے طالبانِ حق سیراب ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ برابر چل رہا ہے۔

حضورؒ کے تین پھل

عالی جاہ حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمت اللہ علیہ کی ذات والاشان نے حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کو آخری بار خلافت عطا کرتے وقت فرمایا تھا۔ "کشمیری" تمہیں ہم اپنا امانتدار بناتے ہیں۔ تمہارے تین پھل ہوں گے۔ حضور قبلہ عالم اکثر عالیجاہ کے اس فرمان عالی کا ذکر فرماتے تھے۔ حضور فرماتے تھے ہماری نسبت سے تین شاخیں، تین خلیفوں کے ذریعہ دنیا پر پھیلیں گی۔ مگر ان پھلوں کی بذات خود حضور نے نشاندہی نہیں کی۔ البتہ سلسلہ امینیہ کے مریدوں میں ان کے مراتب، مشاہدات اور حضور قبلہ سے قربت اور حضور کی خصوصی توجہ سے ہم نے بعض احباب میں یہ خصوصیت پائی کہ وہ ان پھلوں میں سے تھے ان میں ایک پھل جناب حضرت خواجہ عبدالکریم صاحب زرگر کی ذات والا تھی۔ آپ کو حضور قبلہ عالم کی طرف سے ولی اکمل کی سند حاصل تھی۔ آپ کو بیعت کرنے کی اجازت دی گئی تھی۔ آپ کے ذریعہ تمام علاقہ لولاب، ہندواڑہ، تحصیل لنگیٹ سوپور وغیرہ کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے یہ ایک مستقل شاخ ہے جو خواجہ عبدالکریم صاحب کی وساطت سے قائم

ہوئی۔ بلاشبہ خواجہ صاحب حضور قبلہ عالم کے خواب[1] کی تعبیر ثابت ہوئے۔ خواجہ صاحب ازلی منتخب اولیاء میں سے تھے۔ حضور قبلہ عالم آپ کی کثرت عبادت و درود شریف اور سن رسیدگی، حلیم الطبعی کے باعث آپ کا بے حد عزت و احترام کرتے تھے۔

دوسرا پھل جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی ذات والا تھی آپ حضور قبلہ عالم کے عاشق بھی تھے اور محبوب بھی تھے۔ حضور سے آپ کو والہانہ عشق بھی تھا اس جذبہ میں آپ اپنا سب کچھ پیر پر قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ آپ کی حب پیر کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضور قبلہ عالم تشریف لائیں تو قبلہ سخی صاحب پروانہ وار آپ کا طواف کرتے۔ اور آپ کی موجودگی میں ہر شے کو بھول جاتے۔یہانتک کہ اپنی بیوی بچوں کی بھی پروا نہ کرتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم تشریف لائے قبلہ سخی صاحب آپ کو گاندر بل گھر لے گئے قبلہ سخی صاحب حضور کے سامنے رونے لگے۔ حضور نے رونے کا سبب پوچھا تو قبلہ سخی صاحب نے دل کا حال بتایا کہ حضور میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں اور بچے بھی اسی کو دے دوں گا۔۔۔ حضور نے متعجب ہو کر سبب پوچھا۔ تو قبلہ سخی صاحب نے عرض کی کہ میں اپنے بیوی بچوں کو آپ کے اور اپنے درمیان حائل دیکھتا ہوں۔ حضور جب تشریف لاتے ہیں تو میں چاہتا ہوں کہ میرا دھیان بیوی بچوں کی طرف نہ جائے۔ آپ کی موجودگی میں میرے دل میں ان کے لئے سخت نفرت پیدا ہوتی ہے۔ آپ تشریف لے جاتے ہیں تو ان کی موجودگی میرے ذہن سے آپ کا تصور منقطع کر دیتی ہے۔ یہ سن کر حضور کافی دیر خاموش رہے۔ آپ قبلہ سخی صاحب کے کلام سے بے حد متاثر ہوئے۔ فرمایا۔ سخی ایسا نہیں ہوگا۔ یہ رہبانیت ہے۔ تم رہبانیت سے نکل کر انسانیت کی طرف آئے ہو۔ اب پھر رہبانیت کی طرف جانا چاہتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فعل کو پسند نہیں فرماتے۔ میانہ روی اختیار کرو۔ تمہارے بیوی بچوں کا از روئے شریعت تم پر حق ہے جب تک یہ حق ادا نہیں کرتے تم ولایت میں کامل نہیں ہو سکتے۔ ایسا خیال قطعاً دل سے نکال دو۔

---

[1] شجرہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

بخی تحفۂ شاہِ رسالت   ولی عبدالکریم آں خواجہ عالم

جیسا کہ حضور قبلہ عالم نے روضہ مدینہ منورہ میں اپنے خواب کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ تحفہ حضورؒ کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قبل از وقت عطا ہوا تھا۔

بیوی بچوں کا ساتھ تمہارے حصول ولایت میں معاون ہوگا۔ ان سے محبت رکھو۔ ان کے حقوق ادا کرو۔ یہ تمہاری زندگی بلکہ آخرت کے بھی ساتھی ہیں۔۔۔ قبلہ سنی صاحب اکثر حضور قبلہ عالم کے دولت کدہ پر حاضری دیا کرتے۔ حضور کی ضرورتوں میں ان کی مدد کرنے کی کوشش کرتے۔ حضور گھر تشریف لائیں تو بیوی کو الگ بچوں کو الگ ہر ایک کو ترغیب دیتے کہ مائی صاحبہ کے لئے عزیزہ ممتازہ مرحومہ کے لئے تحفے پیش کرو اور ہر شخص چھپ کر اپنے اپنے تحفے نذرانے اکٹھے کر کے حضور کے پیش کرتا۔ اور خود قبلہ سنی صاحب اپنی عزیز سے عزیز چیز حضور قبلہ عالم کے لئے وقف کرتے۔ قبلہ سنی صاحب عیسائیت کے زمانہ میں بھی تبلیغ کرتے تھے۔ آپ کے والد بھی تبلیغی سلسلہ میں پادری کا درجہ رکھتے تھے۔ آپ نے بیعت ہونے کے ساتھ ہی سلسلہ اویسیہ کے اجرا کا سلسلہ شروع کیا۔ حضور نے آپ کو لوگوں کو درود شریف دینے کی اجازت دی تھی۔ آپ کی وساطت سے شہر سری نگر کشمیر، گاندربل وائل اور بہت سے علاقوں کے لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے اور درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی اکثر حضوری ہو جاتے۔ حضور جب ٭ تشریف لاتے تو ان لوگوں کو بیعت کراتے۔ یہ سگ درا بھی قبلہ سنی صاحب سے ہی ارشاد حاصل کر چکا ہے۔ آپ کی توجہ خاص مجھ پر ہمیشہ رہی ہے۔ قبلہ سنی صاحب کا پیر سے عشق اور خدمت گذاری اور پیر کا ہر معاملہ میں ساتھ دینا۔ حضورؒ فرماتے تھے تم سب میرے مرید ہو۔ سنی میرا دوست ہے۔ سنی صاحب کی رفاقت پر حضور کو کافی حوصلہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ قبلہ سنی صاحب کی وفات کے بعد حضور قبلہ عالم زیادہ تر گوشہ نشینی کی طرف راغب رہے۔ لیکن اس زمانہ میں لوگوں کا ہجوم بھی زیادہ رہا۔ اسی سبب سے آپ پر بے حد محنت اور بوجھ رہا۔ اس حال میں حضور قبلہ عالم نے خود کو تنہا محسوس کیا۔۔۔ یہ احساس قبلہ سنی صاحب کی وفات کے سبب تھا۔۔۔ بلاشبہ حضور قبلہ عالم کی شہر سری نگر اور دیگر مقامات میں مریدوں کی کثرت اور شہرت میں قبلہ سنی صاحب کی تبلیغی کاوشوں کو بھی دخل ہے۔ قبلہ سنی صاحب کی نظرِ خاص ڈاکٹر عبدالحفیظ پر تھی۔ انہیں اکثر اپنے ساتھ رکھتے اور خاص توجہ فرماتے۔ نتیجتاً ڈاکٹر صاحب میں بھی یہ خصوصیت تھی کہ آپ نے کراچی میں اویسیہ سلسلہ میں لوگوں کو داخل کیا۔ آپ کی توجہ بھی زوداثر ہے۔ تھوڑی سی توجہ سے اکثر لوگ حضوری ہو جاتے۔ آپ کے مریضوں میں ضلع میانوالی کے لوگ عالیجاہ حضرت سید نورالزمان شاہ صاحبؒ کے عزیزوں میں سے، کچھ مریدوں میں سے تھے۔ ان میں اکثر لوگ ڈاکٹر صاحب سے عقیدت رکھتے تھے کچھ حضرت عالیجاہ شاہ صاحبؒ کی نسبت سے کچھ ان کی اپنی فقیرانہ کمالیت کی وجہ سے۔ اکثر مریض بجائے دوا استعمال کرنے کے

آپ سے بیمار کو دم کرکے صحت یاب کرنے کی فرمائش کرتے چنانچہ ڈاکٹر صاحب مریض کو دم کرکے اسی وقت ٹھیک کر دیتے۔ میں چونکہ قبلہ سخی صاحب کی وساطت سے ہی سلسلہ میں داخل ہوا۔ مجھ پر بھی آپ ہمیشہ توجہ فرماتے۔ اکثر مجھ سے مراقبہ کراتے اور توجہ دیتے۔ میں بھی اکثر آپ کے درِ دولت پر گاندربل یا جہاں کہیں بھی تشریف رکھتے ہوں۔ ہر جگہ حاضر رہتا۔ طبیعت میں سرور آتا۔ تو مجھے حکم دیتے "نورالدین حقہ بھر لاؤ" میں حقہ بھر دیتا۔ آپ پلنگ پر لیٹ کر مجھے حکم دیتے مراقبہ کرو ہم توجہ دیتے ہیں چنانچہ میں مراقبہ میں مشغول ہو جاتا اور آپ حقہ کا کش لگا کر اجلاس میں پیش کرتے اور میں آپ کی توجہ کو اچھی طرح محسوس و مشاہدہ کرتا۔۔۔ کبھی میرا امتحان لینے کے لئے پوچھتے مراقبہ کرو اور بتاؤ میں کہاں جاتا ہوں تو آپ جیسا تصور کرتے۔ ویسے ہی میں مقام کی نشاندہی کرتا کہ آپ فلاں فلاں جگہ پر ہیں۔۔۔ اسی طرح اکثر مجھے ٹرننگ دیتے رہتے۔ دوسری جرمن لڑائی ۱۹۴۲ء میں آپ کو ہر لحہ مشغول دیکھا اور اکثر مجھے بلا کر مراقبہ کراتے۔ اور جرمنی اور برطانیہ کی جنگ کے متعلق محاذوں پر جرمن فوجوں کی نقل و حرکت پوچھتے۔۔۔ یہ حقیقت ہے کہ قبلہ سخی صاحب میرے صحبتی پیر تھے۔ آپ کی ذات سے مجھے بہت فیض حاصل ہوا۔ ہر ساعت مجھ پر عنایت فرماتے رہے یہاں تک کہ میں آپ سے جدا ہو کر ہجر و فراق کی وادی میں سرگرداں و پراگندہ زندگی گذارنے پر مجبور ہوا۔ میں پاکستان چلا آیا۔ ہاں ولی کے لئے دور و نزدیک کا تصور نہیں وہ ہر جگہ ہے۔ اس کی آمد و رفت میں زمانہ اور مسافت حائل نہیں ہوسکتے۔ دوری کے باوجود ہمیں اپنے محبوب کی عنایات سے ہمیشہ فیض حاصل ہوتا رہا۔ چنانچہ جناب قبلہ سخی صاحب کی عنایت سے آپ کا سلسلہ میری اور میرے دوستوں کی وساطت سے پاکستان کے وسیع علاقہ تک وسعت پذیر ہوا۔ اور یہاں بھی کثرت سے لوگ سلسلہ اویسیہ، امینیہ، میں داخل ہو کر حضوری ہوتے رہے۔ مراتب اعلیٰ پاتے رہے۔ اللہ کے فضل سے آپ کی نسبت سے پاکستان میں یہ سلسلہ نہایت خوبی کے ساتھ جاری ہے۔ پاکستان کے بیشتر علاقہ میں ہماری نسبت[1] سے سلسلہ اویسیہ کے مرید باقاعدہ سلسلہ چلا رہے ہیں۔

---

[1] پاکستان میں سکونت کے دوران میرا ارادہ خصوصی طور پیری مریدی نہ تھا۔ میں کشمیر میں بھی رنگ سازی کی مزدوری کرتا تھا۔ یہاں ایبٹ آباد ضلع ہزارہ میں قیام میں بھی ملٹری ملازمت کرتا رہا۔ قدرتی یہ سلسلہ مجھ سے جاری ہوا کہ میں لوگوں کو درود شریف (درود اویسی) تلقین کرتا رہا۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بیرون ممالک[ل] برطانیہ، جرمنی، فرانس، سعودی عربیہ تک ہمارے سلسلہ کے لوگ پہلے

(بقیہ حاشیہ ص۳۲۶)

مگر پیری مریدی کا ارادہ نہ تھا۔ اسی دوران اچانک ایک صاحب سے ملاقات ہوئی یہ صاحب بھی سلسلہ طریقت کے متلاشی تھے۔ کہنے لگے عرصہ دراز سے میں فقرا کے پیچھے پھرتا رہا لیکن کسی فقیر کسی پیر سے میں کچھ فیض حاصل نہ کرسکا۔ اب آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں۔ کہیں آپ بھی یہی نہ فرمائیں "کہ صاحب ہمارے پاس آپ کے لیے کوئی فیض نہیں۔ کسی اور جگہ تلاش کریں"۔ میں اب تلاش کرتے کرتے تھک چکا ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ مجھے مایوس نہ فرمائیں۔ میں نے کہا کہ مطمئن رہیں آپ شرائط طریقت پر کاربند رہیں۔ آپ کو اب کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ رہے گی۔ میں نے نماز کے ساتھ درود شریف گیارہ سو بار پڑھنے کی ہدایت کی۔ طریقت کے کچھ آداب سے واقف ہو چکا تھا۔ نام محمد طفیل تھا۔ آبائی گاؤں تحصیل سمندری فیصل آباد۔ ملٹری ملازم (حوالدار) تھے۔ کوشش میں لگے رہے۔ بلکہ اپنی محنت کے ساتھ لوگوں کو عقیدت کے ساتھ سلسلہ میں داخل ہو کر درود شریف پڑھنا بتاتے رہے۔ کافی عرصہ یہ عمل ان کا جاری رہا۔ اس دوران انہوں نے کافی لوگوں کو درود شریف بتا کر سلسلہ میں داخل کیا۔ ملٹری ملازمت کی وجہ سے آپ کا پاکستان کے بیشتر علاقوں میں تبادلہ ہوتا رہا۔ جہاں جائیں وہاں لوگوں کو تلاش کرکے

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ ہذا)

[ل] ۱۹۸۲ء میں میرا ایک درود خوان دوست غلام محمد شاہ کشمیری (یہ درودخوان بارہ مولہ کے سید خاندان سے تعلق رکھتا ہے) حج پر گیا۔ وہاں بیت اللہ میں' سوڈانی حبشی طواف کررہے تھے۔ ایک سوڈانی اس کے قریب ہی دعا مانگ رہا تھا اور بڑے ہی عجز و انکسار سے آہ و زاری کررہا تھا۔ غلام محمد شاہ انگریزی' عربی' فارسی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے اسے اپنے پاس بلایا۔ اسے اسی جگہ درود شریف کے ساتھ مراقبہ کرایا۔ توجہ دی۔ اسی آن وہ حضوری' اخلاص محمدیؐ ہوگیا۔ وہ شخص بے حد خوش ہوا۔ اور بہت سے سوڈانی حاجیوں کو لایا اور سب نے درود شریف کی اجازت لی۔ اسی طرح محمد شاہ بیت اللہ کے قریب جہاں مقیم تھا۔ وہاں پر بھی چند حاجیوں کو جن میں ترکی' ایران' ہندوستان اور الجزائر کے لوگ تھے۔ درود شریف دیا۔ جن میں اکثر کو مشاہدہ ہوا۔ اور بعض حضوری بھی ہوئے۔

ہوئے۔ درود خوان، ان زمینوں کو بھی تجلیات سے منور کر رہے ہیں۔۔۔ بلاشبہ اس حقیقت

(بقیہ حاشیہ ص ۳۲۷)

سلسلہ میں داخل کر کے درود شریف کا ورد بتاتے رہے جس سے میری نسبت سے سلسلہ اویسیہ کو کافی وسعت حاصل ہوئی اور لوگ مجھے پیر صاحب پکارنے لگے۔ ان صاحب میں یہ خصوصیت تھی۔ کہ درود شریف پڑھنے کے ساتھ مراقبہ میں پڑھنا تمام رات جاگتے رکھنے کی محنت دیتے رہے۔ جن میں بھی کسی شخص کو کچھ حالات، نوری کیفیات یا اجلاس مدینہ منورہ کا مشاہدہ ہوتا۔ ایسے واقعات سے انہیں بھی مشاہدہ کا کافی شوق پیدا ہوا۔ جہاں بھی جائیں۔ پاکستان میں پنجاب کے علاقوں میں۔ تبادلہ کی صورت میں کشمیر، راولپنڈی، جہلم، فیصل آباد، ملتان اور بہت سے پنجاب کے علاقوں کے لوگوں کو خصوصاً فیصل آباد جہاں ان کا آبائی گاؤں تھا۔ یہاں لوگوں کو درود شریف کا وظیفہ بتا کر کثرت سے درود خوان بنا کر سلسلہ میں داخل کیا۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ پاکستان میں زیادہ تر علاقوں۔ شہروں میں کثرت سے درود خوانوں کا مجمع ہوا۔ یہاں تک کہ پاکستان میں اکثر لوگ انہی صاحب کی ہدایت حاصل کرتے رہے۔

ملٹری ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد آپ اپنے شہر فیصل آباد میں تعلیم دیتے رہے۔ یہاں پر بھی انہوں نے سلسلہ اویسیہ کا اجراء جاری رکھا۔ یہاں سکول ماسٹر کی ملازمت ملی۔ جس میں سکول کی ملازمت میں بھی لوگوں کو سلسلہ طریقتِ اویسی میں داخل کرتے رہے۔ یہاں ان کا دولت خانہ ہی مرجع خلائق رہا۔ چنانچہ آپ نے اپنے گھر پر ہی ایک ادارہ۔ سلسلہ اویسیہ کا دربار۔ کی بنیاد ڈالی۔ جہاں لوگ کثرت سے آپ کے حاضری دیتے۔ اور ہدایات و ارشادات حاصل کرتے رہے۔ غرض اویسی دربار نے ایک باحیثیت، معقول حیثیت اختیار کرلی۔ اور انہیں پیروں جیسی عزت افزائی اور عقیدت حاصل ہوئی۔ اسی اثنا میں ان کے ذہن میں ذاتی طور صاحبِ مشاہدہ ولی ہونے کی خواہش پیدا ہوئی۔ جس کے لیے یہ صاحب اکثر مطالبہ کرنے لگا۔ کہ میں۔ لوگوں کو درود شریف بتاتا ہوں۔ کہ اس درود شریف پڑھنے سے اجلاس محمدیؐ (زیارت رسول اللہؐ) کا مشاہدہ ہوتا ہے لہذا مجھے بھی اس قابل کردیں کہ میں صاحب مشاہدہ ہو جاؤں۔ تاکہ میں لوگوں کو

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کے زیر نظر اس امر میں کچھ شبہ نہیں کہ قبلہ سنی ولایت خان صاحب حضور قبلہ عالم کے ازلی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۸)

درود شریف پڑھنے اور زیارت ہونے کی دلیل پیش کرسکوں۔ یہ حالت ایک عرصہ دراز سے ان کے ذہن میں ابھرتی رہی۔ گویا۔ غالباً" آٹھ دس سال کا عرصہ گزرا ہوگا کہ "صوفی محمد طفیل صاحب اویسی" باوجود تمام رات مراقبہ میں گزارنے اور لوگوں کو کثرت سے درود خوان بنانے اور راتوں کو مراقبہ کرانے کے۔ آپ کو مشاہدہ کی کیفیت حاصل نہ ہوسکی۔ اس سلسلہ میں آپ میں مشاہدہ کی شدت بے حد بڑھتی رہی۔ لیکن کسی صورت مشاہدہ نہ ہوسکا۔ اور نیں خود بھی باوجود انتہائی کوشش کے مشاہدہ یا زیارتِ اجلاسِ محمدیؐ نہ دے سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خواہش کی شدت کے نتیجہ میں ان کی طلب نے ایک اور نیا رخ اختیار کرلیا۔

ہوا یہ کہ دوران ملازمت۔سکول ماسٹری میں۔ ان کا تبادلہ کسی گاؤں کے سکول میں ہوا۔ یہ گاؤں شہر فیصل آباد سے دس میل دور چک نمبر ۸۰ میں تھا۔ یہاں اکثر عالم لوگ تھے۔ جو یکتائی کے نام سے مشہور تھے۔ ان کا کام یہ تھا۔ کہ گاؤں میں' کوئی عالم' کوئی فقیر وارد ہو۔ اس کے کمالِ علم کا محاسبہ کرنے کے لیے۔ اس سے علمی بحث چھیڑ دیتے۔ ان میں اکثر بناوٹی۔ لاعلم عالم ہوتے۔ جو ان کا مقابلہ نہ کرسکتے۔ آخر گاؤں سے بھاگ جاتے۔ ان کی علمی حیثیت سے انہیں مزید حوصلہ اور بحث و مباحثہ کی خو پڑتی رہی۔ جہاں بھی کسی گاؤں میں کوئی عالم۔ فقیر وارد ہوتا۔ تو یہ لوگ اس کا پیچھا کرتے۔ ناکامی کی صورت میں پیر صاحب۔ عالم صاحب گاؤں چھوڑ کر چلے جاتے۔ اسی دوران انہیں صوفی محمد طفیل کے متعلق علم ہوا۔ کہ آپ بھی فقیری میں درک رکھتے ہیں۔ چنانچہ یکتائی صاحبان میں خاص کر چک نمبر ۹۱ کے مولوی شاہ محمد صاحب جو کسی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے اور عربی میں مہارت رکھتے تھے۔ انگریزی علم میں بدرجہ کمال درک رکھتے تھے۔ ان سے ملاقات میں بحث و مباحثہ ہوا۔ لیکن طفیل صاحب نے ان کی کچھ چلنے نہ دی۔ آخر یہ بیشتر یکتائی ان کے خاص دوست بن گئے۔ اب صوفی طفیل صاحب کے گھر "سکول" پر ہی ان کا اجتماع ہونے لگا۔ اور تمام رات صرف بحث و مناظرہ' خاص کر قرآنی آیات پر بحث ہوتی رہتی۔ یہ عادت ان کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ صہ ۳۲۹)

اتنی پختہ ہوگئی کہ یہ لوگ بغیر بحث و مباحثہ رات نہ گزارتے۔ اب نتیجہ یہ ہوا کہ صوفی طفیل صاحب بجائے درود و مراقبہ کے۔ تمام رات بلکہ دن بحث و مباحثہ میں گزارنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ مشاہدہ نہ ہونے کے باعث۔ ان کی دل چسپی قرآن و حدیث پر بے نتیجہ' بے اثر' بحث و مباحثہ میں بڑھنے لگی۔ اور طفیل صاحب نے قرآن شریف کے ترجمہ (صرف و نحو کے ساتھ) میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کی۔ اسی دوران۔ بعض احباب نے آپ سے ترجمہ' تفسیر سیکھنا شروع کیا۔ اس طرح اسی علمی عمل میں آپ کی مشاہدہ کی خواہش کو علمی پیاس سے تسکین ہوتی رہی۔ مگر سلسلہ طریقہ اویسی میں دلچسپی ختم ہونے لگی۔ آخر انہوں نے بجائے اجرائے طریقت کے قرآنی علم کو اپنانا شروع کیا۔ اس حال میں کہ اب مجھ سے بھی بحث و مباحثہ میں مجادلہ کرنا شروع کیا۔ جو دو دو رات تک جاری رہتا۔ جس میں موصوف اپنی ضد پر قائم رہے۔ اس کے ساتھ کہ آپ کا مطالبہ' مشاہدہ اجلاسِ محمدیؐ جاری رہتا۔ جو نہ پورا ہو سکا۔ اس کے باوجود دربارِ اویسیہ جاری رہا۔ اور سالانہ عرس (قبلہ پیر محمد امین اویسیؒ) ہر سال منعقد ہوتا۔ ان کے خاص مریدین و معتقدین میں یٰسین صاحب شاہ کوٹ والے' مرزا رشید بیگ گجرات والے' اور اس کے مرید بابو کرم دین قادر آباد (گجرات) والے شمار ہیں۔ ان کے عقیدت مندوں میں اکثر حاضری دیتے رہے۔ اور ہدایات سنتے اور عمل کرتے رہے۔ اس حال میں کہ دربارِ اویسیہ کو سلسلہ اویسیہ کی نسبت سے کافی شہرت ملی۔ میں اکثر اپنے احباب کے ساتھ دربارِ اویسیہ میں بمع چند احباب کے صوفی صاحب

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاشیہ صفحہ ہذا

لے شجرہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔

تجلی او نبی است در ولایت علیٰ مصطفیٰؐ و ابنِ مریمؑ

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کئی کو ہم نے اپنے دعویٰ کی دلیل سے مرید بنایا کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انہیں اسلام میں داخل ہونے کی بشارت ملی۔

ثابت ہیں۔ قبلہ سخی صاحب بلاشبہ حضور قبلہ عالم کے رفیقِ خاص اور دوست تھے۔ آپ کی وفات سے حضور قبلہ عالم نے بھی فرقت کا اثر لیا۔ لیکن قدرت نے خود اس کا ازالہ کر دیا۔ اس دور میں بھی آپ کو ایک رفیقِ خاص کی خدمت میسر آئی۔ یہ خوش نصیب ہستی ڈاکٹر محمد رمضان صاحب تھے جو حضور کے دورِ ابتلاء کرب کے ساتھی ثابت ہوئے۔ آخردم تک آپ نے حضور قبلہ عالم کا ساتھ دیا۔ اسی خصوصیت پر حضور قبلہ عالم کی وفات کے بعد آپ کو حضور کی سوانح حیات کی تدوین کی ذمہ داری سونپی گئی۔ جس پر موصوف نے کتاب نورالعرفان ترتیب دے کر سلسلہ اویسیہ کو آپ کی نسبت سے متعارف کرایا۔۔۔ کتاب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳)

کی خدمت میں بحیثیت مہمان حاضر ہوتا۔ لیکن صوفی صاحب موصوف کا بحث و مناظرہ کا رخ میری طرف ہونے لگا۔ جو بالآخر اختلاف علم اور عقیدہ میں رونما ہونے لگا۔ بالآخر یہی جذبہ' میرے اور صوفی محمد طفیل صاحب کے درمیان اختلاف' اور آپس کے تعلقات میں رخنہ کا سبب بنا۔ جو آخر دائمی جدائی کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اب میرے اور ان کے درمیان کوئی دوستانہ تعلق یا رابطہ قائم نہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ حقیقت میں ہر حال میں تسلیم کرتا ہوں کہ اللہ کا فرمان ہے فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ' بلاشبہ صوفی محمد طفیل صاحب نے جو طریق حصولِ حق میں اختیار کیا۔ وہ حدیث نبویؐ کے مطابق اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ نیت پر عمل کا بدلہ ہوتا ہے۔ جہاں تک موصوف کی نیت اور حق کی نیت اور سوچ سمجھ کر نیت خالص کا تعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود کسی عمل کی جزا دینی ہے کہ کسی نبی ' رسول کی ناراضگی کے باوجود اگر اللہ کے نزدیک عمل خالص ہے۔ کسی فرد کا عمل ذرہ بھر بھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ صوفی محمد طفیل نے سلسلہ اویسیہ میں حسنِ نیت سے جو محنت کی اس کا اجر' درود پڑھنا' سلسلہ میں لوگوں کو داخل کرنا' اپنی جگہ ایک عمل ہے۔ جس کو حاصل کرنے' حاصل ہونے میں کوئی بھی مخل نہیں ہوسکتا۔ یہ عمل الٰہی ہے۔ کسی کی جائیداد نہیں۔ جو کوئی کسی کے فیض حاصل کرنے ہونے میں مخل ہونے کا اختیار رکھتا ہو! فَلَکُمْ مَا کَسَبْتُمْ۔ مگر سمجھ پختہ ہو۔ عمل حسنِ نیت پر ہو۔ کسی کا عمل ضائع نہیں ہو سکتا۔ بشرطیکہ راہ صحیح اور مستقیم کو سمجھ کر حاصل کیا گیا ہو۔

(العارض محمد نورالدین اویسی)

مذکور میں بیشتر واقعات موصوف ڈاکٹر محمد رمضان صاحب کے تحریر کردہ ہیں۔

گذشتہ بیان میں چونکہ موصوف سے قبل (بیعت ہونے سے قبل) کے واقعات درج تھے۔ ان واقعات میں چونکہ خاکسار اکثر حضور کی صحبت و قربت میں رہا۔۔۔ اس لئے مناسب جانا کہ میں بحیثیت شاہد۔۔۔ "معاون راوی" واقعات کا تذکرہ کرنے میں حصہ لوں۔ اس کے بعد چونکہ ہمیں حضور کی قربت سے فراق کی وادیوں میں دھکیلا گیا۔ اس لئے بقیہ واقعات جو ڈاکٹر صاحب موصوف کی علمیت میں پیش آئے۔ خود ڈاکٹر صاحب کی زبانی بیان ہوں گے۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہی "نورالعرفان" کی ابتدا کی ہے۔ اس لئے اب آپ کی تصنیف کے مندرجات ہی کا آئندہ اعادہ کیا جاتا ہے۔۔۔ چنانچہ جناب ڈاکٹر محمد رمضان صاحب نورالعرفان میں حضور قبلہ عالم کی سوانح میں ایک مثالی واقعہ سے ابتدا کرتے ہیں۔

مسز ہوگن ایک امریکی خاتون کی سرگذشت

ڈاکٹر موصوف بیان کرتے ہیں:۔ ۲۹ فروری ۱۹۵۲ء کا روز سعید تھا۔ اسی دن میں قبلہ پیر صاحب کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوا اور اپنے ظاہر و باطن اور دین و دنیا کو آپ کی نذر کر چکا تھا۔ دوسرے دن صبح پونا شہر (بھارت) کے لئے ملازمت کے سلسلہ میں روانہ ہونے سے پہلے قبلہ پیر صاحب کی خدمت میں اجازت لینے کے لئے۔۔۔ برادرم محمد ابراہیم صاحب (وانگنو) کے ہاؤس بوٹ[لہ] (کشتی) پر گیا۔۔۔ وہاں قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی۔۔۔ قبلہ سخی صاحب بہت زوردار الفاظ میں کسی کی وکالت کر رہے تھے۔ دوران گفتگو کسی امریکن خاتون کا بار بار ذکر ہوتا رہا۔۔۔ میرے استفسار پر قبلہ سخی صاحب نے جن سے میں حال ہی میں متعارف ہوا تھا۔۔۔ مجھے۔۔۔ "خدا کے دین کا موسیٰ علیہ السلام سے پوچھئے احوال" کہہ کر خاموش کر دیا۔۔۔ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو کر پونا جانے کی اجازت لے کر روانہ ہوگیا۔ کچھ عرصہ پونا کے قیام کے بعد واپس سری نگر آگیا۔ گھر سے فراغت حاصل کرکے پھر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔۔۔ وہاں جنگل میں خیمے نصب تھے۔ جن میں یہ امریکن خاتون مسز ہوگن (MRS.HOGAN) ٹھہری تھیں۔ موصوفہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہو رہی تھیں۔ جنہیں محمد ابراہیم صاحب آپ کی خدمت میں حاضر

لہ House Boat (کشمیر میں مکان نما کشتی) جو دریا میں مستقل رہتی ہے۔

ہونے کے لئے لائے تھے۔

مسز ہوگن کی داستان متلاشیانِ حق کے لئے ایک روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے مسز ہوگن خود حضور قبلہ عالم کی خدمت میں اپنی کہانی بیان کرتی ہے، جو محمد ابراہیم صاحب (مالک ہاؤس بوٹ HOUSE BOAT) ترجمہ کر کے حضور قبلہ عالم کو سناتے ہیں۔ آپ کا بیان ہے:- ۱۹۲۵ء میں جب میری عمر تیس سال تھی۔ میں اپنے شہر (HOLY WOOD) کے سب سے بڑے گرجے میں عبادت کے لئے گئی۔ عبادت کے بعد میں گرجا کے صحن میں کرسی پر بیٹھ کر مراقبہ میں مشغول ہوئی۔۔۔ حالت مراقبہ میں مجھ پر غنودگی طاری ہو گئی۔ حالت مراقبہ میں ہی غنودگی کے عالم میں دیکھتی ہوں کہ سامنے ایک بہت بڑا گرجا ہے اور عیسائی لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس میں داخل ہو رہے ہیں۔ میں بھی گرجا میں داخل ہونے کے لئے بڑھی۔ تو اتنے میں گرجا کے اندر سے ایک بزرگ نکلے۔ اور مجھے روک کر کہنے لگے کہ تم اس گرجے میں داخل ہونے کے لئے نہیں پیدا ہوئیں۔۔۔ اور دائیں طرف ایک عمارت کی جانب اشارہ کر کے کہا کہ تمہیں اس میں داخل ہونے کے لئے چنا گیا۔ اس عمارت کا رنگ بالکل سفید تھا اور اس میں سبز رنگ کا ایک گول گنبد نظر آ رہا تھا۔ مسز ہوگن کہنے لگی۔ یہ عمارت اور سبز گنبد مجھے بہت بھلا لگا۔ میں اس عمارت کی طرف چلنے لگی دروازے پر پہنچ کر اندر داخل ہونا چاہا مگر یہاں بھی روک دی گئی عمارت کے اندر سے ایک نورانی بزرگ نمودار ہوئے انہوں نے فرمایا اس عمارت میں پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا ہے اور یہاں داخلہ کے لئے ان "صاحب" سے اجازت لینی ہوگی۔ یہ صاحب دراز ریش، نورانی صورت، بڑی بڑی آنکھیں اور کشادہ پیشانی، ایک ہاتھ میں تسبیح لئے۔ دوسرے سے کھیت میں ہل چلا رہے ہیں اور خندہ پیشانی سے مجھے اپنی طرف بلا رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گئی انہوں نے فرمایا پارلیمنٹ میں داخلہ کے لئے میرا مذہب قبول کرنا ہوگا۔ میں نے تبدیلیٔ مذہب کا اقرار کیا اور کچھ کہنے والی تھی کہ غنودگی ہٹ گئی۔ مراقبہ ٹوٹ گیا۔۔۔ اسی وقت گھر آ کر خواب کی تمام کیفیت اپنی ڈائری پر درج کرلی۔ اس کے بعد مراقبہ میں دیکھی ہوئی ہستی کی تلاش میں گھر سے نکلی۔ لیکن اس ہستی کی پوری نشاندہی حاصل نہ کر سکی۔ تین دفعہ امریکہ سے نکل کر مختلف ملکوں کی سیاحت کی۔ (جس میں مسز ہوگن افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور مشرقِ بعید کے ممالک کا خصوصی ذکر کرتی ہیں) لیکن میں اس ہستی کا سراغ نہ لگا سکی۔ ۱۹۴۵ء میں امریکہ سے نکل کر جاپان پہنچی یہاں بھی بہت تلاش کیا۔ مگر میں کسی طرح اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ آخر جاپان سے مایوسی کی حالت میں امریکہ واپس لوٹی سمجھی کہ شاید کامیابی مقدر میں نہیں۔۔۔

پارلیمنٹ میں داخلہ کی حسرت پوری ہوتی نہیں دکھائی دیتی۔۔۔ اپنی ناکامی پر بے حد رنجیدہ، اُداس تھی۔۔۔ ایک دن میرے والد نے خواب میں آکر بشارت دی کہ ہندوستان جاؤ وہاں مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔۔۔ ۱۹۴۷ء کا پُر آشوب زمانہ تھا۔ تقسیم ہند کے بعد لاکھوں کی تعداد میں لوگ پراگندہ پریشان حال کوئی ہندوستان (بھارت) سے بھاگ رہے تھے اور کوئی آ رہے تھے۔۔۔ میں اسی زمانہ میں دہلی پہنچی۔۔۔ مہاجرین[1] کی حالت زار دیکھ کر سخت دکھ ہوا۔۔۔ میں شہر شہر گھومتی رہی۔ ہر مذہب کے عالموں، فقیروں، درویشوں سے ملی۔ مگر کسی سے خواب کی تعبیر میسر نہ آسکی۔ اسی دوران ایک ہندو عالم شانتا نندھا نے اپنے آشرم میں چھ مہینے گاڈ پوجا اور رکھشا کرائی۔ کافی مجاہدہ کیا لیکن مدعا حاصل نہ ہوسکا۔۔۔ مایوس ہو کر پھر امریکہ واپس چلی آئی۔۔۔ مختلف ملکوں کی جادہ پیمائی میں عمر کے تقریباً پچیس سال گذر گئے۔۔۔ طویل مایوسی کے بعد پھر امید کا سہارا لے کر آخری جد وجہد کے لئے قدم اٹھایا اور اس بار سیاحتِ کشمیر کا ارادہ کیا۔۔۔ کشمیر پہنچ کر سری نگر میں محمد ابراہیم کے ہاؤس بوٹ میں قیام کیا۔ یہاں بھی اسی مردِ حق کی تلاش میں مختلف فقراء، مولویوں، درویشوں اور سادھوؤں سے ملتی رہی۔۔۔ اس تلاش میں چھ ماہ گذر گئے۔ اس دوران ہر جمعہ کے دن درگاہ حضرت بل[2] حاضری دیتی رہی لیکن وہ صورت نظر نہ آئی جس کی خدمت کے لئے مجھے منتخب کیا گیا تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں میں نے ایک دن ہاؤس بوٹ کے مالک محمد ابراہیم سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا۔ اپنی خواب کا ان سے ذکر کیا تو قدرت نے میری زندگی کی محنت کو

---

[1] مسز ہوگن نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرکے امریکہ سے مہاجرین کے لیے ہر قسم کی امداد مہیا کرنے کے لیے امریکی حکومت سے اپیل کی۔ اس زمانہ میں امریکہ میں مسٹر ہیری ٹرومین صدارت کے عہدہ پر فائز تھے۔ چنانچہ آپ کی اپیل پر ہندوستان کے مہاجرین کو امریکہ کی طرف سے امداد دی گئی۔

[2] حضرت بل مغلیہ دور کی تیار کردہ ایک یادگار مسجد ہے۔ جو کشمیر کی مشہور جھیل "ڈل" کے مغربی کنارے پر تعمیر کی گئی ہے۔ اس مسجد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک ایک منقش پنجرے میں رکھا گیا ہے۔ کشمیر کے لوگ سال میں چھ دن اس موئے مبارک کی زیارت کے لیے لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے ہیں۔ اہل کشمیر کے لیے یہ زیارت ایک مقدس مقام رکھتی ہے۔

بار آور کر دیا اور میں نے کٹھن مراحل طے کرنے کے بعد اپنی منزل کو جالیا۔

خوش قسمتی کی بات تھی کہ مسز ہوگن نے محمد ابراہیم صاحب سے اس کا ذکر کیا ورنہ جہاں میں اس ہستی کا ملنا محال تھا۔ اس لئے کہ یہ ہستی عالم باطن میں ہی پہچانی جاتی تھی۔ دنیا اسے نہ پہچانتی تھی۔ نہ کسی کو اس کا گمان بھی تھا۔۔۔ محمد ابراہیم صاحب نے غلام محمد صاحب وانی ڈلگیٹ والے سے ذکر کیا۔۔۔ انہوں نے قبلہ سنی ولایت خان صاحب سے اس کا ذکر کیا۔۔۔ آپ نے مسز ہوگن سے ملاقات کی اور تمام حالات دریافت کئے۔ تو آپ نے انہیں حضور قبلہ عالم کے پیش ہونے کا مشورہ دیا۔۔۔ قبلہ سنی صاحب سے ملاقات پر ہی مسز ہوگن کو امید بندھی کہ میں کامیابی کے زینہ تک پہنچ گئی ہوں۔ مسز ہوگن نے حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ چنانچہ دوسرے ہی دن مسز ہوگن شدید سردی اور برفباری میں محمد ابراہیم کی راہنمائی میں کاشیراہ شریف حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ محمد ابراہیم نے مترجم کی حیثیت میں مسز ہوگن کی تمام داستان از اول تا آخر حضور قبلہ عالم کے بیان کی۔۔۔ حضور مسز ہوگن کی تمام داستان سن کر اسے دیکھتے رہے۔ آخر اسے درود حضوری کی تعلیم فرمائی اور حسب ضابطہ جیسا کہ مسز ہوگن نے مراقبہ میں تبدیلی مذہب کا وعدہ کیا تھا۔ بلا چون و چرا حضور کے دستِ حق پرست، پر کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھ کر مذہب اسلام میں داخل ہو گئیں اور حضور سے بیعت بھی ہوئیں۔۔۔ انہیں واپس سری نگر بھیج دیا اور جناب قبلہ سنی صاحب کو ہدایت فرمائی کہ انہیں اسلامی تعلیمات و آداب سے آگاہ کریں۔ مسز ہوگن سری نگر پہنچ کر جناب قبلہ سنی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے انہیں آدابِ شریعت و طریقت سے آراستہ فرمایا۔ یہاں تک کہ برفباری اور سردی کی شدت میں کمی واقع ہوئی۔۔۔ مسز ہوگن نے سری نگر میں سکونت اختیار کی۔۔۔ ماہ مارچ میں جب موسم قدرے خوشگوار ہوا تو آپ دوبارہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں کاشیراہ شریف حاضر ہوئیں۔۔۔ حضور نے انہیں خلوت میں بیٹھنے کا حکم دیا۔ مسز ہوگن حضور کی اجازت سے خلوت گزیں ہوئیں۔۔۔ ۲۹ دن مسلسل محنت۔۔۔ روزہ۔۔۔ شب بیداری و تزکیہ کے بعد مسز ہوگن کا قلب کھلا۔۔۔ مشاہدہ شروع ہوا۔۔۔ اور وہ وقتِ سعید آیا کہ مسز ہوگن کی پچیس سالہ تلاشِ حق میں کامیابی کے بعد اسے وہ مردِ حق ملا جس نے عالم باطن میں اپنا روحانی تصور دیا تھا۔ اور وہ اسی تصور کو لے کر مشرق و مغرب کی گرد چھانتی۔ اسے پانے میں کامیاب ہو گئی۔ اس مرد حق نے بھی اپنی شرط پوری کر دی۔۔۔ یہ مرد حق کہاں تھا؟۔۔۔ یہ مرد حق اسی عمارت کے پاس موجود تھا جو سفید رنگ کی نورانی

عمارت تھی۔ جس میں سبز گنبد چمک رہا تھا۔ سبحان اللہ۔۔۔ آج مسز ہوگن نے پھر اپنی خواب کو باہوش و حواس دیکھ لیا۔ مسز ہوگن۔۔۔ روضہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچی۔ سبز گنبد دیکھ کر پہچان لیا۔ یہی میری خواب کی تعبیر ہے۔ حضور قبلہ عالم علیہ رحمتہ اسے پارلیمنٹ کے اندر لے گئے۔ جہاں شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہیں۔ حضورؒ نے مسز ہوگن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش فرمایا۔ مسز ہوگن نے آج دیدار کرلیا۔۔۔ ہاں! اسے کہا گیا تھا کہ تمہیں اس عمارت میں داخل ہونے کے لئے "منتخب کیا گیا ہے"۔۔۔ آج مسز ہوگن نے اپنی مراد ایک مردِ حق کے دستِ حق پرست پر پا لی۔۔۔ دورانِ خلوت اکیسویں دن مسز ہوگن کو شدید نقاہت اور کمزوری محسوس ہوئی۔ ہاں یہ مقام مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوا کا ہوتا ہے۔ مسز ہوگن کو گمان گذرا کہ شاید میں موت میں داخل ہو رہی ہوں۔ اس نے صدر امریکہ، پرائم منسٹر پنڈت جواہر لعل نہرو۔۔۔ اور شیخ محمد عبداللہ پرائم منسٹر کشمیر کے نام خطوط لکھے جن میں تحریر تھا کہ وہ بحالت خلوت گزینی وفات پا جائے تو حضور قبلہ عالم محمد امین صاحب پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔۔۔ حضور قبلہ عالم کو ان خطوط کے مضمون کے متعلق اطلاع ملی تو آپ نے تبسم فرمایا۔ آپ نے مسز ہوگن کو محمد ابراہیم مترجم کے توسط سے تسلی دی کہ مطمئن رہیں۔ انہیں خلوت کی حالت میں مرنے نہیں دیا جائے گا۔ لہذا خطوط بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ تاہم وہ اسی میں اپنا اطمینان سمجھیں تو خطوط بھیج سکتی ہے۔ ۲۹ یوم خلوت کی حالت میں روضہ مدینہ منورہ میں اجلاسِ محمدی میں زیارتِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہونے کے بعد حضور قبلہ عالم نے مسز ہوگن کو مزید عرصہ کے لئے خلوت میں رہنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسز ہوگن نے خلوت میں چالیس دن پورے کئے اور ولی اکمل بن کر مراتب اعلیٰ حاصل کر کے ولایت کی سند حاصل کرلی۔ میں نے حضور قبلہ عالم سے اس بارے میں دریافت کیا کہ معمر خاتون کو جس کی عمر پچپن سال سے تجاوز کر چکی تھی زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بعد مزید عرصہ خلوت میں رکھنے میں کیا مصلحت تھی؟ حضور نے فرمایا اگرچہ اسلام قبول کرنے کے بعد اور زیارتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بعد اس کے قلب سے کفر و شرک کا اندھیرا دور ہو چکا ہے تاہم آئندہ اسرار و معرفت کے انکشافات پر اس کے قلب و ذہن پر یقین محکم کی مہر ثبت ہونے کے لئے ابھی بھی تزکیہ کی ضرورت تھی تاکہ ایک طرف وہ حقیقت کو قبول کرنے پر آمادہ ہو اور دوسری طرف وہ کسی بھی ماحول میں رہ کر فاسد خیالات کے اثر سے محفوظ رہ سکے۔ مرحبا!۔۔۔ اس پُرعزم و استقلال محترم خاتون پر۔۔۔ جس نے قرون اولیٰ جیسی ہستیوں کے مثل تلاش

حق میں پیہم جد و جہد اور مسلسل جستجو سے حصولِ مقصد میں کامیابی کی ایک روشن مثال قائم کردی۔ ہاں!

این سعادت بزور بازو نیست — تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یہ خوش نصیب خاتون ازلی نیک بخت من جانب اللہ مخصوص و منتخب تھی۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ اللہ تعالیٰ آخرا سے پہنچاتا ہے۔ اپنی معرفت کی راہ پر جسے وہ چاہتا ہے۔۔۔ لیکن شرط یہ ہے کہ انسان میں اس کی ذمہ داری کا احساس ہو۔۔۔ اور فطری تحریک زندہ ہو!۔۔۔ کہ وہ تلاشِ حق کا خواہاں بھی ہو۔ انسان خواہ ظلمت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھرا ہوا ہو۔ اس میں تلاشِ حق کی فطری خواہش و طلب۔۔۔ اور جستجو کا مادہ موجود ہوتا ہے۔۔۔ یہ اس کے اختیار میں ہے کہ وہ اپنی "سوئی" عقل و خرد سے کام لے کر حق کو قبول کرنے۔۔۔ اور اس کی تلاش کی خواہش کرے۔۔۔ یہ ظلمت ہی تو تھی۔۔۔ جس میں مسز ہوگن۔۔۔ حقیقت کی تلاش میں مراقب ہوتی رہی۔۔۔ طریق کوئی بھی ہو۔۔۔ مگر نیت تلاش حق کی ہو۔ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ اعمال کا مدار نیت پر ہوتا ہے۔۔۔ نیت تلاش حق کی ہو۔۔۔ اس کے حصول کا طریق کیسا بھی ہو۔۔۔ اسے حق کی جانب راہ ملتی ہے۔۔۔ اور جب ابراہیم علیہ السلام نے تلاشِ حق میں ستاروں کو دیکھا۔۔۔ یہ ظلمت کا ہی تو مقام تھا۔۔۔ اور عمل بھی غیر حق۔۔۔ مگر نیت میں اپنے خالق کی تحقیق و حال کا جذبہ تھا۔۔۔ تو عقل نے بھی راہنمائی کی۔۔۔ نہیں یہ خالق نہیں ہوسکتے۔۔۔ اور جب چاند کو دیکھا۔۔۔ سب سے بڑی طاقت سورج کو دیکھا۔۔۔ تو خود ان ظلمتوں سے صراط مستقیم کی راہیں نکلتی گئیں۔۔۔ کہ سب سے بڑی طاقت لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ۔ اس کی صفت اوجھل ہونا نہیں۔۔۔ ہئیت تبدیل ہونا نہیں۔۔۔ یہ راہ بھی اوجھل ہونے والی قوتوں کے مشاہدے سے ملی۔۔۔ اسی ظلمت سے ابراہیم علیہ السلام نے اس خدائے برتر و عظیم کا حقیقی تصور پالیا۔۔۔ ورنہ آپ نے کس سے راہنمائی پائی۔۔۔ آپ کو کس نے کائنات خلقت کے خالق کا پتہ دیا۔۔۔ ہاں! یہ انسانی فطری تحریک تلاش حقیقت۔۔۔ اور فطری جستجو کا مادہ تھ۔۔۔ ہاں! اس قدر تلاشِ حق میں سعی پیہم۔۔۔ عزم و استقلال۔۔۔ جہد و قربانی۔۔۔ مصائب پر لبیک اور مسلسل راہ روی شرط ہے۔۔۔ یہی وہ صفات ہیں جو کسی کو اللہ کے نزدیک صراط مستقیم تک راہنمائی کا مستحق قرار دیتی ہیں۔ بغیر ان صفات کے کسی کو منتخب نہیں کیا جاتا۔

مل ہی جائے گا کوئی رہبر بھی تُو آگے تو چل

پہلے اُفتاد سفر بے سمت راہبر اٹھا

جانو! غور کرو--- جب باطن نے مسز ہوگن کو خود ایک راہ کی نشاندہی کرائی تو لازم تھا کہ مسز ہوگن مشرق وسطیٰ میں۔ مدینہ منورہ کی زیارت بھی کرلیتی۔ یہی مقام تو اس نے مراقبہ میں دیکھا تھا۔ تو اسے قریبی راہ مل جاتی۔ مگر یہ راہ زمین کی مشرق و مغرب کی وسعتوں کو طے کرنے سے نہیں ملتی۔ یہ راہ چاند ستاروں کی وسیع فضاؤں کو سفر کرنے سے نہیں ملتی--- مسز ہوگن نے مشرق و مغرب کی طویل بادہ پیمائی میں کس کی تلاش میں آبلہ پائی اختیار کی؟--- وہ تو ایک مردِ حق کی تلاش میں سرگرداں پھرتی رہی--- ہاں! یہ راہ ملنا آسان نہیں--- یہ راہ ایک مردِ کامل کی راہنمائی سے ملتی ہے--- یہ راہ ایک بند حجرے میں خلوت گزیں ہو کر--- مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ کے عمل سے ملتی ہے--- مسز ہوگن کو عمر کے تیس سال اس تلاش میں گذارنے پڑے--- ہاں! صراط مستقیم تک پہنچنے کے لئے اس راہ کی مشکلات پر عبور پانا لازمی شرط ہے۔ بغیر قربانی یہ راہ ملنا مشکل ہے۔ قرآن خود اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ
(پارہ ٢ سورۃ ٢ آیت ٢١٤)

"کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ حالانکہ نہیں پیش آئی تم کو وہ حالت جو پیش آئی ان لوگوں کو جو تم سے پہلے گذرے پہنچی ان کو تنگی اور سختی اور جھڑجھڑا گئے یہاں تک کہ بول اٹھے رسول اور جو لوگ ایمان لائے ان کے ساتھ کب ہوگی مدد اللہ کی۔"

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ
لَا يُفْتَنُوْنَ ○
(پارہ ٢٠ سورۃ ٢٩ آیت ١، ٢)

"کیا خیال کیا لوگوں نے کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنی بات پر کہ وہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لائے وہ آزمائے نہ جائیں گے؟--- "حصول حق رضائے الٰہی۔ رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر جانوں پر محنت ڈالنا۔ مشکلات میں گھر جانا۔ ایک آزمائش الٰہی ہے۔ عاشقانِ رسول اللہ پر نظر ڈالو--- جن کی شرط ایمان--- اپنا مال--- اپنی اولاد۔ اپنی جان قربان کرنا--- قربان کرنا! اپنی جان تک دے دینا--- ہاں دے دینا! صرف زبانی جمع خرچ نہیں کہ جان دیں گے۔ نہیں! عملی طور جان ہر حال میں قربان کریں گے۔

مسز ہوگن ایک خوش نصیب امریکن خاتون ہے جس نے مغرب میں رہ کر مشرق سے فیض حاصل کیا--- کتنی طویل راہ!--- مغرب و مشرق کا بُعد--- اور پھر غور کا مقام ہے کہ مغرب میں رہ کر کس ہستی کی نشاندہی کی گئی--- وہ کون ہستی ہے؟ جو مغرب کی اس

خاتون کو از باطن دکھائی گئی-- فِدَاہُ اُمّیِ وَاَبیِ-- ایک دور افتادہ مقام ہے--- غیر معروف شخصیت--- جس کی تلاش کرنا--- آبِ حیوان حاصل کرنے کے مترادف ہے--- کون انہیں جانتا ہے--- کس نام سے مشہور ہیں--- مگر ایک ہستی ہے--- جو باطن میں معزز و منتخب ہے--- جن کا باطنی عمل دخل مشرق و مغرب میں قائم ہے- یہ ہستی جناب الحاج محمد امین صاحب کاشیراہ کی گمنام وادی میں--- اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منتخب و محبوب ہستی جنہیں مغرب کی ایک خاتون کی راہنمائی کے لئے مقرر کیا گیا--- یہ فسانہ نہیں--- یہ امر واقع ہے--- زمانہ خود شاہد ہے--- جو چاہے تاریخ کو دیکھے--- ایک غیر مذہب تعلیم یافتہ انگریز خاتون کا اسلام قبول کرنا--- اور آپ سے فیض حاصل کرنا--- نہ نفسیاتی، ذہنی خلل کے تابع ہے--- نہ قصہ الف لیلیٰ ہے--- کہ جس کا حقیقی وجود ثابت نہ ہو---

مسز ہوگن قبلہ عالم کی بیعت و صحبت میں تمام منازلِ فقر--- تا--- مشاہدہ اسرار الہیٰ--- ذات الہیٰ طے کر کے مرتبہ ولایت میں داخل ہو گئی--- مسز ہوگن نے اس قلیل وقفہ میں چند کرامات کا اظہار بھی کیا--- آپ نے قیام کشمیر میں پرائم منسٹر شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری اور بعد میں ان کی رہائی کی قبل از وقت پیشگوئی کی- حالانکہ اس وقت شیخ محمد عبداللہ کی تنزلی کا گمان بھی نہ ہوسکتا تھا--- پنڈت جواہر لعل نہرو کی موت اور کئی ایک واقعات کا ذکر کیا--- جو وقت پر حرف بہ حرف درست ثابت ہوئیں--- حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق نشاندہی کی اور بتایا کہ بوقت ظہور مجھے ان کی زیارت نصیب نہ ہوگی- ماہ رمضان میں لیلتہ القدر کی ساعت کا انہیں مشاہدہ ہوا- حضرت قبلہ عالم نے مسز ہوگن کو ماہِ رمضان کے آخری عشرہ میں لیلتہ القدر کی ساعت کی نشاندہی کرنے کا حکم دیا- آخری رمضان میں (مسز ہوگن نے پورے رمضان کے روزے رکھے) مسز ہوگن میرے غریب خانہ پر آئیں اور ایک سر بمہر لفافہ مجھے دیا- کہ لفافہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کروں- میں نے خود بھی لیلتہ القدر کا مشاہدہ کیا تھا- یہ لفافہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں پیش کیا گیا- اس میں لیلتہ القدر کی نشان دہی تحریر تھی دیکھا تو مسز ہوگن نے صحیح ساعت کی نشاندہی کی تھی- حضور قبلہ عالم نے بھی اس کی تصدیق فرمائی- بالآخر مسز ہوگن حضور قبلہ عالم سے بے شمار انعامات سے مالامال کامیاب و کامران اپنے وطن روانہ ہو گئیں--- امریکہ جانے کے بعد مسز ہوگن اپنا ایک سہ ماہی رسالہ

MY SPIRITUAL EXPERIENCE

شائع کرتی رہیں جس میں حقیقی علم طریقت کے مضامین بھی شائع کرتی رہیں۔ اس رسالہ کا ایک نسخہ حضور قبلہ عالم کو بھی پیش کیا گیا۔ ہالی وڈ جا کر اس کے تین بیٹے اور ان کے بیوی بچے بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۵ (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۶۹)

اور وہ لوگ جو "خواہ مغرب میں ہوں" میری راہ میں جد و جہد کریں۔ البتہ میں انہیں "مشرق کے بُعد میں بھی" اصل راہ تک پہنچنے کے لئے راہنمائی کرتا ہوں۔۔۔ اور وہ اس میں کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں۔

حضور قبلہ عالم فیض باطنی عطا کرنے میں حد درجہ کریم و فیاض تھے۔ آپ خلقِ خدا کی ہدایت اور فیض حاصل ہونے میں "حریص" تھے۔ آپ کی خدمت میں کوئی بھی پیش ہوتا۔ آپ بغیر اس کی شخصیت دیکھے کچھ نہ کچھ ارشاد عنایت فرماتے۔ آپ ہر شخص کو انسانی حیثیت سے دیکھتے کہ انسان ضعیف ہے۔۔۔ اس پر اس کی عبدیت کا شدید بوجھ ہے جس کا انسان متحمل نہیں۔ انسان نے اپنی بغاوت و نافرمانی پر ایک دن شدید عذاب سے دوچار ہونا ہے۔۔۔ حضور کو انسانی تنزل و پستی کا شدید احساس تھا۔ اس لئے آپ انسانی فلاح کے لئے ہر لمحہ مستعد رہتے۔ آپ کسی شخص کی کوتاہی یا بد عملی پر اظہار نفرت نہ فرماتے۔۔۔ بلکہ ایسے لوگوں سے حد درجہ مروت و شفقت سے پیش آتے جس کا نتیجہ تھا کہ ایک شخص خواہ وہ دین سے کتنا ہی دور ہو۔ آپ کے حسنِ سلوک سے آپ کا گرویدہ بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں کوئی بھی شخص جو شرعی احکام کی تعمیل پر نہ رغبت رکھتا ہو۔ خود بخود احکام۔ نماز و درود پر عامل ہو جاتا ہے۔

درحقیقت اجرائے دین و قرآن میں قرآنی احکام پر کسی کو تعمیل کے لئے آمادہ کرنا۔۔۔ سوائے اس کے نہیں کہ ایک مبلغ کی شخصیت۔۔۔ اس کے کردار۔۔۔ اس کے اخلاق حسنہ سے۔۔۔ انسان متاثر ہو کر۔۔۔ دلی طور۔۔۔ خود بخود۔۔۔ احکام کی پیروی پر مائل ہو۔۔۔ یہ اخلاقِ حسنہ۔۔۔ یعنی انسانی کردار کا ایک خوبصورت پہلو ہے جس کا اثر انسانی قلب قبول کرتا ہے۔۔۔ یہی اثر حُب کہلاتا ہے۔ جو کسی انسان کے قلب میں لطافت پیدا کر کے اسے حق کی طرف مائل ہونے کی تحریک دیتا ہے جو انسان کے ہر حسین عمل کا محرک بن جاتا ہے۔۔۔ بغیر اس ذریعہ کے انسانی اصلاح و آمادگی تعمیل احکام میں اور کوئی ذریعہ موثر ثابت نہیں ہو سکتا۔ انسان انحراف کا عادی ہو جائے تو کوئی طاقت اسے جھکنے پر آمادہ کرنے میں

کامیاب نہیں ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالم ایسے ہی اخلاق حسنہ کا نمونہ تھے۔ کہ ایک شخص آپ کی مجلس میں تھوڑی دیر قیام کرے وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ آپ کی مجلس میں ہر نوع ہر مذہب کا آدمی۔ وہ کسی بھی عقیدہ سے تعلق رکھتا ہو۔۔۔ بلا جھجک شامل ہوتا۔۔۔ آپ سے کسی بھی طرز پر بحث ہو جائے۔۔۔ آپ کی طبیعت مکدر نہ ہوتی۔۔۔ آپ ہر شخص کو اس کی طبیعت کے مطابق خندہ پیشانی سے جواب دے کر مطمئن کر دیتے۔۔۔ خواہ کسی شخص کا ال بحث و مناظرہ کی صورت میں تلخ بھی ہو۔۔۔ یا آزمائش کے لئے ہو۔۔۔ آپ کسی کی سخت کلامی سے متاثر نہ ہوتے۔ بلکہ ملائمت سے ہر شخص کے سوال کا واضح دلیل کے ساتھ جواب دیتے۔ تو انسان آپ کی شخصیت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا۔ اور اس کے دل میں آپ کے لئے عزت و عقیدت کا جذبہ پیدا ہو جاتا۔۔۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجلس میں۔ ہندو۔ عیسائی۔ دہریئے۔ شیعہ۔ مادہ پرست۔ یا مختلف عقائد سے تعلق رکھنے والے لوگ غرضیکہ ہر مکتب فکر کا آدمی آزادی سے شامل ہو جاتا۔ چنانچہ ایسے لوگوں میں بعض غیر مذہب ہونے کے اور غیر مسلک ہونے کے باوجود حضور سے کچھ ارشاد کی استدعا کرتے۔ تو حضور بلا امتیاز ہر شخص کو اسکی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ ارشاد (وظیفہ یا درود شریف) عطا فرماتے جس کا نتیجہ تھا کہ ایسے لوگوں کے قلوب میں دین اسلام کی نورانیت بہ باطن سرایت کر جاتی اگرچہ ظاہراً وہ دین میں داخل ہونے کا اظہار نہ کرتے۔

ڈاکٹر ایس۔ کے۔ اتری درود خوان بن گئے

قبل ازیں ایک واقعہ بیان ہوا۔ یہ زمانہ غالباً ۱۹۴۰ء کا تھا کہ سری نگر شہر میں (امیرا کدل پل کے قریب) ڈاکٹر اتری ایک ہندو ڈاکٹر حضور قبلہ عالم سے جناب خواجہ عبد الکریم صاحب کی عینک خریدتے وقت بحث میں الجھ گئے۔ یہ ان کی ابتدائی محدود ملاقات تھی۔۔۔ بعد کے زمانہ کا واقعہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کا رسالہ ضبط منازل (منازلِ فقر بروکاز پریس سری نگر میں زیر طبع تھا)۔۔۔ میں (ڈاکٹر محمد رمضان) اور قبلہ سخی ولایت خان صاحب اس رسالہ کا پروف پڑھ رہے تھے کہ اتنے میں ایس کے اتری صاحب کا وہاں سے گذر ہوا۔ آداب و تسلیمات کے بعد میرے ہاتھ سے ضبط منازل کا نسخہ لے کر پڑھنے لگے۔ تو وجد میں آگئے اور کرسی پر بیٹھ کر ورق گردانی کرنے لگے۔ فارسی زبان کے ماہر تھے اور دنیا کے بہت سے ممالک کی سیاحت بھی کر چکے تھے۔ خود حقیقت کی تلاش کا دل میں جذبہ تھا۔ مطالعہ کے بعد روتے ہوئے کہنے لگے۔ گنگا ہمارے گھر میں بہہ رہی ہے۔۔۔ اور میں جاپان تک اس کی تلاش میں ہو آیا۔ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ درود شریف پڑھنے کی اجازت لی اور

باقاعدہ مریدوں میں شامل ہوگئے۔ حضور نے انہیں درود شریف پڑھنے کی اجازت دے دی۔ قطع نظر اس کے کہ یہ شخص ہندو ہے۔ دین اسلام میں بھی داخل نہیں--- بس اتنا ہی کافی تھا کہ حضور کی خدمت میں انتہائی عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئے۔ دل میں ایک اثر پیدا ہوا۔ درود شریف کی اجازت مانگی--- اس حال میں کہ اتری صاحب خود کو ہندو سمجھتے تھے۔ اسلام سے دور کا واسطہ نہ تھا مگر دل نے درود شریف لینے پر مجبور کر دیا۔ ہاں! ایک جذبہ تھا نہ معلوم اس جذبہ میں کیا تاثر تھا--- اس جذبہ کے تاثر کی ظاہری کوئی شکل نہیں کہ پہچانا جائے یہ تو لطیف تاثیر ہے جسے روحانی لطافت کہا جاتا ہے۔ شاید اس جذبہ اور تاثیر کے لئے شرط اسلام نہ ہو--- یا یہی جذبہ اسلام سے تعبیر ہو--- اتری صاحب نے درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ تو قلب کھل گیا۔ مشاہدہ نوری شروع ہوا۔ درود پڑھا۔ انوار کا مشاہدہ ہوا--- درود میں تو نور محمدی ﷺ کے انوار ہی ہوتے ہیں--- قلب پاک ہوا تو انہیں انوار میں زیارت رسول صلی اللہ علیہ وسلم شامل ہوتی ہے--- ہاں! مگر قرآن واضح بیان دیتا ہے:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ
كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ٥

اللہ تو صرف اپنے دوست ہی کو اندھیرے سے نکال کر نور میں مقام دیتا ہے--- اور اس کے برعکس اسلام سے انکار کرنے والے کے لئے نور کا میسر ہونا ممکن نہیں--- ڈاکٹر اتری صاحب نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور حضور قبلہ عالم کی عظمت کو تو تسلیم کر لیا اور حکم قرآنی کے تابع درود پڑھ لیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا--- اتری صاحب نے یہی دعا کی کہ رحمت بھیج ہمارے سردار اور ہمارے مددگار پر--- اس کا نتیجہ--- ظاہر ہے--- اظہر من الشمس--- کوئی فسانہ نہیں--- "ہاتھ کنگن کو آرسی کیا" شخصیت خود دلیل ہے--- اتری صاحب کو مشاہدہ نوری ہوا۔ اتری صاحب مشاہدہ کرتے رہے اور اکثر میرے پاس آکر اپنے مشاہدات بیان کر کے ان کی اصل کیفیت کا علم حاصل کرتے رہے۔ یہ واقعہ حضور قبلہ عالم کی محبوبیت اور عالی مرتبت اور اولوالعزمی کی دلیل ہے۔

پنڈت جیا لعل کا بیعت ہونا

ایک ہندو پنڈت جیا لعل صاحب کوآپریٹو سٹور (سیلو گاؤں) میں اکاؤنٹنٹ تھے۔ حضور قبلہ عالم کے اوصاف حمیدہ دیکھ کر ایسا گرویدہ ہوئے کہ عام مریدوں کی طرح بیعت ہوئے--- درود شریف کی اجازت لی۔ مراقبہ میں درود شریف پڑھنے لگے--- اب بھی بقید

حیات ہیں--- اور حضور قبلہ عالم کے عرس مبارک میں ہر سال شامل ہوتے ہیں--- رات بھر شب بیداری میں درود شریف۔ مراقبہ میں پڑھتے ہیں--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ مقدس سن کر درود پڑھتے ہیں۔ جیسے ایک مومن صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتا ہے۔ مگر ماتھے پر تلک لگاتے ہیں۔ خود کو ہندو پنڈت ظاہر کرتے ہیں--- مجلس میں ایک دن پنڈت جیالعل صاحب نے وجد میں آ کر یہ شعر پڑھا۔ "اسم احمد از ہمہ آفاق اولیٰ تر است" مگر کوئی کیا بتائے کہ پنڈت صاحب کو اس شعر میں کیا نظر آیا--- ہاں یہ ایک راز ہے جو اسے حضور پُر نور الحاج محمد امین صاحب نے بتایا--- تو یہ راز پنڈت جیالعل صاحب اور حضور قبلہ عالم کے درمیان راز ہی رہے گا۔

بھلا یہ بھی ہو سکتا ہے--- کہ بغیر دین میں داخل ہوئے۔ بغیر کلمہ پڑھے ایک غیر مسلم کو درود شریف پڑھنے کی اجازت دی گئی جو درود شریف پڑھتا ہے۔ مراقبہ کرتا ہے مشاہدہ کرتا ہے-- فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى - اللہ نے اپنے بندے پر وحی کی۔ جو چاہا--- اس وحی کا ذکر نہیں--- کیا چاہا--- یہ راز ہے--- جو نہ قرآن میں آیا--- نہ احکام میں آیا--- نہ تعمیل احکام۔ جزا سے اس کا تعلق ہے۔ یہ بھی تو راز ہے--- جو اللہ اپنے محبوب بندہ پر وحی کرتا ہے--- جو راز ہی رہے گا--- شاید اسی راز کی ایک جُز ہو--- جو شرط تعمیل احکام شرعی سے سوا بھی--- وحی ہوتی ہے تو یہ راز ہمیشہ راز ہی رہے گا جو صاحبِ حال پر ہی کھل سکتا ہے:

میانِ عاشق و معشوق رمزیست
کراماً کاتبین راہ ہم خبر نیست

پنڈت جیالعل صاحب نے حضور قبلہ عالم کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ہاں! بیعت کی--- بیعت سے مراد--- میں نے اپنی جان ہی--- رضائے الٰہی، رضائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک راہبر کامل و اکمل کے ہاتھ پر فروخت کر ڈالی--- میں--- میں نہ رہا--- میں کسی غیر خدا کی ملکیت نہ رہا--- ایک غلام ہوں--- جو بک گیا-- جسے قرآن نے عبد کہا--- عبد ہوا تو قصہ ختم ا--- قرآن کا مقصد واضح ہے۔ وَاَنِ اعْبُدُوْنِیْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ! اور میرے غلام بن جاؤ یہی صراط مستقیم۔ سیدھا راستہ ہے--- اس کے بعد اور کیا باقی رہا جس کا اقرار کیا جائے۔ جس کی طلب کی جائے--- جسے مقصد زندگی بنایا جائے--- اپنی جان بیچ ڈالی--- غلام بن گئے۔

یہ ایک غور طلب نکتہ ہے--- کہ بیعت کس طرح ہوتی ہے--- کہ ولی، ولیٔ اکمل

ہو۔۔۔صاحبِ معرفت۔۔۔ صاحبِ اختیار۔۔۔ جسے چاہے دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرے۔۔۔ تو اسے قبول کیا جائے۔۔۔ ہاں ایک انسان کے لئے اولاً اسلام قبول کرنا شرط ہے۔ مگر ولی اکمل صاحبِ اختیار۔۔۔ مقامِ محبوبیت پر فائز ایک شخص کو بغیر دین میں داخل ہوئے، بیعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے۔۔۔ تو اسے بھی قبول کیا جاتا ہے۔۔۔ یہ بیعت صرف رجسٹر میں نام درج کرانا نہیں بلکہ حقیقت میں بیعت ہے۔۔۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ہستی کی سفارش قبول فرمائیں۔ یہ مقامِ محبوبیت ہے۔ جو حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کی ذاتِ عالی کو عطا ہوا کہ آپ کی سفارش پر غیر مسلموں کو بھی قرب و دیدار سے نوازا جاتا ہے۔

لے کے دلو رام کو جنت میں حضرتؒ جب گئے
غُل ہوا ہندو بھی محبوبِ خدا کے ساتھ ہے

(ایک ہندو شاعر کا شعر)

حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دربار میں جو بھی طالبِ حق آیا۔۔۔ آپ نے کبھی اس سے استفسار نہ کیا کہ پہلے کس کے مرید تھے؟ پہلے بیعت کی ہے یا نہیں۔۔۔ یا یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شخص کسی سلسلہ کے پیر سے بیعت ہے تو آپ نے یہ شرط نہ لگائی کہ پہلے پہلی بیعت فسخ کرو اور ہماری بیعت کرو تو تب وظیفہ دیا جائے گا۔۔۔[1] نہیں۔۔۔ ایسا کبھی نہ ہوا۔۔۔ آپ ہر شخص کو بلا تحقیق و استفسار درود شریف بتاتے اور اس امر کی پابندی نہ فرماتے کہ سلسلہ اویسیہ کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اس حالت میں بھی ایسے طالب حضوری ہو جاتے اس کے بعد بھی کسی پر پابندی نہ رکھتے کہ حضوری ہونے کے بعد سلسلہ اویسیہ میں داخل ہو جاؤ یا ہماری بیعت کرو۔ بلکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ کوئی درود شریف کی اجازت لے کر بیعت ہونے کی خواہش کرتا۔۔۔ تو آپ فرماتے فی الحال درود شریف پڑھو جب زیارت ہو جائے پھر بیعت کرنا۔۔۔ ایسا ہی ہوتا کہ لوگ بغیر بیعت کے چند دنوں میں حضوری ہو جاتے۔ اب یہ فیصلہ ایک شخص کی فہم پر موقوف ہے کہ وہ حق و باطل کی تمیز کے ساتھ حق کو قبول کرے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور قبلہ عالم کی خدمت میں ہندو غیر مسلم بھی فیض یاب ہوتے۔ ایسے ہی اکملینِ زمانہ گنہگار انسانوں کی مدد کے لئے ہی

---

[1] سلسلہ اویسیہ میں داخل ہونے کی حضور سے کوئی شرط نہ تھی۔ نہ تربیت یا رہبری حاصل کرنے کے لیے سلسلہ کی پابندی تھی۔

مقرر ہوتے ہیں---! --- یہ بھی تو مقام شفاعت ہے!

حبیب آخون کی وفات پر دستگیری

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر قدم بوسی کے لئے حاضر ہوا--- حضور کلام فرما رہے تھے--- دوران کلام حضور نے فرمایا "نہیں اس کو ساتھ لے جاؤ۔ اپنے سے جدا مت کرو۔ "میں نے عرض کی کہ حضور ہماری گفتگو کے ساتھ اس جملے کا ربط نہیں---؟--- فرمایا لنگیٹ (گاؤں) میں ایک مرید حبیب آخون جان کنی کی حالت میں تھا--- شیطان اس کے ایمان کے درپے تھا ہم نے اسے حکم دیا کہ ایمان کا چولہ (لباس) شیطان کو نہ دے--- شیطان ناامید ہو کر بھاگ گیا--- اس سلسلہ میں ظاہراً کلام ادا ہوا--- حضور اسی وقت لنگیٹ روانہ ہوئے--- تو حبیب آخون وفات پا چکے تھے۔ حضور نے خود اپنے مرید کا جنازہ پڑھایا اور سپرد خاک کیا--- یہ بھی شفاعت ہی کی ایک ادا ہے۔ جانو کسی مرد اکمل کی خصوصیت!--- اور اس کے کمالاتِ باطنی کو--- پہلے تسلیم بالغیب تو کرو--- ایمان لاؤ--- پھر جھک جاؤ--- سر تسلیم خم کرو--- اپنی "انا" کو ذبح کرو--- انکار کی عادت ترک کرو--- ولی اکمل کی عظمت پہچان لو--- پھر خود مشاہدہ کرو--- یہ امر بغیر تسلیم اور سر جھکانے کے سمجھا پہچانا نہیں جاتا۔

اچھا ہے دل کے پاس رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

ہاں یہ کمال ہے کہ ایک ولی اکمل محبوبیت کی صفت کے تابع یہ اختیار رکھتا ہے کہ جسے چاہے علم عطا کرے۔ جسے چاہے--- جب چاہے معرفت میں کامل کر دے۔ مقام ولایت، جہد و علم پر منحصر ہے۔ مگر اس کا حصول ولیٔ اکمل کی ذاتی خصوصیت پر بھی منحصر ہے--- "ولی چاہے تو سب کچھ کر سکتا ہے"--- ہاں! اس "کرنے" میں ولی کی ذات--- اس کا ظاہر "بشر" ہے--- مگر باطن۔ فنا کے مقام پر "گفتۂ او گفتۂ اللہ بود" کے مصداق ہوتا ہے۔ ولی کائنات کے ہر گوشہ پر اپنی دسترس رکھتا ہے۔ مرتبۂ صدیقی پر بحیثیت قطب الاقطاب زمین پر امور کی انجام دہی۔ ولی کے حکم کے مطابق ہوتی ہے کیونکہ عالم کے تمام خزانوں کی کنجیاں (چابیاں) ولی کے ہاتھ میں دی جاتی ہیں۔

معجزات انبیاء کی حقیقت

حضور کبھی کرامات کو اہمیت نہ دیتے۔ فرماتے ہیں کرامات ولایت میں شامل نہیں۔

کرامات ناسوتی عمل ہے جن کا تعلق مقامات ناسوتی سے ہے۔۔۔ گذشتہ انبیاء کے معجزات کی نوعیت بھی ناسوتی تھی جن میں حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا موم ہو جانا۔۔۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا کا مسخر ہونا۔ وحوش وطیور کا کلام سمجھنا۔۔۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔۔۔ ید بیضا۔۔۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بیماروں کو اچھا کرنا۔۔۔ پرندوں میں روح پھونک کر زندہ کرنا۔۔۔ مردے زندہ کرنا۔۔۔ یہ کمالات ناسوتی ہیں۔ ایسے کمالات دراصل ان کی خصوصیات نبوت میں شامل ہیں۔ صرف ان کی نبوت کے لئے بطور دلیل مافوق الفطرت مظاہرات کا اظہار کرنا تھا کہ ان کمالات سے ان کی نبوت ثابت کرنا مقصود تھا۔ بہ الفاظ دیگر نبوت کو رسالت کی دلیل کے طور پر استعمال کرنا کہ ایک ہستی مامور من جانب اللہ۔۔۔ کلام الہیٰ۔۔۔ احکام الہیٰ۔۔۔ معرفت الہیٰ کی تکمیل کرانے والی ہستی۔ قابل اتباع ہے۔۔۔ اور معجزات کو نبوت کی دلیل میں اس لئے پیش کیا گیا کہ زمانہ اور اقوام۔ مامور من جانب اللہ و رسول کی یُؤْمِنُونَ بِالْغَیْبِ۔ کی صورت میں اتباع کریں۔ اس لئے کرامات کا اظہار محض قوموں کے عقائد و نظریات یا واردات و واقعات کے مطابق اظہار تھا۔ یعنی ہر قوم میں ان کے عقل میں آنے والے کمالات سے بالاتر کمال کا اظہار کرنا۔۔۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بغیر کیمیاوی ترکیب کے لوہا موم ہونا۔۔۔ مافوق العقل۔۔۔ ناممکنات سے تعبیر تھا۔ اس لئے یہ دلیل پیش کی گئی کہ انسانی تحقیق سے ماوریٰ ایسے واقعات کا اظہار روحانی اعتبار سے ایک ہستی کا من جانب اللہ روحانی قوت کا حامل ہونا ایک نبی ہونے کی دلیل ہے اور نبی سے مراد ایک عظیم روحانی قوت کی حامل شخصیت اس امر کی اہل ہے کہ وہ انسان کو حقیقت کی طرف لانے کی صلاحیت رکھتی ہے جس سے وہ انسان کو معرفتِ حقیقی کی تکمیل کرانے کی دعویدار ہے۔ اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا ہوا مسخر کرنا۔ پرندوں اور حشرات الارض کا کلام سننا یا ان سے کلام کرنا وقت کے محققین کے طبی کمالات کے مقابلہ میں ان کے نزدیک ناممکن عمل کو ممکن کر دکھانا۔ نبوت کی دلیل تصور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر اپنے عروج پر تھا۔ جب ہی تو ساحروں سے مقابلہ ہوا اور ساحروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو ناممکن اور مافوق العقل جان کر، آپ کی نبوت پر ایمان لائے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب اور حکمت عروج پر تھی۔ ان محققین کے نزدیک برص کے مریض کا صحت مند ہونا، ناممکنات میں سے تھا۔ اس کے مقابل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے طبی اصولوں کے مطابق معجزات کا مظاہرہ کیا جو ان کے لئے مافوق العقل متصور ہوتا تھا۔۔۔ اور چونکہ گذشتہ دور میں ایک نبی ایک واحد قوم

کے لئے مبعوث ہوتا۔۔۔ اس لئے اس قوم کے کمالات کے مطابق ہر نبی کو معجزات دیئے گئے۔۔۔ اور یہ معجزات ایک نبی کی سیرت کی نشاندہی کرتے تھے۔ اس لئے جن میں قبولیت کا مادہ ہوتا وہ انہیں قبول کرتے اور اکثر اپنی نفسانی خواہشات کے زیر اثر اس کے ماننے سے انکار کرتے۔۔۔ بہ الفاظ دیگر ہر نبی اپنی سیرت کی دلیل میں معجزات کو ہی وجہ دلیل پیش کرتا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ روئے زمین کی تمام مخلوق کے لئے مبعوث کئے گئے۔ جبکہ اس زمانہ میں گذشتہ زمانوں کے تمام علوم و کمالات انسانی ذہن میں جمع ہو چکے تھے۔ جس کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو جامع کمالات بنا کر بھیجا گیا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے گذشتہ انبیاء کے کمالات و معجزات کے مقابلہ میں۔۔۔ محض مافوق العقل معجزات کو وجہ دلیل نبوت قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ وَلَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ حضور ﷺ کے ذاتی کردار و عمل کو وجہ دلیل نبوت قرار دیا گیا۔۔۔ یہ کردار معجزات سے کہیں افضل تھا۔ وہ خصوصیت آپ ﷺ کی رسالت سے قبل کی زندگی تھی۔ جو اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کی صورت میں پیش کی گئی۔ آپ ﷺ کو ملکوتی کمالات کا حامل قرار دیا گیا۔ اس لئے قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ناسوتی کمالات یا معجزہ کا ذکر نہیں کیا۔۔۔ سوائے اس کے کہ کفار کے سوال پر کہ گذشتہ انبیاء نے اپنی نبوت کی دلیل میں۔ لوہے کا موم ہونا۔ ہوا کا مسخر کرنا۔ عصاء کا اژدہا بننا۔ ید بیضا۔۔۔ بیماروں کا صحت مند ہونا۔۔۔ مردے زندہ کرنا۔۔۔ ان ہی کمالات کے تصور کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات طلب کئے۔ مگر یہ بات سمجھنے کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تبلیغ میں بجائے خود کوئی معجزہ اپنی نبوت و رسالت کی دلیل میں پیش نہیں کیا۔ سوائے اس کے کہ آپ کی ذاتی شخصیت کو امین و صادق کی حیثیت میں تسلیم کیا گیا۔ ظاہر ہوا اُمت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں علماء امت کے لئے بھی ناسوتی کمالات کا اظہار سنت کے مطابق لازم نہیں۔ سوائے اس کے کہ ایک ولی کے دعویٰ ولایت کے لئے اس کی شخصیت کا اہم ہونا۔ اور اِنَّکَ لَتَھْدِیْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ کے حکم کے تحت کمالات ملکوتی میں مشاہدہ عالم ملکوت، جبروت، لاہوت کی سیر کے ساتھ معرفت الٰہیٰ کی تکمیل کرانا ہے تاہم یہ امر مسلمہ ہے کہ ولی اس حال میں بھی کرامات ناسوتی کا حامل ہوتا ہے۔ گذشتہ انبیاء نے اپنی رسالت کی دلیل میں پہلے اپنے نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ نبی سے مراد۔۔۔ میں مامور من جانب اللہ ہوں۔۔۔ مجھے تمام اسرار الٰہیٰ کا علم و مشاہدہ حاصل ہے۔۔۔ مجھے معرفت الٰہیٰ میں مقام فنا و بقا حاصل ہے۔ یہی نبی کے معنی ہیں۔۔۔ کہ میں صاحب مشاہدہ ہوں۔۔۔ اسی صفت سے

مجھے فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی کے وعدے کے مطابق اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست یا فرشتہ کے ذریعہ ہدایت وحی کی جاتی ہے۔ لہذا میرا کلام اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے۔ اس اعتبار سے میں رسول اللہ ہوں۔ ان احکام کی اتباع کرو--- میری اتباع کرو--- میں تمہیں اسی ضابطۂ ہدایت کے ذریعہ علم دوں گا--- تمہارا تزکیہ کروں گا اور اسرار الہیٰ اور معرفت الہیٰ کی بالمشاہدہ تکمیل کروں گا--- یہی انسانی زندگی کا واحد مقصد ہے۔ سو ہر نبی و رسول نے اپنی امت کو یہی تعلیم دی ہے۔ یہی مشاہدہ کرایا--- یہی اتباع کلام الہیٰ شریعت سے تعبیر ہے۔ یہی طریقت معرفت سے تعبیر ہے۔ یہی دین اسلام ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ یہی دین--- یہی شریعت یہی طریقت حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی--- جس میں تمام عالم انسانی کے لئے ضابطہ ہدایت قرآن کی شکل میں نازل ہوا--- جو بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ ازل سے اللہ تعالیٰ نے مرتب کر کے عالم نوری میں ایک خزانہ میں محفوظ کر رکھا تھا۔ جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ تصدیق کرنے والی کتاب ہے۔ توراۃ اور انجیل کی--- توراۃ و انجیل دلیل دیتی ہے اپنے حق ہونے کی کہ یہ علم قرآن کے اجزاء سے ہے۔ دیکھو قرآن بھی یہی کچھ بتاتا ہے جو ہم پہلے بتاتے رہے--- اور گذشتہ انبیاء نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم ملکوت میں مشاہدہ کیا کیونکہ اسرار الہیٰ صراط اللہ کا راستہ عالم ملکوت سے ہو کر جاتا ہے۔ جہاں کُنْتُ نَبِیًّا کَانَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ۔ اللہ تعالیٰ نے اسرارِ الہیٰ کا متعین راستہ صراطِ اللہ ازل سے مقرر کیا تھا۔ جس میں عالم ناسوت۔ عالم ملکوت۔ عالم جبروت۔ عالم لاہوت۔ مقامات متعین تھے۔ ان ہی مقامات کے سیر و مشاہدہ سے نبی۔ نبی کہلاتا ہے۔ اس لئے ہر نبی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت محمدی کی پیشگوئی کی کہ ایک نبی آخر میں آنے والا ہے۔ جو تمام عالم انسانیت کے لئے ہادی بن کر تشریف لائیں گے۔ ان کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نشاندہی کی کہ فاران کی چوٹیوں سے ایک چمکتا ہوا نور ظاہر ہوگا۔ جن کی جلو میں ایک لاکھ چوبیس ہزار قدسی ہوں گے۔ جو قیامت تک انسانوں کے لئے ہدایت پہنچائیں گے--- یہ شمع بردار پروانے۔ علمائے امت میں نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حامل شریعت، حامل طریقت اولیاء ہوں گے۔ جن کی تبلیغ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق--- امین و صادق شخصیت کے ذریعہ ہوگی۔ علمائے امت کے لئے بھی کرامات ، کمالات۔ وجہ دلیل ولایت نہ ہوگی۔ بلکہ ذاتی شخصیت اور کمالات ملکوتی۔ معرفت الہیٰ کا عطا کرنا اصل ہوگا۔

پیشتر بیان ہوچکا کہ جملہ طریقت کے سلسلوں میں عالم ناسوت کے منازل طے کرنا لازم ہے اس لئے ان منازل میں ایسی کرامات کا صدور لازمی ہے مگر سلسلہ اویسیہ کے طالب کو عالم ناسوت سے پھلانگ کر گذرنا ہوتا ہے۔ اس حال میں بھی اس کے لئے یہی صورت ہے کہ وہ ان کرامات کا حامل ہوتا ہے مگر یہ کرامات عالم ناسوت کی حدود میں رہ کر جائز ہیں۔ عالم ملکوت میں آدب۔۔۔ آدب۔۔۔ آدب ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ ایک لمحہ دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فارغ نہ رہنا۔۔۔ ایسی صورت میں عالم ملکوت کے داخلہ کے بعد ناسوتی کمالات کی نہ گنجائش ہے۔ نہ موقع۔ سوائے کمالات ملکوتی کے کہ ایک طالب کو عالم ملکوت میں داخل کر کے معرفت الہیٰ میں کامل اکمل کر دینا۔۔۔ یہی خصوصیت حضور قبلہ عالم کی تھی کہ آپ ہر لمحہ دیدار رسول اللہ صلی علیہ وسلم و دیدار الہیٰ میں مستغرق رہتے۔۔۔ سو لازم ہے کہ ولی اپنے فنا میں مقام ملکوتی۔ جبروتی، لاہوتی میں ہی طالب کو لے جاتا ہے۔۔۔ ہاں اس کے لئے ابتداء میں اپنی ذاتی شخصیت ہی وجہ دلیل ولایت لازم ہوتی ہے۔

سید عبدالخالق اندرابی کا واقعہ

حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سید عبدالخالق صاحب محکمہ تعلیم میں مدرس تھے۔ ایک دن قصبہ سوپور (جو حضور کے آستانہ عالیہ سے تقریباً پچیس تیس میل دور ہے) کے بازار میں چل رہے تھے۔ اچانک ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ کئی دنوں سے حضور قبلہ عالم سے ملاقات کا موقع نصیب نہ ہوا۔ دل میں حضور کی قدم بوسی کی شدید تڑپ محسوس ہوئی۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ حضور قبلہ عالم سامنے دکھائی دیئے۔ آپ نے پوچھا بلانے کا کیا سبب ہوا۔ عرض کی کہ حضور سے ملاقات کی تمنا تھی۔ آپ نے فرمایا۔۔۔ لو ہم حاضر ہیں جب چاہو یاد کرو ہم حاضر ہو جائیں گے۔ اسی عالم میں حضور نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ یہ حضور کے کمالات کی ایک جھلک تھی۔۔۔ جانو۔۔۔ یہ کمال بھی ناسوتی ہے۔ اسے طے مقام نے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس کیفیت کو قرآن نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں بیان کیا ہے۔

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَہٗ عِلْمٌ مِّنَ الْکِتٰبِ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ فَلَمَّا رَاٰہُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَہٗ قَالَ ھٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ (پارہ ۱۹۔ سورۃ ۲۷ آیت ۴۰)

حضرت سلیمان نے اپنے درباریوں سے کہا کوئی ہے ملکہ صبا کا تخت اس کے یہاں پہنچنے سے قبل پہنچا دے تو ایک عفریت (جن) نے کہا میں جب تک آپ کھڑے ہوں تخت حاضر کر

دوں گا۔ مگر ان میں ایک شخص تھا جسے میں نے اپنا علم (معرفت) دیا تھا کہا آنکھ جھپکنے میں تخت آجائے گا۔ بس آنکھ جھپکنے میں وہی تخت ہزاروں میل دور مقام سے اٹھا کر دربار میں لایا۔۔۔ یہ ایک کیفیت ہے کہ مادی وجود کو ناری ہئیت میں توجہ سے تبدیل کر کے منتقل کر دیا۔ سو جس نے اپنی روح حیوانی کو نُوری ہئیت میں فنا کر دیا اس کی ہئیت جسمانی نُوری ہئیت اختیار کر جاتی ہے اور یہ جسم ایک آن میں مشرق سے مغرب تک انتقال کر جاتا ہے۔ یہ ایک ولی کی سیرت میں اس کے جسمانی کمال میں شامل ہے کہ ولی تزکیہ نفس سے خاکی جسم کو ناری ہئیت میں تبدیل کرتا ہے تو وہ ناری نوری صفات کا حامل بن جاتا ہے۔۔۔ مکتوبات چشتیہ میں ذکر ہے کہ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اجمیر شریف میں استغراق میں بخارا کا خیال فرماتے۔ آنکھ کھولتے تو خود کو بخارا میں پاتے۔۔۔ آپ کے تزکیہ نفس کے متعلق ذکر ہے کہ آپ رات کو مسجد کی چھت پر مسجد کے کنگرے کو پکڑ کر تصور و مراقبہ کرتے۔ اس حال میں کہ اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو نیچے گر جائیں۔ اس طرح ساری رات عبادت میں گذارتے۔ یہی کیفیت حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی تھی۔ کہ حصولِ معرفت میں آپ نے کٹھن مجاہدات سے کام لیا۔ ساری رات کھڑے ہو کر عبادت کرتے۔ دنوں۔ مہینوں۔ فاقہ سے گذارتے جس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ اپنے مریدوں کی پکار پر ان کے پاس بجسم پہنچ جاتے۔

جسمانی حیثیت میں بھی۔۔۔ روحانی حیثیت میں بھی وہ قدرت رکھتے تھے کہ روح حیوانی سے فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ کی ترکیب کے ساتھ ایک مثالی جسم کے ساتھ اپنے پکارنے والے کے پاس پہنچ جاتے۔ یہ مبالغہ نہیں بلکہ انسانی فطری تخلیق کا خاصہ ہے کہ وہ ان کمالات پر قدرت رکھتا ہے۔۔۔ یہی کیفیت حضور قبلہ عالم کی تھی۔۔۔ کہ آپ کی ذات زمان و مکان کی قید سے آزاد تھی۔ راتوں کو اپنے حجرے سے غائب رہتے جبکہ دروازے کھڑکیاں مکمل طور پر بند ہوتی تھیں۔ بہر نوع یہ کمالات حضور قبلہ عالمؒ کے ادنیٰ کمالات میں شامل ہیں۔ مگر آپ نے ایسے کمالات کا اظہار نہ فرمایا۔ بجائے اسکے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کے تابع کمالات ملکوتی کے بدرجہ اتم حامل تھے۔۔۔ کہ ولایت میں آپ کی ذاتی شخصیت کو وجہ دلیل ولایت سمجھا گیا۔ آپ کے دعویٰ ولایت میں آپ کو ولی اکمل اور قطب الاقطاب کا درجہ حاصل تھا۔ اور آپ ایک طالب کو چند ساعتوں میں حضوریٔ اجلاس محمدی ﷺ کر دیتے۔ آپ کے خلفاء میں بھی جناب عبدالکریم صاحب زرگر، راجہ سخی ولایت خان صاحبؒ، ارسلان خان صاحبؒ اور بھی کئی مرید معرفت الٰہیٰ میں ولی مکمل اور ولی اکمل کا درجہ رکھتے ہیں اور

مجلس مشاورت کے ارکان میں قطب العالم۔ قطب الارشاد۔ قطب سلاطین کے مدارج پر فائز ہیں۔ ان میں حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں معزز خاتون گلنساء بیگم بھی قطب العالم، ولی مکمل کا درجہ رکھتی تھیں۔ حضور قبلہ عالم نے انہیں بیعت کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔ ان اکابرین اولیاء نے کثرت سے لوگوں کو سلسلہ اویسیہ میں داخل کر کے حضوری کیا۔ بلکہ اونچے مراتب تک پہنچا دیا۔۔۔۔ بلکہ حضور کے ادنیٰ مریدوں کو بھی یہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ جو شخص ایک بار سلسلہ میں آپ سے بیعت ہو کر درود شریف پڑھتا ہے، اُسی آن حضوری ہو جاتا ہے۔ ایسا ہی شخص ابتدائی قدم پر اگر خود کسی شخص کو صرف درود شریف دے۔ اس میں خود ایک طالب کو اجلاس محمدی ﷺ میں پیش کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور ایسا شخص بھی کسی طالب کو حضوری کر سکتا ہے۔ حضور قبلہ عالم نے منازل فقر میں اس کیفیت کو بیان کیا ہے۔

از برائے حاصل حقُ الیقین ۔۔۔ باشد وجُودِ اولیاء اندر زمین
زیں سبب حاصل نہ شُد حق الیقین ۔۔۔ تو بکوری ماندہ اے بے یقین
تُو نہ بینی باش تو بے جان خشت ۔۔۔ نُورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت
کہ نہ بیند نُورِ مرداں از خدا ۔۔۔ منکرے را ایں چنیں باشد سزا
دردل من تو نہادی ایں یقین ۔۔۔ صد ہزاراں شکر تو اے ربّ دیں
ہست پیشِ قلبِ من یک سر عیاں ۔۔۔ الاناں ایقان گشتہ آں جہاں
کز عنایت پیر اکمل پُر شدہ ۔۔۔ جُزِ من از کُلّ او کُلی شدہ
نے چو پیرے عرض کیسہ درنہاں ۔۔۔ پیر باشد مثل پیرمن عیاں
ظاہرش اندر نماز و بس نیاز ۔۔۔ مثل زنبیلے گدایاں بس دراز
تا نباشد خالی از حلوا شبے ۔۔۔ نظر شان برانکہ آید مرغ کے
گشتہ خالی قلب جان از جلوہ جان ۔۔۔ اے بسا کہ از نیاز حلوہ خواں
تا نہ باشد نُورِ حق را پوششے ۔۔۔ باید اے یاراں دریں راہ کوششے
باش گریاں زار زارو۔ زارو زار ۔۔۔ در شبے تاریک ساعت ہا دراز
ریز داز دریائے حق دُرِ یتیم ۔۔۔ تا بجوش آید تبو کانِ قدیم
یابی از انوار حق بیروں دروں ۔۔۔ پُر شود از لعل او قلب دروں
حصہ کو دارد کہ ہست حق الیقین ۔۔۔ ایں سخن پایاں نہ دارد اے امین
تا بیابی حکمت از صنعے جلال ۔۔۔ حاصل ایں آید کہ اے مصل کمال

که روی درپیش کامل راہنما ◆ پرکنی کاسہ زخم اوچوں گدا
طالب حکمت شو ازمردِ حکیم ◆ تاازو گردی تو بینا و علیم
میکنی تسلیم جاں راپیش او ◆ گردی ازدریاءِ حق چوں شمس رو
یابی از توحید یزداں راز ہا ◆ آں زماں کاموختی پرواز ہا
لیک تعلیت بنا شدگرد ہین ◆ پیش اکمل باش از لغنہ رہین
ہست اندر دورئے مردِخدا ◆ گویا کہ از حق شدن باحق جدا

حاصلِ اس کلام کا یہ ہے کہ حصول معرفت میں ایک ولی اکمل صاحب ولایت کا ہونا ضروری ہے۔ بغیر ولی کامل کی راہنمائی کے صراط مستقیم کا حاصل ہونا ممکن نہیں۔ ایسا ہوتا آیا ہے کہ فقر کی راہ میں۔۔۔ چوراہوں پر فقر کا لبادہ پہنے گندم نُما جو فروش تمہیں بہت ملیں گے مگر ان فقیروں کا لباس فقیرانہ ہے۔ ان کے اندر خواہشات نفسانی کی حرص و ہوس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ قرآن و حدیث کا وعظ بھی سناتے ہیں۔ انکے ظاہری چہرے۔۔۔ خوبصورت۔ سرخ و سفید۔ ریش سفید و دراز۔ ایسے ہیں۔ کہ ان پر ولی اللہ ہونے کا گمان ہوتا ہے مگر ان کے سینے نُورِ ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ ناسوتی کرامات بھی دکھاتے ہیں۔ بزعم خود۔۔۔ یہ خود کو ولی سمجھنے کا دھوکہ بھی کھاتے ہیں۔ یہ فقیر علم ولایت سے بے بہرہ، بے خبر۔ خود کو بھی دھوکہ دیتے ہیں اور طالبان حق کے لئے راہیں مسدود کر دیتے ہیں۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَمَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِيۡنَ ۘ‏ يُخٰدِعُوۡنَ اللّٰهَ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا ۚ وَمَا يَخۡدَعُوۡنَ اِلَّآ اَنۡفُسَهُمۡ وَمَا يَشۡعُرُوۡنَؕ‏
(پارہ اول سورۃ البقرہ آیت ۸-۹)

اور لوگوں میں سے بعض ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور قیامت پر۔ یہ ایمان نہیں لائے۔ بلکہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ایمان والوں کو۔ نہیں دھوکہ دیتے مگر خود اپنے آپ کو مگر انہیں شعور نہیں۔۔۔ یہی کیفیت ان نام نہاد فقراء کی ہے جو کہتے ہیں ہم ولی ہیں۔۔۔ ہم سے معرفت حاصل کرو۔۔۔ انہوں نے ایک کثیر خطۂ زمین پر قبضہ جمایا ہوتا ہے۔۔۔ اونچے قبوں والے مزار کو قمقموں۔ بلوری فانوسوں۔ قبر پر زری چادروں کے چڑھاوے سے عود اور اگربتیوں کی خوشبوؤں سے جنت نما بنایا ہوتا ہے جہاں سادہ لوح عوام الناس عقیدت و احترام میں اپنے دل پیش کرتے ہیں۔ اپنی دولت پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ پستر دل فقراء یہ جانتے ہیں اپنے باطن میں۔۔۔ کہ یہ سب دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اسکے باوجود وہ لوگوں کو دعوت حق دیتے ہیں۔ حاجت مندوں کی حاجتیں پوری کرنے میں انکے سروں پر دستِ آز (حرص) پھیرتے ہیں۔ انکے سجدوں کو قبول کرتے ہیں۔۔۔ افسوس کہ وہ اصول

آدابِ طریقت سے بے خبر--- دلیری سے مسندِ طریقت پر بیٹھکر فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں--- جانتے نہیں--- مگر جانتے ہیں کہ اس مکروفریب کے نتیجے میں ہم نے اللہ کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ مگر دلیر اتنے ہیں کہ خوفِ قیامت کی پرواہ نہیں کرتے۔ بعض جاہل۔ لاعلم مصنوعی فقیر اپنی مصنوعی فقیرانہ ساکھ کو قائم رکھنے کے لئے ہر ناجائز طریق استعمال کرنے میں خوفِ خدا کا قطعاً احساس نہیں کرتے--- حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں--- معرفتِ الٰہی اور حصولِ معرفتِ الٰہی تخلیقِ کائنات کا بنیادی تصور ہے۔ اس کائنات نوری، ناری، خاکی کا وجود نہ پیدا ہوتا--- مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادہ ازلی میں--- چاہا کہ اَنَا اَعْرِفُ میں پہچانا جاؤں--- اسی خواہش کی تکمیل--- اسی ارادہ کی تکمیل کے لئے فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ پہلے حُب کو پیدا کیا-- یہ حُب" اس کی اپنی ذات کے نور کی ایک جُز تھی--- جب ارادہ کیا اللہ نے اِذَا اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ کہ میں پہچاننے والے کو بناؤں--- تو اپنے نور میں ایک نور جُز کی شکل میں پیدا کیا--۔ یہ کائنات کا بنیادی نُور ہے--- ہاں ابھی نُور ہے جس کو اپنی پہچان کے لئے بنایا--- یہی نُور اللہ کی پہچان کرنے والا ہے--- اور یہی نور ہے جو حقیقی معنوں میں سب سے زیادہ پہچان کرنے والا ہے۔ اس پہچان کے اعتبار سے--- اسے سب سے زیادہ پہچان کرنے والا کہا جائے گا۔ اور عربی اصطلاح میں سب سے زیادہ پہچان کرنے والا--- "احمد" سے متعارف ہوتا ہے--- ظاہر ہے کائنات کی تخلیق کا بنیادی تصور--- پہچان--- اَعْرَافَ ہے۔ اَعْرَفَ سے ہی معرفت ماخوذ ہے--- اور پہچان کرنے والا "احمد" اور "حامد" کہلاتا ہے--- یہ ایک عظیم تصور ہے--- اسکی ایک خاص اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس "حمد" کے لئے--- تمام کائنات کے نُور کو پیدا کیا۔ جس میں عالم بالا۔ عرش--- کرسی--- سَبْعَ سَمٰوٰت--- نجوم۔ اور ارض اور وَمَنْ فِيْهِنَّ۔ جو کچھ اس کائنات میں ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ نہیں کوئی شے سوائے اس کے--- کہ اسکے ذمہ صرف (حمد) پہچان مقرر کی گئی--- اور اس حمد میں مخلوق ارضی کے لئے یہ "حمد" خصوصیت کے ساتھ واجب کردی گئی--- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ--- زمین کی مخلوق کے لئے۔ جن وانس پر "حمد" کرنا واجب کردی--- یہ امر ارادہ ازلی میں خصوصیت کے ساتھ مقرر کیا گیا--- کہ اگرچہ ارادہ ازلی کے تحت، تمام کائنات پر "حمد" واجب کی گئی--- مگر اس مخلوق میں مخلوق ارضی میں--- انسان پر اس "حمد" کو سب سے زیادہ واجب کیا--- جبکہ انسان سے قبل ملائکہ کے لئے بھی "حمد" واجب رکھی گئی مگر انسانی "حمد" کو تمام کائنات کی "حمد" پر مقدم قرار دیا گیا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کائنات میں نُوری اعتبار

سے ملائکہ کی "حمد" خالص قرار دی گئی مگر اللہ نے ملائکہ سے کہا کہ میں تمہارے علاوہ زمین کی مخلوق میں سے انسان کو اِس "حمد" کے لئے خاص طور پر منتخب کرتا ہوں --- جو تمام کائنات کی حمد سے افضل "حمد" قرار دی جائے گی --- ظاہر ہے --- یہ "حمد" --- یہ "معرفت"۔ اس کائنات کی تخلیق کا بنیادی مقصد ہے --- یہ ایک عظیم مقصد ہے جس پر اس کائنات کی بقاء منحصر ہے --- اور اس کائنات میں انسان کا مقام اسکی "حمد" کے اعتبار سے تمام کائنات میں فوقیت اور تفضّل حاصل کئے ہے --- اور جانو اس مقام پر انسان کی پیدائش ہوئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مقام "حمد" کے اعتبار سے تمام کائنات پر فضیلت بخشی۔ --- اِس حیثیت کے مدِ نظر انسان پر لازم ہے کہ وہ اپنے فرض کو پہچانے --- انسان کے ذہن میں ماسوائے معرفت --- حصُول معرفت کی ماسوا کا تصور قائم کرنا --- درحقیقت مقصدِ الٰہی سے تغافل اور روگردانی ہے ---- سوائے اس کے کہ انسان اِس مقصد کے حصول میں اپنی تمام قوتیں صرف کرے اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصدِ زندگی میں اسکے مرتبہ اور اس کی ذمہ داری کی واضح نشاندہی کی ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الْاِنْسَانُ اِنَّکَ کَادِحٌ اِلٰی رَبِّکَ کَدْحًا فَمُلٰقِیْہِ۔ اے انسان تو اپنے رب کی طرف رجوع کرنے میں مجسم محنت بنایا گیا کہ تو نے اپنی تمام قوت --- اپنا ارادہ صرف اللہ سے رابطہ کرنے میں صرف کرنا ہے --- محنت کے ساتھ --- پس تو نے بہر حال اِس سے مُلاقات کرنی ہے --- اسکی معرفت حاصل کرنی ہے --- بس اِس سے مُلاقات کرا --- ہاں۔ اِس ذمہ داری میں خود کو مجسم محنت بنا --- تو نے انتھک محنت کرنی ہے۔ تیری محنت ماسوئ کے حصُول کے لئے حرام ہے۔

بایداے یاراں دریں راہ کوشتے   تانہ باشد نُورِ حق را پوشتے

اے انسان حصول حق میں تیرے لئے کٹھن محنت ہے --- عبادات، شب بیداری تصور انہماک --- اور مادی دُنیا کی رُکاوٹوں سے جہاد لازم ہے --- ورنہ تُو حق سے دُور ہو جائے گا۔

درشب تاریک ساعت بادراز   باش گریاں زار زار و زار و زار

حضور قبلہ عالم نے یہ نسخہ کیمیا بتایا --- کہ رات کی تاریکیوں میں تو اپنے محبوب کے وصال کی تڑپ میں گریہ زاری کر۔

تا بجوش آید بتو کانِ قدیم   ریزد از دریائے حق دُرِ یتیم

گوہر مقصود حاصل کرنے کا یہ ایک بہتر طریق ہے۔

ہاں۔ ایک ناتواں جسم کب اِس بار کا متحمل ہو سکتا ہے --- اس مقصد کے پُورا کرنے میں

انبیاء قتل کئے گئے۔۔۔ اِس مقصد کو پورا کرنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خونِ اقدس بہا۔۔۔ پائے مبارک متورّم ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان، حضرت علی، حضرت حمزہ، اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے دنیا کی ہر راحت قربان کر دی، جانیں نثار کر دیں۔۔۔ حضرت بلالؓ نے اپنی جان کے۔ پرخچے اڑوا دیئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔۔۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے تلاش حق کی جستجو میں، غریب الوطنی، بے سروسامانی کو اپنی راحت دنیوی پر قربان کر دیا۔۔۔ حضرت ابراھیم ادھم نے اپنی وسیع شہنشاہی قربان کر دی۔ یہی وہ ذمہ داریاں ہیں جو حصُول حق میں پوری کرنا واجب قرار دی گئی ہیں اور پھر بھی انسان أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ کیا تم حصول دُنیا کو معرفت حقیقی کے مقابل بہتر سمجھ کر ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے میں اپنی قوتوں کو صَرف کر کے۔ اپنی خواہشاتِ نفسانی کی لذتوں کی خاطر ایک عظیم مقصد کو قربان کرنے میں اپنی آخرت کی تباہی خود اپنے ہاتھوں خرید رہے ہو۔ اور پھر یہ افسوس کا مقام ہے کہ اِس ذات عظیم کو جو کائنات کا شہنشاہ، احکم الحاکمین ہے اس کی عظمت کو حصول حرام میں استعمال کر رہے ہو۔

جانو! انسان کا واحد مقصد معرفت الٰہی میں، اپنی جان کو وقف کرنا ہے شدید محنت، کٹھن مجاہدات سے کام لینا ہے۔۔۔ ہاں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے لازم ہے۔

حاصل ایں آیہ کہ اے محصل کمال　　　تا بیابی حکمت از صنعے جلال

ہاں۔ عقل سلیم سے کام لینے والے انسان! اگر تو کٹھن مجاہدات کی استطاعت نہیں رکھتا تو عقل سلیم سے کام لے تو اللہ و رسُول ﷺ کی عظمت کی چند سکوں کے عوض بے قدری کرتا ہے۔۔۔ ایسا نہ کر۔۔۔ بلکہ سچے دل سے اس کی اطاعت و معرفت میں جستجو کر۔۔۔ تو تجھے کٹھن مجاہدات سے بھی نہ گذرنا پڑے گا۔

کہ روی در پیش کامل راہنما　　　پُر کنی کاسہ زخم او چوں گدا

تو کسی پیر اکمل کی راہنمائی حاصل کر کہ وہ تجھے آسانی سے تیرے مقصد حقیقی، معرفت میں کامل کر دے گا۔ کیونکہ:۔

من شنیدم از زبانِ سالک کلاں　　　کہ وجُود اولیاء پارس بدان

صحبت اولیاء کی تاثیر یہ ہے کہ پیر اکمل کی صحبت ہی سے تجھے مقام معرفت حاصل ہو گا۔

پس بدان کہ ہر توجہ راہنما　　　میشود يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ را راہنما

پیر اکمل کی ایک توجہ سے بغیر محنت تیرے مراتب معرفت ایک آن میں طے ہو جائیں

ے۔ اور تجھے تیرا مقصد آسانی سے حاصل ہو گا۔۔۔ مگر شرط پیر اکمل کی ہے۔۔۔ ہوشیار باش۔۔۔ اِن گندم نما جوفروش۔۔۔ خودفراموش۔۔۔ عاقبت نااندیش سخت دل فقیروں کی پہلے پہچان کر۔۔۔ اور ایک حقیقی عارف کی تلاش کر۔ اپنے بے بنیاد عقائد و نظریات کے خول سے باہر نکل کر صحیح دیانت و عقلِ سلیم سے تو "حق"۔۔۔ اور پیر کی تلاش کر، جب ملے تو پھر اسکا ہو کر رہ جا۔ وہ تجھے معرفت میں کامل کر دے گا۔ ورنہ اندھا دُھند تقلید و اتباع میں تو گمراہیوں کی وادیوں میں بھٹکتا پھرے گا۔ یہ امر تیرے لئے دین و دُنیا کے خسران اور پریشانی کا سبب بنے گا۔ اور تو صراطِ مستقیم سے دُور۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے دور طاغوتی نمائندوں کا پیروکار ہو گا۔ لہذا ایک ایسے مرد کامل کی تلاش کر جو تیرے دین اور دنیا کو سنوار دے۔ حضرت شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ایسے مرد حق شناس کو پرکھنے کا نسخہ تجویز فرمایا۔۔۔ فرماتے ہیں کہ شیخ وہ ہونا چاہیے۔ جو خود اجلاس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ رکھتا ہو۔ اور ولایت کے منازل طے کر چکا ہو۔ جب تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دے۔ تو وہ تجھے اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کرائے اور تجھے اسی مرتبے پر پہنچا دے۔ جو اسکو خود حاصل ہوا۔ اگر پیر ایسا نہیں کر سکتا تو وہ راہزن ہے اور راہزن۔ زن سے نکلا ہے۔ جو ناقص العقل والدین ہے۔ ایسا پیر تجھے اور گمراہ کر دے گا۔ لہذا مرد حق کی تلاش کر۔ ایسا ہی مرد حق حضور قبلہ عالم مولائی و مرشدی حضرت محمد امین رحمتہ اللہ علیہ جو ولایت میں اکمل تھے۔ اور مریدوں کو اجلاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لے جا کر کاملیت عطا کرتے تھے۔ وہ صاحب علم، صاحب معرفت، صاحب مشاہدہ تھے۔ اور اپنے مریدوں کو بھی ان علوم سے نوازتے تھے۔ اور وہ اپنے مریدوں کو ۔۔ تحت نظر میں رکھتے تھے۔۔۔ اس میں دوری یا نزدیکی کا کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔

راقم ایک دفعہ جموں جا رہا تھا۔ رام بن کے قریب ایک موڑ پر دوسری طرف سے ایک ٹرک کے ساتھ ٹکر لگنے ہی والی تھی۔۔۔ کہ ہماری ۔ "BUS" کو کسی غیبی ہاتھ نے بائیں طرف دھکیل دیا۔۔۔ اور بس کھڈ میں گرنے کی بجائے پہاڑی کے ساتھ لگ گئی۔۔۔ حضور اپنے مریدوں کی پکار پر فوراً پہنچ جاتے۔ یہاں بھی پیر صاحب پکارنے پر فوراً مدد کو پہنچ گئے اور دستگیری فرمائی اور دوسری ملاقات پر خود ہی اس کا تذکرہ فرمایا۔

ترال کے نقشبندی پیر کی بیعت

ایک دفعہ حضور قبلہ عالم، قبلہ جی ولایت خان صاحب اور راقم کسی معاملہ پر گفتگو کر

رہے تھے۔ ہم تینوں برابر کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ میں حقہ پی رہا تھا۔ ترال گاؤں سے ایک خمیدہ کمر بزرگ تشریف لائے۔ اندر آتے ہی رونا شروع کیا اور قبلہ سخی صاحب کو پیر سمجھ کر ان کے پاؤں دبانا شروع کر دیے۔ اور بڑے مایوسانہ لہجے میں اپنی کہانی بیان کرنے لگے۔ کہ میں ایک نقشبندی پیر کے ہاتھ بیعت تھا۔ مراقبہ میں مجھے اپنا پیر نظر آتا تھا لیکن پیر کی وفات کے بعد قلب بند ہوگیا اور اب کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ کئی بار میں نے کشمیر کے دوسرے سجادہ نشینوں، پیروں سے رجوع کرنے کا ارادہ کیا مگر میرے پیر صاحب ہر بار مجھے خواب کی حالت میں منع کرتے ہیں کہ میں کسی پیر کے پاس نہ جاؤں۔ آخر ایک دن پیر صاحب نے مجھے بشارت دی کہ شاہی چشمہ میں جا کر ڈاکٹر محمد رمضان کے پیر سے بیعت کروں۔ اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ للّٰہ مجھے بیعت فرمائیے۔ قبلہ سخی صاحب کی سفید چمکتی داڑھی تھی۔ شکل و شباہت میں تقدس اور بزرگی کے آثار دکھائی دیتے تھے۔ ان صاحب نے آپ ہی کو پیر سمجھ کر منت و عاجزی کرنی شروع کی۔ حالانکہ حضور قبلہ عالم آپ کے قریب کرسی پر تشریف رکھتے تھے۔۔۔ آپ کی طرف رجوع ہو بھی کیسے؟۔۔۔ جبکہ آپؒ نے ظاہری نمائش یا تن پروری کے آثار کو یکسر جگہ نہ دی۔ ایک جگہ برابر برابر بیٹھے ہیں۔ کوئی جبہ نہیں۔ بڑی دستار نہیں تو لازمی سخی صاحب ہی کی طرف رجوع کرنا تھا!۔۔۔ جناب قبلہ سخی صاحب نے فرمایا۔۔۔ بابا میں پیر نہیں ہوں۔ میں پیر کا ادنیٰ غلام ہوں۔۔۔ حضور قبلہ عالم کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔۔۔ آپ کے حضور پیش ہوں۔۔۔ وہ صاحب بے حد شرمندہ و نادم ہوا۔ ترالی صاحب قبلہ عالم کے پیش ہوئے۔۔۔ درود شریف کی اجازت لی۔ اسی وقت بیعت ہوئے۔ رات میرے پاس ہی قیام کیا۔۔۔ ساری رات مراقبہ میں گذاری۔۔۔ اور رات ہی میں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ دوسرے دن صبح شاداں و فرحاں بامراد گھر روانہ ہوگئے۔

حضور قبلہ عالم کبھی کبھی کشمیر گیسٹ ہاؤس امیراکدل میں جناب محمد الیاس صاحب کے ساتھ چائے پینے تشریف لاتے۔ ایک دفعہ میں بھی آپ کے ساتھ ریسٹ ہاؤس گیا۔ چائے سے فراغت حاصل کرلی تو حضور قبلہ عالم نماز عصر کے لئے کھڑے ہوگئے۔ آپ کے پیچھے مقتدیوں میں محمد الیاس صاحب، غلام محمد خان صاحب (جو اس وقت ڈپٹی کسٹوڈین تھے) محمد رمضان صاحب مینیجر ہوٹل اور راقم بھی جماعت میں شامل تھے۔۔۔ نماز کے دوران ایک شخص نے جماعت کے ساتھ رکوع ادا نہ کیا۔ قیام میں کھڑے رہے۔ رکوع چھوڑ کر

سجدے میں چلے گئے۔۔۔ غلام محمد خان صاحب نے انہیں ٹوکا۔۔۔ کہ آپ نے رکوع ادا نہ کیا اس لئے نماز ادا نہ ہوئی۔ تو اس شخص نے رکوع نہ ہونے کی وجہ بتائی کہ دوسری رکعت میں قیام کے دوران مجھ پر استغراق طاری ہوا۔ مجھے اپنے وجود کا ہوش نہ رہا۔ اس وقت میں نے دیکھا میں کعبۃ اللہ کے سامنے حطیم میں داخل ہو رہا ہوں اور تجلیات کا اس قدر نزول تھا کہ مجھے احساس نہ رہا کہ میں نماز میں کھڑا ہوں اتنی دیر میں رکوع ہو گیا اور میں بغیر رکوع سجدے میں گیا۔ حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ یہ کیفیت آپ کے لئے مبارک ہے کہ آپ کی نماز حقیقی نماز ہے۔ تاہم لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی یہ کیفیت سکر میں آتی ہے۔ اس لئے ترک رکوع کے سبب شریعت ظاہری کا التزام ضروری ہے۔ نماز کا حقیقی ثواب تو مل گیا تاہم نماز دوبارہ ادا کریں۔ اس حال میں کہ ذہن پر استغراق طاری نہ ہو۔

سید حسین شاہ کشتواڑی کا مرید ہونا

ہوٹل سے فراغت کے بعد حضور قبلہ عالم واپس تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک کمرے میں ایک لحیم و شحیم آدمی شراب کے نشہ میں لیٹا دیکھا۔ حضور نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔ فرمانے لگے کل چار بجے سے پیشتر یہ شرابی تائب ہو کر ہمارے پاس آ کر بیعت ہوگا۔ دوسرے دن عصر کی نماز سے پہلے یہ شخص سید حسین شاہ کشتواڑی غسل کر کے صاف کپڑے پہن کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضور سے بیعت ہوا۔ ان کا مشغلہ رات دن شراب میں دھت رہنا۔ ہر وقت نشہ میں مست رہنا۔ ان کی روزانہ زندگی کی صبح شراب سے شروع ہوتی اور شراب پر شام ہوتی۔۔۔ مشیتِ الٰہی!۔۔۔ اور ولی اکمل کی نظر پُرتاثیر کارگر ثابت ہوئی۔۔۔ حضور کی پیشگوئی درست ثابت ہوئی۔۔۔ حضور سے بیعت کے بعد کایا پلٹ گئی۔۔۔ نصف شب کو اٹھ کر غسل کرتے اور صبح کی نماز تک تہجد قائم کرتے ہیں۔ آخر وقت مراقبہ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ صبح کی نماز ادا ہوتی ہے۔ آپ کثرت سے ہر وقت درود شریف ورد کرتے ہیں۔ تقریباً چالیس ہزار درود شریف رات دن میں پڑھا کرتے ہیں۔ آپ صاحب مشاہدہ حضوری فقیر ہیں۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی اور ہمشیرہ بھی کشتواڑ سے آ کر حضور کے دست حق پرست پر بیعت ہوئیں۔ اور درود شریف باقاعدگی سے پڑھتی ہیں۔

مولوی عبدالجبار سوپوری کا مرید ہونا

مولوی عبدالجبار صاحب عرصہ چالیس سال سے جامع مسجد قصبہ سوپور کے امام مسجد تھے۔ درس و تدریس اور تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا تھا۔ ان کے اپنے سینکڑوں مرید تھے۔

ایک بار اچانک حضور قبلہ عالم سے ملاقات ہو گئی۔ سلسلہ اویسیہ کے متعلق آپ سے گفتگو ہوئی۔ حضور نے طریقت اور خصوصاً سلسلہ اویسیہ کی خصوصیات پر روشنی ڈالی تو حیرت میں پڑ گئے۔ چیدہ عالم تھے۔ لیکن یہ ایک نیا علم تھا جو مہ توں اس ملک کے علماء کے ذہن میں نہ آیا۔۔۔ دل نے تسلیم کیا۔۔۔ حضور قبلہ عالم کو اپنے گھر مدعو کیا۔ عدیم الفرصتی کے باوجود آپ نے دعوت قبول فرمائی۔ شام جب قبلہ عالم مولوی صاحب کے گھر تشریف لے گئے تو مولوی صاحب نے اپنے حجرہ کا دروازہ بند کر دیا اور حضور قبلہ عالم کے آگے زار و قطار رونے لگے۔ اپنی گذشتہ زندگی کو ضائع سمجھ کر بے حد نادم و شرمندہ تھے اور افسوس کرنے لگے کہ اگر حضور سے ملاقات نہ ہوتی تو میں اس سرابِ زندگی کی کسی گمشدہ منزل میں بھٹک کر بے نیل و مرام دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ بحمد اللہ

اے کہ پنجاہ رفت و در خوابی مگر ایں پنج روز دریابی

میری تمام عمر بے خبری کے عالم میں گذر گئی مگر ایک مرد کامل کی ایک ساعت طاعت صد سالہ کے برابر۔۔۔ میری زندگی کے پانچ دن بھی غنیمت ہیں کہ میں انشاء اللہ ایک کامیاب زندگی میں داخل ہو گیا۔ اسی وقت بیعت کی۔ زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ اسی وقت حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ کہواڑہ بڑاو پر لاری سے اتر کر ڈیڑھ میل کا فاصلہ پیدل ننگے پاؤں چل کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔ اپنی طویل عمر حقیقی راہ سے محرومی کے بعد چند ساعتوں کی سرفرازی اور عنایت کو دیکھ کر دل دنیا سے بےزار ہو گیا۔ مولوی عبدالجبار صاحب اس کے بعد صرف چھ ماہ زندہ رہے۔ تھوڑے وقت میں آپ نے اپنے علم اور پیری مریدی سے کنارہ کش ہو کر سارا وقت درود شریف اور مراقبہ حضوری اجلاس محمدی ﷺ میں صرف کیا۔ اور تھوڑی مدت میں ایک ولی اکمل کی راہنمائی میں عمر بھر کے خسارہ کو پورا کر کے بامراد عاقبت میں داخل ہو گئے۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضور قبلہ عالم کی خصوصیات میں یہ بات شامل تھی کہ آپ حصول فیض باطنی کے علاوہ اپنے مریدوں کے حصول دنیا میں ہر لحظہ آسودگی کے بھی خواہاں رہتے۔ ہر آن، ہر لحظہ انہیں اپنے مریدوں کی دنیوی آسودگی کا فکر لگا رہتا۔ چنانچہ آپ اکثر اپنے مریدوں کی مشکلات میں [illegible] دستگیری فرماتے۔ جہاں کسی محب پر کوئی تکلیف وارد ہوتی آپ فوراً اس کی مدد کو پہنچتے۔ ان کی تکالیف رفع کرنے میں ہر تدبیر کام میں لاتے۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے کبھی کسی [illegible] سے "پیری مریدی" جیسا برتاؤ نہ دکھا۔۔۔ یہاں تک کہ آپ کی شفقت [illegible]

رواداری۔ غمگساری نے کبھی کسی مرید کو یہ احساس تک نہ ہونے دیا کہ وہ خود کو آپ کا مرید محسوس کرے۔۔۔ آپ ہر مرید سے محبانہ۔ دوستانہ انداز میں پیش آتے۔ گویا آپ قرونِ اولیٰ کے کردار کا مثالی نمونہ تھے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم سے مشفقانہ ومحبانہ انداز میں تعلق فرماتے۔ ہر شخص سے مساوی حیثیت میں دوستانہ انداز میں پیش آتے۔ جب ہی تو قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے آپس کے تعلق کو "صاحب" کے تصور میں ذکر کیا۔ مَاضَلَّ صَاحِبُکُمْ نہیں بہکا تمہارا دوست۔ اللہ تعالیٰ نے بجائے نبی ورسول کے آپ کو صاحب کے خطاب سے پکارا۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے تابعین کو اصحاب کے خطاب سے پکارا اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمْ اقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ میرے "دوست" مانند سورج کے گرد ستاروں کے ہیں۔ کہ ان ستاروں کی ضیا (روشنی) میرے ہی نور سے ہے لہذا ان کی اقتدا کرو تو ہدایت پاؤ گے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی مثنوی میں ذکر کرتے ہیں:

ما و اصحابیم چوں کشتی نوح
ہر کراں زیں رو رو دیا بہ فتوح

اِنَّ مَثَلَ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ السَّفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا
وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرِقَ

تحقیق میرے اہل بیت مانند کشتی نوح کے ہیں۔ جو اس کشتی میں سوار ہوا۔ اس نے نجات پائی اور جس نے ان کی عظمت سے انکار کیا۔ ان سے اختلاف کیا۔ وہ غرق ہوا۔ اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں آپ کے صحابہؓ اور علمائے امت بھی شامل ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط ہی سے اور علمائے امت کے ذریعہ ہی امت مسلمہ کو ہدایت کا راستہ میسر ہوا۔ چنانچہ آئندہ آنے والی امتوں میں علمائے امت، اولیائے کاملین بھی اصحاب کی صفت سے متصف ہوتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ نے دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اجراء میں وہی طریق اختیار کیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے اختیار کیا۔ آپ نے اپنے علم وکمال کے باوصف کبھی فخر و ناز کا مظاہرہ نہ فرمایا۔ آپ عجز و فروتنی کا مجسمہ تھے۔ ہر کس و ناکس سے یکساں سلوک روا رکھتے ہیں، آپ نے اپنی برتری کا کبھی احساس نہ فرمایا۔ آپ اپنے ہر مرید سے دوستوں جیسا سلوک فرماتے۔ حضور اپنے مریدوں کی پریشان حالی، درماندگی میں دوست کی حیثیت سے دستگیری فرماتے۔ جہاں تک تدبیر سے کام لینا مقصود ہوتا۔ تدبیر سے کام لے کر۔ دامے درمے، سخنے امداد فرماتے

اور خود ہر شخص کے غم میں شریک ہو کر غمگساری فرماتے اور جہاں حالات تدبیر کی حد سے باہر ہو جاتے، روحانی طور پر مدد فرماتے۔ جیسا کہ گذشتہ باب میں قبلہ سخی صاحب اور چند احباب کے واقعات میں ذکر ہوا۔

یہ حقیقت ہے کہ ولی اکمل روحانی حیثیت میں صاحبِ کمال، صاحبِ اختیار ہوتا ہے۔۔۔ علمائے حق اور اولیائے اکملین کرامات و معجزات کے حامل ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہ باطنی مشرق و مغرب کا احاطہ کرلیتی ہے۔۔ صاحب حال ہوتے ہیں۔ اپنے ہر مرید کے حال سے آگاہی رکھتے ہیں۔۔۔ وہ قدرت رکھتے ہیں کہ اپنے مرید پر توجہ ڈال کر دوری کی حالت میں بھی صحت مند بنا دیں۔۔۔ یا اس کی مشکل میں روحانی طور پر دستگیری کریں۔ ایسی صورت میں ایک ولی کو مرید تک پہنچنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ لیکن یہاں اُسوہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی بہ نفس نفیس عیادت فرماتے۔ غیروں کی عیادت فرماتے۔ کبھی کسی صحابی کو شہد استعمال کرنے کی تلقین فرماتے کبھی دستِ مقدس پھیر کر شفا بخشتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی امور دنیوی میں تدبیر سے کام لیتے۔ صحابہؓ کو بھی ہدایت فرماتے۔ اس وجہ سے کہ یہ طریق محبت، آشتی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو روحِ شریعت ہے۔ اسی اسوہ حسنہ کے مطابق حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں پر اولاد سے زیادہ شفقت فرماتے۔ آپ ایک دنیا دار کی طرح خود اپنے مرید تک پہنچ کر اطمینان کرلیتے۔ یہ غمگساری کی ایک ادا تھی کہ خود اپنی ذات کو شریکِ غم، شریکِ ابتلا کرتے اور جب تک مرید ابتلا سے فارغ نہ ہوتا آپ اس کا پورا فکر رکھتے۔ یہی وہ رسولی ضابطے ہیں جن پر ایک ولی کی اولوالعزمی اور ولایت کا مدار ہوتا ہے۔ ان ہی خصوصیات کی بناء پر ایک ولی کے تسلیم واتباع کا قابل قبول ہونا مسلم ہے۔

حقیقت کو تسلیم کرنے میں دو کیفیتیں مانع ہوتی ہیں۔ ایک ناکمل علم۔۔۔ دوسرا جہل۔۔۔ ناکمل علم خود حجاب بن جاتا ہے۔ اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَکْبَرِ۔۔۔ علم بڑا حجاب ہے۔۔۔ محجوب وہ ہے جو بغیر علم پر کلی عبور ہوئے اپنی تحقیق۔۔۔ اپنے تحقیقی فیصلہ کو۔۔۔ حرفِ آخر سمجھ کر یہ نظریہ قائم کرے کہ میری تحقیق۔۔۔ تحقیق کی انتہا ہے۔ اس حال میں کہ وہ کسی کیفیت کے علم کے تمام پہلوؤں پر عبور نہ رکھتا ہو۔ نہ اپنی تحقیق کو انتہا تک پہنچا سکا ہو۔۔۔ مثلاً ایک شخص انسانی وجود کی تحقیق میں یہ نہ جانتا ہو کہ ایک ہی قسم کی غذا۔ مثلاً گندم سے انسان کے وجود میں۔ نرم گوشت، سخت ناخن، ہڈیاں، بال، لطیف آنکھوں کا لطیف پانی، لطیف نازک اعضاء رئیسہ تک مختلف شکلوں میں کس طرح غذا پہنچتی ہے اور پھر ایک

غیر محسوس وجود (انسانی روح) کی ہیئت کیا ہے؟ اس کی غذا کیا ہے؟--- کیسے وجود میں آتی ہے؟ اپنی دانست میں سطحی تحقیق پر انسان کے چند ظاہری آثار کو دیکھ کر ایک کمزور انسان کو دیکھ کر، یہ فیصلہ دے کہ انسان ایک حقیر وجود ہے--- اس میں روحانی مظاہرات کی قدرت نہیں۔ اور اپنے محدود علم پر یہ فیصلہ قطعی کرے اور اپنے نامکمل نظریہ کو حرف آخر سمجھ کر اصل کی نفی کرنے پر بضد ہو تو ایک حقیقت کی پہچان میں اس کا اپنے محدود علم پر فیصلہ کرنا۔ وہ علم اس کے لئے حقیقت پہچاننے میں حجاب بن جاتا ہے۔ جس سے وہ اصل حقیقت کی نفی کر جاتا ہے۔ اس کے مقابل جہل کی تعریف یہ ہے--- کہ ایک شخص--- ایک حقیقت تسلیم کرنے میں بوجہ لاعلمی--- یا کم علمی--- یا علم پر کلی طور عبور نہ ہونے کے--- ایک غیر معقول یا غیر حقیقی نظریہ پر بضد قائم ہو--- جبکہ ایک حقیقت کے تسلیم کے لئے واضح دلائل اور ثبوت مہیا ہوں--- اپنے غیر حقیقی نظریہ پر قائم رہ کر اصل حقیقت سے قطعی انکار، جہل سے تعبیر ہے۔ یہی دو صورتیں ہیں جن پر انسان ایک ایسی کیفیت جو انسان کے احاطہ علم سے ماورئ ہو۔ بغیر دلیل تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا--- حضور قبلہ عالم جہل کے متعلق مثنوی مولانا روم سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں--- فرماتے ہیں--- جہل سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ جب تک کسی کیفیت کی بنیادی ہیئت تک ادراک نہ ہو۔ اسے اگر تسلیم نہیں تو انکار بھی لازم نہیں۔ بلا دلیل، بلا تحقیق، نامکمل نظریات کو اپنانے میں بضد نہ ہونا چاہیے۔ یہ جہل ہے۔ جس سے اصل حقیقت پوشیدہ ہو جاتی ہے--- فرماتے ہیں ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف بے تحاشا بھاگ رہے تھے۔ راستہ میں ایک شخص نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھاگتے دیکھا۔ حیران ہوا کہ پیغمبر ہوتے ہوئے آپ کس چیز سے بھاگ رہے ہیں۔ وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیچھے بھاگنے لگا اور پکارا--- یا عیسیٰ علیہ السلام--- اللہ کے رسول۔ ذرا ٹھہریئے۔ میں نے آپ سے کچھ پوچھنا ہے مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس شخص کی پکار پر نہ رکے۔ بھاگتے بھاگتے جنگل میں جا کر دم لیا۔ وہ شخص بھی آپ کے پیچھے بھاگتا ہوا جنگل میں آپ کے پاس پہنچا--- پوچھا--- اے اللہ کے رسول--- آپ تو اللہ کے نبی ہیں۔ آپ کس خوف سے بھاگ کر یہاں پہنچے؟--- تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ میں تو پناہ مانگتا ہوں۔ جاہل کے جہل سے۔ میں جاہل سے دور بھاگتا ہوں--- کہ وہ کسی طرح حقیقت ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ امر کسی کے لئے باعث گمراہی اور خسران ہے۔ اس شخص نے عرض کیا۔ آپ نبی ہیں۔ بیماروں کو صحت دیتے ہیں۔ مردے زندہ کرتے ہیں۔ آپ جاہل کو بھی توجہ دے کر حقیقت کی طرف لا سکتے ہیں۔ تو

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔۔۔ اللہ کی قسم! میں نے جاہل پر ستر بار توجہ دی۔ مگر وہ اپنے جہل سے باز نہ آسکا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی حقیقت کو پانے میں جلد بازی اور جہل سے کام نہ لے بلکہ میانہ روی اور نرمی اختیار کرے۔ یعنی حصولِ حق میں اپنے علم پر بھروسہ نہ کیا جائے۔ کسی عالم اکمل کی صحبت میں رہ کر آداب سیکھے کہ حصول حق کے لئے انسان کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہئیے۔ ایک عالم کے مقابل اپنے علم اپنی عقل کی نفی کی جائے۔ ایک عالم کے علم کو مبنی بر حقیقت سمجھکر بہر صورت قبول کرنا چاہئیے۔ بشرطیکہ حقیقی معنوں میں علم پر عبور رکھنے کے ساتھ اس (عالم) کی شخصیت مسلم ہو۔

حضور قبلہ عالم الحاج محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت طیبہ کو احاطہ تحریر میں لانا ممکن نہیں۔ آپ کے مقام فنا و بقا اور اکملیت کے مقام پر آپ کی سیرت کا تذکرہ نہ قوت شعور سے ہو سکتا ہے نہ عقل و کلام ہی آپ کے کمالات۔ ولایت کے اصل تصورات کو پیش کر سکتے ہیں۔۔۔ سوائے اس کے کہ آپ کی سوانح حیات کے چند مختصر واقعات کو عام عقول کے مطابق پیش کیا جائے۔ وہ یہ کہ آپ کے دعوئ ولایت کی دلیل میں آپ سے نسبت رکھنے والوں کو حصول معرفتِ حقیقی میں کیا مقام حاصل ہے؟ تاہم یہ امر ضروری ہے کہ جیسے نبوت کے لئے معجزات کو لازم رکھا گیا۔ اسی طرح ایک صاحب شریعت ولی میں بھی کرامات کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ غیر شرعی عامل کی کرامات۔ استدراج سے تعبیر ہوتی ہیں اور ولی اکمل کی کرامات وراثت انبیاء سے تعلق رکھتی ہیں۔

جنگلی درندوں کا مسخر ہونا

پیر غلام نبی بانیگامی۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں سے ہیں۔ حضور کے آستانہ پر حاضری دینے کے لیے گئے۔ قصبہ کپواڑہ پڑاؤ پر پہنچے تو مغرب ہو چکی تھی۔۔۔ قصبہ میں ہی نماز ادا کی۔۔۔ نماز سے فارغ ہو کر حضور کے در دولت کی طرف روانہ ہوئے۔ تو اندھیرا چھا چکا تھا۔ حضور کے آستانہ تک تقریباً اڑھائی میل کا فاصلہ جنگل سے ہو کر جاتا تھا۔ سڑک کا راستہ طے کرنے کے بعد جنگل میں داخل ہو گئے تو اندھیرا رفتہ رفتہ گھرا ہونے لگے۔ سنسان علاقہ تھا۔ خوف و دہشت طاری ہو گیا۔ آسمان ابر آلودہ تھا۔ ڈر تھا کہ کہیں راستہ نہ بھول جائیں۔ اس عالم میں آپ نے پیر اکمل کو دل سے پکارا۔ کہتے ہیں! کہ اچانک حضور قبلہ عالم کی آواز کانوں میں گونجی۔ گھبراؤ نہیں تمہارے بہ حفاظت پہنچنے کا سامان ہو گیا۔ دل کو

قدرے اطمینان ہوا۔ دور جنگل میں جلتے چراغ نظر آئے۔ میں ان ہی چراغوں کی سمت چلنے لگا۔ چراغ آگے بڑھتے دکھائی دیے۔ میں بھی ان ہی کے نشان پر چلنے لگا کہ حضور قبلہ عالم کا مکان سامنے نظر آیا۔ قریب پہنچکر میں مکان کی سیڑھیاں چڑھنے لگا کہ قریب ہی ایک شیر نظر آیا۔ جس کی دو آنکھیں چراغ کی مانند روشن نظر آرہی تھیں۔ خیال آیا کہ یہی شیر ہماری راہنمائی کے لیے بھیجا گیا۔ شیر نے سر جھکایا اور واپس جنگل کے اندھیروں میں گم ہو گیا۔ میں حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا جس درندہ کا تمہیں ڈر تھا ہم نے اسی کو تمہاری راہنمائی کے لیے مامور کیا۔

راقم شاہی چشمہ محکمہ حیوانات میں متعین تھا۔ (سری نگر) شاہی چشمہ جنگل کی رکھ[1] میں جنگلی جانوروں کی بہتات تھی۔ ہر وقت ڈر لگا رہتا تھا کہ کوئی درندہ سرکاری قیمتی جانور اٹھا کر نہ لے جائے۔ سانپ بچھو کثرت سے تھے۔ میں نے اس کا تذکرہ حضور سے کیا۔ آپؒ مراقب ہوئے۔ چند ساعت بعد فرمایا کہ آج سے شاہی چشمہ کی رکھ کے تمام حشرات الارض۔ ریچھ شیر سب تمہارے حکم کے تابع کر دیئے گئے۔ اب تمہاری اجازت کے بغیر کوئی درندہ کسی سرکاری جانور پر حملہ نہ کر سکے گا۔ اس کے بعد میں نے اپنی تعیناتی کے دوران کبھی سانپ بچھو کی شکل نہ دیکھی۔ اس سے قبل یہاں کی یہ حالت تھی کہ جہاں سے پتھر اٹھاؤ درجنوں چھوٹے بڑے بچھو نکل آتے۔ اس کے بعد۔۔۔ جیسا کہ مجھ سے پہلے یہاں جنگلی درندے شیر وغیرہ سرکاری گائیوں کو اٹھا کر لے جاتے۔ میری موجودگی میں کسی شیر یا جنگلی جانور نے اس طرف کا رخ نہ کیا۔ نہ میری موجودگی میں کسی جانور کو لے جانے کی جرأت کی۔ سنہ ۱۹۵۸ء میں جب میری چشمہ شاہی سے تبدیلی ہوئی تو ڈاکٹر غلام احمد صاحب جو اس وقت پولٹری فارم کے مینیجر تھے میرے پاس چند مسائل کے بارے میں مشورہ کرنے کے لئے آئے۔ میں نے انہیں دوران گفتگو بتا دیا کل سے جنگل کے شیر آزاد ہیں۔ یہاں ہماری ڈیوٹی ختم ہو چکی ہے۔ اب اپنی مرغیوں کی رکھوالی اچھی طرح کریں۔ کہیں آپ کی مرغیاں بھی شکار کی نذر نہ ہو جائیں۔ دوسرے دن انہوں نے مجھے ایک سنسنی خیز خبر سنائی۔ کہ شام ہوتے ہی جنگل سے شیروں کا ایک ریوڑ فارم کے احاطے میں داخل ہوا اور

---

[1] رکھ ایک ایسا جنگل ہوتا ہے۔ جس کا نظام اور تحویل محکمہ شکار خانہ کرتا ہے۔ ایسے جنگل صرف جنگلی جانوروں کی حفاظت اور پیداوار کے لیے ہوتے ہیں۔ ان جنگلوں میں انسان کا چلنا پھرنا منع ہوتا ہے۔ اس لیے ایسے جنگلوں میں درندوں اور دیگر جنگلی جانوروں کی بہتات ہوتی ہے۔

گائے خانہ کے عین سامنے دھاڑنے لگا۔ گائیوں نے خوف کے مارے آ بسی۔ زنجیریں توڑ ڈالیں کوئی شخص باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکا۔ میری تبدیلی کے بعد شیر دندنانے پھرنے لگے، ور ایک ماہ کے اندر سات گائیں ہلاک کر ڈالیں۔ حتیٰ کہ ڈاکٹر غلام احمد کی مرغیوں پر گیدڑوں نے حملہ کر دیا۔ ایک رات میں تین سو مرغیاں اٹھا کر لے گئے۔

تاریخ اسلام میں مجاہدین اسلام کا ایک مشہور واقعہ ہے۔ مجاہدین اسلام کا۔۔۔ دوران جہاد ایک جنگل سے گذرا ہوا (غالباً یہ واقعہ موسیٰ بن نصیرؒ کے عہد کا ہے۔) رات انہیں جنگل میں قیام کرنا پڑا۔ مگر تمام جنگل، سانپوں، بچھوؤں اور درندوں سے بھرا پڑا تھا۔ مجاہدین لشکر نے امیر لشکر کو خبر دی کہ جنگل سانپوں، بچھوؤں، ور درندوں سے پُر ہے۔ ایسی جگہ لشکر کا قیام کرنا خطرے سے خالی نہیں۔ مگر امیر لشکر نے اسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا خود جنگل کے حشرات الارض کی طرف مخاطب ہو کر حکم دیا کہ اے جنگل کے مکینو اس وقت اس جگہ لشکر اسلام ٹھہر رہا ہے، تم بھی اللہ کی مخلوق ہو اور ہم بھی اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے نکلے ہیں اس لئے جب تک اس جنگل میں ہمارا قیام ہے یہ جگہ مجاہدین اسلام کے لئے خالی کر دو۔ اس حکم کے ساتھ ہی جنگل کے تمام حشرات الارض، سانپوں، بھیڑیوں، ہرنوں، شیروں وغیرہ نے اپنے بچے اٹھا کر جنگل خالی کر دیا یہاں تک کہ جنگل سے ایک مچھر کے بھنبھنانے کی آواز تک سنائی نہ دی۔ جنگل بالکل صاف ہو گیا۔ ہاں! اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے کائنات کی ہر شے مسخر کی جاتی ہے۔ ان ہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا۔

اور مسخر کیا گیا جو کچھ زمین میں ہے تمہارے لئے۔۔۔ اس انعام الہیٰ کے تابع ایک ولی کے لئے اسی حال میں، کہ جَاهِدُوا فِينَا وہ اللہ کی راہ میں مجاہدہ کرتا ہے۔۔۔ ہر شے مسخر ہونا قابل یقین بات ہے۔۔۔ اس تمام مخلوق میں انسان اور خصوصاً ولی اللہ کو بہرحال۔۔۔ شرف فضیلت حاصل ہے ہی۔۔۔ ایسے میں حشرات الارض کیوں نہ تابع فرمان رہیں۔

حضور قبلہ عالم کا ابتدائی زمانہ تھا علاقہ دراوہ کے کسی گاؤں سے گذر رہے تھے یہاں بارشوں کی وجہ سے پہاڑ کا ایک بڑا حصہ نیچے آرہا تھا اور اس کی زد میں گاؤں کے مکان آرہے تھے۔ لوگ بے حد پریشان تھے۔۔۔ دعائیں مانگ رہے تھے۔۔۔ اسی دوران حضورؒ کا گذر اس گاؤں سے ہوا۔۔۔ حضور نے لوگوں کی حالت زار دیکھی۔۔۔ پہاڑ کی طرف توجہ کی پہاڑ کا سرکنا بند ہو گیا۔ لوگوں نے اس کمسن معصوم ہستی کو دیکھ کر تعجب کیا۔۔۔ حضور سے بے حد عزت و احترام سے پیش آنے اور بہت سے خوش نصیب بیعت ہوئے۔

و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ

۱۹۶۷ء بمطابق ۱۳۸۷ھ کا زمانہ تھا۔ ماہ ذی القعد کے آخر میں مجھے حضور قبلہ عالم کے در دولت پر ضروری حاضر ہونا تھا۔۔۔ واقعہ یوں ہوا۔ کہ دفتری کام میں ایک سرکاری ملازم نے غلط بیانی سے کام لیا۔ مجھے اس کی اس حرکت پر بہت غصہ آیا۔ میں نے اس کو زور کا تھپڑ مارا۔۔۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے۔ اس کے والد حضور قبلہ عالم کے مرید تھے اور حضوری فقیر تھے۔ لڑکے کا سن کر انہیں بھی افسوس ہوا کہ معمولی بات پر لڑکے کو سزا دی انہوں نے بھی اجلاس محمدی ﷺ میں میرے خلاف دعویٰ دائر کر دیا۔۔۔ اجلاس میں باطناً میری پیشی ہوئی۔۔۔ میں نے اس بات پر زور دیا کہ لڑکے نے میرے سامنے جھوٹ بولا۔۔۔ اس کا قصور تھا۔۔۔ مگر اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ

مومن کے لئے غضب کے وقت عفو لازم ہے۔۔۔ آپ نے معمولی جرم پر زیادہ سزا دی۔۔۔ یہ امر اعتدال سے بڑھنے کے مترادف ہے۔۔۔ لازم تھا۔۔۔ کہ فیصلہ مدعی کے حق میں ہوتا تھا۔۔۔ میں پریشان ہوا۔۔۔ اور حضور قبلہ عالم کی خدمت میں خود پیش ہوا۔۔۔ اور اجلاس میں فیصلہ کا واقعہ بیان کیا۔۔۔ حضور نے تبسم فرمایا۔۔۔ فرمایا کہ۔۔۔ ہم حالات سے باخبر ہیں۔۔۔ آپ کے خلاف سنگین مقدمہ تھا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری سفارش قبول فرمائی اور سزا میں تخفیف ہوئی۔۔۔ لیکن مَنْ عَمِلَ سُوْءً کے حکم کے تحت جرم کا ازالہ ضروری ہے تھوڑی تکلیف اٹھانا پڑے گی۔ اور آپ کے دوسرے ساتھی کو بھی جو اس جرم میں شریک ہے سزا ملے گی۔۔۔ اس کے چند دن بعد میں اور ڈاکٹر بشیر احمد شیرازی ڈائریکٹر صاحب جیپ میں سوار جا رہے تھے کہ اچانک اوستی پورہ گاؤں کے قریب جیپ ایک ملٹری ٹرک سے ٹکرا گئی جس میں ڈاکٹر شیرازی صاحب شدید مجروح ہو گئے۔ حادثہ شدید تھا ان کی زندگی کی کوئی امید نہ رہی۔۔۔ اور مجھے جیسا کہ قبلہ عالم نے فرمایا تھا۔۔۔ تھوڑی سزا ملی۔ جسم پر معمولی چوٹیں آئیں۔۔۔ میرا داہنا ہاتھ (جس سے تھپڑ مارا تھا) زخمی ہوا اور ہاتھ کی چھوٹی انگلی کی ہڈی ٹوٹ گئی۔۔۔ تاہم اللہ کا فضل ہوا جلد ہی میں صحت یاب ہو گیا۔۔۔ بلا شبہ قرآنی قانون کا اٹل فیصلہ ہے!۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

ایک ذرہ بھر شر کا بدلہ بھی اٹھانا قانون الہیٰ کے تابع ضروری ہے۔ حدیث میں آیا ہے۔ جس

وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدس سے وحی کا یہ حکم صحابہؓ نے سنا تو ان پر شدید غم و خوف طاری ہوا کہ قبول اسلام سے قبل کے گناہوں کا بدلہ بھی ہم سے چکایا جائے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی۔ مجلس میں تشریف فرما تھے۔ آپ پر اس حکم سے اس قدر لرزہ طاری ہوا جیسے (خاکم بدہن) کمر ٹوٹ گئی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رفیق و مطیع صحابہؓ کی حالت کو محسوس فرمایا۔ تو ان کی تسلی فرماتے ہوئے بیان فرمایا۔۔۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کے خیر و شر کے ذرہ بھر عمل کی سزا دے گا۔ کافر کو قیامت کے دن اس کے عمل کے بدلہ میں عذاب ہو گا۔ مگر مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ رعایت ہو گی کہ اس کی نیکیاں آخرت کے لئے وقف ہوں گی۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔

جو کچھ نیکیوں میں سے تم (قیامت کے لئے) جمع کرو گے اللہ کے نزدیک اس کا اجر پاؤ گے۔ لیکن مومن کے گناہ دنیا میں بدلہ دیئے جائیں گے۔۔۔ دنیا میں اس کے گناہ کے بدلہ میں جسمانی تکلیف سے ازالہ کیا جائے گا۔ اس حال میں کہ آخرت کے لئے بدی باقی نہ رہے گی۔ یہ سن کر صحابہ کو قلبی اطمینان حاصل ہوا۔۔۔ ہاں! یہ رعایت محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور صفت رحمۃ للعلمین کے سبب امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی مقام اور اسم محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تفسیر سبقت رحمتی علی غضبی۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس خود شفیع ہے۔ آپ ﷺ کی رحمت سب کے لئے کہ آپ کے طفیل حضور ﷺ کی اطاعت کرنے والے اور آپ سے محبت رکھنے والے۔ قیامت کے دن عفو کئے جائیں گے۔۔۔ یہی خصوصیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء اولیا کو ورثہ میں عطا ہوتی ہے کہ اولیائے کاملین حضور کی امت کے لئے وجہ شفاعت ہوں گے۔

حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ اپنے مرید کے کسی گناہ پر اظہار ناراضگی نہ فرماتے۔۔۔ بلکہ ہم نے حضور کو ایسے موقعہ پر تبسم کناں ہی دیکھا۔ جیسا کہ گذشتہ بیان ہوا کہ حضور کے مریدوں کو آپ کے طفیل ان کے گناہوں کے بدل میں شفاعت و رحمت عطا ہوتی رہی۔۔۔ آپ کے مریدوں کو کسی گناہ کے جرم میں حضوری اجلاس محمدی ﷺ سے خارج نہیں کیا گیا۔ بلکہ انعامات سے نوازا گیا۔ یہ عنایت محض حضور قبلہ عالم کی علو مرتبت اور محبوبیت کے سبب تھی۔۔۔ حضور اکثر فرماتے۔۔۔ کہ ہمارے سامنے کسی مرید کی غلطی کی شکایت نہ کیا کرو۔ کیا میں اپنے عزیز کو فقیری سے خارج کر دوں "۔ توبہ۔

ہماری فقیری کا کیا فائدہ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعلمین ہیں۔ ہم کیسے آپ کی سب پر نصب کر سکتے ہیں! میری بیعت میں آیا ہوا مرید کسی حالت میں فقر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یاد رکھو جس کی گردن میں میرا ہاتھ ایک بار پڑا۔ وہ میری گرفت سے نہیں چھٹ سکتا۔ فِدَاهُ اُمِّیْ وَاَبِیْ البتہ شرط یہ ہے کہ پیر سے ماں، باپ، اولاد، غرض ہر شے سے زیادہ محبت کی جائے۔ یہ طریق سنت ہے۔ ولی بھی قائم مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سب نبی ﷺ کے مطابق شفاعت کا حامل ہوتا ہے۔۔۔ اس کے لئے بھی رحم و درگذر لازم ہوتا ہے اور مومن کے لئے تو قرآن نے بھی حکم جاری کیا۔ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ فقیر کا بھی یہ مقام ہے کہ امت کو حصول ہدایت و معرفت میں (صحابہ) دوست کا درجہ دے کر اس کے لئے رحم و عفو اور مروت استعمال کرے۔۔۔ یہ خصوصیت امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابعین علمائے امت۔ اولیاء مخلوق انسانی کے لئے رحم و کرم اور شفاعت کا سبب بنیں۔۔۔ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ الحاج محمد امین صاحب کی ذات والا کو بحیثیت نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ بحیثیت نائب اویس قرنی رضی اللہ عنہ یہ مقام محبوبیت حاصل تھا کہ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو "سوال" عطا تھا۔ جس کی سفارش فرمائیں، منظور فرمائی جاتی اور حصول حق میں آپ کے مریدوں کو بھی دربار محمدی ﷺ میں عزت کا مقام حاصل ہوتا۔

ڈاکٹر غلام محمد شاہ کے والد بزرگوار کی بیعت

ڈاکٹر غلام محمد شاہ صاحب میڈیکل کالج (سری نگر) میں پروفیسر تھے ان کے والد حضور قبلہ عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔۔۔ آپ عمر رسیدہ تھے۔۔۔ سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت بھی تھے۔۔۔ بزعم خود۔۔۔ اپنے آپ کو مقام فنافی اللہ میں سمجھتے تھے۔ بقول ان کے رات کو انبیاء اولیاء کے ساتھ ہوتے تھے۔۔۔ حضور قبلہ عالم سے درود شریف کی اجازت لی۔ پہلے روز خیال آیا کہ درود شریف پڑھنے سے کہیں فنافی اللہ کے درجے میں رکاوٹ نہ پیدا ہو۔۔۔ درود شریف پڑھنا ترک کر دیا۔ دوسرے دن پھر حضور کی خدمت میں آئے اور اپنے شکوک رفع کرنے کی غرض سے حضور پر سوال کرنے شروع کئے اور آپ سے بحث و مناظرہ شروع کر دیا۔ حضور ٹھنڈے دل سے ان کی فلسفیانہ بحث سنتے رہے۔ آخر فرمایا۔۔۔ شاہ صاحب! اس

راہ کہ تو میروی بہ ترکستان است۔۔۔ جس راہ پر آپ جا رہے ہیں یہ راستہ بجائے مدینہ و بیت اللہ کے ترکستان کو (مخالف سمت کو) جا نکلتا ہے۔۔۔ فرمایا۔۔۔ باتوں سے تحقیق نہیں ہوا کرتی۔ درود شریف پڑھیں پھر دیکھیں۔۔۔ شاہ صاحب رات بھر درود شریف پڑھتے رہے، صبح کے وقت مشاہدہ شروع ہوا۔۔۔ بچشم ہوش مشاہدہ کیا۔۔۔ کہ حضور قبلہ عالم نے ہاتھ پکڑ کر اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو گئے۔ صبح شاہ صاحب حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور کے قدموں میں گرے۔۔۔ یقین۔۔۔ بلکہ حق الیقین ہوا۔ بیعت ہو گئے۔

غلام قادر آہنگر کا واقعہ

ابتدائی زمانہ میں وادی کشمیر میں جب حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ نے شہر کی طرف رخ کیا۔ تو شہر کے بیشتر لوگ آپ سے بیعت ہوئے اور حضوری ہوئے۔ شہر میں (مائی سمہ بازار) میں غلام قادر صاحب کی بندوقیں بنانے کی دوکان تھی۔ اکثر لوگ طریقت سے لگاؤ رکھنے والے ان کی دوکان پر آتے رہتے۔ خود بھی باپیر صاحب عمل تھے۔ جناب قبلہ سخی صاحب بھی گاہے ان کی دوکان پر آتے حضور قبلہ عالم کی شہرت سن کر غلام قادر صاحب بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درود شریف کی اجازت لی اور عقیدت سے پڑھنا شروع کیا۔ کچھ دن گذرے قبلہ سخی صاحب نے پوچھا کچھ مشاہدہ ہوا؟۔۔۔ جواب ملا مجھے روضہ شریف نظر نہیں آیا۔۔۔ نہ زیارت ہوئی۔۔۔ آپ نے مزید استقلال کی تلقین فرمائی کہ مسلسل درود شریف، مراقبہ جاری رکھیں، ضرور کامیاب ہوں گے۔۔۔ غلام قادر کے ذہن میں بھی ایسا ہی خیال ابھرا کہ شاید درود شریف پڑھنے سے پہلی کیفیت زائل نہ ہو جائے۔۔۔ ایک دن حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے پوچھا غلام قادر صاحب! بتائیں کچھ مشاہدہ ہوا یا نہیں؟ کہنے لگے ابھی تک زیارت نہیں ہوئی۔۔۔ بلکہ فنا فی اللہ کا نور مشاہدہ کرتا تھا۔ درود پڑھنے سے اب وہ بھی دیکھنے میں نہیں آتا۔ حضور نے پوچھا۔۔۔ کیا پہلے۔۔۔ فنا فی اللہ کا نور آتا رہا یا فنا فی الرسول کا نور آتا رہا؟ آپ نے فنا فی اللہ کا نور مشاہدے میں آتا ہے تو پھر زیارت رسول آسانی سے ہونی چاہیئے تھی۔ بجائے اس کے کہ درود پڑھنے سے آپ کا مشاہدہ بند ہو گیا۔ غلام قادر نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے فنا فی اللہ کا مقام حاصل تھا۔ اب اس مقام سے گر گیا۔ حضور نے فرمایا کہ جسے آپ فنا فی اللہ کا نور سمجھتے ہیں یہ نور بغیر فنائے رسول ﷺ اور فنائے شیخ حاصل نہیں ہو سکتا۔۔۔ لازم ہے پہلے فنائے شیخ اور اس کے بعد

فنائے رسول ﷺ اور اس کے بعد فنانی اللہ کا مقام آتا ہے۔۔۔ یہ ابتدائی نور ہے جو عالم ناسوت سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ ناسوتی نور ہے۔ اس کے چھپ جانے کی وجہ اصل میں یہ ہے [illegible] درود شریف کا نور، ناسوتی نور پر غالب ہے جیسے سورج کی روشنی میں ستاروں کا نور چھپ [illegible]۔ اسی طرح اگر آپ شک نہ کرتے، درود شریف کا نور مشاہدہ کرتے۔۔۔ دراصل درود شریف کے نور [illegible] سے آپ کا ناسوتی نور چھپ گیا۔۔۔ آپ استقامت سے درود شریف جاری رکھیں تو آپ کو زیارت نصیب ہوگی غلام قادر صاحب کہنے لگے اب [illegible] کافی ہے۔ یہ سن کر حضور قبلہ عالم خاموش ہو گئے معلوم نہیں پھر غلام قادر صاحب [illegible] اللہ کو [illegible] نہیں۔

شریعت اور طریقت علیحدہ نہیں

[illegible] حقیقت یہ ہے اسلام میں طریقت کا کوئی علیحدہ تصور نہیں بلکہ یہ شریعت ہی کی [illegible] ہے۔۔۔ جسے نتیجۂ عمل سے تعبیر دیا گیا۔۔۔ شریعت حقیقتاً قرآن و سنت پر عمل کرنا ہے۔۔۔ یہی اصل تصور ہے۔۔۔ اور طریقت عمل سے ثواب کا باطن میں مشاہدہ کرنا۔۔۔ مشاہدہ کرنے کا ایک خاص طریق۔۔۔ انسانی عمل۔۔۔ اور ثواب کی وسعت۔۔۔ جنت سے لے کر ذات الٰہی کے مشاہدہ تک وسیع ہے۔۔۔ یہی طریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم سے جاری ہوتا ہے۔ یہی شریعت خلافت اسلامی میں۔۔۔ خلفائے اربعہؓ۔۔۔ اور بعد کے خلفائے اسلام میں جاری رہی جس میں طریقت کا کوئی علیحدہ تصور قائم نہ تھا۔ البتہ قرآنی آیات سے اس طریق کو ایک علیحدہ حیثیت بھی ملتی ہے۔۔۔ مگر اس طریق کو طریقت کی اصطلاح میں الگ تصور میں پیش نہیں کیا گیا۔ حقیقتاً شریعت کا ایک ہی تصور۔۔۔ خلفائے اربعہؓ سے لے کر۔۔۔ خلافت امیہ۔۔۔ خلافت عباسی اور خلافت عثمانی تک پایا جاتا تھا۔۔۔ اور جب خلافت عثمانیہ میں ترکیہ سے اسلام ایران کی صدود میں داخل ہوا۔ اس وقت اسلام تین علیحدہ تصورات میں بٹ چکا تھا۔۔۔ ایک خلافت شہنشاہیت میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جس میں خلیفہ کے لئے [illegible] صفات کو لازم نہیں رکھا گیا۔۔۔ وہ یہ کہ خلیفہ کا متقی، [illegible] ہونا ضروری نہ تھا اور خلیفہ کے لئے اجرائے قرآن و حدیث لازم تھا۔۔۔ دوئم یہ کہ امت میں [illegible] موجود ہوں۔۔۔ اور [illegible]۔۔۔ قرآن و حدیث وفقہ پر عبور رکھنے والی [illegible] جماعت موجود ہو۔ جن میں مجلس شوریٰ کے ارکان خود خلیفہ کا [illegible] عوام [illegible] کو خلیفہ کے انتخاب کا حق تھا نہ خود کسی

بر سر اقتدار خلیفہ کو خود اپنی اولاد میں سے خلیفہ منتخب کرنے کا حق ہے۔۔۔ اس کے برعکس نہ خلیفہ کے لئے صاحب علم و متقی ہونا شرط رکھا گیا۔۔۔ نہ خلیفہ کے ذمہ اجرائے ذکر و سنت لازم رکھا گیا۔۔۔ نہ خلیفہ کا مجلس شوریٰ کے ذریعہ انتخاب ہوا۔۔۔ خلافت نے بیت المال اپنی ذات کے لئے استعمال کر کے محلات شاہی میں قیام اور زر و جواہرات پر اپنا تصرف کیا۔۔۔ ایسی صورت میں خلافت نے ایک علیٰحدہ حیثیت حاصل کی۔ اور قرآن و حدیث اور عمل کا اجراء۔۔۔ شریعت نے علیٰحدہ حیثیت اختیار کر کے علمائے شریعت نے شریعت کا اجراء مسجد سے کیا۔۔۔ اس شریعت میں طریقت کا تصور حسب سابق یکساں تھا۔ لیکن بعد میں علمائے اسلام سے تقویٰ، پرہیز گاری اور قرآن و حدیث کے اجراء میں تغافل اور کوتاہی۔۔۔ اہل ایمان کو۔۔ شریعت کی حقیقی روح۔۔۔ ایمان۔۔۔ تزکیہ نفس۔۔۔ پاکیزہ نفسی حاصل نہ رہی۔۔۔ تو یہ علم۔ صرف کتابوں کی شکل میں جاری ہوا۔ جس سے شریعت کی حقیقی روح۔۔۔ تزکیہ۔۔۔ روحانی، جسمانی پاکیزگی اور کامل ایمان نہ مل سکا۔۔۔ اس مقام پر علمائے امت دو فریق میں بٹ گئے۔ ایک جماعت ایسے علماء کی تھی جنہوں نے قرآن و حدیث فقہ و اجتہاد کو علمی حیثیت میں جاری رکھا۔ مگر تقویٰ و تزکیہ کو لازم نہ رکھا گیا۔۔۔ دوسری جماعت وہ تھی جس نے حقیقی تصور کے ساتھ قرآن و حدیث و فقہ کا اجرا کیا۔ اس کے ساتھ قرآنی حکم کے مطابق۔ تزکیہ نفس۔ مجاہدات۔ ریاضت و تقویٰ کو لازم رکھ کر قرآن کی روحانی حیثیت کو بحال رکھا۔ ان میں اول الذکر جماعت علمائے اسلام و شریعت سے منسوب ہوئے۔ دوسری جماعت علمائے طریقت سے منسوب ہوئے۔ ان ہی تین جماعتوں کی عملی تفریق سے اسلام تین مختلف تصورات میں بٹ گیا۔ حالانکہ یہ تینوں تصورات شریعت حقہ کی ایک ہی ہیئت ہیں۔۔۔ یہ زمانہ ہے جب اسلام خلافت عثمانیہ کے اقتدار میں ترکیہ تک پہنچا۔۔۔ اور ترکی خلافت اسلامی کا دارالخلافہ بنا۔ اسی خلافت کے ساتھ شریعت بھی اقتدار اسلامی کے ساتھ ترکیہ تک پہنچی جس سے علوم قرآن و حدیث کا وسعت کے ساتھ اجرا کیا گیا۔۔۔ لیکن اس مقام پر اصل علمائے امت نے مسجد سے علیٰحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر کے قرآن و حدیث کو ایمان و تقویٰ و تزکیہ کے ساتھ جاری رکھا۔۔۔ اسی طریق میں قرآنی حکم کے مطابق خصوصی طور تزکیہ و مجاہدہ کو لازم رکھا گیا۔۔۔ جیسا کہ قرآن نے زائد عبادت کی صورت میں عبادت کو لازم رکھا۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰى أَنْ

يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸، ۷۹)

یارسول اللہ نماز قائم کریں۔ مغرب اور عشاء کی۔۔۔ اور صبح کے وقت تلاوت کریں۔ تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے۔۔۔ اور رات کو بھی نماز زائد عبادت قائم کریں۔۔۔ یہ آپ کے لئے فرض سے علاوہ زائد عبادت ہے۔۔۔ عنقریب اس عمل سے ایک ایسا طریق وضع ہو گا۔۔۔ جس سے آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تا ابد حمد کا سلسلہ جاری رہے گا۔

یہ قرآنی آیت واضح کرتی ہے۔۔۔ رات کی عبادت۔۔۔ اور قرآن پڑھنا۔ تزکیہ نفس، پاکیزگی روح و جسم۔۔۔ اور مشاہدہ باطنی حاصل ہونے کے لئے ایک خاص عمل ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ؕ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۶)

رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اس سے نفسانی آلائشیں کچلی جاتی ہیں۔ اور کلام میں اثر، قبولیت پیدا ہو جاتی ہے۔۔۔ یہی عمل ہے۔ جس سے تزکیہ نفس، روحانی پاکیزگی اور مشاہدہ باطنی حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اسی عمل سے شریعت کے حکم پر سے حاصل شدہ ثواب۔ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ مشاہدہ میں آتا ہے۔ یہی طریق ہے مشاہدہ کا۔ جسے طریقت سے موسوم کیا گیا۔۔۔ یہی عمل علمائے اسلام میں علمائے طریقت نے قرآن و حدیث کے اجراء کے ساتھ جاری رکھا۔ جب ایران خلافت عثمانیہ ترکیہ کے زیر نگیں ہوا۔۔۔ تو علمائے شریعت علمائے طریقت نے ایران میں بھی شریعت کا اجراء کیا۔۔۔ چنانچہ علمائے امت کے صاحب طریقت اولیاء نے جنگلوں میں گوشہ نشینی اختیار کر کے علم طریقت و شریعت کا اجراء کیا۔ اس طرح جنگلوں کی تنہائی، علم طریقت کا مرکز بن گئی۔ جہاں اولیائے امت نے گھاس کی جھونپڑیوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تہجد، تلاوت قرآن، تزکیہ، مجاہدہ، رات جاگنا، تصور و مراقبہ کا ایک خاص عمل لازم رکھا۔ چنانچہ طالبان حق نے قرآن و حدیث کے علم کے ساتھ۔ قرآنی حکم کے مطابق۔ قیام لیل، روزہ، مراقبہ پر، مداومت کر کے علم معرفت حاصل کیا۔۔۔ یہ بات واضح تھی کہ علمائے شریعت نے قرآن و حدیث کی ترویج میں۔ ترجمہ، تفسیر، فقہ، اجتہاد، فلسفہ، معقول، منقول اور دیگر علوم کا اجراء کر کے قرآنی تعلیم کو وسعت دی۔۔۔ لیکن زائد عبادت، تزکیہ، مجاہدہ کو لازم نہ رکھا جس وجہ سے علمائے شریعت کو وہ روحانی خصوصیت حاصل نہ رہی جو علمائے طریقت کو حاصل تھی۔۔۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلاشبہ قرآنی حکمت و فلسفہ کو فروغ حاصل ہوا۔ مگر شریعت کی اصل روح، مشاہدہ حقیقت، مشاہدہ اسرار الہی۔۔۔ مشاہدہ متشابہات قرآنی انہیں میسر نہ ہو سکا۔۔۔ سوائے

قرآنی احکام کی تعمیل کے --- اس اعتبار سے --- تفسیر قرآن میں جو حقیقی قوت الفا تفسیر کے لئے لازم تھی، حاصل نہ ہونے کے سبب، قرآنی تفسیر میں عقلی استدلال سے کام لیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مفسرین کے عقلی استدلال کے سبب نظریات و عقائد میں وسیع اختلاف پیدا ہوا۔ یہ اختلاف آخر امت میں فرقہ بندی اور تفرقہ کا سبب بنا۔ یہی وہ عمل تھا جس نے شریعت اور طریقت میں فرق ڈال دیا --- کہ شریعت، طریقت سے علیحدہ تصور کی جانے لگی --- بدیں وجہ جب کہ علمائے امت نے تزکیہ، مجاہدہ کو علم کے ساتھ لازم نہ رکھا، علمائے شریعت میں کامل تقویٰ نہ رہا۔ جس کے نتیجہ میں علمائے سوء کا وجود پیدا ہوا کہ باوجود علم میں کمال حاصل ہونے کے ان کی شخصیت میں مومنانہ کردار نہ پایا گیا۔ جس وجہ سے خود علمائے شریعت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا --- ان کی شخصی نفرت کی وجہ سے ان کے عقائد و نظریات میں مبالغہ آمیزی کے سبب قرآن و حدیث پر تنقید کی جانے لگی اور یہ علم (علمائے شریعت کی تفسیر) قرآنی حقیقت کو واضح کرنے میں قابل تسلیم نہ سمجھا گیا --- اس طرح عوام الناس کی صحیح ہدایت کی راہیں مسدود ہو کر رہ گئیں۔ رفتہ رفتہ شریعت میں مومن کا تصور محو ہو گیا۔ اس کی جگہ تابع شریعت کو مسلمان پکارا جانے لگا --- جب کہ قرآن نے اپنے تابع کو مومن کے لقب سے پکارا اور آج ہر عالم خود اس غلط فہمی کا مرتکب یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے معنی "اے مسلمانو" کے تصور میں پیش کرتا ہے اور ہر وہ شخص جس نے صرف کلمہ پڑھا یا کسی مسلمان کے گھر پیدا ہوا۔ شریعت کی تابعداری اپنے اوپر لازم نہ رکھتے ہوئے صاحب شریعت مسلمان سمجھ کر خود کو تابع قرآن سمجھتا ہے۔

یہی صورت خلافت عثمانیہ (ترکیہ) میں --- یا اس سے قبل خلافت عباسی یا اموی میں رہی کہ علمائے شریعت میں کامل تقویٰ و تزکیہ نہ ہونے کے سبب رفتہ رفتہ قرآن کی روحانی سپرٹ ختم ہو کر افراد انسانی کو قرآنی روحانیت میسر نہ ہونے کے باعث حقیقی اسلام کی ہیئت کا مظاہرہ نہ ہو سکا۔ نہ اس کا عمل قائم رہ سکا۔

علمائے طریقت سے مراد ہی یہ ہے کہ ان علماء نے قرآن و حدیث، ترجمہ، تفسیر فقہ، اجتہاد کے ساتھ تزکیہ، مجاہدہ سے روحانی قوت کو بحال رکھ کر طالبان علم کو قرآن کے حقیقی آثار و حکمت سے بالمشاہدہ آگاہی دی --- ان لوگوں نے مسجد سے ہٹ کر جنگلوں میں بسیرا کیا جہاں طالبانِ حصولِ علم کیلئے رجوع کرتے رہے --- وہ زمانہ تھا جب ایران، خلافت عثمانیہ کے زیر نگیں تھا، جہاں علمائے طریقت نے سازگار ماحول پا کر گھاس کی جھونپڑیوں میں شریعت کا اجرا کیا --- یہ طریق عام ہو گیا کہ طالبان علم۔ حصول علم کے لئے گھاس کی

جھونپڑیوں کی طرف آنے لگے۔ فارسی میں گھاس کی جھونپڑی کو خانہ گاہ کہتے ہیں۔۔۔ چونکہ یہ مقام شہر سے دور ہوتا تھا۔ لازم تھا کہ ضروریات کے لئے لوگ شہر سے کھانے پینے کی اشیاء ساتھ لاتے تو یہ ایک سلسلہ شروع ہوا کہ طالبان علم کی ضرورتوں کے لئے خانہ گاہ میں کھانے پینے کی اشیاء لائی جاتیں جس میں بطور نیاز لوگ بھی تحائف لانے لگے۔ اس طرح خانہ گاہ میں وافر مقدار میں اشیاء جمع ہونے لگیں۔۔۔ چونکہ یہ لوگ صاحب طریقت تھے۔۔۔ ان سے اکثر کرامات کا اظہار بھی ہوتا۔۔ اسطرح سوائے خاص طالبانِ علم کے سوا عام لوگوں کا رجوع بھی یہاں پر ہوتا رہا۔۔۔ ضروری تھا کہ ایک عالم امت سے بحیثیت ولی طریقت کا اجرا ہوتا۔۔۔ اس طرح قرآن و حدیث کے علم کے ساتھ ایک عالم امت کے لئے ایک ولی، صاحب مشاہدہ صاحب طریقت، صاحب کرامت، ہونے کی خصوصیت عوام الناس کے سامنے ظاہر ہوتی۔ چونکہ اس مقام پر طریقت کے مظاہرات کو خصوصی حیثیت حاصل رہی۔ اس لئے یہ طریق خالص طریقت کے تصور میں سامنے آیا۔

استدراجی عمل اور مراتب تصوف

ابتدائی دور میں جب تک قرآنی حکم کے مطابق لوگوں میں تہجد، نوافل، قرأت، قرآن، تزکیہ نفس، مجاہدہ قائم رہا۔ یہ طریق اپنی روحانی خصوصیت کے ساتھ جاری رہا۔ لیکن خانہ گاہ میں وافر مقدار میں۔۔۔ نذر و نیاز میں جنسی اشیاء کے ساتھ مال و زر کی فراوانی ہوئی تو۔۔۔ لوگوں میں ضرورت سے زیادہ حصول مال کا جذبہ بڑھنے لگا۔ اس طرح ان کے تزکیہ میں فرق پیدا ہونے لگا۔ نتیجہ یہ ہوا ان کے اعمال میں کمزوری پیدا ہونے لگی۔۔۔ اب ایک قائم مقام خلیفہ میں وہ خصوصیت باقی نہ رہی جو ایک ولی کے لئے لازم تھی۔۔۔ اور آئندہ۔۔۔ بغیر صفات ولایت کے ایک خلیفہ کا قیام ہوتا رہا۔ جس سے طالبانِ علم کو حقیقی علم معرفت حاصل نہ ہوسکا اور ہر خلیفہ محض خانہ گاہ میں قابض رہنے کی ہوس میں خود کو خلیفہ کی حیثیت میں پیش کر کے مقام خلافت پر فائز رہا۔۔۔ نتیجہ یہ کہ خانہ گاہ میں بھی حقیقی شریعت و طریقت کی روحانی ہیئت کمزور ہوتی گئی۔ اب خلیفہ نے مصنوعی طریق پر محض لذت نفس اور مال و زر کی طلب و خواہش کے جذبہ کے تحت مصنوعی طریقت کا اجرا شروع کیا۔ جہاں خانہ گاہ میں سوائے مال و زر کے جمع ہونے اور بے جا استعمال کے شریعت و طریقت کی روح مسخ ہو گئی۔ اب خانہ گاہ صرف عیش و عشرت کا اڈہ بن گیا۔۔۔ جہاں خلیفہ اور اسکے ولارث خانہ گاہ کے مالک بن گئے اور اس خانہ گاہ نے۔۔۔ خانہ گاہ کی ہیئت اختیار کی۔ دراصل خانقاہ۔۔۔ خانہ گاہ کا

متبادل نام ہے جہاں اب نہ علم القرآن ہے نہ صحیح علم پیش کیا جاتا ہے اور نہ ہی طریقت کا علم و عمل باقی ہے لہذا آئندہ یہی خانقاہ طریقت کی اصل قرار دی گئی۔۔۔ اسی زمانہ میں جب قرآن و حدیث اور قرآنی طریق عمل قرآنی طریق طریقت، تہجد، قرآن کی تلاوت رات کا جاگنا، فاقہ جیسے عمل کو لازم نہ رکھا گیا۔ تو بعض علمائے امت نے طالبان علم کے لئے تزکیہ نفس کے چند خاص طریق اختراع کئے۔ جس میں بغیر علم القرآن، بغیر اتباع شریعت، بجائے روزہ کے فاقہ کشی، رات جاگنے۔۔۔ اور قرأت قرآن کی جگہ چند مخصوص قرآنی آیات یا الفاظ کا وظیفہ مقرر کیا۔ اس کے ساتھ ہی تزکیہ قلب کے لئے، مراقبہ، یکسوئی، جیسے شمع بینی یا کسب القمر (چاند پر ٹکٹکی لگا کر قوت ارادہ کو پختہ کرنا) یا ذکر اللہ ہو۔۔۔ یا حبس نفس (سانس بند کر کے کلمہ شریف ورد کرنا) وغیرہ۔ ایسی ترکیبیں اختراع کیں جن کا اثر یہ ہوا کہ اس طریق عمل سے لوگوں کو قوت مشاہدہ حاصل ہوئی۔ جس میں باطنی کیفیات کا مشاہدہ ہوا۔ ان مشاہدات میں دل کے حالات جاننا۔ آنکھیں بند کر کے نورانی کیفیتیں مشاہدہ کرنا۔۔۔ زمین کے اندر کی کیفیتیں۔۔۔ مدفون خزانے۔۔۔ قبروں کے احوال کا مشاہدہ یا بعض کرامات[1] کا

---

[1] کرامات: دراصل اسلامی طریق عمل میں' رات جاگنا' تہجد' نماز' فاقہ' طریقت کے لیے مخصوص عمل تھا۔ یہ عمل شریعت کے عمل' نماز' روزہ' زکوٰۃ کے ساتھ مشروط تھا کہ بغیر اتباعِ شریعت' رات جاگنا' فاقہ' مجاہدہ کے جو نتائج اس عمل سے حاصل ہوں۔ احسن قرار نہیں دیئے جاتے۔ اس وجہ سے کہ رات جاگنے' فاقہ' مجاہدہ سے انسانی ناری (روح حیوانی) قوت قوی ہو کر اس سے مافوق العقل کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ لیکن بغیر اتباعِ شریعت یہ قوت شر کے لیے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس اتباعِ شریعت کے تحت یہ عمل' یہ نتیجہ بجائے شر کے خیر میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اتباعِ شریعت میں انسان شریعت کا پابند رہ کر اس قوت کو شر میں استعمال نہیں کر سکتا۔ خلافتِ عثمانیہ کے دورِ خلافت میں۔ ایران و ترکی میں' گزشتہ یونانی' رومی اور آرین فلسفیوں اور رشیوں کے طریق عمل میں۔ بغیر اتباعِ شریعت' رات جاگنے' فاقہ اور مجاہدہ سے کراماتی قوتیں حاصل کر کے۔ اس عمل کو وجہِ فضیلت قرار دے کر ایسے عمل کو دین کی شکل میں جاری کیا تھا۔ اس طرح گزشتہ مذاہب کے ایسے اعمال' طریق عمل پر طریقت کی بنیاد کو قائم کیا گیا تھا۔ اور اسی عمل پر ایرانی صوفیوں نے' اسلامی طریقت کو شامل کر کے' طریقت کو' کرامات کی اصل پر' ایک

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حاصل ہونا شامل تھا۔ ان مظاہرات سے ایک شخص کے کمالات کے مظاہرہ میں چونکہ ایسے لوگ خانقاہ سے وابستہ تھے۔ ایک خلیفہِ خانقاہ کو ولی سمجھا گیا اور اسی عمل کو طریقت سمجھا جانے لگا۔۔۔ بعد کے زمانہ میں علم طریقت کا اسی تصور پر اجرا ہوتا رہا مگر یہ طریق شریعت کی پابندی سے مشروط نہ تھا۔۔۔ بعض لوگوں نے شریعت کی پابندی، نماز، روزہ، اخلاق و احسان پر بھی عمل کیا۔ لیکن یہ عمل بغیر شریعت کی پابندی کے بھی روبہ عمل لایا گیا۔ جب کہ دونوں فریق کے مظاہرات یکساں تھے۔۔۔ اس مقام پر طریقت کا عمل دو حصوں میں بٹ گیا۔۔۔ ایک وہ لوگ جنہوں نے خانقاہی طریق عمل سے اختلاف کیا۔ اور خانقاہ سے علیحدہ ہو گئے دوسرے وہ جنہوں نے خانقاہ پر قبضہ جما کر بغیر پابندی شریعت یا حقیقی طریق طریقت سے علاوہ اختراعی طریق عمل اختیار کر کے چند کراماتی قوتوں کا مظاہرہ کیا۔ ان میں فریق اول علمائے امت ہیں جنہوں نے قرآن و حدیث کا اجرا ۔۔۔ اور صحیح طریق پر عمل کر کے ولایت کے مراتب حاصل کئے۔ البتہ ان اولیاء نے بھی ایرانی طریق تزکیہ کو طریقت کے عمل میں شامل رکھا۔ کیونکہ یہ عمل مشاہدات و کرامات حاصل کرنے کا آسان طریقہ تھا۔ دوسرے وہ جنہوں نے بغیر اتباع شریعت ایرانی طریق کو اختیار کیا۔ اول الذکر عالم کو حامل یا صاحب شریعت ولی کہا گیا۔ جو اصول شریعت کے تحت احسن تھا۔ دوسرا طریق شریعت کے خلاف، استدراجی یا شیطانی طریق قرار دیا گیا۔

یہی وہ طریق تھا جو خلافت عثمانیہ کے دور میں ترکی اور ایران میں جاری تھا اور خلافت عثمانیہ کے زوال کے بعد جب مغل شہنشاہوں نے ہندوستان میں داخل ہو کر بیشتر علاقے فتح کئے تو شہنشاہیت کے ساتھ شریعت کے علماء نے بھی ہندوستان کا رخ کیا۔۔۔ اس سے قبل بھی ایران، کابل کی راہ بعض علماء شریعت و طریقت ہندوستان میں وارد ہوئے۔ جو صرف دین اسلام کی وسعت اور مخلوق انسانی کی ہدایت کے جذبہ کے تحت ہندوستان آئے۔ انہوں نے صحیح معنوں میں ہندوستان میں دین اسلام کا نفاذ کیا اور کثرت سے لوگوں کو دین میں داخل کیا۔ ان علمائے امت نے ایک طرف قرآن و حدیث کی تعلیم دی دوسری طرف علم طریقت کا بھی اجرا کیا۔ لیکن ان کے پاس بھی علم طریقت کا وہی طریق تھا جو ایرانی طریق طریقت تھا جس میں، فاقہ، رات جاگنا، ذکر، حبس نفس وغیرہ استعمال ہوتا تھا۔ مگر اس طریق

(بقیہ حاشیہ صـ۳۷۵)

اسلامی طریقت میں' طالبانِ حق کے لیے پیش کیا' جس میں اتباع شریعت کو لازم نہ رکھا گیا اور اسی عمل کو مبنی بر حقیقت سمجھا گیا۔

میں چونکہ شریعت پر کامل عمل لازم تھا۔ اس لئے ایسے عمل سے طالبانِ حق کو معرفت کی راہ میسر ہوتی رہی۔ انہیں مشاہدہ و مراتب حاصل ہوتے رہے ان علمائے امت میں حضرت معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ، حضرت فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ، حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر ہندوستان کے مشہور اولوالعزم ہستیاں شمار ہیں۔۔۔ جنہوں نے ہندوستان میں حقیقی علم شریعت و طریقت کے علم و عمل کا مظاہرہ کیا۔ ان کے بعد ان کے جانشین، خلفاء نے بھی طریقت کا علم و عمل بہتر شکل میں جاری رکھا۔ مگر ہندوستان خاص کر مغل شہنشاہیت کے دور میں ہندوستان میں زر و جواہرات کی فراوانی نے ان اولیاء کے، علمی و عملی مراکز کو متاثر کئے بغیر نہ چھوڑا۔ ہندوستان میں قبل ازیں ہندو آرین قوموں کا تسلط تھا۔ جس میں ہندو فلسفہ علم میں بھی۔ ایک قدیم تصور طریقت کا جاری تھا جس میں ہندو علماء (برہمن) بھی استدراجی طریق پر تزکیہ و مجاہدہ سے روحانی قوتوں کا مظاہرہ کرتے رہے۔ نیز ان کے پاس بھی مشاہدات و کرامات سے متعلق علم طریقت کا تصور موجود تھا۔۔۔ جس میں علم الٰہیات، میں کیفیات باطنی کا مشاہدہ اور تصور و مشاہدہ ذات الٰہی کا تصور پایا جاتا تھا۔ اس تصور پر ہندو فلسفہ علم الٰہیات میں خاص نظریہ وحدت الوجود ہے جس کے ہندو مذہب کے اہل دانش قائل ہیں۔۔۔ ہندو مذہب کے نظریات و عقائد میں ان کے خاص عمل، تزکیہ نفس کو خاص دخل ہے۔ ہندو علماء (برہمن) اکثر تزکیہ نفس، فاقہ، حبس نفس، سانس بند کرنے کی مشق کرتے۔ نیز نقطہ بینی، بلور بینی، شمع بینی پر یکسوئی (CONCENTRATION) کے ذریعہ قوت ارادی اس قدر قوی کی جاتی ہے کہ سادھو اس عمل سے بیماروں کو اچھا کرتے ہیں۔۔۔ پانی پر چلتے۔۔۔ ہوا میں اڑتے۔۔۔ اور ایک خاص عمل یہ کہ سانس بند کر کے اپنی روح پر قابو پا کر۔ زمین میں دفن ہو کر ہفتوں مہینوں زندہ حالت میں رہتے ہیں۔۔۔ اس قوت کو حاصل کرنے کے لئے ان کے تزکیہ نفس کے عمل کو ہندی زبان میں "پران یوگ" وغیرہ کہا جاتا ہے۔

ہندوستان میں اولوالعزم اولیاء کے علم شریعت و طریقت کے اجراء پر ہندو مذہب کا یہ طریق زیادہ تر استعمال میں نہ آیا۔ اس کی جگہ شریعت اور طریقت نے لے لی اور یہاں اسلامی طرز کا طریق طریقت جاری رہا۔ لیکن ایرانی اختراع کردہ طریق طریقت میں۔ حبس نفس، یکسوئی کا طریق، ہندو مذہب کے طریق کے مطابق یکساں تھا۔۔۔ اسلئے یہ عمل ہندوؤں، مسلمانوں میں مشترک رہا۔ اور اس عمل کے نتائج، کرامات و کشف یکساں نوعیت کے تھے۔۔۔ فرق صرف یہ تھا۔۔۔ کہ اصول شریعت کے تابع ایک ولی کا عمل شریعت کے

تابع احسن تھا۔۔۔ اور سادھو کا عمل بغیر اتباع شریعت استدراجی یا شیطانی کہلاتا۔۔۔ یہی عمل مسلمان کے لئے بغیر اتباع شریعت۔۔۔ طریقت سمجھا جانے لگا۔ چونکہ اس طریق میں کرامات کا اظہار بھی ہوتا رہا۔ تو لوگوں نے غلط فہمی میں ایسی کرامات کو دائرہ اسلام میں تصور کیا۔ اس غلط فہمی کے نتیجہ میں جب کہ اس طریق میں، بھنگ، چرس، شراب، اور خلاف شریعت اعمال کے ہوتے کرامات کا اظہار ہوتا رہا۔ طریقت کو شریعت سے الگ عمل سمجھا گیا کہ طریقت شریعت سے الگ ایک راز ہے جس میں شریعت کی پابندی لازم نہیں۔۔۔ حالانکہ یہ تصور قطعاً شریعت حقہ کے خلاف استدراجی۔۔۔ شیطانی عمل تصور ہوتا ہے۔

جیسا کہ ابتداء میں اسلام (خلافت اسلامی) خلفاء اربعہؓ میں خلافت۔ اقتدار اعلیٰ۔۔۔ شریعت، طریقت۔۔۔ ایک واحد حیثیت رکھتی تھی۔۔۔ کہ خلیفہ کے لئے امیر المومنین کی حیثیت میں قرآن و حدیث پر عبور و عمل بدرجہ اولیٰ ہونا اس حال میں کہ اس زمانہ میں طریقت کا کوئی الگ تصور قائم نہ کیا گیا تھا یعنی اتباع شریعت میں کامل و اکمل ہونا۔ اور صاحب طریقت ہونا شرط تھا۔۔۔ مگر بعد کے زمانہ میں خلفاء کی ضوابط شریعت میں کوتاہی کے سبب اقتدار اعلیٰ نے خلافت کی ایک علیحٰدہ حیثیت اختیار کی اور شریعت و طریقت کو علیحٰدہ حیثیت میں علماء امت نے اپنایا۔۔۔ اور آگے چل کر جب قرآنی اصول کے تحت۔ علماء شریعت نے تزکیہ، مجاہدہ۔۔۔ قیام عمل، تہجد، تلاوت قرآن کے عمل میں کوتاہی برتی۔ تو شریعت دو ہیئتوں میں بٹ گئی اور طریقت کو علیحٰدہ حیثیت دی گئی۔ اسی طرح علمائے اسلام نے شریعت کی اتباع کو اپنے اپنے عمل میں شامل رکھا تو یہ طریق قرآن و حدیث کے عین مطابق رہا۔۔۔ اور جب علمائے امت میں رفتہ رفتہ شریعت کی اتباع میں کوتاہی پیدا ہوئی۔ تو یہی حقیقی عمل بغیر اتباع شریعت، استدراجی عمل قرار دیا گیا۔۔۔ البتہ چونکہ اہل اسلام کی نسبت قران و حدیث سے ہی رہی۔۔۔ اس لئے لاعلمی کے سبب مدتوں ہندوستان میں یہی عمل، جاری رہا۔ جس میں بغیر اتباع شریعت، تزکیہ نفس، حبس نفس اور ایرانی طرز کے اختراع کردہ طریق۔ ذکر نفی اثبات۔ ذکر اللہ ھو وغیرہ پر عمل ہوتا رہا۔ اس طریق کو لاعلمی کے سبب حقیقی طریقِ طریقت سمجھا جانے لگا۔۔۔ درحقیقت اصول طریقت یا اصول تصوف میں مشاہدات باطنی میں کیفیات کو مراتب کی صورت میں ترتیب دیا جاتا ہے۔ وہ مراتب عالم ناسوت۔ عالم ملکوت۔ عالم جبروت۔ عالم لاہوت مقرر کئے گئے ہیں۔ ان مراتب کے تصورات۔ حقیقی معرفت و مشاہدہ اسرار الہیٰ پر قائم کئے گئے ہیں۔ اول عالم ناسوت۔ عالم ناس سے تعبیر ہے یعنی مادی یا عالم دنیا۔ یہ مادی، یا ناری ہیئتوں کے ظاہری و باطنی مشاہدہ

سے تعلق رکھتا ہے دوسرے عالم ملکوت۔ یہ نوری ہیئتوں کے باطنی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے--- اس علم کا تصور ملائکہ یعنی نوری ہیئتوں کے تصور پر قائم کیا گیا--- عالم جبروت بھی نوری مقام ہے۔ جو عالم ملکوت کے ماورئی۔ عالم نورانی سے تعلق رکھتا ہے--- اس عالم کا تصور جبرائیل یعنی عظیم نوری ہیئتوں پر قائم کیا گیا۔ عالم لاہوت یہ خالص نوری مقامات علیا سے تعلق رکھتا ہے جو نور محض صفات الہیٰ کے تصور پر قائم کیا گیا--- عالم ناسوت میں عمل، اتباع شریعت کے ساتھ احسن ہے۔ بغیر اتباعِ شریعت اس عالم کا مشاہدہ بلاتمیز مذہب ہر انسان کو صرف تزکیہ نفس سے ہوتا ہے--- اس لئے ایسے عالم کو اگر اس نے اتباع شریعت کے ساتھ عمل کیا ہو "عامل" کہا جاتا ہے--- البتہ اصول طریقت کے مطابق ایسا شخص ولی نہیں کہلا سکتا--- اور بغیر اتباع شریعت یہ عمل شیطانی عمل سے تعبیر ہوتا ہے۔ ایسا شخص شیطان صفت زمرہ ولایت، زمرہ اسلام سے خارج ہوتا ہے لیکن لاعلمی کے سبب جب کہ مدتوں علمائے امت نے اصول قرآن کے تابع تزکیہ و تقویٰ پر عمل نہ کیا۔ انہیں مقامات علیا کے مراتب کا مشاہدہ حاصل نہ ہوا۔ انسانی ذہن ایسے مراتب کے تصورات سے خالی ہو گیا--- اس کے مقابل۔ عالم ناسوت کے عمل اور مشاہدہ کا عام چرچا رہا۔ عوام الناس نے عالم ناسوت کے علم و عمل کو حقیقی طریقت سمجھ کر، عالموں یا استدراجی فقیروں کی طرف رجوع کیا--- یہاں تک کہ لوگ حقیقی علم طریقت، مشاہدہ، عالم ملکوت۔ جبروت، لاہوت سے یکسر غافل رہے۔ یہی وجہ تھی کہ مدتوں سے کیا عوام الناس اور کیا طالبان حق کسی کو بھی حقیقی علم طریقت و معرفت نہ حاصل ہوا نہ کسی موقع پر ایسے صاحبان علم، ولی اکمل کے مشاہدات و مراتب کے قائل ہوئے۔ نہ ایسے علم پر یقین کرنے پر آمادہ ہوئے۔

اس موقع پر حقیقی علم طریقت کی وضاحت لازمی ہے کہ سمجھا جائے۔ ازروئے قرآن حقیقی علم طریقت کی ہیئت کیا ہے؟ اس کے متعلق قرآن نے ایک خاص بیان پیش کیا اور علمائے طریقت نے اسی قرآنی حکم کی روشنی میں ایک خاص عمل متعین کیا۔ جو سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔

أَقِمِ الصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْءَانَ الْفَجْرِ
إِنَّ قُرْءَانَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ۝

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز قائم کریں سورج غروب ہونے سے رات گہری ہونے تک صبح کو قرآن پڑھیں تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِّصْفَهُۥٓ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝

اَوۡ زِدۡ عَلَيۡهِ وَرَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِيۡلًاؕ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۳ آیت ۱ تا ۴)

اے کملی والے نبی اٹھیں مگر تھوڑا، رات کا نصف یا اسے کم کریں یا چاہیں زیادہ کریں اور قرآن پڑھیں--- یہ عمل اس لئے مقرر ہے کہ اس عمل سے تزکیہ حاصل ہوتا ہے اور آثار باطنی--- اور قرآنی آیات کے انوار (نُورٌ مُّبِيۡنٌ) مشاہدے میں آتے ہیں۔ تجلیات قرآنی باطنی اسرار سے مشابہ ہیں۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيۡلِ هِىَ اَشَدُّ وَطۡـاً وَّاَقۡوَمُ قِيۡلًا ؕ

تحقیق رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اس سے نفسانی (کثیف) آلائشیں کچلی جاتی ہیں اور کلام میں تاثیر (روحانی کرامات) پیدا ہوتی ہے۔

قرآن نے واضح طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دو خاص عمل دیئے ایک رات کا جاگنا--- دوسرا تلاوت قرآن--- یہی دو عمل صحابہ کی خاص جماعت نے حاصل کئے جنہیں وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ مَعَكَ (پارہ ۲۹۔ سورۃ ۷۳۔ آیت ۲۰) کے حکم کے مطابق خاص جماعت مقرر کی۔ یہی خاص جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم--- کے قائم مقام--- خلفاء میں سے ہے--- جنہیں رات جاگنے اور تلاوت سے مشاہدہ باطنی حاصل ہوتا ہے۔ یہ جماعت مومنین کی ہے--- جو اولاً شریعت کی پیروی میں--- نماز--- روزہ--- زکوٰۃ--- احسان۔ اخلاق کی بدرجہ کمال پابندی کرتے ہیں۔ اور رات کے آخری حصہ میں تلاوت کرتے ہیں یعنی رات کو جاگتے ہیں۔ اور قرآنی آیات کے انوار کا مشاہدہ کرتے ہیں--- قرآنی آیات کا مشاہدہ--- اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا--- بلاشبہ۔ رات جاگنے اور روزہ رکھنے سے جسمانی کثافت تحلیل ہو جاتی ہے--- اس کا لازمی اثر روح کی لطافت ہے روح کی لطافت کا لازمی اثر مشاہدہ باطنی ہے--- لہٰذا اس قرآنی آیت کا مفہوم واضح ہے۔ کہ قرآن کا اشارہ--- مشاہدہ باطنی کی طرف ہی ہے کیونکہ فطری اصول و قانون کے تابع--- ایسا ہونا یقینی ہوتا ہے اس مقام پر مفسرین نے مَشۡهُوۡدًا کے مفہوم کا ایک مبالغہ آمیز تصور دیا۔ کہ صبح کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر کیا جاتا ہے--- وہ اس لئے کہ قرآنی اصطلاح میں شاہد ہونا--- عجمی تصور میں گواہ ہونا--- کسی کیفیت پر قریب ہو کر اطلاع پانا ہے--- یہ تصور دراصل--- تفسیر میں قوت القانہ ہونے کے سبب--- عقلی۔ استدلال پر قائم کیا گیا--- جب کہ مَشۡهُوۡدًا سے اصل مراد کسی کیفیت باطنی کا ادراک میں آنا ہے--- اور یہ مفہوم--- ایک عالم کے طریق مشاہدہ باطنی سے آگاہ ہونے پر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جب کہ اس مفہوم میں مبالغہ کی یہ صورت واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سَمِيۡعٌ بَصِيۡرٌ کی صفت کے اعتبار سے ہر غیب و ظاہر۔ ہر دور و نزدیک

کیفیت پر علمی احاطہ رکھنے کی قدرت رکھتا ہے اس حال میں کہ یہاں کسی عمل کو اللہ کے حضور پیش کرنے کا تصور قطعی مبالغہ سمجھا جاسکتا ہے۔ جب کہ کسی کے قرآن پڑھنے کے ساتھ ہی اللہ کا بحیثیت سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ قرآن سننا لازم ہوتا ہے۔ دوسرے اس مفہوم کے تحت کہ صبح کا قرآن پڑھنا فرشتے اللہ کے حضور پیش کرتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی مبالغہ ہے کہ ملائکہ کی قدرت نہیں کہ وہ اللہ کی ذات تک رسائی حاصل کر سکیں لہذا یہ تصور اور تفسیر درست نہیں ہو سکتی۔

یہی دو عمل طریق طریقت میں مستعمل ہیں۔ جس میں رات جاگنے سے قوت مشاہدہ پیدا ہوتی ہے اور اس مشاہدہ میں قرآنی آیات کے انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ اسی آیت کے تحت طریقت میں علمائے امت نے قرآنی آیات میں۔۔۔ خاص حروف، الفاظ یا آیات مخصوص کی ہیں جو انوار کی شکل میں مشاہدے میں آتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ ۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ

اس حکم کے تحت قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کے حکم میں تخفیف و تخصیص کی گئی۔ کہ قرآن کی تلاوت کو ایک آیت۔۔۔ ایک حرف۔۔۔ ایک لفظ تک مختصر کیا جاسکتا ہے یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔۔ یا اَللّٰهُ الصَّمَدُ۔ اَللّٰهُ ھُوْ پڑھنے میں ایسی آیات و حروف کے انوار مشاہدے میں آتے ہیں۔ ان انوار میں۔۔۔ عالم باطن۔۔۔ عالم ملکوت۔۔۔ عالم جبروت۔۔۔ عالم لاہوت کے آثار مشاہدہ کئے جاتے ہیں۔۔۔ البتہ اس عمل میں ایک عالم امت، ولی اکمل کی راہنمائی لازم اور ضروری ہے کیونکہ یہ طریق بھی قرآن نے وضع کیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّدَاعِيًا وَّهَادِيًا
وَّنَذِيْرًا ۔ اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔

ان آیات میں حضور خود شاہد ہیں۔۔۔ پھر ہادی ہیں اور آپ کے ذریعہ ہی صراط مستقیم پر پہنچنا مقرر کیا گیا۔ لہذا ہر زمانہ میں مخلوق انسانی کیلئے صراط مستقیم میں ایک ہادی کا راہبر ہونا شرط کیا گیا۔ یہی طریق علمائے امت، اولیاء کاملین کو ورثہ میں ملتا ہے کہ شاہد ہوتے ہیں۔۔۔ ہادی ہوتے ہیں۔ جو اس قرآنی عمل کے ذریعہ طالبان حق کو صراط مستقیم تک پہنچا کر صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کے مطابق عالم ناسوت۔۔۔ عالم ملکوت۔۔۔ عالم جبروت۔۔۔ عالم لاہوت کی راہ پر لے جا کر معرفت الٰہی تک پہنچاتے ہیں۔

یہ ایک خاص طریق قرآن نے معرفت حقیقی حاصل کرنے کا مقرر کیا۔ جس میں علمائے امت اولیاء کاملین نے صراط مستقیم میں مشاہدہ کر کے عالم ناسوت، ملکوت، جبروت

کے مراتب متعین کئے۔۔۔ عالم ناسوت چونکہ عالم ناس، عالم ناری سے تشبیہ ہے۔ یہ عالم بغیر اتباع شریعت بھی مشاہدے میں آتا ہے۔ اس لئے یہ علم طریق طریقت میں ولایت کے زمرہ میں شمار نہیں ہوتا۔ جب تک عالم ملکوت میں داخل نہ ہوا جائے۔

علمائے امت اولیائے کاملین نے مشاہدہ حقیقی میں عالم ملکوت کی کیفیت کے مشاہدہ میں مقام و مرتبہ کا تعین کیا۔۔۔ کہ عالم ناسوت میں مراتب کے اعتبار سے اکتالیس منازل آتے ہیں۔۔۔ ان منازل کے طے کرنے کے بعد عالم ملکوت کی ابتداء ہوتی ہے۔ عالم ملکوت کا ابتدائی باب۔ روضہ مدینہ منورہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باطنی اجلاس ہے جہاں وقت کے تمام اولیاء صف بستہ حاضر ہوتے ہیں اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت پر جلوہ افروز ہوتے ہیں اور اسے دربار محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے موسوم کیا گیا۔ یہ دربار حقیقتاً ازل سے مقرر ہے۔ اس کیفیت کی دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے واضح ہوتی ہے۔ كُنْتُ نَبِيًّا كَانَ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ۔۔۔ ہم اس وقت بھی بحیثیت نبی موجود تھے جب حضرت آدم کی بشری ہیت ابھی تکمیل پذیر نہ ہوئی تھی یہ حدیث اسی تصور کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

عالم ملکوت میں دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ حقیقی طریقت ہے۔ یعنی معرفت الٰہی کے لیے عالم ملکوت کے باب میں داخل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ صراط مستقیم۔۔۔ اللہ کی راہ کا یہ ایک خاص راستہ ہے۔۔۔ بغیر اس باب کے داخل ہوئے۔۔۔ معرفت الٰہی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اس مقام میں داخل ہونے کے لئے۔ قُمِ الَّيْلَ۔۔۔ رات جاگنا۔۔۔ اور قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔۔۔ صبح کا پڑھنا۔۔۔ اسی مقام پر۔۔۔ اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہونے کے لئے۔قُرْاٰنَ الْفَجْرِ۔۔۔ تلاوت قرآن میں ایک خاص عمل مقرر کیا گیا۔۔۔

صلوٰۃ کی تشریح

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۶)

تحقیق اللہ تعالیٰ اور ملائکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود (صَلُّوْا) بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم پر بھی لازم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو یہ حکم بھی قُرْاٰنَ الْفَجْرِ میں شامل ہے۔۔۔ قرآن نے مجملاً اس تلاوت میں صَلُّوْا کا حکم دیا لہذا صَلُّوْا کی تفسیر میں اس تلاوت کا حقیقی مفہوم خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا ہے کہ آپ پر درود ان الفاظ میں بھیجا

جائے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ - یہ درود براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا۔

دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین میں صحابہ جو ذریت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کی زبان خالص تھی۔ اس زبان کو زبان قریش سے بھی تشبیہہ دیا جاتا ہے۔ اور قرآن بھی زبانِ قریش (عربی) میں نازل ہوا۔ جس زبان کے کلام کو مکہ و مدینہ کے عربوں کو سمجھنے میں دقت نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جو حکم نازل کیا صحابہ نے بغیر دقت اس کلام کو سمجھا اور یہ خصوصیت بھی انہیں حاصل تھی کہ حکم بھیجنے پر کلام سمجھنے کے ساتھ وہ اس پر عمل کرنا بھی جانتے تھے۔ انہیں قرآن، کے ترجمہ یا تفسیر کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوتی تھی۔ ادھر اللہ نے حکم دیا۔۔۔ صَلُّوْا عَلَیْہِ۔۔۔ ادھر صحابہ نے صَلُّوْا عَلَیْہِ کا مفہوم سمجھ لیا اور خود اپنے الفاظ میں صَلُّوْا کا عمل ادا کیا اور اس عمل کا تصور بھی سمجھ لیا۔۔۔ کہ صَلُّوْا سے کیا مراد ہے اور صَلُّوْا کس طرح ادا کیا جائے۔ ایسی صورت میں صَلُّوْا کا مفہوم سمجھنے کے لئے یا صَلُّوْا ادا کرنے کے لئے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے کی ضرورت نہ تھی۔۔۔ تاہم۔۔۔ حکم الٰہی میں روحانی خصوصیت ہونے کے باعث اصحاب پوچھ لیتے تاکہ انہیں اپنی فہم اور عمل کی تصدیق حاصل ہو تو حضور ﷺ۔۔۔ ایک حکم کا مفہوم اور طریق عمل فرما دیتے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے درود کا ایک خاص طریق بیان فرما دیا۔ بجز اس کے کہ ہر شخص اپنی زبان میں۔۔۔ یہی الفاظ ادا کرتا کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ یا کسی نے درود شریف کو ان الفاظ میں ادا کیا جس کی صفت قرآن نے بیان کی۔۔۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّکَ۔۔۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی نَبِیِّ الْاُمِّیِّ۔۔۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی حَبِیْبِکَ۔۔۔ رَسُوْلِکَ۔ غرض قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن صفات سے پکارا یا اصحاب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جن صفات سے پہچانا ان صفات کے ساتھ حضور صلعم پر درود بھیجا۔۔۔ یہ سب صَلُّوْا میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لئے قرآن و حدیث سے دلیل لینے کی ضرورت نہیں۔۔۔ اس کے علاوہ صحابہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حب رکھنے والے آپ کی تعریف میں جو تصور رکھتے اسی تصور کے ساتھ آپ پر درود بھیجتے۔۔۔ مثال کے طور۔۔۔ صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حب میں جو جذبہ اور "وجدان" پایا اسی تصور کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی۔ کسی نے جذبہ حب میں آپ ﷺ کے روئے انور کو وَالضُّحٰی کی صفت سے پکارا۔ کسی نے آپ کی زلف عنبر کو وَاللَّیْلِ کی صفت سے پکارا۔ کسی نے جذبہ عشق و محبت میں دل سے یہ صدا دی۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر

کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے اطہر پر چمکتے پسینہ کے قطرات کو موتیوں سے تشبیہ دے کر اظہار عشق کیا۔۔۔ کسی نے حضور ﷺ کے قد زیبا کو سرو قد سے تشبیہ دی۔ یہ ایک فطری تاثر تھا ان کے جذبہ عشق کا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات قدسی کے لئے موزوں و مناسب تھا۔ ان صفات سے آپ کو پکارنا فطری جذبہ حب اور وجدان کے تابع تھا جس سے آپ ﷺ سے حب کا اظہار ہوتا تھا کہ حضور ﷺ صحابہ کے ان تعریفی کلمات پر اظہار خوشنودی فرماتے لہذا ان صفات کے ساتھ آپ پر درود بھیجنا ہر حال میں جائز تھا اور آپ پر درود بھیجنا بھی جذبہ حب کے زیر اثر تھا۔۔۔ لہذا اس امر میں یہ شرط و شروط نہ تھی کہ اس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی لازمی ضرورت رہتی۔۔۔ اسی تصور کے ساتھ جس نے جس صفت کے ساتھ۔۔۔ یا جس نے جس صفت کو درود میں شامل کیا۔۔۔ احسن طریق مقرر کیا جاتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ - اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَاحِبِ التَّاجِ وَالْمِعْرَاجِ -

اس کے ساتھ حضور ﷺ کی جتنی صفات کو شامل کیا جائے جائز ہے۔ کیونکہ اس عمل سے حضور سے انتہائی محبت کا اظہار ہوتا ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ حَامِلِ لِوَاءِ الْحَمْدِ - دَافِعِ الْبَلَاءِ - وَالْوَبَاءِ وَالْاَلَمِ - شَفِیْعِ الْمُذْنِبِیْنَ - اَنِیْسِ الْغَرِیْبِیْنَ - مُحِبِّ الْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنَ - رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ -

وغیرہ ان صفات کے ساتھ درود پڑھنا کسی عاشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی حب کے تحت احسن قرار دیا جاتا ہے۔ ان ہی درودوں میں اولیاء اللہ نے جذبہ حب میں درود کے ساتھ جو صفت شامل کی وہ درود جائز تصور کیا جاتا ہے وہی درود شریف اولیاء اللہ کی نسبت سے ان کے تابعین (مریدوں) میں رائج ہوا۔ اس کے لئے قرآن و حدیث سے سند لینے کی ضرورت نہیں۔

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ رسالت میں ایک شخص کعب بن زہیر حضور ﷺ کے دشمنوں میں ایک شاعر تھا۔ جو حضور ﷺ کی ہجو میں شعر کہتا تھا۔ حضور ﷺ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور ﷺ کے حکم کے مطابق صحابہ

نے اس شاعر کا تعاقب کیا کہ جہاں ملے اسے قتل کر ڈالیں۔ کعب بن زہیر قتل کے خوف سے روپوش ہو گیا۔۔۔ جب اس نے کسی طرح اپنی جان بچتی نہ دیکھی۔۔۔ تو اس نے حضور ﷺ کی شان میں ایک خوبصورت قصیدہ لکھا اور جی کھول کر حضور ﷺ کی تعریف میں اشعار لکھے۔۔۔ اور یہ قصیدہ لے کر۔۔۔ برقع اوڑھ کر۔۔۔ دربارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا۔ دربار کے قریب پہنچا تو حضرت علیؓ بھی تشریف لا رہے تھے۔ آپ نے کعب بن زہیر کو پہچان لیا لیکن اس پر ہاتھ اٹھانے میں برقع مانع ہوا۔ کہ برقع پوش پر نظر اٹھا کر دیکھنا ازروئے شریعت جائز نہ تھا۔۔۔ کعب بن زہیر سیدھا مسجد نبوی صلے اللہ علیہ وسلم میں حضور ﷺ کے پیش ہوا۔ اور برقع اوڑھ کر ہی قصیدہ پڑھنا شروع کیا۔ حضور ﷺ کعب کا قصیدہ سنتے رہے۔ ایک جگہ پر ایک شعر میں حضور ﷺ کی تعریف نہایت لطیف انداز میں کی تھی۔ حضور ﷺ نے یہ شعر سنا تو خوش ہو کر کعب کو اپنا ردائے مبارک عطا کیا۔ کعب نے ردائے مبارک لے کر چوم لی آنکھوں سے لگائی اور برقع اتار دیا۔ صحابہؓ کعب کو دیکھ کر قتل کے لئے لپکے تو حضور ﷺ نے منع فرمایا کہ کعب معاف کیا گیا۔ کعب اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر حضور ﷺ کے ثناخواں غلاموں میں داخل ہوا۔ یہ قصیدہ بانت سعاد کے نام سے مشہور ہوا۔ اسی طرح اور بھی قصیدے حضور ﷺ کی شان میں لکھے گئے۔ جن میں حضور ﷺ کی صفات کی تعریف کی گئی۔ لازمی تھا کہ حضور ﷺ نے یہ قصیدے سن کر اظہار خوشنودی کیا۔ ان میں قصیدہ بردہ بھی مشہور قصیدہ ہے۔۔۔ ظاہر ہے کہ تعریفی انداز میں جو اشعار، جو قصیدے لوگوں نے ترتیب دیئے ان کی سند قرآن سے ثابت نہیں مگر محبت رسول ﷺ میں آپ ﷺ کی صفات میں جو بھی لفظ ادا کیا گیا وہ محض محبت رسول ﷺ کے جذبہ اور وجدان کے زیر اثر ترتیب پاتا ہے جس میں حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس سے محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس عمل سے حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے۔ لہذا ایسے اشعار کا پڑھنا کسی کیلئے رسول صلعم کی خوشنودی کا سبب بن سکتا ہے۔ ایسی صورت میں ایسے اشعار۔۔۔ جن کی قرآن و حدیث سے سند حاصل نہ ہو محض ایک انسان کی ذاتی (وجدانی) اختراع ہو۔۔۔ حضور ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے ۔۔ کے لئے پڑھنا کسی طرح بھی بدعت یا ناجائز قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ اسی تصور کے ساتھ حضور ﷺ پر درود بھیجنے میں جو بھی الفاظ ادا کئے جائیں اگرچہ قرآن و حدیث سے سند حاصل نہ ہو جائز ہو سکتا ہے۔

اولیاء کرام۔۔۔ قائم مقام۔ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضوری اجلاس محمدی ﷺ ہوتے ہیں۔ انہیں بھی براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوتا

ہے۔۔۔ قرآن کی فلاں سورۃ یا فلاں آیت پڑھنے کی اجازت فرماتے ہیں یا درود شریف پڑھنے کی اجازت فرماتے ہیں۔۔۔ اس کے علاوہ خلفاء اربعہ اور دَطَآئِفَۃٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَہٗ کی خاص الخاص جماعت کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور وظائف عطا فرماتے رہے جو حدیث میں درج نہیں۔ یہ وظائف سلسلہ بہ سلسلہ، سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ یہی وظائف مختلف سلسلوں (قادری، نقشبندی، چشتی، سہروردی) میں منتقل ہوتے رہے۔ ان سلسلوں میں حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے چند وظائف سلسلہ میں سینہ بہ سینہ ورد میں آتے رہے۔ ان میں درود شریف بھی شامل ہے۔ آپ کے سلسلہ میں درود شریف بہ سند ارشاد ہوئے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ ۔
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ ۔
صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ۔

اسی طرح باقی سلسلوں میں بھی وظائف ارشاد ہوتے ہیں۔

صَلَّی اللّٰہُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَسَلَّمَ درود خضری کہلاتا ہے۔ یہ درود سلسلہ چشتیہ قادریہ۔۔۔ صابریہ کے اولیاء اللہ ارشاد کرتے رہے۔۔۔ یہی درود شریف سلسلہ اویسیہ میں حضرت شاہ عبدالکریم بلھڑی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کے ورد میں آتا ہے۔۔۔ اس کے علاوہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی نسبت حاصل تھی۔ آپ کو براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درود شریف ارشاد ہوا وہ درود شریف۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا یَا مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَسَلِّمْ

کا وظیفہ ہے۔

حضرت خواجہ اویس قرنیؓ کی نسبتِ رسول ﷺ

یہ امر احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہمیں یمن سے بوئے خدا آتی ہے۔ اس ارشاد سے مراد یمن میں ایک ہستی ایسی ہے، جسے معرفت الٰہی اور حب الٰہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہے۔۔۔ صحابہؓ کے استفسار پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یمن میں ایک ہستی اویسؓ ہیں جو قریہ قرن میں رہتے ہیں۔ ولی اکمل صاحب فنا و بقا ہیں۔ ظاہر ہے یہ مقام بغیر نسبتِ رسول اللہ ﷺ کے میسر نہیں آسکتا تو صحابہؓ نے عرض کی کہ

اویس آپ ﷺ سے ملے ہیں؟ آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ ہم سے نہیں ملے۔ ان کی والدہ ہے جس کی خدمت کے سبب انہیں یہاں آنے کا موقع میسر نہیں۔۔۔ لازم ہے کہ فنا و بقا معرفت الہیٰ بغیر عالم ملکوت میں داخل ہوئے میسر نہیں ہو سکتی تو یہ بات واضح ہوئی۔ کہ حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی نسبت حاصل ہے۔ جس میں حضرت خواجہ اویس قرنیؓ کو اجلاس محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں حاضری میسر ہے۔ اسی نسبتِ باطنی سے آپؓ کو حضور ﷺ سے درود شریف ارشاد ہوا۔۔۔ یا بغیر درود۔۔۔ صرف عشق رسول ﷺ سے اجلاس محمدی ﷺ میں رسائی ملی۔ جہاں حضور ﷺ سے انہیں ارشاد ملا۔۔۔ یا یوں کہا جائے کہ زیارت رسول ﷺ پر آپؓ نے ان الفاظ میں خود درود ادا کیا۔ یہ درود شریف ان ہی الفاظ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا يَا مُحَمَّدُ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ وَاٰلِهٖ وَسَلِّمْ

سے ادا ہوتے ہیں۔۔۔ لیکن درود اویسی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس درود میں زائد الفاظ۔۔۔ یا مُحَمَّدُ النَّبِيُّ الْاُمِّيُّ کا ایک خاص تصور ہے۔ یعنی یہ درود شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رو برو پڑھتے وقت، حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضر حالت میں سامنے ہوتے تو آپؓ حضور ﷺ کو دیکھ کر انگشت شہادت سے حضور ﷺ کی طرف اشارہ کر کے یَا مُحَمَّدُ (اے محمد آپ نبی امی ہیں) آپ ﷺ پر درود ہوں۔۔۔ انگشت شہادت کے اشارہ کے ساتھ درود میں یَا مُحَمَّدُ ادا کرنا۔ عربی اصطلاحِ قریش یا عربی ادب کے تابع ہے۔ کہ باطن میں اجلاس محمدی صلے اللہ علیہ وسلم میں خود کو حاضر کر کے پڑھنے میں حاضر حالت میں یَا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔۔۔ یہی طریق سلسلہ اویسیہ کے ہر ولی کے لئے لازم آتا ہے کہ ولی خود کو اجلاس محمدی ﷺ میں حاضر کر کے پڑھتا ہے جس کے لئے ہر ولی کو اسی سنت کے تابع (باطنی طور) انگشت شہادت کے اشارہ کے ساتھ یَا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اسی ارشاد کے تابع سلسلہ اویسیہ کے ہر مرید کے لئے یَا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہوتا ہے۔ اس حال میں کہ سلسلہ اویسیہ کی نسبت سے ایک ولی ابتدائی بیعت میں مرید کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کرتا ہے جہاں مرید بھی اجلاس محمدی ﷺ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش ہوتا ہے تو مرید کے لئے بھی یَا مُحَمَّدُ پڑھنا واجب ہو جاتا ہے۔۔۔ سلسلہ اویسیہ کے مرید کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ عقیدۃً ایک ولی کی بیعت میں خود کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر سمجھے فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ ابتدائی حالت میں بعض میں صفائی قلب نہ ہونے کی وجہ سے اس کیفیت کا مشاہدہ نہیں ہوتا کہ وہ خود کو حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے حضور اجلاس محمدی ﷺ میں حاضر مشاہدہ[1] کرے۔ بعض لوگ بیعت کے ساتھ ہی مشاہدہ کرتے ہیں خود کو اجلاس محمدی ﷺ میں حضور کے پیش دیکھتے ہیں۔۔۔ سلسلہ اویسیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سلسلہ سے نسبت رکھنے کے ساتھ ہی جب مرید درود شریف پڑھتا ہے تو وہ خود بخود باطنی طور اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور کے پیش ہو جاتا ہے۔۔۔ ایسی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر تصور کر کے یا محمدؐ پڑھنا لازم ہوتا ہے۔۔۔ اور یہ خصوصیت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے باطنی طور نسبت حاصل ہونے کی وجہ سے ہے کہ آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بغیر دیکھے ایمان لائے۔ اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کو انتہائی عشق تھا کہ اسی حب کے جذبہ کے تحت آپ نے جنگ احد کے موقع پر جب سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہوئے تو آپ نے گوارا نہ کیا کہ آپ اس درد سے خالی رہیں آپ نے تمام دانت توڑ کر اس درد کو قبول کیا۔ اسی جذبہ حب کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انہیں خوشنودی حاصل ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی بھی حاصل ہوئی۔ اسی خوشنودی اور رضائے خدا اور رسول ﷺ میں انتہائی محنت و مشقت مجاہدہ و تقویٰ کے سبب آپ کو مقام محبوبیت عطا ہوا۔ یہی خصوصیت آپکے سلسلہ میں حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ لونگ سندھی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ محمد عارف اروڑوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عالی جاہ جناب سید محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ورثہ میں عطا ہوئی۔۔۔ حضرت عالی جاہ سید نورالزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا کو بھی سلسلہ کی نسبت سے علاوہ براہ راست حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہوئی۔۔۔ آپ دیوبندی نظریہ رکھتے تھے۔ طریقت کے قائل نہ تھے۔ آپ نے گذشتہ اولیاء اللہ کے مکتوبات کا مطالعہ کیا جس میں تصور و مراقبہ کے طریق اور مشاہدات کے ارشادات تھے۔ آپ نے بھی بغیر کسی ولی کی نسبت کے تصور و مراقبہ شروع کیا اسی تصور و مراقبہ میں آپ کو مشاہدہ ہوا۔۔۔ اور آپ اجلاس محمدی صلعم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوئے۔۔۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق آپ کو حضرت شاہ محمد عارف اروڑوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کا حکم ہوا۔ جہاں آپ

---

[1] چونکہ بعض حالتوں میں مرید کو اجلاسِ محمدیؐ کا مشاہدہ نہیں۔ اس لیے اس تصور کے نہ پانے کے باعث کہ مرید خود کو حضورؐ کے سامنے مشاہدہ نہیں کرتا۔ انگشتِ شہادت سے اشارہ لازم نہیں رکھا گیا۔ گویا یہ اشارہ صرف خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھا۔

سلسلہ اویسیہ کی نسبت میں داخل ہوئے۔ آپ کو معرفت الٰہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہوا۔ شریعت و طریقت میں آپ کی محنت و سعی اور کامل حب کے صلہ میں مقام محبوبیت عطا ہوا۔ حضور قبلہ عالم عالیجاہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

حج کے موقع پر مدینہ منورہ میں عالیجاہ کو خواب[1] میں زیارت ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے ازراہ شفقت فرمایا۔۔۔ آپ کا نام کیا ہے؟۔۔۔ آپ نے جواباً عرض کی کہ لوگ ہمیں نورالزمان کے نام سے پکارتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "آج سے آپ نور احمد کے نام سے پکارے جاؤ گے۔" خواب میں آنا اور یہ خطاب دینا محض آپ کی محبوبیت کے پیش نظر تھا۔

جیسا کہ گذشتہ بیان ہوا کہ حضور قبلہ عالم نے حضرت عالیجاہ جناب سید محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیر اکمل کی حب میں انتہائی مشقت اٹھائی اور آپ کی حب کا بیت اللہ میں مظاہرہ ہوا۔ تو حضور علیجاہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے عاشق زار کو بے انتہا نعمتوں سے نوازا۔ اور انہیں محبوبیت کا خلعت عطا فرمایا۔

اس محبوبیت کا حضور قبلہ عالم کی نسبت میں بدرجہ کمال مظاہرہ ہوتا ہے کہ جس شخص کو آپ گالی بھی دیں وہ بھی حضوری ہو جاتا ہے۔ آپ کی نسبت سے بیعت ہونے

---

[1] خواب ۔ حضور قبلہ عالم مولوی محمد امین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ (اشعار از منازل فقر ص ۴۷ تا ص ۴۹)

زیں سبب فرمود احمدؐ درمقال — نورِ احمدؐ ہستی تو اندر فعال
در مدینہ چوں رسیدند در سرائے — آمد آں ختمِ رسل خیر الوریٰ
گفت نامِ چیست تو اے پُر خرد — گفتند نامِ من چنیں خلق برد
مولوی نورالزمان اندر جہاں — گفتند نور احمدی تو ہم بخواں
کہ زِ تو نورِ احد گشتہ پدید — ہم زمانہ رونق افزا شد جدید
رونقِ فیضِ الٰہی در جہاں — یافتہ از علم تو نام و نشاں
کہ زِ تو ہر فعل مثلِ نورِ من — ظاہر آید سالکاں اندر زمن
ہم حضوری میشوند فی مجلسنا — آں زماں کہ میشود تو راہ نما

کے ساتھ ہی ایک طالب حضوری اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ کے مریدوں میں ایک ادنیٰ مرید بھی کسی کو درود شریف ارشاد کرے۔ وہ بھی ایک بار درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی حضوری ہو جاتا ہے۔

وظائف اویسیہ

سلسلہ اویسیہ کے "وظائف اویسیہ" سب درود شریف ہیں جن میں یہاں چند درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِنِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَاٰلِهٖ وَسَلِّمْ

یہ درود۔۔۔ درود حضوری کہلاتا ہے۔ ۲۴ گھنٹوں میں گیارہ سو بار پڑھا جاتا ہے۔

(۲) صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَسَلَّمْ

یہ درود خضری کہلاتا ہے۔ ۲۴ گھنٹے میں پانچ ہزار پڑھا جاتا ہے۔

(۳) يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

یہ درود شریف اکثر مستورات کو حضور رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے۔ نیز خلوت کے موقع پر بھی پڑھنے کو فرماتے۔ رات دن کثرت سے پڑھنا۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد خلوت میں پوری کرنا۔

(۴) هُوَ اللّٰهُ ۔ هُوَ اللّٰهُ ۔ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

یہ درود اکثر خلوت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں پڑھنے کے لئے دیا جاتا ہے۔

(۵) بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ
اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ۔

یہ درود شریف اویسی۔ حضور قبلہ عالم، دوئم اجلاس محمدی میں تصور بیت اللہ کے ساتھ ارشاد فرماتے۔

(۶) هَا ۔ هُوَ ۔ هِيَ اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

یہ درود شریف اکثر غیر مسلم عقیدت مندوں کو ارشاد فرماتے یہ درود شریف کلمہ طیبہ کا مخفف لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ ھا مخفف ہے لَا اِلٰهَ کا، ھو مخفف ہے اِلَّا اللّٰهُ کا، ہی مخفف ہے محمد رسول اللہ کا۔ اس درود سے ایک قاری کلمہ طیبہ کی ادائیگی سے۔۔۔ فیض محمدی صلی اللہ علیہ وسلم فیض اویسی رحمۃ اللہ علیہ کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو ان کی استطاعت کے مطابق درود ارشاد فرماتے۔ جو لوگ کاروبار دنیوی سے کسی حد تک فارغ ہوتے انہیں پانچ ہزار درود خضری

پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔۔۔ اور اکثر ملازمت پیشہ یا مصروف لوگوں کو گیارہ سو درود حضوری پڑھنے کا ارشاد فرماتے۔۔۔ مستورات کے لئے بھی تخفیف فرماتے کہ جتنا ہو سکے درود پڑھیں بعض کو ایک سو اور بعض کو صرف گیارہ بار درود شریف پڑھنے کا ارشاد فرماتے کہ اتنی ہی تعداد میں درود شریف پڑھنے سے اجلاس محمدی ﷺ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی۔ اکثر اوقات اپنے خاص عقیدت مند طالب علموں کے لئے صرف بیعت ہونا اور حضور کی خدمت میں حاضری دینا۔ حصول مراتب، زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کافی ہوتا۔۔۔ اور حضور جب اپنے کسی عزیز مرید کے گھر تشریف فرما ہوتے۔ تو ان کی بیویوں اور بچوں کا اظہار محبت و احترام، خاص کر بچوں کا اظہار محبت کافی ہو جاتا کہ بغیر بیعت ہوئے، بغیر درود شریف پڑھنے کے صرف قربت پیر سے انہیں مشاہدہ حاصل ہوتا اور اجلاس محمدی ﷺ کا مشاہدہ ہو جاتا۔ یہی نہیں بلکہ بیت اللہ اور عرش تک ان کا مشاہدہ جاری ہو جاتا۔۔۔ اکثر بچے ایسے دیکھنے میں آئے جنہیں کمسنی میں مشاہدہ ہوا۔ ان میں خاص کر جناب قبلہ سخی ولایت خان صاحب مرحوم کی دختر زینت کو خاص مقام حاصل تھا۔ اسے مثل آفتاب روشن مشاہدہ حاصل تھا۔ اس کے مشاہدہ میں ذرہ بھر بھی غلطی یا تخیل شامل نہ ہوتا تھا۔ جو کچھ مشاہدہ کیا صاف اور حقیقت ہوتی۔ جناب قبلہ سخی صاحب پر اکثر قبض طاری رہتی تھی چونکہ آپ حب پیر اور حب رسول ﷺ میں کامل تھے۔ آپ پر کثرت سے تجلیات وارد ہوتیں طبیعت میں جذب بھی تھا۔ جلال بھی تھا۔ جس کے نتیجہ میں آپ لطیفۂ اخفا میں غرق ہو گئے۔ آپ پر قبض طاری ہو گئی۔ مگر اس حال میں آپ کی توجہ تیغ برہنہ کا اثر رکھتی تھی۔ ادھر توجہ دی ادھر طالب ایک آن میں کھل گیا۔ کسی نے سلسلہ کے متعلق تنقید کی۔ تو دعوے کے ساتھ چیلنج فرماتے۔ آپ مونچھیں صاف منڈواتے تھے مگر چیلنج کے وقت مونچھوں پر انگلیاں پھیر کر فرماتے۔ یقین نہیں تو میدان میں آؤ۔۔۔ ابھی دلیل دیتے ہیں۔ کوئی قسمت کا مارا۔ غلط فہمی میں آگے آجاتا۔ تو خواہ بازار ہو یا بھری مجلس۔ فرماتے آنکھیں بند کرو۔ دیکھو۔ آپ توجہ دیتے۔ تو وہ نوری توجہ سے اچھل کر دور جا گرتا اور بے ہوش ہو جاتا۔ ہوش آتے ہی، معافی مانگتا اور غلاموں میں شامل ہو جاتا۔ قبلہ سخی صاحب کو خود روشن مشاہدہ نہ تھا۔ اس کے لئے اپنی دختر کو استعمال کرتے (چنانچہ گذشتہ سخی صاحب کے ذکر میں اس کا ذکر تھوڑا سا ہوا) اسی طرح مرحوم راجہ علی اکبر خان صاحب چھتہ بل والے حضور قبلہ عالم کے عزیز عقیدت مندوں میں سے تھے۔ حضور کبھی علی اکبر خان صاحب کے گھر یا ڈیوٹی پر متعین علاقہ میں تشریف لے جاتے۔ تو آپ کی بیوی حد درجہ اظہارِ عقیدت کرتی۔

آپ کا بیٹا نذیر احمد حضور کی تشریف آوری پر بے حد خوشی کا اظہار کرتا اور حضور اسے گود میں بٹھاتے۔ بس اس کا عمل اتنا ہی تھا۔ اسی عمل سے نذیر احمد والد کے برابر مشاہدہ کرتا۔ دونوں کے مشاہدے میں ذرہ بھر فرق نہ ہوتا۔ ان کا مشاہدہ بھی صاف اور حقیقی ہوتا۔ اسی طرح حضور کے اکثر مریدوں میں ان کے بیوی بچے صرف اظہارِ خوشی سے ہی حضوری، صاحب مشاہدہ ہو جاتے۔ خاکسار (ڈاکٹر محمد رمضان) کے گھر کو حضور قبلہ عالم اکثر رونق بخشتے تو میری بیوی بھی حد درجہ عقیدت و احترام سے پیش آتی۔ حضور نے انہیں صرف ایک سو درود شریف پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ بس اتنے ہی عمل سے انہیں مشاہدہ و مراتب عطا فرمائے۔

طریقت کے تمام سلسلوں میں حصول معرفت کے لئے کثرت سے مجاہدہ۔ تزکیہ اور پرہیز لازم رکھا گیا۔۔۔ سلسلہ نقشبندیہ میں تو شدت کا پرہیز لازم رکھا گیا کہ نماز، روزہ کی پابندی کے ساتھ رات جاگنا، کثرت سے مراقبہ کرنا۔ کھانے پینے کی پرہیز میں پیاز، تھوم، مچھلی، زیادہ غذا، گوشت انڈا قطعی ممنوع رکھا گیا اس کے علاوہ وظائف ادا کرنے میں غسل، پاکیزہ لباس کی شدت سے پابندی رکھی گئی ہے مگر سلسلہ اویسیہ، خصوصاً سلسلہ امینیہ میں نسبت حضور قبلہ عالم میں سوائے پابندی شریعت کسی قسم کی پابندی لازم نہیں رکھی گئی۔ نہ ادائے درود و مراقبہ میں کسی قسم کا ادب ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ حلال اشیاء میں جو چاہیں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ درود شریف پڑھتے وقت، دوزانو، یا التحیات کی شکل میں پڑھنے کی پابندی نہیں۔ بیٹھے، اٹھے، چلتے، پھرتے، لیٹے، بستر پر دراز ہو کر پڑھا جاسکتا ہے۔ رات بستر پر لیٹ کر اپنے محرم کے ساتھ لیٹ کر بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔ ان تمام صورتوں میں مراقبہ میں مشاہدہ ہونے میں کوئی امر مانع نہیں۔ اس حال میں بھی طالب کے لئے اجلاس محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔۔۔ درود پڑھنے میں غسل، وضو کی پابندی نہیں صرف استنجا لازم ہے۔۔۔ بعض حالتوں میں استنجا کی بھی پابندی نہیں۔ دیکھا گیا ہے کہ استنجا نہ ہونے کی صورت میں بھی اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضوری ہونے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی۔

یہ سب حضور قبلہ عالم حضرت الحاج محمد امین صاحب رحمت اللہ علیہ کی اولوالعزمی اور محبوبیت کے طفیل مخلوق انسانی کو میسر آسکتا ہے۔ اور حضور کی وفات کے بعد بھی یہ فیض عام اسی طرح جاری ہے اور جاری رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے عِلْمِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ ۔۔ ہمارا علم بعد وفات ایسا ہی ہے جیسا ہماری حیات میں ہے یعنی آپ صلعم کی حیاتی خصوصیات۔ بعد

وفات علے حالہٖ قائم ہیں۔۔۔ یہ صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء امت، اولیاء کاملین کو بھی بدرجہ اولیٰ حاصل ہے۔ کیونکہ علم معرفت و مشاہدہ اور کمالات۔ ولی کی روح سے متعلق ہوتے ہیں۔ یہ تمام علم و کمال ولی کی روح کو بعد وفات بھی حاصل ہوتا ہے کہ روح زندہ مجسم ہے۔ عالم برزخ میں۔ ولی اپنے تمام علم و کمال سے زندہ ہوتا ہے۔ اس کمال علم کے ساتھ ولی اپنی تمام صفات و قوتوں کے استعمال پر قادر ہوتا ہے اس لئے اس کا فیض بعد وفات بھی ایسے ہی جاری رہتا ہے جیسے اس کی حیات میں جاری رہتا ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے عالم برزخ میں عالم ظاہر کے مقابلہ میں جب کہ اس کی جسمانی ہیئت بعض حالتوں میں حائل رہتی ہے۔ ولی کی روح جسم کی علیحدگی میں اپنے روحانی علم و کمال کے اجرا میں بے باک، وسعت کے ساتھ اپنی روحانیت کو استعمال کر سکتی ہے۔ حضور قبلہ عالمؒ کو یہ خصوصیت بدرجہ اولیٰ حاصل ہے کہ بعد وفات بھی آپ کا فیض، فیض اویسی علے حالہٖ جاری ہے اور رہے گا زَادَ ھَا اللّٰہُ تَعْظِیْماً وَّتَکْرِیْماً۔

آپؒ پر بھی آزمائشیں ہوئیں

آپ اپنے خاندان میں ایک واحد شخصیت تھے جن کے ذمہ خاندان کی کفالت تھی۔ آپ کثیر الاولاد بھی تھے جن کی پرورش، تعلیم و تربیت کا تمام تر بارِ گراں آپ کے کندھوں پر تھا۔۔۔ ان حالات میں دنیوی کاروبار کی فکر انسان کے عزائم کو متزلزل کر دینے والی تھی۔ زمین کی کاشت۔۔۔ دیگر خانگی ضروریات کی فراہمی۔۔۔ اس زمانہ میں ایک نحیف تن واحد کے لئے ناممکنات میں سے تھا۔ ایک زمانہ ابتلا کا آپ پر ایسا بھی آیا کہ شدید محنت اور ضرورت سے زیادہ ذہنی سوچ نے آپ کے وجود کو متاثر کیا۔ آپ اکثر سر درد کے عارضہ میں مبتلا رہتے تھے۔ ایک بار درد سر کا شدید حملہ ہوا، جس سے آپ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی اور آپ مسلسل تین دن بے ہوش رہے حضور پر سر درد کا حملہ ہوا ہی تھا کہ اسی دن شام کو پیر غلام نبی میرے پاس آئے اور حضور کی علالت کی خبر دے کر سب کو پریشان کر دیا۔ دوسرے دن نماز فجر کے بعد میں کاشیرا روانہ ہوا۔ کپواڑہ سے ڈاکٹر ڈار صاحب کو ساتھ لے گیا۔ پیدل چلتے وقت ہم اس معاملہ پر بحث کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ رگ پھٹی نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو فالج کا گرنا لازمی تھا۔ میں نے اپنے مشاہدہ میں دیکھ لیا تھا کہ رگ پھٹ چکی ہے اور دماغ کے ایک حصہ (CEREBRUM) میں جما ہوا خون موجود ہے اور یہ بات میں نے ڈاکٹر صاحب کو بتائی تھی آخر وہ تشخیصی تجربات کرنے پر راضی ہو گئے۔ قبلہ عالم کی

ریڑھ کی ہڈیوں کے درمیان ایک لمبی سوئی داخل کی گئی۔ جسے میڈیکل زبان میں (LUAMBER PUNCTURE) کہتے ہیں۔ سوئی سے خون برآمد ہوا تو ڈاکٹر صاحب حیران ہوگئے کہ رگ پھٹنے کے باوجود فالج نہیں گرا ڈاکٹر صاحب کو بتایا کہ ہمارے پاس ایک ایکسریز ہے جس سے جسم کے کسی حصے کا فوٹو ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے اور اسی ایکسریز میں قبلہ عالم کے دماغ کا وہ حصہ نظر میں آگیا جس میں رگ پھٹنے سے خون منجمد ہوگیا تھا۔ حضور قبلہ عالم چند روز بیمار رہ کر صحت مند ہوگئے اور فرمایا حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بشارت دی تھی کہ رگ پھٹ جائے گی مگر فالج نہیں گرے گا۔ اولیاء اللہ پر بھی آزمائشیں ہوتی ہیں۔ لیکن یہ عام لوگوں کی آزمائش کی طرح نہیں ہوتی چوری کرنا، جوا کھیلنا، زنا کرنا یا شراب کا پینا۔۔۔ ایسے فعل کی سزا میں ایک شخص کو کسی کردہ یا ناکردہ گناہ میں قید کیا جائے۔۔۔ یا بیمار ڈالدیا جائے۔۔۔ یہ دراصل بلائے سزا ہے۔ اس میں قدرتی مصلحت ومنشا کارفرما ہوتی ہے۔ یہ سزا رحمت سے تعبیر ہوتی ہے اس سزا میں ایک طرف گناہ کا کفارہ ہوتا ہے۔۔۔ تو دوسری طرف گناہ کے ارتکاب میں رکاوٹ پیدا کرنا۔ جس سے آئندہ انسان ایسے افعال سے باز رہے۔۔۔ ظاہر ہے کہ قید کی تکلیف سے جسم کا تزکیہ ہوتا ہے جس کے معنی کفارہ ہے۔۔۔ دوسرے مسلسل طویل مدت قید میں رہنے سے عادت ثانیہ بھی بدل جاتی ہے۔۔۔ علاوہ ازیں انسان مصیبت میں بے بس ہو کر فطری تحریک (ضمیر) کے زیر اثر اللہ کی طرف اور عبادت کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جو ہر انسان کے لئے رحمت ثابت ہوتی ہے۔۔۔

اس کے مقابل بلائے رضا کا مقام خاص ہوتا ہے۔۔۔ بلائے رضا سے مراد رضائے الہیٰ کے تحت کسی مصیبت کا نازل ہونا جیسے قرآن میں ذکر ہوا۔۔۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ
وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۗ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ
قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۵۵-۱۵۶)

اور البتہ ہم بلائیں آزماتے ہیں مومنوں کو جوع خوف نقصان سے مالوں میں۔ جسموں میں رزق میں۔۔۔ اور بشارت دیں، ان صبر کرنے والوں کو۔ جب انہیں پہنچتی ہے مصیبت تو وہ اضطراب میں اور ہیجان میں واویلا نہیں کرتے بلکہ دل میں میل نہیں لاتے خندہ پیشانی سے وقت گذارتے ہیں۔ یہ تصور کر کے کہ یہ مصیبت اللہ نے ہم پر ڈالی ہے۔ ہم اس کی ہر مرضی پر راضی ہیں۔ تو میں اس صبر و استقلال اور عزم و ہمت سے برداشت کرنے

اور میری یاد کو جاری رکھنے کے عوض انہیں خوشحالی دنیا میں اور آخرت میں رضاءِ محبوبیت کے اونچے مراتب عطا کروں گا۔

یہ ابتلا مومن کے لئے ہے۔۔۔ اس ابتلا کی بھی دو صورتیں ہیں ایک صورت یہ کہ جیسا کہ قرآن میں ہے۔

الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَلَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۝ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۱ تا ۳)

کیا لوگوں نے خیال کیا وہ چھوڑ دیئے جائیں گے اتنی بات پر کہ وہ کہہ دیں ہم ایمان لائے اور وہ آزمائے نہ جائیں۔ اور ہم آزما چکے ہیں ان کو کہ جو پہلے ہو چکے ہیں۔ ان سے پس البتہ ضرور معلوم کرے گا اللہ ان کو جو سچے ہیں اور معلوم کرے گا ان کو جو جھوٹے ہیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ بغیر محنت ڈالے تم جنت میں داخل کئے جاؤ گے؟۔۔۔ نہیں میں تم پر ضرور آزمائش ڈالوں گا۔۔۔ یہ ابتلا بھی مصیبت سے متعلق ہے اور مومن جب اس پر صبر کرتا ہے تو جو انعام اللہ کی طرف سے اسے ملا ہوتا ہے یہ اس انعام کا "کفارہ" تصور کیا جاتا ہے۔۔۔ اس کی مثال ایسی ہے جب تمہیں ایک ولی اکمل کی نسبت سے بے محنت حضوری۔۔۔ یا مراتب حاصل ہوں۔۔۔ تو اس کے لئے اصولی طور پر محنت و مجاہدہ اور تزکیہ نفس سے قبل مراتب حاصل ہوں تو اس کا کفارہ بعد میں (اگر آپ خود محنت نہ کریں) ادا کرنے کی صورت میں محنت ڈالی جاتی ہے۔ اس محنت کی منشا میں دو باتیں مقصود ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ ولایت کے اہل بنانا کہ فقیر کے لئے محنت کا عادی ہونا۔ لازم ہے۔ دوسری یہ کہ فقیر ولایت کا حقدار ہو جاتا ہے اور اس کی ولایت اس کی زندگی تک قائم و محفوظ ہو جاتی ہے اور اسے ولایت سے خارج نہیں کیا جاتا۔

دوسری صورت ابتلا کی بلائے رضا حقیقی ہے۔۔۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اپنی مرضی سے ابتلا ڈالتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کے عوض اسے رضا و خوشنودی بے شمار عطا کر کے اسے اپنا محبوب بنائے۔۔۔ اس رضا میں اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بلا محنت انعامات عطا کر کے بندے کو اپنے "قرب" میں لے لیتا ہے۔۔۔ یہ بلا وہ اپنے مخصوص بندوں پر نازل کرتا ہے جنہیں وہ اپنا مقرب و محبوب بناتا ہے۔۔۔ اب اسی ابتلا کے تصور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتلا پر فکر کریں۔۔۔ کہ جہاں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو اپنی رضا کے لئے مخصوص کرتا ہے۔ ان بندوں میں انبیاء کا مقام آتا ہے۔۔۔ تو لازم ہے کہ اللہ

تعالیٰ اس کے عمل میں آسانی پیدا کرے کہ نبی کو تبلیغ دین میں آسانی پیدا ہو۔۔۔ اسے کوئی گزند نہ پہنچا سکے اس حال میں کہ اللہ تعالیٰ خود اس کا محافظ ہوتا ہے مگر منشاء الہیٰ یہی ہے کہ ہر نبی کو مصائب و مشکلات سے گذرنا پڑتا ہے۔ دشمنان دین کو انبیاء کو تکلیف پہنچانے کی کھلی چھٹی ملتی ہے کہ وہ نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں مگر نبی صبر کرتا ہے۔ اس میں عزم و استقلال قائم رہتا ہے تو اس کی بشارت میں اسے قرب الہیٰ اور مقصد میں کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات محبوب کو اللہ کی نصرت حاصل تھی۔ دنیا کی کوئی طاقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بال بیکا نہیں کر سکتی تھی۔ پھر اپنی ذات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ شجاع۔۔۔ غالب۔۔۔ صاحب روحانیت اور نصرت ملائکہ کے حامل تھے۔ مگر آپ کی ذات کو جن مصائب سے گذرنا پڑا وہ کٹھن مراحل تھے۔۔۔ آپ کی ذات کو تکلیف پہنچانا۔ آپ کی اولاد میں، آپ کے فرزندوں کا پیدا ہو کر وفات پانا اور آپ کا محسوس کرنا۔ آپ کے دوستوں کی شہادت۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت۔ حضرت حسنین علیہما السلام کی شہادت یہ ایسے واقعات ہیں جن پر غور کیا جائے تو ظاہر ہو گا کہ یہ ابتلا من جانب اللہ منظور و مقصود۔۔۔ بلائے رضا سے تعلق رکھتے ہیں یہ سنت نبوی ﷺ ہے۔۔۔ اس سنت کی پیروی خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی واجب آتی ہے چنانچہ زمانہ شاہد ہے علمائے امت میں اولیاء کرام کی اس سنت کے مطابق زندگیاں گذریں کہ وہ مقدس و محترم و محبوب گردانے جاتے ہیں جنہیں زندگی میں وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ کے مصائب میں سے گذر کر شدید مصائب سے عزم و ہمت سے سرخرو ہو کر گزارا جاتا ہے۔ یہ درحقیقت اللہ کے مقرب و محبوب قرار دیئے جاتے ہیں۔۔۔ حضور قبلہ عالم کی ذات گرامی کو بھی ایک زمانہ میں ان ابتلا سے گذرنا پڑا۔۔۔ آپ کے ابتدائی دور میں آپ کے کٹھن مجاہدات۔ زمانہ طالب علمی کی مشکلات۔ پھر ہم نے دیکھا کہ دور تعمیری میں لوگوں نے آپ کو شدید تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی۔ یہ طویل داستان ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں نہ کوئی ان واقعات کو سننے کی سکت رکھتا ہے کٹھن تکالیف۔ حضور کی دو صاحبزادیاں پیدا ہو چکی تھیں۔ ان میں مثل مریم علیہا السلام۔ صاحبزادی ممتازہ تھیں۔ حضور اس وقت گاندربل تشریف رکھتے تھے۔ اطلاع ملی کہ صاحبزادی ممتازہ شدید بیمار ہیں۔ یہ سن کر حضور بے حد پریشان ہوئے۔ ممتازہ سے حضور کو بے حد لگاؤ تھا۔ فوراً گھر چلے آئے۔ اپنی طرف سے علاج شروع کیا مگر حالات کچھ اور سامنے آئے۔ بیماری کے دوران صاحبزادی ممتازہ نے بہت سی باطنی کیفیات کے مشاہدات بیان کئے۔ حضور کی فراست نے جان لیا۔۔۔ آخر صاحبزادی ممتازہ نے واضح انکشاف کیا کہ انہیں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی طرف سے بلاوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ممتازہ بیٹی تمہارے لئے جنت سجائی گئی ہے۔۔۔ تمہارا انتظار ہے۔۔۔ اسی عالم میں صاحبزادی ممتازہ جنت کو سدھاریں۔۔۔ اگرچہ یہ امر حضور قبلہ عالم کے لئے انتہائی مسرت کا تھا مگر قدرت نے ان کے قلب منور میں محبت پدری بھی بھر دی تھی۔ اس کا تقاضا تھا کہ آپ پر بھی، مثل حضرت محمد ﷺ (حضرت قاسم و حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر) صدمہ و گریہ طاری ہو۔ یہ بھی سنت نبوی ﷺ کی تکمیل تھی۔۔۔ یہ بھی بلاء رضا کا ابتدائی باب تھا۔ اس کے بعد حضور قبلہ عالم کے مقام خلافت و ولایت میں آپ نے اپنے مریدوں سے بیٹے بیٹوں سے زیادہ شفقت و محبت روا رکھی۔ اسی سلسلہ کی کڑیوں میں جناب سخی ولایت خانصاحب، ارسلان خان صاحب اور خواجہ عبدالکریم صاحب جو تبلیغ دین میں آپ کی معاونت و غمخواری میں برابر دوست رہے ان کا غم بھی تو کچھ اثر رکھتا تھا۔۔۔ ہاں قدرت ساتھ ساتھ اپنے محبوب کے غم کا مداوا بھی کرتی رہتی ہے۔۔۔ کہ حضور کے سلسلہ میں آپ کی نسبت کو چار دانگ عالم میں ہر زمانہ میں وسعت ملتی رہی۔ یہ سلسلہ ہمیشہ پھلتا پھولتا رہا۔ ہر زمانہ میں سلسلہ اویسیہ کے مجاہد آپ کی زندگی میں اور آپ کے بعد بھی اس سلسلہ کو جاری رکھنے میں اپنے پیر اکمل کے اسوہ حسنہ پر کاملاً عمل پیرا ہو کر روشن طریقہ سے اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے۔۔ زَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِیْمًا وَّتَكْرِیْمًا۔

سفر حج

حضور قبلہ عالم اگرچہ معرفت الہیٰ میں یکتائے روزگار ولی اکمل تھے آپ ایک اشارہ سے ایک طالب کو دیدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز فرماتے آپ کا یہ مشغلہ عام تھا آپ کے اکثر مرید دیدار الہیٰ میں بھی کامل اکمل تھے لیکن حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ میں آپ ظاہراً دربار نبوی ﷺ میں بھی حاضری کے متمنی تھے۔ اس سے قبل آپ نے عالیجاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب کی معیت میں بیت اللہ اور مدینہ منورہ کی زیارت کی تھی۔ اس وقت آپ محبت پیر میں جذب کی حالت میں تھے۔ آپ فنائے شیخ میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پرتو میں غرق تھے۔ اب تو آپ اس استغراق سے فارغ تھے اس لئے یہ نفس نفیس حج بیت اللہ کا ارادہ فرمایا۔ حضور قبلہ عالم نے اس خادم کو حج کے انتظامات مکمل کرنے کا حکم دیا۔ میں نے حج کا فارم اور دیگر ضروری کاغذات مکمل کر کے حضور کی طرف سے درخواست دی جو جلد ہی منظور ہو گئی۔ اس سفر میں مجھے بھی حضور کے جلو

میں سفر کی سعادت ملی۔ سفر طویل تھا۔ بظاہر حضور کی طویل علالت اور ضعف اس طویل سفر کی صعوبت کے متحمل نہ ہوسکتے تھے۔ بذات خود میں خود کو بھی اس بار گراں کا متحمل نہ سمجھتا تھا۔ میں نے حضور سے استدعا کی کہ سفر کی دقت وطوالت کے زیر نظر بہتر ہے کہ دوسرے خدمتگار کو بھی ہمراہ رکھا جائے تو حضور نے عبدالقادر لون کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ اس کے لئے بھی حج کی اجازت مل گئی۔ الحمد اللہ ۴ مارچ ۱۹۶۲ء میں ایک قافلہ کی شکل میں کشمیر سے جموں کی طرف روانہ ہوگئے۔

یہ میری اور عبدالقادر لون کی انتہائی خوش بختی تھی کہ حضور قبلہ عالم کی کرم فرمائی نے ہمیں اپنی خدمت کی سعادت فرمائی۔۔۔ میں خود کو انتہائی خوش نصیب سمجھتا ہوں کہ حضور قبلہ عالم نے اظہار محبوبیت و خوشنودی کے لئے ہم جیسے ادنیٰ ذروں کو۔۔۔ دیارِ حبیب ﷺ کی مہمانی میں شریک فرما کر عالی جاہ۔۔۔ حضرت سید محمد نورالزمان شاہ صاحب رحمت اللہ علیہ کی سنت کا اعادہ فرمایا جب عالی جاہ شاہ صاحب نے حضور قبلہ عالم کو اپنا محبوب بنا کر بیت اللہ کے سفر میں اپنا نور نظر فرمایا تھا وہ زمانہ تھا کہ حضور اپنے کعبہ کا طواف کرتے تھے مگر آج خود دوست کی حیثیت میں دوست کے مہمان بن کر جا رہے تھے۔

سبحان اللہ۔۔۔ بظاہر یہ سفر ایک شرعی حکم کی حیثیت رکھتا ہے مگر بہ باطن یہ ایک انتہائی مقام و عظمت کا زینہ ہے کہ حضور قبلہ عالم۔۔ نَادَهَا اللّٰهُ تَعْظِيْمًا وَتَكْرِيْمًا۔۔۔ کی معیت میں۔۔۔ آپ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ ۔ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ کی پکار میں ہمیں بھی شامل فرما رہے تھے۔۔۔ سبحان اللہ۔ یہ حقیر حشرات الارض چیونٹیاں بلند پرواز شہباز کے پروں سے چمٹ کر لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ کے تصور کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں رسائی حاصل کرنے کی سعادت پاتے ہیں۔

جمال ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہما خاکم کہ ہستم

جموں پہنچ کر قافلہ نے بخشی غلام محمد وزیر اعظم سے ملاقات کی۔۔۔ یہ تو حضور قبلہ عالم کی ذرہ نوازی تھی کہ بخشی غلام محمد جیسے دین سے عاری شخص کو وزارت عظمیٰ پر منتخب فرمایا۔ بخشی صاحب نے حاجیوں کو ہدایات دیں کہ حج سے واپسی پر حاجیوں سے قابل اعتراض اشیاء برآمد ہوتی ہیں۔ اس لیے حاجی صاحبان ایسی اشیاء لانے سے باز رہیں۔۔۔ قافلہ میں بخشی صاحب نے مجھے بھی دیکھا۔ سمجھے اپنے کسی عزیز کو رخصت کرنے آیا ہوں۔ مگر ان کے بھائی حاجی غلام نبی نے بتایا۔۔۔ ڈاکٹر صاحب بھی اس سال قافلہ میں شامل ہیں۔ اس بار حجاج کو سفر حج میں کافی سہولت ہوگی۔ بخشی صاحب نے مجھ سے بیت اللہ میں دعا کے لیے فرمائش

کی۔۔۔ میں نے بلند آواز میں دعائیہ الفاظ دہرائے کہ اے اللہ! بخشی صاحب کو وافر دنیا عطا کی۔ اب اسے دین کی طرف مائل کر کے آخرت میں بھی بخشش عطا کر۔ اے اللہ! اسے حقیقی معنوں میں انسان بنا دے۔ لیکن اس دعا سے بخشی صاحب کے چہرے پر ناگواری کے آثار محسوس ہوئے۔۔۔ آنکھیں بند کیں اور کچھ سوچنے لگے۔۔۔ چند لمحوں بعد بخشی صاحب سب حاجیوں سے ملے۔ لیکن میری طرف توجہ نہ دی۔۔۔ میں نے حضور قبلہ عالم سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا بخشی صاحب کی نیت میں فتور آگیا تھا۔۔۔ وہ تمہیں حج پر جانے سے روکنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ مگر ہم نے اس کا ارادہ بدل دیا۔

جموں سے قافلہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ میں نے مشاہدہ کیا۔ کہ حضور کی گاڑی کے آگے دو موٹر سائیکل سوار[1] حضور کی آمد کا اعلان کر رہے ہیں۔ دہلی ریلوے سٹیشن پر پہنچ کر نماز عشاء ادا کی۔ دعا مانگتے وقت پھر کیفیت مشاہدہ طاری ہوئی تو دیکھتا ہوں اس تاریخی شہر کے اراکین اولیاء حضور کی اقتداء میں شامل تھے اور سب حضور سے مل رہے ہیں۔۔۔ دہلی سے روانہ ہوئے تو حضور ہمیں مناسک حج سے واقف کر رہے ہیں اور تمام سفر میں آپ وعظ و نصیحت میں آداب حج اور مشاہدات اولیاء کا ذکر فرما رہے ہیں۔

محمد اسماعیل اور محمد صدیق میمنی کا بیعت ہونا

بمبئی پہنچے. تو یہاں بمبئی کے ایک انجینئر محمد اسماعیل صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب حکومت ہند کی طرف سے سعودی حکومت کی دعوت پر مکہ معظمہ میں سرکاری چھاپہ خانہ میں انجینئر مقرر ہو کر ہمارے ساتھ ہی جا رہے تھے۔ یہ صاحب شافعی مسلک کے پیرو تھے۔ قرآن شریف کی تلاوت خوبصورت قرأت کے ساتھ کر رہے تھے۔ جہاز میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ رہے ایک دن میں نے انہیں درود شریف پڑھنے کی دعوت دی شافعی مسلک میں تصورِ پیر یا تصورِ روضہ شریف کو شرک تصور کیا جاتا ہے۔ مگر قدرت نے انہیں قلب سلیم عطا کیا تھا۔۔۔ دعوت قبول کی۔۔۔ درود شریف پڑھنا شروع کیا۔ ایک رات میں ہی انہوں نے انوار کا مشاہدہ کیا۔ حقیقت حق الیقین کی صورت میں سامنے آگئی دوسرے دن صبح حضور کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔ اس کے بعد محمد اسماعیل صاحب دوران حج حضور

---

[1] عالمِ باطن میں کسی اولو العزم ولی کی آمد پر محافظین مقرر کئے جاتے ہیں جو مثالی شکل میں موٹر سائیکلوں پر سوار مشاہدے میں آتے ہیں۔

قبلہ عالم کے ساتھ رہے۔ یہ بھی تو سنتِ الٰہی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام آگ لینے جا رہے ہیں۔ قدرت انہیں رسالت عطا کرتی ہے محمد اسماعیل صاحب حصول دنیا کی غرض سے سفر کر رہے تھے مگر یہاں شرق و مغرب کا بُعد تھا۔ ایک ولی اکمل کی صحبت میسر آئی۔۔۔ سفر میں معرفت کی راہ مل گئی۔۔۔ مکہ معظمہ میں ان کے ایک دوست مولوی محمد صدیق میمنی جو بمبئی کے رہنے والے تھے۔۔۔ مکہ معظمہ میں تجارت کرتے تھے۔ یہ صاحب اور ان کی اہلیہ حافظ قرآن تھے۔ بہت صاف و شفاف پاکیزہ زندگی گذارتے تھے۔ محمد اسماعیل صاحب نے ان سے حضور کا ذکر کیا آپ نے بھی حضور سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔۔۔ حرم پاک میں حضور سے ملے۔ درود شریف کی اجازت لے کر رخصت ہوگئے۔ مدینہ منورہ سے واپسی پر ایک دن بیت اللہ میں نماز فجر کے بعد ہم باہر نکل رہے تھے۔ تو مولوی صاحب کو باب السعود پر منتظر پایا۔ حضور قبلہ عالم کا دست مبارک تھام لیا۔ سیدھا اپنے گھر لے گئے۔ مولوی صاحب نے درود شریف کے ورد میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے بتایا کہ درود شریف پڑھنے کے ساتھ ہی اجلاس محمدی ﷺ میں داخل ہو کر زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضور قبلہ عالم سے بیعت ہو اسی وقت حضور سے بیعت ہوگئے۔

واقعات حرمین شریفین

قیام عرب کے دوران حضور کی شفقت و محبت کا جو مظاہرہ ہوا۔ اب تک کبھی دیکھنے میں نہ آیا تھا۔۔۔ پہلے روز کا واقعہ ہے۔ ہم سب کعبۃ اللہ کے سامنے مراقب تھے، میری زبان پر درود شریف جاری تھا۔ میرا دل وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا کا ورد کر رہا تھا۔ قلب پر رقت طاری تھی۔ اچانک پردہ اٹھا اور کعبۃ اللہ کا باطن سامنے آیا۔ اور دریائے توحید میں دوئم اجلاس محمدی ﷺ کا مشاہدہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرف باریابی بخشا۔ حضور قبلہ عالم کی مہمانی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اپنے دست مبارک سے شربت کے تین گلاس مرحمت فرمائے جو ہم نے پی لئے۔

ایک روز طواف کعبہ سے فارغ ہو کر میں مقام ابراہیم کے قریب مراقبہ میں مشغول تھا۔ حضور قبلہ عالم میرے آگے تشریف فرما تھے۔۔۔ دیکھتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ حجاج کو آبِ زمزم پلا رہے ہیں اور حضور قبلہ عالم کو اپنے ساتھ چلا رہے ہیں۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس حقیر کی طرف بہ تبسم متوجہ

ہوئے اور سب سے پہلے اس نعمت سے مستفید ہونے والا بھی ناچیز تھا جس پر پیر اکمل کی بے شمار عنائتیں نازل ہو رہی تھیں۔ واپسی پر حضور قبلہ عالم فرمانے لگے "آج تمہاری پیاس کا کیا حال ہے؟"--- یہ اشارہ اسی کیفیت کی طرف تھا۔ میں نے عرض کی کہ حضور بہتر جانتے ہیں--- سمندر سے قریب پیاس کا تصور کفر ہے۔

مدینہ منورہ کے راستے بدر کے مقام پر ہمارا قافلہ ٹھہرا--- حضور قبلہ عالم کی آنکھیں پرنم ہو گئیں--- آپ درود شریف کا ورد کر رہے تھے۔ شہداء بدر کیلئے فاتحہ پڑھی--- مسجد میں دوگانہ ادا کیا--- مراقبہ کیا--- تو میرے سامنے غزوہ بدر کا سارا واقعہ پیش ہوا۔ دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سر بسجود فتح جماعت اسلامی کے لئے دعا مانگ رہے ہیں۔ اسی حال میں حضور نے روانگی کا حکم دیا۔

حقیقت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مدینہ طیبہ قریب آنے لگا۔ گنبد خضرا پر جونہی نظر پڑی دل نے زور زور سے دھڑکنا شروع کیا--- ایسے لگا کہ دل سینہ سے نکل کر دیارِ محبوب میں پہنچنے کے لئے تڑپ رہا ہے--- آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے--- باوجود ضبط کے میری چیخیں نکلیں۔ حضور نے میری طرف توجہ فرمائی۔ ساتھ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں باادب رہنے کا حکم خداوندی سنا کر مجھے خاموش کر دیا--- لاری میں بیٹھے بیٹھے جذب طاری ہوا--- عجب سماں دیکھنے میں آیا--- فناء شیخ غالب آگیا--- دیکھا حضور قبلہ عالم کے تنفس مبارک کے ساتھ گنبد خضرا کا اتار چڑھاؤ بھی دکھائی دے رہا ہے۔ اور ساری کائنات اس تنفس کے ساتھ سانس لیتی نظر آ رہی ہے--- گویا مجھے فنائے شیخ میں فنائے محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہو رہا تھا۔ اور حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ کے قصیدہ کی روح جَسَرِ الْکَوْنَیْنِ وَعَیْنُ حَیٰوۃِ الدَّارَیْنِ کی پوری تفسیر میرے مشاہدے میں آ رہی تھی--- ایک جگہ ڈرائیور صاحب ٹھہر گئے اور الصلوٰۃ، الصلوٰۃ پکارے قریب ہی ایک مسجد پر نظر پڑی یہاں نماز عصر ادا کی--- معلوم ہوا کہ یہ مسجد "قبا" ہے جس کی تعریف خود خدائے قدوس نے کی ہے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت مدینہ منورہ میں داخل ہونے پر نماز ادا فرمائی تھی--- یہاں سے چل کر مغرب سے پہلے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں شرف باریابی ہوا--- حضور قبلہ عالم نے صلوٰۃ وسلام ادا کیا--- ہم دونوں حضور کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آستانہ قدسی کا طواف کر رہے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں اپنی فریادیں پیش کر رہے

تھے۔ اور حضور ﷺ بہ نفس نفیس سن رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَنْ صَلّٰی عِنْدَ قَبْرِی سَمِعْتُهٗ جو شخص ہماری مرقد مبارک پر درود پڑھے وہ ہم بہ نفس نفیس سن لیتے ہیں۔ حقیقت محمدی ﷺ کی حقیقت و انکشاف ایک طرف۔ حضور کا فرمانا اس امر کیلئے کافی ہے۔۔۔ کہ سَمِعْتُهٗ ہم خود سنتے ہیں۔۔۔ کہ حیات النبی ہیں۔ اس مقام پر جو کچھ فریاد کرو جو مانگو آپ سنتے ہیں۔۔۔ یہ مقام مہمان نوازی کا ہے۔۔۔ مہمان کو عظیم انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

قیام مدینہ منورہ میں حضور ہر لمحہ کثرت سے درود پڑھتے رہے اور ہمیں بھی کثرت سے درود پڑھنے کی ہدایات فرمائی۔ اس قیام میں مدینہ منورہ کے مضافات میں مشہور مقامات مقدسہ کی زیارت کی۔ میدان احد پر گئے۔ شہدائے احد پر فاتحہ پڑھی۔۔۔ میں نے فاتحہ پڑھتے مراقبہ کیا۔ تو معاً غزوہ احد کا منظر سامنے آیا جہاں سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ آپ کے جمال کے مشاہدہ کی تاب نہ لاسکا۔ تجلیات کا اتنا شدید ورود ہوا تو حضور قبلہ عالم نے حالت دیکھ کر سہارا دیا ورنہ گمان تھا کہ قلب پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا۔ فِدَاهُ اُمِّیْ وَاَبِیْ ہر مرحلہ پر دستگیری فرماتے رہے۔ مزار بقیع پر حاضری دی اور جملہ اصحابؓ کو ایصال ثواب پیش کیا۔۔۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مزار مقدس پر سلام عرض کی اور عالم اسلام کی سربلندی کے لئے دعا کی۔ حضور قبلہ عالم بھی دعا کر رہے تھے۔ میں نے مشاہدہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھا آپ بھی حضور کے ساتھ آمین کہہ رہے تھے۔ اسی مقام پر حضرت فاطمۃ الزہرا نور عین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ وسلم فرزند رسول ﷺ کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔۔۔ قیام مدینہ منورہ میں ایک روز نماز عصر کے بعد میری ہوس دید نے سر ابھارا۔۔۔ حضور سے عاجزانہ التماس کی کہ حضور میرے مراتب میں اضافہ فرمائیں۔۔۔ نماز مغرب کے بعد حضور نے مراقبہ میں بٹھایا توجہ دی تو

؎ طے شود جادہ صد سالہ بہ آہے گاہے

کے مصداق ولی ایک آن میں طالب کے مراتب طے کرا دیتا ہے۔۔۔ اسی آن میں نے احدیت مجردہ کا مشاہدہ کر لیا۔ جہاں حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ نے خصوصی طور انعامات سے نوازا۔

قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد رسول اللہ علیہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا۔ رحمۃ للعالمین اپنے مہمان کو وہ کوئی بھی ہو۔ کسی بھی حالت میں۔ اس کی

جھولی انعامات سے بھر دیتے ہیں۔ وہ اپنے پکارنے والے کو کسی بھی حالت میں خالی نہیں چھوڑتے پھر جو آپ کے محبوب کے جلو میں حاضر ہوا اس کا دین و دنیا میں سرخ رو ہونا یقینی ہے۔

مدینہ منورہ سے واپسی سے ایک روز قبل میرے دل میں خیال آیا کہ ہماری حاضری دربار رسالت ﷺ میں قبول ہوئی ہے یا نہیں۔۔۔ اچانک حضور نے میری طرف غصیلی (سوالیہ) نظروں سے دیکھا۔ میں سہم گیا۔۔۔ فی الواقع یہ میرے نفس کا تاثر تھا۔ نماز مغرب کے دوران اس بات کا مشاہدہ ہوا۔ دربار رسالت ﷺ سے ڈاکیہ کے ذریعہ ایک سر بمہر لفافہ میرے حوالہ کیا گیا۔۔۔ اس میں کیا تحریر تھا۔؟ یہ ایک سربستہ راز ہے۔ جو ضابطہ تحریر میں نہیں آسکتا۔

مدینہ طیبہ سے روانہ ہونے سے قبل مسجد نبوی ﷺ میں عصر کی نماز پڑھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت چاہی۔۔۔ اسی دوران حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قبلہ عالم کے سامنے تجویز پیش کی کہ ظہور امام مہدی علیہ السلام تک حضور مدینہ شریف میں ہی سکونت فرمائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وجوہ کی بنا پر حضور قبلہ عالم کو واپس جانے کی اجازت فرمائی۔۔۔ حضور قبلہ عالم نے مجھے حکم دیا تھا کہ مدینہ منورہ کی خاک مقدس سے ہر جگہ سے تھوڑی تھوڑی خاک جمع کر لوں جسے حضور اپنی تربت میں رکھنا چاہتے تھے۔ میں تعمیل حکم میں مقامات مقدسہ سے تھوڑی تھوڑی خاک جمع کرتا رہا۔۔۔ حضور فرماتے تھے حج کے بعد ارضِ مقدس کی یہ سب سے قیمتی سوغات ہے۔

مکہ مکرمہ میں مدینہ طیبہ سے واپسی پر چند دن کے لئے حج کی تیاری میں مصروف رہے۔ عرفات میں حضور نے خصوصی طور پر عالم اسلام اور کشمیر کے مسلمانوں کے لئے دعا فرمائی۔۔۔ منیٰ کے قیام میں حاجی عبد الرحمان بٹ صاحب لائلپورہ نے حضور سے خصوصی دعا کے لئے التجا کی اور عرض کی کہ حج قبول ہو۔۔۔ اور ایمان پر خاتمہ ہو۔۔۔ حاجی صاحب اس وقت تک مرید نہیں ہوئے تھے۔۔۔ حضور نے دعا فرمائی۔۔۔ رات کو تہجد کے وقت حاجی عبدالرحمان بٹ صاحب میرے پاس آئے اور خوشخبری سنا کر مبارکباد دی۔ حاجی صاحب نے بتایا:۔ بیت اللہ کے صحن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ افروز ہیں اور حضور قبلہ عالم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف کرسی پر تشریف فرما ہیں۔ حجاج سامنے صف بستہ ادب سے بیٹھے ہیں۔ اور ایک ایک کا نام پکار کر حضور قبلہ عالم ان کو ایمان کی سند عطا کرتے ہیں۔ اس مشاہدہ کے ساتھ ہی حاجی صاحب منیٰ کے مقام پر ہی حضور سے بیعت ہوگئے حج سے

فراغت پاکر ہم واپس وطن روانہ ہو گئے۔

جدہ سے روانگی کے وقت حضور نے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے دل کی گہرائیوں سے دعا فرمائی۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ہم میں سے بہت لوگ دعا میں شامل تھے۔ دعا کی۔ الٰہی ہم تیرے کعبہ اور تیرے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کر کے واپس جا رہے ہیں--- ہم نے اپنے گناہوں سے توبہ کر لی--- اے اللہ ہم سب کو اس توبہ پر قائم رکھ--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہمارے قلوب کو اپنے اور اپنے حبیب ﷺ کے نور سے منور کر--- اے اللہ ہمیں پھر حرمین شریف میں آنے کا شرف عطا کر--- اے اللہ ہم اقرار کرتے ہیں کہ--- تو ہمارا رب ہے۔ اور اسلام ہمارا دین ہے--- اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے نبی اور رسول ہیں--- اے اللہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل ہمیں اس عقیدہ پر قائم رکھ--- اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں عاجزی سے دعا کرتے ہیں کہ زمین پر تو پھر خلافت الٰہیہ قائم کر--- تاکہ تیرے قانون کا اجرا ہو--- اے اللہ اسلام کو سر بلندی عطا کر اور مسلمانوں کو پہلے کی طرح اسلام کی وجہ سے عزت عطا کر--- حضور جب تک ساحل حجاز آنکھوں سے دور نہ ہوا اسی طرف دیکھتے رہے اور دعا مانگتے رہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

وہ سارا دن حضورؒ جدائی کی وجہ سے اشکبار رہے۔

سقوطرہ کے قریب طوفان کا ٹلنا

جہاز میں سفر کا تیسرا چوتھا دن تھا۔ عصر کے وقت حجاج نماز کی تیاریوں میں مصروف تھے جہاز کا کپتان گھبرایا ہوا میرے پاس آیا--- اس نے بہت بری خبر سنائی--- کہ جزیرہ سقوطرہ سے چار سو میل جنوب میں ایک طوفان آیا ہے اور ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ہماری طرف بڑھ رہا ہے۔ رات کو بارہ بجے کے قریب ہم اس طوفان کی زد میں ہوں گے۔ لہذا حاجیوں کو لائف بیلٹ پہنانے کا طریقہ بتا دو۔ ایسا نہ ہو لوگ بے خبری میں مارے جائیں--- ساتھ ہی انہیں پر سکون رہنے کی ہدایت بھی کرو۔ میں بھی سخت گھبرایا۔ حضور کی خدمت میں دوڑا۔ آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ آپ یہ سن کر بجائے فکر کرنے کے متبسم ہوئے۔ فرمانے لگے ابھی حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ہمیں اس واقعہ سے آگاہ فرمایا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ آپ لوگوں کو بچانے کا انتظام کیا گیا--- انتظار کرو کہ پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ جہاز میں سترہ سو حاجی ہیں۔ ان سب کی

حفاظت کا سامان ہونا لازمی ہے۔ تو حضور نے فرمایا ہم اس معاملے کو پیش کریں گے۔۔۔ مجھے بھی حکم دیا گیا کہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہو جاؤں۔۔۔ مشاہدے میں ایسی کیفیت سامنے آئی جس کا ذکر میں نے حضور سے کیا آپ نے فرمایا۔ جہاز اب محفوظ ہے۔ طوفان کا رخ بدل دیا گیا۔ ساتھ ہی اس کیفیت سے متعلق انکشاف فرمایا۔ بخشی غلام محمد کی حکومت کا خاتمہ ہونے والا ہے۔ ساتھ ہی ریڈیو پر ایک خبر نشر ہونے کی بھی اطلاع دی۔ میں نے جہاز کے کپتان کو بتایا کہ ہم طوفان کی زد میں نہیں آئیں گے طوفان کا رخ بدل جائے گا جس کی تصدیق کپتان نے خود دس بجے رات آکر دی۔ اس دن رات کو نو بجے ریڈیو پاکستان سے یہ خبر نشر ہوئی کہ وزیراعظم چو این لائی نے پیکنگ میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ جمہوریہ چین اور چین کے لوگ کشمیر کی حق خود ارادیت کی حمایت کرتے ہیں۔ یہی ایک خبر تھی جس کی مشاہدہ میں ہمیں اطلاع دی گئی تھی۔۔۔ حضور قبلہ عالم فرمانے لگے کہ ہم چینی فوجوں کو ہندوستان کی سرحدوں میں داخل ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ دنیا نے ۱۹۶۲ء میں چینی فوجوں کو ہندوستانی سرحدوں میں داخل ہوتے دیکھ لیا۔

حج سے واپسی کے بعد حضور قبلہ عالم نے بہت حد تک گوشہ نشینی اختیار کی۔ آپ اکثر وقت استغراق میں رہتے۔ کئی بار حضور نے اس خواہش کا میرے سامنے اظہار فرمایا کہ آپ کسی دور جنگل میں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ دنیا کی مصروفیت سے علیحدہ ہو کر دائمی انہماک و استغراق میں گذاریں لیکن اس زمانہ میں حضور کے مریدوں کی کثرت تھی ان کی آمد و رفت ہر وقت رہتی تھی۔ حضور اپنے مریدوں کا خیال کر کے کہ یہ لوگ مایوسی کا شکار ہوں گے۔ گوشہ نشینی کا ارادہ ترک فرماتے۔ اس حال میں آپ پر مہمانداری اور لوگوں کی تعلیم و تربیت میں محنت کا شدید بوجھ رہا۔ آپ ہر وقت مریدوں کی دلجوئی اور تربیت میں خندہ پیشانی سے مصروف رہتے۔

بخشی غلام محمد کی وزارت عظمیٰ سے برطرفی

حج سے واپسی کے بعد حضور پانچ سال بقید حیات رہے۔ اسی دوران جب لوگوں کی اصلاح کا عظیم بار اپنے سر لیا۔ آپ نے ضعیفی کی حالت میں بھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دینے میں سر مو فرق نہ آنے دیا۔ آپ اپنے اظہار خیال میں خود کو آزاد سمجھتے اور کسی کی پاسداری نہ کرتے نہ کسی کی طاقت سے مرعوب ہوتے کلمہ حق کا برملا اعلان کرتے۔ مارچ ۱۹۶۳ء میں ڈکٹیٹر بخشی غلام محمد فرعونیت پر اتر آیا اور مجھے ملازمت سے

برطرف کرنے کا حکم صادر کیا۔۔۔ حضور کو اس بات کا علم ہوا تو آپ سخت برہم ہوئے۔۔۔ اور جلال میں آکر فرمایا کہ ہم نے اسے خود وزارت پر بٹھایا تھا۔۔۔ اب اس کے ظلم کا بدلہ اس کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔۔۔ ہم اسے اسفل السافلین میں پہنچا دیں گے۔۔۔ پھر چند ہی مہینوں میں بخشی غلام محمد کو پنڈت جواہر لعل نہرو نے کامراج پلان کے تحت وزارت عظمیٰ سے برطرف کر دیا۔ بخشی غلام محمد کو اس امر کی اطلاع ملی۔ چنانچہ بخشی کے دوستوں اور عزیزوں نے حضور قبلہ عالم کو منانے کی کوشش کی لیکن وہ حضور کو متاثر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔

بخشی غلام محمد کی برطرفی کے بعد شمس الدین ریشی کو وزیر اعظم بنایا گیا اس کے متعلق حضور قبلہ عالم نے پیش گوئی فرمائی کہ اس کے دور میں ایک دلسوز واقعہ پیش آجائے گا۔ جس سے مسلمانوں کے دل مجروح ہوں گے۔ ملک میں فساد برپا ہو گا ۔۔ اور شمس الدین ریشی زیادہ دیر اس عہدہ پر قائم نہ رہ سکے گا۔۔۔ چنانچہ حضور کی پیشگوئی کے مطابق کشمیر کی مشہور زیارت درگاہ حضرت بل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا موئے مبارک چرایا گیا۔

موئے مقدس کی چوری اور بازیابی

یہ حادثہ عقیدت کے اعتبار سے مسلمانانِ کشمیر کے لئے واقعی اندوہناک تھا۔ اس واقعہ سے وادی کے تمام مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے موئے مقدس کی بازیابی کے لئے ایجی ٹیشن شروع کیا۔ موئے مبارک کی گمشدگی میں درپردہ مسلمان کے خلاف ایک گہری سازش کارفرما تھی اور جب کشمیری مسلمانوں کی تحریک نے شدت اختیار کی تو اس سازش میں شامل مسلمان منافقوں کو مجبوراً موئے مبارک واپس لانا پڑا۔۔۔ کشمیر کی تاریخ میں یہ ایک شرمناک واقعہ تھا جو شمس الدین کی حکومت میں رونما ہوا۔۔۔ جو مسلمانان کشمیر کے دینی، روحانی احساسات پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا۔۔۔ اس واقعہ نے مسلمانانِ کشمیر کے دلوں میں حکومت خاص کر شمس الدین کے خلاف نفرت و بغاوت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ بالآخر شمس الدین کو بھی اس عہدۂ وزارت سے دستبردار ہونا پڑا۔

جس رات درگاہ حضرت بل سے موئے مقدس چرایا گیا۔ میرے مشاہدے میں ایک عجیب کیفیت آئی۔ رات کے دس بجے ہیں۔ میں نماز عشاء سے فارغ ہو کر دعا مانگ رہا تھا۔ اچانک مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ دیکھتا ہوں کہ آسمان ستاروں سے مزین ہے۔ چودھویں کا چاند بجائے گول ہونے کے خربوزہ کے مانند مخروطی شکل میں لمبا ہو گیا ہے۔ چاند کی تابانی ماند

پڑ گئی۔ درگاہ حضرت بل اور جھیل کا تمام منظر دکھائی دے رہا ہے۔ جھیل میں سبز کشتیاں چلتی صاف نظر آرہی ہیں۔ یہ کیفیت چند لمحوں سامنے رہی تو غنودگی ہٹ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر میں فکر مند ہوا کہ اس کیفیت میں کسی اہم واقعہ کی نشاندہی کی گئی ہے۔ صبح ہوئی تو شہر میں یہ خبر عام ہو چکی تھی کہ موئے مبارک حضرت بل سے اٹھایا گیا ہے۔۔۔ یہ زمانہ اہل کشمیر کے لئے نہایت پر آشوب تھا۔ ۱۹۶۵ء میں ہند و پاک جنگ کے دوران سرحدوں کے قریب لوگوں کو جنگ کی ہولناکیوں سے دوچار ہونا پڑا۔۔۔ فوجی سپاہی دیہاتوں میں گھس کر غریب عوام پر شدید مظالم ڈھاتے۔ لوگوں کے گھروں میں سے زبردستی جو شے ملتی نکال کر لے جاتے۔ اس ظلم و جبر سے لوگوں کا جینا دوبھر ہو گیا تھا۔ حضور قبلہ عالم کا علاقہ بھی سرحد میں شامل تھا۔ جہاں فوجی سپاہی ہر وقت گاؤں کے لوگوں کو ہراساں کرتے۔ یہ حالت دیکھ کر حضور قبلہ عالم بے حد فکر مند ہوئے۔ آخر ایک دن حضور نے اپنے مکان کے دالان میں کھڑے ہو کر اپنے گاؤں کے گرد انگلی کے اشارہ سے دائرہ کھینچا، اور فرمایا آج کے بعد اس علاقہ میں کوئی فوجی داخل نہ ہو گا۔۔۔ اس کے بعد اس علاقہ میں کسی فوجی کو نہ دیکھا گیا۔ اور گاؤں فوجیوں کے مظالم سے محفوظ رہا۔ ۱۹۷۱ء میں ان علاقوں میں شدید حملے ہوتے رہے فوجی علاقہ کے چپہ چپہ پر گشت کرتے رہے۔ مگر آپ کے گاؤں میں اسی دوران ہر طرح کا سکون رہا۔ کسی فوجی نے اس طرف کا رخ نہ کیا۔

سفرِ آخرت کی تیاری

۱۹۶۸ء میں جنوری کا مہینہ تھا حضور قبلہ عالم اچانک شہر تشریف لائے فرمانے لگے کہ ہماری تمنا تھی کہ ہماری قبر مدینہ منورہ میں ہو۔۔۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہدایت ہوئی کہ یہ تمنا پوری کرنا چاہتے ہیں تو دو ماہ تک وقت ہے۔ دو مہینے کے اندر مدینہ منورہ پہنچ جاؤں۔ لیکن افسوس اتنی جلدی ہم مدینہ منورہ جانے کی تیاری نہ کر سکے۔ یہ المناک خبر سن کر ہم پر بجلی سی گری۔ صاف ظاہر تھا کہ اس بات میں حضور قبلہ عالم کی اس جہاں سے رخصت کا وقت قریب ہونے کا اشارہ ہے۔۔۔ یہ اشارہ ہمارے لئے مایوس کن تھا۔ کہ آپ کے بعد اتنی وسیع جماعت کا کون نگران ہو گا۔۔۔ ہماری مشکلات میں کون ہماری دلجوئی و امداد کرنے والا ہو گا۔۔۔ ہم اپنے ذاتی مسائل میں کس کی راہنمائی کا سہارا لیں گے۔ حضور نے ہماری پریشانی کو محسوس کیا۔۔۔ ظاہر ہے جو شفیق ہستی اپنے مریدوں کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی ہو۔ انہیں بھی اپنے عزیزوں کو تنہا چھوڑ کر جانے کا غم ضرور تھا۔ لیکن اس

عالم میں حضور نے ہمیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔۔۔ کہ یہ سنت الٰہی ہے۔ اس امر سے کسی کو مفر نہیں۔۔۔ ایسا ہر حال میں ہونا اٹل ہے۔۔۔ اسی لئے منشاء الٰہی پر راضی ہو کر صبر و استقلال ہاتھ سے نہ جانے دینا۔۔۔ فرمایا۔۔۔ فقیر کی موت سوائے اس کے نہیں کہ وہ ظاہری آنکھوں سے اوجھل ہوتا ہے۔۔۔ ورنہ ولی کے لئے حاضر و غائب یکساں مقام ہے۔۔۔ جیسا کہ اب ہے ویسا ہی بعد موت بھی موجود ہے۔۔۔ جس حال میں ولی کو ظاہر میں دیکھا جاتا ہے۔۔۔ یہ دیکھنا روحانی حیثیت میں باقی رہتا ہے۔۔۔ اسی حال میں بعد موت بھی ولی کو دیکھا جاتا ہے۔۔۔ ولی ہر حال میں حاضر ہوتا ہے ایسی صورت میں غم کرنے کا مقام نہیں میں ہر حال میں تم سے قریب اسی طرح ہوں جس طرح آج۔۔۔ آپ نے اپنے روئے انور پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا۔۔۔ اس شکل کو یاد رکھو پھر کوئی مشکل، مشکل نہ ہو گی۔۔۔ جب بھی میرا تصور کرو میں تمہارے سامنے ہوں گا۔۔۔ ہاں قدرت نے نظام کائنات کو قوام و دوام دینے کے لئے ہر شے میں حب کا اثر قائم رکھا ہے۔۔۔ اسی حب کے زیر نظام کائنات برقرار ہے ماں باپ، بہن بھائی، عورت مرد میں تعلق صرف حب کے زیر اثر قائم ہے۔ ہم جانتے ہیں آپ لوگوں کے دلوں میں میری ذات سے جو نسبت اور محبت ہے اس کا تعلق میری موجودگی سے ہے۔۔۔ اس کا واحد علاج۔۔۔ میرا "تصور" قائم رکھنا۔ اس کا مطلب کثرت سے درود و مراقبہ جاری رکھنا۔۔۔ اس عمل کو اپنی زندگی کے ساتھ جاری رکھو۔ پھر تمہیں فراق کا احساس نہ رہے گا۔

حضور قبلہ عالم ماہ شوال اور ذیقعد کے دو مہینوں میں بار بار شہر تشریف لاتے رہے اور اپنے مریدوں کو وعظ و نصیحت سے وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ تلقین فرما کر ہمارے دلوں سے غم و اندوہ کا بوجھ ہلکا کرنے کی سعی فرماتے رہے۔ اس دوران جن کے مشاہدے میں رکاوٹ تھی توجہ سے انہیں مشاہدے میں کامل فرماتے اور جو نئے درود خوان آتے انہیں حضوری کر دیتے۔

حضور قبلہ عالم کی واحد ذات تھی جن کے سر پر اپنے اہل و عیال کی پرورش موقوف تھی۔ اپنے اہل و عیال کا واحد سہارا تھے۔ ظاہر ہے ایک مقدس و مومن شریک حیات کے لئے آپ کی جدائی ناقابل برداشت تھی۔ معصوم بچوں کی یتیم حالت کا آپ کو احساس تھا۔۔۔ اس کسمپرسی میں ان معصوموں کا بے یار و مددگار ہو جانا۔ یہ احساس آپ کے لئے تکلیف دہ تھا۔ مگر آپ صبر و استقلال کا مجسم پیکر تھے۔ آپ کو اللہ اور رسول ﷺ پر پورا بھروسہ تھا۔ آپ نے اس موقع پر مرتبہ ... احساس پر قابو رکھا اور کامل خوشنودی

رضائے الٰہی پر راضی رہے--- گھر پر اپنے رخت سفر کا تمام انتظام مکمل کر لیا--- تجہیز و تکفین کی سب تیاریاں مکمل کر لی تھیں--- اپنی قبر شریف کا تعین فرمایا--- تابوت بھی تیار کرا لیا--- اب صرف وقت کا انتظار تھا--- اپنے فرزندوں اور حضرت مائی صاحبہ کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے آئندہ زندگی میں آنے والے واقعات سے نپٹنے کے لئے تفصیلی ہدایات فرماتے رہے۔

حج سے واپسی کے بعد حضور زیادہ تر وقت عبادات میں گذارتے۔ اور اکثر مراقبہ و استغراق میں مشغول رہتے۔ ایک دن حضور قبلہ عالم نے ایک خواب بیان کرتے ہوئے اپنے رخصت ہونے کا اشارہ فرمایا--- فرمایا--- ایک دن ہم مسجد نبوی ﷺ سے نماز فجر ادا کر کے باہر نکل رہے تھے--- کہ کیا دیکھتے ہیں کہ لوگ جوق در جوق دوڑ رہے ہیں--- ہم بھی اس طرف چل پڑے--- اور خلیفہ سوئم سے ہم نے بھی بیعت کی۔ اس وقت تو میں اس خواب کا مطلب نہ سمجھ سکا--- بعد میں، میں نے اندازہ کیا کہ حضور قبلہ عالم کی یہ خواب حضور کی وفات کی طرف ایک باطنی اشارہ تھا۔

لیلۃ الحزن

عید الاضحیٰ ہمارے لئے جمعۃ الوداع ثابت ہوئی--- ۷ ا ذوالحج کی صبح نماز کے بعد میں مراقبہ میں تھا کہ مجھ پر غنودگی طاری ہوئی۔ اس عالم میں ایک عجیب کیفیت دیکھنے میں آئی۔ میرے مکان کے صحن میں جنوب کی طرف سے ایک شفاف پانی کی نہر داخل ہو گئی اور دیکھتے دیکھتے--- سارا صحن پانی سے بھر گیا--- اب یہ پانی کمروں میں بھی داخل ہونے لگا--- دیکھتا ہوں کہ یہ پانی باورچی خانہ میں داخل ہوا ہے۔ میری بیوی ایک چھوٹے چوکور تختے پر بیٹھی پانی میں تیر رہی ہے۔ میں خوش ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسے شیریں پانی سے نوازا ہے۔ میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ تیری شکایت اب دور ہو گئی کہ ہمارے نلکوں میں پانی نہیں ہوتا۔ اب اس عطیہ پر اللہ کا شکر کرو اور احتیاط رکھو کہ پانی مین کوڑا کرکٹ نہ ڈالا جائے۔ میں خود کو دیکھتا ہوں کہ میں نے ایک سنہری لباس زیب تن کیا ہوا ہے--- اور کسی اہم کام کے لئے جا رہا ہوں--- سوچ رہا ہوں کہ پانی میں چلنے سے جوتا تر ہو جائے گا--- اب کس طرح باہر نکلوں، میری بیوی اس پانی کے نکاس کے لئے کوئی انتظام کرنا چاہتی ہے۔ لیکن میں اس کے سخت خلاف ہوں۔ اسی دوران خیال آیا--- کہ مجھے اپنے پیر اکمل نے ہوا میں اڑنے کی طاقت بخشی ہے۔ آج میں اسی طاقت سے کام لوں گا--- اور میں بسم

اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ہوا میں پرواز کرتا ہوں۔ پرواز کرتے ایک جنگل میں اترتا ہوں۔۔۔ یہاں ایک انجینئر سامنے آتے ہیں۔۔۔ اور میرے سامنے سڑک کی تعمیر کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔۔۔ درمیان میں سڑک ایک جریب کے برابر نامکمل رہ گئی ہے۔۔۔ سامنے پہاڑ کے دوسرے طرف سڑک مکمل ہو چکی ہے۔۔۔ اور آمدورفت کے لئے بالکل تیار ہو چکی ہے۔۔۔ میں انجینئر سے ناراض ہوتا ہوں کہ باقی حصہ کیوں نامکمل رہ گیا ہے۔۔۔ انجینئر صاحب مجھے موقع پر لاکر دکھاتے ہیں کہ بیچ سڑک کے ایک تناور درخت سڑک کی تکمیل میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اس درخت کی شاخیں مشرق و مغرب پھیلی ہوئی ایک وسیع علاقہ تک سایہ پھیلائے ہوئے ہیں۔۔۔ انجینئر کہتے ہیں کہ سڑک کی فوری درستی کے لئے اس درخت کا درمیان میں سے کاٹنا ضروری ہو گا۔ ورنہ اس درخت کی موجودگی میں ارد گرد کئی چھوٹے درختوں کو کاٹنا پڑے گا۔ جس سے سڑک ٹیڑھی بنے گی۔۔۔ میں موقع پر ہی درخت کاٹنے کا فوری حکم دیتا ہوں۔ انجینئر صاحب بجلی سے چلنے والی مشین نصب کر کے درخت کاٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ میں سڑک کے دوسری طرف معائنہ کر کے آجاتا ہوں۔۔۔ درخت کاٹا جاتا ہے اور سڑک صاف اور سیدھی تیار ہو جاتی ہے۔ یہاں سے فارغ ہو کر پھر پرواز کی کوشش میں میرا استغراق ختم ہو جاتا ہے۔ یہ مشاہدہ کر کے میں سخت حیران ہوں کہ یہ کیا واقعہ ہے اور کس حادثہ کی نشاندہی کرتا ہے؟ سوچنے کے باوجود میں کسی نتیجہ پر پہنچ نہ سکا۔ سارا دن اسی پریشانی میں گذرا۔ رات میں وضو کر کے بستر پر لیٹ گیا۔۔۔ دس بج چکے ہیں۔ آنکھیں بند کر کے قرآن شریف کی تلاوت کر رہا ہوں۔۔۔ معاً حضور قبلہ عالم کو سامنے پاتا ہوں جو اپنے پورے لباس میں ملبوس ہیں چہرہ انور سے شدت کا جلال ٹپک رہا ہے۔ آپ نے اپنا دست مبارک میری طرف بڑھایا اور فرمایا "ڈاکٹر صاحب میں چل پڑا۔ خدا حافظ" میں جلدی سے آپ کے دست مبارک کو پکڑ کر بوسہ دیتا ہوں۔ محسوس کر رہا ہوں کہ حضور میرے سامنے بجسد موجود ہیں۔ میں گھبراہٹ میں چونک گیا۔ اسی وقت میری زبان پر اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ جاری ہوا۔ دل نے صدا دی کہ حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ ہمیں بے کسی کے عالم میں چھوڑ کر "خدا حافظ" کہہ گئے۔ مجھ پر شدت کا اضطراب طاری ہوا۔ بمشکل رات تڑپتے گذاری، علے الصبح میں حضور کے آستانہ عالیہ کی طرف روانہ ہوا۔ بدقسمتی سے راستہ میں میری موٹر خراب ہو گئی۔ پہنچنے میں تاخیر ہو گئی۔ افسوس کہ میں حضور کے آخری دیدار سے محروم ہو گیا۔ میرے پہنچنے سے قبل حضور قبلہ عالم مرحوم کو سپرد خاک کیا جا چکا تھا۔ یہ واقعہ میرے لئے حد درجہ دلفگار تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں قبر شریف پر آیا۔ اس کیفیت کے بیان کے لئے

الفاظ نہیں کہ دلی کیفیت بیان ہو سکے! حضور کے قدموں میں سر رکھ کر فاتحہ پڑھی تو حضور سامنے ظاہر ہوئے۔ فرمایا یہی خواب کی تعبیر تھی۔ آپ کے دیدار سے گو نہ قلب کو سکون ہوا۔۔۔ کہ آپ مجھ سے جدا نہیں۔ ہم آپ سے جدا نہیں۔۔۔ درحقیقت میں سمجھتا ہوں کہ میرے بروقت پہنچنے میں تاخیر ہونا حضور کی مصلحت کے تابع تھا۔ یقیناً ایسے موقع پر احتمال تھا کہ اس سانحہ عظیم کی تاب نہ لاتے ہوئے، شدت غم سے جان بدن سے نکل کر اپنے محبوب کی طرف پرواز کر جاتی۔

حضور محترمہ مائی صاحبہ سے معلوم ہوا کہ رات ساڑھے نو بجے حضور نے گرم پانی سے وضو کیا اور سر مبارک میں خوشبو دار تیل ملا۔ آپ کی عادت شریفہ میں تھا کہ حسب معمول ابتدائے شب تھوڑی دیر استراحت فرماتے بعد میں اٹھ کر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ اسی طرح آپ بستر پر لیٹ جاتے۔ صاحبزادہ امین الدین، بشیر الدین آپ کے پاؤں دباتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد صاحبزادوں کو سو جانے کے لئے فرمایا کہا والدہ کو ہمارے پاس بھیج دو۔ سب بچے سو گئے۔۔۔ جناب مائی صاحبہ حضور کے پاس تشریف لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرا وقت آچکا ہے ہم رخصت ہو رہے ہیں۔ انہیں نصیحت فرمائی کہ ہمارے بعد میں ہر حال میں بھروسہ اللہ پر رکھنا۔ ہماری وفات پر آہ و زاری نہ کرنا اور ہر حال میں شریعت کی پابندی کرنا اس کے بعد حضور نے تین بار اللہ، اللہ، اللہ کہا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی رَحْمَةُ اللّٰہِ اَبَدًا اَبَدًا۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم رحمت اللہ علیہ کی وفات طالبان حق کیلئے محرومی اور خصوصاً سلسلہ اویسیہ پر ایک سانحہ عظیم تھا۔۔۔ کہ وہ حضور کی رفاقت سے محروم ہو گئے۔۔۔ ان کا پشتی بان۔۔۔ نگہبان۔۔۔ غمگسار دوست انہیں تنہائی کے خارزار میں بے بسی کے عالم میں چھوڑ کر چلا گیا۔ ہر مرید کو آج محسوس ہوا کہ اس کا شفیق باپ۔۔۔ اس کا دست و بازو بھائی۔۔۔ اس کی غمگسار ماں کا آج ہی انتقال ہو گیا۔۔۔ کیونکہ حضور اپنے مریدوں کے لئے شفیق باپ، ہمدرد بھائی اور غم رکھنے والی ماں سے زیادہ درد رکھنے والے تھے۔۔۔ حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں، محبوں کی ہر حال میں خیر و فلاح کی فکر رکھتے تھے۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم کی ذات اقدس حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ کی نبوی ﷺ صفت سے متصف تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ جب فضا میں بارش کے لئے سیاہ بادل آسمان پر آنے لگتے تو آپ ﷺ بار بار باہر تشریف لا کر بادلوں کو بے چینی سے دیکھتے۔۔۔ انہیں فکر لاحق ہو جاتا کہ کہیں گذشتہ قوموں کی طرح ہماری قوم (کفار) پر کوئی طوفان تو نہیں بھیجا گیا۔۔۔ تو

آپ ﷺ دعائیہ کلمات زبان اقدس سے ادا فرماتے۔

حضور قبلہ عالم کو بھی ہمیشہ اپنے مریدوں کی ابتلا کا فکر رہتا۔ بار بار اپنے مریدوں کو دیکھتے ان کے گھروں تک پہنچ جاتے۔۔۔ حضور قبلہ عالم شریعت و طریقت کی ایک اولوالعزم ہستی تھے۔۔۔ بلاشبہ آپ علمائے امت میں سابقین علمائے امت کے حقیقی جانشین تھے۔۔۔ جن کے ذریعہ شریعت و طریقت کا حقیقی معنوں میں اجرا ہوتا رہا۔ اور طالبان حق کی صحیح راہنمائی ہوتی رہی۔۔۔ ہاں وہ آفتاب ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔۔۔ زمانہ کو اب اس آفتاب کی روشنی ملنی محال ہے۔۔۔ آہ۔۔۔ یہ خطہ ارضی، جب کہ دنیا کا گوشہ گوشہ باطل کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا حقیقت کی روشنی سے محروم تھا۔ آپ کی ضیا پاشیوں سے کماحقہ فیض یاب ہو رہا تھا۔۔۔ ہاں! دنیا اس آخری سہارے سے محروم ہو گئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایک زمانہ آئے گا۔۔۔ دنیا پر ہر طرف شر و فساد طاری ہو گا۔۔۔ انسانیت ہدایت سے محروم ہو گی شریعت حقہ کا حقیقی تصور انسانی ذہنوں سے محو ہو جائے گا۔ دنیا پر کثرت سے مسجدیں تعمیر ہوں گی۔ ان میں کثرت سے عبادت ہو گی مگر ان میں روح ایمانی مفقود۔ محض رواجی اور بے نتیجہ عمل پایا جائے گا۔ "یہ زمانہ شر کا ہو گا" کہ مومن اپنے دروازے سے ایک قدم نکال کر۔ واپس داخل ہو تو وہ ایک قدم میں ایمان کھو بیٹھے گا۔۔۔ زمانہ میں کثرت سے علماء ہوں گے۔ وہ قرآن و حدیث تلاوت کریں گے مگر قرآن ان کے گلے سے نیچے نہ اترے گا۔ وہ بے عمل ہوں گے۔ ان کی تبلیغ راہبان بنی اسرائیل کی مانند محض حصول دنیا اور ذاتی اغراض کے حصول کی خاطر ہو گی۔

اس زمانہ میں حضور قبلہ عالمؒ کی ذات حالی، بلاشبہ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے مصداق، آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کا مظہر تھی۔ آپ کا کوئی فعل شریعت کے خلاف ثابت نہیں۔ آپ حق گوئی میں بے باک تھے۔ حق بات کہنے میں آپ کسی بڑی سے بڑی طاقت سے مرعوب نہ ہوتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں جلال تھا۔ مگر جہاں تک تبلیغ اسلام و ارشاد کا تعلق تھا۔ آپ حد درجہ حلم اور مروت کا پیکر تھے۔ آپ اپنے مریدوں سے حد درجہ شفقت و کرم روا رکھتے تھے۔

(اختتام حصہ اول)

حِصّہ دوم

آدابِ شریعت، آداب انسانیت آداب طریقت
کے متعلق جناب الحاج قطب الاقطاب
محمد امین قریشی، اویسی، کشمیریؒ کے
فرمودات

فرمودات:۔ حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ

حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ، محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سب اعمال پر مقدم سمجھتے اور اپنی تبلیغ میں اپنے محبوں کو اسی محبت کا سبق دیتے۔ آپ کسی طرح بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ذرہ بھر گستاخی برداشت نہ کرتے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی علامت یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوستوں سے محبت کی جائے اور آپ کے دشمنوں سے بغض رکھا جائے خواہ وہ اپنے عزیزوں میں سے کیوں نہ ہوں۔ آپ فرماتے ہیں محبت میں چاپلوسی اور زمانہ سازی روا نہیں۔ کیونکہ محب محبوب کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر کسی صورت میں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے دوستی و صلح کا کوئی انداز پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تو ایسا شخص حب کا دعویٰ کرنے میں باطل ہے بلکہ ایسا کرنا منافقانہ فعل تصور ہو گا۔ منافق خارج از دین قرار دیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ خالق کائنات، مالک کل ہے۔ وہ اپنی مخلوق کی کسی لغزش کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس کی صفت تَوَّابٌ الرَّحِیْمٌ ہے۔ وہ اپنے بندوں کی بغاوت و نافرمانی پر درگذر کر جاتا ہے اسی ذات نے بڑے جابر سے جابر، باغی سے سے باغی، شداد، نمرود، فرعون جیسے انسانوں کو خود عزت دے رکھی ہے۔ ان کی بغاوتوں پر درگذر کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کی موت کا وقت آیا ہاں! ان کا فیصلہ قیامت پر موقوف رکھا۔ حضورؒ فرماتے ہیں۔ یاد رکھو۔ یہ امر اللہ تعالیٰ کی شانِ صمدیت کے خلاف ہے کہ وہ خود کسی انسان کے مقدر میں شقاوت لکھے۔ ایسا نہیں۔ بلکہ انسان خود اپنے آپ کو لائق عذاب بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آدم سے لیکر قیامت کے آخری فرد تک اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے تصور میں فطرت اسلام پر پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ماں سے ستر درجہ زیادہ محبت رکھتا ہے۔ شداد، نمرود، فرعون، بھی انہیں بندوں میں شامل ہیں۔ اس کی خواہش ہے کہ اس کا بندہ نجات یافتہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلٰکِنْ کُنْتُمْ تمہاری سعادت و شقاوت تمہارے اپنے ہاتھوں سے ہے اور میں نے تمہارے لئے رحمانیت اور رحیمیت کی راہیں آسان و کشادہ کر رکھی ہیں کہ تم ہر حال میں نجات یافتہ ہو سکو۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے

درگذر کرتا ہے تو بندہ کے لئے بھی لازم ہے کہ وہ اپنے بھائی سے بہرحال درگذر سے کام لے۔ خواہ وہ اس کا دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ کسی انسان کی نافرمانی پر ذاتی طور نفرت و غضب کا اظہار نہ کرے۔ یہ جانے کہ ہر انسان اولادِ آدم سے ہے۔ انسان، انسان کا حقیقی بھائی ہے۔ جس میں غیریت کا کوئی تصور قائم نہیں ہوسکتا ایسی صورت میں اپنے بھائی کے نقصان پر اس کی آئندہ، گذشتہ تکالیف و مصائب کا احساس کرتے ہوئے اس کے لئے جذبہ احسان پیدا کرکے اس سے محبت کرے۔ اس کی تکلیف کا احساس کرکے خود دکھ محسوس کرے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ میں تھا کہ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ آپ کفار پر ان کے اعمال کے سبب عذاب آخرت سے دکھی رہتے تھے۔ لہذا لازم ہے اپنے انسان بھائی سے محبت رکھو۔ اس کے قریب ہو جاؤ۔ اس کی اصلاح کی کوشش کرو البتہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ خود اپنے محبوب کی بے عزتی اور تکلیف گوارا نہیں کرتا۔ لہذا صاحبِ ایمان کیلئے دشمن رسول ﷺ سے ہر حال میں دشمنی رکھنا فرض ہے۔ حضور فرماتے ہیں، اعمال میں سب سے بہتر عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و تکریم اور محبت ہے بلاشبہ حضور قبلہ عالم سنت نبوی ﷺ کے تحت دوست دشمن سے مروت و احسان سے پیش آتے اور ہر شخص کے لئے فیض کا دروازہ کھلا رکھتے۔

علم و دانائی:۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ حصولِ دین و دنیا میں "دانائی" اختیار کرو۔ دانائی سے مراد، عقل کی راہنمائی۔ عقل ہی سے انسان اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔ عقل سے راہ حق تلاش کرنے میں راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ وَالْعَقْلُ اَصْلُ دِیْنِیْ۔ میرے دین کی اصل عقل ہے۔ نادان ہونا حقیقت سے دوری ہے نادانی انسان میں تکبر پیدا کرتی ہے۔ تکبر میں عقل معطل ہو جاتی ہے۔ انسان جان بوجھ کر حق قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس دانائی سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ خود اعتمادی پیدا ہو تو انسان حق بات کہنے میں بے باک ہوتا ہے، اس حال میں انسان حق کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ جس سے انسانی کردار بلند ہو جاتا ہے۔ اسی کردار سے انسانی شخصیت نکھر جاتی ہے۔ تو ہر شخص اس کی عزت کرتا ہے۔ اس عزت افزائی سے انسان زیادہ ترنیکی پر عامل ہونے کی خو پاتا ہے۔ جو انسان عوام الناس میں مقبول ہو وہ خدا اور رسول صلعم کے نزدیک بھی مقبول و پسندیدہ ہوتا ہے۔ جو شخص اللہ و رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ہو، فطرۃً طور

پر اس میں عجز پیدا ہوتا ہے۔ ایسا انسان خواہشات نفسانی کی شر سے محفوظ رہتا ہے اس کا ہر عمل اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تحت احسن اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ یہی عمل انسان کی سرخروئی کا ضامن ہوتا ہے۔

تقویٰ:۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنے عمل کا محاسبہ کیا کرو۔ اپنی کمزوریوں پر ہر لحہ نظر رکھو۔ اپنی کمزوریوں کو لوگوں کی نظر سے چھپانے سے بہتر ہے کہ انہیں دور کرنے کی کوشش کرو۔ اپنی سادہ کمتر حیثیت کو امیرانہ، مصنوعی لباس اور ملمع سازی سے چھپانے کی کوشش نہ کرو، بلکہ لباس تقویٰ اختیار کرو تاکہ کمتر حیثیت میں بھی تمہیں تقویٰ کی بدولت حقیقی عزت حاصل ہو۔ تصنع سے حاصل کی ہوئی عزت سے انسان غرور و حسد کا شکار ہو کر فتنہ کا سبب بن جاتا ہے۔ مصنوعی ساکھ قائم رکھنے کیلئے انسان میں دھوکہ اور فریب کی عادت پڑجاتی ہے، اس کا اخلاق گر جاتا ہے۔ وہ مجسمہ راز بن جاتا ہے جس راز کو چھپانے کے لئے اسے بار بار جھوٹ بولنا پڑتا ہے، انجام کار ایسا شخص بجائے اعتماد حاصل کرنے کے اپنا اعتماد کھو بیٹھتا ہے۔ لوگ اس کی سچی باتوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے اس طرح انسان لوگوں کی نظروں سے گر کر ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔ اس سے بہتر ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق جس حال میں ہو اسی حال میں لوگوں کے سامنے پیش ہو، حسن اخلاق اور اعمال صالح سے اپنی حیثیت کو زینت دے تاکہ خود بخود لوگ اس کی عزت کریں اور اس پر بھروسہ کریں۔ یہ ضروری نہیں کہ انسان اس کے لباس سے پہچانا جائے بلکہ حسن کردار سے پہچانا جائے۔ ایک بااخلاق شخص پھٹے کپڑوں میں بھی مقبولیت حاصل کرتا ہے۔ لازم ہے کہ انسان، انسان سے عزت و تکریم حاصل کرنے کا جذبہ دل میں نہ رکھے، بلکہ اعمال صالح اور حسن اخلاق اختیار کر کے اللہ اور رسول ﷺ کی خوشنودی ہی اپنا مقصد قرار دے۔

کبریائی:۔

اللہ تعالیٰ کی خصوصی، صفت اللہ اکبر ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اللہ کی خصوصی صفت جس میں اس کا شریک نہیں اَللّٰہُ اَکبر ہے۔ اللہ سب سے بلند و بالا ہے۔ یہ اس کی لامحدودیت کی علامت ہے۔ یہی لامحدودیت اللہ کی ذات کی ماسویٰ سے بلند مقام کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس لئے انسان میں کسی قسم کی

بڑھائی کا تصور شرک کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقابل کسی مخلوق کا "کبر" برداشت نہیں کرتا۔ انسان کو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے بلند مرتبہ عطا کیا ہے، لیکن مخلوق ہونے کے اعتبار سے وہ ہر حال میں محتاج ہے۔ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو اس احتیاج میں انسان اپنی تقدیر میں بااختیار نہیں اور وہ شخص جو معرفت الٰہی میں مشاہدہ اسرار الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت اور اس کی وحدانیت کے آثار و اسرار سے کما حقہ آگاہ ہو اللہ اکبر کی حقیقت پہچانتا ہے، بلاشبہ اسے اپنی ذات ہر حیرتِ حقیقی میں حقیر نظر آتی ہے، پھر اس میں ذرہ بھر "کبر" کا اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ حقیقت ہے کہ سوائے اللہ کی ذات کے کائنات میں "کبر" کا کوئی حقدار نہیں، اس تصور کو قائم کرنے سے ہی خود اپنی ذات کی نفی ہو جاتی ہے۔ یہی تصور حقیقی نفی کا ہے، جس سے اثبات کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اپنی ذات کی نفی اور اللہ کی کبریائی کا تصور حقیقی معرفت کی علامت ہے۔ جو شخص اللہ کے آگے حقیر حیثیت میں پیش ہو وہی کائنات میں معزز کہلاتا ہے کہ اس نے حق "عبدیت" پورا کیا۔ مقام عبدیت ہی مقام انسانیت ہے۔ ایسا انسان سوائے اللہ کے کسی مخلوق کا نہ محتاج رہتا ہے۔ نہ ماسویٰ کی اس کے دل میں طلب باقی رہتی ہے۔

ان اکرمکم عنداللہ اتقکم

حضور فرماتے ہیں کہ انسان اولاد آدم سے ہے۔ ہر انسان جسمانی تخلیق میں یکساں حیثیت سے پیدا ہوتا ہے۔ پیدائشی اعتبار سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں نہ کوئی انسان کسی فرد کو اپنے سے کمتر سمجھے نہ خود فخر کرے۔ فخر بے جا غرور سے تعبیر ہوتا ہے۔ غرور کے معنی دھوکہ ہے، دھوکہ سے مراد خود کو اس حقیقت سے دیکھنا جو صفت اس میں نہ ہو۔ انسان ہر حال میں ضعیف ہے۔ ضعف میں تنزل کا مادہ ہے۔ ضعیف محتاج ہوتا ہے۔ محتاج اپنی بڑھائی جتا نہیں سکتا۔ یہ انسان کی فطری خاصیت ہے۔ ایسی صورت میں انسان کے لئے بے جا فخر و غرور لازم نہیں سوائے اس کے کہ اللہ کے نزدیک بڑا وہ ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اونچا مقام پایا، قرآن نے بتایا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ تحقیق تم میں سے بڑا وہ ہے جو پاکیزگی کے ساتھ اللہ کی عبادت کرے۔ ہاں انسان خود بڑا نہیں بن سکتا۔ البتہ اللہ خود کسی کو بزرگی دیتا ہے۔ بزرگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ انعام پر موقوف ہے۔ دنیا کا کوئی شہنشاہ ہو، سربراہ مملکت ہو، ادیب ہو یا خطیب ہو، سپہ سالار ہو یا جرنیل ہو، یا عدلیہ کا قاضی ہو یا جسٹس ہو، مفکر ہو یا موجد ہو، صاحب جائیداد امیر ہو یا تاجر، بزرگ نہیں کہلا سکتا جب

تک کہ اصول الٰہی کے تابع اس کی شخصیت، اس کے کردار میں اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ کی خصوصیت موجود نہ ہو ورنہ یہ خوبیاں کسی کی بزرگی کی ضمانت نہیں بن سکتیں اس حیثیت میں کسی شخص کے لئے نسلی برتری پر فخر کرنا جائز نہیں جب تک کہ اس نسلی برتری میں تقویٰ کی صفت موجود نہ ہو۔

خلیفہ فی الارض

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کا مقصد واضح طور بیان کیا ہے۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً یعنی تخلیقی حیثیت میں انسان طِیْنٍ لَّازِبٍ سے بنایا گیا جو اپنی صفت کے اعتبار سے خاکی اور سفلی مادہ کی حامل ہے۔ خاکی حیثیت تخلیق کی کمتر حیثیت قرار دی گئی ہے جیسا کہ شیطان کے قول سے ظاہر ہے

قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ ۚ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (پارہ ۸ سورۃ ۷ آیت ۱۲)

انسان کی تخلیق میں خاکی عنصر ہے جو نار سے کمتر ہے، گویا خاک نار سے کمتر ثابت ہے۔ بلاشبہ خاک بنسبت نار سے کمتر ہے لیکن شیطان اَنَا خَیْرٌ کے دعوے سے ہی راندہ درگاہ ہوا لہذا اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ کا دعویٰ ہی حق سے دوری کا سبب بنتا ہے۔ انسان کیلئے البتہ خَلِیْفَۃً کی صفت اسے نور سے افضل قرار دیتی ہے خلیفہ سے مراد صاحب تسبیح و حمد متقی صفت کا حامل انسان یہی صفت انسان کو بزرگی عطا کرتی ہے کہ انسان متقی، عبادت گذار ہو۔ اس مقام پر غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ انسان کیلئے سوائے تسبیح و حمد و تقویٰ کے کوئی عمل لازم نہیں اور انسان اس عمل میں اپنی ایک منفرد حیثیت رکھتا ہے۔

انسان کی فطری تخلیق کا تقاضا تھا کہ وہ خلیفہ کی حیثیت میں تقویٰ تسبیح و حمد، عبادت قائم رکھتے ہوئے حصولِ دنیا میں ضرورت سے زیادہ نہ الجھتا تو اسکا عمل خالص تسبیح و عبادت، اور تصور معرفت الٰہیٰ قائم رہتا۔ اسے حصول دنیا میں جستجو کی ضرورت نہ تھی جب کہ قدرت نے اس کی پیدائش سے قبل اس کا سامان زندگی وافر مقدار میں مہیا کر رکھا تھا جس کے لئے اسے جدوجہد کرنے کی ضرورت نہ تھی مگر انسان لذت نفس، خواہشات نفسانی کی بے جا تکمیل میں ذہن کو الجھا کر تسبیح و حمد اور تصور الٰہی سے دور ہوتا گیا کہ انسان مضمحل ہو کر اپنی پاکیزگی نفس اور تسبیح و عبادت کو قائم نہ رکھ سکا

انسان کی پستی کا سبب فطری قانون سے انحراف ہے

دراصل انسان کے لئے پستی کا کوئی مقام نہیں۔ خلیفہ کی حیثیت سے انسان تسبیح و عبادت کے اعتبار سے افضل قرار دیا گیا ہے، سوائے اس کے کہ عملی حیثیت پر اس کی پستی کو محمول کیا جائے۔ عملی حیثیت میں ہی کوئی انسان اپنے حقیقی فرائض سے تغافل برت کر اپنی قوت کو غلط استعمال کر کے جابر و ظالم شہنشاہ بن جاتا ہے، دوسری طرف اس تغافل کے باعث انسان کمزور ہو کر ذلیل سے ذلیل کام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ سوائے اس کے کوئی مادی اقتدار، کوئی مادی خصوصیت خواہ وہ کسی شعبہ حیات سے متعلق ہو، وجہ بزرگی قرار نہیں دی جا سکتی۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ اللہ کی رسی مضبوطی سے تھام رکھو اور آپس میں فرق نہ کرو۔ الگ الگ نہ ہو۔ اس بیان میں حَبْلِ اللّٰہ دین ہے۔ دین تسبیح و عبادت سے تعبیر ہے کہ تسبیح و عبادت پر قائم رہنے میں ایک دوسرے سے محبت کا رشتہ قائم کرو، اور آپس میں کمتری، برتری کا احساس نہ رکھو، غیریت کا تصور نہ رکھو، کیونکہ انسان ابن آدم سے ہے، اور اس تصور کو "ایمان" سے تقویت دی گئی ہے۔

نماز میں اجتماعیت کا تصور محض دین کیلئے ہے حصول دین کیلئے نہیں

جب تک تم مومن ہو تو ایک دوسرے کے بھائی ہو۔ ایمان سے خالی نہ مومن، مومن رہ سکتا ہے، نہ بھائی بھائی رہ سکتا ہے۔ تسبیح و حمد میں معاونت سے مراد۔ حصول عبادت، حصول نجات آخرت میں ایک دوسرے کیلئے ماحول پاکیزہ رکھ کر۔ پاکیزہ معاشرہ تشکیل دو، تاکہ ہر انسان کو حصول دین حصول حق کیلئے آسانی حاصل ہو۔ یہ طریق ایک اجتماعی شکل پیدا کرتا ہے۔ لیکن یہ صورت محض دین کیلئے ہے۔ مادی اقتدار کے حصول کیلئے نہیں۔ اور اس طریق کی ضرورت بھی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسانیت میں محض حصول دنیوی میں بے جا حصول کی وجہ سے انتشار، بغض و عناد اور فساد غالب ہو۔ ایسے موقع پر قرآن نے "دین" کی صورت میں ایک ضابطہ پیش کیا جو ضابطہ تسبیح و حمد۔ عبادت کا حامل ہو۔ جس کا مظاہرہ عبادت۔ یعنی ارکان اسلام و ایمان سے کیا گیا۔ ارکان اسلام میں الصلوٰۃ۔ یعنی نماز ایک ایسا عمل ہے جس میں اجتماعیت کا خصوصی تصور پایا جاتا ہے۔ یہ عمل انفرادی طور پر بھی ہے اور وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ کی صورت میں اجتماعی صورت میں لازم و واجب قرار دیا گیا ہے۔ جس میں نماز باجماعت، جمعہ، عیدین کے اجتماعات کو لازم قرار دیا گیا۔ لیکن یہ عمل بھی فرق

مراتب میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز کا تصور یکسر مٹانے کے لئے قائم ہوتا ہے اور انفرادی حیثیت میں انسانی عمل میں اس کی جستجو، جدوجہد اور محنت و حب سے اس کا مقام ارفع بہر حال حاصل کرنا، ایک اہم تصور ہے البتہ جب کہ قرآن سے یہ بات واضح ہے کہ قیامت کے دن ہر انسان سے اس کی انفرادی حیثیت میں حساب لیا جائے گا کوئی شخص بھی کسی کا مددگار نہ ہوگا نہ حمایت کر سکے گا البتہ اجتماعیت، انفرادی حیثیت میں مقام ارفع حاصل کرنے میں آسانی کا سبب بنتی ہے۔ تاہم بحیثیت مستی انسان انسان میں یہ تصور مضبوط ہو جاتا ہے کہ انسان پیدائشی حیثیت میں برابر کا درجہ رکھتا ہے لہذا ہر انسان کیلئے اپنے بھائی کی ہر طرح عزت و تکریم اور مقصد زندگی میں ایک دوسرے کی معاونت لازم ہو جاتی ہے۔

عبدیت

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ سوائے اس کے نہیں کہ اللہ اور انسان کا تعلق عبد و معبود کے تصور سے ہے۔ عبدیت ذات باری کے اثبات اور اپنی ذات کی نفی اور انکساری کا بہترین نمونہ ہے جو الصلوٰۃ کے عمل سے پورا ہوتا ہے۔ الصلوٰۃ عبدیت کا بہترین مظاہرہ ہے۔ الصلوٰۃ (نماز) میں اظہار عجز ہے عجز اسلام کی اور عمل کی روح ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْعِجْزُ فَخْرِیْ عجز میرا فخر ہے قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ نماز میں ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ عجز اختیار کرو تو نہ تمہارا کوئی دشمن ہوگا نہ تم کسی سے دشمنی کرو گے۔ اس طرح نماز کی ادائیگی سے انسان دنیا کے ہر شر سے محفوظ رہتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے، یہی وہ عمل ہے جو انسانی تفریق کو ختم کر کے مساوات انسانی کا ماحول پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ مظاہرہ ہے جس سے انسان میں فساد و خونریزی کا مادہ ختم ہو کر اس کے لئے طلب حق کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

"فرمودہ" اکثر عذاب قبر، عذاب حشر کا تصور کیا کرو

حضور فرماتے ہیں اپنی دعاؤں میں عجز اختیار کرو، [illegible] موجود کے تم دعا میں پکارو! اے اللہ میں ضعیف ہوں، ناتواں ہوں، [illegible] و بے ہمت ہوں تیری ذات کے لئے جیسا کہ لائق ہے اور مجھ پر واجب ہے، میں تیرے احکام کی پیروی نہ کر [illegible] سکتا ہوں تو میری مدد کر وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ مجھ پر فضل کر مجھے اپنی طرف سے عبادت کی

توفیق بخش کہ میں تیری عبادت کروں مجھ سے عبادت کرا۔ نیکی تیری ذات سے وابستہ ہے۔ بدی میری اپنی ذات سے ہے۔ تو درگذر فرما تو اللہ تمہاری عاجزی پر رحم فرمائے گا، تم پر فضل کرے گا تمہاری مدد کرے گا، تمہارے لئے بدی کی راہ بند کردے گا، تمہارے دل میں توجہ ڈالے گا کہ تم عبادت کی طرف مائل ہو جاؤ۔ بدی سے نفرت کرو گے۔ یہی اس کا فضل ہے کہ وہ عاجزی کرنے والے بندے کی اپنی طرف سے مدد کرتا ہے۔ نیکی کی راہیں کھول دیتا ہے۔ اس پر توجہ ڈال دیتا ہے۔ تو لازم ہے کہ انسان اپنے برے اعمال کا احساس کرتے ہوئے۔ عذاب قبر، عذاب حشر کا اکثر تصور رکھے اور آنے والے زمانہ کی حشرناکی سے خوف زدہ ہو، تو انسان کے قلب پر خوفِ عذاب سے رقت طاری ہوتی ہے۔ انسان میں عجز پیدا ہوتا ہے۔ ہاں! یہ امر ضروری ہے کہ اللہ کے نزدیک اس حال میں جاؤ کہ تمہاری زبان اور دل کی آواز ایک ہو۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے الفاظ ادا کرو مگر دل خوف قیامت سے خوف زدہ نہ ہو، دل پر رقت طاری نہ ہو۔ ایسی دعا قبولیت کا درجہ نہیں رکھتی۔ جب تک انسان کو اپنے اعمال بد کا احساس نہ ہو اور اس امر پر مائل ہو کہ خود گناہوں سے باز رہنے کا عہد کرے۔ ہاں ارادہ کرو تو پختہ کرو، وعدہ کرو تو پختہ کرو، تو اللہ سے اجابت کی امید رکھ سکتے ہو، ضروری ہے کہ اپنے گناہوں کا کھوج لگاؤ ان پر ندامت اور خوف کا احساس پیدا کرو، جانو تم پر دو وقت شدید آنے والے ہیں۔ جو اٹل ہیں، وہ ہیں "قبر اور قیامت" قبر اور قیامت کا بار بار تصور کرو۔ قیامت کی ہولناکی شدید ہے۔ ایسا ہی خوف قلب پر طاری کر کے دعا مانگو کہ اللہ آخرت، قبر اور قیامت کی ہولناکی سے مجھے محفوظ رکھ۔ یہ تصور نہایت ضروری ہے۔

"فرمودہ" اللہ کی خوشنودی کیلئے رسول ﷺ کو وسیلہ بناؤ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ (دعا عبادت کا مغز ہے) یعنی دعا سے وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَأَنتُمُ الْفُقَرَاءُ کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ یہ طریق بھی عبدیت کا مظہر ہے۔ اظہار عبدیت سے ذات باری کا دریائے رحمت جوش زن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلعم پر امت کیلئے دعا کرنا لازم کرتا ہے کہ

اے نبی ﷺ تم مومنوں کیلئے دعا مانگو یہی طریق انسان کیلئے مقرر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے رسول و نبی کو وسیلہ بنائے۔ قرآن نے بتایا ہے۔ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنے میں وسیلہ حاصل کرو" لہذا بہتر ہے کہ حصول خیر تین ایک۔ نائب رسول ولی کی شفاعت سے وسیلہ حاصل کرو۔ وسیلہ حاصل کرنے کا

طریق ولی کی صحبت و بیعت اختیار کرنا اور ولی سے نسبت و محبت قائم کرنا۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جس شے سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ قیامت میں اٹھایا جائے گا۔ ایک ولی سے محبت کی جائے تو وہ ولی اس کا شافع ہو گا۔ قیامت کے دن اسی کے ساتھ اٹھے گا۔ ولی محبوب الہٰی، محبوب رسول ﷺ ہوتا ہے۔ لہذا ولی قیامت کے دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَآءُالحَمد کے سایہ میں ہو گا اور جس نے ولی سے نسبت قائم کی اور اس نسبت کو زندگی تک قائم رکھا وہ قیامت کے دن اپنے محبوب کے ساتھ لِوَاءِالحَمدِ کا سایہ پائے گا ایک دن حضور قبلہ عالمؒ کے مریدوں میں سے ایک صاحب نے مولانا روم کا شعر حضور کے سامنے پڑھا۔

لب بستہ خفتہ در بیع قمریٰ
مشتری بے حد کہ اللہ اشتریٰ

شعر سنتے ہی آپ پر جلالی کیفیت طاری ہو گئی۔ فرمانے لگے طریقت کا اصل الاصول ہے کہ مرید کے لئے طالب حق ہونا ضروری ہے کہ وہ محض معرفت الہٰی، رضائے الہٰی اور صراط مستقیم پر چلنے کیلئے ایک پیر اکمل کی راہنمائی کا طلبگار ہو۔ سوائے اس کے کہ مرید صادق کیلئے حصول دنیا سے دستبردار ہو کر اپنی سعی و جہد کو رضائے الہٰی کے لئے وقف کرنا ضروری ہے۔ قرآن نے حصول حق کے لئے ایک خاص تصور دیا۔

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍۙ صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِؕ اَلَاۤ اِلَى اللّٰهِ تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ۠ (پارہ ۲۵ سورۃ ۴۲ آیت ۵۲-۵۳)

تحقیق آپ صراط مستقیم پر پہنچانے والے ہیں اور صراط مستقیم پر پہنچانے میں راہنمائی کرنے والے ہیں۔ صراط مستقیم کیا ہے؟ صراط اللہ۔ اللہ کا راستہ۔ اللہ کا راستہ کیا ہے؟ وہی جو زمین سے آسمان سے ہوتا ہوا جاتا ہے۔ اس بیان میں راہ حق کی نشاندہی کی گئی ہے اور راہ حق پر چلنے کے لئے ایک رسول کی راہنمائی کو لازم کیا گیا ہے۔ صراط مستقیم اللہ کے راستہ کا تعین کیا گیا ہے کہ یہ آثار و اسرار ملکوتی سے متصور ہوتا ہے۔ جسے اسرار الہٰی سے تعبیر دیا گیا جس کی آخری منزل معرفت الہٰی ہے۔ یہی طریق طریقت سے تعبیر ہے اور اس کے حصول کیلئے ایک رسول کی راہنمائی لازم کی گئی ہے کہ

وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُۗ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (پارہ ۲۸ سورۃ ۵۹ آیت ۷)

حصول حق کی تلاش میں ایک رسول کی راہنمائی میں اتباع رسول لازم ہے لہذا تم اپنے ارادے ساقط کر کے رسول کے حکم کی پیروی کرتے رہو۔ رسول جو کچھ تمہیں عمل کرنے کو

کہے اسی کو پکڑو اور جس سے باز رکھے اس سے باز رہو۔ اس حکم میں اپنے ارادے کو ساقط کرنا لازم ہو جاتا ہے۔ رسول کے بعد یہ مقام اسی شخص کو حاصل ہوتا ہے جو رسول کی اتباع میں صراط مستقیم اور صراط اللہ کے مراحل و منازل طے کر کے معرفت الٰہیٰ حاصل کرتا ہے اس حال میں کہ وہ تمام آثار و اسرار الٰہیٰ سے کماحقہ، مشاہدہ و آگاہی حاصل کئے ہو یہ ہستی قائم مقام رسول ﷺ، نائب رسول ﷺ، خلیفہ رسول ﷺ، ولی اکمل ہوتا ہے۔ لہذا معرفت الٰہیٰ میں یہی شخص ایک طالب حق کی راہنمائی کا دعویٰ کرنے کا مجاز ہو سکتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اگر کسی مدعی کو معرفت الٰہیٰ کے آثار و اسرار سے مشاہدہ و آگاہی حاصل نہ ہو تو وہ نہ نائب رسول ﷺ نہ عالم امت کہلانے کا مستحق ہے نہ وہ کسی طالب حق کی راہنمائی کرنے کا مدعی ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ طریقت کا اصل الاصول ہے کہ پیر کے لئے اس وقت تک بیعت کرنا لازم نہیں جب تک کہ وہ کسی کے ارادے کو ساقط کر کے اس کے خیر و شر کی ضمانت دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔ یہ امر مرید کے لئے نازک مقام ہے کہ مرید اپنی خواہشات کو ترک کر کے پختہ عزم کے ساتھ قائم رہنے کی استقامت کرے اور پیر ایک شخص کے خیر و شر کی ذمہ داری اپنے سر لے کر اللہ تعالیٰ کے سامنے یوم حساب میں سرخرو ہو سکے۔ یہ آسان کام نہیں! اس کے لئے انسان نے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔ پیر اکمل ہو تو اس کا کام آسان ہو گا ورنہ بغیر قدرت کسی انسان کی خیر و شر کی ذمہ داری لے کر اسے پورا نہ کرنا، یوم حساب میں ذلت و رسوائی کا سبب ہو گا۔ یہ ایک عظیم نقصان ہو گا جس کا واقع ہونا یقینی ہو گا۔ بلاشبہ یہ ایک نازک مقام ہے اس کے لئے ایک ولی کو معرفت الٰہیٰ میں اکمل اور اتباع رسول ﷺ میں محبوبیت کا مقام حاصل ہونا لازمی ہے۔ یہ ذمہ داری بغیر اکملیت اور محبوبیت قبول نہیں کی جا سکتی۔ اصول طریقت کے مطابق کسی شخص کا بغیر کاملیت، اکملیت کے راہنمائی کا دعویٰ کرنا اس حال میں کہ ایک طالب حق ایسے شخص پر اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی صورت میں بھروسہ کر کے اپنی خواہشات سے دستبردار ہو کر اپنے ارادہ کو ساقط کر کے اپنے مقصد میں کامیابی کی امید رکھ کر اس کے حکم پر چلے اور پیر اس کے مقصد کی تکمیل نہ کر سکے۔ ایسے شخص کے لئے یوم حساب میں ذلت و رسوائی کا سامنا ہو گا افسوس ہے ان لوگوں پر جو بغیر اکملیت کے راہنمائی کا دعویٰ کر کے عوام المسلمین کو اپنے اعتماد میں لے کر اپنی اور طالبان حق کی گمراہی کا سبب بن کر محض اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل میں راہنمائی کرنے کی جرات کرتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اس کردار سے طالبان حق، حصول حق میں محروم ہو کر راہ سے دور بھٹک جاتے ہیں جس کا نتیجہ ایک طرف [illegible] کی

ہیئت مسخ ہوجاتی ہے اور دوسری طرف طالبانِ حق کے لئے حصولِ حق کی راہیں دشوار ہوجاتی ہیں۔ یہ مقام نہایت نازک ہے کہ طالبان حق، حصول حق میں دنیا کی تمام لذتوں سے دستبردار ہو کر صرف حصولِ معرفت الہیٰ کیلئے اپنی زندگی کو وقف کردے اور پیر ایک طالب صادق کو معرفت الہیٰ میں تکمیل کی ضمانت دے کر اس کے مقصد کی تکمیل کردے۔ ہاں سلسلہ اویسی کے طالبان حق کا یہ ایمان ہے کہ وہ حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب اویسی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت پر ایمان لا کر اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کے قول الہیٰ کے مطابق اپنی ذات کو ایسی اولوالعزم ہستی کے سپرد کردیتے ہیں اس حال میں حضور عالی مقام نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اکملیت و محبوبیت کے مقام پر فائز ایک طالب حق کو مشاہدہ اسرار الہیٰ، معرفت الہیٰ کی تکمیل کردیتے ہیں جس کی بین مثال حضور کے مریدوں میں کثرت سے حضوری اجلاس محمدی ﷺ اور معرفت الہیٰ میں کامل اکمل پائے جاتے ہیں اور انہیں یہ یقین حاصل ہے کہ وہ قیامت کے دن اپنے پیر اکمل کی معیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاءُ الْحَمْدِ کے سایہ میں وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ قیامت کی ہولناکی سے محفوظ ہوں گے۔

حضور قبلہ کا وعظ سننے سے بھی حضوری ہوجاتے ہیں

حضور قبلہ عالم کی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کی مجلس میں لوگ آپ کے پُرحکمت وعظ سننے سے بھی حضوری ہوجاتے۔ حضور جب اپنے مریدوں میں مجلس فرماتے تو آپ کے طرز کلام میں بظاہر وعظ کا طریقہ نہ ہوتا۔ عام حیثیت میں عام عقل کے مطابق رسمی بات چیت شروع ہوجاتی تو رفتہ رفتہ اس کلام کا رخ حقیقت کی طرف ہوجاتا، اس گفتگو میں آپ بہت سے رموز و اسرار بیان فرماتے ایسا محسوس ہوتا جیسے سامعین پر حقیقت کے آثار القا ہو رہے ہیں۔ حضور اکثر اپنے مریدوں کو آداب طریقت سے روشناس فرماتے کہ بغیر علم فقیری بے زینت لباس ہے۔ حضور قبلہ عالم اپنی مجلسوں میں آداب مجلس بیان فرماتے کیونکہ آپ کی مجلس میں مختلف الخیال لوگ جمع ہوتے اس لئے یگانگت و ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے ٹھوس اصول بیان فرماتے جو ہر شخص کے حسب حال ہوتے اور کسی شخص کو سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی گویا ہر مکتب فکر، ہر عقیدہ کے فرد کو اس کے فہم کے مطابق خود بخود راہنمائی حاصل ہوجاتی۔ یہ حضور کی معجز بیانی کا اثر تھا کہ غیر مذہب کے لوگ بھی آپ کے کلام سے سبق حاصل کرتے، اس کے باوجود حضور فرماتے کہ اپنے علم اور نیک عمل پر فخر مت کرو یہ غرور کی علامت ہے۔

نفس امارہ کی تفصیل

حضور فرماتے ہیں کہ انسانی تخلیق میں، انسانی وجود میں روح حیوانی نفس امارہ سے موسوم ہے۔ یہ ایک ناری قوت ہے اسی ناری قوت سے جن اور شیاطین بنتے ہیں۔ قرآن سے واضح ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ[1] كَالْفَخَّارِ ۝ وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝

بنایا انسان کو ٹھیکری کے مانند بجتی مٹی سے اور بنایا جنوں کو (زمین ناری کی) آگ کی لوؤں سے، انسانی وجود میں یہ شہوانی قوت سے موسوم ہے، یہ قوت ناری قوتوں کی جنس سے ہے اس کا مقابلہ نہایت کٹھن اور مشکل ہے۔ اسی شہوانی قوت پر انسان کی صحت اور تندرستی کا انحصار ہے۔ یہ قوت جسم کے ذرہ ذرہ میں پیوست ہے۔ انسانی ارادے کی تکمیل جسمانی حرکت و عمل سے ہوتی ہے لہذا انسانی حرکت و عمل میں انسانی جسم کا صحت مند ہونا ضروری ہے۔ جس قدر جسم صحت مند ہو اسی قدر ارادہ کی، عمل کی صحیح تکمیل ہو سکتی ہے۔ انسانی صحت کا دارومدار صاف پاکیزہ اور قوی غذا سے ہے، پاکیزہ غذا سے پاکیزہ خون بن جانا اور پاکیزہ خون سے قوی مادہ منویہ بننا۔ قوی مادہ سے جسم کے گوشت پوست، ہڈیاں اور دیگر اعضا انسانی بنتے ہیں۔ مادہ منویہ کو شہوت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہی مادہ منویہ دراصل روح و جسم کا مرقع ہے۔ اسی مادہ منویہ کی روح انسانی، روح حیوانی سے موسوم ہے جو دراصل ناری مرکب ہے۔ ناری اعتبار سے یہ قوت شہوانی اثرات کی حامل ہے۔

ظاہر ہے انسانی صحت خون اور مادہ منویہ پر ہی موقوف ہے اس لئے جس حد تک یہ

---

[1] صلصال کیا ہے؟ مفسرین نے صلصال کی تفسیر میں تخلیقی ترتیب کا صحیح تصور پیش نہیں کیا۔ ان کے مطابق صلصال کی تفسیر میں جو ترتیب پیش کی گئی ہے اس میں مبالغہ ہے کہ انسان (آدم) کو مٹی کا پتلا بنایا پھر یہ مٹی ہوا لگنے سے کھنکھنانے لگی۔ یہ تصور فطری تخلیق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ جبکہ آدم نے پتلے کو ٹھیکری کے مانند وجود پانے کی نہ ضرورت تھی۔ نہ اس کے وجود میں ٹھیکری کے مانند بجنے والی مٹی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ درحقیقت اس آیت میں انسانی وجود کے بنیادی مرکب کی نشاندہی کی گئی ہے کہ انسان کی اصل ٹھیکری کے مانند بجنے والی مٹی ہے اور اس آیت میں دانستہ طور وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ (اور بنایا جنوں کو زمین کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

شہوانی قوت قوی و پاکیزہ ہو اسی قدر انسان صحت مند رہ سکتا ہے۔ شہوانی قوت کی خاصیت جسمانی قوتوں کو صحت مند حالت میں رکھنا اس کے علاوہ غصہ، کینہ، بغض، رنج، خوشی، کدورت۔ ایسی خاصیتیں بھی شہوانی قوت سے تعلق رکھتی ہیں، لازم ہے جسمانی صحت کے ساتھ ان خاصیتوں کا قوی اور صحت مند ہونا ضروری ہے کیونکہ انسانی ارادہ و عمل کا ان خاصیتوں سے قریبی تعلق ہے۔ صحت مند حالت میں انسانی کردار کی تعمیر ان ہی قوتوں سے ہوتی ہے۔ شہوانی قوت صحت مند ہو تو غصہ، کینہ، بغض، حسد، رنج، خوشی قوی حالت میں استعمال ہوں گے۔ کمزور حالت میں یہ قوتیں صحیح معنوں میں اپنا فعل پورا نہیں کر سکتیں۔ یہ قوتیں کمزور ہوں تو غصہ ہونے کی صورت میں غیرت نہیں کر سکتا۔ بغض، حسد، کینہ قوی نہ ہو تو دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ اپنی ترقی میں جدوجہد کر سکتا ہے۔ رنج قوی نہ ہو تو انسان بے حس بے ہمت ہو جاتا ہے، خوشی کی خاصیت کمزور ہو تو کاروبار زندگی کیلئے حصول نفع کیلئے دلچسپی قائم نہیں رہتی وغیرہ۔ شہوت کی کمزوری کے سبب ذہنی صلاحیتیں متاثر ہو کر انسان ذہنی بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لئے بنیادی طور پر انسانی شہوت مضبوط اور صحت مند ہونا لازمی ہے تاکہ وقت پر غصہ سخت آئے اور اس پر قابو پانے کی صلاحیت ہو۔

(بقیہ حاشیہ صد ۴۲۶)

ناری قوت سے آدم سے پہلے) کا بیان اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ جن یکسر ناری قوت ہیں۔ یہ زمین سے پیدا کئے گئے۔ ظاہر ہوا کہ زمین ابتداً ناری تھی۔ سائنسی تحقیق سے بھی یہ واضح ہے کہ زمین بھی مثل دیگر سیاروں کے سیارہ ہے۔ تمام سیارے ناری فضا میں ناری حیثیت رکھتے ہیں۔ اس لیے ابتدائی طور زمین کا ناری ہونا محقق ہے۔ اسی ناری زمین کی ابتدائی ہیئت سے جن بنے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ جب زمین تنزل پذیر ہوتی رہی تو ایک زمانہ نار و خاک کی درمیانی حالت میں یہ ٹھیکری کی مانند بنی۔ اسی کیفیت کی طرف صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ کا اشارہ ہے۔ ورنہ بغیر آگ کی آمیزش کے مٹی کا ہوا سے ھنکھنانی ہونا فطری تخلیق کے خلاف تصور ہے۔ اس امر سے واضح ہے کہ انسان کے مرکب میں ناری عنصر بھی موجود ہے یہی ناری عنصر روح حیوانی سے موسوم ہے۔ یہی وجود انسان کا بنیادی وجود ہے۔ اسی ناری وجود کی اصل زمین ناری سے ہے۔ یہی ناری وجود حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ میں مقام کرکے مٹی کا محسوس وجود پا کر آدم کی شکل میں محسوس ہوتا ہے اور آئندہ اسی ترکیب سے رحم مادر میں بھی ایک ناری ذرہ خون رحم جذب کرکے وجودی ہیئت اختیار کرکے بشری شکل میں پیدا ہوتا ہے۔

غصہ کے وقت خیر و شر کی تمیز سے عاری نہ ہوتا کہ اسے غلط طور استعمال نہ کیا جائے۔ کینہ، بغض صحت مند ہوتا کہ اللہ کے دشمن سے اس کی طاقت سے مجبور ہو کر یا اپنے اغراض کی خاطر اس سے دوستی نہ کرے بلکہ اس سے ہر حال میں مقابلہ کرے۔ حسد کی خاصیت صحت مند ہو تو دشمن کی شر سے محفوظ رہنے کے لئے مستعد رہتا ہے۔ حرص نہ ہو تو انسان ذاتی منفعت میں جستجو میں بے ہمت ہو جاتا ہے۔ اس امر سے ظاہر ہے کہ پاکیزہ حالت میں یہ خاصیتیں انسان کے کردار کی پاکیزگی اور جسمانی ہیئت میں بہتر تعمیر کا کام دیتی ہیں درحقیقت یہ قوتیں انسانی جان کی بقاو تحفظ کیلئے انسان کے مرکب میں ودیعت کی گئی ہیں۔ یہ قوتیں خیر کا ذریعہ ہیں۔ خیر کا ذریعہ اس صورت میں ہو گا جب اس قوت کو بنیادی طور پاک غذا پاکیزہ خون مہیا ہو تو پاکیزہ قوت شہوت سے پاکیزہ جسم، پاکیزہ شہوانی خاصیتیں بن سکتی ہیں جن کے اثرات پاکیزہ ہوں گے لہذا شہوانی خاصیتوں سے پاکیزہ اور خیر کا عمل صادر ہو گا اور ان کی کمزوری کا سبب غیر پاکیزہ غذا حرام سے کمائی ہوئی دولت سے حاصل کی ہوئی غذا مضر اشیاء ضرورت سے بے جا طریقہ پر غذا کا استعمال۔ شراب نشہ آور اشیاء اور دیگر اشیاء جن میں مضرت کے اثرات موجود ہوں ان کے استعمال سے نظام ہاضمہ کی خرابی خون کی بناوٹ میں مضر اثرات کا پایا جانا اور ناقص خون سے مادہ منویہ کا ناقص ہونا۔ یہ اسباب قوت شہوت اور شہوانی خاصیتوں کی کمزوری اور نقائص کے ہیں لہذا انسانی شہوانی خاصیتوں سے بجائے خیر کے استعمال ہونے کے ان سے زیادہ تر شر کا عمل صادر ہوتا ہے۔ جیسے ان خاصیتوں پر قابو نہ ہونے کے سبب انہیں ناجائز طور پر استعمال کیا جاتا ہے غصہ، کینہ، حسد، بغض، رنج، خوشی کے مضر اثرات سے انسان سے شر پیدا ہوتا ہے لہذا ضروری ہے کہ ان قوتوں کو پاکیزہ حالت میں اپنے ارادے کے ساتھ قابو میں رکھ کر انہیں خیر و فلاح کیلئے استعمال کیا جائے۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے یہ قوت ناری جنس سے تعلق رکھتی ہے ناری اعتبار سے اس قوت میں شر کا مادہ بھی قوی ہوتا ہے جس کا قابو میں رکھنا ایک مشکل امر ہے۔ ان قوتوں کو قابو میں رکھنے اور صحیح طور پر خیر میں استعمال کرنے کا ایک واحد ذریعہ "خوف" ہو سکتا ہے۔

شہوانی قوتوں کو خیر میں استعمال کرنے اور قابو میں رکھنے کیلئے خوف پیدا ہونا ضروری ہے

خوف سے مراد۔ ڈر کسی غالب قوت کا۔ اس خوف کی نشاندہی قرآن نے کی ہے۔

قرآن نے "خوف" کا تصور "تقویٰ" [۱] کے لفظ سے دیا یعنی اپنے اعمال کے نتائج سے خوفزدہ ہونے کا احساس پیدا کرنا اعمال کے نتائج میں خیر سے فلاح و راحت پانا۔ اور اعمال کے نتائج میں شر سے عذاب، دردناک تکلیف حاصل ہونا۔ انسان پر لازم ہے کہ وہ اعمال کے نتائج میں شر پانے میں دل میں خوف پیدا کرے کہ برے اعمال کے نتیجہ میں اسے شدید عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔ یہ عذاب دنیوی حالت میں جسمانی تنزل، بیماری، مصائب و مشکلات میں پیش آتا ہے۔ اس کے سوا۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ضروری ہے کہ دنیا پر یہ مصائب ختم نہیں ہوتے بلکہ اس زندگی کے بعد آنے والی زندگی جسکا موت کے بعد واقع ہونا اٹل اور یقینی ہے۔ اس زندگی میں انسان ہر حال میں اپنے اعمال کے نتائج میں خیر و شر سے دوچار ہوتا ہے اور یہ واقعہ انسانی مقصد زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے کہ انسان آخرت کی زندگی میں شدید عذاب کا احساس کرے۔ یہ احساس ہی ہے جو انسان کو اعمال بد سے باز رکھ سکتا ہے اور باز رکھنے کے لئے ایک عمل لازم ہے وہ قرآن نے بتایا کہ الہیٰ احکام کی پابندی ضروری ہے۔۔۔ الہیٰ احکام بھی قرآن نے عبادت کی صورت میں پیش کئے لہذا یہ حقیقت ہے کہ انسان کیلئے الہیٰ احکام پر پابند رہنا ضروری ہے، بغیر پابندی احکام الہیٰ انسان کی شہوانی قوتوں سے بہرحال شر کا صدور یقینی ہو گا۔ جو انسانی آبادی میں فساد و خونریزی، انتشار و اضطراب کا سبب ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ انسانی کمزوری میں ان قوتوں سے شر لازمی ہے۔ انسان اخلاق و کردار میں ذلیل و رذیل ہو جاتا ہے۔ ماہرین نفسیات نے انسانی اخلاق کو بنانے کیلئے بعض فروعی اختراعیں مرتب کی ہیں جو نیم روحانی درجہ دی جاتی ہیں جن میں تصور، مراقبہ ناری قوتوں سے رابطہ کر کے اپنی ناری قوت میں قوت و پاکیزگی پیدا کرنا، حبس نفس، سانس کی مشقیں یکسوئی میں ناری تصور وغیرہ ان ترکیبوں سے اگرچہ انسان کی شہوانی قوت میں پاکیزگی آجاتی ہے لیکن اس روح کی ناری جنس ہونے کی حیثیت میں اس میں شر کا وجود یکسر ختم نہیں ہو سکتا بلکہ ناری جنس ہونے کے اعتبار سے اس میں شر کا احتمال قوی ہو جاتا ہے کہ انسان اپنی قوی قوتوں سے کمزور قوتوں پر غلبہ پا کر انہیں ناجائز طور استعمال کر کے سبب فساد بن جاتا ہے سوائے اس کے کہ جب تک الہیٰ قانون کی پابندی اور خوف آخرت کا احساس نہ کیا جائے۔ انسانی قدرت، شہوت میں قوی حالت میں شر و فساد کا مادہ ختم نہیں ہو سکتا لہذا ضروری ہے کہ اس قوت کو قابو میں رکھنے اور اس سے خیر و

---

[۱] وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۲۰۳)

فلاح اور بہتر تعمیر اخلاقی و جسمانی میں استعمال کرنے کے لئے احکام الٰہیٰ (دین اور شریعت) کی اتباع نہایت ضروری ہے۔ شریعت میں احکام الٰہیٰ یعنی قرآنی احکام و آیات میں بجائے ناری قوتوں کے ساتھ رابطہ کرنے کے خاص طور پر نوری قوت سے رابطہ ہوتا ہے کیونکہ قرآنی احکام میں نوری احکام ہیں جنہیں قرآن نے نُورٌ مُّبِیْنٌ کے تصور میں پیش کیا اس طرح قرآنی آیات کی تعمیل میں ناری قوت کا رابطہ مراقبہ، یکسوئی، تصور کے ذریعہ سے نوری قوت سے ہو جاتا ہے۔ نوری قوت کے رابطہ و وصال سے ناری قوت میں نوری خاصیت کے اثرات پیدا ہوتے ہیں۔ نوری خاصیت میں شر کا مادہ قطعاً موجود نہیں بلکہ یہ نوری قوت شر کو خیر میں تبدیل کرتی ہے، یہی ایک ذریعہ ہے جس سے انسانی قوت شہوت یکسر نوری خاصیت کی حامل ہو جاتی ہے اسے خیر و فلاح میں استعمال کیا جاسکتا ہے ورنہ فروعی ذریعوں سے اس کے شر کی خاصیتیں انسان کیلئے ہر حال میں نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔ لہذا ضروری ہے کہ اپنی زندگی میں جب تم مادی جسم کی نشوونما میں مادی حصول کی جستجو کرو تو اس کے ساتھ اپنی ناری قوت کو پاکیزہ بنانے کیلئے نوری ذریعہ کو بھی شدت کے ساتھ قائم رکھو۔ اور الٰہیٰ احکام کی پیروی میں عبادت کو لازم رکھو اپنے ہر سانس میں تصور و مراقبہ میں یکسوئی میں اللہ اور ذکر رسول کو شامل رکھو۔ سب سے بہتر ذریعہ ولی اکمل کی صحبت و نسبت ہے جب کہ ولی کا نوری قوتوں سے کامل رابطہ ہوتا ہے۔ اس نسبت سے ایک طالب علم کو حصول نور میں آسانی آتی ہے نیز ولی کی نسبت و بیعت میں ولی بذات خود اپنے مرید کی اصلاح نوری توجہ سے کرتا ہے اور اسے غلبہ شیطانی سے محفوظ کرتا ہے۔ اس لئے ہر شخص کے لئے ایک ولی اکمل سے نسبت رکھنا اس کے مقصد کی کامیابی میں اہم مقام رکھتی ہے۔ یہ جملہ امور انسانی تخلیق سے متعلق ہیں کہ انسان دنیا میں رہ کر ایک پاکیزہ زندگی کیسے گذار سکتا ہے۔

"فرمودہ" انسانیت کی تکمیل حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے

حضورؒ محبت رسول ﷺ کو سب سے مقدم جانتے تھے فرماتے تھے کہ کمال محبت کی علامت یہ ہے کہ مسلمان رحمۃ للعالمین ﷺ کے دشمنوں کو اپنا دشمن جانے اور ان کے ساتھ بکمال بغض رکھے محبت میں چاپلوسی روا نہیں کیونکہ محب، محبوب کی مخالفت برداشت ہی نہیں کرسکتا۔ اگر کسی طریقے سے شریعت کے مخالفوں کے ساتھ صلح وصفائی کا کوئی انداز پیدا کرنے کی کوشش کرے گا تو محبوب کی حب کا دعویٰ غلط اور باطل ہے بلکہ ایسا کرنا منافقانہ رویہ اختیار کرنا ہے۔

فرماتے تھے کہ چند روزہ زندگی کو لہو و لعب میں ضائع نہ کرو بلکہ اس کو سید الاولین والآخرین صلعم کی متابعت میں خرچ کرو تو نجات کی امید ہے ورنہ تیرے سب اچھے کام بھی ضائع ہو جائیں گے۔

ایک صاحب تشریف لائے اور کہا کہ آج بخشی غلام محمد صاحب کے گھر مولویوں اور پیروں کا بہت بڑا اجتماع تھا وہ اسماء اصحاب بدر کا ختم پڑھ رہے تھے۔ دوران گفتگو اس صاحب نے کہا، کہ آپ آج تک کبھی پرائم منسٹر کے پاس نہیں گئے فرمایا "کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں بھی اوروں کی طرح بدعتی کی تعظیم کروں۔ کان کھول کر سن لو جس کسی نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے گویا اسلام کے گرانے میں بدعتی کی حمایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ فَقَدْ ذَهَبَ ثُلُثُ دِيْنِهٖ

اگر کوئی شخص کسی مالدار کے سامنے اس کی دولت کی وجہ سے عجز و انکساری کا اظہار کرے اور اس کی عزت بھی اس بناء پر کرے تو اس شخص کا تہائی دین جاتا رہا اور وہ دین و دنیا میں ذلیل و خوار ہوگا۔

نام نہاد صوفیاء کی ایک جماعت جو نماز نہیں پڑھتے اور احکام شریعت کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام میں فرماتا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۳۱)

یعنی ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مسند ترمذی میں حدیث مبارک درج ہے۔ انہوں نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا حضور ﷺ وہ تو ان کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا، کیوں نہیں وہ ان پر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر دیتے تھے اور یہ لوگ ان کے کہنے پر چلتے تھے یہی ان کی عبادت تھی پس سب جاہل درویش اور بے سمجھ علماء اور نام نہاد مشائخ اس مذمت اور ڈانٹ ڈپٹ میں شامل ہیں ایسے ہی بے سمجھ اور جاہل درویشوں اور عالموں نے فی زمانہ اپنے مریدوں کے لئے نماز سے کھلی چھٹی، گانا سننے کی کھلی اجازت اور روزہ داری سے کھلی بغاوت کا حکم دے دیا ہے ایسے ہی لوگ حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ کا نعرہ حق سن کر بھی گانے کی محفل جمائے رکھتے ہیں اور پھر بے حیائی سے کہہ دیتے ہیں کہ ان کے گانے کی یہ محفل بھی نماز ہی ہے۔ یہ تو صریحاً کفر ہے اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ یہ تو دین اسلام کے علاوہ کوئی نیا دین اختراع کیا گیا ہے جس میں اتباع رسول ﷺ کہیں نہیں ہے ایسے ہی لوگوں

کے لئے اللہ تعالیٰ نے

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۸۵)

فرمایا جو شخص اللہ کے دین کے سوا اور کوئی دین پیش کرے اس کا وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو شخص ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو، وہ مردود ہے۔ فرمایا ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ لوگ نماز کے بغیر قرب خدا کیسے حاصل کر سکتے ہیں جب کہ قرآن کریم نے صاف اور واضح الفاظ میں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ فرمایا نماز پڑھو اور قربِ خدا حاصل کرو۔

فرمایا شریعت کے تین ارکان ہیں۔ کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اور اجماع امت، ان تینوں کو مضبوطی سے پکڑلو گمراہ نہیں ہو گے۔

فرمایا! نادان لوگ ہی اپنی قوت کے بھروسے پر اللہ کی گرفت سے بے خوف ہو جاتے ہیں۔ تواضع اور عجز اختیار کرو اور عاجزی سے دعا کیا کرو تاکہ حکم قضا سے محفوظ رہو۔

حتی الامکان سائل کو اپنے دروازے سے خالی ہاتھ جانے نہ دو۔ اگر کچھ نہ میسر ہو تو حلم و نرمی سے معافی مانگ کر اس کو واپس کر دو۔

بیماروں کی عیادت کرو۔ خدا تمہیں صحیح وسلامت رکھے گا۔

جنت میں جانے کے خواہشمند ہو تو اپنے ہمسائیوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ۔

راستے میں پڑی ہوئی مضرت رساں چیزیں ہٹایا کرو کیونکہ یہ ایمان کا ایک جز ہے۔

بچوں میں اسلامی کردار پیدا کرنے کے لئے شفقت کے ساتھ سختی کرو۔ وعدہ کرنے سے احتراز کرو۔ اگر کرو تو پابندی کے ساتھ ایفا کرو روزانہ نماز عشاء کے بعد اپنے دن کے اعمال کا محاسبہ کیا کرو اور اپنی کوتاہیوں کے لئے استغفار کیا کرو۔

ہمیشہ باوضو رہا کرو۔ شیطان کے شر سے محفوظ رہو گے۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:۔

اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِىْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ۔

کی تفسیر میں فرمایا کہ نفس انسان کا بدترین دشمن ہے اس لئے اللہ نے اس کو سورۃ الناس میں خنّاس کا لقب دیا ہے اور خناس کا تمام ظاہری اور باطنی بلیات سے زیادہ خطرناک ہونا اس بات سے بخوبی واضح ہے کہ سورۃ فلق میں ایک دفعہ پروردگار کا نام لے کر چار بڑی بلاؤں اور

آفتوں سے پناہ مانگی ہے جن میں ہر ایک بجائے خود ایک بلائے عظیم مانی گئی لیکن سورۃ الناس میں ایک عظیم الخطر بلا سے پناہ مانگنے سے پہلے خدائے قدوس کو تین دفعہ پکارا گیا

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۔ مَلِكِ النَّاسِ ۔ اِلٰهِ النَّاسِ

پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے پالن ہار کی۔ لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی اور لوگوں کے معبود برحق کی۔ یہ بلا اتنی عظیم ہے کہ اس کے ساتھ کسی دوسری بلا کے ذکر کا خیال تک نہیں آتا۔

فرمایا:۔ کہ اس خناس کے بد ترین دشمن ہونے کی وجوہات بہت ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ نفس اچھے اعمال کو برے اور برے کو اچھے دکھاتا ہے۔

زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ۔(پارہ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۳۸)

دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنا نفس انسان کو محبوب ہے اس لئے اس کی بدی گوارا ہے اور جو چیز گوارا ہو اس کا تدارک ناممکن ہے۔

(۱) انسان اسکی دشمنی کو دوستی سمجھتا ہے۔

(۲) نفس کی دشمنی آخرت کو نقصان پہنچاتی ہے۔ آخرت کا ضرر دنیا کے ضرر سے زیادہ خطرناک ہے۔

نفس کے ساتھ صلح کرنا اس کی دشمنی کو بڑھا دیتا ہے اور آدمی گناہ پر زیادہ مستعد ہو جاتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیاوی دشمن صلح کے بعد خیر خواہ بھی بن سکتے ہیں۔ نفس کے بہکانے سے آدمی حصول دنیا میں سرگرم ہو جاتا ہے جس سے آخرت کا عذاب خرید لیتا ہے۔

نفس تھوڑی سی عبادت کو زیادہ اور بہت سے گناہوں کو کم دکھاتا ہے۔

نفس کے اس مکر و فریب سے بچنے کے لئے پیر اکمل کی صحبت ضروری ہے جو اس زہر کا تریاق جانتا ہے اور نفس کے سحر کا توڑ بتا سکتا ہے، جس سے نفس کو مسخر اور مغلوب کیا جاسکتا ہے۔ مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

ایں طلسم سر نفس اندر شکن
سوئے گنج پیر کامل نقب زن

آداب انسانیت

حضور قبلہ عالم آداب انسانیت میں فرماتے ہیں، انسان ہونا۔۔۔ انسان کی فطری تخلیق (پیدائش) ہے۔ لیکن انسانی صفت کو اپنی زندگی میں علیٰ حالہٖ قائم رکھنا بہت کٹھن ہے۔ حضور انسان کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا پہلا اور آخری تصور ہے انسان تخلیق کا ازلی۔ ابدی تصور ہے۔ کائنات میں تخلیق کا واحد مقصد ہے۔ اس اعتبار سے انسان کی فطری شخصیت عظیم ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ

جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے زمین میں تمہارے بعد تم سے بہتر تسبیح و عبادت کرنے والا۔ انسان بناؤں گا۔ ظاہر ہے خالص نوری وجود کے مقابلہ میں مادی، سفلی وجود کی تسبیح و حمد کامل نہیں ہو سکتی۔ اسی اصول فطرت پر ملائکہ نے اس تفصیل کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا:۔

اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ

کہ یہ تیرے فطری قانون کا خاصہ ہے کہ تسبیح و حمد سوائے نوری خاصیت کے مادی پیدائش کا عمل نہیں ہو سکتا۔ ارضی خاصیت میں ناری اور خاکی عنصر شہوت غالب ہے ان قوتوں سے سوائے فساد و خونریزی تسبیح و حمد ممکن نہیں۔ اس پیدائش میں ایسی کوئی کیفیت نہیں جو اسے ہم سے افضل تسبیح کا حامل بنا دے۔ تو اللہ نے کہا تمہارا تجزیہ درست ہے زمین میں نوری قوت موجود نہیں۔۔۔ مگر سفلی مخلوق کا نوری مخلوق سے افضل تسبیح کا حامل ہونا ہی میرے ارادے میں ہے کہ میں کس طرح سفلی مخلوق کو نوری صفت کا حامل بنا دوں یہ ایک ایسی تخلیق ہے جس پر تمہارا ادراک احاطہ نہیں کر سکتا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس راز کو ملائکہ پر واضح کر دیا۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِىْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ؕ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۸ آیت ۷۱-۷۲)

جب کہا آپ کے رب نے ملائکہ سے اب وقت آن پہنچا ہے کہ میں اس پیدائش کی ابتدا کروں۔۔۔ دیکھو!۔۔۔ میں ایک انسانی شکل و صورت کا خوبصورت مرقع۔۔۔ مٹی کے جوہر

سے بنا رہا ہوں۔ یہی وجود ہے جس کی تم نے تعریف کی کہ یہ فساد و خونریزی کا مجسمہ ہے۔ بیشک۔۔۔ مگر میں اسے سنواروں گا۔۔۔ اس میں ایسی خاصیتیں۔۔۔ ارادہ۔ اختیار ہو گا اس میں یہ قدرت ہو گی کہ یہ خود کو فساد و خونریزی سے پاک رکھ سکے۔۔۔ اور اب اس کی تسبیح و حمد کی صفت کی خصوصیت کا راز یہ ہے کہ میں اس انسان میں ایک اضافی قوت شامل کروں گا جو زمین کی جز سے نہیں بلکہ "روح" میرا مخلوق کردہ ایک نور ہے جو ملائکہ کے نور سے افضل ہے جو اس وجود میں ودیعت کیا جاتا ہے۔۔۔ کَذٰلِکَ۔۔۔ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ۔۔۔ میں کسی فطری تخلیق کا خود پابند نہیں۔۔۔ جس طرح چاہوں بنا سکتا ہوں۔۔۔ اسی نور سے یہ بشر تم سے افضل تسبیح و حمد کا حامل ہو گا۔۔۔ اور پھر یہ میرا فعل۔۔۔ غیر فطری نہیں البتہ مافوق الفطرت مافوق الادراک ہے۔۔۔ اس کے لئے بھی میرے پاس فطری دلیل ہے۔ اس انسان کی صفت خلیفہ کیا ہے؟۔۔۔ دیکھو۔۔۔ اور سنو۔۔۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا۔۔۔ اس نوری روح کی صفت کے اعتبار سے اس روح کی رسائی مجھ تک ہے لہذا۔۔۔ اس نور سے اس بشر کو کائنات کی تمام اشیاء و ارض و سماوات کرسی و عرش، سدرۃ المنتہیٰ۔۔۔ اس سے اوپر عالم بالا۔۔۔ میری ذات تک۔۔۔ مشاہدہ و آگاہی حاصل ہوتی ہے۔۔۔ اس آگاہی کے مطابق میری ذات اور میری خالقیت کے اسرار کے مشاہدہ پر حیرت و وجدان اس پر طاری ہو کر جو تصور قائم ہوتا ہے وہی اس کی تسبیح و حمد ہے جو نوری حیثیت میں تمہیں حاصل ہے نہ میسر ہو سکتا ہے اس کی دلیل میں ابھی پیش کرتا ہوں۔

ثُمَّ عَرَضَھُمْ عَلَی الْمَلٰٓئِکَۃِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِیْ بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ؀

پھر میں نے آدم اور ملائکہ کا مقابلہ کرایا۔۔۔ اور ملائکہ سے کہا۔۔۔ اے ملائکہ اگر تم اپنے قول معترض میں سچے ہو کہ تم ہی تسبیح و حمد کے حامل ہو۔۔۔ تو پھر مجھے اپنی ہیئت و حیثیت کی تخلیق و ابتداء۔۔۔ عرش، سدرۃ المنتہیٰ، عالم بالا اور میری ذات کی خبر دو کہ کیا تم ان اسرار سے آگاہی حاصل کئے ہو۔ ملائکہ نے کہا:۔

سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا؀

پاک تو ہے غلط کہنے۔۔۔ غلط کرنے سے۔۔۔ ہمیں اتنا علم نہیں سوائے اپنی قوت کے مطابق اپنے ماحول کے۔ اللہ نے کہا تو اب میں اپنے دعوئے کی دلیل پیش کرتا ہوں۔ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ اے آدم تو انہیں ان کے اسرار اور جملہ اسرار الہیٰ کی خبر دے فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ پس آدم نے تمام اسرار الہیٰ کی ملائکہ کو خبر دی۔ اس مقام پر قرآن نے فَلَمَّآ اَنْۢبَاَھُمْ کے بیان میں لفظ نبأ استعمال کیا۔ جس میں نبیٔ کا تصور واضح ہو جاتا ہے کہ خلیفہ سے مراد نبیٔ ہ

پیدا کرنا ہے۔ اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس ارضی بشر کو پیدا کرنے میں کتنا عظیم منصوبہ بنایا کہ اسے کائنات کی تمام مخلوقات سے سفلی حیثیت میں بھی افضل پیدا کیا۔۔۔ ظاہر ہے اتنی عظیم تخلیق کے اعتبار سے انسان کیلئے اس کی فضیلت قائم رکھنے کے لئے۔۔۔ عظیم عبادت و تسبیح اور شدید محنت اس کے ذمہ قرار دی گئی جس کے لئے۔۔۔ آدم۔۔۔ ابن آدم۔۔۔ انسان کے لئے ہر لحہ۔ تسبیح و عبادت اور تصور ذات الٰہی میں مشغول رہنا اشد ضروری ہے۔۔۔ یہ ایک اہم اور عظیم مقام ہے جس کے لئے انسان پر ایک اہم اور عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس کی تکمیل کے لئے انسان کو ہر لحہ ہر سانس وقف کر کے مستعد رہنا ہے۔ لہذا انسان کو اپنے مقام کا احساس رکھنا لازمی ہے۔ باخبر شو از مقام آدمی۔

حضرت قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ یہ تصور قطعی مبالغہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا پر حکومت کرنے کے لئے اپنا نائب بنا کر بھیجا۔۔۔ کہ میری جگہ تو میرا قائم مقام ہو کر لوگوں پر حکومت کرنا، ان کے دنیاوی سامان کی فراہمی کی ذمہ داری لینا۔۔۔ ایسا ہرگز نہیں۔۔۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کے مفہوم میں مادی کیفیتوں کے علم پر اکتفا کرنا انسانی عظمت اور منصوبہ الٰہی کی نفی کے مترادف ہے۔ اسماء سے اصل مراد۔۔۔ مشاہدہ اسرار الٰہی ہے۔۔۔ اسی خصوصیت سے انسان کا مقام ملائکہ سے افضل قرار دیا جا سکتا ہے۔ برعکس اس کے ادنیٰ درجہ کی ارضی اشیاء کا علم وجہ فضیلت نہیں جب کہ ملائکہ بھی نوری حیثیت میں ان اشیاء کا علم رکھتے ہیں۔ انسان اول حضرت آدم علیہ السلام سے انسانی مقصد تخلیق کا مظاہرہ کیا گیا۔ کہ زمین پر جو بھی انسانی شکل و صورت، انسانی مرکب میں پیدا ہو گی۔ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے حکم میں شامل ہو گی۔ اس کا جسم مٹی سے ہو گا۔ اس کی روح ناری ہو گی۔ اس کا علم روح رحمانی سے ہو گا۔ لہذا زمین پر پیدا ہونے والے ہر انسان کیلئے منصوبہ الٰہی کے تحت خلیفہ کی حیثیت میں پیدا ہونا۔۔۔ اسے مشاہدہ اسرار الٰہی۔۔۔ معرفت الٰہی اس کی پیدائش کے ساتھ ہی حاصل ہونا۔ عین منصوبہ الٰہی کے تابع یقینی ہو گا۔ اس کے لئے انسان کو اپنی پیدائش کے بعد بلوغت پر یہ خصوصیت حاصل ہی نہیں کرنی۔ بلکہ اپنی پیدائشی خصوصیت کی حفاظت کرنی ہے کہ اس کی پیدائشی صفت علم و مشاہدہ تسبیح و حمد کے ذریعہ علیٰ حالہ قائم رہے لہذا حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نسل آدم علیہ السلام کیلئے بھی یہی ضابطہ فطری طور قائم رہے گا اور ہر انسان کے لئے تسبیح و حمد، علم و مشاہدہ اسرار الٰہی، معرفت الٰہی کا حاصل ہونا [illegible] اور ضروری ہو گا۔ [illegible] ہر انسان یہ صفات روحانی پیدائش کے

ساتھ حاصل کئے ہو گا۔

حضرت آدم ؑ کی پیدائش کے بعد۔۔۔ پیدائشی ترکیب بدل جاتی ہے کہ انسان بجائے زمین کے عورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ لیکن اس پیدائش میں پیدائشی ترتیب یکساں ہے۔۔۔ اول یہ ہے کہ۔۔۔ یہ وجود بھی تین قوتوں۔ نور۔ نار۔ خاک سے مرکب ہے۔ دوسرے یہ کہ نسل۔۔۔ پیدائش میں کوئی نیا وجود پیدا نہیں ہوتا بلکہ یہ وجود بھی آدم ہی کا وجود ہوتا ہے۔ صرف پیدائشی ہیئت بدل جاتی ہے۔ اس حیثیت میں نسلی وجود نہ کوئی نیا وجود ہے نہ کوئی خارجی وجود بلکہ آدم کے وجود کی ایک جز بشری شکل میں دوبارہ نمودار ہوتی ہے۔ یہ سوال کہ نسل انسانی کا دوسرا وجود کیا ہے؟۔۔۔ اس کی تفصیل قران نے واضح طور بیان کی ہے۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝ (پارہ ۳۰ سورۃ ۸۶ آیت ۶-۷)

پس دیکھے انسان کو کس چیز سے بنایا؟ بنایا ہم نے (انسان کو) ایک اچھلتے پانی سے (یہی نسل کا بنیادی مرکب ہے) جو مرد کی صلب (پیٹھ) سے اور ماں کی ترائب (چھاتیوں) سے نکلتا ہے۔۔۔ ان میں ایک مرد ہوتا ہے۔۔۔ ایک عورت مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ۔ اَلصُّلْبِ۔۔ وَالتَّرَآئِبِ۔۔۔ یہ تین کیفیتیں ہیں۔ جس سے نسل کا وجود ترتیب دیا جاتا ہے اچھلتا پانی۔۔۔ مادہ منویہ۔ شہوت سے تشبیہ دیا جاتا ہے۔ شہوت سے مراد۔ روح حیوانی۔۔۔ تو ظاہر ہوا کہ نسل کی بنیادی ترتیب میں باپ کی روح (روح حیوانی) کی جز ہی۔ رحم مادر میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ روح ایک ذرہ کی شکل میں پائی جاتی ہے۔ سائنسی تحقیق میں یہ کیفیت آچکی ہے کہ مرد۔ کے وجود سے مادہ منویہ کی شکل میں اچھلتا پانی۔۔۔ عورت کے رحم میں منتقل ہوتا ہے۔ اس مادہ منویہ میں لاکھوں زندہ ذرات پائے جاتے ہیں۔ جو خوردبین سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ ان ذرات (SPERMS) میں سے ایک ذرہ نسل انسانی کیلئے منتخب ہوتا ہے۔ یہ ذرہ (SPERM) زندہ ذرہ ہوتا ہے۔۔۔ اس ذرہ کا ایک جسم۔۔۔ ایک روح لازمی ہے۔ یہی ذرہ جسم اور ذرہ کی حرکت کا سبب "روح"۔۔۔ نسل میں انتقال کر کے ایک مقررہ مدت کے بعد ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس ترتیب سے واضح ہے کہ نسلی وجود اپنی کوئی حیثیت نہیں رکھتا، نہ یہ کوئی خارجی وجود ہے بلکہ باپ ہی کے وجود کا ایک جز۔۔۔ ایک ذرہ۔۔۔ پھر اسی بشری شکل میں ارتقا کر کے ظہور کرتا ہے اور آگے چل کر یہی نسلی وجود۔۔۔ بشر۔۔۔ باپ کی شکل میں اپنے ہی وجود کی جز سے ایک نسلی بشر پیدا کرتا ہے۔۔۔ ہاں یہ ترتیب

پیدائش کائنات کی فطری تخلیق کے عین مطابق عمل میں آتی ہے۔ اسی ترتیب پر کل کائنات کا وجود پیدا ہوتا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ بَدَاَ الْخَلْقَ (پارہ ۲۰ سورۃ ۲۹ آیت ۱۹)

پھر زمین پر آؤ دیکھو کہ کسی وجود کی تخلیق کی ابتدا کیسے ہوتی ہے۔۔۔ تخلیق کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہوتی ہے۔۔۔ کہ اللہ تعالیٰ سے سوائے ایک مخلوق کا وجود محسوس ہے۔ سو اس مخلوق کی ابتدائی ترکیب و ترتیب کیا ہے؟۔۔۔ تو یہ امر مسلمہ ہے کہ اللہ کی ذات لامحدود ہے۔۔۔ اسی ذات میں۔۔۔ اس کی نوری جز سے۔۔۔ اس کی مخلوق پیدا ہوئی۔۔۔ یہ ایک ابتدائی نور تھا۔۔۔ اسی نور ابتدائی کی جز سے۔۔۔ اس کی نوری نسل پیدا ہوئی۔۔۔ اور اس دوسرے وجود سے پھر اس کی جز سے اس کی نسل پیدا ہوئی اور یہ سلسلہ اسی طرح ترتیب کے ساتھ مسلسل چلتا آرہا ہے۔ یہاں تک کہ آسمانوں کا وجود بھی اسی ترتیب کے ساتھ پیدا ہوا۔۔۔ اور آسمان دنیا (آسمان اول) کے اجزا میں تمام سیارے پیدا ہوئے۔ زمین بھی سورج کی نسل سے بنی۔۔۔ اور زمین کی نسل سے ہر شے ارضی جو اسکے اجزا سے پیدا ہوئی اور زمین کی مخصوص پیدائش (انسان) زمین کی جز یا نسل سے بنی۔۔۔ اور یہ سلسلہ انسانوں میں بھی اسی طرح جاری رہے گا کہ ہر مقام پر باپ کی جز سے اس کی نسل پیدا ہوتی رہے گی۔

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ج

اور ان عورت مردوں سے کثیر مرد اور عورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ اب واضح ہوتا ہے کہ اس ترتیب پیدائش کا مقصد کیا ہے قرآن نے انسان کی تخلیق میں واضح کر دیا کہ انسان کے ذمہ۔۔۔ صرف اپنے مقام فضیلت پر بہمہ صفات و خاصیت قائم رہنا۔ یعنی جو علم۔۔۔ اسرار الہیٰ و معرفت الہیٰ کا اسے دیا گیا، تسبیح و حمد سے اسے قائم رکھنا۔

دوسرے اپنی جسمانی قوتوں۔۔۔ نور۔۔۔ نار۔۔۔ خاک۔۔۔ کو پاکیزہ اور صحت مند حالت میں قائم رکھنا بس یہی اس کی زندگی کا واحد مقصد عمل ہے۔ تیسری ایک اہم ذمہ داری ہے کہ نسلی حیثیت میں انسان خود "انسان ساز" حیثیت رکھتا ہے کہ اس کی نسل سے۔۔۔ کامل صحت مند انسان پیدا ہو۔ خود اس کا ذمہ دار ہے کہ اس کی نسل سے ایک پاکیزہ انسان پیدا ہو۔ اس لئے کہ انسان کی روحانی جز ہی اس کی نسل کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے ظاہر ہے کہ اگر انسان (والدین) نے اپنی جسمانی روحانی پاکیزگی کو قائم رکھا تو اس کی جز میں پاکیزگی ہی ہوگی یہی جز پاکیزہ وجود کے ساتھ نسل کی شکل میں پیدا ہوگی اور اگر انسان نے اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی کو قائم نہ رکھا۔۔۔ یہ جسم بھی صحت مند نہ رکھ سکا نہ روح

کو پاکیزہ رکھ سکا تو اس کی جز بھی ناقص الوجود پیدا ہو گی لہذا اس کثیف و ناقص وجود سے جو عمل سرزد ہوا اس کی ذمہ داری خود انسان (ماں باپ) پر ہو گی --- اور انسان اپنی نسل (ذریت) کی بے عملی --- تنزل اور برے نتائج کا خود ہی ذمہ دار ہو گا۔ یعنی اگر باپ کی جسمانی و روحانی حیثیت پاکیزہ رہے تو اس کا مشاہدہ اسرار الٰہی و معرفت الٰہی قائم رہے گا۔

اور جز کی حیثیت میں اس کی نسل کو پاکیزہ جسم و روح میسر ہو تو خود بخود اس کا علم و مشاہدہ و معرفت جاری رہے گا۔ ناقص حالت میں جب خود بھی انسان کا مشاہدہ و معرفت قائم نہ رہ سکا تو اس کی جز بھی اس کیفیت سے متاثر ہو گی تو اس سے بھی ناقص وجود میسر ہو گا اور وہ بھی خود بخود علم و مشاہدہ سے محروم پیدا ہو گا لیکن جہاں تک معرفت الٰہی کا تعلق ہے یہ مشاہدہ روح رحمانی کو حاصل ہوتا ہے۔ روح رحمانی ایک سالم و پاکیزہ وجود ہے۔ اس لئے پیدائش کے ساتھ ہی اس روح کو ہر حال میں مشاہدہ اسرار الٰہی دیا جاتا ہے --- جو پاکیزہ جسمانی و روحانی حالت میں برابر قائم رہ سکتا ہے اور انسان کا عمر کی بلوغت کے ساتھ ساتھ مشاہدہ جاری رہ سکتا ہے۔ لیکن ناقص وجود میں پیدا ہونے کی صورت میں روح رحمانی کو مشاہدہ اسرار الٰہی و معرفت حاصل ہوتا ہے مگر جسمانی و روحانی (روح حیوانی کی) کمزوری کے باعث انسان عمر کی بلوغت کے ساتھ اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتا۔ تاوقتیکہ ایک نبی --- ایک ولی کی نسبت حاصل نہ کی جائے --- اس کیفیت کے حصول میں ایک نبی --- یا ولی کی نسبت و صحبت کے ذریعہ جسمانی و روحانی پاکیزگی حاصل کر کے مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفت الٰہی (روح حیوانی کے ذریعہ) حاصل ہو سکتا ہے --- ایسی صورت میں انسان کیلئے لازم ہے جب کہ اس کی نسل و ذریت کے افعال و اعمال کی پاکیزگی کی ذمہ داری خود انسان پر ہو۔ تو اسے (انسان سازی کی حیثیت میں) انتہائی محتاط ہونا چاہیے۔ اس لئے انسان کو اپنے مقصد زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اپنی جسمانی و روحانی قوتوں کو ہر لمحہ پاکیزہ رکھنا چاہیئے اور جب اس کے لئے "انسان سازی" یعنی نسل کشی کا وقت آئے تو اس موقع پر انسان کو قدم قدم۔ سانس سانس پر محتاط رہنا چاہیئے کہ کہیں اس کے غلط اقدام کے نتیجہ میں اس کی نسل ناقص الوجود پیدا نہ ہو۔ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد مرد و عورت دونوں کے لئے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے محتاط رہنا چاہیئے کہ کہیں ان کی کوئی ناشائستہ حرکت ان کی نسل کیلئے باعث تنزل اور شر کا سبب نہ بنے ورنہ ان کی ذریت کے ہر برے عمل و اعمال کا وبال خود ان کی گردن پر ہو گا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ اگر انسان برا ہے تو وہ ماں کے پیٹ سے برا ہے۔ اگر انسان اچھا ہے تو وہ اپنی ماں کے پیٹ سے اچھا ہے۔ یعنی آنے والا

(انسان) اپنی فطری اچھائیاں یا برائیاں اپنے والدین کے ورثہ سے لے کر آتا ہے۔۔۔ اس بیان کی تصدیق ملتی ہے کہ اولاد ماں باپ کی جز ہونے کی حیثیت میں ماں باپ کے اچھے برے اثرات ورثہ میں لے کر آتی ہے۔ دوسرے ماں کے پیٹ میں بھی بچہ ماں باپ، کے عادات و خصائل و حرکات و سکنات کا اثر قبول کرتا ہے گو بچہ ابھی جسمانی حالت میں مکمل نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بے ہوش بچہ اس حال میں بھی والدین کے عادات و خصائل اور حرکات کا اثر قبول کرتا ہے۔ چنانچہ شادی کے بعد ماں باپ دونوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ آئندہ آنے والی نسلوں کی پیدائش کیلئے اپنی جسمانی و روحانی پاکیزگی، تسبیح و حمد، مشاہدہ اور معرفت کو ہر حال میں کٹھن محنت کے ساتھ قائم رکھیں تاکہ اس وجہ سے ایک پاکیزہ وجود پیدا ہو۔ نیز ماں کے پیٹ میں بچہ کے قیام کے دوران یہ احتیاط بھی لازم ہے کہ میاں بیوی کے درمیان "حیا" کے آداب کو ملحوظ رکھا جائے۔ اندرون خانہ غلط حرکات، جھوٹ بولنا، گالی دینا، ننگے بدن رہنا، امور خانگی میں بے احتیاطی، بے ضابطگی، غصہ، حسد، کینہ جیسی کمزور عادات کا ارتکاب یہاں تک کہ میاں بیوی کے پوشیدہ رازوں میں یا ان کے اظہار میں آپس میں آزادی سے ملنا۔ بوس و کنار کرنا، ایک جگہ ننگے ہو کر لیٹ جانا ان سب امور میں احتیاط رکھنا لازم ترین ہے ورنہ ان سب عادات و حرکات کا اثر ماں کے پیٹ میں پرورش کے دوران بچہ پر ضرور پڑتا ہے۔ بعض عادتیں ان کی جسمانی ہیئت پر اثر انداز ہوتی ہیں بعض عادتیں ان کے اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہیں اس طرح بچہ پیدائش کے وقت یہ سب خصائل لے کر پیدا ہوتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے بعد بھی جب بچے کے عقل و شعور پختہ نہیں ہوتے اس حال میں بھی بچہ والدین کی عادات جذب کرتا ہے۔ بے ہوشی کے عالم میں بچے کے حواس خمسہ اور حافظہ کام کرتے ہیں صرف قوت گویائی نہیں ہوتی ہے۔ اس کی وجہ حافظہ کی ناپختگی ہے کہ اس میں کیفیات جمع ہوتی ہیں مگر ان کیفیات کو عمل میں نہیں لاسکتا۔ اس کے باوجود بعض کیفیتیں اس کے حافظہ میں جمع رہتی ہیں جو سن بلوغ پر ابھر کر اس کے کردار کو متاثر کرتی ہیں۔ مثلاً گھر میں عام بچے اپنے ماں باپ سے جو بد کلامی، گالی گلوچ کے عادی ہوں ایسی باتوں کو اپنے حافظہ میں جمع رکھتے ہیں اور جوں جوں بلوغت کی طرف بڑھتے ہیں تو یہ جمع شدہ ناقص مواد خود بخود ان کی زبان پر آتے ہیں اور بلا کسی تحریک کے غلط کاری پر اتر آتے ہیں اس غلط اور ناگفتہ بہ کرتوت سے ماں باپ پریشان ہو جاتے ہیں جس کے وہ خود ذمہ دار اور محرک ہوتے ہیں اس کے برعکس اگر والدین عبادت کے حامل ہوں، نماز، روزہ، تلاوت قرآن مجید، تہجد، اچھے کلام اور اچھے کردار کے حامل ہوں تو ان کے بچے شکم مادر سے ہی تاثر لے کر

بلوغت میں اس اثر کو ظاہر کر دیتے ہیں۔ اور اسی احسن بنیاد پر بچے سکول یا ماحول سے اثر قبول کرتے ہیں چہ جائیکہ کسی قدر بھی غلط ماحول میں بچہ ہو مگر نیک والدین کی اولاد اس ماحول سے بہت کم متاثر ہوتی ہے اور یہ اثر جزوی طور پر رہ سکتا ہے اور ثانوی عادت ہو سکتا ہے بلکہ بنیادی خصلت برے افعال و کردار کو قبول کرنے میں مانع بن جاتی ہے۔ ان دو قسم کے افراد سے نیک و بد معاشرہ کی تشکیل ہو سکتی ہے۔ اب یہ عملی طور واضح ہے کہ انسان خود اپنی نسل، اپنی ذریت، اپنے معاشرہ کی خرابی کا ذمہ دار ہے۔ لہذا انسان کے لئے اس حقیقت کو خصوصی طور ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس کی زندگی فکر و احتیاط سے خالی نہیں گذر سکتی ہے۔ انسان بلوغت کو پہنچ کر جب اپنی فکر، اپنا ارادہ، اختیار کرنے کے قابل ہو جائے تو اس پر فکر، احتیاط لازم ہے کہ وہ اپنی جسمانی اور روحانی پاکیزگی بہر حال قائم رکھے۔ یہ اس لئے کہ سن بلوغت کے پختہ ہونے کے ساتھ اس کی حیثیت "انسان ساز" کی ہوتی ہے کہ بلوغت کے بعد اسے ایک بیوی کی ضرورت پڑتی ہے اس موقع کو غیر معمولی حیثیت دی جائے۔ شادی کے ساتھ ہی انسان کی ذمہ داری اور بڑھ جاتی ہے کہ شادی کا اولین مقصد نسل پیدا کرنا ہے اس لئے ضروری ہے کہ انسان شادی سے پہلے پاکیزہ روح اور جسم حاصل کئے ہوئے ہو۔ ورنہ کسی بھی وقت اس سے نسل کا وجود ظاہر ہو جائے تو یہ نسل اس کے قبل از شادی کے وجود کی جز ہوگی اور پھر شادی کے بعد بچے کی پرورش میں ماں باپ دونوں کے خصائل کے اثرات اولاد پر مکمل طور اثر انداز ہوں گے۔

اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض ناپختہ شعور بچے ایسی حرکتیں کرتے ہیں جن کی اس ناپختہ زندگی میں توقع نہیں کی جا سکتی۔ بارہا ایسے واقعات سامنے آئے ہیں کہ ناپختہ عمر حیوانی عمر ہوتی ہے جیسے حیوان ایسی حرکات کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے کہ نر مادہ پر سوار ہو جاتا ہے یہی حالت بچہ کی ہوتی ہے کہ غیر شعوری طور پر کھلے عام شہوت کے زیر اثر ایک بچے میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے اور نتیجۃً کم سن طفل نر اور مادہ باہم مباشرت پر اتر آتے ہیں۔ یہ سراسر ماں باپ کی بے پردگی اور بے حیائی کا پھل ہے والدین کی بے حسی، بے حیائی میں جو بچے نشوونما پاتے ہیں وہ سن بلوغت میں ان ناگفتہ بہ کیفیات کا زیادہ خطرناک، ناقابل برداشت کرتوت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس حد تک کہ یہ مضر منشیات، زنا، فتنہ و فساد، بد اخلاقی غرض ہر ناقص کام میں الجھ جاتے ہیں جو نہ صرف ان کی اپنی ذات کیلئے مضر اثرات کے حامل ہوتے ہیں بلکہ یہ انسانی معاشرہ کے لئے زود اثر زہر کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق ارضی کی ہر نوع کی تخلیق میں اس کی پیدائشی ترتیب میں۔۔۔

ایک نفسِ واحد کا تصور دیا۔۔۔ کہ ہر وجود کی ابتدا ایک نفس واحد "ایک جان، ایک روح" سے ہوتی ہے۔۔۔ اور انسان کی پیدائش بھی ایک نفس واحد سے ہونا بیان کیا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ اس میں بھی ایک ہی وجود کا تصور پایا جاتا ہے۔ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا۔ میں بھی ایک ہی وجود کی تخلیق کا انتظام ظاہر ہوتا ہے۔۔۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے ساتھ ایک اور وجود بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ یٰٓاٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ۔ اس مقام پر حضرت آدم کے ساتھ "حوا" کی شکل میں ایک دوسرا وجود بھی ظاہر ہے۔۔۔ لیکن اس وجود کی پیدائشی ترتیب کا کوئی واضح بیان نہیں ہوا۔۔۔ سوائے اس کے کہ قرآن نے اس کے متعلق ایک ترکیبی بیان کا اجمالی تصور دیا۔

الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ج (پارہ ۴ سورۃ ۴ آیت ۱)

وہ اللہ ہے جسنے بنایا تم کو ایک جان (روح) سے اور بنایا اس کا جوڑا۔۔۔ اسی وجود سے اور اس جوڑے سے لاتعداد مرد اور عورت بنے۔ اس بیان میں مثل آدم دوسرے وجود کی جو بعینہٖ آدم کے وجود کے مماثل ہے تصور پایا جاتا ہے۔ یہ وجود بھی انسانی ہیئت میں ہے۔ آدم کی پیدائشی ترکیب کے مانند اس دوسرے وجود کی ترتیب پیدائش کا ذکر نہیں سوائے اس کے اس وجود کا آدم کے وجود سے نکالا جانا ظاہر کیا گیا ہے۔۔۔ سوال یہ ہے کہ وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا کی ترکیب کیا ہے؟۔۔۔ اور جب کہ یہ جوڑا بھی انسانی ہیئت میں ظاہر ہے تو کیا یہ وجود بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ کی صفت میں شامل ہے؟ اگر ہے تو پھر اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً۔ میں اس کی تخلیق ترکیب کا اظہار کیوں نہ ہوا جب کہ قرآن نے بشر اور انسان کی تفصیل کا واضح بیان پیش کیا۔ اگر بشری تخلیق میں اس کا ذکر نہیں تو یہ پیدائش انسان اور خلیفہ میں شامل نہیں اگر ہے تو مثل آدم اس سے مظاہرۂ علم کیوں نہ ہوا یعنی۔۔۔ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْھُمْ بِاَسْمَآئِھِمْ میں "حوا" کو شامل نہیں کیا گیا؟۔۔۔ یہ امر تحقیق طلب ہے انسان۔۔۔ اور خلیفہ کی حیثیت میں زوجہ کا کیا مقام ہے؟

اولاً زوجہ (حوا) کی پیدائشی ترکیب کا تجزیہ ضروری ہے وَخَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا کی کیا ترکیب ہے؟ یہ ترکیب خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ کی ابتدائی ترکیب کی تحقیق سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

کائنات خلقت کی تحقیق میں ہر وجود کی ابتداء بھی نفس واحد سے ہوتی ہے یہ امر سائنسی تحقیق سے واضح ہے کہ سادہ ترین اور ناقابل تقسیم مادی ذرہ جس کو (ATOM) یا جوہر کہتے ہیں۔ چند برقی ذروں سے بنایا گیا ہے۔ جن کو ماہرین اور محققین نے الیکٹران

(ELECTRON) پروٹان (PROTON) اور نیوٹران (NEUTRON) وغیرہ کے نام دیئے ہیں کائنات میں جتنے عناصر پیدا کئے گئے ہیں انکے ایٹم ان ہی ذرات کی مختلف تعداد مختلف عناصر کو بناتے ہیں۔۔۔ یہی ترکیب حیوانات میں پائی جاتی ہے کہ حیوان کی ابتداء بھی ایک خلیہ (CELL) سے ہوتی ہے۔ یہی خلیہ (CELL) اپنی ابتدائی ارتقاء میں دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے اور ہر دو وجود ساتھ ساتھ ارتقاء کر کے دو وجودوں میں نر مادہ کی شکل میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ ہاں امر محقق ہے کہ ایک ذرہ کی تقسیم میں دوسرا وجود مادہ کی ہیئت میں بنتا ہے۔ یہ قدرت کی تخلیق کے تابع کسی وجود کے پیدا ہونے کی دلیل ہے کہ دوسرا حصہ بہرحال مادہ ہی بنتا ہے۔۔۔ اسے "زوج" کہا گیا اس کی نفس واحد کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت ہے۔ اسی نر و مادہ سے آئندہ نسل حیوانی کا وجود پیدا ہوتا ہے اس حیثیت میں الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ کی ترکیب میں انسانی وجود کی تخلیق بھی اسی ترتیب سے ہونا مقرر ہے۔۔۔ اور یہ نظام تخلیق میں خالق کائنات کی طرف سے پیدائشی ترکیب کا خصوصی نظام مقرر ہے کہ ہر وجود کی تخلیق کی ابتداء ایک نفس واحد یا ذرہ سے ہونا مقرر ہے۔۔۔ انسان کی بنیادی تخلیق بھی اسی انداز سے ہوتی ہے۔۔۔ صَلْصَالٍ کَالْفَخَّارِ ایک ناری ذرہ انسانی وجود کیلئے منتخب ہوا۔۔۔ اور اسی ترتیب پیدائش کے ساتھ جب اسی ذرہ ناری نے حَمَإٍ مَّسْنُوْنٍ میں خاکی وجود کی طرف انتقال کرنا شروع کیا تو اس انتقال میں ارتقاء کے ساتھ ہی ابتدائی مرحلہ میں یہ ذرہ دو حصوں میں تقسیم ہوا اور دونوں حصے نر و مادہ کی شکل میں اپنے ارتقائی۔۔۔ انتقالی۔۔۔ مرحلوں میں بڑھنے لگے۔۔۔ ایک ذرہ سے انسانی ہیئت تک پہنچنے میں۔ ہیئت کے مطابق مختلف شکلیں اختیار کیں یعنی حیوانی ہیئت میں مختلف جسامتوں میں محسوس ہوئے۔ یہاں تک کہ حیوانی ہیئت میں انسانی قد و قامت تک پہنچے۔ بالآخر دونوں وجود انسانی شکل و صورت میں نمودار ہو گئے ان ہی دو صورتوں میں ایک "آدم" تھے دوسرے "حوا" اس مقام پر پہنچ کر ایک تصور قائم ہوتا ہے اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کے اعلان پر دونوں وجود موجود ہیں مگر اظہار خلافت میں ابتداءً صرف وَعَلَّمَ اٰدَمَ میں آدم ہی کی طرف اشارہ ہے "حوا" کی طرف نہیں۔۔۔ اس سے ظاہر ہے کہ دونوں وجود انسانی حیثیت و ہیئت اختیار کئے ہیں لیکن صفت کے اعتبار سے دونوں خلیفہ کی حیثیت میں شمار ہیں البتہ منصوبہ الٰہی۔۔۔ مرضی الٰہی کے تحت اولاً آدم ہی کو علم دیا گیا۔۔۔ جب کہ قرآن نے حوا کو علم دینے کا ذکر نہیں کیا۔۔۔ اس لئے آدم ہی سے اظہارِ خلافت ہوا۔ اب یہ امر آدم پر موقوف ہوا کہ وہ حوا کو بھی اس علم سے آگاہ کرے تاکہ وہ بھی اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً کی صفت سے

متصف ہو کیونکہ یہ امر لازمی ہے کہ وجودی اعتبار سے آدم و "حوا" کا وجود ایک ہی حیثیت رکھتا ہے وہ یہ کہ اگرچہ پیدائشی ترتیب علیحدہ ہے لیکن حوا میں بھی بحیثیت انسان۔۔۔ جسم خاکی۔۔۔ روح ناری موجود ہے اور انسان ہونے کی حیثیت میں اس میں بھی روح رحمانی کا نفخ ہونا لازمی ہے۔ اس کا ذکر قرآن نے اس لئے نہیں کیا۔۔۔ اول یہ کہ شروع سے قرآن نے آدم کی تخلیقی ترکیب کے مقابلہ میں "حوا" کی تخلیقی ترکیب کا ذکر ضروری نہیں سمجھا۔ اس تخلیقی ترکیب میں ایک فرق تھا کہ حوا "نفسِ واحد" نہیں۔ یعنی حوا "نفس واحد" کی صفت میں شمار نہیں بلکہ "نفس واحد" کی جز سے اس کا ہونا مقرر تھا۔ اس لئے اس کی حیثیت ثانوی ہے البتہ "آدم" کی ناری روح مستقل وجود ہے "حوا" اس مستقل وجود کی جز ہے مگر حیّا تَشنُوْنِ میں دونوں روحیں ایک جیسا مادہ حاصل کر کے انسانی بشری شکل و صورت اختیار کر جاتی ہیں اور انسان کے مقام پر پہنچ کر حوا کی ناری روح مثل آدم ایک مستقل وجود و ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ اس مقام پر دونوں روحیں ایک جیسی ہیئت میں قائم ہوتی ہیں اور جب "حوا" بھی بشری ہیئت اختیار کرتی ہے تو اس کے لئے بھی بحیثیت انسان روح رحمانی کا نفخ ہونا لازمی ہے۔ اس کا بیان اس لئے نہیں ہوتا کہ اول اس کی تخلیقی ترتیب واضح ہے جس کے ذکر کی ضرورت محسوس نہ ہوئی اور انسانی ہیئت پر روح رحمانی کا نفخ لازم ہو گیا جو مشاہدہ میں خود بخود واضح ہو گیا تو اس کے بیان کی بھی ضرورت نہ رہی البتہ اس مقام پر بنیادی حیثیت میں آدم کو "حوا" پر تفوق (فضیلت) حاصل ہے کہ وہ کل کی حیثیت رکھتا ہے اور "حوا" جز کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے اظہار خلافت صرف آدم سے ہی لازم آتا ہے۔۔۔ قدرت کی طرف سے یہ ترتیب مقرر ہے کہ آدم کو براہ راست علم دیا جائے اور اسی سے خلافت کا مظاہرہ کیا جائے۔ آدم کو معلم کی حیثیت دی گئی اور "حوا" کو متعلم کی حیثیت ملتی ہے اور جب "حوا" کو بھی آدم سے علم عطا ہوا تو یہ بھی علم کے اعتبار سے خلیفہ قرار دی جاتی ہے۔

اب دیکھنا ہے کہ حوا کو بحیثیت زوجہ۔۔۔ مادہ عورت کی حیثیت سے کیوں پیدا کیا گیا؟۔۔۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات خلقت کی تخلیق میں یہ ایک فطری خاصیت پائی جاتی ہے کہ ایک وجود سے دوسرا وجود بنتا چلا آیا ہے۔۔۔ ایسا نہیں کہ ایک وجود منتشر ہو کر مختلف وجودوں میں تقسیم ہو۔۔۔ جیسا کہ اس امر کی ابتدائی پیدائش سے نشاندہی ہوتی ہے کہ کائنات خلقت اللہ کے نور سے بنی۔۔۔ اس ترکیب میں ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا نور منتشر ہو کر کائنات کی مختلف شکوں۔۔۔ ہیئتوں۔۔۔ کیفیتوں میں تقسیم ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

ذات لامحدود اور وسیع ہے۔ اس کا مختلف ہیئتوں میں تقسیم ہونا ممکن نہیں سوائے اس کے کہ اس نور کے ایک جز سے ایک وجود پیدا ہو۔۔۔ ایک ہی وجود۔۔۔ اور پھر اسی فطری تخلیق کے تابع دوسرا وجود بھی مختلف ہیئتوں میں منتشر نہیں ہو سکتا۔ سوائے اس کے کہ اس وجود کے جز سے دوسرا وجود پیدا ہو۔۔۔ اس حال میں اس کا اپنا وجود بھی باقی رہے۔ یہی ترتیب کائنات خلقت کی تخلیق میں کار فرما ہے کہ ہر مقام پر ایک نور علت (سبب) یا CAUSE کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے ایک معلول۔۔۔ مسبب یا EFFECT پیدا ہوتا ہے۔ یہ ابتدائی نوری ہیئت کی کیفیت ہے کہ ایک علت نور سے معلول نور ہی پیدا ہو۔۔۔ اور جب نور۔۔۔ آخری حد پر ایک نور "علت" میں دوسرا نور پیدا کرنے کی گنجائش نہ ہو تو اس نور سے ناری ہئیتیں پیدا ہوتی ہیں اس کی مثال آسمان سے ملتی ہے کہ آسمان اول نور کی آخری حد ہے اس نور میں سے دوسرا نور پیدا ہونے کی گنجائش نہیں۔ لہذا اس نور کی ایک جز نار کی ہیئت میں پیدا ہو گئی۔۔۔ یہ آسمان اول کا حقیقی مقام ہے جہاں اس میں قوی ناری قوتیں جز کی صورت میں پیدا ہوں گی۔ اب دوسرے مقام پر ان ہی ناری وجودوں سے جز کی صورت میں ناری وجود پیدا ہوں گے ان ہی ناری و منقسم وجودوں میں سورج کا ناری کرہ بھی ہے جس کی ایک جز زمین ہے اور زمین سے جب دوسرے وجود کی گنجائش تھی تو اس سے چاند اور چند ستارے پیدا ہو گئے اور جب اس کی ناری قوت تنزل پذیر ہوئی تو اس کے اجزا سے گیس، ہوا، پانی پیدا ہوئے اور اسی زمین سے انسانی وجود پیدا ہوا۔ اب لازم ہے فطری ترتیب کے مطابق آئندہ وجود کی پیدائش جاری رکھنے کے لئے انسان کے وجود سے بھی اجزا جدا ہوں گے مگر انسان کی نشوونما کیلئے حیا تشنونِ۔۔۔ زمین کی جوہری قوت کا ہونا ضروری ہے لیکن زمین پر تخلیقی ترتیب میں حیا تشنونِ ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتی۔ لہذا اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انسانی جز سے ایک جز نکال کر اسے مادہ عورت کی شکل دی گئی۔۔۔ اور عورت کے جسم میں رحم بنا جس میں عورت زمین سے غذا حاصل کر کے اس غذا کے جوہری مادہ کو حیا تشنونِ کے متبادل رحم میں جمع کرتی ہے، اس رحم میں مرد کے ناری ذرہ (نطفہ) کو مثل حیا تشنونِ غذا میسر ہو کر انسانی ہیئت تشکیل پاتی ہے۔ لہذا یہ امر واضح ہے کہ بغیر عورت۔۔۔ بغیر رحم۔۔۔ بغیر خون حیض۔ انسان کا تشکیل پانا کسی اور ذریعہ سے ممکن نہیں۔۔۔ یہ ممکن نہیں کہ مثل آدم ہر انسان زمین کے ذرہ کی حیثیت میں زمین کے حیا تشنونِ میں نشوونما پا کر وجود حاصل کرے، جب کہ زمین سے آئندہ حیا تشنونِ کا مرکب پانا ممکن نہیں اور جب قدرت کی تخلیق کا فطری نظام ہے تو انسانی تخلیق کے لئے عورت کا ہونا ضروری ہو گا۔۔۔

تاکہ آئندہ انسانی مخلوق کی پیدائش کا سلسلہ جاری ہو--- اس امر سے واضح ہے کہ عورت اگرچہ صفات کے لحاظ سے "انسان" تصور کی جاتی ہے لیکن مرد کے مقابلہ میں اس کی حیثیت ثانوی ہے۔ یہ مرد کی جز ہے اس لئے مرد کے مقابلہ میں عورت مرد کے ہم پلہ (برابر) نہیں ہو سکتی--- دوسرے مرد "مذکر" ہے اور عورت "مونث"۔ مرد سبب ہے--- اور عورت مسبب--- مسبب--- سبب کے مقابلہ میں جز کے اعتبار سے یکساں حیثیت کی حامل نہیں--- پھر مرد معلم ہے--- عورت متعلمہ (شاگرد) ایسی صورت میں مرد قائد ہے--- عورت مقتدی--- مرد سے مرد وجود پاتا ہے--- عورت سے عورت--- اس حالت میں بھی عورت کا مقام مرد سے پست ہے اس کیفیت کی طرف قرآن نے اشارہ دیا:۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ مرد کو عورت پر فوق (برتری) حاصل ہے۔ عورت مرد کی مقتدی (مقلد) ہے۔ عورت پہ مرد کی اقتداء و اطاعت واجب ہے--- یہ تو انسانی تخلیق میں مرد و عورت کی تخصیص ہے--- اب زمین پر عورت کا مرد سے کیا نسبت و تعلق قائم ہوتا ہے؟ اولاً مرد عورت کے تعلق میں دو کیفیتیں سامنے آتی ہیں--- ایک مرد سے علم حاصل کرنا دوسرے وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا نسل انسانی کے تسلسل کیلئے مرد کی صحبت میں آنا سوائے اس کے دوسری کیفیت ابتدائی دور میں سامنے نہیں آتی--- ابتدائی دور کا تصور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ آدم و حوا کیلئے خلیفہ کی حیثیت میں ایک ہی عمل مقرر تھا کہ حصول علم کے ساتھ مشاہدہ اسرار الٰہیٰ تصور و معرفت ذات الٰہیٰ کو ہر لحہ قائم رکھیں ان کے لئے حصول سامان زندگی کی کوئی ایسی مہم نہ تھی جس کے لئے انہیں جستجو کرنا تھی سوائے اس کے کہ ان کی پیدائش سے قبل ان کی غذا کیلئے پھل موجود تھے۔ صرف تصور میں اتنا وقفہ پیدا ہوتا کہ بھوک پر غذا حاصل کر کے کھا لیتے--- بس--- اور پھر مشاہدات میں منہمک ہو جاتے کیونکہ انسان کی زندگی کا واحد مقصد و نصب العین اس کے سوا کچھ نہ تھا۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۝ (پارہ ۲۷ سورۃ ۵۱ آیت ۵۶)

اللہ تعالیٰ نے انسانی مقصدِ زندگی کو واضح کر دیا کہ نہیں بنایا جنوں اور انسانوں کو مگر صرف عبادت و تسبیح و حمد اور معرفت کیلئے--- اس تصور میں مرد اور عورت کی حیثیت منفرد ہے--- الگ الگ تھی--- مرد اور عورت میں رشتہ کا کوئی تصور نہ تھا۔ سوائے اس کے عورت، مرد سے حصول علم میں رجوع کرے۔ یہ زمانہ ہے جب انسان یکسر پاکیزہ نفس تھا۔ اس کا عمل صرف مشاہدات و معرفت الٰہیٰ کیلئے وقف تھا اور اسے استغراق سے فراغت میسر نہ تھی--- یہ انسان کی فطری تخلیق کا خاصا ہے کہ مشاہدہ اسرار الٰہیٰ۔ معرفت الٰہیٰ میں استغراق

کی صورت میں انسان کے قلب میں ماسوا کی نہ خواہش ابھرتی ہے نہ اسے ماسویٰ کی طرف رجوع کرنے کی طلب رہتی ہے۔ انسان دیدار الہیٰ کی لذت میں کسی شے کی نہ خواہش رکھتا ہے نہ ذہن کو کسی ماسویٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔۔۔ یہی کیفیت آدم و حوا کی تھی کہ پاکیزہ وجود میں ان پر شہوت کا غلبہ نہ تھا نہ اس کا احساس تھا۔۔۔ دونوں وجود منفرد حیثیت میں اپنے اپنے عمل پر مشغول تھے۔ اگرچہ ہزاروں سال دونوں ایک جنس ہونے کی حیثیت میں ایک دوسرے کے قریب ارتقاء کرتے رہے۔۔۔ اس کے باوجود ان میں زندگی یکجا بسر کرنے میں اجتماعیت کا تصور پیدا نہیں ہوا تھا۔۔۔ نہ انہیں ایک دوسرے کی خدمت و معاونت کا جذبہ محسوس ہوتا تھا۔۔۔ نہ اس کی ضرورت تھی البتہ اس استغراق و انہماک میں بھی انہیں جسمانی بقا و تحفظ کی ضرورت تھی کہ وہ جسم کی بقا کے لئے مادی حصول کی خاطر ایک وقت ذہن کو معرفت و استغراق سے فارغ رکھیں۔۔۔ لیکن آداب انسانیت کے تابع انہیں پاکیزہ و خالص غذا استعمال کرنے کا خیال رکھنا ضروری تھا۔۔۔ یہ کیفیت مشاہدہ میں آتی ہے کہ انسان سن شیر خوارگی سے سن بلوغت تک۔۔۔ بلوغت سے قبل "سات سے تیرہ سال کی عمر تک" غذا استعمال کرتا ہے۔ اس کا جسم پختہ ہوتا ہے تاہم اس عمر میں اگرچہ اس پر شہوانی اثرات کا غلبہ بھی ہوتا ہے۔ لیکن انسان پر اپنے شہوانی جذبات کو استعمال کرنے کا اثر غالب نہیں ہوتا (یہ ایک پاکیزہ جسم کی مثال ہے) نہ اس وقت جسمانی حالات میں نسل کشی کے قابل ہوتا ہے۔ اس لئے فطری اصول کے تابع سن بلوغت میں سولہ سترہ سال کی عمر نکاح کے لئے مقرر ہے۔ اس سے قبل انسان کو نسل کشی میں کامل نہیں تصور کیا جاتا۔ آدم و حوا کو اگرچہ ایک کامل انسان کی ہیئت میں تصور میں لایا جاتا ہے لیکن معرفت الہیٰ میں استغراق یا آدم و حوا کی آپس کی قربت میں شہوانی جذبات کے غلبہ میں آپس میں اختلاط نہ کرنے کا موقع نہ آنا الہیٰ اصول کے تابع تھا۔۔۔ کہ جب تک ان سے باہمی اختلاط۔۔۔ یا نسل کشی کا عمل صادر ہونا ظاہر نہیں۔۔۔ ایسی حالت ہے۔۔۔ جیسے لڑکا لڑکی تیرہ سال کی عمر تک باہم قریب رہ کر بھی نہ انہیں شہوانی غلبہ کے جذبہ کا اثر ہوتا ہے اور نہ انہیں باہم اختلاط (مباشرت) کا احساس ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں نہ رشتہ ازدواج کا تصور پایا جاتا ہے۔ نہ نکاح کی صورت پیش آتی ہے۔۔۔ یہی دور۔۔۔ یہی کیفیت اس وقت تھی جب ابتدائی دور میں آدم و حوا باہم قریب ہو کر بھی غلبہ شہوت کا احساس نہ رکھتے تھے نہ ہی نسل کشی کیلئے ان کے جسم کاملیت کے درجے پر پہنچے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو حکم دیا۔۔۔

يَآدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ[1] الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ[2] فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ[3]۝ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۳۵)

اے آدم تو اور تیرا جوڑا اس باغ میں سکونت رکھو اور اپنے جسم کی بقا کے لئے پاکیزہ غذا استعمال کرو۔۔۔ مگر ایک درخت (نشان کردہ) کے قریب نہ جانا (یعنی اس درخت کا پھل نہ کھانا) اگر تم نے اس درخت کا پھل کھایا۔۔۔ تو غلط کاروں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور تم پر اندھیرا چھا جائے گا۔ غلط کاروں سے مراد کسی شے کا حکم الٰہی کے خلاف غلط طریقہ سے استعمال کرنا اور ظلمت سے مراد مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفت الٰہی سے محروم ہونا۔۔۔ لازم تھا جب اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا۔ جی بھر کر کھانے کی تحریک و احساس دیا تو "آدم و حوا" نے ضرورت کے وقت حصول غذا میں توجہ دینا شروع کی جس کا فطری اثر تھا جو آدم و حوا پر اثر انداز ہونا لازمی تھا۔۔۔ اس فطری اثر نے آدم و حوا کے ذہن میں معرفت الٰہی پر استغراق میں ایک اضافی تصور پیدا کیا۔۔۔ فطری اثر کے تابع آدم و حوا کا ذہن

[1] اس مقام پر زَوْجُکَ میں بیوی کا تصور نہیں البتہ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا اس میں دو وجودوں کا تصور پایا جاتا ہے۔

[2] مفسرین نے شجر کے معنی میں گندم کے پودے کا مفہوم لیا ہے۔ حالانکہ گندم کا پودا شجر کی صفت میں نہیں آتا۔ عام عقول کے مطابق درخت کی صفت میں تنا' شاخیں' پتے اور پھل آتے ہیں۔ لہٰذا قرآن و حدیث سے شجر کی تعریف ثابت نہیں سوائے اصطلاحِ قریش' عربی میں درخت کی تعریف لی جائے کہ قریش کے نزدیک درخت کی تعریف کیا ہے؟ اسی تعریف پر درخت کی صفت میں ۔۔۔۔ مضبوط تنا' شاخیں' پتے اور پھل کا تصور محقق ہو سکتا ہے جس کے پھل میں کثافت اور بھرپور شہوت کا مادہ پایا جاتا ہے۔

[3] اَلظّٰلِمِيْنَ کے لغوی معنی ایک شے کو غلط طریقہ پر استعمال کرنا یا خلاف قانون فطرت عمل کرنا۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (پارہ ۳ سورۃ ۲ آیت ۲۵۷) اللہ دوست رکھتا ہے ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے انہیں اندھیروں میں سے روشنی (نور) کی طرف۔ یہاں اندھیرا' قلب و شعور کا اندھیرا مراد ہو سکتا ہے اور نور۔ ہدایت اور حق کا تسلیم اور مشاہدۂ نوری مراد ہو سکتا ہے۔

دو تصوارت میں بٹ گیا۔۔۔ اور حصول غذا کے تصور نے بھی ذہن میں جگہ پائی۔۔۔ لازم تھا کہ ان میں حصول غذا میں جستجو بڑھ جاتی۔۔۔ جستجو نے لذت پیدا کی، لذت نے جستجو کو مزید تقویت دی اس طرح آدم و حوا میں لذت نفس کے لئے جستجو کا مادہ بڑھتا گیا۔ یہ عمل انہماک و استغراق میں۔۔۔ وقفہ اور خلل کا باعث بنا اسی وقفہ سے شیطان نے فائدہ اٹھایا۔۔۔ شیطان قوی ناری وجود تھا۔۔۔ اور آدم و حوا میں بھی یہی ناری قوت (روح حیوانی) موجود تھی۔۔۔ شیطان نے موقع پا کر ناری توجہ دینا شروع کی۔۔۔ شیطان اس عمل میں کامیاب ہو گیا۔۔۔ اس نے توجہ سے آدم و حوا کے ذہن میں وسوسہ پیدا کیا اسی "وسوسہ" نے یہ کیفیت طاری کر دی کہ شاید اس پھل کے کھانے میں کچھ مصلحت پوشیدہ رکھی گئی ہے۔۔۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ حصول لذت کی جستجو میں جب انسان رابطہ نوری سے غافل ہو تو شیطان وسوسہ ڈالنے میں موقع پا جاتا ہے اور اس وسوسہ سے ذہن متاثر ہو جاتا ہے۔۔۔ ہاں طویل مدت ایک حالت میں سکونت کرنے میں انسان بھول گیا۔۔۔ اس میں احتیاط نہ رہی۔۔۔ درخت کا پھل بے خبری میں کھاتا رہا۔۔۔ نتیجہ ظاہر ہے۔۔۔ کثیف غذا کھانے سے خود بخود استغراق و انہماک کی کیفیت میں استحکام نہ رہ سکا۔ مشکل پیش آئی دائمی مشاہدہ میں فرق آیا رفتہ رفتہ مشاہدہ میں خلل پیدا ہوا یہاں تک کہ آدم علیہ السلام اور حوا کا مشاہدہ یکسر بند ہو گیا ان پر قبض طاری ہو گئی یہ ایک سانحہ عظیم تھا۔ جس سے آدم علیہ السلام پر اضطراب و پریشانی طاری ہو گئی اور اضطرابی حالت میں اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنی جان پر ظلم کر چکا ہے۔ اس ندامت پر آدم اللہ کے آگے گڑگڑایا۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا سکتہ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (پارہ ۸ سورۃ آیت ۲۳)

اے اللہ ہم نے خود اپنے آپ کو اندھیرے میں ڈال دیا۔ ہم معرفت و قرب سے دور ہو گئے۔ اگر تو ہماری خطا معاف نہ کر دے تو ہم شدید نقصان میں پڑ جائیں گے۔ اس واقعہ نے آدم اور حوا کو ایک نئے دور میں داخل کر دیا۔۔۔ کہ ایک تو ان کی بلوغت کا وقت آ چکا تھا۔۔۔ دوسری کثیف غذا کی وجہ سے ان پر غلبہ شہوت طاری ہو چکا تھا۔ آدم کی دعا قبول ہوئی۔ فَتَابَ عَلَيْهِ اللہ تعالیٰ نے آدم پر توجہ ڈالی تو اس کا مشاہدہ پھر سے جاری ہوا۔۔۔ ضرورت تھی کہ آدم و حوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا کی ہوئی بے محنت غذا سے اپنی جسمانی بقا کو قائم رکھتے ہوئے، معرفت الہیٰ میں مشغول رہتے مگر بے محنت حصول میں انسان میں آرام طلبی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس میں سعی اور جدوجہد کا مادہ کم ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت آدم کی تھی۔ بے محنت حصول میں آرام طلبی نے اس میں جدوجہد کا مادہ قائم نہ رہنے دیا۔ [illegible] اور جدوجہد [illegible] ہو تو انسان اپنی بقا و تحفظ سے۔۔۔ لاتعلق اور غافل ہو جاتا ہے۔۔۔

ایسے موقع پر بے خبری میں بشر کی قوتوں کو اثر انداز ہونے کا موقع مل جاتا ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کو حکم دیا اِهْبِطُوْا اِلَى الْاَرْضِ۔ اب تم باغ سے باہر نکلو اور زمین کی وسعتوں میں اترو۔۔۔ اور حصول رزق میں سعی بھی کرو۔۔۔ تاکہ تم میں جدوجہد کا جذبہ قائم رہے۔۔۔ اور یہ امر انسانی پیدائش کے منصوبہ میں شامل تھا۔ کہ انسان نے زمین کی وسعتوں میں پھیلنا تھا۔ جنت میں قیام صرف آدم و حوا کے لئے مخصوص تھا۔۔۔ حادثاتی طور پر آدم پر آزمائش آئی یہ آزمائش آدم کیلئے تھی کہ معرفت الٰہیٰ میں کہاں تک استقامت رکھ سکتا ہے کیونکہ تخلیق انسانی کے مظاہرہ علم معرفت میں آدم کو ہی مخصوص کیا گیا تھا۔۔۔ آدم و حوا باغ سے نکلے۔ اب وقت تھا کہ فطری قانون کے مطابق آدم و حوا سے وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا کا سلسلہ نسل کشی شروع ہو۔۔۔ اور اب آدم و حوا نے "شوہر" "بیوی" کی حیثیت اختیار کی۔۔۔ اسی حیثیت میں ایک دوسرے سے قریبی رابطہ قائم ہو گیا۔ صورت یہ ہوئی کہ آدم نے معلم کی حیثیت میں حوا کو طریق مشاہدہ میں تربیت دی اور اس کے ساتھ ہی حوا کی ضرورت غذا کو پورا کیا۔ یہی کیفیت اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد عورت پر حصول علم۔ تربیت۔ اصلاح نفس میں معلم کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ اس حال میں عورت کا مرد کے تابع رہنا اور اس کی اتباع میں اس کی ہدایت کے مطابق عمل کرنا جس میں عورت کیلئے اپنے ارادہ عمل کو مرد کی ہدایت کے تابع کرنا لازم ہے۔۔۔ اور پھر حصول سامان زندگی میں بھی جب کہ اس کا ارادہ اختیار مرد کی ہدایت کے تابع ہو۔ مرد کی محتاجی میں آنا لازم ہے۔ یہی ایک اصول و ضابطہ عقد سے تعبیر دیا گیا جس کے معنی عقد گرہ لگانا (دونوں کا تعلق مستحکم ہونا) اللہ تعالیٰ نے چونکہ آئندہ نسل کشی کا ایک نظام مقرر کیا کہ مرد عورت باہم تعلق کریں۔ اس لئے عقد کی شرائط کے تحت مرد عورت کا باہم مل کر تعلق قائم کرنا لازم ٹھہرا۔۔۔ یہ قدرت کا اہم فریضہ مقرر ہے۔ اس فریضہ میں انسان کے ذمہ اہم کام سپرد ہوتا ہے۔ اول عبادات و تزکیہ سے اپنی روحانی جسمانی پاکیزگی کو قائم رکھنا۔ دوئم عورت کی تربیت اصلاح نفس۔۔۔ اور عورت کو علم دینا۔۔۔ عورت کی ضرورت (سامان زندگی) پورا کرنا۔۔۔ اور باہم اختلاط سے اولاد پیدا کرنا۔۔۔ اس امر سے واضح ہے کہ انسان ہی انسان پیدا کرتا ہے۔۔۔ لہذا ضروری ہے کہ نظام الٰہی کے تحت انسان ایک پاکیزہ انسان پیدا کرنے کا خود ذمہ دار ہے۔ اولاد پیدا کرنے کے ساتھ اولاد کی پیدائش میں ایک خصوصی مقصد کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ کہ عورت مرد کے اختلاط میں اولین نظریہ ایک پاکیزہ انسان پیدا کرنا ہے۔ ایسی صورت میں عورت مرد کے باہم تعلق میں سوائے نسل کشی کے اور کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ ظاہر ہوا کہ زمین پر عورت

کا مقام مرد کی اطاعت میں ایک طرف حقیقی مقصد معرفت الہیٰ حاصل کرنا اور آئندہ انسان پیدا کرنے میں مرد سے وابستہ رہنا تھا۔۔۔ اس کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا۔۔۔ انسان نے حصول دنیا میں لذت نفس کے زیر اثر حصول کی جستجو کی اور زمین پر سکونت میں اپنی آسانی اور آسائش کے لئے مختلف طریق اختیار کئے۔ تو اس سے زائد حصول میں دوسرے انسان کی معاونت کی ضرورت محسوس ہوئی۔۔۔ اس سے قبل پیدائشی حیثیت مین انسان منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا عمل منفرد تھا مگر حصول زائد نے اسے دوسروں کی معاونت کیلئے اجتماعیت کی طرف تحریک دی۔ انسان دوسروں سے رابطہ رکھنے لگا اگر حقیقت پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ انسان منفرد حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔ اس حال میں اس کی زندگی کا مقصد سوائے معرفت الہیٰ کے کچھ نہیں۔ اس کے برعکس معرفت الہیٰ میں کوتاہی حصول زائد کی ہوس ہی اس کی اجتماعی ہیئت کا سبب بنی جس سے انسان نے اجتماعیت کی طرف رجوع کیا اس طرح جب انسان نے دوسروں سے رابطہ قائم کیا تو اجتماعی حیثیت میں اس نے قبیلوں اور گروہوں کی ہیئت اختیار کی اس طرح ابتدا میں مرد نے عورت کو بھی حصول سامان زندگی میں شریک کر کے اسے شریک حیات کے تصور میں پیش کیا۔۔۔ مرد سامان فراہم کرے اور عورت اس سامان کو آراستہ کر کے مرد کے سامنے لائے۔ اور اولاد کی پرورش میں اس کی شرکت لازمی ہو گی تو اس صورت نے ایک خاندان کی شکل اختیار کی۔۔۔ یہ انسانی پیدائش میں ایک اضافی کیفیت تھی۔۔۔ جو انسانی ضرورت نے پیدا کی ورنہ فطری طور پر اپنی پیدائش اور عمل میں وہ منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اگر انسان حصول سامان زندگی میں ضرورت سے زیادہ جستجو نہ کرتا تو اسے کسی دوسرے کی نہ معاونت کی ضرورت تھی نہ اجتماعیت کی ہیئت پیدا ہوتی۔۔۔ لیکن یہ امر انسان کی فطرت میں تھا کہ اسے حصول سامان زندگی کی طرف اپنی بقاء کے لئے متوجہ ہونا پڑا۔۔۔ اور اس حصول میں اسے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان پر احسان کیا۔۔۔ کہ اس کی خاندانی ہیئت حاصل ہونے کے لئے۔۔۔ ایک ضابطہ مقرر کیا۔۔۔ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا وہ اللہ جس نے انسان کو بشر کی حیثیت میں پیدا کیا لیکن انسان نے اجتماعیت کے تابع ایک تمدنی زندگی اختیار کی تو اس کی آسانی کے لیے فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّ صِهْرًا (پارہ ۱۹ سورۃ ۲۵ آیت ۵۴) سلسلہ نسلی جاری کیا اور آپس میں انسانوں کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لئے رشتہ ازدواج کا طریقہ جاری کیا۔۔۔ جسے سسرال کہا گیا۔۔۔ کہ آپس میں مرد عورت کے عقد سے ایک ہمدرد اور معاون قبیلہ کی صورت پیدا کر دی۔ یہ اس لئے کہ مختلف اور منتشر قبیلے آپس میں محبت و ہمدردی کے جذبہ

کے ساتھ ایک دوسرے کی ضرورتوں میں معاون و مددگار ہوں۔ ان ہی ضرورتوں کے مد نظر عورت کو مرد کے ساتھ دائمی رفاقت میں رکھا گیا تاکہ عورت مرد کے ساتھ شریک حیات بن کر اس کی ضرورتوں میں اس کی معاون بنے۔ اس طرح مسلسل زندگی میں عورت مرد کی جز بن گئی اور اس کے ذمہ مرد کی خدمت کا خاص انتظام مقرر ہوا۔۔۔ اور چونکہ آئندہ نسل کی ابتدائی پرورش بھی انسان کے ذمہ تھی۔۔۔ اس لئے مرد اور عورت کی مشترکہ پرورش میں۔ مرد اور عورت ایک دوسرے کے ہر شعبہ زندگی میں معاون بن گئے۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ کہ اصول فطرت کے تابع مرد عورت کے لئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے اور عورت مرد کی معاون بن کر مرد کی زینت بنے۔ اس تمام واردات کا ماحصل۔ در حقیقت۔ زمین پر ایک پاکیزہ وجود، پاکیزہ عمل انسان کا پیدا کرنا ہے۔۔۔ کہ یہ امر انسان کی اپنی ذات پر منحصر ہے، کہ اپنی جسمانی، روحانی پاکیزگی۔۔۔ اور فطری پیدائش کا خاصا۔۔۔ مشاہدہ اسرار الہیٰ۔۔۔ معرفت الہیٰ کو بہرحال قائم رکھ کر اپنے وجود سے جزوی حیثیت میں ایک نسل انسانی کے پیدا کرنے کا اہل ہوا گر اس ضابطہ کا خیال نہ رکھا گیا۔۔۔ انسان نے اپنی وجود کی سالمیت اور پاکیزگی کو قائم رکھنے میں۔۔۔ تساہل و تغافل برتا۔۔۔ تو لازمی طور پر انسانی نسل ناقص الوجود پیدا ہوگی۔۔۔ پھر نسل انسانی کے اعمال کی تمام تر ذمہ داری خود انسان پر ہو گی نسل انسانی کی خرابی میں اس کے اعمال کی جزا میں خود انسان بھی اس جزا میں شریک ہو گا۔ قرآن نے بتایا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (پارہ ۲۸ سورۃ ۶۶ آیت ۶)

اے ایمان والو خود کو اور اپنے بیوی بچوں کو۔۔۔ اپنی ذریت کو عذاب آخرت کے مواخذہ سے بچاؤ۔ ایسی ہی حالت میں جب انسان نے اپنی ذمہ داریوں سے تغافل برتا۔۔۔ تو زمین پر ناقص الوجود انسان نے پیدا ہو کر فساد و خونریزی برپا کی۔۔۔ اور یہ حالت پہنچی کہ زمین پر نہ پاکیزہ انسان میسر آیا نہ پاکیزہ انسان پیدا ہونے کی کوئی صورت نظر آئی ظاہر ہے جب انسان خود پاکیزہ نہ ہو تو اس سے ناقص الوجود انسان ہی پیدا ہو گا۔ اس معاشرہ میں جب ہر انسان ناقص الوجود اور انسان پیدا ہو تو پاکیزہ انسان پیدا ہونا ممکن نہیں رہتا تو اللہ تعالیٰ پر ایسی قوموں کو تباہ کرنا واجب ہوتا ہے۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝ إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۲۶،۲۷)

ایسے ہی موقع پر نوح علیہ السلام نے کہا اے رب یہ قوم اپنے کفر اور انحراف میں حد سے گذر

چکی ہے۔ ضروری ہو گیا۔ تو انہیں زمین پر زندہ نہ چھوڑ انہیں ختم کر دے اور اگر تو نے انہیں اس حال میں چھوڑا تو یہ ناقص الوجود ہو چکے ہیں لہذا ان سے سوائے فاجر اور کافر کے پاکیزہ اولاد پیدا ہونا ممکن نہیں اور ایسی مخلوق آئندہ نسلوں کیلئے گمراہی کا سبب بنے گی۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوموں کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں:۔۔۔ اپنے بنیادی مقصد زندگی کا شدت سے احساس کرو۔ اپنی زندگی کو تزکیہ نفس۔ اطاعت الہیٰ۔ اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور نسبت ولی سے پاکیزہ بناؤ۔ ہمہ وقت اپنی زندگی میں، حصول دینوی میں حصول آخرت رضا الہیٰ اور رضا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مقدم سمجھو۔۔۔ بلاشبہ انسان ضعیف ہے، حصول دنیا میں مشغول رہنے کی اس میں فطری خاصیت ہے۔ لیکن قدرت نے تمہیں ایسی روحانی قوت بخشی ہے کہ اس کی مدد سے تم حق کی طرف رجوع رکھنے کی قوت رکھتے ہو مگر اس امر میں کٹھن محنت کی ضرورت ہے۔۔۔ محنت و تزکیہ سے جی نہ چراؤ۔۔۔ نسبتِ پیر، صحبتِ پیر۔۔۔ ایک بہتر ذریعہ ہے۔۔۔ حصول حق کیلئے۔۔۔ اپنی فرصت کا وقت بلا ضرورت اشغال میں ضائع نہ کرو۔۔۔ وقت کو غنیمت جانو۔۔۔ اکثر وقت تصور و مراقبہ اور درود شریف میں مشغول رہو، تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ یہی صورت مقام انسانیت حاصل کرنے کی ہو سکتی ہے۔

آداب مجلس

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ آداب مجلس میں فرماتے ہیں کہ مجلس میں اس حالت میں بیٹھو کہ تمہارا قیام کسی دوسرے کی طبیعت کے خلاف برا تاثر پیدا نہ کرے۔ دوستی اور برابری کے باوجود ایک دوسرے کی طرف لاتیں پھیلا کر نہ بیٹھو اس طرح دوسرا احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے (کہ مجھے کم حیثیت سمجھا گیا) اور اس طرح دوسرے شخص کی "انا" پر ضرب پڑتی ہے۔۔۔ کہ ایسی حرکت سے وہ اپنی توہین سمجھتا ہے یا ایسی حرکت سے باہم نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔ مجلس میں دوسروں کے لئے جگہ بیٹھنے کیلئے مہیا کرو۔۔۔ لازم ہے کہ جو شخص پہلے آئے اپنی "انا" (خودی) مجلس سے باہر چھوڑے اور خود مجلس میں آکر نچلی سطح پر بیٹھے تاکہ آنے والے شخص کو اپنے لئے مخصوص جگہ تلاش کرنے کی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ اس طرح جو شخص مجلس میں داخل ہو گا اسے خود بخود اونچا مقام میسر رہے گا۔۔۔ اور کسی فرد میں اعلےٰ و ادنیٰ کی تخصیص کا جذبہ پیدا نہ ہو گا۔ ورنہ احتمال ہوتا ہے کہ اگر کوئی فرد مجلس میں نچلی سطح پر جگہ پا کر اپنی کمتری محسوس کرنے تو یہ تاثر بھی آپس میں نفرت کا سبب

بن جاتا ہے۔۔۔ کیونکہ مجلس میں مختلف طبیعتوں کے لوگ جمع ہوتے ہیں مبادا کسی شخص میں اپنے مقام کو دیکھ کر احساس کمتری پیدا ہو جائے۔۔۔ اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ انسانی نفس امارہ شرارت پر اتر آتا ہے اور ذہن میں فتور پیدا ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص اونچی جگہ پر بیٹھ کر میری تذلیل کرتا ہے۔ اس طرح شیطان کو نفرت اور کدورت پھیلانے کا موقع ملتا ہے بلکہ مجلس میں ہر شخص دوسرے شخص کا احترام مدنظر رکھے اور مجلس میں اس انداز سے بیٹھے کہ دوسرے لوگوں کی طبیعتوں میں احساس کمتری کو ابھرنے کا موقع نہ ملے اور مجلس میں محبت و یگانگت اور برابری کی فضا قائم رہے اور ہر شخص فروعی خیالات و تصورات سے فارغ رہ کر حق کی تعلیم قبول کرنے میں آسانی پا سکے۔۔۔ حضور فرماتے ہیں دوران گفتگو ہر اعلےٰ و ادنیٰ کے ساتھ مہذب طریقہ سے پیش آنا چاہیئے اور ہر شخص کو بجائے تو کے "آپ" سے مخاطب کرنا اخلاقی بلندی کا ثبوت ہے۔۔۔ مجلس میں بے جا قہقہے لگانا یا زور زور سے چیخنا یا آواز اعتدال سے زیادہ بلند کرنا آداب مجلس کے خلاف ہے۔ دوران کلام سنجیدگی اور شگفتگی اور خندہ پیشانی اختیار کرنی چاہیئے۔ کلام میں سختی اور ترشی سے بھی باہمی نفرت و اختلاف پیدا ہوتا ہے۔۔۔ دوران گفتگو کلام میں پہل نہیں کرنی چاہیئے۔ ہر شخص کو کلام اس وقت تک برقرار رکھنے کا موقع دینا چاہیئے جتنی دیر وہ خود مزید کلام سے نہ رکے۔ دوران کلام کسی ناسمجھ یا نامعقول بات پر تنقید یا ٹوکنا اچھا نہیں اس لئے کہ جس بات کو تم غلط سمجھ رہے ہو ممکن ہے کلام پر صحیح ثابت ہو اور قابل تسلیم ہو۔۔۔ ایسی صورت میں بے جا تنقید و اعتراض سے مناظرہ و مجادلہ کی صورت پیدا ہوتی ہے۔۔۔ کوئی وعظ۔۔۔ کوئی گفتگو مناظرہ کی شکل اختیار کر جائے تو اصل حقیقت ذہنوں سے دور ہو کر ناقابل فہم ہو جاتی ہے اور مناظرہ کی صورت میں فریق حق کی بجائے اپنی "انا" کو درمیان میں لا کر کبر و غرور کی حد میں داخل ہو جاتے ہیں کہ مخالف فریق کی حق بات قبول کرنے میں اپنی خودی پر ضرب پڑتی ہے اور انسان اپنی تذلیل کے احساس میں اپنی بات منوانے میں بے جا دلائل پیش کر کے حق بات ماننے پر آمادہ نہیں ہوتا۔۔۔ یہ امر آپس میں نفرت و بداعتمادی پیدا کر کے آپس کے جذبہ محبت میں فرق ڈالنے کا سبب بن جاتا ہے لازم ہے کہ ہر شخص کو اپنی بات کرنے کا پورا موقع دیا جائے۔ درمیان میں دوسرے کی بات کاٹ کر بات نہ کی جائے۔ جب موقع ملے تو اپنے خیالات کا اظہار اس انداز سے کیا جائے کہ دوسرے کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس بیان میں اس کے نظریات و خیالات کی رد کی جا رہی ہے۔ ایسی صورت میں احتمال ہے کہ دوسرا شخص مجلس میں اپنی توہین یا بے عزتی محسوس کرے تو یہ صورت بھی آپس میں جذبہ نفرت پیدا

کرنے کا سبب بنتی ہے۔۔۔ لازم ہے کہ مجلس میں فروعی گفتگو کرنے سے پرہیز کیا جائے اور اکثر دینی مسائل کو زیر بحث لایا جائے۔ مجلس میں جو بھی مسئلہ زیر بحث لایا جائے۔۔ خواہ وہ قرآن سے تعلق رکھتا ہو یا حدیث وفقہ سے یا نفسیات سے یا سائنس وفلسفہ سے۔۔۔ علم کلام سے ہو یا معقول ومنقول سے۔۔۔ ہر نوع علم کے لئے قبل از وقت۔۔۔ ساتھ ساتھ ٹھوس اور مدلل دلائل دینے چاہیئں۔ تاکہ کسی مسئلہ کو سمجھنے میں دقت پیش نہ آئے اور نہ کسی اعتراض کی گنجائش باقی رہے۔۔۔ لازم ہے کہ بحث برائے علم ہو۔ اپنی علمی برتری دل میں نہ ہو۔ ورنہ انسانی ذہن میں عدم قبولیت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور وہ حق بات تسلیم کرنے پر آمادہ بھی نہیں ہوتا۔

حضور قبلۂ عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجلس میں اگر دعوت کا انتظام ہو تو کھانے میں پہل نہیں کرنی چاہیئے۔۔۔ اپنی ذات پر دوسروں کو فوقیت دینی چاہیئے۔ بجائے خود کھانے کے دوسروں کو سیر ہو کر کھانے کا موقع دینا چاہیئے اس طرح دوسروں میں بھی ایثار قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور دوستوں میں باہم محبت اور عزت بڑھ جاتی ہے اور ایک دوسرے کی قربانی کیلئے ہر شخص دوسرے کی مدد اور بہتری کا جذبہ استعمال کرتا ہے۔۔۔ لازم ہے۔۔۔ کھانے وقت کسی کے ہاتھ یا دہن یا کھانے کے برتن پر نظر نہیں رکھنی چاہیئے۔ ایسا کرنے سے دوسرا شخص شرم محسوس کرتا ہے اور اپنی طبیعت کے مطابق سیر ہو کر کھانا نہیں کھا سکتا۔ یہ امر بھی آپس میں نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔۔۔ مجلس میں کھانا کھاتے وقت پاکیزگی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ ہر حال میں ہاتھ دھونا ضروری ہے اگرچہ باوضو بھی ہو اور نماز سے تازہ فراغت ہوئی ہو پھر بھی ہاتھ دھونا ضروری ہے۔ ہو سکتا ہے درمیان میں کسی چیز کو ہاتھ لگایا ہو۔ ہاتھ دھونے کے بعد کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگانا چاہیئے نہ ہاتھ دھو کر بوٹ یا بوٹ کے تسمے کھولنے چاہیں۔ بغیر ہاتھ دھوئے شامل ہونا افراد کی طبیعت کو مجلس میں مکدر کر دیتا ہے اور پھر ان کے لیے کھانا تناول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ چونکہ مجلس میں نفاست پسند افراد بھی ہوتے ہیں لہذا یہ بھی ممکن ہے کہ ایسی صورت میں نفاست پسند طبیعت قے کر جائے اور تمام مجلس میں بدمزگی اور نفرت پھیل جائے۔ کھانا اتنی شتابی اور جلدی سے نہ کھایا جائے۔ نہ بے ترتیبی برتی جائے۔ کھانا چبانے کی آواز ساتھ والے فرد تک نہ آنی چاہیئے۔ نہ کھانے کے بعد ڈکار ڈالنے چاہئیں۔ یہ بدتمیزی کی علامت ہے جس سے افراد مجلس کی طبیعت کو تکلیف پہنچتی ہے اور بجائے خوشی اور اتفاق کے نفرت پیدا ہوتی ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں اپنے احباب سے مجلس میں ملنے کے وقت پستی اور نرمی

اختیار کرو اس طرح دوسرا بھی عزت افزائی سمجھ کر آپ کی بھی عزت کرے گا--- لازم ہے کہ جب مجلس میں سب ہم خیال اور ہم مشرب احباب جمع ہوں تو آپس کی گفتگو میں کانا پھوسی کرنا۔ آہستہ بات کرنا--- یا کسی سے علیحدگی میں کلام کرنا آداب مجلس کے بالکل اور شدید طور منافی ہے لہذا سخت منع ہے--- ہم مشرب احباب اپنے ظاہر و باطن کو ایک دوسرے کے سامنے یکساں حالت میں رکھیں۔ جو بات دل میں ہو وہی زبان سے ظاہر ہو--- ایسا کلام منع ہے، جو ایک دوست سے ظاہر ہو اور دوسرے دوست سے صیغہ راز میں ہو--- اگر ایسا کیا جائے تو دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک پیدا ہوتے ہیں نتیجتاً ایک فرد دوسرے سے نفرت کرنے لگتا ہے اور یہی عداوت اور ضد کی بنیاد بنتی ہے۔

آداب معاشرت

جو بات کسی پر ظاہر ہونا لازم نہ ہو مجلس میں اس کا ذکر کرنا نہیں چاہیئے حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ معاشرے کی ابتداء--- فرد اور--- گھر سے ہوتی ہے اس لئے گھر کے ماحول کو صاف اور پاکیزہ رکھو--- گھر کے ماحول میں ایک فرد سے بنیاد اٹھتی ہے--- کہ فرد کی حیثیت میں انسان خود پاکیزہ کردار کا مالک ہو اس کے بعد گھر کے ماحول میں عورت (بیوی) شامل ہوتی ہے--- عورت کو گھر کے ماحول میں شامل کرنے سے قبل ضروری ہے کہ عورت بھی پاکیزہ کردار کی مالک ہو--- لہذا عورت کو شریک حیات بنانے میں ایک پاکیزہ عورت کا انتخاب ضروری ہے--- قرآن نے بھی اس امر کی تاکید کی ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ج وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ج (پارہ ۱۸ سورۃ ۲۴ آیت ۲۶)

بری عورتیں برے مردوں کے لئے ہیں اور پاک مردوں کے لئے پاک مومن عورتیں ہیں--- لہذا ضروری ہے کہ مومن مرد، مومن عورت کو شریک حیات بنائے۔ اس عقد شرعی کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ گھر میں پاکیزہ اور صاف ستھرا ماحول قائم ہوگا۔ اس گھر میں صالح اور مومن اولاد بھی پروان چڑھے گی۔ یہی گھر کے افراد ایک ماحول کی شکل میں بیرونی معاشرہ کی بنیاد ہوتے ہیں--- ایسے ہی برے یا اچھے افراد سے اجتماعی معاشرے کی تشکیل ہوتی ہے--- اس لئے ضروری ہے کہ گھر کے ماحول کو پاکیزہ رکھنے کیلئے گھریلو نظام کو خوبصورت رکھا جائے۔

قرآن مقدس نے گھر کے نظام کو پاکیزہ رکھنے کے لئے مرد کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔۔۔ مرد ہی گھر کا منتظم اعلیٰ قرار دیا جاتا ہے۔۔۔ اس لئے گھر کے تمام افراد کی پاکیزگی کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (پارہ ۵، سورہ ۴، آیت ۳۴)

ترجمہ "مرد عورتوں کی اصلاح کا ضامن ہے۔ مرد خود پاکیزہ اور بلند کردار رہ کر عورت کو اپنی تربیت میں رکھ کر اس کی اصلاح کرتا رہے۔ اس حال میں کہ عورت، مرد کے حکم سے صریحاً انحراف نہ کرے۔۔۔ اس حیثیت میں عورت کو مرد کے زیر اثر رہنا ضروری ہے۔۔۔ کہ عورت مرد کے حکم کے تحت عمل کرے۔۔۔ سب سے اول پاکیزگی نفس کے لئے۔۔۔ دین کو اولیت دی جائے۔۔۔ کہ مرد خود دین کا پابند ہو اور اس کے ساتھ عورت کو اپنی صحبت میں رکھ کر دین پر عمل پیرا رہنے کے لئے مائل کرے۔۔۔ یعنی گھر میں۔۔۔ نماز۔۔۔ روزہ۔۔۔ تلاوت قرآن مجید اور بہترین اخلاق کا پابند رہ کر عورت کو بھی اس ماحول سے متاثر کرے کہ وہ بھی نماز۔۔۔ روزہ۔۔ تلاوت قرآن مجید کے ماحول میں سمو جائے۔۔۔ اَلصُّحْبَةُ مُؤَثِّرَةٌ۔ پاک صحبت میں تاثیر ہوتی ہے اور اس سے دوسرا بھی متاثر ہوتا ہے۔ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ۔۔ سے بھی یہ مراد ہے کہ مرد کی صحبت میں عورت مرد کے کردار کا اثر قبول کر لیتی ہے۔۔۔ تو مومن مرد سے عورت بھی مومن بن جاتی ہے۔۔۔ اور ان ہی دو مومن افراد سے مومن اولاد پیدا ہو کر دیندار معاشرہ کی ابتدا ہوتی ہے۔۔۔ دین کی پابندی کے ساتھ گھر کا دنیوی نظام پاکیزہ رکھنا ضروری ہے۔۔۔ ایک گھر اور کنبہ کی صورت میں۔۔۔ مرد گھر کا بادشاہ۔۔۔ یا سربراہ کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ اور اس کا عیال بیوی بچے اس کی رعیت ہوتی ہے۔۔۔ مرد راہبر، استاد، عالم کی حیثیت رکھتا ہے اور عیال مطیع و تابع کی حیثیت میں مرد کے ہر حکم کے تحت عمل پیرا ہو کر مرد سے راہنمائی حاصل کرنے کے پابند ہوتے ہیں۔ اس صورت میں امور دنیوی میں مرد اپنے عیال کی ہر ضرورت کا کفیل ہوتا ہے کہ مرد کاروبار زندگی میں پاکیزہ، حلال روزی حاصل کرے تاکہ پاکیزہ روزی سے پاکیزہ کردار کنبہ تشکیل ہو۔

جہاں تک مرد عورت کے درمیان مرد کی بالادستی اور عورت کی محکومیت یا اطاعت کا تعلق ہے مرد پر شدید اور نازک ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں کہ وہ خود اپنے اخلاق، حرکات و سکنات اور عمل میں محتاط رہے کیونکہ وہ راہنمایانہ حیثیت رکھتا ہے لہذا اس کا قول و فعل شریعت اور آداب شریعت کے عین مطابق ہو تاکہ اس کے کردار سے اس کا عیال متاثر ہو کر پاکیزہ کردار بنے۔ مرد سے کسی لمحہ کوئی بری حرکت کوئی برا فعل کوئی اخلاقی کمزوری عورت کے

سامنے نہ آئے۔ ایسے حالات اگر وقوع پذیر ہوں تو مرد یکدم اپنی بالادستی کی اہلیت کھو کر عورت کی نظروں میں گر جاتا ہے اور عورت اس کی سرپرستی اس کی برتری سے منہ موڑتی ہے۔۔۔ رفتہ رفتہ عورت مرد کی گرفت سے نکل کر اپنی مرضی اور منشاء پر چلنے لگتی ہے۔ اگر بچے وغیرہ ہوں تو گھر دو عملی تربیت میں آکر ربط و ضبط کی حدود سے نکل جاتا ہے۔ اور کیفیات آخر الامر اتنی تلخ روی اختیار کر جاتی ہیں کہ گھر میں ہر وقت اختلافات، خودروی اور فساد ہوتے ہیں جس سے گھر کی وحدانیت اور نظام خانگی درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اور گھر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اس مرد اور عورت کے اختلاف کا اثر تمام عیال و بچوں پر اس قدر خراب ہوتا ہے کہ یہ اولاد معاشرے کے لئے زہر ہلاہل بن جاتی ہے۔۔۔ ان حالات کے زیر نظر مرد کو بہت حد تک پاکباز، محتاط، حساس اور محنتی ہونا بہت ضروری ہے۔۔۔ مرد کیلئے تلقین ہے کہ وہ شریعت کی حدود میں رہ کر پاکیزہ روزی مہیا کرے اور اپنی عورت کی ہر جائز ضرورت پورا کرے۔ اپنے عیال کے ساتھ خوش اسلوبی اور سلیقہ شعاری اختیار کرے۔ محنت اور حلال روزی سے اپنے عیال کو پالے۔ شریعت اسلام پر اپنے تمام کنبہ کو زندہ رہنے پر مائل کرے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب مرد برے افعال سے اجتناب کرے۔

عورت مرد کے ساتھ رہ کر۔۔۔ اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھنے کا جذبہ رکھتی ہے۔۔۔ اس کو اپنا انفرادی حق اس حد تک حاصل ہے کہ یہ اپنی انفرادیت قائم رکھ سکتی ہے لہذا گھر کے ماحول میں اس کی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے گھر کا کاروبار چلانے کے لئے اس کو پورا اختیار دیا جائے۔۔۔ کھانا پکانا۔۔۔ کپڑے دھونا۔۔۔ گھر کی صفائی۔ گھر کی زینت اور دیگر گھریلو کاروبار کا انتظام عورت کی مرضی اور صوابدید پر چھوڑا جائے تاکہ کسی موقع پر اسے اپنی محکومیت کا احساس نہ ہو۔۔۔ یہ ضروری ہے کہ عورت کو قریب لانے کے لئے اس کے ہر کام کی حوصلہ افزائی کی جائے اور بہتر کارکردگی کیلئے تعریف کی جائے۔ اسی تعریف سے عورت کی انفرادیت قائم رہتی ہے تو عورت مرد کی خادم بن جاتی ہے وہ مرد کی ہر خواہش، ضرورت کی تکمیل اور کفالت میں محبت، محنت اور دیانتداری سے پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے اور اپنی ضرورتوں پر مرد کی ضرورتوں کو ترجیح دیتی ہے۔ یہ کیفیت عورت کے دل میں مرد کے لئے وسیع محبت اور فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہی ایک جذبہ ہے جو عورت کو مرد کا مطیع بنا کر اس کے ہر حکم کی تعمیل پر آمادہ رکھتا ہے۔ یہی اصول ہے جو اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ مرد کی حاکمیت و سرپرستی کو عورت سے تسلیم کرانے کا بہتر ذریعہ ہے کہ عورت کو یہ یقین دلائے کہ مرد اس کے سوا کسی غیر عورت کی طرف دیکھنا پسند نہیں

کرتا--- یہ ایک ناقابل منسوخ امر ہے--- مرد کو چاہیئے کہ وہ عورت کی محبت کے جواب میں محبت سے جواب دے--- مرد عورت کے ہر کام کی تعریف کرے اور خود اس کے ہر کام میں شریک رہے--- یہ محبت کا تقاضا ہے--- کہ مرد عورت کے کام میں برابر کا شریک ہوتا ہے--- بلکہ عورت کے ذمہ کام خود کرنے لگ جاتا ہے--- عورت کھانا پکائے تو مرد چولہا جلائے--- برتن اکٹھے کرے--- کھانا پکانے میں عورت کا ہاتھ بٹائے صبح نماز کے لئے اٹھے--- خود وضو کے لئے پانی لے--- بلکہ عورت کے لئے بھی پانی لائے۔ سردی کا موسم ہو تو خود تکلیف کرے--- آگ جلائے--- پانی گرم کرے اور عورت کے لئے وضو کی خاطر سہولیات بہم کرے--- اسی طرح باقی گھریلو کام کاج میں عورت کا ساتھ دے--- تو یقیناً عورت مرد پر اپنی جان نثار کرنے پر آمادہ ہوتی ہے--- اس طرح گھر کا ماحول خوش آئند اور پر مسرت بن جاتا ہے--- ایسے مرد و عورت کو کبھی دکھ کا سامنا نہیں ہوتا--- مرد اگر کسی وجہ سے کاروباری حالت میں پست ہو جائے--- تو عورت مرد کی اس مشکل میں نہ اس سے اپنی ضرورتیں طلب کرتی ہے نہ اپنی انفرادیت کا احساس کرتی ہے کہ مرد اس کے تمام حقوق پورے کرے--- بلکہ مرد کے ساتھ صبر و قناعت اختیار کرے اس کی مشکل میں یہاں تک ساتھ دینے پر آمادہ ہو جاتی ہے کہ مرد کی ذمہ داریاں اپنے سر لے کر مرد کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے خود قربانی دینے پر تیار ہو جاتی ہے۔ اور مرد کے حوصلے کو برقرار رکھنے کے لئے اس کی دلجوئی کرتی ہے باوجود فاقہ کے ہر وقت کشادہ چہرہ اور خندہ پیشانی سے مرد کے پیش آتی ہے۔ اس طرح مرد پر مصائب کے احساس میں غم و اندوہ کا بار کم ہو جاتا ہے۔ اس حال میں بھی مرد عورت خوشی خوشی زندگی گذار کر اپنے ماحول کو متاثر نہیں ہونے دیتے۔

اس کے بعد مرد اور عورت کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ مرد عورت سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ جہاں تک خانگی امور کا تعلق ہے۔ بچے ماں باپ کی جز کی حیثیت میں اپنے ماں باپ کے قریب رہتے ہیں۔ بچوں کی ضروریات کا پورا کرنا مرد کا کام ہے۔ قَوّٰامُوْنَ کی حیثیت میں بچے بھی مرد کی زیر نگرانی اور زیر تربیت ہوتے ہیں۔ لہذا بچوں کی صحت مندی، جسم و کردار کی ذمہ داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔ البتہ جہاں تک عورت "ماں" کی پرورش میں بچے کی نشوونما کا تعلق ہے۔ ماں پر بھی بچے کی صحت مندی جسم و کردار کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ ان حالات میں مرد اور عورت کے لئے لازم ہے کہ صحت مند اور پاکیزہ کردار اولاد پیدا کرنے کے لئے بچے کی پیدائش کے بعد بھی اپنا کردار پاکیزہ رکھیں۔ اپنے عقائد، خیالات اور

افعال پاکیزہ رکھیں۔ کیونکہ شیر خوارگی میں بچے کا ذہن (حافظہ) اگرچہ ناپختہ ہوتا ہے لیکن اس کے حافظہ میں ہر اس کیفیت کا عکس جمع ہو جاتا ہے۔ جو کان، آنکھ حس کے ذریعہ دماغ و عقل تک پہنچتا ہے اس حال میں کہ بچے کو ان کیفیتوں کے وجود کا احساس نہیں ہوتا۔ لیکن یہ کیفیات حافظہ میں جمع ہو جاتی ہیں۔ لہذا بچہ فطری عمل کے مطابق اپنے باپ کے وجود میں اس کے کردار کا اثر جز کی حیثیت میں ساتھ لیتا ہے۔۔۔ دوسرے مقام پر ماں کے پیٹ میں۔ باپ کے افعال و اخلاق اور ماں کے افعال و اخلاق۔۔۔ اور غذا کی تاثیر سے متاثر ہوتا ہے۔۔۔ اور تیسرے مقام پر شیر خوارگی سے سن بلوغت تک ماں باپ کے گھریلو ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ان ہی تین مقامات کے تاثرات سے بچے کا کردار تخلیق ہوتا ہے۔ اگر ماں باپ نے بچے کی پرورش میں اس کے کردار کی پاکیزگی کا خیال رکھا اور یہ خواہش کی کہ بچہ پاکیزہ کردار (مومن) پیدا ہو اور آئندہ زندگی میں پاکیزہ کردار ہو تو ضروری ہے کہ وہ خود اپنا پاکیزہ کردار قائم رکھیں۔ اور ہر لحاظ سے فطری آئین و شریعت کے کاملاً پابند رہیں۔ تو بچہ ہر حال میں پاکیزہ کردار اور نیک اور احسن خصائل کا حامل پیدا ہو گا۔ اور جب بچے اچھے اور پاکیزہ ماحول میں پالے جائیں تو یہ ایک گھریلو پاکیزہ معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اس طرح ہر ماں باپ ہر گھر میں ان ہی آداب معاشرت کا لحاظ رکھ کر اپنے کردار کو پاکیزہ رکھیں تو میاں بیوی اور بچوں پر مشتمل ایک کنبہ سے اجتماعی حیثیت میں ایک پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ برعکس اس کے، جب انسان خواہشات نفسانی کے غلبہ سے۔۔۔ فطری قانون۔۔۔ شریعت کی حدوں سے تجاوز کر کے برے افعال کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کی اپنی حیثیت گر جاتی ہے۔ تو پھر وہ نہ تو عورت کے لئے معلم ہو سکتا ہے نہ اس کی اصلاح کر سکتا ہے نہ اس کو مطیع کر سکتا ہے۔ اس طرح عورت ایسے مرد سے اس قدر متاثر ہوتی ہے کہ وہ پاکباز یا صالح نہیں رہ سکتی بلکہ مرد کی اطاعت سے گریز کر کے خود سری اور بغاوت پر اتر آتی ہے۔ عورت ایسے وقت ہی خود کو مرد کی گرفت سے آزاد رکھنا چاہتی ہے تاکہ وہ خلاف فطرت اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل میں آزاد ہو اس "دو جنسی" معاشرہ سے مرد عورت کی اولاد بھی باپ کے نطفہ سے ناقص الوجود۔۔۔ ماں باپ کے ماحول سے۔۔۔ بد کرداری ورثہ میں پا کر ایک برا گھریلو معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔۔۔ ان واقعات سے ظاہر ہے کہ ہر انسان، عورت مرد پر تمام مخلوق ارضی کی صلاح و پاکیزہ کردار ہونے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ایک فرد کی نیکی سے ایک پاکیزہ معاشرہ کی بنیاد اٹھتی ہے۔۔۔ اور ایک بد کردار فرد کی بدی سے تمام انسانی آبادی متاثر ہو کر بدی حاصل کرتی ہے۔ اس لئے ہر انسان کے لئے بحیثیت فرد پاکیزہ کردار

ہونا۔۔۔ قانون فطرت اور شریعت کے احکام کے مطابق عمل کرنا ازحد ضروری ہے ورنہ ہر فرد اجتماعی اعتبار سے تمام معاشرے کی برائی کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔ قرآن نے اسی معاشرتی برائی کے متعلق ایک خصوصی بیان دیا۔

وَقَالَ نُوحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ۝
إِنَّكَ إِن تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝

(پارہ ۲۹ سورۃ ۷۱ آیت ۲۶-۲۷)

اور کہا نوحؑ نے اے رب نہ چھوڑ زندہ زمین پر ان احکام خداوندی کی اطاعت سے انکار کرنے والوں کو۔۔۔ کیونکہ انہوں نے شریعت کی پابندی نہ کی۔ ان کا کردار پاکیزہ نہیں۔۔۔ اور اگر یہ لوگ زمین پر زندہ رہے تو لازمی ہے۔ ان کی نسل سے پاکیزہ کردار پیدا نہ ہوں گے۔ ان کا مجموعی معاشرہ بدی سے پر ہے۔ اس لئے یہ لوگ آئندہ آنے والی نسلوں کی بدکرداری کا سبب بنیں گے۔ اور ان کی نسل سلسلہ در سلسلہ بدکردار اور انکار کرنے والی ہو گی۔ اور ایسے مجموعی معاشرہ میں کسی فرد کیلئے نیک کردار حاصل کرنے کی گنجائش نہیں اس لئے اس قوم کو یکسر تباہ کر کہ اس قوم سے پاکیزہ کردار نسل پیدا ہونے کی امید نہیں۔ ان سے فاجر اور کافر ہی پیدا ہوں گے اور ہوتے رہیں گے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اولاد صالح پیدا کرنے کی ذمہ داری ماں باپ پر عائد ہوتی ہے۔ ماں باپ پاکیزہ کردار ہوں تو ان کے وجود سے پاکیزہ کردار وجود نسل پیدا ہوتا ہے۔ ماں باپ کا کردار بچے کا کردار تعمیر کرنے میں بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اچھے کردار والے والدین کی اولاد۔ بیرونی ماحول سے برا اثر قبول نہیں کرتی اور وہ برے معاشرے کی شر سے بھی محفوظ رہتی ہے۔۔۔ ضروری ہے عبادت و تقویٰ سے اپنی جسمانی و روحانی ساخت کو پاکیزہ رکھو تاکہ تمہارے وجود سے ایک پاکیزہ جز نکلے اور اس پاکیزہ جز سے اس وقت تک پاکیزہ جز نکلتی رہے گی جب تک کہ وہ اپنی ذات کو جسمانی اور روحانی طور پر پاکیزہ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ انسان واحد الشخص ہے۔۔۔ اور کثیر الصفات اس سے مراد۔۔۔ انسان شخص واحد کی حیثیت میں پیدا ہوتا ہے۔۔۔ اور کثیر الصفات میں انسان کی صفت۔ وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا۔ اس سے بے شمار انسان پیدا ہوتے ہیں جس کا ایک عمل۔۔۔ بنیادی عمل۔۔۔ باپ کے عمل پر انحصار رکھتا ہے۔ لہذا ہر انسان کا عمل باپ کا عمل تصور ہوتا ہے۔ یہی کثیر العمل صفت کثیر الصفات کی کیفیت میں ظاہر ہوتی ہے کہ ہر

صفت کو اسی ایک انسان سے نسبت دی جاتی ہے۔۔۔ حضور فرماتے ہیں کہ جہاں تک انسان کے کامل ہونے کا تعلق ہے، بلوغت کے بعد ہر انسان خود اپنے اعمال و افعال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کہ اسے بہتر عقل و شعور۔ ذہن و قلب میسر ہوتا ہے۔۔۔ وہ اپنی فکر اور قوت شعور سے اپنی راہ متعین کر سکتا ہے۔ لہذا ہر انسان بذات خود اپنے افعال نیک اور بد کا ذمہ دار ہے۔۔۔ اس عمل میں اس کا کوئی شریک نہیں۔۔۔ اس عمل میں انسان تنہا ہے۔۔۔ انسان اپنی ایک منفرد زندگی اور عمل رکھتا ہے۔ لہذا انسان کیلئے "یہ تصور غالب ہے" کہ اس نے اپنے مقصد زندگی تسبیح و حمد کو فرد کی حیثیت میں پورا کرنا ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنی انفرادی حیثیت جیسے ابتدا میں تھی اسی تصور پر اپنی زندگی کا مقصد۔۔۔ تسبیح و حمد۔۔۔ اور مشاہدہ ذات الٰہی قائم رکھو اس کے بعد بحیثیت مجموعی۔۔۔ انسانی معاشرہ میں ہر انسان کو اپنا بھائی سمجھ کر حسن سلوک روا رکھو۔۔۔ ہر انسان کی ہمدردی اور مدد کا جذبہ دل میں قائم رکھو۔۔۔ اپنے نفع سے پہلے دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم سمجھو۔۔۔ دوسروں کی بھلائی کے لئے پیش قدمی کرو۔۔۔ یہ ضروری نہیں کہ تمہیں کوئی مدد کے لئے پکارے بلکہ خود تلاش کرو کہ کون ضرورت مند ہے کسی کی مدد کرنے میں بدلہ یا صلہ کی نیت نہیں رکھنی چاہیئے اگر مدد یا ہمدردی کرنے کے ساتھ یہ سوچے کہ جس کی مدد کی گئی اس سے بھی مدد کی توقع رکھی جائے۔ اس صورت میں اللہ کی جانب سے اس کا نیک بدلہ نہ ہو گا۔۔۔ اسی طرح اگر کسی پر کبھی تھوڑی سی خیر کی یا احسان کیا تو اس گمان کو دل میں جگہ ہی نہ دو کہ تم نے خیر کی ہے یا کسی پر احسان کیا ہے ہاں یہ خیال رکھو کہ کسی پر احسان کرنا تمہارا فرض بحیثیت ایک مومن و مسلمان کے ہے۔۔۔ جب بھی تمہیں کسی پر احسان کرنے کی فضیلت نصیب ہو تو کسی اور فرد سے اس احسان کو نہ جتلاؤ۔۔۔ اگر ہو سکے تو احسان کئے ہوئے فرد کو بھی پتہ نہ لگے کہ محسن کون ہے؟۔۔۔ الغرض احسان کرتے ہی اس کو صیغہ راز میں رکھو۔ اس لئے کہ اگر احسان جتلایا گیا تو احسان مند، احساس کمتری کے تحت تمہارے سامنے جھکنے پر مجبور ہو گا بلکہ اس کی "انا" اور ضمیر پست ہو جائے گا۔۔۔ روپیہ، پیسہ کے عوض کسی شخص کی عزت نفس پر زد پڑنا اچھا نہیں۔۔۔ اگر تم پر کوئی احسان کرتا ہے تو احسان فراموش نہ بنو بلکہ اس احسان کو یاد رکھو اور محسن کی ہمیشہ عزت کرو۔ اگر احسان بھول گیا تو یہ کمینہ پن کے مترادف حرکت ہے محسن کی عزت و احترام ہی شکرانہ ہے۔۔۔ یہ کوشش بھی نہ کرو کہ میں احسان کا بدلہ چکا کر ضمیر کی پستی کے احساس سے فارغ ہو جاؤں۔۔۔ بلکہ بار بار اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتے رہو۔۔۔ اس کے احسان کو بار بار دہراؤ اس کی خدمت کرو۔ اس کے احسان کا

تذکرہ دوسروں کے سامنے کرو۔ تاکہ دوسروں کے دلوں میں اس کی عزت واحترام کا جذبہ پیدا ہو۔ کسی شخص کے احسان کا بدلہ دینے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔ نہ یہ کہ محسن کو احسان سے ہی بدلہ دیا جائے۔ اگر یہ نیت ہو کہ محسن کو اس کے کئے کا احسان سے ہی بدلہ دیا جائے تو یہ احسان فراموشی کے مترادف حرکت ہے یا اگر محسن کو اپنے سے پست یا کمتر خیال کیا جائے یہ مکمل طور پر اپنی پست خیالی اور سفلہ حرکت کا مظاہرہ ہے۔

آداب ہمسائیگی

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ اپنے ہمسایہ سے حسن سلوک روا رکھو۔۔۔ ہمسایہ معاشرے کا ایک اہم اور قریبی جز ہے۔۔۔ ہمسایہ کو اپنا قریبی رشتہ دار سمجھو۔۔۔ کہ جیسا تم اپنی ضرورتوں کو پورا کرتے ہو اسی طرح اپنے ہمسایہ کی ضروریات کی تکمیل میں پیش پیش رہو اور اس کا ساتھ دو۔۔۔ اپنی آسائش کی تلاش کے ساتھ ہمسایہ کی آسائشیں مہیا کرنے کی کوشش کرو۔۔۔ ہمسایہ کی فکر رکھو تجسس کرو کہ اس کو کوئی تکلیف تو نہیں اگر ہے تو اس کے رفع کرنے میں پیش قدمی کرو۔ اپنے ہمسایہ کی ہر لحاظ سے عزت کرو۔۔۔ اس لئے کہ یہ ایک متبرک امانت ہے لہذا تم پر لازم ہے کہ اس کے خیر وشر میں برابر کے شریک ہو کر اس کا ساتھ دو۔۔۔ اپنے غریب ہمسایہ کو قرض حسنہ دو۔۔۔ یہاں تک کہ جو خود کھاؤ پہنو اس میں ہمسایہ کو برابر کا شریک کرو۔۔۔ ایسا نہ ہو کہ کسی وقت تم رات کو آسودہ ہو کر سو جاؤ۔۔۔ اور تمہارا ہمسایہ پریشانی کے عالم میں رات بھر جاگتا رہے یہ امر اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک ناپسندیدہ ہے۔۔۔ یہی سلوک معاشرہ کے ہر فرد سے روا رکھنا لازم ہے۔۔۔ کہ معاشرہ کے ہر فرد کے لئے اس سے صحیح راہ پر لانے میں نصیحت کرنا اس میں جدوجہد کرنا۔۔۔ اس کی ضرورتوں کے حصول میں اس کی مدد کرنا۔۔۔ راہ چلتے مسافر کی سفر میں مدد کرنا۔۔۔ دور سے وارد ہوا ہو تو اسے کھانے اور رہائش کے لئے اپنے گھر مہمان رکھنا۔۔۔ یہ اگر منزل کی تلاش میں دقت ہو تو اسے اس کی منزل تلاش کرنے میں ساتھ دے کر اسے منزل تک پہنچانا تاکہ مسافر منزل پر پہنچ کر مطمئن ہو جائے۔ اس امر میں خواہ تمہیں اپنا کام۔۔ یا وقت صرف کرنا پڑے۔ یہ سب امور احسان میں شامل ہیں۔ احسان کرنے والا اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ ہوتا ہے۔ اللہ ایسے شخص پر اس وقت احسان کرتا ہے جب وہ اس کا محتاج ہوتا ہے۔

حضور قبلہ عالم نصیحت فرماتے ہیں کہ ناجائز ذرائع سے حاصل کیا ہوا مال نفع بخش نہیں ہوتا۔ حلال حرام کی تمیز کیا کرو۔ حلال غذا کا آدھا سوکھا لقمہ حرام مال سے پیدا کردہ مرغن غذا

سے زیادہ نفع بخش اور صحت مند اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ ناجائز ذرائع سے حاصل کئے ہوئے مال میں دوسرے انسانوں کا حق غصب کیا ہوتا ہے۔ ایسا شخص جو ناجائز طریقہ سے دوسروں کا حق چھین کر اپنے خزانوں میں جمع کرے جذبہ انسانیت سے خالی ہوتا ہے۔ اس میں ایثار و قربانی اور رحم کا مادہ ختم ہو جاتا ہے، اور انسانی معاشرہ میں شر و فساد کا سبب بن جاتا ہے۔ لہذا لازم ہے کہ کسی طور ناجائز طریقہ پر کوئی شے حاصل نہ کی جائے خواہ وہ ایک دانہ گندم کا ہی کیوں نہ ہو۔

یہ حقیقت ہے کہ جائز ذریعہ میں بظاہر نفع کم ملتا ہے لیکن یہ نفع بابرکت پائیدار اور خیر کا ضامن ہوتا ہے۔۔۔ انسان سمجھے کہ حق پر چلنے میں تکلیفیں ہو سکتی ہیں مگر یہ تکلیفیں مستقل نہیں ہوتیں۔ ایسے مصائب جو حق کے لئے پیش آئیں ان پر صبر کرنا مانند جہاد ہے۔۔۔ ان آزمائشوں پر صبر کرنے میں دائمی خوشی اور رضائے الٰہی کی بشارت ملتی ہے۔ ایک طرف انسان میں صبر و قناعت سے عزم و استقلال پختہ ہو جاتا ہے۔ دوسرے انسان کسی مشکل وقت میں اضطراب و پریشانی کا شکار نہیں رہتا۔ وہ اس حال میں پرسکون اور مطمئن رہتا ہے۔ اس میں قوی توکل کی عادت پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ پر قوی توکل کرنا۔۔۔ اللہ کو مائل بہ کرم کرنا ہے۔ جو شخص اللہ پر توکل کرے جیسا کہ لائق ہو۔۔۔ تو اللہ اس بندے کی ہر حاجت پوری کر دیتا ہے۔ اس طرح انسان اللہ کی رضا حاصل کرتا ہے۔

اس حقیقت سے انسان فراموشی اختیار نہ کرے، کہ انسان کسی فرقہ قبیلہ مذہب سے تعلق رکھتا ہو، مشرق میں رہتا ہو یا مغرب میں، ہر انسان کیلئے اللہ اور اس کی کتاب اور رسول کو ہر حال میں تسلیم کرنا فرض و لازم ہے۔۔۔ انسانی اعتبار سے ہر انسان پر اللہ کی غلامی (عبدیت) تسلیم کرنا لازمی ہے۔ اور غلامی کے بعد اللہ اور رسول کے احکام سننا اور قبول کرنا لازمی ہے۔ انسانی پیدائش میں ہر زمانہ میں۔۔۔ انسانی معاشرہ خراب ہوتا رہا۔۔۔ تو اس وقت ایک رسول، ایک کتاب، اصلاح انسانی کے لئے آتے رہے۔ یہ کائنات ارضی کی فطری عادت ہے کہ انسانی معاشرہ کی اصلاح کے لئے ایک رسول، ایک کتاب آنا مقرر رہا۔۔۔ اور آخری زمانہ میں جب کائنات ارضی پر مشرق سے مغرب تک انسانی معاشرہ برائیوں اور بدحالیوں سے پر ہو چکا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اصلاح انسانی کے لئے ایک جامع کتاب۔۔۔ قرآن۔۔۔ اور رحمۃ للعلمین رسول ﷺ اصلاح کائنات کے لئے بھیجا، جنہوں نے اپنی مقدس زندگی میں ایک عالمگیر ضابطہ اصلاح و ہدایت پیش کیا۔ یہ ضابطہ ہر زمانہ میں ہر انسان کی اصلاح کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔۔۔ یہ اصول و ضابطہ ہر زمانہ میں۔۔۔ قیامت

تک ہر انسان کو علمائے امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کے ذریعہ میسر آ سکے گا۔ جن اصولوں پر چلنے سے دنیا پر ایک پاکیزہ معاشرہ قائم ہو سکتا ہے بغیر اس ضابطہ رسول ﷺ کے کسی محقق، کسی سائنسدان، کسی عدلیہ کے سربراہ، یا کسی لیڈر کا اصلاحی ضابطہ انسانی معاشرہ کو پاکیزہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔۔۔ لہذا لازم ہے کہ ہر انسان انفرادی حیثیت میں قرآن و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اولی الامر اولیائے امت کے اصلاحی احکام پر عمل پیرا ہو کر ایک اجتماعی معاشرہ پیدا کرے تاکہ دنیا میں انسان اضطراب و پریشانی کی حالت سے نکل کر پرسکون زندگی حاصل کر سکے۔

آداب دوستی

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آداب دوستی میں فرماتے ہیں کہ دوست کا مقام خونی رشتہ سے بھی قریب ہوتا ہے۔ اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار رضی اللہ عنھم سے ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابعین کو "اصحاب" سمجھ کر پکارا اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غار ثور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عزیز ساتھی (صاحب) سے کہا۔ نہ غم کریں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تابعین کو "صاحب" سمجھ کر پکارا۔۔۔

اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ فَبِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اهْتَدَيْتُمْ (رَوَاهُ رَزِيْنٌ)

میرے اصحاب دوست مانند ستاروں کے ہیں ان کی اقتدا کرو۔ان سے راہنمائی حاصل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی و رسول کو صاحب کے خطاب سے ارشاد کرتا ہے۔۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ نہیں غلط راہ پر تمہارا دوست۔۔۔ ظاہر ہوا۔۔۔ دوست میں صاحب کی صفت پائی جاتی ہے اور اس صفت میں خصوصیت ہے۔ لہذا دوستی کرو۔۔۔ تو صحابہ جیسی۔۔۔ بلاشبہ والدین اور اولاد کی محبت ہر شے کی محبت پر مقدم ہے۔ مگر محض رضائے الٰہی۔۔۔ رضائے رسول ﷺ کیلئے دوستی، ماں باپ اور اولاد کی محبت پر فوقیت رکھتی ہے۔۔۔ معلوم ہوا، دوستی بغیر خالص محبت کے قائم نہیں ہو سکتی۔۔۔ کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنھم نے اطاعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کی معاونت میں۔ ماں باپ، اولاد، رشتہ داروں کی محبت رضائے الٰہی رضائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر کے ہی "صاحب" کا خطاب پایا۔۔۔ لہذا لازم ہوا کہ دوست کیلئے محبت کو خالصتاً وقف کر دو۔۔۔ محبت قربانی کا تقاضا کرتی ہے۔۔۔ اس لئے دوست کی خاطر اپنی ہر شے کی قربانی دینا لازمی

ہے--- ایسے مقام پر دوست اپنے عزیز و اقارب سے زیادہ قریب ہو جاتا ہے--- جس کے سامنے اپنے قریبی راز بھی چھپائے نہیں جا سکتے--- کیونکہ دوست ہر مہم--- ہر مشکل میں ساتھ دینے والا ہوتا ہے۔ تمہارے دوست کو تم پر مکمل بھروسہ و اعتماد ہوتا ہے--- لہذا دوست سے وہی بات کرو جو تمہارے دل میں ہو--- دوست سے سچ بات کہو وہ تم پر بھروسہ رکھتا ہے کہ میرا دوست مجھ سے سچ بات کہہ رہا ہے--- ورنہ دل میں اور--- زبان پر اور--- یہ حرکت منافقت میں شمار ہوتی ہے--- دوست دوست کے درمیان منافقت شدید گناہ تصور ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا--- تم اپنے دوست سے سچ بات کہو کیونکہ تمہارا دوست تم پر اعتماد رکھتے ہوئے یہ سمجھتا ہے کہ میرا دوست سچ بات کہہ رہا ہے۔ غلط بات کہنے سے بے اعتمادی اور شکوک کو دل میں پیدا ہونے کا موقع ملتا ہے--- جو ایک دوسرے میں نفرت کا سبب بنتا ہے---

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں اپنے ملنے والے دوست کو اس کا صحیح مقام دو پھر جو کچھ تم اپنے لئے پسند کرتے ہو--- وہی اپنے دوست کے لئے پسند کرو--- تم یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارا دوست تمہاری غیبت میں تمہاری عیب جوئی کرے--- تمہیں دھوکہ دے--- مشکل وقت میں تمہارا ساتھ چھوڑ دے۔ تمہاری مدد نہ کرے--- تمہارا احسان بھول جائے--- تم سے اظہار محبت نہ کرے--- یہاں تک کہ تم سے اپنا راز چھپائے۔ تو تم اس فعل کو برا سمجھو--- ایسا ہی تمہارے فعل سے تمہارا دوست برا محسوس کرے گا۔ یہ امر آپس میں نفرت و غیریت کا سبب بن جاتا ہے--- حضور قبلہ عالم اس بات کو پسند نہ فرماتے کہ کوئی مرید کسی دوسرے مرید کی شکایت کرے--- آپ شکایت کرنے والے کو تنبیہہ فرماتے کہ ہمارے سامنے کسی دوسرے مرید کی شکایت نہ کی جائے بلکہ باہم دوستوں میں ایک دوسرے کو شکایت کا موقع نہ دیا جائے۔ نہ کسی کی خامیوں پر نکتہ چینی کی جائے--- بجائے اس کے دیانت و خوش دلی سے ایک دوسرے کو حق کی راہ پر ڈالنے میں مدد کی جائے۔

حضور قبلہ عالم آداب دوستی کے بنیادی فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہر انسان، ابن آدم--- ایک ہی باپ کی اولاد ہے--- انسان خواہ مشرق کا ہو یا مغرب کا، وہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہو--- کسی انسان کا وجود، بغیر آدم کی نسل کے خارجی پیدائش سے نہیں لہذا انسان فطری طور پر ایک دوسرے کا بھائی ہے۔ کوئی بھائی اپنے بھائی کی برائی یا نقصان پر خوش نہیں ہوتا--- بلکہ یہی چاہتا ہے کہ میرا بھائی ہر برائی سے محفوظ، بھلائی و

خیر کا حامل ہو یہ انسان کے فطری جذبہ (خونی رشتہ) کا اثر ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیر خواہ رہتا ہے یہی خونی رشتہ ازل سے ابن آدم میں چلا آتا ہے--- حالات زمانہ کے مطابق--- جغرافیائی حیثیت، انسان کے ایک دوسرے سے مشرق و مغرب کی دوری--- بھائی چارے کے اس تعلق میں فرق پیدا نہیں کر سکتی--- سوائے اس کے انتقال مکانی میں مسافت کی دوری یا زمانہ کی طوالت میں ماضی و حال کا بُعد--- انسان کو ایک دوسرے سے ناآشنا کر دیتا ہے۔ انسان ماضی کے تعلق کو بھول جاتا ہے۔ اور جب مشرق کا انسان مغرب کے انسان کے قریب ہو جاتا ہے تو ابن آدم کی حیثیت میں وہ رشتہ میں ایک دوسرے کے حقیقی بھائی ہوتے ہیں لیکن مستقل تعلق نہ ہونے کی بناء پر وہ ایک "موہوم" غیریت کا احساس رکھتے ہیں--- تو ایک بھائی دوسرے بھائی کو "دوست" سمجھ کر پکارتا ہے--- گویا دوست کا خطاب دراصل ایک بھائی کو دوسرے بھائی سے--- محبت و ہمدردی کے اس جذبہ کو ابھارنے کا ایک اہم ذریعہ ہے جو ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے رشتہ میں فطری طور "نسلی" اعتبار سے ورثہ میں ملا ہے--- دوستی کا تصور اس اخوت کے جذبہ کو اور اہم بنا دیتا ہے۔ ورنہ انسان--- انسان میں غیریت کا تصور پایا جانا--- غیر فطری عمل ہے۔

حضور فرماتے ہیں آداب دوستی میں ایک دوست کے لئے یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اپنے دوست کی ہر مشکل اپنے سر لے کر اسے مامون کرے--- یہاں تک کہ اپنے دوست کیلئے اپنی جان کی قربانی پیش کرنے میں دریغ نہ کرے--- یہ مقام--- آداب، دوستی میں اعلےٰ و ارفع ہے۔ ہاں اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ کے تصور کے ساتھ دوستی محض حصول رضائے الٰہی و رضائے رسول کے لئے خاص ہو تو ایسا جذبہ شریعت و طریقت کی اصل روح تصور کیا جاتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے خطاب میں اسی جذبہ حب کے تصور کو ایمان کی کاملیت کا اصل ذریعہ قرار دیا ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

کے خطاب میں حب کو اصل ایمان قرار دیا گیا ہے، اسی حب کی اکملیت پر تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحاب (دوست) کا خطاب ملا--- پھر فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ مومن نہیں جو اپنے دوست سے محبت نہ کرے--- جو چیز اپنے لئے پسند کرے وہی دوست کے لئے پسند کرے--- ظاہر ہوا--- شریعت و طریقت میں اپنے ہم مشرب سے دوستی و یگانگت میں--- دوستی میں--- ایک دوسرے کے لئے قربانی--- بھلائی کا جذبہ قائم رکھنا--- حقیقی عمل ہے۔

حضور فرماتے ہیں دوست اور مرید (طالب حق) میں ایک ہی تصور پایا جاتا ہے مرید--- مرید کا دوست[ل] کہلاتا ہے۔ لہذا--- مرید--- اپنے دوست سے خاص محبت قائم کرے اس حال میں کہ اس نسبت سے ماں باپ عزیز و اقربا سے زیادہ دوست کو قریب سمجھا جائے--- دوست کے لئے لازم ہے کہ اپنی ذاتی منفعت پر دوست کے نفع کو مقدم سمجھے--- اپنی ضرورت پوری کرنے کے ساتھ دوست کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھے۔ دوست غریب ہو تو اس کی غربت اور مشکلات میں برابر کا شریک ہو۔ دوست کی مشکلات دور کرنے میں اپنی خدمت وقف کر دے--- تاوقتیکہ دوست آسودہ حال ہو جائے دوست کی امداد میں کوئی شے--- جنس یا روپیہ قرض نہیں دیا جاتا بلکہ یہ امر دوست کے فرائض میں ہے کہ وہ دوست کی ہر ضرورت بلامعاوضہ، بلا بدل پوری کرے۔ دوست کو قرض حسنہ دینے میں واپس ادائیگی کا خیال نہیں رکھا جاتا--- خیال رکھو--- باطن میں حصول مراتب میں بھی دوست کی ترقی مراتب کا جذبہ اپنے ساتھ رکھو--- دوست، دوست میں فرق مراتب کا تصور جائز نہیں۔ دوست امیر ہو یا اعلیٰ ہو، اپنے غریب یا ادنیٰ حیثیت کے دوست کو اپنے دوست کے مقابلہ میں احساس کمتری محسوس نہ ہو--- ایک جگہ بیٹھو بلکہ خلوص نیت سے اپنے دوست کو اونچا مقام دو۔ کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے میں یکسانیت کا جذبہ قائم رکھو۔ یہی وہ جذبہ

[ل] ایسے واقعات دیکھنے میں آئے۔ ان واقعات میں ایک واقعہ کا ذکر بیان کرنا مثالی ہے۔ محمد حنیف صاحب کے گھر غلام قادر لون صاحب نوکر کی حیثیت میں کام کرتے تھے جب غلام قادر حضور قبلہ عالم سے بیعت ہوئے تو ڈاکٹر عبدالحفیظ صاحب غلام قادر سے بحیثیت پیر بھائی پیش آتے۔ پھر غلام قادر کو گھر کا ایک فرد سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ متعدد بار غلام قادر ڈاکٹر صاحب سے برابری میں حجت بھی کرتے۔ جیسے ایک بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ توقع اور یکسانیت کی بنا پر جھگڑتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کبھی خیال تک نہ کیا کہ غلام قادر ہمارا ملازم ہے بلکہ بعض اوقات غلام قادر کی سرزنش اور شدید غضب کے آگے جھک جاتے۔ یہی حال گھر کے تمام افراد والدہ، ہمشیرہ کا تھا۔ کہ وہ لوگ غلام قادر کی کسی حرکت کو ملازم کے تصور میں محسوس نہ کرتے۔ الغرض غلام قادر گھر کا عزیز اور باوقار فرد خیال ہوتا تھا۔ گھر کے سب افراد اس کی خوشامد کرتے تھے اور اس حسن سلوک اور احسن برتاؤ نے غلام قادر کے دل میں احساس کمتری کو جگہ نہ دی۔

ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور آپ کے غلام کے کردار میں نمایاں اور ظاہر ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت عمرؓ "یاسیدی" کہہ کر مخاطب ہوتے۔ یہ آداب مریدی، آداب دوستی کے حقیقی مظاہرے ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے کردار سے صاف واضح ہوتا ہے۔ یہ کردار آداب دوستی ہی سے مظہر ہے۔ کیونکہ تابعین کو اسی عمل کی نسبت سے صحابہ کا خطاب دیا گیا۔ دوسری طرف حضور قبلہ عالم بھی اسوہ حسنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اپنے تابعین (مریدوں) سے دوستوں جیسا سلوک روا رکھتے تھے۔ اپنے مریدوں کے درمیان کبھی پیری مریدی کا سلوک روا نہ رکھا۔۔۔ باوجود ولی اکمل ہونے کے آپ اپنے مریدوں میں برابری (یکسانیت) کی حیثیت میں اٹھتے بیٹھتے، کھاتے، چلتے پھرتے اور باہم گفتگو فرماتے۔ اس حال میں کہ کوئی غیر شخص ان میں پیری مریدی کا مظاہرہ نہ پا سکتا۔۔۔ حضور اسوہ حسنہ کے مطابق اپنے مریدوں میں صَاحِبُکُمْ کا مثالی نمونہ تھے۔۔۔ حضور قبلہ عالم آداب مہمانداری میں آداب دوستی کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب ایک دوست کے گھر بحیثیت مہمان جاؤ تو اس کی حیثیت کا خیال رکھو۔ دوست اگر مالی حالت میں کمزور ہے تو اکثر اس کے حالات سے باخبر رہنے کیلئے اس کے گھر جاؤ اور رازدارانہ انداز میں اس کی حالت کا مکمل طور جائزہ لو مگر ایسا مہمان نہ بنو کہ دوست بجائے آپ کی مدد اور رفاقت کے مصیبت کا شکار ہو۔۔۔ لہذا ضروری ہے جب بھی دوست کے ہاں جاؤ تو اپنے ساتھ تحائف لے جاؤ۔ تحائف ایسے ہوں جو ایک طرف اس کی خانگی ضروریات میں معاون ہوں۔ دوسری طرف اسے آپ کی مہمانداری میں زیادہ بوجھ برداشت نہ کرنا پڑے۔۔۔ کھانے کی اشیاء، بچوں کے لئے کارآمد اور پسندیدہ اشیاء۔۔۔ نقدی وغیرہ ضرور اپنے دوست کو پیش کئے جائیں۔۔۔ مہمانداری میں دوست جو کچھ ماحضر پیش کرے قبول کرے۔ انسانی اخلاق کا تقاضا ہے کہ طبیعت کو تکلفات کا عادی نہ رکھا جائے۔۔۔ جس شخص نے جو کچھ پیش کیا طبیعت اس کو ہر حال میں قبول کرے۔ اس میں کراہت یا نفرت پیدا نہ ہو۔ لہذا دوست جو کچھ بھی پیش کرے اسے خندہ پیشانی سے قبول کرے۔ اس حال میں کہ دوست کو یہ محسوس نہ ہو کہ اس کی کوئی چیز مہمان دوست کو پسند نہیں۔۔۔ لازم ہے کہ اپنے میزبان دوست کے گھر زیادہ دیر قیام نہ کیا جائے، تاکہ اسے اپنی حالت کے مدنظر بجائے اظہار محبت کے ذہنی الجھن اور طبیعت کی گرانی کا شکار ہونا پڑے۔ لازم ہے کہ دوران مہمان داری اپنے دوست کے خارجی حالات سے آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ مبادا کہ اس پر مشکلات وارد ہوں۔ جس کے لئے تمہاری مدد کی ضرورت ہو۔۔۔ اس لئے آداب میزبانی میں بھی اولاً مہمانوں کے لئے لازم ہے کہ

دوست کے ہاں مناسب وقت پر جائیں تا کہ اس کو دوست کے بے وقت نازل ہونے پر اس کی خدمت کرنے میں یا اس کے لیے کھانا فراہم کرنے میں وقت یا مشکل کا سامنا نہ ہو یا پریشانی نہ ہو۔ ایسی صورت میں دوست، دوست کی آمد ایک زحمت سمجھ کر، نفرت و الجھن کا شکار ہو جاتا ہے۔ بہتر ہے کہ دوست کے گھر ایسے مناسب وقت پر جانا چاہیئے۔ جب وہ آسانی سے مہمانداری کے لوازمات مہیا کر سکے۔۔۔ ہاں اگر دوست بے وقت مہمان ہوا تو اس کی آمد پر دل تنگ نہ کرو بلکہ خندہ پیشانی سے خوش آمدید کہو خلوص کے اظہار میں بناوٹ نہیں پائی جانی چاہیئے۔ دوست ۔کے لئے اپنے گھر کے دروازے ہمیشہ کھلے رکھو۔۔۔ جانو۔۔۔ دوست بحیثیت مہمان، میزباں کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کا اختیار ساقط ہو جاتا ہے۔۔۔ میزبان، مہمان کو جو کچھ پیش کرے وہی کچھ وہ قبول کرے گا۔ جہاں بیٹھائے وہیں بیٹھے گا۔ مہمان میزبان پر اپنی پسند کے مطابق فرمائش نہیں کر سکتا۔ اس لئے لازم ہے کہ میزبان اپنے دوست مہمان کی طبیعت کو پہچان کر اس کی طبیعت کے موافق خوراک، رہائش آرام مہیا کرے۔۔۔ تا کہ کسی وقت دوست کو جسمانی یا ذہنی الجھن کا شکار نہ ہونا پڑے اور دوست کے لئے جو خوشی لایا ہے۔ وہ بدمزگی کی نذر نہ ہو جائے۔ لازم ہے۔ دوست۔۔۔ دوست کے پاس ازراہ محبت آتا ہے۔ لہذا دوست اپنا وقت دوست کی قربت و صحبت میں گذارے اور اپنے خانگی کاروبار کو وقتی طور پر ملتوی کر دے۔۔۔ دوست اپنے دوست کی خود خدمت گذاری میں پیش پیش رہے۔ کسی بچے یا ملازم کو خدمت کے لئے مامور نہ کرے۔ مہمان کے خود ہاتھ دھلائے کھانے میں خود بھی شریک ہو کر ایک ہی دستر خوان پر کھانا کھائے۔ اور اگر ہم مشرب اور عزیز دوست ہو تو اپنے بیوی بچوں کو کھانے میں شریک کر کے، ایک دستر خوان پر کھانا کھائے۔۔۔ زیادہ دیر قیام کی صورت میں میزبان اپنے دوست کے کپڑے دھونے۔ تبدیل کرنے اور غسل کا انتظام کرے۔۔۔ ہاں ا۔ مہمانداری، میزبانی حق دوست کے زمرہ میں آتی ہے۔ لہذا دوست کی ہر طرح پر خلوص خدمت کی جائے جس میں محبت اور آشتی کا جذبہ کار فرما ہو۔

حضور فرماتے ہیں اگر چہ دوست قریب از جان ہوتا ہے۔ تاہم انسان ضعیف ہے اس میں کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں جو دوسروں پر ظاہر ہوں تو اس کی "انا" پر حرف آتا ہے۔ اس لئے دوست کے اندرون کا کھوج لگانے کی کوشش نہ کرو۔۔۔ جب تک کہ وہ خود تم پر اپنا راز افشا نہ کرے۔ باوجود قربت کے دوست کے گھر جا کر۔۔۔ دروازہ پر دستک دیجئے پھر اندر داخل ہوں ورنہ کبھی دوست اس حال میں ہو سکتا ہے جو تمہارے لئے موزوں نہیں۔ اس طرح

بغیر اجازت اندر داخل ہونے سے قدرتی طور پر نفرت پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ دوستوں میں باہم ایک دوسرے کی مرضی کے مطابق تعلقات کا استوار ہونا۔ قربانی، محبت، ہمدردی اور دیرپا دوستی کا سبب بنتا ہے--- آداب دوستی میں اصول و ضوابط کا خیال رکھنا، باہم محبت و یگانگت، ہمدردی، قربانی کا بہتر ذریعہ ہیں۔ اگر بحیثیت مجموعی ہر شخص کے ساتھ برادرانہ--- دوستانہ تعلق میں بہتر سلوک روا رکھا جائے تو دنیا میں کوئی کسی کا نہ دشمن ہو سکتا ہے نہ کوئی زبردست کمزور پر بالادستی قائم رکھ سکتا ہے--- جانو--- حسن سلوک سے کوئی تمہاری عدم موجودگی میں عیب جوئی نہ کرے گا۔ بلکہ تعریف ہی کرے گا۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں بھی تمہاری محبت و عزت قائم ہو گی۔ ہر شخص خلوص نیت سے تمہاری خدمت و مدد پر آمادہ ہو گا۔ اس طرح تمہیں دین و دنیا میں بلند مقام حاصل ہو گا۔ تم نے ہر شخص سے خلوص نیت سے محبت کی تو ہر شخص تمہارا دوست بنے گا اور تمہارا دوست تمہارا ہر حال میں مددگار معاون بنے گا جس سے راہ حق میں باہم مل کر قدم بڑھانے سے حق کی منزلیں طے کرنا آسان ہوں گی--- جانو سب سے بہتر اور افضل دوست اولی الامر--- ولی اکمل--- ولی اکمل کی نسبت و صحبت ہے۔ جو تمہارا دوست کہلاتا ہے--- سب سے بہتر اس ہستی سے حب اور وفا لازم ہے۔ یہی دوستی تمہاری امن و سلامتی اور کامرانی کی ضامن ہو سکتی ہے۔

آداب شریعت

حضور قبلہ عالم آداب شریعت میں فرماتے ہیں--- شریعت اصلاح نفس کا ایک ضابطہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش کیا گیا--- حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش پر اللہ تعالیٰ نے انہیں علم دیا۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ہم نے آدم کو تمام اسرار الٰہی کا مشاہدہ دیا اور اپنی معرفت دی۔ یہ مقام۔ وہبی۔ (اپنی طرف سے بلامنت) اور اعزازی تھا۔ ان ہی مشاہدات کے تصور میں آدم نے ایک حیرت پائی--- اس نے حقیقت کو پا کر ایک قلبی جذبہ پایا--- یہی پہچان--- اور اسی قلبی پہچان کا تاثر--- آدم کی عبادت قرار پائی کہ اس نے خالق و مخلوق کی حقیقی کیفیت کا مشاہدہ کیا--- عبد اور معبود کی حقیقت پہچانی۔ یہی کیفیت "حمد" سے تعبیر ہوئی اور اس حمد سے دلی جذبات میں نکلے ہوئے الفاظ--- تسبیح سے تعبیر ہیں۔

فرد--- پیدائش کے ساتھ اسرار الہیٰ، معرفت الہیٰ--- خبر پانے والا--- خبر دینے والا--- نبی پیدا ہوا[1]--- یہ اس پاک فرد کی پیدائشی صفت و خصوصیت تھی--- اسی مشاہدہ کے ذریعہ سے اس شخصیت نے "ھدیٰ" ہدایت--- اصلاحی احکام دئے۔ ان اصلاحی احکام کے روحانی طور وحی ہونے کی وجہ سے اسے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا گیا۔ یہی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اس--- بے علم--- گمراہ قوم کو ہدایت پیش کرتا ہے--- ہدایت میں میرے احکام پڑھ کر سناتا ہے--- اور پھر یہ ضروری ہے--- کہ رسول کی شخصیت مسلم ہو--- کہ

---

[1] حضور قبلہ عالم نے۔ آدابِ انسانیت میں۔ خلیفہ و نبی کی صفت کے متعلق تفصیلا بیان پیش کیا--- کہ حضرت آدمؑ کی پیدائش کے ساتھ قرآن نے اپنے دانستہ بیان میں۔ خلیفہ کے تصور میں۔ حضرت آدمؑ کا عَلَّمَ اٰدَمَ اور فَلَمَّآ اَنۡبَاَهُمۡ میں نبی کا مخصوص تصور دیا۔ کہ زمین پر پیدا ہونے والا ہر انسان حضرت آدمؑ سے لیکر قیامت کے ہر فرد تک۔ بحیثیت خلیفہ و نبی پیدا ہوگا---- لہٰذا قرآن کے اس تاریخی بیان کی روشنی میں فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کے بیان سے ہر انسان، نسلِ آدم، ذریت کا پیدائشی طور نبی ہونا ثابت ہو جاتا ہے---- جبکہ قرآن خود اس امر کی نشاندہی کرتا ہے۔ اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا کہ زمین پر یہ انسان فساد و خونریزی کرے گا۔ اس بیان سے ثابت ہے کہ اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً کا اشارہ تمام مخلوق انسانی کی طرف ہے۔ اور یہ ظاہر ہے فِی الۡاَرۡضِ زمین پر انسان سے فساد و خونریزی کا تجدید مظاہرہ ہر زمانہ میں ہوتا رہا۔ تو اس وقت بھی ایک مخصوص ہستی کے لیے "نبی" کی صفت بیان کی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ باقی مخلوق انسانی "نبی" کی صفت میں شامل نہیں۔ یہ تصور بالکل درست اور حقیقی ہے کہ ایک مخصوص ہستی کے بحیثیت "نبی"--- مبعوث ہونے پر باقی مخلوق کے لیے نبی ہونے کا تصور سامنے نہیں آتا۔ تو اس کا تاریخی پس منظر یہ ہے کہ فی الحقیقت قرآن کے بیان کے مطابق جیسا اللہ تعالیٰ کے ارادۂ ازلی میں زمین کی ہر پیدائش کو بحیثیت خلیفہ--- "نبی"--- پیدا کرنا ایک حقیقت ہے۔ لیکن اس صفت کے لیے ایک شرط لازم رکھی گئی کہ حقیقتاً تخلیقِ انسانی کے ازلی منصوبہ کے مطابق انسان خلیفہ ہی پیدا ہوتا ہے۔ یعنی انسانی مرکب کے اعتبار سے انسانی جسم خاک سے بنا اس میں ایک روح--- روح حیوانی ہے۔ جو زندگی قائم رکھتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لوگ اسی شخصیت سے متاثر ہوں۔۔۔ اس کی دو صورتیں ہوں گی ایک اس کی ہدایت الہیٰ کے مطابق عملی زندگی کا کردار۔۔۔ دوسرا رسول کی عامی زندگی کا حسن کردار کہ عام انسان اس کی زندگی کے حسن کردار سے متاثر ہو۔۔۔ یہ رسول کے اعمال و افعال اور اسکا ذاتی کردار ہو گا۔۔۔ جو اصول فطرت کے تابع احسن ہو گا۔۔۔ یہ حسن اخلاق ہے۔۔۔ یہ اسوہ حسنہ ہے جس سے لوگ فطری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔۔۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ لوگ اس رسول کے کردار پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۴)

اس کے علاوہ۔ فَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ نوری روح اس میں ودیعت کی گئی۔ اسی روح سے انسان ملائکہ سے افضل قرار دیا گیا۔ اس روح کی خصوصیت ۔۔۔ زندہ رکھنے کے لیے نہیں۔ بلکہ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کی خصوصیت پر ہے کہ انسانی پیدائش کے ساتھ ہی ہر حال میں انسان کو مشاہدہ اسرار و اسماء کا دیا جاتا ہے۔ اسی مشاہدۂ اسماء کی بنا پر ہر انسان خلیفہ و نبی کی صفت میں آ جاتا ہے۔ یہی علم و خبر اولادِ آدم کو دیا گیا۔ لہٰذا اولاد آدم میں ہر انسان "نبی" کی صفت سے پیدا ہوا ۔۔۔ زمانہ گزرنے کے بعد جب اولادِ آدم نے حصول دنیا کی حرص و ہوس میں مشغول ہو کر فساد و خونریزی شروع کی تو اس شرط کے مطابق لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ جس انسان نے عبادات و تزکیہ سے اپنی روحانی جسمانی پاکیزگی کو قائم رکھا اس کی صفتِ نبوت (مشاہدہ اسماء) قائم رہتی ہے۔ وہ بحیثیت انسان "نبی"۔ کہلاتا ہے۔ اور جس کے اوصاف قائم نہ رہے وہ حیوان کہلاتا ہے۔ ایسا انسان "نبی" ہونے کے باوجود صفتِ نبوت سے متصف نہیں ہوتا۔ اس مقام پہ قرآن نے ایک مخصوص و منتخب ہستی کا "نبی" کی صورت میں تصور پیش کیا۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یعنی ایک زمانہ میں جب انسان صفتِ نبوت سے محروم ہوا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک انسانی فرد کو مخلوقِ انسانی کی اصلاح و ہدایت کے لیے منتخب (مصطفیٰ) کیا۔ جو اپنے مخصوص انداز میں تخلیقِ انسانی کے منصوبہ کے تحت "نبی" پیدا ہوا۔ اور اس کی صفتِ نبوت قائم رہی۔ تو یہ صفت نبوت۔ وہی صفت ہے جس صفت پہ ہر انسان پیدا ہو کر "نبی" کہلاتا ہے۔ یعنی ایسی ہستی کا "نبی" کہلانا کسی خاص صفت کے تحت نہیں بلکہ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً کے تخلیقی منصوبہ کے تحت پیدائشی خلیفہ ہونا ہے کہ مثل ہر انسان اس انسان کو۔ اس کی روح رحمانی کے ذریعہ عِلْم

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کی عزت و تکریم کریں گے۔۔۔ عزت و تکریم کا خاصا۔۔۔ انسانی قلب میں ایسے شخص کیلئے محبت و احترام کا جذبہ پیدا ہونا یقینی ہے۔۔۔ عزت و احترام اور محبت کا ہی خاصا ہے کہ اس کے کلام کو سنا جاتا ہے۔۔۔ اس کے حکم کی تعمیل کی جاتی ہے۔۔۔ اس کے کلام کو مبنی برحق سمجھ کر۔۔۔ اسے امین و صادق تسلیم کیا جاتا ہے۔۔۔ یہ حقیقی صفت ہے۔۔۔ کلام الہیٰ۔۔۔ احکام الہیٰ کو تسلیم کرنے۔۔۔ اور ان پر عمل کرنے کی اس صفت پر کلام

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۵)

الْاَسْمَآءِ کا مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد' فساد و خونریزی کرنے والوں میں یہ صفت باقی نہیں رہتی۔ برعکس اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انسان کو منتخب کرنے کی صورت میں ایسے انسان کی صفتِ نبوت محفوظ رہتی ہے۔ اس پیدائش خصوصیت پر یہ انسان "نبی" کہلاتا ہے۔ البتہ آیت قرآنی کی رو سے۔ اس منتخب نبی کی خصوصیتِ نبوت کا باقی رہنا' یا نبی کہلانا۔ اس خصوصیت کے تابع ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی ہستی کو ہدایت و اصلاح انسانی کے لیے منتخب کرنے کی خصوصیت پر "رسول"۔ کی صفت کے ساتھ مبعوث (مقرر) کرتا ہے۔اس مقام پر "نبی" کا تصور بجائے عام مخلوقِ انسانی کے صرف ایک ہستی کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔ یہاں جملہ مخلوقِ انسانی کے افراد۔ اور مخصوص "نبی" کے مابین ایک فرق محسوس ہوتا ہے۔ کہ "نبی" کی صفت۔ خبر پانا (عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ) اور خبر دینا۔ (فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ) سے مکمل ہوتی ہے۔ اولادِ آدم میں بعض عالم کی حیثیت سے۔ دونوں صفات کے حامل۔ خبر پانے والا اور خبر دینے والا کامل ہوتے ہیں اور بعض متعلم کی حیثیت میں صرف خبر پانے والے ہوتے ہیں۔ خبر دینے والے نہیں۔ اس اعتبار سے عام مخلوق کے مقابلہ میں "نبی" خبر پانے والے۔ خبر دینے والے کو عام انسانوں پر فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ یہی خصوصیت ایک فساد و خونریزی کرنے والی قوم میں جبکہ ان میں ہر انسان نبی کی حیثیت سے پیدا ہوا۔ مگر فساد و خونریزی کی وجہ سے مثل حیوان ہوگیا۔ تو ایسے وقت میں ایک منتخب و مخصوص ہستی کو ہی "نبی" تصور کیا جاتا ہے۔ اور اسی ہستی کو باقی مخلوق پر فضیلت ملتی ہے کہ یہ ہستی "خبر پانے والا" و "خبر دینے والا" ہوتی ہے۔ اس وجہ سے کہ اس ہستی کو مقام رسالت عطا ہوتا ہے۔ جو عام انسانوں کو عطا نہیں ہوتا۔ لہٰذا عام انسانوں کے مقابلہ میں اس ہستی کو "نبی" ہونے کی خصوصیت اور رسول ہونے کی خصوصیت سے ایک منفرد تصور اور مقام ملتا ہے۔ یہاں یہ

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

الہیٰ--- احکام الہیٰ کے نفاذ کا انحصار ہے بغیر اس صفت کے کلام الہیٰ احکام الہیٰ کا نفاذ قطعی ممکن نہیں--- اس خصوصیت کے ہوتے ہوئے رسول کیلئے دعویٰ نبوت کرنا لازمی تھا کہ میری شخصیت تقاضا کرتی ہے کہ میں من جانب اللہ ماسور ہوں--- اور میں اسرار الہیٰ--- معرفت الہیٰ کا مشاہدہ کرنے والا--- خبر پانے والا--- اور تمہیں خبر دینے والا ہوں کہ ہر انسان کو بحیثیت خلیفہ پیدا کیا--- جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ ہر شخص--- ہر انسان--- ہر بشر--- بحیثیت خلیفہ پیدا کیا جانا---

---

(بقیہ حاشیہ صت ۴۷۶)

تصور قائم رکھنا ضروری ہے۔ کہ اس ہستی کے لیے "نبی" کا تصور۔ اور علم۔ وہی ہے جو خلیفہ کے تصور میں ہر انسان کے لیے نبی کی صورت میں قرآن نے پیش کیا۔ صرف زمانہ کے حالات کے مطابق۔ جب مخلوق انسانی میں صفتِ نبوت باقی نہیں رہتی۔ تو ایک ہستی کو "نبی" سمجھا جاتا ہے۔ اور اس نبی کو وہی علمِ نبوت۔ اَلْاَسْمَآءَ کا علم دیا جاتا ہے۔ جو آدم ۔ اور اولادِ آدم کو اس کی پیدائش کے ساتھ دیا جاتا ہے۔ اور انتخاب کی خصوصیت میں۔ اس ہستی کو رسول منتخب کرنے میں۔ علمِ نبوت کی خصوصیت نہیں۔ بلکہ براہ راست اللہ کی طرف سے۔ یا ملائکہ کے توسط سے احکامِ ہدایت (کتاب) دیئے جانے سے رسول تصور کیا جاتا ہے۔ گویا۔ نبوت و رسالت کے دو علیٰحدہ تصورات، اور صفات ہیں جو ایک منتخب رسول کے لیے مخصوص ہوتے ہیں۔

اس بیان سے یہ واضح ہے۔ کہ قرآنی بیان کی روشنی میں جب تک زمین (فِی الْاَرْضِ) میں انسان پیدا ہوگا۔ خلیفہ و نبی کی حیثیت سے پیدا ہوگا۔ اس لیے یہ مقام نبوت۔ "نبی" کا تصور انسانی پیدائش میں قیامت تک جاری رہے گا۔ اس کے بعد مخلوقِ انسانی میں فساد و خونریزی کے موقع پر ایک انسانی فرد کے مخصوص و منتخب ہونے پر "نبی" کا تصور پیدائشی تصور ہے۔ اس کے علاوہ۔ اس فرد کی خصوصیت میں عام مخلوقِ انسانی میں "نبی" کی صفت سے پکارے جانے کے ساتھ رسول کی خصوصیت پر ہے۔ کہ جب تک مخلوقِ انسانی میں فساد و خونریزی رونما ہوگی۔ قیامت تک ایسے ہی نبی و رسول کا مبعوث ہونا، لازم ہوگا۔ چنانچہ اس الہی منصوبہ کے تحت گزشتہ زمانوں میں۔ انہیں تصورات "نبی" - "رسول" کے ساتھ ظہور ہوا۔ جن میں، نوح، لوط، یونس، ابراہیم اسحاق و اسمٰعیل علیہم السلام کا ظہور ہوا۔ کہ ہر نبی پیدائشی نبی تھا۔ ان کی خصوصیت صرف مخلوق

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

منشائے الہیٰ کے مطابق مقرر ہے--- کہ اس کی پیدائش کے ساتھ--- اس کی روح رحمانی کو مشاہدہ اسرار الہیٰ و معرفت الہیٰ دیا جاتا ہے لیکن اس کے ماں باپ اس کو مجوسی۔ نصرانی۔ یہودی بناتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ خود پاکیزہ روح و جسم نہیں رکھتے لہذا ان کی اولاد کو بھی پاکیزہ روح و جسم میسر نہیں ہوتا اس لئے وہ خصوصیت علمی سے بے خبر ہو جاتے ہیں وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۔ اس وجہ سے وہ حقیقت سے منکر گمراہی کی حالت میں سرگرداں ہیں۔ اب وعدہ الہیٰ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری اصلاح نفس کیلئے بھیجا--- میری طرف آؤ میری اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ خالق اور معبود ہے اس کی معرفت و تسبیح انسان پر واجب ہے--- ہاں میں نبی ہوں--- اس کے لئے مجھے معجزات بھی عطا کئے گئے ہیں جو معجزات میری نبوت کی دلیل ہیں ان ہی خصوصیات کے ساتھ ایک رسول کو اصلاح انسانی کیلئے مبعوث کیا جاتا ہے--- رسول کی حیثیت میں وہ آیات الہیٰ لوگوں کو سناتا ہے۔ جب رسول

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۷)

انسانی کی ہدایت کے لیے بحیثیتِ رسول ہوتا تھی۔ چنانچہ اس نبوت و رسالت کا تمتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ حضرت عیسیٰ کے بعد بھی مخلوقِ انسانی میں ایک عالمگیر فساد و خونریزی پیدا ہوئی۔ جس کی اصلاح کے لیے ایک آخری "رسول" حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا۔ جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقِ انسانی کی ہدایت و اصلاح کے لیے مبعوث کیا۔ آپ کی ذات کو تمام عالم کی "ہدایت" - "اصلاح" کے لیے مبعوث کیا گیا۔ لیکن اس عمل میں "نبی" کا تصور شامل نہیں۔ بلکہ رسول کا۔ چونکہ آپؐ کی ذات تمام عالم کے لیے منتخب کی گئی۔ اس حال میں کہ آپؐ پر وحی شدہ احکام تمام مخلوقِ انسانی کے لیے کافی ہیں کہ اس کے بعد مخلوق انسانی کو کسی رسول کی ضرورت نہ رہے گی۔ البتہ ایک تصور "نبی" قیامت تک باقی رہے گا۔ جس میں بحیثیتِ رسول مبعوث ہونے والے "نبی" کی نہ ضرورت رہے گی۔ نہ اس کا انتخاب اور نہ تصور باقی رہے گا کہ کسی نبی کا بحیثیت رسول انتخاب ہو لیکن اس مقام پر "نبی" کا تصور۔ رسول کی صفت کے ساتھ مشترک نہیں۔ بلکہ اس نبوت کا تصور' پیدائشی تصور کے ساتھ ہے۔ جس صفت پر ہر انسان پیدا ہوتا ہے۔ البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علماءِ امت کا ظہور لازمی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بعد ایک طویل زمانہ باقی ہوگا جس کی اصلاح کی ضرورت باقی رہے گی۔

کی نبوت لوگ قبول کرتے ہیں اس کی اتباع اور اطاعت کرتے ہیں تو رسول انسان کو مشاہدہ دینے کیلئے (یُزَکِّیْہِمْ) اس کا تزکیہ کرتا ہے--- اس کی دو صورتیں ہیں--- ایک جن افعال و اعمال سے انسان کی روح و جسم کثیف ہو کر مشاہدہ سے محروم ہو ان کی اصلاح کرتا ہے--- انسان کو دینوی حیثیت میں پاکیزہ اخلاق سے آراستہ کرتا ہے کہ سچ بولو۔ کم نہ تولو۔ زائد حصول کی جستجو میں ناجائز طور پر مال و دولت جمع نہ کرو۔ دوسروں سے حسد، بغض، کینہ، دشمنی نہ رکھو۔ احسان کا جذبہ پیدا کرو۔ اپنے مقابلہ میں دوسروں کی ضرورت پوری کرنے کا جذبہ اختیار کرو۔ صبر و قناعت اختیار کرو--- اور جب انسان نے رسول کی شخصیت کو عزت واحترام اور محبت کے جذبہ کے ساتھ تسلیم کر لیا تو اس کے لئے آسان ہو گا کہ وہ رسول کے قول کو تسلیم کرے اور اس پر عمل کرے۔ اس قول و عمل میں ہدایت (ھُدٰی) کے احکام پر ہی انسان کی اصلاح کی جاتی ہے۔ یا رسول جن افعال کو ذاتی طور پر برا سمجھے ان سے منع کرے اور جن باتوں میں بھلائی، نیکی ہو ان کی تلقین کرے۔ تو یہی ضابطہ شریعت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد جب انسان کا اخلاق سنور گیا تو یُزَکِّیْہِمْ کا روحانی عمل شروع ہوتا ہے کہ رسول صفت نبوت کے مطابق ایک تابع پر روحانی توجہ ڈالتا ہے۔ جس سے اس کی جسمانی اور روحانی کثافت دور ہو کر مشاہدہ حاصل ہوتا ہے تو اسی مشاہدہ سے کتاب اللہ میں مندرج متشابہات اور پوشیدہ اسرار انسان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔ جس سے انسان کا ایمان و یقین کامل ہو جاتا ہے کہ کتاب اللہ کے آثار کا علم الیقین، عین الیقین، اور حق الیقین کے ساتھ آگاہی پا کر۔ خالق و مخلوق۔ معبود و عبد کی حقیقت پہچان کر قلبی جذبہ کے ساتھ اللہ کی تسبیح و حمد کر کے حقیقی مقام خلافت پاتا ہے۔ جس سے اس کے مقاصد زندگی کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں--- دنیا کا کوئی ذی روح--- کوئی بشر ایسا نہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولوالعزم شخصیت کا قائل نہ ہو جب کہ کائنات پر آپ ﷺ کی شخصیت محقق و مسلم ہو سوائے اس کے انسان اپنی خواہشات نفسانی کی تکمیل میں۔ لذتِ نفس کے زیر اثر، باطل خواہشات پوری کرنے میں دیدہ دانستہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدسی شخصیت سے انکار کرے۔ ہاں! یہ اس کا ذاتی فعل ہو گا جس کی بناء پر کوئی انسان بلا دلیل، بلاوجہ، ضد، انکار پر قائم رہے ورنہ آپ کی شخصیت کو دنیا کا کوئی فرعون، کوئی محقق، کوئی موجد، کوئی فلسفی تسلیم نہ کرنے کا جواز پیدا کر سکتا ہے۔ نہ اس کے لئے انکار کی گنجائش ہو سکتی ہے--- سوائے اس کے کہ یہ ضروری ہو گا کہ علماء امت حضور ﷺ کی حقیقی

شخصیت تسلیم کرنے کے لئے خود اپنے کردار اور عمل صالح سے نمونہ پیش کریں اور لوگوں تک حقیقی علم اس کی ظاہری اور باطنی صفات کے ساتھ پیش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تسلیم نہ کریں یا اس پر عمل پیرا نہ ہوں۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ دین الہیٰ شریعت الہیٰ کے اجراء کے لئے علماء امت کو حضور ﷺ کا کامل نمونہ بن کر پیش ہونا ضروری ہے۔ بغیر کامل نمونہ کے لوگوں کے سامنے پیش ہونا عالم امت ہونے کا کوئی شخص نہ مجاز ہوسکتا ہے نہ دعویٰ کر سکتا ہے۔ نہ اس وصف کے بغیر دائرہ اسلام میں داخل ہوسکتا ہے۔

حضورؒ فرماتے ہیں! اللہ، رسول، کتاب، مکمل طور تسلیم کرنا، اسلام ہے اور یہی اسلام کی صحیح تعبیر ہے۔ لیکن اس وقت تک اسلام کامل نہیں جب تک پیش از پیش، رسول کو تسلیم نہ کیا جائے۔ لہذا اولاً رسول کو تسلیم کرنا شرط ہے۔ کیونکہ اللہ و کتاب کو رسول کی شخصیت پر بلا دلیل تسلیم کیا جاتا ہے۔ رسول ہی اللہ و رسول کے تسلیم کی ضمانت بنتا ہے۔ بغیر رسول کے تسلیم کے اسلام کامل نہیں۔

اور اسلام کے بعد احکام الہیٰ پر عمل--- اور رسول کی اتباع و اطاعت میں مشاہدہ حقیقت یا حقیقت (متشابہات) کا تسلیم ایمان سے تعبیر ہے۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۴)

یہ گنوار لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ ایسا نہیں یہ ایمان کے درجے میں داخل نہیں لیکن یہ کہو کہ ہم نے اللہ و رسول اور کتاب کو تسلیم کیا اور جب تک تم رسول کی اتباع میں--- تزکیہ--- اصلاح نفس سے مشاہدہ حقیقت حاصل کر کے جذبہ قلبی کے ساتھ تسبیح و حمد پا کر دنیا، جان و مال، اولاد ہر شے قربان کر کے اللہ اور رسول کی محبت میں کامل نہ ہو، تم صاحب ایمان کہلا نہیں سکتے۔ ابھی تو تم نے اللہ اور رسول کی عزت و محبت کا مظاہرہ کیا ہی نہیں، ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہوا ہی نہیں لہذا ظاہر ہوا کہ ایمان عمل سے نہیں بلکہ قلبی رقت و جذبہ سے وابستہ ہے۔

حضورؒ نے فرمایا کہ ایمان حاصل کرنے کی صورت یہ ہے کہ اسلام کے رکن اول کو دل سے تسلیم کرنا کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تسلیم کرتا ہوں کہ آپ امین و صادق ہیں آپ

فرماتے ہیں کہ اللہ کی ذات معبود ہے لہذا میں اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کے حکم کے مطابق حضور ﷺ کی شخصیت کو دلیل لے کر تسلیم کرتا ہوں۔ بلاشبہ اللہ کی ذات معبود و خالق ہے۔ اس حال میں کہ آپ کی صداقت پر اپنی شہادت کو مستحکم کرتا ہوں--- گویا میں خود اللہ کو دیکھ کر شہادت دیتا ہوں خالق و معبود ہونے کی صورت میں--- میں اس کا عبد--- غلام ہوں۔ مجھ پر اس کے ہر حکم کی تعمیل واجب ہے۔ میں اسے حاضر و ناظر جانتا ہوں۔ اس حال میں کہ وہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ ہے۔ صاحب عزت و احترام ہے۔ اس کی عزت و احترام مجھ پر واجب ہے۔ یہ ایک اہم تصور اس شہادت کا ہے کہ اس ذات کو عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ ظاہر حالت پر اور پوشیدہ حالت پر حاضر و ناظر حیثیت میں تسلیم کیا جائے بالکل یقین کامل کے ساتھ اور جب اس کے عزت و جلال کا تصور قائم رکھو اور جب تم اپنے برے اعمال عام انسانوں سے پوشیدہ رکھ کر شرم و حیا محسوس کرتے ہو کہ یہ میرے گناہوں سے واقف نہ ہوں تاکہ میں لوگوں کی نظر میں ذلیل ورذیل نہ سمجھا جاؤں، تو اس واجب العزت ہستی کے سامنے کیسے جرات ہو سکتی ہے کہ اس کی موجودگی میں گناہ کا مرتکب ہوں۔ جب کہ میرے پوشیدہ افعال و اعمال سے اللہ واقف ہے۔ یہ حیا کا مقام ہے اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ حیا و شرم ایمان کے بغیر نہیں لہذا اللہ کے آگے حیا کے جذبہ کو قائم اور مستحکم کرو کہ تمہیں اندرون خانہ--- پوشیدگی میں جب کہ تمہارے برے اعمال لوگوں سے پوشیدہ ہیں لیکن اللہ انہیں دیکھ رہا ہے--- تمہارا یہ احساس قوی ہو جائے کہ اس واجب العزت ہستی کے سامنے گناہ سرزد ہونا--- اس ذات کی بے عزتی کے برابر ہے تو اس ذات کی بے عزتی سے بڑھ کر اور کون سا گناہ ہو سکتا ہے تو حیا تمہیں پوشیدہ حالت میں گناہ سے باز رکھنے کا موجب بنے گی۔ یہ حیا کا جذبہ کیسے مستحکم ہو--- تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا---

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ (رواہ مسلم)

عبادت اس طرح کرو جیسے تو اللہ کو دیکھتا ہے تم نماز اس حالت میں ادا کرو کہ تم اللہ کو دیکھتے ہو۔ اگر یہ صورت ممکن نہیں تو خیال کرو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ نماز اس تصور کو پختہ کرنے کا بہترین ذریعہ ہے کہ تم بار بار تصور کرو کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے اور جب تم اس کے عزت و جلال کا جذبہ و تصور اس نماز میں شامل کرو تو تم پر خشوع و خضوع کی کیفیت طاری ہو گی۔ تمہاری نماز میں انہماک اور اس کے جلال کی ہیبت تمہارے دل پر طاری ہو گی۔ یہی ہیبت خداوندی کا تاثر حیا پیدا ہونے کا اصل ذریعہ ہے--- ضرورت ہے کہ تم عقل و خرد کے ساتھ اس تصور کو قائم کرو--- تو تمہارے قلب پر رقت طاری ہو گی۔ یہ

علامت پاکیزگی قلب و روح اور کامل ایمان کی علامت ہے تو پھر یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان پوشیدہ حالت میں بھی گناہ کی طرف مائل ہو۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدس سے اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا اور فرمایا:۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ (پارہ ۲۱ سورۃ ۲۹ آیت ۴۵)

نماز میں جب تم أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی شہادت کے ساتھ اسے نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ میں انسان کی سانس کی نالی (جو قلب سے متعلق ہے) سے بھی زیادہ قریب ہوں۔۔۔ تصور کرو۔۔۔ اور اس کی عظمت و جلال کو قلب پر طاری کرو تو پھر یقینی طور یہ نماز کا عمل فحش و انکار کی شر سے محفوظ رکھنے والا ثابت ہو گا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ

جب تم نماز میں داخل ہو تو تم ذات الٰہی کے سامنے عبد و غلام کی حیثیت میں پیش ہو اور خشوع و خضوع میں اس کے عزت و جلال کی تجلی تمہارے قلب پر طاری ہو۔۔۔ بلاشبہ یہی ذریعہ یہی راستہ حقیقی معرفت الٰہی کا ہے۔۔۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔ قرآن مجید کے اصلاحی احکام میں اَلصَّلٰوةُ۔ تزکیہ نفس۔۔۔ پاکیزگی جسم و روح۔۔۔ یکسوئی و انہماک اور نزول تجلی الٰہی اور معرفت حقیقی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہے۔۔۔ اسی وجہ سے قرآن میں باقی احکام کے مقابلہ میں اَلصَّلٰوةَ۔ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا بار بار ذکر آیا۔۔۔ کہ یہ عمل حصول معرفت میں تزکیہ نفس اور مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفت الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔۔۔ حضور صلی علیہ وسلم کا بھی پسندیدہ عمل الصلوٰۃ ہی تھا۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ نماز ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ اس ٹھنڈک کو وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جن کے قلوب عشق الٰہی اور عشق رسول ﷺ کی لذت سے آشنا ہوں ورنہ ٹھنڈک کسی بے ادب کے لئے اس کی جسمانی حرارت کو منجمد کرنے کا سبب بنتی ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں محبت الٰہی تب تک میسر نہیں ہوتی جب تک محبت رسول صلے اللہ علیہ وسلم قلب پر موجزن نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتّٰى أَكُوْنَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ أَجْمَعِيْنَ

نہیں مومن ہو سکتا۔۔۔ نہیں کسی شخص کے قلب میں ایمان کی حلاوت قائم ہو سکتی۔۔۔ جب تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ماں باپ اپنی اولاد اور ہر شے مطلوب سے زیادہ محبت نہ رکھی جائے۔ ظاہر ہوا کہ ایمان کا حصول اور محبت الٰہی کا جذبہ حاصل ہونے میں محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولیت کا درجہ حاصل ہے کہ محبت رسول اللہ کے

بغیر نہ ایمان کامل حاصل ہو سکتا ہے نہ محبت الہیٰ سینہ میں جگہ پا سکتی ہے کیونکہ حصول معرفت میں حصول رضاءِ الہیٰ حصول ایمان و اسلام ہیں، حصول ہدایت ہیں، جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و راہنمائی حاصل نہ ہو انسان ہر عمل اور حصول میں ناکام اور نامراد رہے گا۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی حصول مقصود کا سبب ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع و حب ہر شے کے حصول سے مقدم ٹھہری اور جانیں۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کے قرآنی حکم پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ۔ جس نے جان بوجھ کر بلاوجہ نماز ترک کی اس نے گویا نماز ادا کرنے سے انکار کیا ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ (جو رسول تمہیں دے یا کہے اسے قبول کرو) میں رسول اللہ کا حکم جاری ہونا شامل ہے۔ جس نے نماز ادا نہ کی، گویا اس نے یہ نیت کر لی کہ "جاؤ میں نہیں مانتا" یہ انکار کائنات میں سب سے بڑا جرم ناقابل معافی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی عزت و عظمت ماننے سے انکار کر دیا نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ ۔۔ ایسا کیوں ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔

نماز دین و شریعت کا ستون ہے۔ جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی گویا اس نے دین کی عمارت کو منہدم کر ڈالا۔۔۔ یہ نہایت افسوسناک مقام ہے۔۔۔ تاریخ شاہد ہے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے تابعین نے اس دین کی عمارت کو تعمیر کرنے میں کس قدر مصائب اور تکالیف اٹھائیں۔۔۔ نماز کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گلوئے مقدس میں پھندا ڈالا گیا۔۔۔ آپ پر اوجھڑیاں پھینکی گئیں۔ جہاد میں جب صحابہ نے باجماعت نماز ادا کی تو دشمنوں نے موقع پا کر حملہ کر کے کئی مجاہدین دین کو شہید کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز کی حالت میں شہید کر دیا گیا اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو نماز کی طرف جاتے شہید کر دیا گیا۔ حضرت حسین علیہ السلام کو بھی نماز میں شہید کر دیا گیا۔۔۔ کیا یہ نماز رکوع و سجود تھی یا اور کچھ؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی دین کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے طائف میں مظالم کا شکار ہوئے۔ آپ کے جسم مقدس سے خون اتنا بہایا گیا کہ نعلین مبارک خون اطہر سے تر ہو گئیں۔ آپ کے تابعین نے خود اسی دین کی خاطر اپنے ہاتھوں اپنے باپوں، اپنے فرزندوں اور اپنے عزیزوں کو قربان کر دیا۔۔۔ اب بھی یہی دین ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کے دعویدار عمداً و قصداً ترک صلوٰۃ سے منہدم کر رہے ہیں۔ دشمن کی برائی اتنی تکلیف دہ نہیں جتنی دوست کی بے وفائی افسوسناک

ہوتی ہے۔ امتی ہونے کے دعوے کے بعد حضور صلعم اور صحابہ کی قربانی کو خاطر میں نہ لاکر دشمنی کرنا حد درجہ افسوناک ہوتا ہے۔ کائنات میں اس سے بڑھ کر ظلم اور بے وفائی کا تصور ہی نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تارک الصلوٰۃ دوست سے سرزد ہوتی ہے--- جو دوست بن کر آپ سے دشمنی کرتا ہے ایسے شخص کیلئے دنیا و آخرت میں سوائے ذلت ورسوائی کے کسی رحم یا شفقت کا خیال رکھنا بالکل لاحاصل ہے۔ لہٰذا ہر حال میں نماز قائم رکھنا امت محمدی ﷺ کیلئے لازم اور واجب ہے--- جب کہ نماز ہی دین کی اصل ہے--- نماز ہی انسان کے لئے باعث نجات آخرت اور فلاح دین و دنیا کی ضامن ہو سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی نماز کو انسانی فلاح و کامرانی کا سبب قرار دیا۔ وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ نماز و صبر سے اللہ سے مدد مانگو--- نماز کافر اور مومن میں فرق کرنے والی کسوٹی ہے۔ بغیر ادائے نماز انسان دائرہ اسلام سے خارج ہے--- فَقَدْ كَفَرَ یعنی نماز مومن اور کافر میں فرق کرنے والی ہے---

اَلصَّلٰوة کیا ہے؟--- قرآن نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی۔ ہر قوم کو اَلصَّلٰوة کا حکم دیا۔ اس اَلصَّلٰوة کو قیام وقعود، رکوع وسجود۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ--- وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا کی ہیئت میں پیش کیا گیا--- کسی نبی نے قیام کی شکل میں نماز ادا کی، کسی نبی نے رکوع کی شکل میں نماز ادا کی، کسی نبی نے سجود کی شکل میں نماز ادا کی، کسی نبی نے قعود و تحیت میں نماز ادا کی، حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو ان تمام انبیاء کی نماز کا مرکب و مجموعہ دیا گیا--- یا یوں کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارکان نماز کا کامل مجموعہ دیا گیا اور باقی انبیاء کو جزوی حیثیت میں اسی نماز کے ارکان میں سے اجزائے نماز دیئے گئے۔ اس حیثیت میں حضور ﷺ کی امت کے لئے تمام انبیاء کی نماز سے افضل نماز عطا کی گئی--- جس میں قیام--- رکوع۔ سجود--- تحیت تمام ارکان کو یکجا کیا گیا۔ ہاں نماز درحقیقت قیام، رکوع، سجود کا عملی اور ظاہری مظاہرہ ہے۔ بغیر ان ارکان کی ادائیگی کے نماز--- نماز نہیں کہلا سکتی اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی ارکان سے نماز ادا کی اور ان ہی کی ہدایت فرمائی ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کس کو معرفت الٰہی، وصال الٰہی انہماک و استغراق خشوع و خضوع حاصل ہو سکتا ہے! لیکن ان صفات کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کو پورے ارکان کے ساتھ ادا کر کے امت کو ایک نمونہ دیا--- کچھ نام نہاد صوفیاء نماز کا ایک مبالغہ آمیز نظریہ پیش کرتے ہیں کہ انسان کو حضوریئے حق میں وصال الٰہی میسر آئے تو نماز صرف حضوریِ حق حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جب حضوریِ حق حاصل ہو تو نماز کی ضرورت نہیں رہتی--- اصل نماز--- یا نماز کی روح وصال الٰہی ہے--- وصال الٰہی

حاصل ہو تو نماز کی حاجت نہیں رہتی مگر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کی طرف توجہ نہیں کرتے کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ نماز حضوری حق۔۔۔ وصال الٰہیٰ حاصل کرنے میں سیڑھی۔۔۔ زینہ کا کام دیتی ہے۔ قرآن کریم نے بارہا الصلوٰۃ کا تذکرہ کرکے اس کی اہمیت ظاہر فرمائی۔ تَقَرَّبُوْا اِلَی اللّٰہِ کا واحد ذریعہ الصلوٰۃ ہے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔

عاشقانِ خدا تو ہر وقت نماز کی سعی میں لگے رہتے ہیں۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام کی جبین مبارک پر کثرت سجود سے گٹھلی پیدا ہو چکی تھی سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ اللہ تبارک تعالیٰ نے بھی ان کی تعریف فرمائی۔

صوفیائے کرام کی نماز کے بارے میں حضرت روی فرماتے ہیں۔

پنج وقت آمد نماز اے رہنمون

عاشقان ہم فی الصلوٰۃ دائمون

یعنی عاشق دائمی نماز ادا کرتے ہیں۔ وہ ایک نماز ادا کرنے کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھے رہتے ہیں اور عوام تو ایک نماز پڑھنے کے بعد غافل ہو جاتے ہیں۔ مگر عاشق الصلوٰۃ کے انتظار میں دائمی نماز کا ثواب حاصل کر لیتے ہیں۔ نماز، تو معراج مومن ہے۔ وہ خشوع و خضوع سے نماز ادا کر کے تقرب الی اللہ حاصل کرتا ہے جس میں اس کو مشاہدہ انوار الٰہیٰ حاصل ہو جاتا ہے کچھ لوگ تو الٰہیٰ انوار میں محو ہو جاتے ہیں لیکن دوسرا مومن وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ کے حکم کے تحت دیگر امور میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اس شہود کا مشاہدہ دائماً نہیں رکھ سکتا کہ اسے امور دینوی میں بھی مشغول رہنا پڑتا ہے۔۔۔ ایسی صورت میں جب کہ اس کے قلب و ذہن پر دینوی فکر کا غلبہ رہتا ہے۔ دن میں پانچ بار اسے اس حال میں حضوری حاصل کرنے کا حکم دیا گیا کہ تم امور دینوی کے مشاغل میں اپنی قوت مشاہدہ۔۔۔ استغراق۔۔۔ کو نماز کے ذریعہ جلا دو تاکہ تمہارا قلب و ذہن۔۔۔ ہمہ وقت۔۔۔ محویت و استغراق کا عادی رہے ورنہ انسان کی۔۔۔ سفلی۔۔۔ جسمانی۔۔۔ خاصیت کا تقاضا ہے کہ اگر اس نے نماز سے علاوہ ایسی مشاہدہ اور محویت کی قوت کو محض رات کے اندھیرے تک مختصر کر دیا۔۔۔ تو لازم ہے حصول دنیا کی فکر میں تمہاری مشاہداتی قوت پر شہوانی غلبہ طاری ہونے کا احتمال ہوگا کہ نفس امارہ انسان کی زندگی تک۔۔۔ زندہ رہتا ہے اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْٓءِ۔ اس کی خاصیت ہر لمحہ ظلمت کی طرف زور دینے کی ہے۔۔۔ لہذا تمہیں ہر لمحہ اس کی زد سے بچنے کے لئے پاکیزگی جسم کو برقرار رکھنے کے لئے دن کی دنیوی مصروفیت میں۔۔۔ کم از کم پانچ بار۔۔۔ محویت اور استغراق کی عادت کو قائم رکھنے کے لئے ۔۔ نماز۔۔۔ از حد

ہوتا بلکہ جذبات قلبی کے زیر اثر ان پر تجلیات کا کسی آن نزول ہوتا ہے۔۔۔ ان پر جذب طاری ہوتا ہے اور پھر جذب سے فارغ ہو جاتے ہیں۔ ایسے شخص کے لیے تاوقتیکہ ان پر جذبی کیفیت میں سکر طاری ہو اس پر نماز لازم نہیں۔ لیکن اتباع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اگر جذب کی حالت میں نماز کا وقت آیا اور قضا ہو گئی تو اس پر وہ نمازیں جو جذب کی حالت میں قضا ہوئیں۔۔۔ ادا کرنا فرض ہیں۔۔۔ بصورت دیگر عدم ادائیگی نماز پر وہ قابل مواخذہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن ولی صاحب خرد ہوتا ہے صاحب علم ہوتا ہے۔ وہ اپنے فرائض جانتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے۔۔۔ اور جو شخص کسی آن تجلیات الہیٰ کے نزول پر جذب میں داخل نہ ہو۔۔۔ اگرچہ اسے فنا و بقائے الہیٰ میسر ہے۔ غیر سکر کی حالت میں اس پر نماز ادا کرنا ہر حال میں واجب ہے۔ وہ کسی طرح بھی نماز کی ادائیگی سے فارغ نہیں رہ سکتا کیونکہ اس کے لئے نماز سے اصلاح نفس کی ہر لحہ ضرورت باقی رہتی ہے۔

یہ امر قابل فکر ہے کہ ہر اس شخص کو جو تزکیہ جسمانی، روحانی پر عامل ہو اس سے مافوق الفطرت۔ مافوق العقل کمالات و کرامات کا صدور ہوتا ہے۔ یہ انسانی تخلیق کا فطری خاصہ ہے کہ پاکیزہ روح کی حالت میں انسان سے کرامات کا صدور ہوتا ہے۔۔۔ ان کمالات کا ناری قوت۔۔۔ روح حیوانی سے صدور ہوتا ہے۔۔۔ روح رحمانی کا کرامات سے تعلق نہیں اگرچہ نورانی حیثیت میں اس روح سے بھی کرامات کا اظہار ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن قدرت نے اس روح کو محض مشاہدہ ملکوتی، جبروتی، لاہوتی اور معرفت ذات الہیٰ کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ اس لئے ولی اکثر حالتوں میں سوائے مشاہدہ اسرار معرفت الہیٰ اس روح کو کرامات کے لئے استعمال نہیں کرتا۔

بلکہ نہیں کر سکتا۔۔۔ تاوقتیکہ اسے محویت کا مقام حاصل نہ ہو۔۔۔ ناسوتی کرامات کا روح حیوانی سے صدور۔ بلاتمیز اتباع شریعت ہر انسان سے ہو سکتا ہے۔ اس میں صرف فاقہ رات جاگنا یا کسی انسان میں پیدائشی طور روح حیوانی کا قوی و پاکیزہ رہنا۔۔۔ بغیر اتباع شریعت بغیر پابندی عبادت قوت کرامات پیدا ہوتی ہے یہاں تک کہ نشہ آور اشیاء مثلاً چرس، بھنگ، شراب سے بھی قوت مشاہدہ پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ نشہ آور اشیاء سے عقل پر سکر طاری ہو جاتا ہے اور شعور برسر عمل ہو جاتا ہے۔ شعور دراصل روح حیوانی کا مخزن ہوتا ہے۔ اس لئے نشہ کی حالت میں شعور خود مشاہدہ کرتا ہے۔ اس مشاہدہ میں ناسوتی عالم کی کیفیات کا۔ چونکہ عالم ناسوت کی کیفیات بھی ناری ہیں۔ ان میں زمین میں مدفون خزانے، قبروں کے احوال، دل کی باتوں کا علم اور زمین پر واقع ہونے والی واردات کا مشاہدہ شامل

ہے۔ اس شخص کا عمل ولایت میں شامل نہیں۔

واضح ہو کہ انبیاءِ سابقین کو اجراء شریعت میں جو معجزات "وہبی طور" عطا ہوئے ان میں معجزہ سلیمانی "ہوائیں اڑنا" حشرات الارض کے کلام سننا معجزہ داؤدی "لوہا موم ہونا" معجزہ موسوی "عصا اور ید بیضا" معجزہ عیسوی "بیماروں کا اچھا کرنا" پانی پر چلنا، مردہ زندہ کرنا، غیب کی باتیں بتانا، یہ معجزات محض ان کی نبوت کے لئے پیش کئے گئے کہ انسان ان کے مافوق العقل کمالات سے ان کی جسمانی، روحانی پاکیزگی اور روحانی رابطہ کی دلیل پاسکے کہ یہ ہستیاں مافوق الفطرت کمالات کی حامل و مامور من جانب اللہ ہیں۔ یہ کمال مامور من جانب اللہ شخصیت کیلئے بطور دلیل پیش کیا گیا۔۔۔ کہ ان کی شخصیت مسلم ہو اور لوگ ان کی اتباع میں وحی و شریعت پر عامل ہو کر راہ حق حاصل کریں۔ کمالات انسانی شخصیت کی برتری تسلیم کرنے کے لئے پیش کئے گئے۔۔۔ جن کا اثر۔۔۔ کرامات اور مشاہدات تھے۔۔۔ اور ہر زمانہ میں انبیاء نے ایسے ہی کمالات کا مظاہرہ کیا۔۔۔ سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ لیکن گذشتہ زمانوں کے منتقل شدہ تصورات پر ہی یہود و نصاریٰ نے گذشتہ نبیوں جیسے معجزات کا مطالبہ کیا کہ چاند کے ٹکڑے کر کے دکھائیں۔ مٹھی میں چھپائی ہوئی کنکریوں کا بولنا۔۔۔ قیامت کا حال بتائیں۔ یہ انبیاء کی دلیل نبوت کیلئے بطور ثبوت مانگا گیا۔

گذشتہ زمانوں میں ہر قوم میں نبی مبعوث ہو[illegible] ہے ظاہر ہے کہ ان کے مامور من جانب اللہ ہونے کے لئے انہیں بھی مافوق ال[illegible] [illegible]مالات میسر ہوئے اور نبی کی صفت میں یہ امر شامل ہے کہ اسے صرف قوت مشاہدہ پر بغیر ملائکہ، وحی، ہدایت ملتی رہی اور نبی نے بحیثیت معلم لوگوں کا تزکیہ کر کے انہیں مشاہدہ و معرفت دی۔ رسول اور رسالت میں بھی تو اصلاح نفس کے لیے ہدایات ہیں۔ ملائکہ کے نزول میں کتاب اور نبی کی فضیلت مقصود ہوتی ہے۔۔۔ چنانچہ گذشتہ قوموں نے انبیاء سے قوت مشاہدہ اور کمالات نبوت کا علم حاصل کیا لیکن زمانہ کی طوالت کے ساتھ جب نبی کی تعلیم باقی نہ رہی مگر کمالات ناسوتی باقی رہے اور ان کا علم بھی باقی رہا۔ اور جب اس علم میں شریعت کی اتباع شامل نہ رہی تو نام نہاد اولیاء قائم مقام انبیا نے بغیر اتباع شریعت صرف تزکیہ سے کمالات کا مظاہرہ کیا جس میں مخرب اخلاق افعال۔ شراب، جوا، زنا کا ارتکاب شامل رہا تو آئندہ آنے والی قومیں ان ہی کمالات سے متاثر ہو کر ایک استدراجی ولی کی طرف رجوع کرتی رہیں اور اب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ آیا ان گذشتہ صاحب کمالات شخصیتوں کو ولی تصور کیا جانا جائز ہے۔ اس حال میں کہ ان کا علم و عمل یکسر شریعت کے خلاف ثابت ہے۔۔۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ ہر قوم کے لئے [illegible] نے ہادی بھیجے

جو الہیٰ احکام لے کر آئے۔۔۔ انہوں نے قوموں کی شریعت کے تابع راہنمائی کی البتہ اپنی نبوت کی دلیل کمالات و کرامات سے دی۔ بعد میں ان کے پیروؤں نے شریعت کی پیروی ترک کر کے صرف جنگلوں کی تنہائیوں میں شدید تزکیہ نفس سے کمالات حاصل کر کے ایک فروعی علم کو جنم دیا۔ یہی علم آئندہ آنے والی قوموں کیلئے، علمی اساس بنا، اس پر ان کے مذہب کی بنیاد پڑی۔ چونکہ اس علم میں کمالات نبوت کا استدراجی مظاہرہ ہوا اس لئے قوموں نے اس مذہب کو ہی حقیقت تصور کیا۔ یہی حقیقت ہندوستان میں ہزاروں سال قبل قدیم آریائی قوموں کی رہی کہ ان میں بعض لوگ حصول حق میں مخلص تھے۔ انہوں نے لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا وہ اوتار۔ رشی کہلائے مگر زمانہ کے ساتھ جب اس علم و عمل میں اخلاق حسنہ اور ہدایت کا صحیح تصور باقی نہ رہا تو اس علم، عمل کو حصول مال وزر اور عوام الناس کو زنجیروں میں جکڑنے کیلئے استعمال کر کے راجاؤں، مہاراجوں، برہمنوں، شودروں کا وجود پیدا کر دیا۔ یہی علم و عمل مدت ہا مدت ہندوستان میں جاری ہوا جو آخر میں ہندو مت، بدھ مت اور دیگر متوں میں جاری رہا اور اشوک کے زمانہ میں ہندوستان سے علاوہ ایران، چین تک یہی علم پھیلا تو اس سے یہ علاقے بھی متاثر رہے اور اسی زمانہ میں ایسا ہی علم چین، ایران میں بھی رائج رہا۔۔۔ اور جب اسلامی شریعت نے الہیٰ کلام کا تصور ان علاقوں میں پیش کیا تو اس وقت خلافت عثمانیہ کا دور تھا جس کی اپنی اسلامی اور شرعی اساس اپنی اصلی حالت میں کمزور ہو چکی تھی تو ایران نے اپنے مروجہ علم میں کلام الہیٰ کو شامل کر کے۔۔۔ ایک نیا علم تشکیل دیا یعنی یہاں اس سے پیشتر تزکیہ نفس میں برہمنی تزکیہ، جسم کو اذیت دینا۔۔۔ سانس بند کرنا۔۔۔ لمبے سانس لینا۔۔۔ یکسوئی و مراقبہ کرنا۔۔۔ بلور بینی سے یکسوئی کی مشق کرنا۔۔۔ یا سورج چاند پر نظر جما کر یکسوئی کرنا۔۔۔ یا سانس بند کرنے کی طویل مشق کر کے گھنٹوں، دنوں، ہفتوں، مہینوں سانس بند کر کے زندہ رہنا۔ اس عمل میں کلمہ توحید، اسم اعظم، اَللّٰہُ ھُوْ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ سے قلب پر ضرب لگانا یا قرآن و وظائف کا استعمال کرنا۔ اسلام میں داخل ہونے والے آریہ برہمنوں نے جو نو مسلم فقیر کہلائے اسلامی تصوف کا نیا تصور دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسے عمل یا ایسی مشقوں میں دین کی شرط بھی نہیں لیکن ایران و ترکی، عراق و مصر اور عرب سے آنے والے علمائے شریعت، اولیاء بھی جب ایران سے ہندوستان میں داخل ہوئے تو ان میں سے بعض اولوالعزم ہستیوں نے حقیقی دین اسلام قرآن اور حدیث اور حقیقی علم طریقت کا اجرا کیا اور بعض نے علم شریعت کے ساتھ علم طریقت میں ایرانی تصوف کی آمیزش سے علم طریقت کا اجرا کیا تو اس طرح اسی ایرانی تصوف نے ہندوستان میں رواج پایا۔۔۔ کہ بغیر

اتباع شریعت مکاشفات و کرامات کو دین کی اصل تصور کر کے اس پر عامل ہوئے۔۔۔ اور جہاں تک اس علم میں شریعت پر عمل ہوا۔ یہ حقیقی اسلامی تصوف تصور کیا گیا۔ لیکن اس تصوف میں ایرانی تراکیب تزکیہ نفس کو شامل رکھا گیا اور اس طرز۔ طریقہ کو اسلامی تصوف کی بنیاد تصور کیا گیا اور قرآن نے طریقت کے متعلق جو طریق پیش کیا اس پر بہت کم عمل کیا گیا۔ چنانچہ خطہ ہندوستان میں جو سلسلے عرب و عراق و ایران سے ہندوستان میں پہنچے ان میں قادری سلسلہ، چشتی سلسلہ، نقشبندی سلسلہ، سہروردی سلسلہ، مشہور ہیں گو ان میں بنیادی طور قرآنی طریق طریقت موجود تھا مگر ہندوستان میں فقراء نے محض تزکیہ نفس کی آسانی کیلئے ایرانی تصوف کے طریق کو شامل کر کے طریقت اسلامی کا ایک ضابطہ قائم کیا۔ اسی ضابطہ پر جب اس علم میں علم شریعت کی ضرورت کو استعمال نہ رکھا گیا تو نام نہاد فقراء نے محض لاعلمی کے باعث یا اپنی خواہشات نفسانی کے حصول میں حصول دولت کی خاطر استدراجی عمل کو اپنا کر طریقت کا ایک غلط اور گمراہ کن طریق اپنایا اور لوگوں نے بوجہ لاعلمی ایسے کمالات کو حقیقت سمجھ کر اس پر اظہار عقیدت کیا۔ اس تصور میں ایک استدراجی فقیر کے علم کو اس کے کمالات کی بناء پر فنا فی اللہ ولی تسلیم کیا جس میں شریعت کی اتباع کو لازم نہ سمجھ کر شریعت سے علیحدہ ایک باطنی علم قرار دے کر ایک فقیر اتباع شریعت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ کے خصوص ارکان سے انحراف کرتے ہوئے بھی ولی، صاحب معرفت تصور کیا جانے لگا۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں ایسے ولی جو بغیر اتباع شریعت بغیر ادائیگی ارکان نماز فقیری کا دعویٰ کرتے ہیں خود گمراہ ہیں اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا سبب اور دین حق کے اجرا میں رکاوٹ کا سبب ہیں۔۔۔ بغیر اتباع شریعت بغیر حصول مراتب۔۔۔ بلادلیل عالم ملکوت، عالم جبروت، عالم لاہوت، ولایت کا دعویٰ کرنے والا مدعی ولایت کذاب ہے۔ مدعی ولایت کا دعویٰ بمنزلہ دعویٰ نبوت ہے، کیونکہ طریقت میں علماء امت کیلئے صاحب شریعت اور مراتب اعلےٰ کا حامل ہونا ضروری ہے۔ بغیر خصوصیت ولایت، دعویٰ نبوت کرنے والا "جھوٹا نبی ہے" بلکہ نبی کذاب تصور ہوتا ہے۔۔۔ ایک ولی کیلئے عالم ملکوت میں اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانا لازمی ہے۔۔۔ اور یہ مقام بغیر اتباع شریعت اور ادائیگی نماز کے ممکن نہیں، لہذا ہر مرید کیلئے نماز پانچ وقت، نماز تہجد حصول معرفت میں استحکام و دوام کے لئے لازم ہے ورنہ نماز ترک کرنے کی صورت میں کوئی ذریعہ ایسا نہیں جس سے حضوری حاصل ہو۔۔۔ نماز اور اتباع شریعت بہر حال لازم ہے۔

آداب طریقت

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔۔۔ طریقت کا شریعت سے علیحدہ کوئی تصور نہیں۔۔۔ نہ کوئی حیثیت ہے۔۔۔ طریقت شریعت کی جز ہے آپ فرماتے ہیں۔ شریعت چار اجزا سے مرکب ہے۔۔۔ اول اللہ تعالیٰ کی ذات کو رسول ﷺ کی شخصیت (امین و صادق) پر تسلیم کرنا۔۔۔ یہ "تسلیم نیت کرنا" سے تشبیہ ہے۔۔۔ اس کے بعد پہلی جز قرآن کو تسلیم کرنا۔۔۔ اس پر عمل کرنا۔۔۔ اسے "وحی جلی" کہا گیا۔۔۔ دوسری جز قرآنی احکام پر عمل۔۔۔ اور قرآنی علم کی فہم کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا۔۔۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنی علم کی تفسیر اور طریق عمل حاصل کرنا۔۔۔ اسے تفہیم وحی جلی کہا گیا۔۔۔ اس تفہیم کو "وحی خفی" سے بھی تعبیر دیا گیا۔۔۔ یعنی قرآنی علم کی تفسیر ایک باطنی مشاہدہ کے ساتھ۔ قرآنی علم کی اصل حقیقت و معانی کا سمجھنا۔۔۔ دوسرے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقلی طور۔۔۔ قرآنی علم کی تعمیل میں ایک لائحہ عمل دینا۔۔۔ اسے "اجتہاد نبوت" سے تعبیر دیا گیا۔۔۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ۔

مومن کی فراست سے ڈرو، تحقیق وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔۔۔ مراد اس سے یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بغیر وحی۔۔۔ اصطلاحِ قریش (عربی زبان) پر بدرجہ اتم عبور رکھتے تھے۔ قرآن عربی کے ہر حرف۔۔۔ ہر لفظ کی فہم پر قدرت رکھتے تھے۔ دوسرے۔۔۔ تعمیل قرآن۔۔۔ تعمیل احکام الہیٰ میں عقلی طور بھی۔۔۔ ایک صحیح طریق فہم۔۔۔ طریق عمل وضع کرنے کی استطاعت رکھتے تھے۔۔۔ جس میں وحی کی راہنمائی کی احتیاج نہ تھی۔۔۔ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی فہم اس قدر وسیع و بلند و بالا تھی۔۔۔ کہ آپ صلعم اپنی ذات مقدس سے بھی عالم انسانیت کو ہدایت کا ضابطہ دیتے تو وہ بھی انسانی فلاح و ہدایت کیلئے کافی ہو سکتا تھا۔۔۔ یہ لائحہ عمل اجتہادِ نبوت سے تعبیر ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت کو ایک طریق عمل دیتے رہے۔۔۔ جیسے الصلوۃ میں قرآن نے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ میں صرف قیام، رکوع، سجود کا حکم وَارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا کی صورت میں پیش کیا۔۔۔ اس کے علاوہ الصلٰوۃ میں قیام میں ثنا۔۔۔ فاتحہ۔۔۔ سورہ۔۔۔ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى تین بار تکرار۔۔۔ اس کے علاوہ التحیات (تحیت) میں شہادت۔۔۔ درود۔ دعا اور ترتیب نماز میں۔۔۔ اول قیام۔ پھر رکوع ایک بار اور سجدہ دو بار تحیت میں ترتیب نشست اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ

وَدَعْنَا اللهِ سے اختتام--- یہ تمام ترتیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خود ترتیب کردہ ہے۔
اس میں وحی خفی شامل نہیں جب کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں دعا فرماتے ہیں:۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی
اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ
کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ط

اس دعا سے واضح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تخاطب اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ اس دعا میں وحی کا تعلق نہیں بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم "دعا" فرماتے ہیں--- اس طرح ارکان نماز میں--- فرض--- قیام--- رکوع--- سجود سے ماسوائے تمام ارکان نماز--- رکعت وغیرہ--- خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجتہاد نبوت سے ترتیب فرمائے ہیں--- وحی خفی میں۔ قرآن کے آثار واسرار کا مشاہدہ شامل ہے جو تفہیم قرآن میں حقیقت کی آگاہی--- قرآنی بطن--- نور مبین--- قرآنی الفاظ کے انوار کا مشاہدہ--- اور ان آیات کی تعمیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ترتیب دیا ہوا طریق فہم اور طریق عمل ہے تفہیم وحی جلی سے مرسوم ہے--- ایک اور مثال اس حدیث سے ملتی ہے کہ ایک بار ایک صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں برباد ہو گیا، مجھ سے گناہ سرزد ہوا میں نے روزہ کی حالت میں بیوی سے جماع کیا--- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی حکم کے مطابق حکم دیا کہ ساٹھ روزے مسلسل رکھو یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اتنے مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا، اس وقت کہیں سے کھجوریں تحفہ میں آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کھجوریں صحابی کو عطا فرما کر فرمایا جاؤ یہ کھجوریں مسکینوں میں تقسیم کرو۔ صحابی نے نہایت ادب سے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر مبعوث کیا، مدینہ کے علاقہ میں مجھ سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ہے۔ تو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس چمک اٹھا اور آپ نے کھل کھلا کر تبسم فرمایا۔ حکم دیا جاؤ اپنے بیوی بچوں کو کھلا دو۔ وہ صحابی کھجوریں لے کر واپس گھر چلا گیا--- اصول الہیٰ--- حکم الہیٰ کے تابع صحابی پر--- ساٹھ روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا فرض تھا۔ اس کے بعد اس حکم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی کو کھجوریں مرحمت فرمانا--- بظاہر تعمیل فرائض میں شامل نہیں۔ لیکن از روئے قرآن اس حکم میں وسعت ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی آپ کا ذاتی حکم--- اجتہاد نبوت میں شامل

ہے مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ۔ رسول جو تمہیں حکم دے اسے قبول کرو۔۔۔ بیشک مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ میں اجتہاد نبوت شامل ہے کہ اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو جانتا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی، وہ اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اگر رسول ﷺ اپنی ذات سے، اپنی عقل سے کوئی حکم دیں وہ منشا الہیٰ کے عین مطابق ہوگا کہ عقلی طور پر آپ کا اجتہاد نبوت بھی ہدایت کا اثر رکھتا ہے۔

تیسری جز۔ تفہیم وحی جلی وخفی۔۔۔ یعنی قرآن وحدیث حکم الہیٰ وحکم رسول کا فہم و تعمیل۔۔۔ یہ جز اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نائب رسول۔ علمائے امت سے متعلق ہے۔۔۔ کہ قریش کی حیثیت میں اصحاب رسول صلعم قرآنی تعلیم کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے اول یہ کہ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥ (پارہ ۱۲ سورۃ ۱۲ آیت ۲)

تحقیق ہم نے قرآن کو اصطلاح قریش میں ان کی اپنی مستعمل زبان میں ان کے رواجات کے مطابق نازل کیا۔ اس حال میں کہ تمہیں قرآن سمجھنے میں دشواری نہ ہو، سوائے اس کے کہ اس قرآن میں ماورئی ادراک متشابہات اور وہ ضابطے درج ہیں جن پر عملی طور یا عقائد کی صورت میں تمہارا ادراک ٹھیک نہیں جب تک کہ رسول ﷺ سے تم ان آیات کے معنی نہ سمجھو۔ ظاہر ہے کہ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو حضور صلعم اس وحی کی صحابہ کے سامنے تلاوت (تکرار) فرماتے اور صحابہ ان آیات کو سن کر۔۔۔ خود ان پر عمل کرتے۔۔۔ کسی موقع پر ایسا نہ ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، مسجد نبوی ﷺ میں نازل شدہ آیات کے بیان کے ساتھ ان آیات کے معنی یا ساتھ ساتھ طریق عمل بتاتے۔ مکہ ومدینہ کے لوگ خواہ وہ کافر تھے یا اہل ایمان، حضور ﷺ کی تلاوت کرنے پر سمجھ جاتے جس کے لئے انہیں سمجھانے کی ضرورت نہ رہتی۔۔۔ کافر انکار کر جاتے اور اہل ایمان خود بخود ان احکام پر عمل شروع کرتے البتہ جہاں وحی میں روحانی معنی پائے جاتے صحابہ ان آثار کو "امین و صادق" کی حیثیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان کئے گئے الفاظ و آیات کو سمجھتے اور ان پر یقین کرتے لیکن ان آیات کے معنی میں ایک روحانی بطن ہوتا جو عمل سے تعلق نہیں رکھتا لیکن عقائد سے تعلق رکھتا تو ان معنی کو صحابہ سمجھ لیتے جن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبی تعلق وصحبت رہتی اور علم میں کامل ہوتے باقی صحابہ اصطلاح قریش میں ان تشبیہات کا ایک تصور قائم کر لیتے لیکن ان کا اصل تصور مشاہدہ پر منحصر رکھا

جاتا۔ الجنۃ۔۔۔ السماء۔۔۔ الحشر۔۔۔ وغیرہ کے معنی اصطلاحاً سمجھ جاتے اور ان آثار کا تصور بھی پاتے لیکن تشبیہی ہونے کے باعث ان کیفیات کا حقیقی تصور بغیر مشاہدہ ممکن نہ تھا جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان آثار کی نشاندہی یا حقیقی تصور پیش نہ کرتے اور ان آیات پر ادراک کامل فہم و عقل اور قوت فقہ۔۔۔ قوت القا پر موقوف تھا جو محض عقائد کیلئے ضروری تھے لیکن عمل میں شامل نہ ہوتے تھے۔ البتہ بعض آیات الٰہی میں جو بظاہر عام فہم معنی رکھتی ہیں لیکن آیات میں صاحب بصیرت پر حکمت کے آثار بھی نمایاں ہوتے جیسے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کی صورت میں بظاہر فتح و نصرت کی بشارت ہے لیکن جس وقت یہ سورت نازل ہوئی تو عام صحابہؓ نے اس صورت کو فتح و نصرت الٰہی کے تصور میں پایا لیکن سورت کے نازل ہونے پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بجائے خوشی کا اظہار کرنے کے۔۔۔ درد و غم کے ساتھ رونے لگے۔۔۔ تو کسی صحابی نے پوچھا ایسی خوش آئند بشارت پر گریہ کرنے کا کون سا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا اس سورۃ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی تکمیل پر ہم سے جدائی کی بھی خبر ہے۔ یہی فرق تھا جو قرآن کی فہم میں صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل تھا۔۔۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی تلاوت کی صحابہ نے سنا۔۔۔ اور صحابہ کو تو نہیں سمجھنے میں مشکل نہیں ہوئی خود اس پر عمل شروع کیا اور بعض احکام کی تعمیل میں اگر کسی صحابی نے ذاتی تاویل سے کام لے کر صحیح عمل نہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر بیان فرما دی جیسے قرآنی آیت میں روزے سے متعلق حکم میں سحری کا بیان ہوا۔

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ۔ (پارہ ۲ سورۃ ۲ آیت ۱۸۷)

تم روزہ اس وقت شروع کرو جب سفید و سیاہ دھاگے میں تمیز کر لو۔ تو ایک صحابی نے سیاہ و سفید دھاگہ اپنے سرہانے رکھا مگر بعض صحابہ نے اس صحابی کے عمل کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اظہار کیا تو آپ ﷺ نے اس کی تفسیر میں رات کی سیاہی اور دن کی سفیدی کا ہونا بیان فرمایا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زبان قریش رکھنے کے اعتبار سے قرآن کا فہم رکھتے تھے، سوائے اس کے کہ بعض احکام پر عمل اور فہم کیلئے فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضروری تھا۔ اسی فرمان کو قول و فعل اور حدیث (فرمان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعبیر دیا گیا اور قرآن کی فہم میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم و عمل ترتیب دیا گیا۔۔۔ اور صحابہ نے اس پر عمل کیا اور جو کچھ قرآن و حدیث اور خود

اپنی ذات سے سمجھا اور عمل کیا ہے تفہیم وحی جلی و خفی سے تعبیر دیا گیا۔ لہذا آئندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اصحاب رسول اللہ صلعم نے ذاتی فقہ و اجتہاد سے جو علم و عمل ترتیب دیا ہے تفہیم وحی جلی و خفی یا فقہ کہا گیا۔ فقہ سے مراد۔ پاکیزہ روح جسم، پاکیزہ قلب سے جو القائی قوت پیدا ہوتی ہے اس قوت کے ذریعہ سے علم و عمل ترتیب دینا۔ جو اگرچہ قرآن و حدیث سے واضح نہیں لیکن صحابہ نے خود قرآن و حدیث کی تفسیر میں ایک علم و عمل ترتیب دیا اور القائی قوت سے مراد، اگر قرآنی آیات کی حکمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے واضح نہ ہو تو اصحاب رسول صلعم یا تو قلبی مشاہدہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات کے بعد بھی حاصل کر سکتے ہیں۔۔۔ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔۔ "عِلْمِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ کَعِلْمِیْ فِیْ حَیَاتِیْ" وفات کے بعد ہمارا علم۔ ایسا ہی ہے جیسا ہماری زندگی میں علم ہے اس میں فرق تصور نہیں۔۔۔ اس حدیث کے مطابق صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد ممات بھی اکتساب علم و فیض حاصل کر سکتے ہیں اور اگر مشاہدہ نہ ہو تو پاکیزہ نفسی میں صحابہ کے قلب پر مشاہدہ قرآن و حدیث کے حقیقی معانی القاء ہوتے ہیں۔ وہی معانی شریعت کی اصل ثابت ہوتے ہیں یہ تین اجزا ہیں جن پر شریعت کا مدار ہے۔۔۔ یہی تین اجزا کی شریعت مرتب ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے بعد آئندہ آنے والی دنیا کی تمام مخلوق کیلئے لائق تسلیم۔۔۔ لائق عمل قرار دی جاتی ہے۔ اسی کیفیت کی طرف قرآنی اشارہ ہے۔

اَطِیْعُوا اللّٰهَ - وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ -
یَاۤ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ - یَاۤ اَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ -

اے نبی، اے رسول، ان لوگوں سے کہہ دیجئے بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ۔ میرے احکام لوگوں تک پہنچا دیجئے۔۔۔ اس مقام پر رسول ﷺ ایک ذریعہ ہیں لوگوں تک احکام پہنچانے کا۔۔۔ اللہ۔۔۔ قرآن کے حکم کی اطاعت کرو۔۔۔ اس کے بعد جو قول و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اس کی اطاعت کرو۔۔۔ اور رسول کے بعد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مخصوص علمائے امت۔ جنہیں قوت فقہ و القا اور قوت اجتہاد حاصل ہے۔ ان کے قول و فعل کی اطاعت کرو۔۔ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ سے مراد جو امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں مخصوص و منتخب علماء جن کا قرآن حدیث پر بدرجہ اتم فہم و ادراک ہو اور ان کا عمل اسوہ رسول اللہ صلعم کے عین مطابق ہو اور جو صرف۔۔۔ اور صرف قرآن و حدیث کے علم و عمل پر موقوف ہو، محض ہدایت انسانی اور نجات آخرت کیلئے علمائے امت سے اکتساب فیض کرنا۔۔۔ اولی

امر سے مراد ہے جو علمائے امت قرآنی حکم کا نفاذ کریں اس کے سوا کچھ نہیں۔

واضح ہو کہ کتاب الہیٰ کی آیات پر عمیق غور کیا جائے تو قرآن کے نزول کا ایک خاص انداز ہے کہ قرآنی احکام کا نفاذ براہ راست مکہ اور مدینہ کے لوگوں سے متعلق ہے جیسے قرآنی خطاب سے ظاہر ہوتا ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت ۹۳)

اور یہ کتاب ہے اتارا ہم نے اس کو دائم رہنے والی، تصدیق کرنے والی، ان کتابوں کی جو ان "یہود و نصاریٰ" کے پاس ہیں اور تاکہ ڈرائیں آپ مکہ والوں کو اور جو لوگ اس کے مضافات میں رہنے والے ہیں اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، آخرت پر ایمان لائے۔ ساتھ اس کتاب کے۔ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت میں قرآن کا نازل ہونا۔ مکہ اور اس کے ملحق مضافات کے لوگوں اور یہود و نصاریٰ اور اہل ایمان لوگوں۔ کے لئے مخصوص ہوا۔۔۔ لہذا قرآن ان ہی لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے۔۔۔ اور ان ہی کے لئے احکام پیش کرتا ہے۔ اسی آیت کی رو سے قرآن مخصوص انداز میں ان لوگوں سے مخاطب ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ - يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا - يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ - قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ - يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ -

یہ تمام خطاب اہل مکہ اہل مدینہ اور اہل کتاب کی طرف خاص ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ - (پارہ ۶، سورۃ ۵ آیت ۶۷)

قرآن کا ابتدائی خطاب رسول ﷺ سے ہے، جن کے ذمہ صرف الہیٰ احکام لوگوں تک پہنچانا۔۔۔ اور ان ہی احکام کی تعمیل پر آمادہ کرنا ہے۔ بَلِّغْ۔ پہنچانا۔۔۔ کن لوگوں تک؟ جو مکہ اور مدینہ میں بسنے والے۔۔۔ جو رسول ﷺ کی موجودگی میں رسول ﷺ کے قریب ہیں۔ وہ لوگ یا اہل الکتب کے خطاب میں شامل یہود و نصاریٰ و والصابین ہیں۔ یہود اہل توراۃ میں سے ہیں۔ نصاریٰ اہل انجیل میں سے ہیں۔۔۔ جو مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ میں شمار ہوتے ہیں۔۔۔ اور والصابین وہ لوگ ہیں جو قوم قریش یا بنی اسماعیل کی ذریت میں سے ہیں۔۔۔ جن پر اس سے قبل کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ان کا تعلق براہ راست دین ابراہیم علیہ السلام سے ہے۔۔۔ جو دعائے ابراہیمؑ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ (پارہ اول

سورۃ ۲، آیت ۱۲۸)
اے رب بنا ہمیں اپنا تابعدار اور ہماری ذریت (بنی اسماعیل) کو بھی۔۔۔ ان کے لئے مخصوص ہوا کہ

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۲۹)

اے رب اٹھا ان میں ایک رسول اسی ذریت سے جو انہیں تیرے احکام سنائے اور ان کا تزکیہ کرے۔

بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کا حکم اولاً مخصوص ہوا ان لوگوں کیلئے جن کے لئے دعائے ابراہیمی میں خصوصی ذکر ہوا کہ اَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ور پہلے اپنے قریبی عزیزوں (ذریت اسماعیل) کو ڈرائیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم تک احکام پہنچائے تو ان میں سے بعض ایمان لائے اور بعض نے انکار کردیا۔۔۔

يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ج بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ٥ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۳)

یہ کہ انہیں قرآن پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ قرآن اپنی ذات سے گھڑ لیا ہے۔ بلکہ یہ حق ہے، آپ کے رب کی طرف سے تاکہ ڈرائیں آپ قوم (اپنی) کو۔ کہ نہیں آیا آپ سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا۔

اس طرح قوم دو گروہوں میں بٹ گئی ایک جو ایمان لائے وہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اصحاب ایمان ہوئے۔۔۔ اور دوسرے وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ جنہوں نے انکار کیا اور قرآن کو جھٹلایا۔ یہ لوگ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ انکار کرنے والے کافر ہوئے۔

ذریت اسماعیل علیہ السلام سے سوا، مکہ اور مدینہ میں یہود و نصاریٰ بھی موجود تھے۔۔۔ ام القریٰ میں یہ لوگ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے بھی بعض ایمان لائے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۶۲)

تحقیق ایمان لانے والے اور وہ لوگ جو یہودی ہیں اور نصاریٰ اور صابی ہیں ان میں جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کے عملوں کی جزا اللہ کے پاس بہتر جزا ہے اور بعض نے نظام ماننے سے انکار کیا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ٥ (پارہ ۳

سورۃ ۳ آیت ۷۰)

اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو آیات الٰہی کا اور تم گواہی دیتے ہو! اہل کتاب میں سے جنہوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اللہ کے احکام مانے وہ اب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں شامل ہیں۔ قرآن پر ایمان لانے کے بعد انہیں اہل کتاب نہیں کہا جاتا۔ اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآنی احکام ماننے سے انکار کیا۔ وہ بھی یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ میں شمار ہیں اس صورت میں یٰۤاَهْلَ الْکِتٰبِ سے ہٹ کر کفار پکارے جائیں گے۔

اُم القریٰ میں ذریت اسماعیل علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی طرف بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ قرآن بھیجا گیا۔ ان ہی قوموں میں سے ایک گروہ اہل ایمان ہوا دوسرا کافر۔۔ اب آئندہ اسی حیثیت سے قرآن یَاۤ اَیُّهَا الرَّسُوْلُ۔۔۔ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ۔۔۔ یَاۤ اَهْلَ الْکِتٰبِ۔۔۔ یَاۤ اَیُّهَا الْکَافِرُوْنَ۔۔۔ یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ ان گروہوں کی طرف مخاطب ہوا ان ہی تک اپنے احکام خاص کر دیتا ہے۔۔۔ قرآن میں جتنے الٰہی احکام پیش کئے گئے وہ دنیا کے لوگوں میں اہل ایمان کیلئے نازل ہوئے ہیں جسے قرآن نے

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ۨالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (پارہ ۹، سورۃ ۷ آیت ۱۵۸)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے خطاب کیا۔ اے عالم کے لوگو۔۔۔ تحقیق میں بھیجا گیا ہوں اللہ کی طرف سے تم سب کیلئے اس اللہ کی طرف سے جو مالک ہے۔ آسمانوں اور زمین کا۔ نہیں کوئی لائق عبادت سوائے اس کے جو انسان کو پیدا کرتا ہے۔ اور موت دیتا ہے۔۔۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کی قدرت کاملہ پر۔ تم اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔ اس آیت میں وسعت ہے کہ قرآن کے احکام اور رسول کی رسالت اس وقت تک قائم ہے، جب تک زمین پر انسان کا وجود قائم ہے، دنیا کے سب اقوام کی طرف خطاب ہے۔

ان آیات کے نزول کے اعتبار سے قرآنی احکام صرف ان لوگوں کیلئے خاص کئے جاتے ہیں جو صاحب ایمان ہیں۔۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کیونکہ قرآن میں تمام احکام کی تکمیل کے لئے صاحب ایمان لوگوں کو ہی مخصوص کیا گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط (پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت ۱۳۶)

اے ایمان والوں ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو رسول پر نازل کی گئی اور ان کتب پر جو نازل کی گئیں پہلے، یہ وہ لوگ ہیں جو رسول کی موجودگی میں رسول کے قریبی دوست (اصحاب) کہلاتے ہیں۔ یہ لوگ متقین کے زمرہ میں شمار کئے جاتے ہیں۔ کیونکہ متقی کی صفت ڈرنے والا ہے، جو کہ لِتُنذِرَ کے حکم میں آتی ہے جیسا کہ قرآن کے نزول کا اصل مقصد اللہ پر رسول پر اَلْیَوْمُ الْقِیٰمَۃِ پر یقین کر کے قیامت کے عذاب کا احساس کرنا اور اس احساس پر وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ نیک عمل کرنا۔۔۔

ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ ۔ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۲-۳)

یہ کتاب حقیقتاً ان ہی لوگوں کی راہنمائی کرتی ہے جو صرف محمد رسول اللہ کی شخصیت تسلیم کر کے آپ ﷺ کے قول کو برحق تسلیم کرتے ہیں۔ بلا دلیل اللہ کی ذات اور اس کی کتاب (کلام الہیٰ) کو تسلیم کرتے ہیں۔ یوم آخرت کے حساب پر یقین رکھتے ہیں اور عذاب آخرت کے خوف سے ڈر کر قرآن کی طرف رجوع کرنے کے لئے رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ لہذا اہل ایمان کی صفت یہی ہے کہ وہ متقی ہیں یوم آخر پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حساب سے ڈرنے والے ہیں۔۔۔ اس اعتبار سے مکہ مدینہ کے لوگوں میں قرآنی احکام کا نزول صرف اہل ایمان کیلئے خاص ہوتا ہے اور وہ من کل الوجود اس پر عمل کرتے ہیں۔

حقیقتاً محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں، صاحب ایمان ایک "معلم" کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ کہ اس کے ذمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جو علم و عمل اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ وہ معلم کی حیثیت سے دوسرے لوگوں تک پہنچائے یہ ذمہ داری ہر صاحب ایمان پر قرآن کی رو سے عائد ہوتی ہے۔۔۔ اس خصوصیت کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے خود اس تعلیم کیلئے اہل ایمان میں سے ایک خاص گروہ منتخب کیا۔

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت ۱۰۴)

اور ہونی چاہیئے تم میں سے (اہل ایمان میں سے) ایک خاص جماعت جو بلائے لوگوں کو خیر

کی طرف اور حکم کرے نیک کاموں کا۔ اور باز رکھے برے اعمال سے۔۔۔ وہی ہیں فلاح پانے والے اس کے حکم کے تحت ایک جماعت مخصوص ہوتی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کا تمام علم حاصل کرے۔ قرآن کے جملہ علوم سے آراستہ ہو۔ جس میں ظاہری احکام ہیں۔۔۔ نماز۔۔۔ روزہ۔۔۔ زکوٰۃ۔۔۔ احسان وغیرہ پر تعمیل کلی اور قرآن کے علم میں متشابہات۔۔۔ آثار۔۔۔ رموز و اسرار حقیقی پر ادراک کلی رکھیں تاکہ اقصائے عالم کے (الناس) لوگوں کو قرآنی علم کے تمام رموز و آثار و اسرار سے آگاہی دینے کی ان میں کامل صلاحیت موجود ہو۔۔۔ یہ وہ گروہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے جملہ علوم سیکھتے ہیں اور آپ کی پیروی میں ہر حکم کی تعمیل سیکھتے ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور اس طرح بنایا ہم نے تمہیں ایک درمیانی جماعت تاکہ تم لوگوں کیلئے علم و عمل کا نمونہ پیش کرو اور رسول ﷺ سے تمہارے لئے علم و عمل کا نمونہ حاصل کرنا مقرر ہے۔ یہ جماعت خاص يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ۔ یہ رسول ﷺ کے قائم عام لوگوں تک اللہ کا امر پہنچائیں گے۔ آیات کی تلاوت کریں گے۔ ان کا تزکیہ کریں گے اور انہیں کتاب اور علم و حکمت کے آثار سے آگاہ کریں گے۔ یہ لوگ صاحب امر کہلائیں گے۔ اس حیثیت میں قرآن کے نفاذ کا دائرہ مکہ مدینہ سے علاوہ تمام عالم انسانی تک وسیع ہو جاتا ہے لیکن اس مقام پر مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کی خاص ترتیب نمایاں ہو جاتی ہے کہ رسول ﷺ کی تبلیغ مکہ مدینہ کے لوگوں تک اور اہل ایمان۔۔۔ صحابہؓ۔۔۔ اور خصوصاً امۃ وسطا تک علم و عمل پہنچانا۔۔۔ اور امۃ وسطا کو عالم انسانیت کیلئے قیامت تک رسول ﷺ کا علم و عمل اور نمونہ عمل پہنچانا مقرر کیا جاتا ہے۔۔۔ کہ جب رسول ﷺ موجود نہ ہوں تو اللہ کا امر (وحی جلی) اور رسول کا علم و عمل (تفہیم وحی جلی و خفی) امۃ الوسطا کے ذریعہ (تفہیم وحی جلی و خفی) قیامت تک کے (يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ) انسانوں تک پہنچایا جائے۔۔۔ اس صورت میں امر اللہ و رسول ﷺ کا ہر زمانہ میں قائم و باقی ہونا لازمی ہے اور اسی حکم کو۔۔۔ امۃ الوسطا جماعت خاص صاحب امر کی حیثیت سے ہر زمانہ میں لوگوں تک پہنچائیں۔۔۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ۔ یہ وہی کتاب ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی گئی۔ یہ وہی کتاب ہے جو آئندہ زمانوں میں بھی موجود رہے گی۔ سو ہر زمانہ میں ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ امۃ وسطا کی شخصیت پر بلا دلیل رسول ﷺ کو تسلیم کرے۔ اس حال میں کہ جب رسول ﷺ کی شخصیت اور اس کے علم و عمل کو امۃ وسطا کے ذریعہ ہر زمانہ میں

پیش کیا جاتا ہے اور یہی امتوسطا کے علم و عمل قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم بطور اولوالعزم شخصیت کے اللہ اور رسول اور کتاب و حدیث پر ایمان لانے کی ضمانت ہو تو ہر زمانہ میں ہر انسان کیلئے رجوع کرنا لازم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ام القریٰ مکہ و مدینہ کے لوگوں کیلئے پیش کی گئی لہذا جو انسان حق کا طالب ہو وہ اس کتاب سے (جو اس کے زمانہ میں بھی موجود ہے) رجوع کرے تو اسے بلاشبہ ہدایت حاصل ہو سکتی ہے معجزہ قرآنی کہ یہ کتاب اور امتہ وسطا ہر زمانہ میں موجود ہوں گے اور ہر شخص وہ کسی بھی گروہ سے تعلق رکھتا ہو کسی بھی فلسفہ و تحقیق کا حامل ہو اس قرآن اور صاحب امر سے ہدایت پاسکتا ہے اور ان کے لئے فلاح انسانی --- اور ہدایت انسانی کی ایک اہم ذمہ داری عائد کی جاتی ہے۔ جب کہ قرآن واضح طور بیان کرتا ہے: اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اطاعت کرو اللہ کی --- اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اطاعت کرو امۃ وسطا میں صاحب امر (حکم الہیٰ و حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی۔ یہ تمام تشریح اجزائے شریعت کے۔ وحی جلی --- تفہیم وحی جلی اور تفہیم وحی جلی خفی --- یعنی اللہ کی کتاب --- حدیث قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور امۃ وسطا قائم مقام رسول صلی اللہ علیہ وسلم علمائے امت کی --- کے بیان میں پیش کی گئی --- اب اجزائے شریعت میں چوتھی جز کا ذکر آتا ہے۔ وہ ہے ان تین اجزائے شریعت پر عمل کرنے سے جو نتیجہ عمل (ثواب) حاصل ہوتا ہے۔ یہ نتیجہ عمل ان تین اجزائے شریعت کی روح ہے۔

حقیقت محمد

واضح ہو کہ قرآن نے رسول (حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کی خصوصیت آپ کے علم و عمل کا ایک واضح بیان پیش کیا۔ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ وہ اللہ ہے --- جس نے اٹھایا امیوں میں سے ان ہی کے قبیلہ سے ان ہی جیسے انسانی ہیئت میں۔ لیکن یہ حقیقت مختصر ہے، صرف اس لئے کہ مکہ مدینہ کے لوگ ایک انسانی شخصیت کو اس کے ذاتی کردار سے سمجھیں۔ یہ صرف شخصیت تسلیم کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ کہ مکہ کے لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو وحی سے قبل بغیر وحی و احکام آپ کے ذاتی کردار سے پہچان کر ہر محقق۔ ہر فلسفی۔ ہر ادیب --- ہر شاعر --- ہر امیر تاجر۔ ہر عام آدمی نے --- امین و صادق --- رؤف و رحیم --- صاحب حسن اخلاق تسلیم کرتے ہوئے --- عزت و احترام کی نظر سے دیکھا --- یہ اس لیے کہ --- آپ کے قول و فعل کو حق تسلیم کرتے ہوئے۔ آپ کے ہر قول پر بلا دلیل یقین کرے --- اس امر کے لئے قرآن نے بتایا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ کہ لوگ یقین کرلیں کہ یہ ہستی مامور من جانب اللہ ہے اور جو حکم

وہ سناتے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے--- بس--- اس عمل سے صرف مقصد یہ ہے کہ لوگ برضا و رغبت اللہ کا کلام سننے اور اس پر عمل کرنے پر آمادہ ہوں اور پھر جب انسان نے رسول ﷺ کی پیروی کی تو قرآن بتاتا ہے وَيُزَكِّيهِمْ اور جو لوگ تلاوت سننے والے رسول کی پیروی کرتے ہیں تو اس کے ساتھ رسول ان کا تزکیہ کرتا ہے--- تزکیہ صرف--- غسل کرنے وضو کرنے اور صاف کپڑے پہننے اور جسم کو پاک و صاف کرنے تک محدود نہیں بلکہ اس تزکیہ میں وسعت ہے کہ انسانی مرکب جسمانی--- جسم سے علاوہ--- روح حیوانی--- روح رحمانی کا بھی تزکیہ ہوتا ہے۔ بظاہر اعمال کا تعلق جسم کی حرکت سے ہے لیکن عمل میں ایک عقیدہ اور حسن اخلاق کو بھی دخل ہے جس کا عملی طور اظہار نہیں ہوتا--- اس کا تعلق قلب و روح سے ہوتا ہے--- لہذا تزکیہ میں قلب و روح کا تزکیہ بھی شامل ہے۔ قلب و روح کے تزکیہ کے لئے روحانی طور علاج ہوتا ہے وہ یہ کہ رسول اپنی روحانی توجہ سے انسانی قلب و روح کو پاکیزہ و مزکی کرتا ہے--- "روحانی توجہ" کا ایک خاص انداز ہے--- یعنی روح سے روح کی نسبت قائم کرنا--- جس میں "قول" استعمال نہیں ہوتا بلکہ روح استعمال کی جاتی ہے--- اسے روحانی نسبت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ عمل قرآن و حدیث سے واضح نہیں لیکن يُزَكِّيهِمْ کے لفظ میں یہ عمل پنہاں ضرور ہے جو عمل سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے لئے قول کی ضرورت نہیں کہ یہ بیان کیا جائے کہ "رسول، سے تمہاری "روحانی نسبت قائم ہوتی ہے جب کہ يُزَكِّيهِمْ سے خود اس کیفیت کا اظہار ہوتا ہے--- اس تزکیہ سے يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۔ کتاب کا علم حاصل کرنا۔ اور پوشیدہ اسرار سے آگاہی حاصل کرنا اصل مقصد ہے کیونکہ قرآن ایک روحانی کتاب ہے جس میں متشابہات آیات کا بھی ذکر ہے ان متشابہات، کیفیات کا علم حاصل کرنا بھی لازمی ہے متشابہات کیفیات میں ہر ماورا ادراک کیفیت شامل ہے جس میں زمین کے مدفون خزانے--- آسمان--- جنت--- عرش۔ سدرۃ المنتہیٰ۔ عالم بالا اور ذات الٰہیٰ تمام اسماء تشبیہات سے تعلق رکھتے ہیں ان کے ادراک کیلئے وَيُزَكِّيهِمْ عمل لازم ہوتا ہے۔ اس علم کیلئے قرآن نے ایک خصوصی عمل بتایا--- جو اولاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص کیا گیا۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۷۸،۷۹)

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز قائم کریں سورج ڈھلنے سے رات گہری ہونے تک

اور صبح کو قرآن پڑھیں تحقیق صبح کا پڑھنا مشاہدے میں آتا ہے اور رات میں تہجد (نماز) ادا کریں یہ عمل صرف آپ کے لئے مخصوص زائد عبادت میں شامل ہے۔ عنقریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر اٹھائے۔ اس آیت کی تفصیل میں اور اس کی ترتیب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک اور حکم دیا۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ○ نِّصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ○ أَوْ زِدْ
عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ○ (پارہ۲۹ سورۃ ۷۳، آیت ۱تا۴)

اے کملی والے نبی اٹھیں رات کو مگر تھوڑا، نصف رات یا اس سے کم چاہیں یا زیادہ چاہیں اور ترتیل کے ساتھ قرآن پڑھیں۔۔۔ یہ عمل اس لئے مقرر ہے کہ اس عمل سے تزکیہ ہوتا ہے۔ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ○

(پارہ۲۹، سورۃ۷۳، آیت۶)

تحقیق رات کا جاگنا کٹھن عمل ہے۔ اس سے نفسانی کثیف آلائشیں کچلی جاتی ہیں۔ اور کلام میں قوام پیدا ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے، قرآن میں یہ احکام بھی واجب التعمیل ہیں۔ البتہ یہ عمل خاص ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے۔۔۔ یہ عمل محض تزکیہ کیلئے ہے۔۔۔ کہ اس سے نفسانی کثافت جل کر روح پاکیزہ ہو جاتی ہے۔۔۔ اس عمل کو وَيُزَكِّيهِمْ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ عمل بھی بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ کی حیثیت میں گو ہر صاحب ایمان کیلئے لازم ہے لیکن مَقَامًا مَّحْمُودًا کی تفسیر میں یہ عمل امتِ وسطا کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے کیونکہ امتِ وسطا کیلئے بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ کے حکم کے تحت بحیثیت قائم مقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تزکیہ حاصل کرنا۔۔۔ اور امت کا تزکیہ کرنا لازمی ہے۔۔۔ چنانچہ قرآن اس عمل کی خود نشاندہی کرتا ہے کہ

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ
وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ ط (پارہ۲۹ سورۃ ۷۳، آیت ۲۰)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اپنی مخصوص۔ زائد عبادت میں رات کو نماز قائم کرتے ہیں تین حصہ رات۔۔۔ نصف رات۔ یا تیسرا حصہ رات اور آپ کے ساتھ ایک خاص جماعت بھی اس عمل میں شریک ہوتی ہے۔ لہذا اس جماعت کو بھی قیام لیل اور تلاوت قرآن کے عمل سے تزکیہ حاصل ہو گا۔ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا۔۔ اور إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا۔ کہ رات کے پڑھنے میں قرآنی آیات کے انوار باطنی کا مشاہدہ حاصل ہو گا۔۔۔ جو کہ لازمی اور یقینی ہے۔۔۔ اس طرح طائفہ کو يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ کی خصوصیت حاصل ہو گی۔۔۔ اور

جب یہ طائفہ جملہ علوم قرآنی کا علم و ادراک حاصل کریں تو یہی جماعت قائم مقام جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتہ وسطا علماء امت کی حیثیت میں معلم القرآن کی حیثیت میں آنے والے، لوگوں کیلئے ہدایت و راہنمائی کا مقام حاصل کر کے آنے والوں تک اولی الامر کی حیثیت میں حکم الہیٰ۔۔۔ حکم رسول پہنچانے کی ضامن ہو گی۔ جو یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ۔ وَیُزَکِّیْهِمْ۔ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ کا عمل پورا کریں گے۔ ہاں یہ جماعت بحیثیت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو علم و حکمت میں آثار و اسرار باطنی سے بھی آگاہ کرے گی جس میں مشاہدہ اسرار الہیٰ معرفت الہیٰ اصل کیفیت ہو گی۔ یہی علم وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا کی اصل ہے۔ جس سے انسان مقام خلافت حاصل کرتا ہے۔۔۔ یہ امر مسلمہ ہے۔۔۔ کہ اجزائے شریعت پر عمل سے ایک نتیجہ عمل لازم و یقینی ہے۔۔۔ اجزائے شریعت پر عمل کا ماحصل۔۔۔ نتیجہ عمل ہی ہے۔جو امتہ وسطا۔۔۔ اولی الامر سے ہی حاصل کرنا مقرر ہے۔

اولی الامر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امتہ وسطا ہی سے تعبیر ہے۔ امتہ وسطا علمائے امت نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہلاتے ہیں۔ شریعت میں حقیقی معلم یہی طائفہ اور جماعت مومنین ہیں یہی صاحب ایمان یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ جمیع صحابہ میں مخصوص و بلند مقام حاصل کئے ہیں۔ ان ہی کے ذریعہ عالم انسانیت کو حقیقت کا علم اور صراط مستقیم۔ بالعلم۔ اور بالمشاہدہ حاصل ہو سکتا ہے اور آئندہ اسی جماعت کے علم و عمل سے ان کے متعلم جانشین علم حاصل کر کے ہر زمانہ میں عالم امت کی حیثیت سے لوگوں کو علم القرآن اور معرفت حقیقی عطا کریں گے۔ یہ عالم امت امتہ وسطا میں شمار ہوں گے جو طَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں صاحب تزکیہ، صاحب مشاہدہ، عالم قرآن اور عالم حدیث و فقہ اور اجتہاد کے حامل ہوں گے ان ہی ہستیوں کو اولیاء کاملین کے لقب سے پکارا گیا کہ ہر زمانہ میں ان کا وجود موجود ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں یہ امر واضح ہے کہ وَکَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ میں اُمَّةً وَّسَطًا "۔۔۔ اور شُهَدَآءَ عَلَی النَّاسِ کا خطاب ہے۔۔۔ کہ انسانوں میں سے۔۔۔ ایک مخصوص جماعت منتخب ہو گی۔۔۔ جن کی شخصیت۔۔۔ جن کا علم و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینے والا ہو گا کہ وہ وَلَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کا کامل نمونے ہوں گے وہ قرآن کے جملہ علوم سے آراستہ ہوں گے۔ ان کا علم مبنی بر حقیقت ہو گا۔ جس علم پر دنیا کے کسی محقق کو تنقید و نکتہ چینی کرنے کی جرات نہ ہو گی۔ جن کا علم و عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینے والا ہو گا کہ مزکی و متقی ہوں گے۔ صاحب معرفت ہوں گے ہاں یہ انسانوں میں سے منتخب ہوں

گے۔ ہر زمانہ میں ان کا وجود پایا جائے گا۔ اور ہر زمانہ میں شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ سلسلہ در سلسلہ مخلوق انسانی کی راہنمائی کریں گے قرآن کی آیت (عَلَى النَّاسِ) میں الناس کا بیان اس امر کی دلالت کرتا ہے کہ قرآن کی اس آیت سے مراد تمام عالم انسانی میں تاقیام قیامت کے انسانوں کے لئے علمائے امت کا اُمَّةً وَّسَطًا اور وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ کی حیثیت میں وجود پایا جانا۔۔۔ اور قرآنی علم اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ اور علمائے امت کی فقہ و اجتہاد سے فیض و ہدایت حاصل ہونا منشائے الہیٰ کے تابع لازم و یقینی ہو گا۔ یہی کیفیت مَقَامًا مَّحْمُوْدًا سے تعبیر ہے۔ کہ اسی جماعت سے کلام الہیٰ کی تفسیر و عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و عمل لوگوں تک پہنچا کر شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو تاقیامت دوام و قیام حاصل ہو گا۔ اور ہر زمانہ میں "محمدؐ" کی حمد[1] جاری رہے گی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد ہی مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی اصل تفسیر ہے۔

طریقت، شریعت سے الگ نہیں

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ شریعت کی چوتھی جز نتیجہ عمل، ثواب ہے۔ اور طریق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ رات جاگنے۔۔۔ روزہ رکھنے۔۔۔ نماز پڑھنے اور قرآنی وظائف پڑھنے سے۔۔۔ شریعت پر عمل کا نتیجہ مشہود ہو جاتا ہے۔۔۔ یہی طریق جس سے شریعت کے عمل کا نتیجہ۔ ثواب کا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ کہ ایک شخص کو اس کے شریعت پر عمل سے کیا ثواب ملا۔ وہ اپنے نتیجہ عمل کا مشاہدہ کرتا ہے اور قرآنی آیات میں اسرار حکمت کا اسے جو مشاہدہ ہوتا ہے، طریقت سے تعبیر ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں، البتہ ایک عالم، ایک نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں جب اس کے قول و فعل کی

---

[1] محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد ساری کائنات میں ہر وقت جاری ہے۔ روئے زمین کا کوئی "کونہ" کوئی جگہ اونچی ہو یا نیچی۔ پہاڑ ہو یا سمندر نہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک سے ہر آن مطہرہ اور منور نہ ہوا ہو۔ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی آواز چار دانگ عالم میں ہر ساعت بج رہی ہے اور روئے زمین کی آبادی میں کسی پیغمبر یا رسول کا نام اس کثرت سے استعمال نہیں ہو رہا ہے جتنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد ہے اور یہ حمد ابد تک جاری رہے گی۔

پیروی کرتا ہے اور اسے تزکیہ حاصل ہوتا ہے تو اس کا ادراک و علم "جنت" تک محدود نہیں رہتا بلکہ اسے معرفت الہیٰ میں "فنا" و "بقا" کا مقام حاصل ہوتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں طریقت سوائے شریعت پر عمل کے کوئی علم نہیں۔ طریقت صرف شریعت پر عمل کرنے سے اس کے ثواب کے مشاہدہ کرنے کا ایک خصوصی عمل ہے۔ شریعت پر عمل محدود نہیں بلکہ اسی عمل سے معرفت الہیٰ حاصل ہوتی ہے۔ البتہ اسی معرفت کے حصول میں ایک عالم امت نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اسنہ وسطا کی راہنمائی اور اس کی پیروی کے بغیر یہ مقام حاصل نہیں کر سکتا۔۔۔ اسی عالم امت کو اصطلاح طریقت میں ولی۔۔۔ فقیر۔۔۔ راہبر طریقت۔۔۔ یا عجمی اصطلاح میں صوفی، درویش کہا جاتا ہے۔ لازم ہے کہ صوفی۔۔۔ درویش۔۔۔ راہبر طریقت کیلئے صاحب شریعت۔ عالم قرآن و حدیث اور صاحب فقہ۔ صاحب معرفت ہونا ضروری ہے۔ ورنہ بغیر اتباع شریعت کسی شخص کا درویشی۔ یا راہبر طریقت کا دعویٰ کرنا۔ استدراجی۔ شیطانی عمل سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ جو حقیقتاً عالم انسانیت کی گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ آداب مرشدی کے متعلق اصول بیان فرماتے ہیں۔ یہ تصور قطعی لغو ہے کہ طریقت شریعت سے علیٰحدہ کوئی باطنی علم ہے۔ اسی طرح بغیر عالم شریعت ہونے کے۔ اجرائے طریقت۔ جہل و گمراہی کے سوا کچھ نہیں ایک پیر کیلئے دعویٰ طریقت میں عالم قرآن و حدیث و فقہ و اجتہاد اور جملہ علوم فلسفہ اسلامی میں عالم اجل ہونا ضروری ہے۔ جب تک ایک شخص کو قرآنی علم سے آگاہی میسر نہ ہو وہ شریعت پر عامل نہیں ہو سکتا۔ اور جو شریعت پر کاملاً عامل نہ ہو اس کے نتیجہ عمل میں اسے معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ ان صفات کے باوصف کوئی ولی کسی بھی طالب حق کو اپنی بیعت میں لے کر اس کی خیر و شر کی ذمہ داری لینے کا اہل ہو سکتا ہے۔ البتہ طریقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مطابق حب رکھنا ضروری ہے۔۔۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔

نہیں کوئی صاحب ایمان (یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) ہو سکتا جب تک کہ ہم سے اپنی اولاد، اپنے ماں باپ اور تمام چیزوں سے زیادہ محبت نہ رکھے۔ ظاہر ہوا کہ ایمان کیلئے حب لازمی ہے۔۔۔ طریقت میں اصل عمل "حب"۔۔۔ اللہ تعالیٰ سے حب۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے "حب" اور عالم امت راہنمائے کامل سے حب۔۔۔ ایک عالم امت، صاحب معرفت ولی سے حب دراصل سنت نبوی ﷺ کے تحت ہے کہ بغیر حب ایمان کامل نہیں

ہو سکتا--- ایمان--- حصول معرفت ہی کی صفت ہے جو شریعت پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے--- ایک ولی اکمل قائم مقام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہی علم سکھاتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سلسلہ در سلسلہ علمائے امت کے ذریعہ ہر زمانہ میں میسر آتا ہے۔ لہذا عالم امت کیلئے صاحب معرفت ہونا ضروری ہے کہ اسے معرفت الٰہیٰ میں فنا و بقا کا مقام حاصل ہو اس لئے آداب طریقت میں جو شخص معرفت الٰہیٰ کے حصول میں طالب حق ہو اسے سوائے ولی اکمل[1] کے کسی اور سے رجوع نہیں کرنا چاہیئے۔ طریقت میں حصول معرفت کیلئے بیعت ضروری ہے جب کہ قرآن سے بیعت کرنا طریق نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت ۱۱۱)

تحقیق اللہ نے خرید لیں مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال بدلے جنت کے جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور قتل کریں گے اور قتل ہوں گے۔ یہ وعدہ سچا ہے مومنوں

---

[1] ولی اکمل کی تعریف گزشتہ صفحات میں ہو چکی ہے۔

[2] وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وعدہ ہے اوپر اللہ کے سچا یہ وعدہ تورات اور انجیل میں بھی کیا گیا ہے اور قرآن خود اس کی شہادت دیتا ہے۔ اس آیت میں توریت اور انجیل میں وعدے کی تکرار سے ظاہر ہوتا ہے کہ گزشتہ انبیا اور ان کی امتوں میں بھی یہ عمل جاری تھا کہ انبیا کے لیے --- شریعت پر عمل --- نتیجۂ عمل اور زائد عبادت کے ذریعہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی حاصل کرنا اہم فریضہ تھا۔ کیونکہ یہ عمل حضرت آدمؑ ہی سے شروع ہوا، ر اسے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا میں مشاہدۂ اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی میں دیا گیا اور یہی عمل حضرت آدمؑ کے لیے مقرر ہوا۔ اور بحیثیت بشر و انسان' ہر نبی' ہر امت کے لیے ہر زمانہ میں مقرر کیا گیا۔ یہ عمل بغیر نبی کی رہنمائی کے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ نبی کی بحیثیت نبی بعثت صرف علم نبوت کے اجرا و تعلیم کے لیے ہی مخصوص تھی۔ یہی علم و عمل

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور اللہ کے درمیان۔ یہ بیع گذشتہ انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان بھی ہوتا رہا ہے اور لکھا ہے--- تورات اور انجیل اور قرآن میں بھی--- اور جس نے اللہ سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا--- پس خوشخبری ہے اس کے لئے--- جو سودا اللہ اور اس کے درمیان ہوا اللہ اسے اس کا مقصد پورا کر کے کامیاب بنائے گا--- اس آیت میں اِشْتَرٰی سے مراد خرید و فروخت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰۸)

تورات کے ذریعہ انبیاءِ بنی اسرائیل کو دیا گیا۔ یہی عمل انجیل کے ذریعہ نصاریٰ کو دیا گیا۔ جس میں حصول معرفت کے لیے نبی سے حب کرنا ---- نبی کی اطاعت کرنا ---- شریعت پر عمل کرنا ---- یہ عمل حب اور بیع کی صورت میں مقرر ہوا۔ اسی عمل کی شہادت قرآن وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ کے بیان سے دیتا ہے۔ اس امر سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ گزشتہ انبیاء کی بعثت صرف اسی مقصد کی تکمیل کے لیے تھی کہ وہ انسان کو شریعت پر عمل يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ کے حکم کے مطابق اسرارِ الٰہی اور معرفتِ الٰہی کا علم اور مشاہدہ عطا کریں جس کے لیے انہیں کٹھن مجاہدات سے گزرنا پڑتا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اسرارِ الٰہی --- معرفتِ الٰہی کے منازل و مراحل وہی ہیں جو ازل سے مقرر ہیں۔ جن کا حضرت آدمؑ کو مشاہدہ دیا گیا۔ ان اسرارِ الٰہی میں ' منازل و مقامات --- عالمِ ناسوت' عالمِ ملکوت' عالمِ جبروت' عالمِ لاہوت ازل سے متعین ہیں۔ جن اسرار میں عالمِ ملکوت کے ابتدائی باب میں اول اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اسی طرح اجلاس دوئم میں بیت اللہ میں دریائے توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنہری کشتی میں اجلاس فرما ہیں۔ اسی طرح عرش' تحت الثریٰ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوتی ہے۔ اسی مشاہدہ پر ہر نبی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کی۔ اسی پہچان پر ہر نبی نے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کی بعثت کی گواہی دی۔

اصولِ طریقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم باطن میں مشہود و محمود ہیں۔ لہٰذا ہر نبی کے لیے مشاہدہ اسرارِ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حب لازم ٹھہری جیسا کہ قرآنی بیان سے واضح ہے۔ اس لیے ہر نبی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حب کے ذریعہ ہی مشاہدہ و معرفت الٰہی حاصل کی جبکہ معرفت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدہ سے ہی تعبیر ہے۔ اسی حیثیت میں ہر نبی کی

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتا ہے۔ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ۔ یعنی جان اور اپنے مال کو اللہ کی ملکیت میں دے کر اپنے اختیار سے دستبردار ہو جانا۔ اس عمل کو قرآن نے بِبَيْعِكُمُ الَّذِي۔ بیع قرار دیا--- اس بیع سے بیعت کا تصور پایا جاتا ہے--- کہ طالب حق کیلئے دراصل اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ ایمان میں داخل ہونے کے لئے اپنے جان و مال کو اللہ کے ہاتھ بیع کرنا ضروری ہے اور شریعت کی اصل "ایمان" ہی ہے جب تک ایمان حاصل نہ ہو، طالب شریعت میں کامل نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صـ ۵۰۹)

حیثیت اولی الامر کی ہوتی ہے۔ اس کیفیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد و اشارہ ہے۔ اَلْعُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ کہ آپؐ کے تابعین میں اولی الامر کی حیثیت انبیاءِ بنی اسرائیل کی سی ہے کہ انبیاءِ بنی اسرائیل مشاہدہ اسرارِ الٰہی و معرفتِ الٰہی میں اپنی امتوں کو وہی علم دیتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو اولی الامر سے حاصل ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے انبیاءِ سابقین کی حیثیت ولی اکمل یا قطب الاقطاب کی تھی اور ہر نبی کے محبوب و مشہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس تھی۔ اس حیثیت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولی الامر کا وہی مقام ثابت ہوتا ہے جو انبیاءِ سابقین کا تھا۔ اس کیفیت کے مطابق قرآن وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ بیان پیش کرتا ہے کہ یہ عمل ازل سے شروع ہے۔ یہی عمل تورات کو دیا گیا۔ یہی عمل انجیل کو دیا گیا اور چونکہ قرآن وہ صحیفہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ جو تمام کتب کا جامع ہے۔ اس لیے قرآن ہی اس کی شہادت دے کر گزشتہ انبیا کے علم و عمل کی تصدیق کرتا ہے اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا اسی کیفیت کی طرف اشارہ واضح ہے کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ آپ اس وقت بھی نبی تھے جب آدمؑ پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔ ابھی ان کی تخلیق مکمل نہ ہوئی تھی یعنی آپ آدم کی پیدائش سے پہلے نبی تھے۔ اس کی ایک صورت یہی ہے کہ اسرارِ الٰہی سے مشرف تھے۔ جو عالم ملکوت، جبروت، لاہوت کی وسعت میں اللہ تعالیٰ نے نور سے ترتیب دیئے تھے جن میں ---- اسرارِ الٰہی میں نورِ محمدیؐ "حقیقتِ محمدیؐ" --- اور اسرارِ محمدیؐ بھی ازل سے مستور تھے اور یہ حقیقت ہے کہ کل کائنات نورِ محمدیؐ سے ہی ہے۔ یہی نور عالم اسرارِ حق سے تعبیر ہے۔ جس

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْۤا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ (پارہ ۲۶ سورۃ ۴۹ آیت ۱۴)

اور یہ گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، ان سے کہہ دیں کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یہ کہو کہ ہم نے تسلیم کیا (اسلام میں داخل ہوئے) البتہ ابھی تمہارے دلوں میں ایمان داخل نہیں ہوا۔

اس آیت سے اسلام اور ایمان کے درمیان فرق واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام سے مراد--- اللہ اور رسول اور کتاب اللہ کو تسلیم کرنا--- اور کتاب کے احکام پر عمل کرنا--- لیکن ایمان کا تعلق (فِیْ قُلُوْبِکُمْ) قلب سے ہے۔ یعنی ایمان ایک لطیف جذبہ--- جس کا عمل سے اظہار نہیں ہوتا--- البتہ حب سے ہوتا ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ایمان" کی واضح نشاندہی فرمائی---

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (متفق علیہ)

نہیں مومن بن سکتا تم میں سے (اے ایمان والو) کوئی جب تک کہ محبت نہ رکھو ہم سے۔ اپنی اولاد--- اپنے ماں باپ--- اور اپنی ہر محبوب شے سے زیادہ--- ظاہر ہے--- اس حب کا مظاہرہ نہ نماز کی شکل میں ہو سکتا ہے اور نہ روزہ کی شکل میں نہ زکوٰۃ کی شکل میں نہ حج کی شکل میں نہ تہجد کی شکل میں--- یہ تمام ارکان شریعت اگرچہ عملی طور پر مظاہرہ سے پورے کئے جائیں--- اس کے باوجود اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلی جذبہ کے تحت ایسی محبت نہ کی جائے جیسی اپنی جان سے--- اپنی اولاد سے--- اپنے ماں باپ سے اپنے مال سے کی جاتی ہے تو ان تمام ارکان اسلام کی بغیر حب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کامل حیثیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتا ہے اس حدیث کی تائید میں قرآنی بیان واضح ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَ

(بقیہ حاشیہ ص۵۱۰)

میں نور محمدی کی پہچان اسی کیفیت کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ کَانَ اٰدَمُ بَیْنَ الْمَآءِ وَالطِّیْنِ ہے اور ہر نبی کو اسرار الٰہی کے مشاہدہ میں حقیقت محمدی کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی پہچان سے انہیں نبی کا درجہ ملتا ہے اور جب تک کہ ہر نبی اجلاس محمدی میں داخل نہ ہو نبی نہیں کہلایا جا سکتا اور چونکہ عالم ملکوت میں ولایت کی سند حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے۔ اس حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین کہلاتے ہیں۔

أَمْوَالُ ٱقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ أَحَبَّ إِلَيْكُم مِّنَ ٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَجِهَادٍ فِى سَبِيلِهِۦ فَتَرَبَّصُوا۟ حَتَّىٰ يَأْتِىَ ٱللَّهُ بِأَمْرِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْفَٰسِقِينَ (پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت ۲۴)

ان لوگوں سے کہہ دیجئے اگر ہوں تمہارے باپ--- تمہارے بیٹے--- تمہارے بھائی--- تمہاری بیویاں--- تمہارے رشتہ دار--- تمہارا مال و جائیداد جو تم نے کمایا ہے--- اور تجارت جس کے گھاٹے کا تمہیں فکر رہتا ہے اور مکانات جنہیں تم پسند کرتے ہو--- زیادہ عزیز--- تمہارے لئے--- اللہ اور رسول اور جہاد کرنے سے اس کی راہ میں--- تو انتظار کرو--- یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا حکم اور اللہ نہیں پہنچاتا صراط مستقیم پر جو فاسق ہیں۔

اس آیت میں ایک مومن کیلئے کائنات کی تمام خواہشات سے دستبردار ہو کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حب--- اور جہاد کرنے میں شدت سے عمل کرنے کی تنبیہ کی گئی اور اگر اللہ اور رسول سے محبت نہ کرو تو انتظار کرو کہ اللہ تمہیں کسی مصیبت میں گرفتار کرنے کا حکم دے۔ ایسے لوگ جو اس جذبۂ حب سے خالی ہوں--- اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتا ہے کہ وہ فاسق ہیں انہیں حقیقت کا راستہ کسی طرح بھی نہ مل سکے گا۔

قرآنی تاریخ نے ان آیات و احادیث کی واضح مثال پیش کی ہے--- جس میں بیع (بیعت) اور حب کا تصور سامنے آتا ہے۔

إِنَّ ٱلَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ ٱللَّهَ يَدُ ٱللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ ۚ[ل]
(پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۰)

تحقیق جو لوگ بیعت کر رہے ہیں آپ سے وہ حقیقتاً بیعت کر رہے ہیں اللہ سے

[ل] اس آیت قرآنی میں جہاد کے تصور میں ایک بنیادی نکتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حب میں اپنی جان و مال کی محبت سے دستبردار ہونا ہی ہے اور محبت کے عہد پر "بیع" ہونا یعنی بیعت کرنا۔ اس محبت کا عملی مظاہرہ ------ یعنی شریعت پر عمل اور شریعت پر عمل سے نتیجۂ عمل حاصل کرنا ---- نتیجۂ عمل میں جنت سے لے کر معرفتِ الٰہی تک مرتبہ حاصل کرنا اور نتیجۂ عمل کا مشاہدہ کرنا' اصل حقیقت ہے۔ یہی نتیجۂ عمل اولی الامر کی حب و اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی عمل کو طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

ہی۔۔۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوتا ہے۔۔۔ قرآنی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یہ واقعہ بیعت رضوان سے تعلق رکھتا ہے جس کے متعلق قرآن نے واضح اشارہ دیا ہے۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ[۱]

(پارہ ۲۶ سورۃ ۴۸ آیت ۱۸)

البتہ تحقیق اللہ راضی ہوا ان لوگوں سے جب انہوں نے درخت کے نیچے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ ان آیات کا حوالہ سورۃ الفتح (۴۸) میں دیا گیا ہے۔ ایسی بیعت کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو فتح و نصرت کی بشارت دی۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (پارہ ۲٦، سورۃ ۴۸، آیت ۱)

اس واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا بیت اللہ میں عمرہ کرنے کی غرض سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔۔۔ اور جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، کو مکہ کے قریش کے پاس بھیجا کہ ان سے بیت اللہ میں عمرہ کرنے میں کسی قسم کی مزاحمت نہ کرنے کے بارے میں بات طے کریں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو منافقین نے افواہ پھیلادی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قریش نے شہید کر ڈالا۔ یہ خبر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے اسی وقت صحابہ سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کا عمرہ کی نیت سے بیت اللہ میں داخل ہونے کی غرض ازروئے شریعت خالی ہاتھ ہونا شرط تھا جس میں انہیں کسی قسم کا فساد کرنے کے لئے ہتھیار ساتھ رکھنے کی ممانعت تھی تمام صحابہ یکسر نہتے تھے۔ اس حالت میں جب کہ مکہ کے قریش ہتھیاروں سے لیس تھے جہاد کرنے میں اپنی جانیں قربان کرنے کے سوا کوئی نتیجہ حاصل ہونا نہ تھا۔ یہ جانتے ہوئے صحابہ نے حضور ﷺ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو کر اپنی جان، اپنے ماں باپ، اپنی اولاد، اپنے گھر بار کی محبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر قربان کر دی ہاں۔۔۔ جہاں قرآن جہاد کا ذکر کرتا ہے۔۔۔ اس جہاد کا یہ نکتہ قابل غور ہے۔۔۔ کہ اسلام نے جہاں جہاد کے لئے شدت

---

[۱] اس امر سے واضح ہے کہ قول و فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اہل ایمان کے لیے اس وقت جہاد لازم ہوتا ہے جب کسی مسلمان (مومن) پر کفار ظلم و قتل روا رکھیں۔ ایسے موقع پر اگر جہاد سے تغافل برتا گیا تو اس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب واجب ہوتا ہے۔

سے حکم دیا ہے دراصل یہ جہاد اگرچہ قتال کا تصور رکھتا ہے مگر فی سبیل اللہ کے تصور میں جہاد کو اللہ کی راہ میں قتال کرنے سے متعلق کر دیا گیا کہ اللہ کے قرآن اور اس کے احکام کو مخلوق تک پہنچانے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا۔ اس حال میں کہ جب کفار مکہ نے اسلام اور جماعت اسلامی کو ختم کرنے کے لئے خود جنگ چھیڑ دی۔ ورنہ دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کے لئے امن و سلامتی کے داعی ہوں۔۔۔ اسلام کیلئے۔۔۔ تبلیغ اسلام کیلئے۔۔۔ سوائے صبر و تحمل۔۔۔ حسن و اخلاق۔۔۔ راحت و رحمت۔۔۔ مخلوق انسانی کا درد۔۔۔ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کا جذبہ رحمت، استعمال ہوتا ہو۔۔۔ اسلام کے لئے نہ تلوار اٹھانے کا کوئی موقع ہے نہ اللہ کی طرف سے قتال کرنے کا کوئی فرضی حکم ثابت ہے۔ ہاں اگر کفار مکہ اسلام کو ختم کرنے کے لئے برسرپیکار نہ ہوتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کو قتال کا حکم دینے کی ضرورت پیش نہ آتی کہ جہاد کا حکم نازل ہوتا۔۔۔ حقیقتاً اس جہاد کے حکم میں دو مصلحتیں تھیں۔۔۔ ایک باطل قوتوں کا زور ختم کر کے مخلوق خدا کو ہدایت حاصل ہونے میں راہ ہموار کرنا۔۔۔ دوسری مصلحت جو ان قرآنی آیات سے واضح ہے کہ تابعین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حب کا امتحان لینا۔۔۔ اور ان میں اپنی جان و مال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے میں۔ ان کے جذبہ حب کو حد کمال تک پہنچانا تھا۔۔۔ ان تمام واقعات میں ایک اہم تصور۔۔۔ امت میں۔۔۔ اہل اسلام کے دلوں میں جذبہ حب کے اظہار کو واضح کرنا تھا۔۔۔ کہ طالب حق کیلئے نتیجہ عمل میں۔۔۔ ایمان کی خصوصیت حاصل ہونا لازمی ہے جس کے لئے بیع "بیعت" کو اظہار حب کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔۔۔ لہذا اسلام و ایمان میں "حب" عمل کی اصل قرار دی گئی اور اس کے اظہار کے لئے بیع کو فرض اولین قرار دیا گیا۔ یہی طریقہ عمل علمائے امت، ولی اکمل کے لئے واجب ہے۔۔۔ کہ وہ ایک طالب حق کے ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔۔۔ وَذُو الْعَظِيْمِ عطا کرنے کا ذمہ دار ہے۔۔۔ کہ وہ مقام معرفت میں ولی اکمل کا درجہ رکھتا ہے۔۔۔ اور طالب حق کے لئے حصول شریعت میں ایک ولی اکمل کی راہنمائی اور راہبری حاصل کرنا اشد ضروری ہے اور اس راہنمائی کیلئے بطریق سنت ولی اکمل سے بیع ہونا (بیعت کرنا) اور ولی اکمل سے حب قائم کرنا لازمی ہے۔ بغیر اس عمل کے نہ شریعت کامل ہو سکتی ہے نہ طریقت۔ لہذا قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ہوشیار رہ زمانہ میں ایسے نام نہاد فقراء چپہ چپہ پر اپنی دوکانیں سجائے بیٹھے ہیں جو عام انسان کی گمراہی کا سبب بنتے ہیں۔ انہیں اپنی ذات کا بھی احساس نہیں کہ خلق خدا کو دھوکہ دینے میں جو عمل ان کے لئے تیار ہوتا ہے اس سے وہ بے خبر

ہیں۔۔ وَلٰكِن لَّا تَشْعُرُوْنَ۔۔ انہیں مشاہدہ نہیں کہ اس عمل سے ان کے نامہ اعمال سیاہ ہوتے جارہے ہیں۔ جو ان کے لئے عذاب کا سبب ہوں گے۔۔۔ اور ایسے فقراء سے بھی گریز کر جو جاہل، لاعلم چند استدراجی ترکیبوں سے خود کو ولی سمجھ کر لوگوں کو بیعت کرتے ہیں۔ بیعت سے مراد سوا اس کے نہیں کہ ایک انسان کو معرفت حقیقی میں کامل کر دے جو خود گمراہ ہو وہ کسی کو کیا راہ دکھا سکتا ہے۔

باشد　　وجودِ　　اولیاء　　اندر　　زمین
از　　برائے　　حاصلِ　　حق　　الیقین

اللہ تعالیٰ نے اَنَا اُعْرِفُ "میں پہچانا جاؤں" کے منصوبہ میں، یہ مقرر کیا ہے۔۔۔ کہ اس کی پہچان ایک نبی کی راہنمائی کے ذریعہ ہو۔۔۔ اس لئے معرفت حق میں ایک نبی کی راہنمائی لازمی ہے۔۔۔ کیونکہ نبی واقفِ اسرار الہیٰ اور معرفت الہیٰ میں کامل اکمل ہوتا ہے۔ نبی کے بعد عالم امت بحیثیت قائم مقام۔۔۔ نائب رسول۔۔۔ خلیفہ رسول، اس معرفت کی تکمیل کراتا ہے۔۔۔ ہاں یہ لازم ہے، کسی نبی۔۔۔ کسی ولی کی ولایت سے انکار نہیں۔۔۔ بے شک جب کذاب نبی۔۔۔ یا ولی کے دعوے پر اس کے کردار و شخصیت اور اس کے عمل سے اس کا مقام مشکوک ہو جائے تو اس کی اطاعت لازم نہیں لیکن اس تصور پر حقیقت سے انکار بھی جائز نہیں کہ معرفت و حقیقت کی اصل کچھ نہیں۔۔۔ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو لاعلمی کی وجہ سے حقیقت سے انکار کرتے ہیں اور اس انکار پر جمے رہتے ہیں ان کے متعلق فرماتے ہیں:-

تو　　بکوری　　ماندہ　　اے　　بے　　یقین
زیں　　سبب　　حاصل　　نہ　　شد　　حق　　الیقین

اندھے کا سورج سے انکار۔ قابل قبول نہیں بلکہ حقیقت، حقیقت ہے۔ چونکہ تمام کیفیات متشابہات سے تعلق رکھتی ہیں اس لئے اس کے تسلیم کے لئے قلب اور شعور کی روحانی قوتوں کا اقرار۔۔۔ اور ان کا استعمال شرط ہے۔

نور　　مرداں　　مشرق　　و　　مغرب　　گرفت
تو　　نہ　　بینی　　باش　　تو　　بے　　جان　　خشت

ولی اکمل کی صفات کا احاطہ کرنے کے لئے قوت قلبی کی ضرورت ہے۔۔۔ خالی تعلیم سے اس کا احاطہ کرنا ممکن نہیں۔۔۔ ہاں اس کے مشاہدہ کے لئے خصوصی۔۔۔ صفت حب۔۔۔ اللہ و رسول ﷺ کی محبت و عزت و تکریم لازمی ہے۔۔۔ محبت نہ ہو تو بے محبت دل مانند بے جان اینٹ کے ہے۔۔۔ جو نور کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

ہاں! حضور قبلہ عالم کی ذاتِ والاشان کا یہ دعوےٰ تھا۔

صد ہزاراں شکرِ تو اے ربِ دیں
دَر دلِ من تو نہادی ایں یقیں

شکر ہے اللہ رب العالمین کا۔۔۔ کہ اس نے مجھے یہ نعمت عطا کی۔۔۔ کہ آپ کی ذات کو معرفت حقیقی میں ممتاز مقام حاصل تھا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

اے امینؔ تو شکر کن پروردگار
در وجودِ تو عیاں شد ایں بہار
الاماں ایقان گشتہ آں جہاں
ہمت پیش قلبِ من یکسر عیاں

پیر کے فنا میں مجھ پر اسرار الہیٰ کے آثار ظاہر ہوئے اور میں ان اسرار کا مشاہدہ کر رہا ہوں آپ اللہ تعالیٰ کے اس انعام پر شکر ادا کرتے ہیں کہ آپ کو ان انعامات سے نوازا ان انعامات کا جامع تصور پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

جزِ من از کلِ اُو کلی شدہ
کز عنایت پیر اکمل پُرشدہ

میری جز (روح) کل میں فنا ہو کر کل ہو گئی۔ یہ عنایت مجھے فنائے شیخ اکمل سے میسر آئی۔۔۔ بلاشبہ یہ حقیقت و معرفت ایک اولوالعزم ولی اکمل کی بیعت و ارشاد سے ہی انساں پر کھلتی ہے۔۔۔ یہ مقام حضور قبلہ عالم کو بدرجہ اولیٰ حاصل تھا۔ بلکہ آپ کی صحبت و بیعت میں طالبان حقیقت کو آپ کی محبوبیت کے شرف سے بلامحنت مقامات ولایت و معرفت حاصل ہوتے رہے۔ اب اگر اس سلسلہ طریقت سے بے توجہی اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے تو اس کا سبب ایسے ہی نام نہاد فقراء کا فقیری کا دعویٰ کرکے ذاتی اغراض اور غلط علم کا اجرا ہے۔

حقیقت بنائے اسلام

حضرت قبلہ عالم بنائے اسلام کی حقیقت بیان فرماتے ہیں کہ بنائے اسلام میں ایمان مجمل کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ كَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ وَقَبِلْتُ جَمِيْعَ اَحْكَامِهٖ اِقْرَارٌۢ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌۢ بِالْقَلْبِ ۔

میں ایمان لایا اللہ پر جیسا کہ وہ ہے۔ اپنے اسماء سے اپنی صفات سے اور قبول کیا اس

کے تمام احکام کو برائے تعمیل--- اس پر میں زبان سے اقرار کرتا ہوں اور قلب سے تصدیق کرتا ہوں۔

عمیق تحقیق میں جائیں تو اسماء صفات اللہ تعالیٰ کے نوری ہی ہیں ان پر ایمان لانا اس حال میں کہ میں نے تسلیم کیا اور یقین کے ساتھ یہ تسلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت تسلیم کرنے کے ساتھ ہے بلا دلیل بلا مشاہدہ۔ اور لازم ہے قلب سے تسلیم کرنے کے لئے بھی--- یقین و تحقیق کو کامل کیا جائے--- سو اسماء و صفات کی تحقیق و تسلیم بالقلب تصدیق کرنے کا کوئی ذریعہ مہیا ہونا لازم ہے قلب کے ذریعہ تصدیق کا طریق--- واحد طریق--- فقہ، قلبی مراد ہے لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ان کے دل ہیں ان سے فقہ نہیں کرتے--- فقہ سے مراد غیر محسوس۔ روحانی ماورائے ادراک کیفیتوں کو--- روحانی طور مشاہدہ کرنا--- جیسا کہ قرآن نے اس کا اشارہ دیا---

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۴۴)

تسبیح کرتے ہیں واسطے اللہ کے سات آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اور یہ کہ نہیں کوئی شے مگر تسبیح کرتی ہے۔ ساتھ اس کی پہچان (معرفت) کے لیکن تم ان کی یہ تسبیح فقہ نہیں کرسکتے۔ چونکہ سات آسمان--- اور زمین کی بعض کیفیات متشابہات سے ہیں اور ان کی تسبیح بھی متشابہات سے غیر محسوس--- ماوراء ادراک ہے--- اس لئے ایسی کیفیتوں کی تحقیق و علم کے لئے خود قرآن نے فقہ کا طریق بتایا--- لہٰذا ثابت ہوا کہ فقہ سے مراد غیر محسوس روحانی کیفیات جو ادراک میں نہ آتی ہوں۔ قلب کی فقہ سے تحقیق و علم میں لا کر ان کی حق الیقین کی حد تک تصدیق کی جاتی ہے۔

متشابہات علم کے تین ذرائع

واضح ہو کہ ماوراء ادراک متشابہات کیفیات کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ تین طرح سے ہے۔ اس ذریعہ کا اشارہ اس آیت سے واضح ہے وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ۔ بنائے تم میں کان اور آنکھیں اور دماغ و دل۔ اَفْئِدَةَ کو قریشی اصطلاح عربی میں دماغ کے لئے اور دل کے لئے بھی استعمال کیا ہے یعنی کسی کیفیت کا ادراک سمع۔ بصر۔ دماغ و دل سے ہوتا ہے۔

اول کسی کے سنانے سے ایک شے کے وجود کو تسلیم کرنا۔ اس کے ہونے کا اقرار کرنا۔ اس کیفیت کو سمع الیقین کہا جاسکتا ہے کہ کسی کیفیت کا کانوں سے سن کر یقین کرنا۔

جب کوئی اس شے کی کیفیت کا بغیر دکھائے (بغیر مشاہدہ) وجود کی شناخت دے تو اسے علم الیقین کہا جاسکتا ہے کہ اس شے کی ماہیت کا ذہن میں ایک موہوم تصور قائم ہوا۔۔۔ لیکن علم کامل نہیں جب تک کہ کیفیت کے وجود کو دیکھا نہ جائے۔ دوئم۔۔۔ اور جب کوئی اس شے کی ماہیت آنکھوں کے سامنے لاکر اس کے وجود کے ہونے کی شہادت دے کہ فی الواقع یہ ایک شے موجود ہے۔ اسے عین الیقین کہا جاتا ہے۔ اس سے پیشتر سمع الیقین سے ہم نے ایک شے کے وجود کا اقرار کیا مگر اس کے وجود کا اقرار اس وقت تک کامل نہیں جب تک کہ آنکھوں سے اس شے کا ادراک وعلم حاصل نہ کیا جائے۔ اب اس بصر سے اس شے کا وجود قابل تسلیم ہوا تو ضرورت ہے کہ اس شے کی تمامی ذات و صفات کے مرکبات کا بھی علم ہوجائے سو اس کے لئے اس شے کے بنیادی اجزا کی تحقیق میں اس کی جسمانی ساخت اور مرکبات کا احاطہ کیا جائے کہ جس نام و ہیئت سے اسے پکارا جاتا ہے آیا وہ ان اسمائے صفات سے مرکب ہے یا اس شے میں بنیادی مرکبات کس قسم کے ہیں اور اس کی تخلیق کس طرح ہوئی جیسا کہ حکم ہوا سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ بَدَأَ الْخَلْقَ پھرو زمین پر اور دیکھو ایک شے کی پیدائش کا بنیادی وجود کیا ہے۔ تو اس کی تحقیق میں عقلی طور تحقیق اور قلبی فقہ ہی ادراک کر سکتی ہے جسے حق الیقین کہا جاتا ہے۔۔۔ اس حق الیقین سے تصدیق بالقلب کی تکمیل ہوتی ہے۔ مثال کے طور ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں جنگل میں ایک تالاب ہے جس کا پانی زرد رنگ کا ہے۔۔۔ اس زرد رنگ پانی کی صفت یہ ہے کہ اس پانی میں خارش کا مریض غسل کرے اسی آن اس کا مرض دور ہو جاتا ہے۔۔۔ یہ خبر کانوں سے سنی گئی تو ایک کیفیت کا کانوں سے علم ہوجاتا ہے۔ اس ذریعہ کو سمع الیقین کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ علم کامل نہیں جب تک کہ اس وجود کے حق ہونے کی تصدیق نہ ہو۔۔۔ اس کا ذریعہ یہی ہے کہ تالاب کے پاس پہنچ کر۔ آنکھوں کے ذریعہ دیکھ کر تصدیق کی جائے اور جب آنکھوں کے ذریعہ تالاب اور زرد پانی کو دیکھا گیا تو یہ کیفیت عین الیقین (بصر الیقین) کی حد میں آتی ہے۔ لازم ہے کہ اس کیفیت کو حق الیقین کی صورت میں علم میں لایا جائے جس کے لئے ضروری ہے کہ تالاب کے پانی میں داخل ہو کر اس کی صفت کو دیکھا جائے کہ یہ پانی خارش زدہ مریض کا مرض دور کرتا ہے اس ذریعہ کو حق الیقین سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا ذریعہ عقلی تحقیق یا فقہ قلبی سے پورا ہوتا ہے لہذا یہ تحقیق سمع الیقین، البصر الیقین (عین الیقین) اور قلب الیقین (اَفْئِدَةً) سے پوری ہو سکتی ہے۔

ایک ولی کا دعویٰ ہوتا ہے کہ اسے معرفت الٰہیٰ حاصل ہے اور وہ طالبان حق کو اس

معرفت میں راہنمائی کر کے ذات حق کی معرفت دلاسکتا ہے--- بلاشبہ اس کا اشارہ بنیادی تسلیم میں- ایمان مجمل میں کَمَا هُوَ بِاَسْمَآئِهٖ وَصِفَاتِهٖ میں صاف ظاہر ہے کہ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى میں بھی ذات الٰہیٰ کے اسرار و آثار پنہاں ہیں- انہیں اسماء کے مشاہدہ کو معرفت سے موسوم کیا گیا--- لہذا یہ واضح ہے کہ جب تک کوئی پہچان کرنے والا کسی کیفیت کا ذکر نہ کرے کوئی شخص کسی وجود کا تصور و اقرار خود نہیں کر سکتا--- "نبی کہتا ہے" میں معرفت الٰہیٰ کے اسرار و آثار کا علم حق الیقین تک رکھتا ہوں- سو جو طالب حق ہے وہ میری اتباع میں آئے--- "نبی کہتا ہے"--- آسمان ہے--- جنت ہے--- ملائکہ ہیں--- آثار نوری ہیں--- طالب یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی صورت میں رسول کی شخصیت کو تسلیم کرتا ہے--- پھر طالب کو علم سے مشاہدہ کی ضرورت پڑتی ہے تو نبی آسمان کی ہیئت بتاتا ہے--- کہ نوری فضا ہے--- وسیع دنیا ہے--- پھر اسے "فقہ قلبی" سے مشاہدہ کراتا ہے--- یہی اس کا عین الیقین بن جاتا ہے--- پھر اسے (اس کی روح رحمانی کو) اٹھا کر آسمان میں لے جاتا ہے کہ روح آسمان کے نور میں مل جاتی ہے (یا فنا ہو جاتی ہے) تو یہ صورت حق الیقین کی ہو جاتی ہے--- ظاہر ہے کہ کسی کیفیت کے علم کیلئے تین صورتیں لازم ہیں-

(۱) اول--- نبی--- ولی--- راہبر--- یعنی کسی وجود کی خبر پانے والا--- خبر دینے والا--- اس ذریعہ سے کسی وجود کے ہونے کا علم ہونا--- سمع الیقین--- یا علم الیقین--- کی صورت ہوتی ہے-

(۲) دوئم- ایک وجود کے فی الواقع ہونے کی تصدیق کا ذریعہ- بصر الیقین--- یا عین الیقین--- کی صورت ہوتی ہے-

(۳) سوئم- طریق تحقیق- کہ ایک وجود کی مکمل ہیئت (اس کی ذات و صفات) سے آگاہی حاصل ہونے کا ذریعہ--- روح الیقین--- یا قلب الیقین--- یعنی روح و قلب کی قوت سے ایک وجود کے ظاہر و باطن کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ--- تصدیق بالقلب کی صورت میں اس طریق میں--- ایک کیفیت میں--- جذب--- یا اتصال ہونا لازم ہے- جسے فنا یا وصال سے تعبیر دیا جاتا ہے- اس طریق سے کسی کیفیت کا علم حق الیقین کی صورت میں ہو جاتا ہے-

لہذا کسی وجود کے علم حاصل کرنے میں ابتدائی- اور لازمی صورت علم الیقین (سمع الیقین) کی ہوتی ہے- کہ کسی کیفیت کے وجود کی خبر ملے- ("یہ خبر"--- ایک "خبر پانے والے" سے میسر آتی ہے- اس خبر کے اعتبار سے ایسے شخص کو "ولی" یا "نبی" سے

موسوم کیا جاتا ہے)

تو ولی کی تعریف کیا ہے؟

عالم--- علم سے ماخوذ ہے--- علم کے معنی کسی شے کی حقیقی ماہیت کو ذہن میں لانا۔ علم الاخلاق کی رو سے یہی معنی علم کے ہیں۔

عالم سے مراد وہ ہستی ہے جسے مخلوقِ کائنات کی ہر شے کی اصل ماہیت کا بدرجہ اولیٰ علم ہو۔ خصوصاً شرعی اعتبار سے--- قرآنی علم پر--- کلی عبور رکھتا ہو محکمات جملہ اصول و عقائد سے واقف ہو--- قرآنی حقائق میں حکمت و موعظت کے آداب و اصول سے واقفیت رکھتا ہو۔ تخلیقی آثار کی جملہ ترکیبوں پر احاطہ رکھتا ہو تاکہ اس حیثیت میں قرآنی علم کا حصول و تعلیم کسی طالب علم کے لئے مشکل نہ ہو۔ ایسے عالم کو عالم شریعت کہا جاتا ہے۔

اس علم کی تکمیل کے بعد ایک عالم علوم قرآنی کے متشابہات آثار کا بالمشاہدہ علم رکھتا ہو۔ اس کی ابتداء سے لے کر انتہا تک حق الیقین کی حد تک تمام آثار و اسرار باطنی سے آگاہی رکھتا ہو۔ یہی عالم حقیقی معنوں میں علمائے امت--- نائب رسول اور ولی میں شمار ہوتا ہے۔ ایسے عالم شریعت کو عالم طریقت سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے متشابہات کا علم۔ ماوراء ادراک تصور ہوتا ہے اس کے لئے قلبی فقہ اور مشاہدہ شعوری استعمال ہوتا ہے۔ لہذا اس علم کی حقیقت ولی کے قول و فعل سے ہی سمجھی جاتی ہے--- جس کی شہادت خود ولی ہی سے مل سکتی ہے۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں۔ علمائے امت میں--- عالم--- جو ولی کا مقام رکھتا ہے تین قسم کے ہوتے ہیں۔

۱۔ ولی کامل--- ۲۔ ولی مکمل--- ۳۔ ولی اکمل۔

۱۔ ولی کامل وہ ہے جو عالم ملکوت میں داخل ہو کر حقیقت محمدی ﷺ سے بالمشاہدہ، مشاہدہ قلبی سے آگاہ ہو۔

۲۔ ولی مکمل وہ ہے جو اسرار الہیٰ، آثار ملکوتی و نوری تا ذات الہیٰ سے بالمشاہدہ معرفت حاصل کر چکا ہو۔

۳۔ ولی اکمل وہ ہے جو نائب رسول ہو جو قرآن و حدیث کے علم پر کلی طور عبور رکھتا ہو۔ قرآن کے متشابہات سے آگاہ ہو--- اور تمام اسرار الہیٰ تا ذات الہیٰ کی خبر رکھتا ہو۔ اور طالبان حق کو اس راہ تک پہنچا کر ان کے حصول معرفت میں تکمیل کرنے والا ہو یہی ولی ہے--- جو خبر اسرار الہیٰ کی پاتا ہے--- اس خبر سے طالبان حق کی راہنمائی کرتا ہے--- اور کسی کیفیت کے وجود (ادنیٰ شے مخلوق سے لے کر ذات الہیٰ تک) کی خبر دیتا ہو

اور اس کیفیت کا مشاہدہ و علم دیتا ہو۔

جہاں تک ماورائے ادراک اسرار کا تعلق ہے اس کا علم ایک ولی سے ہی سنا جاتا ہے۔ ایک ولی سے کسی کیفیت کی خبر سننا سمع الیقین سے تعبیر ہے۔

اس کیفیت کے وجود حق ہونے کے لئے مستحکم یقین۔۔۔ ولی کی تقلید یا اتباع سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جس میں ولی وہ طریق بتاتا ہے جس سے ایک کیفیت عین الیقین کی حد تک علم میں آئے۔۔۔ اس طریق میں۔۔۔ قلبی فقہ سے کیسے کام لیا جاتا ہے؟ اس میں تصور۔۔۔ یکسوئی۔۔۔ مراقبہ اور روح سے روح کی نسبت رابطہ قائم ہوتا ہے۔۔۔ اس طریق میں صورتِ یقین یہ ہو گی کہ ولی اصول طریقت کے مطابق جس کیفیت کا علم مقصود ہو اس کا تصور دیتا ہے لیکن اس تصور کا طریق۔۔۔ ولی کی روح سے روحانی نسبت قائم کرنا۔۔۔ یعنی طالب اپنی روح رحمانی سے ماوراءِ ادراک کیفیت کے علم کے لئے پہلے ولی کی روح سے رابطہ قائم کرتا ہے۔

یہ امر محقق اور تسلیم شدہ ہے کہ انسان میں دو روحیں موجود ہیں جو بجائے خود ایک نوری وجود رکھتی ہیں۔ ان میں سمع۔ بصر۔ فہم کی قوی قوت موجود ہے ان میں روح رحمانی بھی ایک کامل وجود۔ قوت سمع، بصر و فہم کی حامل ہے۔ یہی روح تصور و مراقبہ سے پیر "ولی" کی روح سے رابطہ و اتصال پیدا کرتی ہے۔۔۔ ولی اکمل کی روح ہر مقام پر کیفیت سے آگاہ ہوتی ہے۔ اس لئے یہ رابطہ اس صورت میں ہوتا ہے کہ طالب پہلے پیر کی روح کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اسے تصور شیخ سے تعبیر دیا جاتا ہے جب طالب تصور شیخ پانے میں کامیاب ہوا تو پیر طالب کو مطلوبہ کیفیت کا مشاہدہ کرا دیتا ہے۔ یہ مشاہدہ عین الیقین سے تعبیر ہے جو فقہ قلبی سے ہوتا ہے یعنی روح رحمانی کا جسم میں مقام قلب ہے۔ یہی روح قلب کے مقام سے عالم باطن کا مشاہدہ کر کے ماوراء ادراک کیفیات کا عکس حاصل کر کے دماغ کو کیفیات کا عکس فراہم کرتی ہے۔ دماغ مسکن و مخزن ہے۔ روح حیوانی کا۔ جیسا فقہ قلبی میں روح مشاہدہ کرتی ہے۔ اسی طرح دماغ میں روح حیوانی عکس حاصل کر کے ذہنی طور کسی کیفیت کی ہیئت واصل سے آگاہ ہوتی ہے۔۔۔ لہذا ایک طالب کی روح رحمانی پیر کی روح رحمانی سے رابطہ قائم کر کے مطلوبہ کیفیت کے نام۔ ہیئت مشاہدہ کر کے یہ علم روح حیوانی کو فراہم کرتی ہے تو اس صورت میں کسی ماورائی ادراک کیفیت کا بالمشاہدہ علم۔ عین الیقین کی صورت میں ہو جاتا ہے۔۔۔ یہ صورت کسی کیفیت کے وجود کے اقرار کی ہے۔ لیکن اس علم میں حق الیقین کی ایک صورت لازم ہے کہ کیفیت کی اصل حقیقت بہمہ صفات مکمل علم میں آئے۔۔۔

طریقت میں حق الیقین کے لئے ایک خاص طریق ہے۔ اسے فنا کہتے ہیں۔

فنا

فنا سے مراد ہئیت تبدیل کرنا ہے--- ایک ہیئت کا دوسری ہیئت میں ضم ہو جانا۔ اس حالت میں کہ ایک ہئیت کی اپنی وجودی ہئیت گم ہو کر۔ یا غیر محسوس ہو کر--- دوسری ہئیت اختیار کر کے "باقی" ہو جائے--- یا وہی کیفیت بن جائے جو دوسری کیفیت کی ہے--- اس فنا میں ہئیتوں کا ہم جنس ہونا لازمی ہے۔ ورنہ غیر جنس میں فنا ممکن نہیں--- اصطلاح طریقت میں--- طالب حق کی روح رحمانی کا پیر کی روح رحمانی سے رابطہ قائم کر کے دو کی حیثیت کا ختم ہو جانا۔ اس حال میں کہ طالب کی روح کا پیر کی روح سے اتصال کر کے (وصل) پیر کی روح میں سما جانا۔ یا ضم ہو جانا--- فنا سے تعبیر ہے۔ اگرچہ طالب کی روح کا وجود--- دو کی صورت میں موجود نہیں--- مگر پیر میں فنا کی صورت میں پیر کی روح کا اثر قبول کر کے ایک ہو جانا--- اس حال میں کہ پیر کی روح میں طالب کی روح کی حیثیت معدوم نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا وجود باقی رہتا ہے۔ مثال کے طور پر--- سمندر سے نکلا ہوا پانی جب بخارات کی شکل میں سمندر سے الگ ہوا تو فطری اصول کے تابع سمندر کے وجود کی اپنی حیثیت سمندر کی شکل میں باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن اس کی ایک جز سمندر سے علیحدہ ہو کر اسی جنس "پانی" میں ایک علیحدہ وجود اختیار کر جاتی ہے۔ حقیقتاً سمندر سے نکلے ہوئے پانی کی کمی سے سمندر میں نقص واقع نہیں ہوتا۔ سوائے اس کے کہ اس کی ایک جز اپنا علیحدہ وجود اختیار کر لیتی ہے--- یہی بخارات پھر اسی جنس تبدیل ہو کر قطرہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں--- یہی قطرہ ہے جو پھر كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ پھر سمندر میں ضم ہو جاتا ہے۔ قطرہ سمندر کی جز تھا۔ سمندر میں ضم ہو کر اپنی اصل میں مل گیا۔ تو سمندر بنا جو پہلے تھا--- دوسری صورت اب قطرہ سمندر میں ضم ہو کر اپنی ہیئت میں قائم رہتا ہے۔ اگرچہ وہ سمندر میں مل کر سمندر کی ہیئت بن کر اپنی پہلی ہیئت گم کر جاتا ہے--- یہی کیفیت فنا کی ہے۔ کہ طالب کی روح پیر کی روح میں ضم ہو کر (اس کا وجود) ایک طرف پیر کی صفت و خاصیت اختیار کر جاتی ہے مگر دوسری طرف وہ اپنے وجود کا فنا کی شکل میں بھی احساس رکھتی ہے۔ یہی وہ فنا ہے جس میں طالب کی روح ہر اس کیفیت کا ادراک کر لیتی ہے جس کا عکس پیر کی روح پر پڑتا ہے--- پیر کی روح چونکہ عقل کل ہوتی ہے۔ وہ تمام آثار و اسرار کی کیفیتوں کا عکس پا چکی ہوتی ہے جو انتہائی تابانی نوری قوتوں کا اثر ہوتا ہے، تو طالب کی روح اتنا ہی اثر قبول

کرتی ہے۔ جتنا ہی طالب کی روح رحمانی کا عکس روح حیوانی قبول و برداشت کرے کیونکہ جزوی حیثیت میں طالب کی روح اس وقت تک تمام کیفیات کا اثر قبول نہیں کر سکتی جب تک کہ اس روح میں فنائے رسول اور فنائے ذات الہٰی کا مقام حاصل نہ ہو۔ اس لئے پیر اکمل کی فنا میں روح رحمانی کیفیات اسرار کا اسی حد تک مشاہدہ کرتی ہے جس حد تک روح حیوانی اس کا مشاہدہ برداشت کر سکے۔ ورنہ اگر قوی تجلیات کا عکس روح حیوانی تک پہنچا تو یہ اس کے مشاہدہ میں غرق ہو جاتی ہے تو طالب پر جذب طاری ہو کر مجذوب ہو جاتا ہے۔ یہ ایک صورت ہے حق الیقین کی کہ طالب کی روح رحمانی براہ راست اسرار الہٰی تک رسائی حاصل کر کے ان انوار کی سی قوت پا کر اسی نور کے مشابہ ہو کر اس نور میں فنا ہو جاتی ہے۔ اس فنا سے ان اسرار کی اصل حقیقت روح پر وارد ہو کر کیفیت حق الیقین کی حد تک علم و ادراک میں آتی ہے۔۔۔ اس حصول علم میں پیر اکمل کی روح رحمانی میں فنا حاصل کر کے، فنانی الشیخ کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر اسی اتصال روح پیر سے رابطہ و قوت حاصل کر کے یہ روح پیر کے اس مقام میں داخل ہوتی ہے جہاں پیر کی روح فنا فی الرسول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور میں فنا حاصل کر چکی ہوتی ہے۔ اسی روحی فنا میں طالب فنا فی الرسول کہلاتا ہے۔ دراصل یہاں براہ راست طالب فنا فی الرسول نہیں ہوتا۔ بلکہ پیر کی روح میں ضم ہو کر فنا فی الرسول حاصل ہوتا ہے۔ یہی طریق فنا فی اللہ کا ہے۔ یہاں نہ طالب فنا فی اللہ ہوتا ہے نہ پیر فنا فی اللہ ہوتا ہے، بلکہ پیر کی روح نور محمدی ﷺ میں فنا ہو کر خود کو گم کرتی ہے۔ رسول ﷺ کی روح میں ضم ہو کر رسول بن جاتی ہے۔ ایسی صورت میں خود رسول فنا فی اللہ ہوتا ہے چونکہ اس روح میں پیر اور مرید کی روح بھی شامل ہوتی ہے اس لئے رسول ﷺ کا فنا فی اللہ پیر اور طالب کی فنا سے بھی تعبیر دیا جاتا ہے۔۔۔ اس فنا سے حق الیقین کا مقام حاصل ہو کر حقیقت کی تحقیق کے ساتھ اسماء و صفات ذات الہٰی کی تحقیق و علم کے ساتھ تصدیق بالقلب کا عمل پورا ہو جاتا ہے۔

ایک ولی کی اکملیت اسی صفت سے متصف ہوتی ہے کہ وہ بالفنا حقیقت کا ادراک مشاہدہ حق الیقین کے ساتھ رکھتا ہے تب ہی کسی ولی کے دعوئے کی کوئی حقیقت ہو سکتی ہے کہ ایسا ولی کسی طالب حق کو حق الیقین کے ساتھ معرفت الہٰی کی تکمیل کرا سکتا ہے۔۔۔ یہ امر بسا مشکل ہے۔ اس کے لئے شدید محنت کٹھن مجاہدات اور حب کی ضرورت ہے۔ ایسا ہی ولی صاحب کرامت ولی حقیقتاً ولی کہلانے کا مستحق ہے۔ ورنہ ناسوتی کرامات ولی کی ولایت کی دلیل۔ کچھ معنی نہیں رکھتی۔

ان ہی خصوصیات کے ساتھ حضور قبلہ عالم کے مشاہدات اور کمالات متعلق ہیں۔۔۔
جن میں مقام فنا کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ اسی اصول اور طریق پر سلسلہ اویسیہ میں منازل فقر کے مراتب حاصل کئے جاتے ہیں اور ان کا مشاہدہ عین الیقین اور حق الیقین کے ساتھ ہوتا ہے۔ سلسلہ اویسیہ میں ابتدائی مشاہدہ میں اول منزل فقر اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اسے عالم ملکوت کا ابتدائی باب بھی کہا جاتا ہے۔۔۔ اس سے قبل عالم ناسوت کی اکتالیس منزلیں بھی نورانی عالم کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن ان منزلوں کا مشاہدہ روح حیوانی سے ہوتا ہے۔ روح حیوانی کے مشاہدہ کے لئے بلاشرط۔ اتباع شریعت صرف عام حیثیت میں رات جاگنا فاقہ رکھنا۔۔۔ یا جسم پر فاقہ یا محنت سے شدت ڈالنا یا اس کے علاوہ کسی انسان میں پیدائشی طور۔ روح حیوانی کا لطیف ہونا کافی ہوتا ہے جس تزکیہ سے ہر انسان بلاتمیز مذہب و شریعت صاحب مشاہدہ ہو کر عالم ناسوت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اکتالیس منزلوں کے بعد ابتدائی عالم ملکوت میں۔ اول اجلاس محمدی ﷺ کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس جس حجرے میں آپ ﷺ کی تربت مقدس ہے۔ بجائے تربت نظر آنے کے ایک وسیع اجلاس نظر آتا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تخت نشین ہوتے ہیں اور آگے دو رویہ قطار میں وقت کے مقرب اولیاء کرسی نشین ہوتے ہیں۔ اسی طرح دریائے توحید، عرش، تحت الثریٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مقام پر ایک اجلاس کی صورت میں تخت نشین ہوتے ہیں اور آپ کے ساتھ وقت کے مقرب اولیاء اور قطب بھی کرسی نشین ہوتے ہیں۔۔۔ جن کیفیات کا یہاں ذکر ہوا۔۔۔ یہ سب مقام حضور قبلہ عالم کے ادنیٰ و اعلےٰ مریدوں کو بہت قلیل مدت میں حاصل ہوتے ہیں۔ بلکہ آپ کے اکثر مرید ذات الٰہیٰ کے مشاہدہ و معرفت تک کامل مکمل ہوتے ہیں۔ یہ صفت و خصوصیت بہت کم فقراء کو حاصل ہے۔ جہاں تک حضور قبلہ عالم کی ولایت کا تعلق ہے۔ آپ مرتبہ صدیقی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے دائیں طرف مرتبہ قطب الاقطاب پر فائز ہیں اور جو احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نافذ ہوتے ہیں وہ حضور قبلہ عالم کے ذریعہ باقی اقطاب کو دیئے جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں (جب حضور قبلہ عالمؒ عالی جاہ حضرت سید محمد نور الزمان شاہ صاحب قطب الاقطاب رحمت اللہ علیہ سے خلافت عطا ہوئی) حضرت قبلہ نے اپنا ایک مشاہدہ بیان فرمایا کہ آپ کو ایک خاص مقام پر پیش کیا گیا وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مرتبہ قطب الاقطاب عطا کرنے کے لئے فقراء کا معائنہ کیا اور جب آپ کا معائنہ کیا تو فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کے سر مبارک پر ایک دور بین

لگا کر دیکھا تو آپ کو بھی نظر آیا کہ دوربین میں قطب الاقطاب لکھا نظر آرہا ہے تو حضرت علی کرم اللہ نے آپ کو قطب الاقطاب کے مرتبہ پر فائز فرمایا۔

ایک روز میں حضور قبلہ عالم کے آستانہ عالیہ پر قدم بوسی کے لئے جارہا تھا میرے ساتھ کئی ایک دوست بھی تھے۔ جنگل میں چلتے ہوئے میرے دل میں اچانک ایک خیال پیدا ہوا کہ مجھے حضور قبلہ عالم کے قطب الاقطاب ہونے کے بارے میں مشاہدہ ہونا چاہیئے حضور کی خدمت میں پہنچ کر قدم بوسی کی۔۔۔ چائے پی رہے تھے کہ پھر یہ خیال پیدا ہوا۔ حضور میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ میں نے بے ساختہ عرض کی۔۔۔ بَلیٰ! وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي۔ یہ نماز ظہر کا وقت تھا۔ حضور نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد مجھے مراقبہ کرنے کا حکم ہوا۔ دس منٹ کے اندر میں نے مشاہدہ کیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آستانہ عالیہ پر وائرلیس لگا ہوا ہے۔ اور دنیا کے تمام ممالک کے جھنڈے اس پر لہرارہے ہیں اور ہر جھنڈے کے ساتھ وائرلیس سے ایک ایک تار جڑا ہوا ہے۔ حضورؒ آستانہ عالیہ میں صدارت کی کرسی پر تشریف فرما ہیں اور سینکڑوں آدمی مختلف ممالک سے پیغامات وصول کر رہے ہیں میں نے اپنی دانست میں کسی پیغام میں ردوبدل کرنا چاہا۔ اسی وقت حضور نے آواز دی کہ بس کرو۔ اتنا ہی کافی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بار میں نے وصال سے چند دن قبل حضور سے دریافت کرنا چاہا کہ حضور کے بعد یہ مرتبہ کس خوش نصیب کو عطا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ جیسے آسمان پر دو آفتاب نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح زمین پر دو قطب الاقطاب نہیں ہوسکتے امام صاحب (امام مہدی علیہ اسلام) چارج لینے کے لئے منتظر بیٹھے ہیں اور ہمیں ولایت صرف اسی لئے ملی تھی کہ ان کے ظہور کے سلسلہ میں انتظامات مکمل کرلیں۔ اب وہ انتظام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ اس لئے ہمارے بعد قطب الاقطاب سوائے حضرت امام مہدی علیہ السلام کے کوئی نہ ہوگا۔

اقطاب کی مجلس مشاورت

جاننا چاہیئے کہ طریقت میں قطبیت کے مراتب ولایت کے مراتب نہیں بلکہ یہ مراتب مخصوص ہیں۔ دراصل طریقت کے مراتب میں ولی کے تین درجے ہیں۔ ولی کامل، ولی مکمل اور ولی اکمل (اس کی تفصیل پہلے آچکی ہے) ولی اکمل کی صفت یہ ہے کہ وہ ذات الہیٰ کی معرفت میں اکمل ہوتا ہے اور طالبان حقیقت کے لئے راہنمائی کرتا ہے۔۔۔ اس کے مقابل قطبیت چند مخصوص مراتب ہیں جو تمام اولیاء میں چند مخصوص ہستیوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ان میں یہ

ضروری نہیں کہ ولی قطب کہلاتا ہو۔۔۔ یہ مراتب اولیاء امت میں صرف ان مقبول و مخصوص ہستیوں کو ملتے ہیں جو علم القرآن و حدیث و فقہ اور انتظام دینوی میں بدرجہ کمال فہم و تدبیر کے مالک ہوں۔ ان اولیاء کا تعلق ایک خاص مجلس سے ہوتا ہے جسے مجلس مشاورت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ مجلس مشاورت اس مجلس مشاورت سے مشابہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے اربعہ نے قائم کی تھی۔ یہ ظاہری مجلس مشاورت کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی مجلس مشاورت بھی قائم ہے مجلس مشاورت دریائے توحید کے اجلاس دوئم میں قائم ہے۔ اس مجلس مشاورت کے ارکان حضرت ابن عربی نے گیارہ بتائے ہیں۔ ان میں:۔

اول ولی۔ قطب الاقطاب کہلاتا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے دائیں طرف اول اجلاس محمدی ﷺ میں مرتبہ صدیقی پر فائز ہوتا ہے۔ ولایت کے مرتبہ میں اس کا ولی اکمل ہونے کے ساتھ قرآن و حدیث، فقہ و دیگر علوم اور امور دینوی میں فہم و تدبر کا بدرجہ اولیٰ حامل ہونا شرط ہے۔

دوئم۔ قطب العالم۔ قطب العالم کا ولی مکمل ہونا شرط ہے۔

سوئم۔ قطب الارشاد۔ قطب الارشاد کا بھی ولی مکمل ہونا شرط ہے۔

قطب الارشاد۔ قطب الارشاد تیسرے درجہ کا قطب ہوتا ہے اس کے لئے بھی ولی مکمل ہونا شرط ہے۔ اس کے علاوہ قرآن و حدیث و فقہ کا بدجہ اولیٰ حامل ہونا بھی شرط ہے۔ اور جب قطب الارشاد امت میں درس قرآن و حدیث اور تبلیغ دین کے اجرا کرنے کی خصوصیت پائے تو اسے غوث کا خطاب دیا جاتا ہے۔ غوث سے مراد تبلیغ دین کرنے والا۔

چہارم قطب مدار۔۔۔ پنجم قطب سلاطین۔۔۔ ششم قطب الاوتاد۔۔۔ ہفتم قطب الابدال۔۔۔ یہ سات قطب ہیں۔

اس کے علاوہ قطب الارشاد چار ہوتے ہیں اور ایک قطب القلندر کہلاتا ہے اس حساب سے قطب گیارہ ہوتے ہیں۔ ان اقطاب کے علاوہ مجلس مشاورت سے منسلک اوتاد۔ ابدال بھی ہوتے ہیں۔ جو قطب الابدال کے ماتحت ہوتے ہیں۔ ان گیارہ اوتاد سے علاوہ باقی اولیاء کے لئے قطب ہونا مراتب مرتبہ ولایت میں شرط نہیں۔ ہر ولی ولی ہوتا ہے۔ ابدال۔ غوث یا قطب نہیں کہلاتا۔ ہر جمعرات کی رات سے دوپہر جمعہ تک دریائے توحید کے دوئم اجلاس محمدی ﷺ میں اقطاب جمع ہوتے ہیں۔ جنہیں امور دینوی سے متعلق احکام دیئے جاتے ہیں۔ ان احکام کے تحت دنیا کا نظام چلتا ہے۔ یہ احکام ہر سال لَيْلَةُ الْبَرَاءَةِ میں لوح محفوظ

سے آسمان سوئم پر نازل ہوتے ہیں اور لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں دوئم اجلاس محمدی ﷺ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شب جمعہ کو ان اقطاب میں احکام تقسیم کرتے ہیں۔ یہ احکام حضور ﷺ قطب الاقطاب کو دیتے ہیں۔ قطب الاقطاب دوسرے قطبوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم مرتبہ صدیقی پر فائز تھے۔۔۔ سلسلہ اویسیہ کے مریدوں میں حضور قبلہ عالم کی ذات والا سے نسبت رکھنے والا ہر مرید حضور کو ہر وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تخت کے دائیں طرف کرسی نشین دیکھتا رہا۔ اس حیثیت میں حضور قبلہ عالم کو وراثت حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے محبوبیت کا مقام عطا تھا۔ نیز حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی نسبتِ قادری سے وراثت میں "سوال" عطا تھا۔ کہ آپ کی ہر سفارش کو دربار محمدی ﷺ میں شرف قبولیت ملتا رہا۔ اسی نسبت سے حضور قبلہ عالم کے مریدوں کو بھی شرفِ قبولیت عطا تھا کہ ان کے ہر مطالبہ کو قبول کیا جاتا۔ آپ کے مریدوں میں کسی کا سوال رد نہ ہوتا گذشتہ باب میں اس کی چند مثالیں بیان کی گئیں۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۔۔۔۔۔۔۔ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۔

کون ہے جو سفارش کر سکتا ہے مگر جسے وہ اللہ اجازت دے! کوئی بھی اس کے اسرار قدرت پر احاطہ کر نہیں سکتا۔۔۔ جسے چاہے اس کا علم دے۔۔۔ یہی ہیں وہ مقدس ہستیاں جنہیں وہ اذن دیتا ہے۔ جنہیں سوال عطا ہوتا ہے۔۔۔ جنہیں اپنی معرفت عطا کرتا ہے۔

وَاَطْلَعَنِیْ عَلٰی سِرٍّ قَدِیْمٍ
وَقَلَّدَنِیْ وَاَعْطَانِیْ سُؤَالْ

یہ مقام محبوبیت ہے جو اولیاء کرام کو عطا ہوتا ہے۔ ان ہی کی نسبت سے شفاعت ملتی ہے۔۔۔ یہ تصور غلط ہے! کہ ولی گناہوں کی مغفرت نہیں کر سکتا کہ کوئی کسی کی مدد آخرت میں نہیں کر سکتا۔۔۔ ا۔۔۔ ایسا نہیں بلکہ اولیاء کاملین کو مقام محبوبیت میں اس کا اذن دیا جاتا ہے۔۔۔

دعوئ طریقت میں ایک شخص کا صاحب ایمان۔۔۔ ولی اکمل ہونا ضروری ہے اور طالب کے لئے ولی سے بیعت کرنا۔۔۔ اور ولی سے نسبت قائم کرنا ضروری ہے۔۔۔ جیسا کہ

قرآن نے بیان کیا۔ وَمَنْ اَوْفٰی بِعَھْدِہٖ۔ جس نے بیعت کے بعد اپنا عہد پورا کیا۔۔۔ وہ عہد کیا ہے؟۔۔۔ قرآنی احکام پر بہ تمام وکمال عمل پیرا ہونا۔۔۔ تقویٰ حاصل کرنا۔۔۔ اور طریق سنت کے مطابق ولی اکمل کی بیعت میں بمنزلہ اولی الامر ولی کی حب میں اپنی جان۔۔۔ اپنا مال۔۔۔ اپنی اولاد۔۔۔ اپنے ماں باپ کی محبت قربان کر کے اپنی تمام خواہشات قربان کر کے صرف ولی کے حکم پر ہر لحہ تعمیل کے لئے مستعد رہنا ہے۔ ہاں یہاں پر وہم ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اور ان کے حکم کے مقابلہ میں ایک انسان کے حکم کی تعمیل اور محبت شرک سے تعبیر ہو سکتی ہے۔ مگر قرآن کے انداز بیان سے یہی کیفیت واضح ہوتی ہے کہ

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ط (پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت ۳۱)

ان سے کہہ دیجئے کہ جو میں نے بیان کیا کہ اللہ کی محبت تمام شے کی محبت پر مقدم ہے مگر میرے نزدیک اس محبت کا اظہار ایسے ہو گا کہ اگر تم اللہ سے محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرو۔ ان ہی سے تمہیں محبت کرنے کا سلیقہ مل سکے گا۔ پھر جو اللہ سے محبت کرنا چاہتا ہو۔ وہ میرے محبوب سے محبت کرے۔ تو اس آداب محبت کے سوا کوئی بھی میری محبت کو پورا نہیں کر سکتا۔۔۔ پھر محمد رسول اللہ کائنات عالم کے محبوب اور میرے محبوب ہیں اس لئے اسی ذات کی محبت کو دل میں جاگزیں کرو۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (پارہ ۱۱، سورہ ۹، آیت ۱۰۰) اس جذبہ محبت و ایثار سے میں راضی ہوں گا۔ اس جذبہ محبت کے صلے میں، میں اسے بے شمار انعامات و تجلیات سے نوازوں گا کہ وہ مجھ سے خوش ہو گا۔

اور پھر اَطِیْعُوا اللّٰهَ۔۔ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ رسول تو تمہیں میرے ہی احکام کا حکم دیتا ہے مگر اس کا اپنی ذات سے حکم دینا مسلم ہے کہ تم اسی کے حکم کے مطابق میرے حکم کی تعمیل کرو۔۔۔ جب تک تم رسول ﷺ کے حکم کی اطاعت نہ کرو میری اطاعت تک پہنچ نہیں سکتے اس لئے حکم کے ساتھ تم پر رسول ﷺ کی محبت ہی اصل عمل ہے۔۔۔ اس کے بعد رسول ﷺ کے تربیت یافتہ اُمَّۃً وَّسَطًا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہی حکم دیتے ہیں۔ ان کا اپنا کوئی حکم اس میں شامل نہیں لیکن یہ بھی تو حکم دیتے ہیں کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو۔ یہ بھی حکم میں شمار ہوتا ہے۔ انہیں میں نے اولی الامر کا خطاب دیا ہے۔ ان کا حکم بھی مانو۔ یہ اس لئے کہ ہر زمانہ میں ان کا وجود موجود ہو گا۔۔۔ انسانی خاصیتیں۔۔۔ خیالات۔۔۔ جسمانی ہئیتیں بدلتی رہتی ہیں۔ ان کیفیتوں کے مطابق تمہیں اصلاح کی ضرورت ہو گی یہ میرے ولی

"دوست" کہلاتے ہیں۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ط

(پارہ ۳ سورہ ۲ آیت ۲۵۷)

یہ اللہ و رسول ﷺ کے مقبول و محبوب ہیں۔ ان کی اطاعت تم پر واجب ہے لہذا ان ہی کی اطاعت میں تمہیں اللہ اور رسول سے محبت کے آداب میسر آسکتے ہیں۔ ان سے حب قائم کرو۔۔۔ ان کی اطاعت کرو۔ ان سے ہدایت و معرفت حاصل کرو۔ لہذا بغیر اولی الامر ولی کی اطاعت و راہنمائی کے رسول ﷺ کی حب کامل نہیں ہو سکتی نہ اللہ کی حب کامل ہو سکتی ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طریقت و شریعت بغیر اولیاء کاملین کی اطاعت و محبت کے کامل نہیں ہو سکتے نہ کوئی حصول حق میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ حصول حق ہر مرد اور ہر عورت کے لئے فرض ہے حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں جب ولی اکمل سے عہد کرو تو فیصلہ کرو کہ ہم کو اپنی جان و مال اور ہر شے کی محبت سے دستبردار ہونا ہے۔ پھر عہد کرو پورا۔ کہ ولی اکمل سے سوائے معرفت حقیقی دنیا کی کسی شے کی توقع نہ رکھو۔۔۔ نہ طلب باقی رکھو۔۔۔ حضور فرماتے ہیں کہ ولی سے نسبت کے بعد ولی کی محبت رکھو۔ محبت و نسبت و قرب قائم رکھو۔

اصول طریقت

اصول طریقت میں ابتدائی پرہیز یہ ہے:۔ (۱) کم کھانا (۲) کم کلام (۳) کم نیند۔۔۔ پھر تلاوت قرآن اس پرہیز سے مشاہدہ کلام پاک حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد تصور یکسوئی اپنا دائمی شعار بناؤ۔ اس سے تمہیں اسرار الہیٰ کی معرفت حاصل ہوگی۔ طریقت میں بہتر طریقہ حصول معرفت اولی الامر کیلئے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور کا تصور ہے اور "راز اس"۔۔۔ طالبان حق کیلئے اولی الامر۔ اولیائے کاملین کا تصور ضروری ہے بغیر اس تصور کے معرفت رسول ﷺ۔ معرفت الہیٰ کیلئے اور کوئی راہ نہیں۔ حضور فرماتے ہیں کہ بغیر اولی الامر کی صفت کے نہ کسی شخص کو عالم یا عالم امت کہلانے کا حق ہے نہ ولی ہونے کا دعویٰ واجب ہے جو شخص بغیر صفت ولایت فقر کا دعویٰ کرے وہ اپنے آپ کو دھوکہ دے رہا ہے اور مخلوق کو گمراہ کر رہا ہے۔ کسی بھی شخص کو اپنے علم پر فخر نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ علم بغیر مشاہدہ کامل نہیں ہے اسی طرح بے ثبات اور بے عمل ولایت کا دعویٰ کرنا ناجائز اور غلط

ہے۔ ولایت کے دعویٰ سے مراد کہ انسان معرفت الٰہیٰ اور معرفت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو۔۔۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہم پر جھوٹ بولے اس کا ٹھکانا جہنم ہے۔ لہذا طالب حق کے لئے لازم ہے کہ وہ معرفت کیلئے حقیقی عالم امت اور ولی اکمل سے بیعت کرے۔۔۔ ہاں ولی کی شناخت ضروری ہے۔۔۔ اس شناخت کا آسان طریقہ یہ ہے۔۔۔ اس کے دعوے کے ثبوت میں اس کے مریدوں میں ولی مکمل ہونا ضروری ہیں۔۔۔ ولی مکمل سے مراد وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ کا دیدار عطا ہوا گر یہ نہیں تو اس کے مریدوں میں ولی کامل ضرور ہوں ولی کامل سے مراد جسے اجلاس محمدی صلعم میں حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو۔۔۔ اس کے سوا عالم ناسوت میں اکتالیس منزلوں میں بھی انوار کے مشاہدات ہوتے ہیں مگر یہ مقامات ولایت کے مدارج میں شامل نہیں ہیں۔ ان مقامات میں بے شمار نورانی کیفیات و عجائبات کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ کیفیات ماوریٰ ادراک اور مافوق العقل تصور کئے جاتے ہیں۔ بعض اوقات ان مقامات میں ایک شخص کو مافوق الفطرت کرامات بھی حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن ایسا شخص ولی کہلانے کا حقدار نہیں لہذا ایسے شخص سے نسبت رکھنا یا بیعت کرنا لازم نہیں۔ ایسے لوگ تزکیہ و مجاہدہ کرتے ہیں اور یہ مقامات حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ ان کو ولی اکمل سے بیعت نہیں ہوتی ہے یا اگر ہو بھی تو یہ لوگ اصول طریقت کے مطابق اپنا عہد پورا نہیں کرتے۔ ان کے دلوں میں حصول دنیا کی خواہش باقی رہتی ہے اس لیے انہیں مقامات ولایت زیارت رسول اللہ یا اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے ایسے لوگ ولایت کے زمرہ میں نہیں آتے ہیں نہ ان کی بیعت جائز ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ خالی علم، قرآن و حدیث پر عبور، ترجمہ تفسیر اور دیگر علوم پر عبور کمال حاصل کرنا کوئی درجہ ولایت نہیں جب تک کہ قرآنی اصول کے تابع۔۔۔ تزکیہ و مجاہدہ اور صاف اور خالص نیت پر حقیقی مشاہدہ۔۔۔ عالم ملکوت نہ ہو کیونکہ عالم ملکوت میں اول اجلاس محمدی ﷺ میں زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ بغیر راہنمائی ولی اکمل بغیر توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالم اجل بھی شیطان سے دھوکہ کھاسکتا ہے کیونکہ حضور صلی علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فَاِنَّ الشَّیْطَانَ لَا یَتَمَثَّلُنِی ۔

شیطان ہماری شکل بنا کر مومن کو دھوکہ نہیں دے سکتا اس لئے کہ اس ناری قوت میں ہماری شکل بنانے کی طاقت نہیں۔ البتہ عالم ناسوت میں ایسی تجلیات پائی جاتی ہیں جو اگر کسی کے

مشاہدہ میں آئیں تو وہ لاعلمی کے باعث ایسی کیفیات کو اللہ کا نور سمجھ کر غلط تصور باندھ لیتا ہے عالم ناسوت ناری عالم سے تعبیر ہے چونکہ شیطان ناری ہے لہذا ایسے انوار کی شکل بنا کر انسان کے دل میں غلط تاویلات ڈال کر گمراہ کر سکتا ہے۔ لیکن جب انسان عالم ملکوت میں داخل ہو تو درود شریف پڑھتے وقت اور پیر اکمل کی راہنمائی میں اس کے قلب پر نور محمدی ﷺ طاری ہوتا ہے۔۔۔ ایسے قلب پر نہ شیطان اثر انداز ہوتا ہے نہ اللہ کا مصنوعی نور بنا کر گمراہ کر سکتا ہے۔ اس لئے عالم کے لئے مشاہدہ اجلاس محمدی ﷺ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حاصل کرنا ضروری ہے۔ ورنہ اس کا علم اس کے لئے حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ ایسے ناسوتی کراماتی فقیر کی نسبت اور بیعت لازم نہیں۔ ان آداب کو طریقت میں آداب مرشدی میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

آداب مرشدی

جیسا کہ آداب طریقت میں ولی اکمل کی خصوصیات بیان ہوئیں ایک ولی اکمل مرشد کیلئے ان صفات کا حامل ہونا ضروری ہے۔۔۔ اور جہاں تک ایک طالب حق۔۔۔ اور ولی اکمل پیر و مرشد کا تعلق ہے۔۔۔ کہ ولی اکمل کیلئے، حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل نمونہ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ہونا ضروری ہے۔

ولی کیلئے اولی الامر کی حیثیت میں صاحب علم ہونا ضروری ہے کیونکہ فقیری بغیر علم بے زینت لباس کے مانند ہوتی ہے۔ اسی طرح علم بغیر فقیری بے بصر سوار کے مانند ہوتا ہے۔ ولی کے لئے اکل حلال۔۔۔ اپنے ہاتھ سے کمایا ہوا رزق حاصل کرنا ضروری ہے بغیر حلال روزی قلب منور نہیں ہو سکتا۔ قلب منور نہ ہو تو نہ عقل ہو سکتی ہے نہ حقیقت کا مشاہدہ ہو سکتا ہے۔ ولی کے لئے اخلاق حسنہ کا مجسمہ ہونا نہایت ضروری ہے۔۔۔ ولی کشادہ دل اور کشادہ رو بھی ہونا چاہیئے تاکہ ہر شخص ولی کی شخصیت سے متاثر ہو کر حق کیطرف آمادہ ہو۔ ترش روئی انسان میں بجائے قبولیت کے نفرت کا جذبہ پیدا کرتی ہے جس کی وجہ سے انسان حق سے دور ہو جاتا ہے۔ ولی اپنے مریدوں سے خلوص اور شفقت سے پیش آئے۔۔۔ جب کہ مرید اسے ہر شے سے عزیز رکھتا ہے اسی طرح ولی بھی اپنے مرید کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ کیونکہ مادی رشتہ سے روحانی رشتہ قریب اور پائیدار ہوتا ہے۔۔۔ ولی کیلئے ایک مسنون وصف کا ہونا لازم ہے وہ یہ کہ وہ اپنے مرید کے خیر و شر میں برابر کا شریک رہے۔۔۔ اور مشکل وقت میں ظاہری و باطنی حیثیت میں اپنے مریدوں کا معاون اور مددگار

ثابت ہو۔۔۔اسی پر اکتفا نہیں بلکہ ہر مخلوق انسانی کے لئے اس کے دل میں جذبہ ایثار قربانی موجود ہو۔۔۔ ولی کیلئے دست دراز کرنا جائز نہیں بلکہ اس قدر خود کفیل ہو کہ وہ زکوۃ و صدقات سے محتاجوں کی امداد کرے۔

اپنے نادار، اور غریب مریدوں سے باخبر رہ کر، ان کی ضرورتوں کی فراہمی میں دلچسپی اور معاونت ایک ولی کا فریضہ ہے۔ کیونکہ مرید اپنے آپ کو تمام خواہشات ترک کر کے حصول حق کی خاطر [illegible] کر کے اپنے پیر کی رضا کا تابع رہتا ہے لہذا ولی [illegible] اولاد کی طرح اپنے مریدوں [illegible] آرام کا خیال رکھے۔ ولی کیلئے لازم ہے کہ وہ [illegible] میں کشادہ دل۔۔۔ اور وسیع فیض رسانی کا حامل ہو۔۔۔ [illegible] مرید کی کوتاہی پر غضبناک نہ ہو بلکہ درگذر سے کام لے تاکہ مرید اس کی تربیت و خوش [illegible] سے اس قدر متاثر ہو کہ وہ اپنا ظاہر و باطن اس کے سامنے [illegible]۔ ولی اپنے غریب اور امیر مریدوں پر یکساں نظر رکھے بلکہ عملی اعتبار سے مراتب کے لحاظ سے۔۔۔ غریب کی عزت افزائی کرے تاکہ اس شخص میں عملی جدوجہد کا جذبہ پیدا ہو اور امیر کو صرف ظاہری برتری پر بے جا فخر کرنے کا موقع نہ ملے۔ اس میں عجز اور فروتنی کی خو پیدا ہو۔۔۔ ولی کے اوصاف میں یہ بھی ہوتا ہے کہ جب وہ اپنے مریدوں کی احوال پرسی کے لئے جائے تو امیر کے مقابلہ میں غریب مرید کے پاس قیام کرے اور غریب کی دعوت کو اولیت دے۔۔۔ لازم ہے کہ جب پیر کسی غریب کے گھر مہمان ہو۔۔۔ ہر غریب و امیر اس کے مہمان ہوں گے ایسی صورت میں پیر کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنی ذات سے تحائف لے کر جائے۔ اپنی گرہ سے مرید کی مدد روپیہ وغیرہ سے کرے تاکہ مرید پر پیر اور مہمانوں کی مہمانداری کا گراں بوجھ نہ پڑے۔ اسی طرح ہر مرید اپنے پیر بھائی کیلئے جذبہ محبت و ہمدردی پیدا کرے اس کی امداد کا احساس پیدا ہو۔ پیر کے لئے لازم ہے جب کوئی مرید دعوت دے تو اپنی خدمات کے اہتمام میں مرید پر تکلفات کا زیادہ بوجھ نہ ڈالے بلکہ جو کچھ مرید سے میسر ہو اسے بخوشی قبول کرے۔ ایسے موقع پر مرید کی استطاعت کے مطابق تعداد میں مریدوں کو دعوت میں شریک کرے تاکہ ضرورت سے زیادہ مہمانداری کا بوجھ محسوس کر کے دل تنگ نہ ہو کیونکہ دعوائی اور استعداد سے باہر تکلفات سے نفرت اور دوری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔۔۔

پیر کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مرید کی ہر جائز اور مناسب استدعا کو خندہ روئی سے قبول کرے۔ جائز استدعا پر مرید کی مدد کرے اور اگر ناقابل قبول استدعا ہو تو پیر کے لئے لازم ہے کہ وہ حسن و خوبی کے ساتھ مرید کو سمجھائے [illegible] سے باز رہے۔ بیعت کے بعد مرید اپنے

پیر کا محتاج ہو جاتا ہے، اس لئے پیر اپنے مرید کی احتیاج کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لئے حصول معرفت میں مرید کی اصلاح کے لئے فکر رکھے۔۔۔ اور اس کی ہر قدم پر کامیابی کیلئے اپنی پوری قوت صرف کرے تاکہ ہر مرید کامیابی سے ہمکنار ہو۔۔۔ یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ولی اکمل ولایت کی جملہ خصوصیات سے متصف ہو۔۔۔ ورنہ اگر ولی کو ولی اکمل کا درجہ حاصل نہیں تو کسی شخص کی اس کے مقصد حقیقی، معرفت الہیٰ کی ذمہ داری قبول نہ کرے ورنہ ایسے شخص کو روز حشر میں اللہ کے محاسبہ پر ذلت و رسوائی کا سامنا ہو گا اور ایک محروم مقصد کے گناہوں کا بار اس کے سر ہو گا۔ ان آداب پیری کا ایک داعیِ طریقت کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حضور قبلہ عالم رحمتہ اللہ علیہ خود آداب مرشدی کے متعلق خیال فرماتے آپ کسی مرید پر ضرورت سے زیادہ بار نہ ڈالتے۔ آپ نے کسی کے آگے کوئی فرمائش نہ کی نہ کسی مرید سے کسی امداد یا خدمت کا خیال فرمایا۔ شہر سے اپنی ضرورت کی اشیاء اپنی گرہ سے خرید کر لے جاتے بلکہ کسی شے کے خریدنے میں کسی مرید کو بازار جانے کے لئے زحمت نہ دی۔ حضور کی طبیعت حد درجہ اعتدال پسند تھی۔۔۔ آپ اپنی آمد پر کسی خاص اہتمام میں تکلف برتنا پسند نہ فرماتے۔ حضور شہر تشریف لاتے تو پہلے محمد حنیف صاحب کے گھر قیام فرماتے اور اس قیام پر شہر کے مرید اسی جگہ حاضری دیتے اور دنوں یہاں مجلس رہتی محمد حنیف صاحب اور ان کی والدہ حد درجہ مہمان نواز اور حضور کے عقیدت مند تھے۔ صبح و شام جتنے مہمان گھر میں موجود ہوں، سب کے لیے کھانا بھیجا جاتا۔ حضور کی تشریف آوری پر کشادہ دلی سے مہمانداری کرتے۔ حضور تمام مہمانوں میں مل کر کھانا کھاتے۔ آپ اپنے لئے علیحدہ کھانا پسند نہ فرماتے۔ حضور قبلہ عالم اپنے کسی مرید کے مہمان ہوتے تو شدت سے تنبیہ فرماتے کہ کسی قسم کی فراوانی یا تکلف نہ کیا جائے۔ بلکہ حسب معمول جو کچھ گھر میں موجود ہوتا بخوشی تناول فرماتے۔ متعدد بار ایسا ہوا کہ حضور رات کو ہمارے ہاں تشریف لائے تو ہم (ڈاکٹر محمد رمضان) نے ان کے کھانے کا انتظام کرنا چاہا مگر حضور نے منع فرمایا اور کہا تکلف کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر صاحب! چائے کی ایک پیالی اور جو کچھ روٹی گھر میں موجود ہو کافی ہے اور بے تکلف کھانے پر بے حد مسرت کا اظہار فرماتے۔ حضور قبلہ عالم کا شہر تشریف لانا محض اپنے مریدوں کی خیر و عافیت دریافت کرنا اور ان کی مہموں میں ان کی راہنمائی کرنا ہوتا۔ جب بھی حضور اپنے گھر سے کسی جگہ جاتے تو اپنی گرہ سے سفر خرچ ادا کرتے اور واپس جاتے تو کسی سے کوئی مطالبہ نہ کرتے اور اس توقع سے بے نیاز تھے کہ کوئی مرید کچھ نذرانہ

پیش کرے۔ حضور قبلہ پر اللہ کا فضل اس قدر تھا کہ ان کو کسی قسم کی محتاجی نہ تھی۔ اپنے اور تمام کنبہ کے اخراجات، زمینداری کر کے پورا کرتے۔ خورد و نوش کا تصرف غلہ سے ہوتا۔ زائد غلہ حاجت مندوں اور مسکینوں اور اپنے عزیزوں کو بھیج دیتے۔ کسی بھی جگہ یہ ثابت نہیں کہ آپ کسی مرید سے کچھ لینے یا حاصل کرنے جاتے یا کچھ فرمائش کرتے۔ یا کسی مرید کے گھر اس خیال سے جائیں کہ

نظر شان برانیکہ آید مرغ کے
تانبا شد خالی از حلوئے شبے

کسی نے اگر از روئے محبت تحفہ کیا تو قبول فرمایا کسی نے سادہ غذا سے نوازا تو زیادہ مسرت کا اظہار کیا۔

اہل حدیث حضرات کے سوال کا جواب

حضور کی شہرت سری نگر میں عام ہو چکی تھی۔ لوگ جوق در جوق آپ کی ملاقات کے لئے آتے تھے۔ ایک دن چند اہلحدیث حضرات بھی تشریف فرما ہوئے۔ جن میں میرے ایک دوست خواجہ غلام محمد خان ڈپٹی ڈائریکٹر سپلائز پیش پیش تھے۔ انہوں نے انتظام کیا تھا۔۔۔ عصر کی نماز کے بعد ہم ان کے مکان واقع ڈل گیٹ پر چلے گئے۔ گفتگو ہو رہی تھی کہ ان میں سے ایک صاحب نے حیاۃ النبی اور حیاۃ الاولیاء کے لئے سوال پوچھا۔ اور کہنے لگے کہ آپ لوگ مشرکانہ فعل کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کیونکہ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ کے بعد کون زندہ رہ سکتا ہے حضور نے فرمایا آپ لوگوں کی عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔ اسی لئے سمجھتے نہیں۔ حضور کا فرمان واضح ہے۔ کہ مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَسَيَرَانِي فِي الْيَقْظَةِ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیکھا جانا، احادیث اور صحابہ کی خوابوں سے بھی ثابت ہے۔۔۔ یہ حدیث اصحابؓ کو سنائی گئی۔ یہ خطاب صحابہ سے ہوا۔۔۔ تو ظاہر ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جب کہ صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبح و شام دیکھتے تھے۔ لیکن آپ کو خواب میں بھی دیکھا جاتا تھا۔۔۔ اور اسی خواب پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جاگتی حالت میں بھی دیکھے گا۔ اس سے مراد۔۔۔ آپ ﷺ کا جاگتی حالت میں دیکھنے کا اشارہ بالمشاہدہ ہے۔ نیز یہ حدیث صرف صحابہ کیلئے مخصوص نہیں بلکہ آئندہ امت کے لئے بھی ہے۔ لہذا آپ ﷺ کی وفات کے بعد خواب میں دیکھنا ثابت ہے۔ اور اسی طرح بجائے نیند میں دیکھنے کے جاگتی حالت میں یعنی روحانی مشاہدہ سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر ایک ولی نیند میں آپ ﷺ کو دیکھ

لے تو جاگتی حالت میں دیکھنا بھی لازم ہوتا ہے۔ یہی کیفیت مشاہدہ روحانی سے موسوم ہے، جو ولی کو حاصل ہوتا ہے۔ ولی کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب اور جاگتی حالت میں مشاہدہ کرتا ہے۔ لہذا یہ ممکن ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی زمانہ میں مشاہدہ کرے اس کے لئے کسی بھی کیفیت کا مشاہدہ کرنا ممکن ہے۔ یہ کیفیت زندگی میں وارد ہوتی ہے جو روح سے تعلق رکھتی ہے۔ لہذا یک ولی کی روحانی حیثیت برزخ میں قائم رہتی ہے اس لئے ولی زندگی اور موت کے بعد یکساں حالت میں مشاہدہ کر سکتا ہے۔ ہمارا سلسلہ طریقت سے تعلق رکھتا ہے جس میں ایسے ہی ولی کو قرب الٰہی کا مقام حاصل ہوتا ہے اور ہمارا دعویٰ بھی یہی ہے کہ سلسلہ کی نسبت سے زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ لہذا آپ کے لئے بھی ہمارا دعویٰ قائم ہے۔۔۔ اگر کوئی شخص آزمائش چاہتا ہے۔۔۔ تو آزمائشاً بھی اسے دکھا سکتے ہیں حالانکہ اس زیارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے محبت و عقیدت و احترام شرط ہوتا ہے۔۔۔ آپ بغیر محبت و عقیدت کے بھی چاہیں آپ میں سے جو چاہے اسے دکھا دیں گے۔ اہل حدیث حضرات نے حضور سے حیات النبی ﷺ پر بحث چھیڑی تو حضور نے فرمایا کہ موت کے بعد قبر میں حساب پر یقین اہل حدیث کے لئے بھی لازم ہے۔۔۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ قبر میں ہر انسان سے حساب ہوتا ہے۔ اگر آپ اس حدیث پر یقین رکھتے ہیں تو یہی یقین آپ ﷺ کے حیات ہونے کی دلیل ہے۔

یہ واضح ہے کہ حساب صرف امت یا صحابہ کے لئے خاص نہیں بلکہ انسان۔۔۔ یا بشر کیلئے ہے۔۔۔ انسان۔۔۔ اور بشر تو حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے۔۔۔ تو ظاہر ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام اور بنی آدم سے بھی سوال ہوگا، جو آدم سے لے کر قیامت تک کے آخری انسان تک ہوگا۔۔۔ پھر آپ سے سوال ہے جیسا آپ کہتے ہیں حضور ﷺ بشر ہیں نور نہیں۔ تو بشر کی حیثیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سوال ہوگا۔۔۔ مَا تَقُولُ لِهٰذَا الرَّجُلِ ؟ یہ رجل تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو آپ سے کیا سوال ہوگا؟ دین تو آپ ﷺ ہی کا ہے۔ جس کے متعلق سوال ہوگا۔ مَا دِينُكَ - کیا دین والے سے سوال ہوگا کہ آپ کا دین کیا ہے۔۔۔ اگر آپ اس سوال سے مستثنیٰ ہیں تو پھر ن لیجئے کہ آپ کی حیثیت کیا ہے جہاں بشری حیثیت میں تمام انبیاء۔ آدم۔ نوح۔ ابراہیم۔ اسحاق۔ اسماعیل۔ یعقوب۔ یوسف۔ داؤد۔ سلیمان۔ عیسیٰ علیہم السلام۔ سے سوال ہوگا۔ کیا انبیاء سے بھی سوال ہوگا کہ من ربک۔۔۔ وہ بھی کہیں گے أَللّٰهُ رَبِّي ۔۔۔ [illegible]

ان کا دین یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین۔۔۔ اگر ان کا دین ہو گا تو ایسا سوال صاحب دین سے کرنا مبالغہ و بے معنی ہے۔ سوائے اس کہ اگر امت محمدی ﷺ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے متعلق سوال ہو گا تو لازم ہے ہر انسان خواہ وہ آپ ﷺ کے ظہور سے قبل ہو یا بعد۔ سوال دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہو گا۔۔۔ جو ہر نبی قبول کرے گا۔ اس دین کی نشاندہی کرے گا۔ اور ہر نبی اپنی امت کو بتائے گا۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ یعنی توراۃ اور انجیل کی شکل میں درحقیقت دین محمد ﷺ ہی کا اجرا ہوتا رہا۔۔۔ ہوتا رہے گا۔۔۔ ایسی ہستی جو ازلی ابدی ہے۔ اس کے لئے "حیات" ہونے میں کیا شک ہے۔ جب کہ آپ ﷺ کی ذات اقدس کو ہر انسان نے پہچان کر جواب دینا ہے۔ هٰذَا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یہ امر حدیث کے خلاف ہو گا۔ اگر ہر امت کو اس کے نبی کے متعلق پوچھا جائے گا۔ وہ کہے گا هٰذَا اٰدَمُ هٰذَا اِبْرٰهِيْمُ۔۔۔ مُوْسٰى وَعِيْسٰى۔ یہ امر حدیث کے خلاف ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد حضور ﷺ کا حاضر و ناظر ہونا یا حیات النبی ہونے میں شک کرنا حقیقت سے لاعلمی اور روگردانی تصور ہو گی۔۔۔

حضور قبلہ عالم نے فرمایا۔ عالم ہونے کی حیثیت میں قرآن پڑھو اس کی حقانیت کو سمجھو۔ یہ کتاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خود اللہ تعالیٰ نے نازل کی۔۔۔ اور اسے نُوْرٌ مُّبِيْنٌ کہا گیا۔ پھر احادیث کا بغور مطالعہ کرو۔۔۔ مگر جان لو تم خود اپنی ذات سے علم حاصل نہیں کر سکتے جب تک تمہیں ایک عالم قرآن عربی کے معنی، تفسیر نہ بتائے اور بغیر تقلید کے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔۔۔ عالم تم سے کہے الف پڑھو۔ تم الف۔ پڑھنے میں ایک عالم کی شخصیت تسلیم کر کے الف پڑھتے ہو۔۔۔ کیا الف کے الف ہونے کے لئے آپ اپنی ذات سے الف پڑھتے ہو۔۔۔ ؟۔۔۔ یا استاد سے دلیل مانگتے ہو کہ الف کے الف ہونے کی کیا دلیل ہے؟ مگر بغیر دلیل الف پڑھتے ہو۔۔۔ قبول کرتے ہو۔۔۔ عالم تمہیں لا کے معنی عجمی زبان میں "نہیں" کہتا ہے۔ تم بغیر "دلیل" نہیں کے معنی قبول کر لیتے ہو۔ کیا تم شخصیت کو دلیل نہیں لیتے کہ یہ شخص جو معنی کرتا ہے صحیح کرتا ہے؟ جب تم علم حاصل کرنے میں ایک شخص کی تقلید میں اس کے علم کو حق سمجھتے ہو تو پھر اس کے سوائے تقلید کے کہتے ہیں۔۔۔؟ قرآن نے حقیقت تسلیم کرنے کے لئے۔۔۔ ہدایت پانے کے لئے، اللہ کو تسلیم کرنے کے لئے جب حکم تسلیم کا دیا تو تم اب تقلید سے انکار کیوں کرتے ہو۔ قرآن نے ابتدائی باب میں پہلے تقلید کا حکم دیا۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

اس کتاب میں شک نہیں کہ یہ راہ دکھاتی ہے۔ متقیوں کو جو بغیر دلیل مانگے ایک امین و صادق شخصیت کے قول کو بغیر دلیل۔ بغیر حجت تسلیم کرے جو کچھ یہ نبی ﷺ کہتا ہے بغیر تحقیق و ثبوت ہم تسلیم و یقین رکھتے ہیں تو اس میں نہ اپنی ذات سے علم حاصل کیا جا سکتا ہے--- بغیر شخصیت کے۔ ایک شخصیت کے قول و فعل پر--- بلا تحقیق بلا ثبوت--- بلا دلیل۔ ان باتوں پر یقین کرنا--- جو کسی طرح نہ مشاہدے میں آیا ہے--- نہ علم میں--- تقلید سے تعبیر ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ تم قرآن و حدیث کے سمجھنے میں اس کی تقلید کرو جو تمہیں قرآنی علم کا بالمشاہدہ ادراک کرائے--- مگر شرط شخصیت کو بلا دلیل تسلیم کرنا ہے--- کیونکہ انسان میں کسی شخصیت کو کسی علم کو اپنی ذات--- یا ذاتی قوت علمی سے پہچاننا ممکن ہے۔ نہ اس کے پاس کوئی ذریعہ ہے۔ سوائے اس کے خود کو کسی عالم کے پیش کر کے اس کی تقلید کرے۔ اس کے بعد عالم کی شخصیت پرکھنے کا یہی اصول ہے۔ جس کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔ سچ کر دکھائے۔ اگر اس پر ایمان ہے تو آئیں ہم دکھائیں گے۔

نورِ مرداں مشرق و مغرب گرفت
تو نہ بینی باش تو بے جان خشت

ایک موقع پر میں حضور قبلہ عالم کے ساتھ مدعو تھا۔ میں سگریٹ پی رہا تھا کیونکہ حضور قبلہ عالم کی صحبت میں رہ کر آپ کے مرید سگریٹ نوشی کرتے رہتے۔ اہل حدیث حضرات بھی اس مجلس میں تھے انہیں میری سگریٹ نوشی پر نکتہ چینی کا موقع فراہم ہوا اور اعتراض کیا کہ ایک طرف آپ سگریٹ پی رہے ہیں دوسری طرف درود پڑھ رہے ہیں یہ امر خلاف شریعت ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں، میں کچھ کہنے والا تھا کہ مسجد سے اذان ہوئی اور حضور نے نماز ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ ہم نے ان کی امامت میں نماز ادا کی۔ مگر اہل حدیث حضرات نے نماز نہ پڑھی تو حضور نے ان سے جماعت کے ساتھ یا علیحدہ نماز نہ پڑھنے کا سبب پوچھا۔ ان حضرات نے جواباً کہا کہ آپ کے ساتھ عقائد کا اختلاف ہے اس لئے نماز نہ پڑھی مگر علیحدہ بھی نہ پڑھنے کے لئے ان کے پاس کوئی بھی جواب نہ ملا۔ بلکہ ٹالنے کی غرض سے کہا کہ وضو نہ تھا اس لئے نماز نہ پڑھی۔ حضور نے کہا ایک طرف آپ توحید کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور حدیث پر عمل کرنے والے ظاہر کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ حال ہے کہ فرض ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہو--- ظاہر ہوا کہ تمہارا علم محض بحث و مناظرہ کے لئے ہے، عمل کے لئے نہیں۔ انہوں نے اپنی خفت مٹانے کے لئے مجھ پر حملہ کیا کہ ڈاکٹر صاحب بھی شریعت کے خلاف حقہ تمباکو نوشی کرتے ہیں۔ انہوں نے بھی بغیر

وضو نماز پڑھی۔ ان کے اعتراض پر میں کچھ کہنے والا تھا کہ حضور نے انہیں ان کے اعتراض پر ہی ملامت کی تم لوگ خود کو متقی کہتے ہو۔۔۔ مگر جانتے نہیں کہ مومن ہمیشہ تقویٰ میں رہتا ہے۔ مومن کے لئے ہر وقت باوضو ہونا شرط ہے۔ ڈاکٹر صاحب وضو میں تھے اس لئے انہیں وضو کی ضرورت نہ تھی۔۔۔ باقی رہا۔۔۔ تمباکو نوشی، یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔۔۔ آپ کا علم محدود ہے۔۔۔ کتابیں پڑھیں اور گذشتہ علماء کے فیصلوں کی طرف بھی دیکھیں۔ اسی سلسلہ میں فتاویٰ شامی سے بَابُ صُلْحِ بَیْنَ الْاَخْوَانِ فِیْ اَبَاحِیَتِ الدُّخَانِ کا فتویٰ پیش فرمایا کہ شام میں تمام عالم اسلام کے چیدہ علماء وفقہا کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تقریباً چالیس ہزار علماء نے شرکت کی۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ آیا دھوئیں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔۔۔ بعض کا خیال تھا کہ دھوئیں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ دھوئیں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اس بحث میں کئی دن غور ہوتا رہا۔ بالآخر فیصلہ اس نکتہ پر ہوا کہ کھانا پکانے اور دیگر ضروریات زندگی میں آگ ضروری جز ہے جس سے انسان دھوئیں میں گھرا رہتا ہے۔ اگر دھوئیں سے پرہیز کیا جائے تو روزمرہ زندگی میں دقتیں پیش آئیں گی اس لئے طے پایا کہ دھواں بذات خود جسمانی حالت کو تقویت نہیں دیتا نہ ہی دھوئیں میں کوئی قباحت ہے اس لئے دھوئیں سے روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں جہاں تک تمباکو نوشی میں دھوئیں کی قباحت کو سمجھا جاتا ہے۔ اس دھوئیں میں کوئی مکروہ یا نجس مادہ نہیں جس وجہ سے اس کے استعمال سے آداب شریعت میں بے ادبی ہوتی ہو اور طریقت میں بھی تمباکو پینے سے کچھ فرق نہیں آتا جب کہ طریقت میں نور سے روح کا تعلق ہوتا ہے یعنی طریقت میں مشاہدات یا عمل روح سے تعلق رکھتے ہیں جس پر دھوئیں سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس وجہ سے شریعت وطریقت میں تمباکو نوشی سے کوئی خلل یا بے ادبی واقع نہیں ہوتی۔ دراصل یہ فروعی کیفیتیں ہیں جو بنیادی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ زمانہ کی رفتار کے ساتھ ان کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ کیفیتیں چونکہ بنیادی نہیں اس لئے ان کے جائز و ناجائز ہونے کا کوئی ثبوت قرآن وحدیث سے ثابت نہیں سوائے اس کے کہ یہ مسائل فقہ سے تعلق رکھتے ہیں فقہ میں علمائے امت کا فیصلہ مسلم ہے علمائے امت صاحب اتقاء متقی اور صاحب فہم ہوتے ہیں اس لئے ان کے فیصلے حقیقت سے مطابقت رکھتے ہیں جن میں کسی قسم کے فتنہ یا گمراہی کا احتمال نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِتَّقُوْا مِنْ فِرَاسَةِ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ

ڈرو مومن کی فراست سے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ فراستِ مومن میں القائے

نوری ہوتا ہے اس لئے اسکے فیصلے مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں۔

الغرض ان دلائل کے بعد اہل حدیث حضرات کو سوائے فرار کے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ۔ کی صورت میں قرآن کا تمام علم اور متشابہات کیفیات کا علم حاصل کرنا۔۔۔ انسان کے لئے فرض اور ضروری ہے۔۔۔ یہی علم قرآن و حدیث سے موسوم ہے۔۔۔ یہی علم۔۔۔ علم ہے۔۔۔ جو وراثت انبیاء کی صورت میں علمائے امت کو تفویض ہوتا ہے۔ اسی علم کا اجرا علمائے امت نے کرنا ہے۔

بلاشبہ حضور قبلہ عالم ان جملہ خصوصیات کے حامل علماء امت میں سے تھے۔ آپ نے حق وراثت ادا کیا۔۔۔ آپ نے مخلوق خدا کو کما حقہ، اللہ کے دین سے ظاہری و باطنی صورت میں آگاہ فرمایا۔ اور اس امر کا ثبوت یہ ہے کہ آپ کے مریدوں میں سے کثرت سے لوگ اس علم سے مستفیض ہوئے او. یہ فیض آئندہ بھی جاری رہے گا۔۔۔ ہاں۔۔۔ یہ سنت الہیٰ ہے۔۔۔ انسان ایک وقت ہدایت سے محروم ہو جاتا ہے۔۔۔ پھر نبی مبعوث ہوتا ہے۔۔۔ اس کے ذریعہ انسان کو ہدایت کا راستہ فراہم ہو جاتا ہے۔۔۔ پھر آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر تشریف لائے۔ آپ نے اس علم کو رہتی دنیا تک باقی رہنے کا سامان فراہم کر دیا کہ آپ کی امت کسی زمانہ میں ہدایت سے محروم نہ ہو گی۔ ہر زمانہ میں علمائے امت کا وجود موجود رہے گا۔ مگر سنت اللہ کے مطابق یہ سلسلہ حیات و موت کا جاری رہے گا۔۔۔ ایک آئے گا ایک جائے گا۔۔۔ اسی طرح وقت کے ساتھ امت کے اولیاء بھی جاتے رہیں گے مگر ان کی ہدایت دو طرح سے باقی رہے گی۔۔۔ ایک ولی اپنی ذات سے عالم برزخ میں اسی طرح باقی رہے گا جس طرح عالم دنیا میں تھا۔۔۔ دوسری صورت ایک ولی کے تابعین میں ولی موجود ہوں گے۔۔۔ حضور قبلہ عالم کے مریدوں میں مخصوص ہستیاں جن میں جناب ارسلان خان، مرحوم اولوالعزم ہستی تھے۔ آپ کا ذکر گزشتہ اوراق میں ہوا۔۔۔ مگر وقت آیا کہ آپ بھی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

راقم ایک دن محمد الیاس خان صاحب کے ساتھ قصبہ سوپور جا رہا تھا۔ بس پر سوار ہوتے ہی ارسلان خان صاحب سامنے ظاہر ہوئے اور فرمایا میں گھر میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ وہ مجھ سے بے حد انس رکھتے تھے۔ میں نے الیاس صاحب سے کیفیت بیان کی کہ خان صاحب مجھے بلا رہے ہیں۔ لہذا ہم ہندواڑہ ان کے گھر چلے گئے۔ وہاں پہنچے تو ارسلان خانؒ سے بلانے کا سبب پوچھا ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہنے لگے ڈاکٹر صاحب آپ کی ڈیوٹی

جموں میں لگی ہے۔ آپ جموں جائیں گے۔ مگر میں واپسی پر آپ سے نہ مل سکوں گا۔ میرا وقت قریب آچکا ہے۔ میں رخت سفر باندھ چکا ہوں۔ خیال آیا کہ آخری ملاقات آپ سے ہو جائے اس لئے آپ کو بلایا تھا۔ دل پر غم کا بوجھ ہوا مگر اس ہستی کا سفر عام سفر تو نہیں تھا۔ یہ تو ایک ایسی جگہ جارہے تھے جہاں ایک مومن راحت وسکون حاصل کرتا ہے۔ یہ موقع غم وخوشی کی ملی جلی کیفیت کا تاثر دیتا ہے خیر ہمارے دلوں میں بھی ایسا ہی غم وخوشی فراق ووصال کا ملا جلا تاثر تھا۔ کچھ دیر دلی تمناؤں کو سیراب کر کے ہم جدا ہوئے آہ! یہ بھی ایک سماں ہوتا ہے۔

فرق است میان آن کہ یارش در بر
باآنکہ دو چشم انتظارش بردر

فرق ہے اس کے درمیان کہ ایک کا محبوب اس کے پاس ہو۔ اس کے مقابلہ میں ایک کی آنکھیں انتظار میں دروازہ کی طرف لگی ہیں۔۔۔ میں رخصت ہو کر گھر واپس آیا۔

جناب قبلہ سخی صاحب کی وفات کے بعد حضور قبلہ عالم تقریباً بارہ سال بقید حیات رہے۔ یہ زمانہ انتہائی پر آشوب رہا۔ دنیا میں ہر طرف فتنہ رہا۔۔۔ خطۂ زمین پر انسان پراگندگی کے عالم میں مایوسی کا شکار تھا۔۔۔ دین سے لگاؤ۔۔۔ حقیقت کی تلاش انسان کے لئے ناممکن ہو رہی تھی۔ اس عالم میں بھی حضور قبلہ عالم نے اجرائے دین اور اجرائے طریقت کا فریضہ اپنے نحیف کاندھوں پر اٹھائے رکھا۔۔۔ اس زمانہ میں کٹھن سعی وجدوجہد جاری رکھی۔ اس سعی وجہد کے نتیجہ میں وادی کشمیر کے دور دراز علاقوں تک آپ نے سلسلہ اویسیہ کو وسعت دی۔

تصور پیر

واضح ہو کہ طریقت میں تصور ایک خاص عمل ہے۔۔۔ تصور سے مراد روح (روح حیوانی) کے ذریعہ کسی ماوراء حواس وعقل کیفیت سے روحانی رابطہ کر کے۔۔۔ اس کی غیر جسمانی۔۔۔ روحانی۔۔۔ ہیئت کا مشاہدہ کرنا۔۔۔ اس عمل کو "مراقبہ" سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ یہ ایک عام سی بات ہے کہ (آنکھ) حواس کے احاطہ میں نہ آنے والی کسی کیفیت کو علم کے احاطہ میں لانے کے لئے۔۔۔ اس کیفیت کا تصور کیا جاتا ہے۔۔۔ کہ اس کیفیت کی ہیئت کیسی ہے اور جب ایسی کیفیت حواس کے احاطہ میں نہ ہو تو روح کے ذریعہ اس کیفیت کی ہیئت کا ادراک کیا جائے۔۔۔ ظاہر ہوا کہ تصور سے کسی کیفیت کی ہیئت کا روح کے ذریعہ

علم و ادراک حاصل کیا جاتا ہے۔ مثلاً آئینہ کے ذریعہ آفتاب کے وجود کا ادراک و مشاہدہ--- یہ عمل بھی انسانی ادراک کا روحانی ذریعہ ہے--- جو ذریعہ انسان کو اس کی تخلیقی ترکیب میں میسر آتا ہے--- اس ترکیب کی روشنی میں تصور پیر کی اہمیت کو سمجھا جا سکتا ہے--- اس ترکیب کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دلیل مل سکتی ہے۔

مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ)

جس نے ہمیں نیند میں دیکھا، عنقریب وہ ہمیں جاگتی حالت میں بھی دیکھے گا۔ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ نیند میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ ظاہری طور دیکھنا "آنکھ" سے ہوتا ہے مگر نیند میں آنکھ سے دیکھنا ساقط ہو جاتا ہے--- اس کے باوجود بغیر آنکھ نیند میں دیکھا جاتا ہے طبعی اصول کے تابع (جیسا کہ گذشتہ بیان ہوا) حواس صرف کیفیت کی ہیئت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں--- دیکھنے یا علم حاصل کرنے کا اصل ذریعہ--- دماغ--- اور دماغ میں روح--- روح حیوانی ہے--- اور جب حواس معطل ہو جائیں تو روح کا بذات خود ادراک کرنا جاری رہتا ہے یہی روح فِی الْمَنَامِ-- نیند میں دیکھتی ہے۔ اس امر کی دلیل خود حدیث کے دوسرے حصہ سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو نیند کی حالت میں دیکھا جاتا ہے--- یہ دیکھنا روح سے ہے--- اس کی ایک علیحدہ ترکیب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری ہیئت بستر یا دولت کدہ پر ہوتی ہے مگر انسان آپ کو بلا تعین مقام و زمانہ ہر مقام پر دیکھتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے۔ نیند میں دیکھا جانے والا وجود--- حضور کا روحانی وجود ہے--- یہ وجود روح رحمانی کے ذریعہ جیسے آنکھ کسی ہیئت کا عکس حاصل کر کے روح حیوانی تک پہنچاتی ہے یہ دیکھنا روح رحمانی کے ذریعہ ایک روحانی وجود کا عکس روح حیوانی تک پہنچانا-- رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ کی ترکیب میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی وجود کا روح کے ذریعہ مشاہدہ کرنا-- فَسَیَرَانِیْ فِی الْیَقْظَةِ--- یعنی جاگتی حالت میں دیکھنا--- طبعی اصول کے تابع جاگتی حالت میں آنکھ سے دیکھنا لازم ہے مگر اس مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے خطاب فرماتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت آنکھ سے دیکھتے رہتے ہیں ایسی صورت میں صحابہ کے لئے آنکھ سے دیکھنے کا اشارہ برمحل نہیں ہو سکتا جب کہ وہ ہر وقت حضور ﷺ کو دیکھتے رہتے ہیں۔ لہذا فِی الْیَقْظَةِ کا اشارہ روحانی حیثیت میں دیکھنے پر دلالت کرتا ہے--- یہ دیکھنا روحانی طور پر ایسا ہے جیسا نیند میں روحانی طور دیکھا جاتا ہے یعنی جس قوت (روح) سے نیند میں دیکھا جاتا ہے جب کہ آنکھ کا عمل ساقط ہوتا ہے جاگتی حالت میں بھی آنکھ کے عمل کو ساقط کر کے (یعنی آنکھ بند کر کے) روح کے ذریعہ دیکھا جاتا

ہے--- اس حال میں کہ عقل بیدار ہوتی ہے--- اس سے مراد دونوں حالتوں "نیند اور بیداری" میں دیکھنا ایک ہی طرح "روح سے روحانی وجود دیکھنا" کا ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی ذات اقدس کو جاگتی حالت میں آپ ﷺ کے روحانی وجود کو جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ میں بشری حیثیت میں موجود بھی ہیں--- دیکھا جاتا ہے--- اس دیکھنے کی ترکیب یا دیکھنے کا عمل تصور سے ہوتا ہے--- یعنی انسان جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی خواہش کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا--- آنکھیں بند کر کے روحانی طور پر تصور کرتا ہے تو جس شخص کی روح حیوانی--- قوی و مزکی (پاکیزہ) ہو تو اس کی روح رحمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے--- رابطہ کرتی ہے--- تو روح رحمانی کا حضور صلی اللہ علیہ کی روح سے اتصال (قرب) ہو جاتا ہے۔ اس اتصال سے روح رحمانی حضور صلعم کی روح کا عکس حاصل کر کے روح حیوانی تک پہنچاتی ہے--- اس رابطہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہو جاتی ہے--- یہ عمل تصور کے ذریعہ ہی سے پورا ہوتا ہے۔

اس حیثیت میں حضور ﷺ کے روحانی وجود--- اور اس روحانی وجود کا مشاہدہ و ادراک ہو جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانی وجود اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں تخت پر جلوہ فگن ہوتا ہے۔ اس طرح اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں زیارت رسول اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو جاتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ روحانی حیثیت میں روح کا مقام و مکان خاص ہوتا ہے جہاں روح قیام رکھتی ہے--- یہ مقام و مکان--- مرتبہ سے موسوم ہوتا ہے--- اسی طریق پر--- صراط مستقیم--- صراط اللہ۔ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں زمین سے لے کر آسمان اور آسمان سے لے کر عرش تک۔ اور عرش سے لے کر عالم جبروت لاہوت کے مقامات کی روحانی (نورانی) ہیئتیں متعین ہیں--- ان ہی ہیئتوں کا تصور کر کے روح کے ذریعہ مشاہدہ کیا جاتا ہے--- اس حال میں کہ روح رحمانی--- ان مقامات کی سیر میں ان مقامات تک پہنچتی ہے--- یہ مقامات مراتب سے تعبیر ہیں--- جہاں روح رحمانی پہنچ کر اپنا مرتبہ حاصل کرتی ہے--- یہ عمل تصور سے قائم ہوتا ہے--- تصور کی ترکیب مراقبہ سے ہوتی ہے--- یعنی طالب آنکھیں بند کر کے ذہن میں ایک روحانی تصور کر کے اس مقام سے روحانی رابطہ حاصل کرتا ہے۔

طریقت کے اصول کے مطابق صراط مستقیم--- اللہ کا راستہ--- مقامات عالم ملکوت۔ عالم جبروت۔ عالم لاہوت--- نورانی مقامات۔ تک مراتب کی رسائی--- اور ان کا مشاہدہ--- ولی اکمل کے ذریعہ ہی مقرر ہے--- جیسا کہ قرآنی آیات سے اس کی دلیل

ثابت ہے إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ اللہ تعالیٰ نے معرفت صراط اللہ۔ اسرار الہیٰ اور معرفت الہیٰ کا ایک خاص طریق مقرر کیا کہ یہ راستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی راہنمائی کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔۔۔ اس کا طریق یہی ہے کہ اُمَّۃً وَّسَطًا صراط مستقیم میں جانے کے لئے۔۔۔ آپ کی راہنمائی میں۔۔۔ اول تصور کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس سے رابطہ کریں گے۔ جب عالم باطن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی ہیئت (فَسَيَرَانِي فِي الْيَقْظَةِ) کا جاگتی حالت میں اجلاس محمدی ﷺ میں رابطہ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّكَ لَتَهْدِي اپنے ہمراہ اسی پیروی میں انہیں عالم جبروت، لاہوت میں ساتھ لے جا کر مقام پر پہنچائیں گے۔۔۔ مقام پر پہنچنے کے ساتھ انہیں ان عالموں کا مشاہدہ ہو گا۔ یہاں تک کہ اسرار الہیٰ کی سیر میں ذات الہیٰ تک رسائی اور معرفت و مشاہدہ حاصل ہو گا۔ ظاہر ہوا کہ معرفت الہیٰ آناً فاناً نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اول إِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ کے ارشاد کے مطابق معرفت الہیٰ حاصل کرنے کے لئے تصور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لازم اور ضروری ہے۔۔۔ بغیر اس عمل کے۔ بغیر اس تصور کے مشاہدہ اسرار الہیٰ و معرفت الہیٰ ممکن نہیں ہو سکتی۔ لہذا اسی ضابطہ پر طریقت و معرفت کا اصول مرتب ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ اہل ایمان میں اُمَّۃً وَّسَطًا کو ایسی حیثیت میں معرفت عطا کر کے اُمَّۃً وَّسَطًا اکمل بناتے ہیں۔ یہی اکملین اسی ترتیب کے ساتھ باقی امت کو مشاہدہ و مراتب میں پہنچنے کے لئے لَتَهْدِي۔۔ پہنچانے کا عمل پورا کریں گے۔ لہذا اسی طریق پر ایک طالب حق کو ولی اکمل کی راہنمائی حاصل کرنا اسی قرآنی ارشاد کے مطابق لازم ہے اور راہنمائی حاصل کرنے کے لئے جیسے اُمَّۃً وَّسَطًا تصور رسول اللہ کرتے ہیں۔ طالب حق کے لئے تصور ولی اکمل کرنا لازمی ہے۔ بغیر تصور ولی اکمل، دربار رسول اللہ ﷺ تک رسائی ممکن نہیں وہ اس لئے کہ ولی اکمل کو اجلاس محمدی ﷺ تک رسائی ہوتی ہے۔ بہ الفاظ دیگر ولی اکمل کی روح اجلاس محمدی ﷺ کا مقام و مرتبہ حاصل کئے ہوتی ہے اور جب ولی اکمل کے روحانی وجود کا تصور کیا جائے تو اس تصور میں ولی اکمل کی روح کے مشاہدہ کے ساتھ مکان و مقام۔ اجلاس محمدی ﷺ کا مشاہدہ بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح طالب حق۔ جس قدر۔ تزکیہ و مجاہدہ۔۔۔ اور حب میں کامل ہو ولی اکمل طالب حق کو اس کی استطاعت کے مطابق۔ دوئم اجلاس محمدی ﷺ۔ عرش۔ تحت الثریٰ اور عالم بالا کے مراتب میں ساتھ لے جا کر مکان و مقام کا مرتبہ دیتا ہے اور اسے مشاہدہ بھی حاصل ہوتا ہے۔ یہاں تک مراتب کی سیر میں اسرار الہیٰ کا مشاہدہ کرا کے ذات الہیٰ کے نور تک مرتبہ دے کر ذات الہیٰ کا مشاہدہ و معرفت عطا کرتا ہے۔ یہی طریق۔ طریقت

میں معرفت الٰہیٰ کا ہے۔ جس کی ابتدا تصورِ ولی اکمل سے ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ مراتب کی سیر اور مشاہدہ میں روح رحمانی کی مراتب تک رسائی لازم ہوتی ہے۔۔۔ یعنی روح رحمانی جس قدر مزکی و قوی ہو اسی قدر اس کا مراتب میں عروج ہوتا ہے۔ اس سے مراد، نوری مراتب میں روح رحمانی تب تک داخل نہیں ہو سکتی جب تک کہ خود روح رحمانی کی حیثیت نورانی کیفیت و ہیئت کے مطابق نہ ہو۔۔۔ مثال کے طور پر روح رحمانی تب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود کا مشاہدہ نہیں کر سکتی جب تک کہ نور محمدی ﷺ سے اتصال نہ ہو۔۔۔ اتصال سے مراد نور محمدی ﷺ میں اپنی روح کو ضم کرنا۔ اس کیفیت کو "فنا" کہا جاتا ہے۔ بغیر فنا کسی کیفیت تک رسائی نہیں ہو سکتی۔۔۔ نہ مشاہدہ ہو سکتا ہے اور جب روح کو فنا حاصل ہو گئی تو اس کی ہیئت وہی ہو جاتی ہے جو اس وجود کی ہے جس میں اسے فنا حاصل ہوئی۔۔۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوری وجود میں اتصال و فنا میں طالب کی روح فنا فی الرسول ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم محسوس ہوتی ہے۔ اس مقام پر جب ولی اکمل کی روح کا تصور کیا تو ابتدائی تصور میں ولی اکمل کی روح سے رابطہ کرنے سے ولی اکمل کی روح سے اتصال ہو جاتا ہے۔ اس اتصال میں طالب کی روح ولی اکمل کی روح میں ضم ہو کر۔۔۔ فنا ہو جاتی ہے۔ اس فنا کی کیفیت کو طالب فنا فی الولی (جسے عجمی اصطلاح میں فنا فی الشیخ کہا جاتا ہے) کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے اور جب فنا فی الولی کی حیثیت میں قرب و اتصال محمدی ﷺ کی روح رحمانی میں قوت آجاتی ہے تو اس مقام پر طالب ولی کو فنا فی الرسول کی ہیئت میں محسوس و مشاہدہ کرتا ہے اسی فنا سے طالب حق فنائے ولی، فنا فی الرسول کی ہیئت میں خود کی نفی کر کے۔۔۔ فنا کی حیثیت میں مراتب کا عرفان حاصل کرتا ہے۔ یہی عرفان کی کیفیت روح رحمانی کی ہیئت کا عکس قلب کے ذریعہ روح حیوانی پر آکر طالب کو اسرار الٰہی کا مشاہدہ ہوتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ میں خود ان مراتب میں پہنچا اور ان کی ہیئتوں کو "رؤیٰ" دیکھتا ہوں یہاں تک کہ اسی ترتیب فنا کے ساتھ فنا فی الشیخ۔۔۔ فنا فی الرسول کی ہیئت میں طالب اللہ کی ذات تک اتصال کرتا ہے۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ اصول طریقت کے مطابق، طالب حق بغیر فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، ذات الٰہیٰ تک رسائی حاصل کر سکتا ہے نہ اتصال ہو سکتا ہے۔ فنا فی الرسول میں طالب کی اپنی ہیئت ضم ہو کر رسول ﷺ کی ہیئت اختیار کر جاتی ہے لہذا ظاہر ہوا کہ بغیر فنائے رسول۔۔۔ بغیر رسولی ہیئت حاصل کئے قرب ذات الٰہی یا وصال ذات الٰہی نہیں ہو سکتا۔ اس حیثیت میں طالب کی اپنی حیثیت باقی نہیں رہتی بلکہ نور محمدی ﷺ میں ضم ہو کر نور محمدی ﷺ کی ہیئت ہو

جاتی ہے تو ظاہر ہوا کہ نور محمدی ﷺ ہی سے اللہ کی ذات سے اتصال ہوتا ہے۔۔۔ بہ الفاظ دیگر یہ وصال طالب کا وصال نہیں بلکہ رسول ﷺ کا وصال ہوتا ہے۔ اس مقام پر جب طالب اپنے پیر اکمل کی روح کو دیکھتا ہے تو مشاہدہ میں طالب کو اپنے پیر کی روح فنا فی اللہ کے مقام پر۔۔۔ فنا کی حیثیت میں۔۔۔ نور الٰہی میں ضم۔۔۔ نور الٰہی میں محسوس ہوتی ہے لازم ہے کہ جب طالب حق پیر اکمل کو فنا کی حالت میں اللہ کی ذات میں گم پاتا ہے تو اسے وہاں خود اللہ ہی کی ذات محسوس ہوتی ہے۔۔۔ تو اللہ کی ذات کے لئے اس پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے۔۔۔ یہاں ایک نکتہ کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طالب حق مراقبہ و تصور کی صورت میں اپنے پیر اکمل کے بشری وجود کو مرکز تصور بنا لیتا ہے اور اسی تصور میں جب طالب مراتب کی سیر میں پیر اکمل کو فنا فی الرسول میں دیکھتا ہے تو اس وقت وہ ولی اکمل کی تعظیم، حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت میں کرتا ہے اور جب مراتب کی سیر میں ذات الٰہی تک پہنچ کر ولی اکمل کا تصور ساتھ رکھتا ہے تو ولی اکمل اسے فنا فی اللہ کی حیثیت میں۔۔۔ خود ذات الٰہی کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ یہاں خود ولی ذات الٰہی کی ہیئت نہیں بنتا بلکہ اس کی روح نور الٰہی میں ضم ہو جاتی ہے۔ ہاں! یہاں ایک نکتہ پیدا ہو جاتا ہے کہ ولی اکمل کی بشری ناری ہیئت اپنے مقام پر موجود و باقی ہوتی ہے۔ صرف روح رحمانی وصال و فنا حاصل کرتی ہے۔ مراتب میں ولی اکمل کا بشری وجود نہ تصور میں آتا ہے، نہ مراتب میں۔ اسی طرح ابتدائی قدم پر ولی اکمل کا ناری وجود ولی اکمل کی شکل میں تصور میں آتا ہے۔ لیکن یہ وجود عالم ناسوت میں آتا ہے۔۔۔ یہ وجود بھی اپنی جگہ قائم رہتا ہے۔۔ عالم ملکوت میں ولی اکمل کی روح رحمانی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔۔۔ ایک طالب اگرچہ پیر اکمل کے وجود بشری کو ہی مرکز تصور بنا لیتا ہے، لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ اس کے تصور میں ولی کی روح رحمانی آتی ہے جو ایک مقام پر فنا فی الرسول کی حیثیت میں مشاہدہ میں آتی ہے اور ایک مقام پر فنا فی اللہ کی حیثیت میں مشاہدہ میں آتی ہے اور جب فنا فی اللہ کی حیثیت میں ذات الٰہی کا دیدار۔۔۔ فنائے شیخ کے ذریعہ ہی حاصل ہوا تو اس وقت فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کے ارشاد کے مطابق ولی اکمل کے بشری وجود کی حیثیت مسجد الحرام کی مثال بن جاتی ہے کہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ۔ طالب معرفت الٰہی کے حصول میں ولی اکمل کی روح سے اتصال میں تصور پیر کرتا ہے تو نیت اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی ہی رکھتا ہے مگر اس کا طریق مسجد الحرام کی طرف وَجْهَكَ کا تعین سامنے آتا ہے۔ ظاہر ہے اس عمل میں مسجد اقرم کو سجدہ نہیں بلکہ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کو سجدہ ہے اور جہاں تک فنا فی اللہ

میں پیر اکمل کا مقام ہے وہاں شیخ کو سجدہ[۱] نہیں بلکہ ذات الٰہی کو سجدہ ہوتا ہے اور ان تمام مراتب و مشاہدات حاصل کرنے کے لئے ابتدائی طریق کی خاطر اصول طریقت میں تصور پیر کی یہی حیثیت ہے جوازروئے شریعت جائز اور حقیقی اصول ہے جس پر شرک کا کسی مقام پر تصور نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ اس مقام پر۔۔۔ مشاہدۂ باطنی میں۔۔۔ پیر اکمل کی روح سے رابطہ ہو کر۔۔۔ اسکی روح رحمانی کو فنائے ذات کی حالت میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

حضورؒ کے اوصاف حمیدہ

واضح ہو کہ حضور قبلہ عالمؒ باوجود عالم اجل ولی اکمل ہونے کے سادہ زندگی گذارنے کے عادی تھے آپ کے لئے کوئی خاص حجرہ متعین نہ تھا کہ مرید آپ کی شخصیت سے مرعوب ہو کر باہر خاموش منتظر رہتے۔۔۔ نہیں۔۔۔ بلکہ آپ کی مجلس عام تھی جس میں ہر اعلےٰ وادنیٰ ایک ہی حیثیت میں آپ کی خدمت میں حاضر رہتے اور حضور خود مریدوں کی مجلس میں تشریف رکھتے۔ ہر شخص آپ سے والہانہ محبت رکھتا۔ آپ آدابِ طریقت اور آداب مجلس میں آزاد تھے۔ آپ عام آدمی کی حیثیت میں اپنے مریدوں میں گھل مل کر بیٹھتے آپ کی مجلس میں ہر طرح کی گفتگو میں خواہ وہ دنیا سے متعلق ہو۔۔۔ یا دین سے۔۔۔ فروعی گفتگو ہو یا ادبی ہو۔ ہر شخص کلام کرنے میں بے تکلف رہتا۔۔۔ حضور کسی شخص کے بے محل کلام پر اظہار ناراضگی نہ فرماتے۔ اسی وجہ سے ہر شخص آزادانہ، بلاتکلف آپ سے ہمکلام ہوتا۔ آپ کا کلام سادہ اور آسان ہوتا کلام اگرچہ بظاہر سادہ ہوتا مگر ایک ایک لفظ تدبر، رموز و حکمت سے لبریز ہوتا۔ کسی بھی فرد بشر کو آپ کا کلام سمجھنے میں دقت نہ ہوتی، چہ جائیکہ کوئی عالم کے علاوہ ان پڑھ ہی کیوں نہ ہوتا۔ یقین جانیئے۔۔۔ اپنے محبوب مریدوں میں آپ کا مزاحیہ کلام بھی عشق و مستی کے مسحور کن رموز سے بھرپور سبق ہوتا۔ حضور مثنوی مولانا روم سے اشعار بیان فرماتے۔ ان اشعار میں عشق مجازی کے اشعار کی تفسیر میں حقیقت کے آثار بیان فرماتے

---

[۱] اس لیے اولیا اللہ الکاملین" نماز میں تصورِ پیر کو جائز قرار دیتے ہیں کیونکہ اکملین زمانہ قطب الاقطاب' غوث وقت کعبہ سے افضل ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ حج کے موقع پر جب کعبتہ اللہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہیں تو بے ساختہ زبان مبارک سے فرماتے ہیں اے کعبہ تو افضل ہے اور ہمارا قبلہ ہے۔ مگر قلب مومن سے افضل نہیں۔

تو ایسا معلوم ہوتا کہ انسان ان آثار کا مشاہدہ کر رہا ہے۔ دوران وعظ، سیف الملوک کے اشعار بھی دہراتے جن میں عشق و محبت کے لطائف بیان فرماتے۔۔۔ سیف الملوک کے اشعار پڑھتے وقت آپ پر مستی کی کیفیت طاری ہوتی۔ اکثر دیکھنے میں آیا کہ آپ اندرون خانہ تنہائی میں سیف الملوک کے اشعار گایا کرتے اور آپ پر سرور کی کیفیت طاری ہوتی۔ بلاشبہ آپ مجسمہ محبت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے آپ کو والہانہ عشق تھا۔ اس لئے کہ آپ کو محبوبیت کا مقام حاصل تھا۔

حضور قبلہ عالمؒ دینوی نمائش کی آلائشوں سے پاک تھے۔ آپ کا سینہ مبارک ہر کدورت سے پاک تھا۔ آپ نے عطائے فیض باطنی میں کبھی بخل سے کام نہ لیا۔ آپ کے دشمن بھی آپ کے فیض سے مستفید ہوتے رہے۔ آپ کسی امیر کبیر مالدار یا کسی اعلےٰ عہدے پر مامور شخصیت کی عظمت و سطوت کو کبھی خاطر میں نہ لائے نہ ہی کسی بڑے آدمی کو سلسلہ میں داخل کرنے میں پہل کی۔۔۔ اس نظریہ سے کہ ایسے شخص کے سلسلہ میں داخل ہونے سے سلسلہ کی بڑھائی یا صداقت ثابت ہو! اس وجہ سے کسی امیر، دولت مند یا اعلےٰ شخصیت کی دعوت قبول نہ فرماتے جب تک وہ خود حضور کی مجلس میں حاضر ہو کر، شریعت کی تابعداری اور طریقت میں شمولیت کر کے دین پر کامل طور، پابند نہ ہوتا۔۔۔ اس امر میں ذاتی فخر، کبر یا نخوت کو دخل نہ تھا۔ آپ کو اپنی برتری یا بزرگی کا ذرہ بھر بھی گماں نہ ہوتا۔۔۔ آپ کسی امیر یا اعلےٰ عہدے دار کی بے جا تعریف یا چاپلوسی میں شریک ہونا پسند نہ فرماتے۔ اس کے برعکس جب کوئی اعلےٰ شخصیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوتی تو اس کی حیثیت کے مطابق اس کی پذیرائی فرماتے۔۔۔ اس کے منصب کے مطابق اس کی عزت افزائی میں۔۔۔ پہل کر کے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کرتے۔۔۔ اور کشادہ دلی سے پیش آتے۔۔۔ اس کے مقام کا پورا خیال رکھتے۔۔۔ دوران تکلم۔۔۔ آداب کو ملحوظ رکھتے۔۔۔ مخاطب کی طرف لفظ "آپ" سے کلام فرماتے۔۔۔ ایسے شخص کیلئے مہمانداری کے آداب کا پورا خیال رکھتے۔۔۔ اور طبیعت اور حیثیت کے مطابق حسب استطاعت اس کی دعوت کرتے۔ اس امر میں آپ کا یہ نظریہ نہ تھا کہ ایسے شخص سے اپنی عزت افزائی یا کسی قسم کا حصول مقصود ہو کیونکہ آپ اپنے مریدوں میں کسی بھی اعلےٰ وادنیٰ شخص سے کسی قسم کی امداد حاصل کرنے کے روا دار نہ تھے۔ آپ نے کسی مقتدر شخص سے اپنی کسی غرض کو پورا کرنے کا کبھی تصور ہی نہ کیا بلکہ اکثر اپنی طرف سے اپنے مریدوں کی مدد کرنے کا جذبہ رکھا۔ حضور قبلہ عالمؒ نے اپنے مریدوں کی مہمانداری میں فرق مراتب کا کبھی خیال نہ فرمایا۔ البتہ کسی

شخص کی طبیعت کے مد نظر اس کی خدمت و عزت افزائی فرماتے رہے تاہم سلسلہ میں داخل ہوئے مریدوں میں ان کی حب کے زیر نظر۔ اپنائیت میں تکلفات سے کام نہ لیا۔ یہ فرق اسی حد تک قائم رکھا جب ایک اعلےٰ حیثیت کا فرد ادنیٰ حیثیت میں اپنے آپ کو پیش کرے تو اس وقت تکلفات سے کام نہ لیا۔ یہ امر کسی شخص کی حب اور جذبہ یکسانیت اور اس کے دین کے معاملہ میں دلچسپی اور جہد پر موقوف ہوتا کہ ایک اعلےٰ حیثیت کا مالک۔۔۔ جذبہ حب کے تحت محب بن کر پیش ہوتا۔۔۔ لیکن یہ بات ضرور تھی کہ کسی اعلےٰ حیثیت کے مالک فرد کے مقام کا خیال فرما کر اس کی عزت افزائی فرماتے یہاں تک کہ رخصت کے وقت اس کے جوتے سامنے رکھنے میں بھی عار نہ فرماتے اور اس کو الوداع کہنے کیلئے ساتھ ساتھ تشریف لے جاتے۔ اس کا سامان خود اٹھا کر لے جاتے ان میں آپ کو سبکی کا احساس نہ ہوتا۔۔۔ اس کردار سے متاثر ہو کر ہر متکبر انسان میں بھی عجز و انکساری کا جذبہ پیدا ہوتا تو وہ اپنی شان بھول کر حضور کے قدم چومنے لگ جاتا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ کے نزدیک کسی اعلےٰ شخصیت کا حضور کی خدمت میں حاضر ہونا محض حصول حق کیلئے ہوتا۔۔۔ آپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر ہر انسان حق کی طلب میں مخلص ہوتا۔۔۔ آپ سے فیض کا طلبگار ہوتا۔۔۔ اور اس کی خودی عجز میں بدل کر حقیقی عزت حاصل ہوتی۔ پھر آپ کی مجلس میں اعلےٰ و ادنیٰ کی تخصیص یکسر مٹ جاتی۔۔۔ اور ہر اعلےٰ اور ادنیٰ میں ایک دوسرے کی محبت، عزت و احترام کا جذبہ کامل ہو جاتا۔ ظاہر ہے کہ یہ کردار کسی شخص کے فیض یاب ہونے میں نسخہ کیمیا کا اثر رکھتا تھا۔

حضور قبلہ عالمؒ کے مرید آپ کی محبت و شفقت اور لاانتہا نوازشات پر دل و جان سے آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے پر آمادہ رہتے مگر حضور نے کبھی اپنی مہموں میں اپنے مریدوں پر بوجھ نہ ڈالا۔ آپ صاحب تدبر اور صاحب فہم تھے۔ آپ نے اپنی روحانی قوت کو مشکل سے مشکل وقت میں امور دنیوی کی انجام دہی میں کبھی استعمال نہ کیا بلکہ ایسے مواقع پر اپنے تدبر و فہم سے ہر کام انجام دیا۔ آپ اپنی مشکلات یا حاجات کا کفالہ کسی سے طلب نہ فرماتے بلکہ اپنے مریدوں کی مشکل کشائی فرماتے۔ آپ کرامات کا استعمال اپنی خود نمائی کیلئے نہ کرتے بلکہ اپنے مریدوں کی مشکلات میں شریک رہ کر عملی تدابیر تلاش کر کے مشکل پر قابو پانے کی کوشش کرتے۔ آپ ایک رفیق کی حیثیت سے میلوں دور سفر کر کے اپنے مریدوں کے گھر جا کر خبر گیری کرتے اور یہ سفر اپنے ذاتی خرچ پر کر کے کسی سے نہ لیتے نہ لینے کا خیال تھا۔ متعدد بار دیکھا گیا کہ اپنے مریدوں کے ہمراہ سفر کرتے تو زاد راہ اپنی ذات سے پورا کرنے کی کوشش کرتے غرض جس پہلو سے دیکھا جائے۔ آپ صفات انسانی اور شفقت کا مظہر مجسمہ

تھے۔۔۔ بلاشبہ ایک باپرہیز مومن اور باکمال ولی اکمل ہونے کے باوجود کسی کو اپنی فضیلت کا احساس نہ ہونے دیتے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ گھر ہو یا سفر آپ کی سادہ زندگی میں یہ سمجھنا مشکل ہوتا کہ آپ کی ذات گرامی اس زمانہ کی عظیم ترین ہستیوں میں ایک منفرد اور ایک مخصوص شخصیت ہے۔۔۔ ایسی شخصیت کو دیکھ کر باور کرنا مشکل ہو جاتا کہ آیا یہ سادہ لوح انسان کیا معرفت الٰہی میں فنا و بقا کا مقام حاصل کئے ہوئے ہے؟ بعض لوگ آپ کی شخصیت کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے کہ اس شخص سے فیض حاصل ہونا باور نہیں کیا جاسکتا تاوقتیکہ وہ حضور کی مجلس میں بیٹھ کر آپ کے کلام پر حکمت و رموز سے متاثر ہوتے۔ یہ کیفیت بالعموم حیرانگی کا باعث بنتی۔

حضور قبلہ عالمؒ فیض طریقت عطا کرنے میں مثل سمندر بے کراں تھے۔ آپ کسی شخص کی لاتعلقی یا بے ادبی خاطر میں نہ لاتے خواہ کوئی آدمی آپ کی حیثیت کو نہ سمجھ کر آزمائش کے طور ہی آپ سے فیض کا طلبگار ہوتا۔ تو اس کی ناشائستہ حرکت آپ کو فیض عطا کرنے سے باز نہ رکھتی۔ حضور کشادہ دلی سے ایسے لوگوں پر مہربان ہو کر انہیں فیض عطا کر کے اجلاس محمدی ﷺ میں داخل کر کے زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف کرا دیتے۔ یہ ان کی محبوبیت کی خصوصیت تھی کہ اجلاس محمدی ﷺ میں حضور قبلہ عالم کے پیش کردہ شخص کی پذیرائی ہوتی اور اس کے عیوب و نقائص کو عریاں نہ کیا جاتا اور وہ حضوری ہو جاتا۔ یہی وجہ تھی کہ بعض لاعلم لوگ حضور قبلہ عالم کے مریدوں کی ہیئت کذائی دیکھ کر شش و پنج میں پڑ جاتے کہ خلاف شریعت آداب کے ہوتے ہوئے ایک داڑھی مونچھ مونڈھا ہوا انگریزی لباس پہنے عام آدمی۔ بغیر تزکیہ۔ بغیر آداب شریعت کا حضوری اجلاس محمدی ﷺ ہونے اور حضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا دعویٰ کرے کسی طرح بھی قابل یقین نہیں ہو سکتا مگر یہ خصوصیت صرف قبلہ عالم کی محبوبیت اور آپ کے اوصاف حمیدہ کا اسوہ حسنہ حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہونے کے باعث تھا۔

سبحان اللہ۔۔۔ حضور قبلہ عالم اگرچہ مغربی علوم میں "درک" نہیں رکھتے تھے مگر آپ کو علم لدنی عطا ہوا تھا۔ آپ جملہ علوم کی حقیقت سے آگاہ تھے کیونکہ آپ تمام اسرار و آثار تخلیقی سے بامشاہدہ آگاہی رکھتے تھے۔ ہر نوع کا علم آپ کے قلب مبارک پر القا ہوتا تھا۔ آپ کے بیان میں آئے ہوئے رموز میں ہر نوع کے علم کی دلیل ملتی تھی۔ خواہ مشرقی علم ہو یا مغربی، یونانی ہو یا عربی، آپ کے دلائل ہر علم سے تائید حاصل کرتے تھے۔ آپ درویش ہی نہ تھے بلکہ ہمہ صفت موصوف تھے آپ امور دنیوی میں ہر کاروبار میں فہیم و مدبر

تھے اپنے کام انجام دینے میں آپکو اپنی ذات پر کامل بھروسہ تھا۔ آپ زمیندار تھے، خود ہل چلا کر روزی کماتے تھے۔۔۔ کسی بھی موقع پر آپ نے اپنی عالمانہ حیثیت کا احساس نہ کیا۔ گھر کا تمام کاروبار خود کرتے۔ آپ نے ادنٰی سے ادنٰی کام انجام دینے میں کبھی عار نہ کیا۔۔۔ آپ اپنے مریدوں کو بھی تلقین فرماتے کہ اپنے جتنے بھی کام ہوں خود تکمیل کئے جائیں کسی پر اپنی ضرورتوں کا بوجھ نہ ڈالو۔۔۔ حصول دنیا کے لئے فقیری استعمال نہ کرو دنیا کو عقل و تدبر سے پورا کرو اور عبادت کو آخرت کیلئے وقف کرو کیونکہ عبادت کا صلہ دنیاوی حاجتوں کے مقابلہ میں عظیم نفع کا حامل ہے۔

أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت ۶۱)

کیا تم تبدیل کرتے ہو ادنٰی درجہ کی چیزوں پر اعلٰے درجہ کے سرمایہ کو۔۔۔ یعنی عبادت کا اجر عظیم۔۔۔ دنیا کی ادنٰی چیزوں کے حصول پر بدلنا نہیں چاہیئے حضور رحمتہ اللہ علیہ دنیاوی مشکلات میں کبھی روحانی قوت (کرامات) استعمال نہ کرتے۔۔۔ سوائے ایسی صورت کے کہ جب ظاہری اسباب سے کام انجام پذیر ہونا مشکل ہو جاتا وہ بھی اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اپنے محبوں کی مشکلات حل کرنے کے لئے قدرتی طور عمل میں آجاتا ورنہ اپنے مریدوں کی مشکلات میں خود شریک ہو کر تدبر سے کام لے کر مشکلات حل کرتے۔ حضور رحمتہ اللہ علیہ۔۔۔ جب کسی مرید پر مشکل وقت آتا تو فوراً اس کی مدد کو پہنچ جاتے۔۔۔ پھر جو بھی صورت مناسب ہوتی عمل فرماتے حضور قبلہ عالمؒ نے اپنی عملی زندگی میں مشکلات کا سامنا کیا اور دنیا کی ہر تکلیف کو برداشت کیا۔ آپ نے اجرائے قرآن و سنت اور اجرائے طریقت کے لئے اپنی ذات کو وقف کر رکھا تھا اسکے ساتھ ہی آپ امور دینوی میں بھی مشغول رہتے آپ کو راہبانہ زندگی سے نفرت تھی اور مریدوں کو بھی تلقین فرماتے کہ فقیری کے ساتھ دنیا دار بنے رہو۔ یہ سالکانہ طریق فقر ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ۔۔۔ سالک کی یہ صفت ہے۔۔۔ کہ ایک طرف وہ مشاہدہ ذات میں مشغول ہو اور دوسری طرف وہ کسی شے کی خرید کرنے میں دوکاندار سے دام کرتے وقت صحیح لین دین کے دوران عرق ریز ہوتا کہ یہ معلوم نہ ہو کہ وہ تن آسان ہے اور اس کی ہیئت فقر عیاں نہ ہو۔

بعض اوقات آپ عبادات (مراقبہ درود شریف) کے مقابلہ، دنیاداری پر زیادہ زور دیتے بلکہ اگر کسی مرید میں گوشہ نشینی کی خو محسوس کی تو اسے قبض میں ڈال کر مشاہدہ بند کر دیتے یا دنیاوی مشاغل میں معروف کر دیتے تاکہ طالب خود بخود دنیا کی طرف مائل ہو اس طرح طالب دنیا سے لاتعلقی کی خو بدل کر طبیعت کو اعتدال پر لے آتا۔

حضور فقیری میں ظاہری نمائش کے اظہار کو پسند نہ فرماتے کہ فقیر وہ ہے جس کے سینہ میں علم اتنا پوشیدہ ہو کہ دوسرا پہچان نہ سکے۔۔۔ نہ فقیر اپنے فقر کے ظاہر کرنے میں ایسی ہیئت اختیار کرے جس سے فقیری نمایاں محسوس کی جائے حضور اس کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت غوث الاعظم شیخ محی الدین جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے قصیدے میں فرماتے ہیں۔

اَنَا الْحَسَنِیْ وَالْمُخْدَعُ مَقَامِیْ
وَاَقْدَامِیْ عَلٰی عُنُقِ الرِّجَالِ

ہم ذریت امام حسن علیہ السلام سے ہیں اور ہمارا مقام مخدع ہے اور ہمارا قدم تمام صاحب معرفت اولیاء کی گردن پر ہے۔ مخدع وہ مقام ہے جہاں فوج اپنا سامان حرب چھپا کر رکھے تاکہ دشمن اس کا سراغ نہ پا سکے۔ اسی طرح فقیر کا ایک مقام ہے۔ کہ وہ اپنے علم و عمل کو گنجینہ قلب میں "لاانتہا وسعت سے" اس حد تک چھپا لے کہ شیطان اس کے قلب میں جھانک کر سراغ نہ لگا سکے۔ یعنی ایک ولی ذات الٰہی کے وجود لا انتہا میں مقام بقا حاصل کرے جہاں شیطان اس کے علم و عمل پر ضرب لگانے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور ظاہراً اس کے گنجینہ قلب میں اسقدر وسعت ہو کہ اسکی ذاتی حرکات و سکنات سے فقر مترشح نہ ہو کہ ذات الٰہی کی تجلیات اسکے گنجینہ قلب میں اس طرح سما جائیں کہ اس پر دیدار الٰہی میں نہ حال طاری ہو۔۔۔ نہ وجدانی حالت میں اس کے عقل و شعور سے اس کا اظہار ہوتا ہو۔۔۔ حضور قبلہ عالم اس کیفیت کی مثال حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے ایک واقعہ سے دیتے ہیں۔۔۔ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب بسطامی رحمت اللہ علیہ مسجد میں فروکش تھے کہ ایک شخص آپ کو تلاش کرتے کرتے مسجد میں آیا اور حضرت موصوف سے فیض کا طلبگار ہوا۔ آپ نے فرمایا ابھی میں اس قابل نہیں ہوں کہ تمہیں فیض دے سکوں کیونکہ ابھی میرا فقر محفوظ نہیں۔۔۔ ممکن ہے کسی وقت میرا علم ضائع ہو تو تمہیں بھی میری راہنمائی میسر نہ ہو سکے گی۔ اس شخص نے جواب دیا کہ آپ وقت کے اولیاء میں شمار ہیں اور مشہور زمانہ ہیں۔ حضرت بایزید رحمتہ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہی امر میری عدم کاملیت کا ثبوت ہے کہ میرے علم سے ہر شخص آگاہ ہے اور فقیر اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک اس کا علم شیطان کی زد سے باہر "مقام مخدع" میں نہ ہو کیونکہ ایسی حالت میں شیطان میرے علم پر ضرب لگا سکتا ہے چونکہ میرا علم ابھی خطرے کی زد میں ہے۔۔۔ اس لئے جب تک مجھے میرے علم کی حفاظت کی ضمانت نہ ہو میں تمہیں فیض دینے کے لئے تیار نہیں۔ مجھے تو

ابھی بر شعور، جانتا ہے۔

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں فقر میں ظاہری نمائش یا اپنے علم پر فخر کرنا اپنے آپ کو شیطان کی زد میں لانے کے مترادف ہے سلئے اپنے گنجینۂ قلب کو صبر و صلوٰۃ سے وسعت دو کہ اس میں سے علم کا ایک قطرہ بھی اچھل کر باہر نہ آئے اور اپنے ظاہری لباس سے بھی فقیرانہ ہیئت کا مظاہرہ نہ ہو اور تقویٰ اور عمل بھی اس طرح کیا جائے کہ غیر اس کو دکھاوا یا خود نمائی سے تعبیر نہ کرے۔ بلکہ فقیر کی ہیئت سے انکساری ٹپکتی ہو۔ حضور عالی مقام محمد امین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصیت تھی کہ آپ کو مقام فنا اور بقا حاصل تھا لیکن آپ کے ظاہر سے فقیرانہ علامت محسوس نہ کی گئی۔۔۔ اس خصوصیت سے آپ کے مریدوں سے بھی فقیرانہ ہیئت نمایاں نہ ہو سکتی تھی۔ ایک شخص اپنے مراتب میں کامل اکمل ہونے کے باوجود ایک عام انسان کی حیثیت کا محسوس ہوتا۔ کوئی بھی شخص یہ باور کرنے پر آمادہ نہ ہوتا کہ یہ شخص بھی حضوری ہے اور ہر شخص ایک دنیا دار کی حیثیت میں۔ ملازمت مزدوری کرتا۔۔۔ اور اپنے دنیوی معاملات میں عام آدمی کی طرح تدبیر و فہم سے کام لیتا۔۔۔ تاوقتیکہ اس طریق سے فقر میں کسی کرامات یا کمال کا اظہار نہ ہوتا۔ یعنی قبلہ عالم کے مریدوں میں عام ایسے مرید پائے جاتے جو کسی شخص کو ایک توجہ سے حضوری کر کے اجلاس محمدی ﷺ میں داخل کرتے جس سے باطن میں کسی مرید کے کمال و مراتب کا علم ہو جاتا یہ امر واقع ہے کہ حضور قبلہ عالم کو آپ کی ذاتی ہیئت میں ان کے کمال علم اور مرتبہ فنا و بقا کی پہچان کرنا کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔ جب تک کہ آپ کی مجلس و صحبت سے آپ کے مواعظ حسنہ اور آپ کے راہنمایانہ عمل سے آپ کی ولایت کا مظاہرہ نہ ہوتا۔۔۔ فی زمانہ، جاہل بے عمل فقرا کی مبالغہ آمیز نمائش سے انہیں فنا فی اللہ کا درجہ دے کر خلاف شریعت افعال و اصل فقر تصور کرنے ان کی پوجا کی جاتی ہے اور دنیا ان کے آستانوں پر ٹوٹ پڑتی ہے۔۔۔ مگر ان کی تلاش۔۔۔ ایکی طلب۔ بے مقصد اور لغو تصور کی جاتی ہے۔۔۔ کہ لوگ چالاکی زمانہ سازی سے لا علم لوگوں کو من گھڑت عقائد۔۔۔ اور چرب زبانی سے اپنا گرویدہ بنا کر بیعت کر کے اپنا مطیع بنا کر ان سے مال و زر حاصل کر کے بلند و بالا، عمارتیں اور شاہانہ ٹھاٹھ بناتے ہیں اور وہی مرید جو ایسی پونجی ان نام نہاد فقراء کی عیش و عشرت کے لئے پیش کرتے ہیں۔۔۔ دیوانگی کا مقام ہے کہ وہی مرید ان نام نہاد فقراء سے دولت دنیوی اور دنیوی مرادیں پانے کے لئے ان کے آگے سجدہ کرتے ہیں جب کہ ان کے ذہنوں میں تلاش حق کا قطعی تصور نہیں ہوتا۔ حضور فرماتے ہیں ایسے ظاہری نمائش والے فقراء جو قیمتی موٹر کاروں میں مرید کے گھر وں پر

دھاوا بولتے ہیں کروڑوں کی جائیدادوں کے مالک اپنی تقصیری کا سکہ اس قدر جماتے ہیں کہ کسی شخص کو ان کے کردار پر انگلی اٹھانے کی جرأت نہیں پڑتی۔ بلکہ ایسے لوگوں کو ہر حال میں بھی صاحب کمال ولی، فنافی اللہ یقین کر کے سر آنکھوں پر بٹھا کر ان کی پرستش کرتے ہیں۔ ایسے سنگدل، بے خوف انسان اپنے کردار پر نظر ڈالنے کی کوشش نہیں کرتے کہ اس طرز عمل سے لاکھوں بندگان خدا کو گمراہی کے اندھیروں میں ڈال کر ان کی عاقبت خراب کرتے ہیں جس کے لئے یوم حشر ایسے نام نہاد فقراء کو ذلت اور رسوائی کا سامنا ایک اٹل فیصلہ ہو گا۔ اور انہیں اللہ کے نزدیک تمام مخلوق کی گمراہی کیلئے جواب دینا ہو گا لہذا خیال رکھو کہ آداب مرشدی میں ایسا کردار شریعت و طریقت میں بجائے حصول مقصد کی ناکامی اور نامرادی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ مرشد کے لئے لازم ہے کہ جب تک۔ کہ اس کا عمل شریعت و طریقت پر قرآنی ضابطہ کے مطابق نہ ہو مخلوق خدا کو گمراہ کرنے کا سبب نہ بنے۔

آداب مریدی

حضور قبلہ عالم اپنے مریدوں کو آداب مریدی سکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک طالب حق کے لئے قرآن و سنت اور اولی الامر کے فقہ کی روشنی میں معرفت حاصل کرنا ضروری ہے۔ بغیر اتباع شریعت، طریقت کا حاصل ہونا ایک مرید کیلئے ممکن نہیں اس لئے ضروری ہے ایک طالب حق، ایک عالم امت، حامل قرآن، حامل اسوہ حسنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بہ تحقیق رجوع کرے۔ اس کے برعکس اگر ایک مدعی ولایت مردہ زندہ کرے اور وہ شریعت کا پابند نہ ہو۔۔۔ اس کا عمل استدراجی۔۔۔ شیطانی تصور ہوتا ہے اس کی اتباع کسی طرح بھی جائز نہیں۔۔۔ ہاں آداب طریقت میں۔۔۔ ایک ولی اکمل کی نسبت ضروری ہے۔۔۔ اور نسبت کے بعد جب کہ ولی اکمل کی شخصیت مسلم ہو۔۔۔ اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کے قرآنی اصول کے مطابق اسے بلا دلیل، بلا آزمائش تسلیم کرنا لازمی ہے۔۔۔ کیونکہ کوئی شخص اپنی ذات سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ کسی شخص کے پاس ولی کی شناخت کے لئے کوئی کسوٹی نہیں۔۔۔ سوائے اس کے کہ عالم امت کا کردار اولی الامر پر ہو۔۔۔ اسوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہو۔۔۔ اور وہ قرآن و حدیث و ذاتی فقہ و اجتہاد میں بحد کمال عبور رکھتا ہو۔۔۔ اس کی نشاندہی اس کے کردار اور عمل سے ثابت ہو۔ دوسرے ایک مدعی ولایت کے مریدوں میں بھی صاحب شریعت اور ولی کامل کثرت سے جاتے ہوں۔ اس کی تبلیغ نتیجہ خیز ہو کہ غافل۔۔۔ بے عمل انسان۔۔۔ مجسم

شرافت اور مستحق ہوں۔ اور اس کی تعلیم اور اجرائے دین سے دین محمدی ﷺ کو حقیقی معنوں میں وسعت و فروغ حاصل ہو۔ اگر کثرت سے نہیں تو بھی اس کے تابعین میں۔ اتباع شریعت۔ تزکیہ۔ مجاہدہ اور حسن اخلاق کا حقیقی مظاہرہ ہو۔۔۔ ایک مرید طالب حق کیلئے کسی مدعی ولایت کیطرف رجوع کرنے کے بجائے ان خصوصیات کے ہوتے ہوئے بلا دلیل، ولی اکمل کو تسلیم ... رجوع۔۔۔ اور تسلیم کے بعد۔۔۔ ایک حقیقی مقصد کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔۔۔ وہ یہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کہ تسلیم کے بعد ایک ولی سے نسبت قائم کرنے میں۔۔۔ اب کسی شک و شبہ لاریبَ کو دل میں گنجائش نہ دے۔۔۔ اور پھر اپنا ایک مقصد متعین کرے۔ وہ تقویٰ کو اپنی زندگی میں اپنے لئے ایک عمل خاص کر دے۔ کہ انسان وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔ انسان کے لئے اللہ کی عبادت لازم ہے۔۔۔ وہ اس لئے کہ انسان اپنی زندگی میں بغیر عمل۔۔۔ عمل نیک و بد۔۔۔ ایک لحہ خالی نہیں رہ سکتا۔۔۔ وہ اس لئے کہ اس دنیا میں عمل پر ہی اس کے خیر و شر، راحت و عذاب کا دارومدار ہے۔۔۔ اگر نیک عمل نہ کیا جائے تو اس کے لئے دنیا میں ہر قدم پر خسران نقصان و مصیبت اور بے چینی پیدا ہو گی۔۔۔ اور آخرت میں اسے شدید عذاب و پریشانی میں مبتلا ہونا ہو گا۔۔۔ انسان اپنی زندگی میں پہلے قدم پر اس کا احساس اور شدید احساس کرے تو اس پر اپنے اعمال شر میں آخرت میں عذاب پانے کا خوف طاری ہو گا۔۔۔ اس تاثر کو مدنظر رکھ کر انسان ایک حقیقی عالم امت۔۔۔ ولی اکمل کی راہنمائی کا طلبگار ہوتا ہے۔۔۔ کہ وہ عمل خیر کے جذبہ کے تحت ایک ولی اکمل کی نسبت و راہنمائی کیلئے ایک مقصد لے کر اٹھتا ہے اور پھر قرآن کے اس ارشاد میں وسعت ہے کہ انسان کو ازلی طور مشاہدہ اسرار الٰہی۔۔۔ معرفت الٰہی حاصل کرنا، واجب ہے۔ ایسی صورت میں اس کے مقصد میں معرفت الٰہی حاصل کرنا ایک اہم مقصد قرار دیا جاتا ہے۔۔۔ ایسے ہی شخص کو طالب حق کہا جاتا ہے۔ هُدًى سے بھی یہی مراد ہے کہ ایک طالب کو اس کے مطلوب و مقصود تک پہنچنا یا پہنچانا۔۔۔ اس مقصد کی تکمیل ایک ولی اکمل سے ہی ہو سکتی ہے۔ یہ مقصد واضح اور خاص مقصد ہے جس کے لئے ایک مرید طالب حق کسی ولی اکمل کی راہنمائی کا طلبگار ہوتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے قرآن نے آداب و شرائط مقرر کئے اور وہ ہیں احکام الٰہی کی کامل پابندی۔۔۔ اور حصول معرفت میں طریق قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق حسن اخلاق۔۔۔ ارکان شریعت پر خالصتاً عمل اور زائد عبادت پر دوام جو ایک عالم امت۔۔۔ اولی الامر۔۔۔ ولی اکمل کی اتباع میں ممکن ہو سکتا ہے۔ ایک مرید کے لئے لازم

ہے کہ وہ اسی مقصد خاص کو لے کر ایک ولی اکمل کی نسبت حاصل کرے۔ اس نسبت کے حاصل کرنے میں قرآن نے ایک اہم شرط لازم رکھی ہے وہ ہے

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا - وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ - فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ

ایک "وعدہ"--- دوسرا "عہد"--- تیسرا "بیع" (بیعت) چوتھا خصوصی عمل--- اَحَبَّ--- اللہ رسول صلعم اور اولی الامر--- ولی اکمل سے "حب" کرنا--- انہی چار خصوصیات کا ایک طالب حق میں پایا جانا--- اہم شرائط میں شامل ہے--- کہ طالب حق اپنے مقصد کا تعین کر کے ایک ولی اکمل سے وعدہ کرتا ہے کہ میں قرآن و سنت اور اولی الامر کے حکم کے مطابق عمل کروں گا--- اس کے لئے وہ اپنے پیر اکمل کے ہاتھ پر عہد کرتا ہے کہ میں قرآن و سنت و فقہ پر اپنی زندگی میں عمل کے سوا اپنے لئے نہ کوئی اور عمل کروں گا، نہ ماسویٰ کی طلب قلب میں قائم کروں گا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس حکم کی اتباع میں کاملاً ولی اکمل کے حکم کی پیروی کرے--- اس حال میں کہ جو کچھ ولی اکمل حکم کرے اسے پورا کرنے میں پوری قوت صرف کرے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ولی اکمل کے احکام پورا کرنے میں اپنے ارادے اور اختیار پر ولی اکمل کے حکم اور مرضی کو مقدم سمجھے اور اپنے اختیارات ساقط کر دے یہ صورت کہ اپنے آپ کو ولی اکمل کی سپردگی میں اپنے اختیارات سے دستبردار ہو کر اپنے آپ کو حصول مقصد کے لئے من کل الوجود ولی اکمل کے سپرد کرنا، بیع سے تعبیر ہوتا ہے۔ یہی بیع عہد اور وعدہ پورا کرنے کا خصوصی عمل ہے--- اور جب ایک طالب حق اپنے آپ کو ولی اکمل کے ہاتھ پر بیع کرے تو اس کے لئے لازم ہے کہ پھر اس کے ذہن میں سوائے ولی اکمل کی اتباع کے اور کوئی تصور ماسویٰ کا قائم نہ ہو۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ایک ولی اکمل کی بیعت پر یہ تصور اور عقیدہ قائم کرنا ضروری ہے کہ میرا تمام خیر و شر ولی اکمل کے ہاتھ میں ہے--- اور ولی اکمل کو--- بالحقیقت ولی اکمل سمجھ کر اسے فنا و بقا کے مقام پر اکمل تصور کرتے ہوئے یقین کامل کے ساتھ اس پر اعتماد[1] و بھروسہ کرتے ہوئے اپنے مقصد کی کامیابی--- اتباع میں کسی قسم کا شک و شبہ دل میں نہ رکھے۔ طالب حق کے لئے یہ تصور--- یہ عقیدہ، حصول مقصد میں اہم مقام رکھتا ہے--- اور جب تک یہ تصور کامل نہ ہو، نہ وعدہ کامل ہو سکتا ہے اور نہ عہد پورا ہو سکتا ہے--- نہ بیعت مستحکم

---

[1] حسنِ نیت: پیر پر یقین رکھنے۔ اور بیعت کرنے میں حسنِ نیت ہو۔

ہو سکتی ہے۔۔۔ مرید صادق کیلئے ضروری ہے کہ وہ عام امت ولی اکمل سے قرآن و حدیث و فقہ (وحی جلی) وحی خفی، تقسیم وحی جلی و خفی کا علم حاصل کرے۔ اور اس کے علاوہ قرآنی ارشاد کے مطابق زائد عبادت۔۔۔ رات جاگنا۔۔ روزہ رکھنا۔۔ راتوں میں نماز و تلاوت پر مداومت کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ معرفت الٰہی میں ان ارکان پر شدت سے عمل کے ذریعہ معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ عالم امت ولی اکمل کی خصوصیت میں دو یزکیہم۔ تزکیہ نفس کے لئے ولی اکمل سے روحانی توجہ حاصل کرنا۔ اہم اور خصوصی عمل ہے۔ بغیر توجہ کے یا تزکیہ کے انسانی روح کو مشاہدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ولی اکمل کی صحبت میں زیادہ وقت صرف کر کے ولی سے توجہ حاصل کرے تاکہ طالب حق کو شریعت پر عمل۔۔۔ اور جو عمل ولی اکمل۔ ایک طالب حق کیلئے۔۔۔ ذاتی فقہ و اجتہاد سے مقرر کرتا ہے اس عمل کے نتیجہ کا مشاہدہ حاصل ہو۔ اس عمل میں مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفت الٰہی حاصل ہونا یقینی ہوتا ہے۔۔۔ لہذا حصول مشاہدہ کے لئے ولی اکمل سے نسبت اور طویل صحبت اور توجہ حاصل کرنا ضروری ہے طویل صحبت اور توجہ میں طالب حق کو ایک خاص تصور حاصل ہوتا ہے طویل مدت صحبت میں رہنے سے پیر اکمل کا تصور (تصور خیالی) ذہن میں جاگزیں ہو جاتا ہے اور جب طالب حق تلاش حق میں۔ قلب کو حقیقت۔۔۔ صراط مستقیم کی طرف یکسو کرتا ہے۔ تو قرب پیر کی وجہ سے اس کے ذہن میں پہلے تصور پیر آتا ہے۔ یہ تصور پیر ظاہراً پیر کا ظاہری وجود تصور خیالی کی شکل میں سامنے آجاتا ہے لیکن اس عمل کو روح کے ذریعہ استعمال کیا جاتا ہے۔ ظاہری آنکھ بند ہونے سے طالب کے ذہن پر تصور پیر ابھرتا ہے اس کی ہیئت روحانی ہوتی ہے اس طرح روح کی روح سے نسبت ہو جاتی ہے۔۔۔ اسی روحی نسبت سے طالب کی روح پر ولی کی روحانی نسبت سے قرب و وصال ہو جاتا ہے اس وصال سے پیر کی روحانی قوت طالب کی روح میں سما کر اسے نوری تقویت پہنچاتی ہے۔ یہی کیفیت "توجہ" سے تعبیر ہوتی ہے لازم ہے۔۔۔ جب طالب نے ایک ولی اکمل کی نسبت میں تصور پیر کو لازم سمجھا۔ تو یہ عمل جستجو پیدا کرتا ہے۔ یہ جستجو طلب پیدا کرتی ہے۔ طلب میں حب کا عمل پیدا ہو جاتا ہے۔ جس چیز کی طلب کی جائے وہی شے محبوب بن جاتی ہے۔ اسی عمل سے اَحَبَّ۔ حب کی تعمیل و تکمیل ہو جاتی ہے۔ اس حب کا خاصا ہے کہ حصول معرفت کے پہلے قدم پر پیر اکمل کی حب ہی مقصد بن کر رہ جاتی ہے۔۔۔ یہ عمل مبالغہ نہیں بلکہ قرآنی ارشاد میں حب کا خاصا۔۔۔ اور حب کی تاثیر یہی ہے کہ طالب حق کے لئے ابتداً اولی الامر۔۔۔ ولی اکمل کی حب لازم ہے۔ اور جب کہ طالب اپنے آپ کو

"بیع" اور اتباع کیلئے وقف کرتا ہے تو سوائے اس کے نہیں کہ طالب، اولی الامر، ولی اکمل کی حب میں ولی اکمل کی حب کو ہی مقدم کرتا ہے۔ ولی اکمل کی صفت فنا فی اللہ فنا فی الرسول ہوتی ہے۔ یعنی ولی اکمل کی روح نور محمدی ﷺ اور نور الٰہی سے وصال رکھتی ہے لہذا فنائے رسول اور فنائے ذات الٰہی میں یہ آسان ذریعہ ہے کہ ولی اکمل کی روح میں فنا حاصل کر کے فنا فی الرسول اور فنا فی اللہ تک پہنچ جائے۔ یہی طریق مشاہدہ اسرار الٰہی اور معرفت الٰہی کا ہے جس سے ایک مرید طالب حق کے مقصد کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ یہ اصول ایک ولی اکمل کی راہنمائی۔۔۔ وعدہ[1]۔۔۔ عہد[2]۔۔۔ بیعت[3]۔۔۔ حب[4] میں روحانی حیثیت میں معرفت حاصل کرنے کا ہے۔۔۔ اس کے علاوہ طالب حق کے لئے ایک زندہ ولی کی صحبت کرنا ضروری ہے تاکہ اس عالم امت سے حصول معرفت میں آداب و علم قرآنی و حدیث و فقہ کا علم و عمل حاصل کیا جائے۔ بغیر اس ذریعہ کے معرفت حاصل ہونے میں کامیابی قطعی ناممکن ہے جب تک ایک ولی اکمل سے قرآن و حدیث و فقہ کا علم اور اس پر صحیح طریقہ پر عمل کرنا سیکھا نہ جائے، معرفت روحانی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں فقیری بغیر علم کے بے زینت لباس اور علم بغیر مشاہدہ (فقیری) بے بصر سوار ہے۔ اس لئے طالب حق مرید کیلئے ایک زندہ عالم ولی اکمل کی صحبت حاصل کرنا لازمی ہے۔ اس حال میں بھی ایک ولی اکمل سے وعدہ۔۔۔ عہد۔۔۔ بیع۔۔۔ حب۔۔۔ ظاہری طور ہی ہوتی ہے۔ لہذا ظاہری طور پر ولی اکمل سے حب کرنا اصل طریقت ہے۔ اس حب میں ظاہری عمل و فعل استعمال ہوتا ہے۔ وہ عمل جسمانی حیثیت میں ولی اکمل سے محبت، عزت و احترام اور باہمی رابطہ و تعلق لازم ہے۔۔۔ مرید صادق کیلئے لازم ہے کہ جب ایک شخصیت کو ولی اکمل کی حیثیت میں کامل راہنما۔۔۔ فنا فی اللہ، بقا باللہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ اس حال میں کہ اپنے آپ کو اس پر بیع کر دیا تو اپنے پیر اکمل کے مقابلہ میں کسی دوسری شخصیت کو فوقیت دے نہ اس کی طرف تکمیل مقصد کیلئے رجوع کرے۔ یہ امر۔ خلاف عہد، خلاف بیعت ہوگا۔ اگر ایسا کیا یعنی کے بعد دیگرے ولی اکمل سے رجوع کرے تو لازمی ہے کہ اس کے دل میں شکوک بھی پیدا ہوں گے اور کسی خاص لائحہ عمل کا حامل نہ ہوگا اور پیش از پیش ایسا نظام طریقت کے خلاف ہے بلکہ یہ شیوہ "یقین" کے خلاف ہے۔ طالب حق کیلئے کسی طرح بھی کسی دوسرے ولی سے حصول فیض میں استفادہ کرنے کی گنجائش ہے نہ اصولی طور پر ایسا کرنا جائز ہے طالب حق کیلئے یہ یقین پختہ کرنا ضروری ہے کہ اپنے حصول فیض معرفت میں اپنے پیر کامل پر بھروسہ کر کے کسی دوسرے ولی سے توجہ حاصل کرنا لازم نہیں جب کہ پیر اکمل ایک طالب کے مقصد

کی تکمیل کی بیع کے ذریعہ ذمہ داری لے چکا ہو اور وہ اس کا اہل بھی ہو تو پھر کسی کی طرف رجوع کرنا۔۔۔ شک و ریب کے مترادف ہے۔ یہ عقیدہ یکسر ناقص ہوگا۔ طالب حق کیلئے لازم ہے کہ از روئے قرآن و حدیث حصول حق میں پیر اکمل سے۔ اپنے ماں باپ، اولاد، عزیز و اقارب اور ہر شے سے زیادہ محبت لازم رکھے۔ یہی حب کا جذبہ تصور پیر کو کامل بنا کر مشاہدہ حقیقی کا ضامن ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں ظاہری طور پیر کی حب کو اپنی ہر خواہش پر مقدم سمجھا جائے یہاں تک کہ حصول معرفت و مشاہدہ میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے کہ طالب حق حب پیر میں وصال پیر کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے۔ یہ عمل بھی مقصد حقیقی معرفت الٰہی کا بہتر ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس جذبہ سے فنائے پیر حاصل ہو کر معرفت حقیقی حاصل کرنے میں آسانی پیدا ہوتی ہے۔ طالب حق۔۔۔ مرید صادق کو پیر کی خوشنودی میں بغیر محنت و مجاہدہ، مراتب معرفت حاصل ہوتے ہیں کیونکہ ولی اکمل کی صفت میں یہ خصوصیات شامل ہیں کہ ایک مرید صادق کی حب کو دیکھ کر اسے اپنی مرضی و اختیار سے مراتب اعلےٰ میں لے جاتا ہے لہذا لازم ہوا کہ حصول معرفت میں مرید کے لئے خوشنودیٔ پیر حاصل کرنا معرفت و مراتب حاصل کرنے کا بہتر ذریعہ ہوتا ہے ایسا عقیدہ نہ خلاف شریعت ہے نہ اس سے شرک لازم آتا ہے۔

اصول طریقت میں ایک طالب حق کیلئے۔۔۔ وصال محمدی ﷺ۔۔۔ فنائے محمدی ﷺ۔۔۔ وصال الٰہی۔۔۔ فنائے الٰہی اصل مقصد قرار دیا گیا ہے۔۔۔ اس مقصد کی تکمیل کو عمل۔۔۔ شریعت پر عمل۔۔۔ زائد عبادت کی محنت۔۔۔ فاقہ۔۔۔ شب بیداری کے کٹھن عمل پر منحصر کیا گیا اسے ایمان سے تعبیر دیا گیا۔ لیکن جہاں تک حب کا تعلق ہے یہ عمل ایمان سے افضل قرار دیا گیا کہ بغیر حب ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ ثابت ہوا کہ حصول معرفت میں حب کو تقدم و تفوق حاصل ہے۔ ایمان۔۔۔ عمل ہے۔ اور حب ایک لطیف قلبی جذبہ ہے جس کا اظہار عمل سے نہیں ہوتا۔۔۔ بلکہ واصلانِ حق نے حب کو ایک لطیف قلبی وجدانی درد سے تعبیر دیا ہے۔ کسی انگریز محقق نے اس حب کو ایک لطیف انداز میں پیش کیا ہے

LOVE IS THE PAINFUL PLEASURE AND

THE PLEASANT PAIN

(محبت ایک پُر درد سرور ہے اور پُر سرور درد!)

اس جذبہ کے تحت ایک طالب صرف اپنے محبوب کو پسند کرتا ہے۔ یہاں "حب"

کیلئے ایک محبوب کا تصور قائم ہوتا ہے۔ اس تصور میں ذات الٰہی اور ذات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور پایا جاتا ہے۔ محبوب وہ ہے جو حسین ہو اور اسی حسن پر اسے چاہا جائے۔۔۔ اور معشوق و عشق میں حب اور محبوب کے مقابلہ میں فرق ہے۔ معشوق اور عشق میں عجمی تصور ہے۔ عشق کا تعلق ذہن سے ہوتا ہے۔ یہ مجازی اثر رکھتا ہے۔ اس اثر کے تحت معشوق کو اس کے حسن پر چاہا نہیں جاتا بلکہ عاشق جسے پسند کرے۔ یہ کسی مجازی معشوق کیلئے خواہ وہ حسین نہ ہو پسند کر کے اس کے تصور میں کھو جائے۔ یہ ناقص حب ہے حُب اللہ و رسول اللہ کے لئے استعمال کی جاتی ہے۔ محبوب حقیقی کے لئے۔۔۔ جیسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ اللہ حسین ہے اور حسن کو پسند کرتا ہے اللہ خود حسین ہے کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْحُبَّ۔

اللہ ایک مخفی نور تھا۔ اسے خواہش ہوئی کہ میں پہچانا جاؤں تو پہچان میں جمال پر ہی پہچان کی جاتی ہے، تو اس نے "حب" کو پیدا کیا۔۔۔ ایک مجسم درد کو پیدا کیا۔۔۔ یہ مجسم درد۔۔۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نور کو حب کی شکل میں سب سے پہلے خلق کیا۔ یہی مجسم درد ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت میں پیدا ہوا۔ اس مجسم درد نے درد (حب) سے ہی اللہ کی ذات کو اس کے جمال میں پہچانا۔۔۔ تو اللہ اس درد مجسم کی حب پر راضی ہوا۔ اور اس درد مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کیلئے جیسا کہ اللہ نے اپنی پہچان کی خواہش کی ہے۔۔۔ کائنات کو خلق کیا یہ درد مجسم۔۔۔ حب۔۔۔ مجسم حب ہے۔۔۔ جس کی صفت "جمال" ہے۔۔۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحب جمال ذات اقدس ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حب کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کیا۔۔۔ اَحَبَّ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یہ پہچان صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حب کے باعث، آپ ﷺ پر اظہار ورضا و خوشنودی کی مظہر تھی۔۔۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے جمال سے جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پیدا کیا۔ یہ جمال بھی جَمِیْلُ الشِّیَمْ ہے اور یُحِبُّ الْجَمَالَ۔ خود جمیل ہے اور جمال پسند کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو۔۔۔ اس درد مجسم۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا درد۔۔۔ حب کے لئے پیدا کیا۔۔۔ اسی حب سے حمد کی تکمیل ہوئی۔۔۔ اور مخلوق میں جو جمال محمدی ﷺ سے حب کرتا ہے۔۔۔ اسے رضاء الٰہی۔۔۔ رضاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایک درد ہے جو ایک مجسم درد سے پیدا ہوتا ہے۔ جو مخلوق کے دلوں

۱۔ مخفی سے مراد۔ ازل میں اللہ کی ذات کے سوا اس کو پہچاننے والا کوئی موجود نہ تھا۔

میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں موجزن ہوتا ہے اسی سب مخلوق میں حب کرنے والا، محبوب ہو جاتا ہے۔ اسے رضاء الٰہی۔۔۔ رضائے محمدی صلعم حاصل ہوتی ہے۔ یہی عمل قرب و وصال الٰہی اور قرب و وصال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ضامن ہے۔ یہی عمل معرفت الٰہی کا ضامن ہے؛ جس میں ایک لطیف درد کا تاثر ہوتا ہے۔۔۔ یہ درد مدہوشی۔۔۔ سرور۔۔۔ انہماک و استغراق پیدا کرتا ہے۔ یہی صفت معرفت الٰہی میں اصل عمل ہے۔۔۔ جس میں باقی عمل کو دخل نہیں۔۔۔ ہاں، شریعت و طریقت کے عمل میں محنت ہے۔۔۔ مگر اس محنت میں ایک "غرض"۔۔۔ معرفت الٰہی کا جذبہ پنہاں ہے مگر حب میں غرض نہیں۔۔۔ اس میں اپنی جان، ماں باپ، اولاد کی قربانی بلاغرض مقصود ہوتی ہے۔۔۔ جب یہ حب طالب حق کے قلب میں پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنی ہر خواہش۔ ہر غرض۔ ہر مقصد سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ "کہ تجھ سے تیرے لئے محبت کرتا ہوں" ہاں! اس میں بھی وصال الٰہی کی غرض پنہاں ہے۔۔۔ مگر اس مقام سے بالاتر ایک اور مقام ہے۔

آ اور دیکھ محویت بے خودی مری

تجھ سے بھی بے نیاز ہوا جا رہا ہوں میں

طالب حق جمال الٰہی۔۔۔ جمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار میں۔۔۔ ایک لطیف درد پاتا ہے۔ وہی درد اس کا مقصود بن جاتا ہے۔۔۔ ہاں یہ درد۔ وصال کا طلبگار نہیں۔۔۔ بلکہ فراق کا طلبگار ہوتا ہے۔۔۔ جب دل کا درد قلب میں موجزن ہوا تو وصال کی تمنا باقی نہیں رہتی۔۔۔ دل میں لذت درد مجسم صلی اللہ علیہ وسلم۔۔۔ دل میں ناسور کی طرح زخم ڈال دیتا ہے؛ جس سے درد بہہ بہہ کر نکلتا ہے۔ یہی محبت کا ناسور حقیقی طالبان حق کی عبادت ہے جس میں کسی خواہش کا وجود باقی نہیں رہتا۔ یہ درد کل کی نفی کر دیتا ہے۔ یہی نفی کر دیتا ہے۔

عجب درد یست اندر دل اگر گویم زبان سوزد

وگر دم در کشم ترسم کہ مغز و استخواں سوزد

(اس درد کی تفصیل کا کوئی طالب حق متحمل نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا اس کا بیان کرنا مغز و استخواں سوزی ہے جس کا میں (راوی محمد نورالدین) متحمل نہیں۔)

حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں حصول حق میں بے غرض محبت حاصل کرو۔۔۔ تو تمہارے وجود کی نفی ہو گی۔ بغیر نفی ذات، معرفت حاصل نہیں۔ مرید کے لئے لازم ہے کہ پیر اکمل کی حب میں بے غرض حب استعمال کرے۔ تو پھر نہ اپنے ارادہ سے کسی شے کی

طلب و جستجو باقی رہے گی--- نہ عہد--- اور بیع میں نقص واقع ہونے--- کا احتمال ہوگا--- تمہاری نسبت پیر ابد تک باقی رہے گی- یہی نسبت تمہاری کامیابی کے لئے کافی ہوگی--- ہاں پھر میں اس امر کا اعادہ کرتا ہوں کہ پیر اکمل سے ظاہری طور حب استعمال کرو--- پیر کی ذات کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے پر مستعد رہو--- پیر سے ظاہری نسبت میں مرید کیلئے لازم ہے کہ پیر کے لئے اپنی خدمات وقف کردے- پیر کی ضرورت کے لئے اپنی ذات سے محنت--- خدمت--- قربانی پیش کرو--- کہ تو پیر اپنے مریدوں کے پاس اپنی غرض کے لئے نہیں آتا بلکہ اسے اپنے مریدوں سے محبت ہوتی ہے- وہ اپنے مریدوں کا غم اپنا غم سمجھتا ہے- وہ بار بار اپنے مریدوں کی خبر گیری اور ان کی احوال پرسی کیلئے آتا ہے ایسی حالت میں آداب مریدی میں مرید کے لئے لازم ہے کہ جب پیر کسی مرید کے گھر وارد ہو تو اپنے تمام کاروبار سے دست کش ہو کر پیر کی صحبت و خدمت میں ہر لحہ اپنے آپ کو وقف کردے--- مرید کیلئے لازم ہے کہ ظاہری طور پیر کی طبیعت کو پہچانے--- اس کی پسند و ناپسند کا خیال رکھے- جو امر--- جو شے پیر کی ناپسندیدہ ہو اس سے گریز کرے--- مبادا پیر کی طبیعت مکدر ہو یا اسے ذہنی یا روحانی تکلیف ہو--- پیر کی طبیعت کے مطابق اس کی غذا، رہائش اور خاطر خواہ مدارت کا حسب پسند انتظام کیا جائے- جو چیز پیر کو پسند ہو وہی شے کھانے پینے میں پیش کرے- آداب پیری کے مطابق پیر اپنے مرید کی اخلاقاً ہر پسندیدہ و ناپسندیدہ دعوت قبول کر لیتا ہے--- لیکن ایسا نہ ہو--- اپنی طرف سے وہی شے پیش کی جائے جس سے اسے تکلیف اٹھانا نہ پڑے- مرید کے لیے لازم ہے کہ ازروئے محبت پیر کے پاؤں دبائے--- رات سوتے وقت خواہ تمام رات جاگنا پڑے پیر کو سلانے میں آرام اور آسانی مہیا کرے- یہ عمل بھی عبادت اور حب میں شامل ہے--- پیر کی گھریلو ضروریات کا کھوج لگانا چاہیئے اور پیر کی ضرورتوں کے حصول میں اس کا معاون بننا چاہیئے- ہر طرح سے پیر کی خدمت اور اس کے کاموں میں معاونت کرکے پیر کے لئے حصول سامان دینوی میں مدد کرنی چاہیئے- یہ ضابطے حقیقتاً ایک مرید میں پیر اکمل کے ساتھ حب کا جذبہ پیدا کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں- [illegible] خدمت سے پیر کی [illegible] خوشنودی حاصل ہوتی ہے- یہی خوشنودی ایک طالب صادق [illegible] کے حصول [illegible] ضامن بن جاتی ہے اور مرید ملامت و مجاہدہ معرفت الٰہی [illegible] ہے--- یہ حقیقت ہے کہ ولی اکمل اپنے مرید [illegible] تکمیل کر دیتا ہے- اس مرتبہ کو حاصل کرنے کا بہتر ذریعہ پیر [illegible] اور خدمت اصل عمل ہے--- جب تک

پیر اکمل ایک آن میں مرید کو مراتب عطا کر سکتا ہے تو مرید کے لئے لازم ہے کہ پیر کے آگے نہ دینوی معاملات میں نہ حصول معرفت میں اپنی طرف سے مطالبہ کرے۔ کیونکہ یہ امر عہد اور بیع کے خلاف ہے۔ ایسا کرنا۔۔۔ مشاہدات میں طوالت پیدا کرنے کا سبب بن جاتا ہے۔ مرید کے لئے لازم ہے کہ حصول معرفت میں اپنی خواہش کو داخل نہ کرے بلکہ پیر کی مرضی پر قانع ہو کر صبر و تحمل سے کام لے۔ اس طرح قلب میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور مشاہدات کھل جاتے ہیں، مرید کو اپنے پیر کے آداب میں محتاط رہنا چاہیئے مبادا مرید کی کوئی حرکت پیر کو ناگوار گذرے ایسی حالت میں اگر پیر سے اظہار غضب ہوا تو دل میں رنج محسوس نہ کرے۔۔۔ نہ خود رنجیدہ ہو۔ محبوب کو منانے کے لئے ہر جتن کیا جاتا ہے۔ اس کی حرکت سے رنجیدہ ہونا خلاف حب ہے۔ جانو پیر کا غضب بھی رحمت اور کامیابی کا اثر رکھتا ہے۔ پیر کے غضب میں بھی توجہ ہوتی ہے جس توجہ سے مشاہدہ بھی کھل جاتا ہے۔ مراتب بھی مل جاتے ہیں۔ حضور قبلہ عالم کی خصوصیت میں ایسے واقعات پیش آتے دیکھے جن میں آپ کے غضب سے کئی گستاخ کھل گئے اور ان کو فوراً مشاہدہ حضوری حاصل ہوا۔ آپ کے غصہ سے مرید کا مشاہدہ اجلاس محمدی ﷺ کھل جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور کے مریدوں میں سے ایک اور مرید ڈاکٹر غلام محمد علاقہ بند کا قصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جناب عبدالکریم زرگر صاحب کے لڑکے کی شادی میں بہرام پورہ میں حضور قبلہ عالم اور بہت سے مرید مدعو تھے۔ جن میں قبلہ سخی صاحب، محمد لطیف صاحب ایڈووکیٹ، ماسٹر غلام محمد، جناب ارسلان خان صاحب، ڈاکٹر عبدالحفیظ، ڈاکٹر غلام محمد علاقہ بند جو ان دنوں سو پور سول ہسپتال میں متعین تھے۔ یہ خاکسار (نورالدین) اور بہت سے مرید مدعو تھے۔ حضور قبلہ عالم باہر گھومنے کے لئے تشریف لے گئے ہم سب مرید حضور کے ساتھ تھے۔ اثناء راہ ڈاکٹر غلام محمد ارسلان خان سے مذاق کرتے رہے۔ ڈاکٹر صاحب ارسلان خان کو ایک سادہ دیہاتی سمجھ کر کچھ حقارت کا اثر اپنی گفتگو میں رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب جناب ارسلان خان صاحب کو حقارت سے "گوجر" سمجھ کر مذاق کرتے رہے۔ یہ طرز کلام ارسلان خان کو برا محسوس ہوا۔۔۔ اس دوران حضور ارسلان خان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے طنز پر ارسلان خان پر غصہ طاری ہونے لگا۔ احتمال تھا کہ اگر ارسلان خان صاحب ڈاکٹر کی طرف نظر اٹھاتے تو کوئی حادثہ رونما ہو جاتا مگر حضور کا ادب انہیں مانع ہوا۔ یہ کیفیت ڈاکٹر صاحب نہ پہچان سکے اور مذاق کرتے رہے۔ حضور نے حالت کی نوعیت سمجھی اور ڈاکٹر صاحب کو سختی سے جھاڑ دیا اور شدید غضب کا اظہار فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ پیر صاحب کی اس کیفیت کو

دیکھ کر سہم گئے اور دل میں رنج محسوس کیا۔ ہم چونکہ سب مرید بھی یہ واقعہ دیکھ رہے تھے سب کے سب شدید طور پر لرز گئے حالات کچھ ایسے دکھائی دیئے کہ شاید کوئی آفت ناگہانی نازل نہ ہو تو اس خوف وہراس سے خاکسار نے قبلہ پیر صاحب سے معافی مانگنے کی جسارت کی میری اس استدعا کو سنتے ہی قبلہ سخی ولایت صاحب نے میری طرف دیکھا اور شدت سے خاموش رہنے کی تنبیہہ کی۔ چونکہ میں بے خبر تھا سخی صاحب کی تنبیہہ نے میرے خوف کو اس قدر بڑھایا کہ میرا دماغی توازن ہی بگڑ گیا۔ میرے ساتھیوں پر بھی مکمل خاموشی طاری ہو گئی اسی کیفیت کے دوران حضور قبلہ عالم واپس خواجہ صاحب کے گھر تشریف لائے تھوڑی دیر میں شدت کی کیفیت اعتدال میں بدل گئی۔ اور حضورؒ سے غضب کے آثار ختم ہو گئے تو آپ نے فوراً آداب طریقت پر وعظ فرمایا:۔

آپ نے فرمایا طریقت میں امیر وغریب کی کوئی تخصیص نہیں، طریقت کے زمرہ میں ہر شخص یکساں حیثیت رکھتا ہے بلکہ ایک غریب مراتب کے لحاظ سے امیر سے برتر ہوتا ہے۔ کسی شخص کے لباس اور ظاہری ہیئت مراتب کی کسوٹی نہیں۔ ایک شخص کے قرب پیر اور مراتب کو صحیح طور پر پہچان کر اس کی عزت کرو۔ آپس کی دنیاوی اور ظاہری ہیئت کی بناء پر ایک دوسرے کی تحقیر کرنا یا اعلےٰ ادنیٰ کا اندازہ کرنا شریعت اور طریقت میں سخت منع ہے۔ ڈاکٹر غلام محمد کی طرف متوجہ ہوئے اور بتایا کہ تمہیں تاریخ اسلام اور اولیاء کے حالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ طریقت میں مراتب ظاہری شان و شوکت سے نہیں بلکہ صفائی قلب اور حب سے ملا کرتے ہیں۔ اس "حقیر" گوجر کی جلالی توجہ تمہیں خراب کر دیتی اس سے معافی مانگ لو۔ ڈاکٹر صاحب سمجھدار تھے۔ ارسلان خان صاحب سے معافی مانگ لی۔ اور حضور کے قدموں میں سر رکھ کر رونے لگے۔ حضورؒ کو ڈاکٹر کی یہ ادا پسند آئی۔ ڈاکٹر سے خوش ہو گئے۔ ڈاکٹر کو گلے سے لگایا۔۔۔ اور فرمایا۔۔۔ ڈاکٹر ہم تم سے خوش ہوئے۔۔۔ جاؤ! اب تم بڑے ڈاکٹر بنو گے۔ اور فقیر بھی بنو گے۔۔۔ اس جلالی فرمان کا ہم نے بچشم خود اثر دیکھا۔ فی الواقع ڈاکٹر ایک اعلےٰ عہدے پر ترقی کر گئے۔ اور حضور سے عقیدت میں کامل ہو کر انہیں فیض بھی عطا ہوا۔ لہذا لازم ہوا کہ پیر کے غضب پر رنجیدہ نہ ہونا چاہیئے کیونکہ محب کے لئے جائز نہیں کہ اپنے محبوب کی وقتی ناراضگی پر کبیدہ خاطر ہو۔ یہ امر حب کے سراسر خلاف ہے اور نامکمل حب کی علامت ہے۔ کیونکہ یہ صفت غرور کی علامت ہوتی ہے جو طالب کیلئے فتنہ کا سبب بنتی ہے۔ جہاں تک پیر سے صحبت رکھنے کا تعلق ہے ظاہری طور پر بھی آداب مریدی کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ پیر کی صحبت میں رہ کر

پیر کی موجودگی میں ماسوا کا تصور دل میں باقی نہ رکھنا چاہیئے نہ کسی شے کی طرف توجہ دینا چاہیئے۔ پیر کی صحبت میں رہنے کا مقصد--- پیر سے معرفت کا علم حاصل کرنا۔ معرفت و قرب کے آداب سمجھنا--- اور توجہ حاصل کرنا ہے--- یہ عمل وَيُزَكِّيهِمْ کے زمرہ میں آتا ہے کہ پیر ظاہری طور پاکیزگی کا طریق--- علم سے سکھاتا ہے۔ اور پیر کی صحبت و قرب میں "توجہ" کا اثر ہوتا ہے--- پیر کا مرید کو بار بار دیکھنا توجہ کا اثر رکھتا ہے کہ پیر کے قلب سے مرید کے قلب پر نوری توجہ پڑتی رہتی ہے۔ جس سے قلب منور ہو کر لائق مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ یہ عمل روحانی ہوتا ہے۔ جو وَيُزَكِّيهِمْ کے روحانی عمل میں شامل ہے--- پیر سے مستقل صحبت کا ایک خصوصی اثر یہ بھی ہے کہ صحبت پیر سے حب کو تقویت ملتی ہے اور تصور کامل ہو جاتا ہے تصور پیر کامل ہوا--- تو حقیقی مشاہدہ--- مشاہدہ اجلاس محمدی ﷺ حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ بعض حالتوں میں پیر پر جذبی کیفیت طاری ہوتی ہے، یعنی بعض اوقات کلام و وعظ میں اسرار الٰہی، معرفت الٰہی کے آثار بیان کرتا ہے تو جذبی حالت میں وہ ان مراتب میں سیر بھی کرنے لگتا ہے۔ یہ خاص موقع ہوتا ہے کہ جو مرید پیر کی نظر میں مقبول ہو اور پیر کی صحبت میں رہ کر خدمت گذاری میں مصروف ہو۔ پیر کے ذہن میں اس کا تصور رہتا ہے۔ مراتب کی سیر میں پیر مرید کو ساتھ رکھتا ہے۔ ایسے موقع پر پیر خوشنودی کے جذبہ میں مرید کو بغیر محنت اونچے مراتب پر فائز کر دیتا ہے۔ لہذا مرید کے لئے لازم ہے کہ حتی بالامکان پیر کی صحبت حاصل کرے اور اپنی خدمت گذاری سے پیر کے قلب و ذہن میں جگہ حاصل کرے--- یہی صحبت--- یہی خدمت--- یہی حب--- طریقت کی اصل ہے۔ جس سے مرید کو بلا مجاہدہ مراتب و عرفان نصیب ہوتا ہے۔ لہذا مرید کے لئے لازم ہے کہ پیر کی صحبت کیلئے (یہ ضروری نہیں کہ پیر ہی مرید کے گھر آئے) مرید اکثر پیر کے آستانہ پر حاضری دینے جایا کرے اور پیر کی صحبت اختیار کرے اور پیر کی صحبت سے توجہ حاصل کرتا رہے۔

آداب مریدی میں خدمت پیر کے چند آداب

خدمت و صحبت پیر میں مرید کے لئے لازم ہے کہ جب پیر کے آستانہ پر حاضر ہو تو اپنے ساتھ تحفہ کے طور ضروری کار آمد چیزیں لے جائے جن میں اشیائے خوردنی یا لباس کے لئے کپڑا وغیرہ ہو۔ تاکہ پیر کو مرید کیلئے مہمانداری میں دقت کا سامنا نہ ہو۔ اس کے علاوہ پیر کے ذاتی مصرف کیلئے تحائف لے کر جائے یہ سنت کے مطابق ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کی خدمت میں لوگ تحائف پیش کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قبول فرماتے۔ مرید کے لئے لازم ہے کہ پیر کے آستانہ پر حاضر ہو کر بحیثیت مہمان نہ رہے بلکہ خادم کی حیثیت میں پیر کے گھریلو کام کاج میں مستعد ہو جائے۔ گھر کے چھوٹے چھوٹے ضروری کام انجام دے۔ گھر کا جھاڑو دے۔ کپڑے دھوئے۔ جوتے مرمت کرے۔ پانی بھر دے۔ کھانا پکانے میں خادم کا کام انجام دے۔ اس طرح پیر کو مرید کی آمد پر زیادہ زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ چند دن قیام کی صورت میں پیر کی صحبت میں رہ کر پاؤں دبائے اور ہر طرح پیر کی خدمات انجام دے۔ مرید ہر حال میں خادم ہوتا ہے لہذا اس کی خدمت کا بہتر مقام پیر کے گھر میں خادم کی حیثیت میں خدمت انجام دینا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ طریقت میں ہر اعلےٰ و ادنیٰ یکساں درجہ رکھتا ہے جیسا ادنیٰ مرید کے لئے پیر کی خدمت لازم ہے۔ اسی طرح اعلیٰ عہدہ و نسب کے حامل مرید کیلئے بھی یہی مقام ہے۔ اسکے لئے بھی یہ خدمت لازم ہے۔ کسی اعلےٰ شخصیت کو پیر کے سامنے اپنی حیثیت کا احساس کرنا۔۔۔ کبر و نخوت کی علامت ہے۔ فقیر کے لئے اپنی "انا" کا احساس مراتب و مشاہدہ میں محرومی کا سبب بنتا ہے۔ مرید بیع کی صورت میں خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلےٰ۔ "غلام" کی حیثیت رکھتا ہے۔ غلام کے لئے اپنی ذاتی "انا" کا احساس اسے غلامی اور بیع سے خارج کر دیتا ہے۔ لازم ہے کہ اگر پیر گھر میں آئے تو اپنے عزیز و اقارب، یا اولاد، یا ملازم کو پیر کی خدمت کے لئے مامور نہ کرے بلکہ خود پیر کی خدمت کرے۔ اپنے بغیر کسی ادنیٰ درجہ کے ملازم یا اور کسی افراد کنبہ سے پیر کی خدمت کرانا اور خود بیٹھے رہنا، پیر کے احترام میں فرق ڈالنے کے مترادف ہے۔ اس لئے پیر کی خدمت کا جذبہ کامل ہونا چاہیئے۔ پیر کی خدمت میں اگر جماعت کی صورت میں حاضر ہونا ہو۔۔۔ تو لازم ہے تعداد کے مطابق اپنی ضرورت کی اشیاء اور قیام کی دوسری ضروریات ساتھ لے جائیں۔۔۔ تاکہ کثیر افراد کی خدمت کیلئے پیر کو تکلیف یا الجھن کا سامنا کرنا نہ پڑے۔۔۔ بلکہ ایسے مواقع پر ہر کام خود کرنا چاہیئے۔۔۔ اور قیام کے دوران پیر خانہ سے فاصلہ پر قیام رکھنا چاہیئے۔ یہ انتظام کرنا مریدوں کیلئے ضروری ہے تاکہ پیر کی خلوت میں فرق نہ آئے اور پیر کو علیحدگی میں رہتے ہوئے اپنی ذاتی مصروفیات پوری کرنے کا موقع میسر ہو اور پیر کو مریدوں کی صحبت میں رہ کر اپنے کام کاج اور اندرون خانہ لوازمات میں خلل محسوس نہ ہو۔۔۔ لازم ہے کہ پیر کی مصروفیات کا اندازہ کیا جائے۔ اخلاقاً پیر کو اپنے محبوں کی صحبت میں رہنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں پیر کو اپنے کام کاج چھوڑنے پڑتے ہیں اس لئے دور فاصلہ پر رہنے سے پیر کو صحبت سے علیحدہ ہو کر فراغت بہم ہو سکتی ہے۔ پیر اگر زیادہ

معروف ہو تو ایسی صورت میں پیر کے آستانہ پر زیادہ دیر قیام نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ خود اس ادب کی نشاندہی کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۡ وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۭ (پارہ ۲۲ سورۃ ۳۳ آیت ۵۳)

اے ایمان والو مت داخل ہو نبی کے گھر میں (کھلے بندوں) مگر اس وقت کہ اجازت دی جائے تمہیں کھانے کے لئے بغیر انتظار کئے ہوئے اس کی تیاری کا۔۔۔ لیکن جب تم کو بلایا جائے پس داخل ہو۔ پس جب تم کھا چکو تو اٹھ کر چلے جاؤ۔۔۔ اور نہ رغبت رکھو باتیں کرنے کی۔ بے شک تمہاری یہ حرکت تکلیف دہ ہوتی ہے نبی کیلئے لیکن وہ تمہیں گھر سے باہر نکل جانے کے لئے خود کہنے سے شرم کرتے ہیں۔ مگر اللہ تم سے حق کہنے سے نہیں شرماتا۔

اس آیت میں صحابہ کے نبی ﷺ کے گھر میں کھلے بندوں داخل ہو کر نبی ﷺ کی خلوت میں خلل انداز ہونے سے یقیناً نبی ﷺ کو تکلیف ہوتی تھی۔ لیکن آپ ﷺ کا اخلاق حسنہ صحابہ کو اٹھ کر جانے کا حکم دینے سے مانع ہوتا۔ مبادا ان کے دلوں کو چوٹ لگے۔ کہ وہ تو حب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ کے تحت قرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متمنی ہوتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کو اس حال میں نبی ﷺ کی کیفیت کا اندازہ ہے کہ صحابہ کا زیادہ دیر بیٹھنے سے نبی ﷺ کے سکون میں فرق آتا ہے۔ اس حال میں نبی کو ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ یہ چیز اللہ کو پسند نہیں۔ اس لئے مومنوں کو نبی ﷺ کی صحبت میں زیادہ دیر قیام کرنے سے منع کیا۔۔۔ قائم مقام نائب رسول اولی الامر کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے۔ مرید اگرچہ جذبہ حب کے تحت پیر کا قرب و صحبت حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں لیکن یہ امر واقع ہے کہ مرید کے زیادہ دیر پیر کے گھر قیام میں پیر کو بھی اخلاقاً مرید کی دلجوئی کے لئے اس کے پاس بیٹھنا پڑتا ہے۔۔۔ اصولاً یہ بات معیوب ہے کہ پیر مرید کی دلجوئی کے لئے ضرورت سے زیادہ وقت اس کے پاس بیٹھے۔ اس طرح پیر کو بھی ذہنی کوفت ہوتی ہے۔ اس لئے جب بھی پیر کے گھر حاضر ہونا ہو تو اولاً پیر کے آستانہ سے دور قیام رکھا جائے تاکہ پیر کو مرید کی صحبت میں سارا وقت بیٹھنے کی زحمت نہ ہو بلکہ جب دل چاہا۔ جب موقع مناسب ہو پیر چند لمحات مریدوں میں قیام کر کے اپنے گھر جائے اس طرح پیر کو ذہنی کوفت نہ ہو گی۔۔۔ اور مرید کو مقابلتاً زیادہ دیر پیر کی صحبت میں رہنا نصیب ہو گا ورنہ اگر پیر کے گھر ہی

رہنا پڑے تو قیام میں جلدی کرنی چاہیئے یا دوسری صورت یہ ہے کہ پیر کے گھریلو کام کاج خود انجام دیئے جائیں یہ کام بخلوص نیت بحیثیت ایک خادم کے انجام دیئے جائیں اور اپنی ضروریات کی خاطر پیر پر بوجھ نہ ڈالے--- یہ آداب پیر و مرید کے درمیان حقیقی حب کا جذبہ پیدا ہونے کا ذریعہ ہیں جس سے مرید پیر کی حب میں--- عہد--- وعدہ--- بیع کی تکمیل میں کامیاب رہتا ہے اور خوشنودیٔ پیر حاصل کر کے اپنے مقصد حقیقی معرفت الٰہی میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

ہمہ اوست و ہمہ در اوست کی تفصیل

اس کارگاہ حیات میں خالق و مخلوق کا ایک اٹل اور فطری نظام قائم ہے--- جس میں دو ہیئتیں محسوس کی جاتی ہیں--- ایک خالق--- اور دوسری مخلوق۔ خالق سے مراد--- ایک ازلی--- مستقل اور لامحدود--- غیر فانی وجود جس کی ہیئت کا تصور اَحَدٌ میں قائم ہوتا ہے--- احد سے مراد ایک لامحدود ذات جس کے مقابل کسی دوسرے وجود کا وجود ہونا ممکن نہیں--- اس کی لامحدودیت کے زمان و مکان کا کوئی تعین نہیں نہ ہی کوئی ابتداء و انتہا ہو سکتی ہے--- بہ اعتبار کیفیت یہ وجود یکسر نوری وجود کہلاتا ہے--- احد کی حیثیت میں اس کے مقابل کسی دوسرے وجود کا پایا جانا ممکن نہیں--- جب کہ لامحدود ہیئت کے اعتبار سے کسی دوسرے وجود کے لئے زمان و مکان کی اس نور ازلی سے سوا--- گنجائش نہیں--- لیکن نور ازلی سے سوا کائنات میں نار اور خاک کی ہیئت میں کیفیتیں محسوس کی جاتی ہیں۔ جب کہ فطری طور پر ان کے وجود کے لئے مکان میسر نہیں ہو سکتا۔ تو ان دو کیفیتوں کا وجود اور ظہور کیسے ہوا؟ اور ان کے لئے مکان (مقام و جگہ) کیسے میسر آیا؟ اس تحقیق و فکر میں ہمہ اوست اور ہمہ در اوست کا مسئلہ سامنے آتا ہے--- کہ بنیادی وجود--- نور ازلی--- نور لامحدود--- احد کے سوا کسی وجود کا تصور مستقل نہیں جسے "لا" سے تعبیر دیا جاتا ہے--- اور بغیر ذات جو وجود بھی قائم ہے--- اس کا خالق خود--- ذات احد ہے اس اعتبار سے احد--- خالق ہے اور ماسوا اَحَدٌ--- مخلوق کہلاتی ہے--- اور مخلوق کا وجود خارجی نہیں--- بلکہ احد کے وجود سے پیدا ہوا--- اس کے سوا مخلوق کے وجود کی کوئی تاویل ممکن نہیں ہو سکتی--- ایسی صورت میں جب کہ مخلوق کا وجود ممکن نہیں تو ظاہر ہے کہ مخلوقی وجود--- ہمہ اوست سے تعبیر دیا جاتا ہے--- اور جب کہ مخلوق کے لئے زمان و مکان میسر نہیں ہو سکتا تو اس کا مکان (مقام) ہمہ در اوست سے تعبیر دیا جاتا ہے--- اس کیفیت کی فکر و تحقیق میں قرآنی آیت

کی روشنی میں--- حقیقت سے آگاہی حاصل کرنا۔ فکر سے تعبیر ہے۔

سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ۔

پھرو زمین میں پس دیکھو مخلوق کی تخلیق کی ابتدء کیسے ہوئی۔

تخلیق کی ابتداء سے لے کر انتہا تک تحقیق میں--- مخلوق کے بنیادی وجود--- سبب وعلت تخلیق ترکیب و ترتیب اور زمان و مکان کا علم ہوگا---

حضور قبلہ عالم خالق و مخلوق کے وجود پر تحقیق کو فکر سے تعبیر دیتے ہیں "فکر" ذہنی بھی ہوتا ہے اور قلبی بھی--- فرماتے ہیں--- ذہنی فکر یہ ہے کہ

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ۔ اٰیٰتٌ لِّلۡمُوۡقِنِیۡنَ ۙ وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ۝

تحقیق پیدائش کائنات "آسمان و زمین" میں خالق و مخلوق اور تخلیق میں خالقیت اور مخلوقیت کے آثار مل سکتے ہیں جو اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ۔ بصر--- یعنی حواس و عقل کی تحقیق سے علم میں آسکتے ہیں--- وہ ہے--- اشیائے کائنات میں--- سائنسی تحقیق کے ذریعہ--- ہر شے کے مرکبات و اجزاء کا تجزیہ کر کے--- روح و جسم کی تخلیق اور اس کے اصل بنیادی وجود کا کھوج لگانا--- یا علم حاصل کرنا--- دوسرے قلبی فکر یہ ہے کہ روحانی حیثیت میں--- اشیاء کائنات کے وجودوں کے بنیادی وجودوں کا مشاہدہ کرنا--- یا علم حاصل کرنا پہلی نوع--- حواس و عقل سے تحقیق محدود انداز میں ہوتی ہے--- جہاں تک ان کی رسائی ہوتی ہے--- کہ حواس و عقل سوائے مادی اشیاء کی تحقیق کے غیر مادی روحانی--- یا نوری کیفیتوں کا ادراک نہیں کر سکتے اس کے لئے دوسری نوع قلبی فکر--- یا روح کے ذریعہ--- روحانی یا نوری کیفیتوں کا بالمشاہدہ ادراک کرنا--- قلبی یا روحانی تحقیق کی وسعت وہاں تک ہے جہاں تک نوری وجود (عالم بالا کے نورانی مراحل و منازل) موجود ہے--- نوری وجود--- زمین سے لے کر آسمان اور آسمان سے لے کر ماورائی--- عالم ملکوت--- جبروت--- لاہوت تا نور الٰہی وسعت پزیر ہیں۔ ان کیفیتوں کی تحقیق میں--- روحانی طور پر تحقیق و مشاہدہ قلبی فکر سے تعبیر ہے--- جہاں تک خالق و مخلوق کے تصور کا تعلق ہے۔ نور الٰہی سے زمین کی ادنیٰ درجہ کی کیفیت کا قرآن نے اس آیت میں تصور دیا:-

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا یُخۡرِجُہُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ

اللہ مومنوں کو دوست بناتا ہے اور اندھیرے سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔ اس آیت میں وجود کائنات کا تعلق ہے۔ اس میں نور اور ظلمت کے دو تصور پائے

جاتے ہیں۔ ظلمات (اندھیرا) اور نور کے دو تصورات دیئے گئے ہیں۔ نور ازل سے ہے اور ظلمات، نور کی آخری تنزلی ہیئت۔۔۔ زمین سے متصور ہے۔۔۔ انسان صاحب فکر کا مقام۔۔۔ زمین میں ہے جو ظلمات سے تشبیہہ ہے۔ لہذا انسان نے خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور وَفِيٓ اَنْفُسِكُمْ۔۔۔ اشیاء کا ارضی۔۔۔ ظلماتی۔۔۔ اور اپنی ذات سے تحقیق میں فکر کی ابتدا کرنی ہے۔۔۔ اس لئے حضور قبلہ عالم فرماتے ہیں کہ۔۔۔ فکر۔۔۔ باطل۔۔۔ ظلمت ہے۔۔۔ حق "نور ازلی" کا مشاہدہ کرنا کہ مخلوق کا وجود خارجی نہیں ہو سکتا۔۔۔ جب کہ نورِ ازلی۔۔۔ احد سے تعبیر ہے تو لازم ہے کہ ہر وجود کا بنیادی وجود۔۔۔ نور احد ہی ہو سکتا ہے جیسا کہ بیان ہوا۔۔۔ فکر ذہنی بھی ہوتا ہے۔ اسے استدلال بھی کہا جاتا ہے۔۔۔ استدلال سے مراد۔۔۔ عینی مشاہدہ کے ساتھ (حواس و عقل کے ذریعہ سائنسی تحقیق سے کیفیات کے تجزیہ میں) اشیاء کے مرکبات اور ان کے بنیادی وجود کا علم حاصل کرنا۔ یہ طریق قابل تسلیم ہے۔ کہ اس طریقہ سے اشیاء کی ہیئتیں عین الیقین کی حد میں آتی ہیں۔ جو طریق ایک علم کی صورت اختیار کرتا ہے۔ جو سائنسی محققین کے علم کی اساس بنتی ہے۔ لیکن یہ تحقیق و علم نامکمل ہے بسبب اس کے کہ اس تحقیق سے اشیاء کائنات کی بنیادی علت کا ادراک و احاطہ نہیں ہو سکتا۔ سوائے غیر مادی روحانی ہیئتوں کا تصور۔ اسی علمی اساس پر قیاس یا وہمی تصور حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تصور وہمی ہونے کے باعث اصل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جب کہ ان ماورئی ادراک کیفیتوں کے وجود کا کسی طور نہ عین الیقین کی صورت میں نہ علم الیقین کی صورت میں مشاہدہ ثابت ہوتا ہے۔ لہذا فکر میں یہ تحقیق و علم ازلی وجود کے تسلیم میں ناقص۔۔۔ بلکہ کسی حد تک گمراہی کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ اس حال میں کہ قیاس و وہم کسی کیفیت کی اصل ماہیت کا علم حاصل کرنے میں کامل نہیں۔ بلکہ ناقص قرار دیا جاتا ہے۔ دوسرا طریق فکر کا یہ بھی ہے کہ تحقیق محض۔ تخیل (تخیلات کی جولانی) پر ہوتی ہے۔ جس میں کیفیات کا ذہنی تصور پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم الشمس (سورج) کی تحقیق میں سورج کے وجود کا احاطہ بغیرِ عینی مشاہدہ خیالی یا عقلی طور کریں تو ہم اِنَّ فِيْ خَلْقِ الْاَرْضِ میں زمین پر تحقیق کریں تو زمین کی ابتدائے ناری تک ہماری فکر پہنچ جاتی ہے۔۔۔ اور زمین اور سورج کے تعلق میں روشنی اور تپش دن رات کے وجود کا سورج سے نسبت ہونا۔۔۔ زمین کا سورج کی کشش میں محصور ہونا ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ زمین کی علت سورج ہی ہو سکتی ہے اور زمین کی جملہ صفات پر ہی ہم سورج کی ہیئت و صفت کا تعین کر سکتے ہیں لیکن سورج کی اصلی ہیئت پر ذہنی فکر سے عینی مشاہدہ کے ذریعہ احاطہ نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ سورج کی ہیئت۔ اسکے مرکبات

کی ماہیت کا ہمارے ذہن- حافظہ میں کوئی تصور موجود نہیں- لہذا زمین کی صفات کے مطابق سورج کے ان خواص کا جو عینی مشاہدہ میں نہیں آسکتے، ایک قیاسی تصور قائم کر لیتے ہیں--- قیاس- عقل کے ساتھ محدود ہے- وہمی تصور میں غلط تصورات کا پایا جانا یقینی ہے- لہذا ایسی تحقیق میں حاصل کیا ہوا علم استدلالی یا قیاسی علم تعبیر دیا جاتا ہے جو اپنے علم میں غلط تصورات پیش کر کے گمراہی کا سبب بن جاتا ہے لہذا تفکر استدلالی- ناقص علامت قرار دی جاتی ہے- اس فکر میں کیفیات کے تصورات ہیں، جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں ان میں حیرت (تعجب) کا تاثر پایا جاتا ہے- یعنی ایسے فکر میں کائنات کے وجود میں عجائبات کے حیرت انگیز تصور ہیں- انسانی ذہن پر وجدان پیدا ہوتا ہے- اس کی بنیاد وہم و قیاس پر ہوتی ہے- ایسی حیرت- حیرت مجازی کہلاتی ہے- یعنی بلا مشاہدہ کسی کیفیت کی تحقیق میں- تعجب خیز ترتیب و آثار کے تصور میں انسانی ذہن پر وجدانی کیفیت کا طاری ہونا جس کی حقیقت مسلم نہ ہو ناقص اور گمراہ کن قرار دی جاتی ہے کہ اس تصور میں انسان حقیقت حق کی اصل تک نہ پہنچ سکتا ہے نہ اصل بنیادی وجود کا حقیقی تصور حاصل ہو سکتا ہے- ہاں اصل فکر یہ ہے کہ باطل (ظلمت) سے نکل کر حق (نورانی) کی سمت- صحیح راہنمائی حاصل ہو- اور اس راہ کی حقیقی ہیئتوں، کیفیتوں، ان کے بنیادی وجود بنیادکا حقیقی تصور حاصل ہو اس طریق کو "فکر حقیقی" سے تعبیر دیا جاتا ہے- یہ فکر- فکر قلبی--- یا مشاہدہ روحانی سے حاصل ہوتا ہے--- اس فکر کے حامل اولیاء اللہ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا- مومنوں میں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنا دوست رکھ کر--- قلبی--- روحانی مشاہدہ کے ساتھ نورانی اسرار و آثار کا مشاہدہ دے کر مخلوق اور خالق کا حقیقی تصور عطا کرتا ہے چنانچہ ایسے محققین اولیاء نے مشاہدہ حقیقی کے ساتھ کائنات کی تخلیق میں خالق و مخلوق پر فکر کر کے ایک خاص تصور پیش کیا جسے "ہمہ اوست" کہا گیا- جس میں ایک خالق کے وجود کو اس کی ذات اور صفات کے ساتھ تصور میں لایا گیا--- جسے اَحَدٌ (کل) سے موسوم کیا گیا- اسکے سوا- مخلوق کی تحقیق میں- اس کے بنیادی وجود میں اسی کُل کا مشاہدہ کر کے "لا" کا تصور دیا- اور اس کی تخلیقی ترکیب کو پا کر- کائنات مخلوق کے وجود کو اس کے زبان و مکان کو ہمہ اوست سے تعبیر دیا- حضور قبلہ عالم ان دو کیفیتوں پر اپنے منظوم اشعار میں ایک حقیقی تصور پیش کرتے ہیں-

دو طریقہ داں فنا فِی اللہ را
بشنو تفصیل ہر یکے را ماجرا
اول "ہمہ اُوست" نزد صوفیا

از برائے حل شدن مسئلہ فنا
دوئم "ہمہ در اوست" از اصلِ فقر
اندر اصطلاحِ صوفیا کلمہ مقر
معنی ہمہ اوست لیکہ کلُ جہاں
عدم ہست ہر جا وُجود اُو عیاں
یعنی ہر ذرہ و ہر چیز ہر اشیاء
گشتہ فانی در وجود اللہ بقا
معنی ہمہ در اوست ایں کہ کل جہاں
عدم گشتہ در وجود اللہ نہاں
یعنی ایں ہمہ عالم شد ہمواہ فناء
در وجود ذاتِ اُو دائم بقاہ
دَر نتیجہ ہر دوٗ معنی یک شدند
گرچہ از الفاظ ظاہر دو بودند

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں کہ خالق و مخلوق میں--- خالق نور ازلی ہے--- یہ نور ازلی--- ابدی--- دائماً--- قائماً--- فرداً--- وتراً--- حیاً- ایک مستقل نور ہے--- جسے اللہ کے تصور میں پایا جاتا ہے۔

یعنی اللہ کے معنی جس کی ذات پر فکر کی جائے۔ تو اس کی ازلی ابتداء پانے میں--- زمان و مکان کی لامحدودیت میں پرواز کرنے میں۔ عقلی--- شعوری--- روحانی حیثیت میں۔ انسانی شعور کے پر پرواز غیر معینہ مدت تک پرواز کر کے تصور میں حیرت و درماندگی میں پڑ جاتے ہیں۔ تو زبان سے اللہ کی آواز نکلتی ہے۔ جہاں علم و شعور کے پر پرواز کر کے تھک جاتے ہیں اور پھر حیرت میں پڑ جاتے ہیں لہذا اس کی ذات پر فکر لاحاصل اور اس ذات کے تصور میں کوئی مستقل تصور قائم کرنا ممکن نہیں لہذا اس کی ذات پر فکر میں کوئی تصور قائم کرنا--- یا اس ذات کی کامل پہچان معرفت کا دعویٰ باطل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کی صفات پر فکر کیا جائے--- اس کی صفات میں مخلوق کی تخلیق کے آثار و اسرار۔ یعنی اس کی خالقیت کے کرشمات کا مشاہدہ اور ان کی پہچان ہی کیلئے معرفت (پہچان) و تحقیق محدود ہوتی ہے--- البتہ اس لامحدود تصور میں اللہ کی ذات کے لئے ایک ہی تصور قائم ہوتا ہے--- وہ احد ہے--- احد سے مراد اس وسیع و لامحدود ذات کے سوا کسی دوسرے وجود کا ہونا قطعاً ممکن

نہیں اس حال میں کہ دوسرے وجود کیلئے نہ خارجی مواد MATERIAL موجود ہو سکتا ہے--- نہ زمان ومکان کہ کسی دوسرے وجود کے قیام کے لئے ماسویٰ میں اور کوئی مقام خالی ہو- جہاں اس کا قرار وقیام ممکن ہو--- ایسی حالت میں کسی غیر اللہ کا تصور اللہ کی ذات کے مقابلہ میں قائم ہونا--- یا قائم کرنا شرک کے مترادف ہو تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں- اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ--- اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اللہ کے مانند ذات وصفات میں پانا--- یا تصور میں لانا--- ظلمت--- گمراہی اور خسران ونامرادی ہے--- لیکن ماسویٰ اللہ بہرحال ایک وجود موجود بھی ہے- جسے کائنات کے تصور میں محسوس کیا جاتا ہے- تو عقلمندی کا تقاضا ہے کہ احد کی حیثیت میں اس وجود کے لئے نہ خارجی مواد (MATERIAL) کا میسر ہونا تسلیم کیا جاسکتا ہے- نہ اس وجود کے قیام کیلئے احد سے خالی کوئی مقام ہو سکتا ہے- جہاں اس وجود کا قرار ہو--- تو سوائے اس کے نہیں کہ اس وجود کو بھی اللہ کی ذات سے نسبت دی جائے- ہاں اس وجود کے تصور میں یہ کیفیت عیاں ہے کہ ذات احد کی موجودگی میں یہ ثانوی وجود (ذات الٰہی سے سوا- دوسرا مخلوقی نور) اللہ کے نور کی جز ہے--- محدودیت کے تصور میں اس وجود کو "مخلوق" کہا جاتا ہے--- مخلوق سے مراد-- محدود--- اور غیر مستقل اس حال میں کہ ماضی میں اس کا مستقل وجود نہ تھا--- اور محدودیت کے اعتبار سے یہ وجود مستقل نہیں- پھر عدم ہونے کی خاصیت رکھتا ہے جیسا کہ ماضی میں عدم تھا- ایسی صورت میں غیر اللہ وجود کی نہ اپنی کوئی خارجی حیثیت قائم ہوتی ہے--- نہ اس کا کوئی ذاتی مستقل وجود تصور میں آتا ہے- اس تصور میں یہ وجود "لا" کی صفت سے متصف ہوتا ہے کہ اس کا اپنا کوئی وجود نہیں--- اس تصور کے ساتھ کہ یہ وجود بھی اللہ کا وجود تصور کیا جاتا ہے لہذا مخلوقی وجود کی نفی کے تصور میں ہی "ہمہ اوست" کا تصور پختہ ہو جاتا ہے کہ کائنات میں جو موجود ہے- وہ سب اللہ کی ذات ہے لیکن مخلوقی حیثیت کے اعتبار سے جب کہ ایک غیر مستقل وجود کا تصور سامنے آتا ہے- تو لازمی طور پر غیر مستقل وجود کو- غیر مستقل حیثیت میں ایک علیحدہ وجود کی حیثیت میں بھی--- اللہ کے تصور میں لانا شرک سے تعبیر ہے- جب تک کہ اس وجود کی وجودی حیثیت کو "عدم" تصور نہ کیا جائے--- سو--- اس وجود کے عدم کا طریق یہی ہے کہ اس سے اللہ کی ذات میں (فنا) ضم کیا جائے- ظاہر ہوا--- کہ فنا کے تصور سے ہی مخلوقی وجود کو "عدم"--- اور ہمہ اوست کے تصور میں لا (اس وجود کی اپنی حیثیت کچھ نہیں) کہا جاتا ہے- جس کے متعلق قرآن تصور دیتا ہے- لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اللہ کے سوا- کوئی دوسرا وجود کسی حال میں موجود نہیں ہو سکتا اور یہ جو ثانوی وجود مخلوقی ہے اس کا بھی اپنا

مستقل وجود نہیں بلکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

یعنی ہر ذرہ و ہر چیز ہر اشیاء
گشتہ فانی در وجود اللہ بقا

مخلوق کائنات کے وجود کا ہر ذرہ اپنی کوئی مستقل حیثیت رکھتا ہے نہ اس کے لئے کوئی خارجی مواد (MATERIAL) موجود ہو سکتا ہے۔ اس وجود کا ہر ذرہ نور الٰہی سے بنا ہے اور اس تصور کو قائم کرنے کے لئے ہر شے کائنات کو واپس اپنی علت میں ضم کرنے کے تصورات کے ساتھ عدم کہا جاتا ہے۔ تو مخلوق کے ہر ذرہ کو جب اس تصور سے دیکھا جائے تو ہر شے میں اللہ کا نور ہی نظر آتا ہے۔ اس طرح مخلوقی ہیئت کا تصور یکسر معدوم ہو جاتا ہے۔ یہی کیفیت ہمہ اوست سے تعبیر ہے۔ ضروری ہے کہ اللہ کی ذات کے تصور کے ساتھ اس کو خالق کی حیثیت میں تصور میں لایا جائے اور مخلوقی وجود میں آنے کی اس ترتیب و ترکیب کو پہچانا جائے جس کے متعلق قرآن نے اشارہ دیا کہ

سِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَانۡظُرُوۡا کَیۡفَ بَدَاَ الۡخَلۡقَ

کہ اس مخلوقی وجود کی ابتدا کیسے ہوتی ہے۔ اس کا بنیادی وجود کیا ہے--- اس کا MATERIAL کیا ہے۔ کہاں سے آیا ہے؟ کیسے تخلیق ہوا؟--- اس کی تخلیقی ترکیب کیا ہے؟--- اور اللہ کے نور سے اگر بنا تو ان اشیاء میں اللہ کے نور کو کیسے پہچانا جاتا ہے؟ جب کہ اس مخلوقی وجود کی اپنی ایک علیحدہ حیثیت بھی ہے جو غیر اللہ قرار دی جاتی ہے۔ اس فکر کی دو صورتیں ہیں:-

ایک صورت ہمہ اوست کی ہے۔ یعنی سوائے اس کے کچھ نہیں، جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی ذات--- اللہ کا نور ہے--- اس حیثیت میں اللہ کا تصور اس کی تسلیم کے ساتھ کہ بہر حال اللہ کی ذات کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّلۡمُؤۡمِنِیۡنَ[1]

دوسری صورت تحقیق کی ابتدا وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ[2] اپنی ذات کی پہچان کر کے اللہ کی ذات

---

[1] یعنی قبل از تحقیق۔ بلا دلیل اللہ کی ذات کو تسلیم کر کے، اس کی ذات سے ہی، تحقیق کی ابتدا کرنا۔

[2] وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ بغیر تسلیم ذاتِ الٰہی، تحقیق کی ابتدا، اپنے وجود اور زمین کی مخلوق میں ان کی بنیادی علتوں کی پہچان کر، کائنات کی بدا (ابتدا) تک پہنچ کر پہچان کرنا۔

تک پہنچنا۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔

چونکہ مستقل تصور اللہ (احد) ہی کا کل کی حیثیت میں پایا جانا ثابت ہے۔ اس لئے پہلے اللہ کی ذات سے ہی فکر کی ابتداء ہوتی ہے۔۔۔ احد کی حیثیت میں کسی دوسرے وجود کے لئے نہ مادہ (MATERIAL) میسر ہونا ممکن ہے۔۔۔ نہ احد سے خالی کوئی مکان ہو سکتا ہے، جہاں کسی دوسرے کا قیام و قرار ممکن ہو۔ تو اس کی فطری طور پر یہی صورت ہو گی کہ اس مخلوقی نور کو چونکہ احد سے سوا کوئی مکان میسر نہیں، تو اس کا احد سے علیحدہ مکان میں قرار نہیں ہو گا۔ لہذا اس نور کی حیثیت نور احد میں ہی ایک نقطہ یا مرکز کی صورت میں ہو گی۔ بنیادی طور پر یہ نور۔۔۔ نور احد ہے۔

اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ٥ (پارہ ۲۳ سورۃ ۳۶ آیت ۸۲)

جب اللہ ارادہ کرتا ہے کسی شے کے ہونے کا تو وہ "کن" (ہو جا) کے حکم سے اس شے کا وجود ظاہر کرتا ہے "اللہ نے چاہا کہ کائنات بنے" تو اس تدبیر کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ کہ اللہ نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو "حب" کو پیدا کیا۔۔۔ دوسری حدیث میں فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔۔ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور مخلوق کیا۔ تو اس تخلیق کی ترکیب یہ ہو گی کہ نور الٰہی کے وجود سے جز کی حیثیت میں۔۔۔ ایک نور پیدا ہوا۔۔۔ اس مخلوقی نور کو چونکہ احد سے سوا کوئی مکان میسر نہیں تو اس نور کا احد سے علیحدہ مکان میں قرار نہیں ہو گا لہذا اس نور کی حیثیت نور احد میں ہی ایک نقطہ یا مرکز کی صورت میں ہو گی۔ بنیادی طور پر یہ نور۔۔۔ نور احد ہی ہو گا مگر مخلوقی حیثیت میں نور مخلوقی غیر اللہ تصور ہو گا۔ اس نور کا بنیادی وجود نور الٰہی ہی ہو گا۔ بہ الفاظ دیگر یہ وجود بھی نور الٰہی سے موسوم ہو گا۔۔۔ مگر مخلوقی حیثیت میں یہ نور جز قرار دیا جائے گا۔ ظاہر ہے جز کو کل کی صفت سے تصور میں نہیں لایا جا سکتا کہ اسے اللہ کی ذات تصور کیا جائے۔ بلکہ تخلیقی اعتبار سے یہ نور صفات الٰہی میں تصور کیا جائے گا۔۔۔ نور الٰہی ہونے کی حیثیت میں۔۔۔ یہ وجود نہ خارجی مادہ سے بنا۔۔۔ کہ نور الٰہی کا شریک تصور کیا جائے اور خود بخود اس کے مکان کا تعین بھی ہو گیا کہ اب اس کے مکان کی ضرورت باقی نہ رہی۔۔۔ اس حیثیت میں ماسویٰ اللہ۔۔۔ وجود۔۔۔ نہ اللہ پکارا جائے گا نہ اس کی حیثیت مستقل قرار دی جائے گی۔۔۔ اس حیثیت سے یہ وجود فانی قرار دیا جائے گا۔۔۔ اس حیثیت میں کہ اللہ اس کی مخلوقی حیثیت عدم کر کے اسے پھر اپنی ذات میں ضم کر دے۔ اس فکر سے تحقیق میں یہ معلوم ہوا کہ جز میں بھی اس کا نور موجود ہے۔۔۔ اس جزوی وجود (ایک نور سے دوسرا نور) سے ہی، باقی غیر اللہ وجود ترتیب دئے

جاتے ہیں۔۔۔ کہ اسی وجود سے ایک دوسرا وجود تخلیق ہوتا ہے۔ پہلے وجود کی تخلیق میں۔۔۔ یہ کیفیت بھی نمایاں ہے۔۔۔ جز کا وجود پیدا ہونے سے کل میں نہ کوئی فرق آتا ہے۔۔۔ کیونکہ وہ لامحدود ہے۔۔۔ کل کا وجود جز میں منتشر نہیں ہوتا۔۔۔ بلکہ اس وجود کی ہیئت سالم اور باقی رہتی ہے اور جز کا وجود بھی ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح جزوی وجود کی حیثیت بھی یہی ہے کہ جزوی نور سے ایک دوسرا وجود اس کے مرکز میں پیدا ہونے پر اس کی ہیئت بھی سالم باقی رہتی ہے اور اس سے جز کی حیثیت میں ایک اور وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک اور تصور قائم ہوتا ہے کہ مخلوقی وجود سے پیدا ہوئے وجود میں اگرچہ اس کا بنیادی وجود نور اللہ سے ہی ہے تاہم اس دوسرے وجود کا بنیادی وجود نور اول نور مخلوقی قرار دیا جاتا ہے۔ کہ اب آئندہ یہی تصور قائم ہو گا کہ ہر وجود کا بنیادی وجود۔ نور اول مخلوقی نور ہے اس طرح باوجودیکہ ہر وجود کی بنیاد نور الٰہی پر ہے مگر تخلیقی ترکیب میں ہر وجود کا بنیادی وجود نور اول قرار دینے کی صورت میں جز میں کل کا مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اسی ترتیب سے کائنات کا ہر نوری وجود جز کی حیثیت میں اپنی جزوی ہیئت کے مطابق پیدا ہوتا ہے۔۔۔ اور ہر جز سے اس کی ایک جز پیدا ہوتی ہے اور یہ سلسلہ اسی ترتیب سے آسمان تک چلا آتا ہے۔۔۔ اور ان تمام وجودوں کا بنیادی وجود نور اول (مخلوقی) قرار دیا جاتا ہے۔ آسمان نوری وجود ہیں اور آسمان کی آخری جز آسمان دنیا کہلاتا ہے۔۔۔ یہ نوری ہیئت کی آخری جز کہلاتا ہے۔ اس کے بعد آسمان دنیا میں دوسری نوری جز پیدا ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس لئے اس آسمان کی جز ناری ہیئت میں پیدا ہوتی ہے۔ ان نوری ہیئتوں کی پیدائش کی ترتیب میں یہ کیفیت پائی جاتی ہے کہ ہر جز سے علت کی صورت میں اس کے مرکز میں ایک جز پیدا ہوتی ہے اور ہر جز نوری سے اس کا معلول بھی نوری خاصیت کا حامل ہو گا۔ ہر جز اپنی پیدائش میں ایک علت کی معلول ہوتی ہے۔ اور یہی معلول اپنے وجود سے دوسری جز پیدا کر کے اپنی جز کی علت بن جاتا ہے۔۔۔ آسمان دنیا نوری وجود کی آخری جز کی حیثیت میں جب علت کی حیثیت اختیار کرتا ہے تو یہاں پیدائشی ترتیب بدل جاتی ہے یعنی یہ نوری جز جب علت کی حیثیت اختیار کرتی ہے تو اس کے مرکز میں جب کہ اس میں نوری جنس پیدا کرنے کی گنجائش نہیں تو اس سے کثیر تعداد میں ناری وجود (سیارے) پیدا ہو جاتے ہیں اور فطری تخلیق کے مطابق۔۔۔ ہر ناری وجود سے جز کی حیثیت میں ناری اجزا ان کے مرکز میں ظاہر نہیں ہوتے بلکہ وجود سے باہر (آسمان دنیا کی فضا میں) منتشر ہو کر معلق ہو جاتے ہیں۔۔۔ اس طرح کثیر تعداد ناری وجودوں سے کثیر تعداد اجزا نکل کر آسمان کی فضا میں منتشر حالت میں معلق ہو

جاتے ہیں اور اس مقام پر یہ کیفیت بھی پائی جاتی ہے۔ ہر جز۔ ہر معلول اپنی علت کی گرفت (کشش) میں محصور ہو کر اپنی علت کے گرد طواف کرتی ہے۔ ان ہی وجودوں میں آسمان دنیا میں ایک سیارہ سورج سے موسوم ہوتا ہے۔ اس سورج کی حیثیت، پیدائشی ترتیب یہ ہے کہ آسمان دنیا کے پہلے سیارے کی پیدائش کے بعد اس سیارے سے ایک اور سیارہ پیدا ہوتا ہے--- یا کثیر سیارے پیدا ہوتے ہیں جو سب آسمان اول کی گرفت (کشش) میں محصور ہیں--- اور ہر سیارنے سے سلسلہ وار ایک سے دوسرا سیارہ پیدا ہوتا ہے--- اور ہر سیارہ--- یا سیارے اپنی علت کی گرفت میں محصور اپنی اپنی علت کے گرد طواف کرتے ہیں اور یہ سلسلہ اسی طرح الشمس (سورج) تک چلا آتا ہے کہ سورج بھی کسی سیارے سے پیدا ہو کر فضا میں معلق ہوتا ہے۔ اور اپنی علت میں محصور ہو کر اس کے گرد طواف کرتا ہے اسی طرح ہر سیارہ اپنی علت کے گرد محصور طواف کرتا ہے--- اور اس معروف ستارہ سورج سے بھی اسی طرح فطری تخلیق کے تابع سیارے نکل کر منتشر ہو کر سورج کی گرفت میں محصور سورج کے گرد طواف کرتے ہیں۔ یہ سب سیارے آسمان کی فضا میں معلق تصور کئے جاتے ہیں--- ان--- سیاروں میں جو سورج سے پیدا ہوئے ایک سیارہ زمین "الارض" کے نام سے معروف ہے جو آسمان کی فضا میں--- سورج کی گرفت (کشش) میں محصور طواف کرتی ہے--- زمین سورج کی جز کہلاتی ہے۔ زمین میں اگرچہ ہمہ اوست کے تصور کے مطابق بنیادی وجود نوری ہے۔ مگر زمین کی جنس یا بنیادی وجود ناری ہیئت میں محسوس ہوتا ہے۔ اس طرح باوجود ہمہ اوست کی صفت میں شامل ہونے کے زمین (یا ہر سیارہ) ناری جنس کے اعتبار سے مخلوق اور غیر اللہ تصور کیا جاتا ہے لہذا کائنات کی تخلیق میں یہی ترتیب مسلسل جاری ہے اور جاری رہے گی۔ جہاں تک وجودوں میں اجزا پیدا کرنے کی گنجائش ہے، ناری وجودوں سے ناری اجزا خارج ہوتے رہیں گے اور جہاں گنجائش باقی نہ رہے گی وجودوں سے اجزا خارج ہونا بند ہو جائیں گے یا آئندہ اجزا کی ہیئت بدل جائے گی جیسے نور سے نوری اجزا پیدا ہوتے رہے۔ جب آسمان دنیا کا وجود پیدا ہوا تو اس وجود سے پیدا ہوئے اجزا کی ہیئت ناری ہیئت میں بدل گئی۔ اسی طرح ناری وجود میں جب ناری وجود کی گنجائش باقی نہ رہی تو ناری وجود کی جز خاکی ہیئت میں بدل جائے گی۔ یہی حیثیت ناری سیارہ زمین کی تھی کہ ابتدائے زمانہ میں جب تک اس ناری سیارہ میں ناری وجودوں کی گنجائش تھی، اس سے سیارے چاند اور چند سیارے پیدا ہو کر زمین کی گرفت میں محصور فضائے آسمانی میں معلق زمین کے گرد طواف کرتے رہے۔ اور جب زمین ناری میں ناری وجود پیدا ہونے کی گنجائش نہ

رہی--- تو اس سے خاکی وجود پیدا ہونے لگے۔ اس مقام پر زمین کی اپنی ہیئت میں بھی تبدیلی پیدا ہوتی ہے کہ ناری وجود خارج ہونے کی صورت میں--- اس کی اپنی ہیئت تنزل پذیر ہو کر خاکی ہیئت میں تبدیل ہو جاتی ہے--- اور آئندہ فطری تخلیق کے تابع اس خاکی وجود میں خاکی اجزا پیدا ہوں گے--- جو اسی وجود میں قرار کریں گے--- یہ وجود--- ہوا--- پانی--- ذرات زمینی--- اجزا کی صورت میں--- جمادات--- نباتات--- حیوانات کہلاتے ہیں--- ان ہی وجودوں میں انسان ایک ذرہ کی حیثیت میں ارتقا کر کے بشری شکل اختیار کر جاتا ہے۔

اب اس تخلیقی ترکیب و ترتیب میں اس کیفیت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ جب کائنات مخلوقی کے وجود کی ابتداء نور الٰہی سے ہوتی ہے (بدا)--- تو ہر شے، کائنات میں اس کے ہر جز میں۔ اصل نور الٰہی ہی ہو گا--- اس کے سوا--- ہر تخلیق میں۔ اس کی پیدائش میں اس کے مادہ (MATERIAL) میں نہ کسی قسم کی تبدیلی آئے گی--- نہ کسی خارجی مادہ کی اس میں ملاوٹ ہو گی--- ایسی صورت میں--- ہر شے نور الٰہی تصور ہو گی--- البتہ ذاتی حیثیت میں--- یہ اشیائے کائنات اگرچہ ان میں نور الٰہی موجود ہے اللہ کی صفت سے تصور میں نہیں لائی جائیں گی اس لئے کہ ان کیفیات کے وجود لامحدود نہیں--- بلکہ محدود فانی ہیں۔ اس وجہ سے کہ یہ کل کے مقابلہ میں جز کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ فہم میں لانا ضروری ہے کہ بنیادی حیثیت میں یہ وجود نور الٰہی تصور کئے جائیں گے۔ لیکن کائنات کی مخلوقی ہیئت میں جزوی اعتبار سے اللہ کے مقابلہ میں اپنی ایک علیحدہ حیثیت بھی ہو گی مگر جزوی حیثیت ہونے کی وجہ سے یہ وجود کم تر، اللہ کے مقابلہ میں محدود--- فانی--- برابر کے شریک کا درجہ نہیں رکھتا۔ اس لئے اس کے وجود پیدا ہونے سے ہمہ اوست کی حیثیت میں اس کائنات کا اپنا کوئی خارجی وجود نہیں تو اسے عدم تصور کیا جائے گا اور مخلوقی حیثیت میں ہمہ اوست کے تصور کے ساتھ ہی اس کا ایک علیحدہ وجود بھی تسلیم کیا جائے گا یہ تمام تفصیل "ہمہ اوست" کی اصل کیفیت پر دلالت کرتی ہے۔ کہ کائنات کا ہر وجود ہمہ اوست بھی ہے مگر جزوی حیثیت میں غیر اللہ۔

ہمہ در اوست، درحقیقت کائنات کی تخلیق کی ایک ترتیب کا تصور ہے کہ جب کائنات کے لئے خارج سے نہ مواد میسر ہوتا ہے نہ خارج میں اس کا مقام میسر ہوتا ہے۔ تو اس کا وجود۔ اللہ کے وجود لامحدود میں ظاہر ہو کر ایک نقطہ اور مرکز کی صورت اختیار کر جاتا ہے اس لئے کہ اول ذات الٰہی کے سوا خارج میں کوئی مکان (مقام) میسر نہیں اور اگر کوئی صورت

خارج میں مقیم ہونے کی ہو تو اس سے لامحدود کی حد کا تصور پیدا ہو گا۔۔۔ جو کہ ذات الٰہی کے لئے "نقص" کا تصور پیدا کرتا ہے۔ جب کہ ذات الٰہی مُنَزَّہٌ عَنِ النَّقْصِ ہے۔ دوسرے یہ کہ ذات الٰہی کے لامحدود ہونے کی صورت میں اگر خارج میں کوئی مقام مقرر بھی ہو تو وہ مقام بھی لامحدود ہیئت میں مرکز کی صورت ہی اختیار کرتا ہے۔۔۔ لہذا سوائے اس کے نہیں کہ کائنات کی تخلیق کی جو بھی صورت ہو اس کا مقام سوائے نقطہ اور مرکز کے دوسری کوئی ترتیب فطری طور ممکن نہیں۔۔۔ اس حیثیت میں کائنات کا وجود ذات الٰہی کے وجود کے اندر مخلوق ہونا تصور کیا جائے گا جیسا قرآن اس کی شہادت میں ایک تصور پیش کرتا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (پارہ اول، سورہ۲، آیت۱۱۵)

اللہ تعالیٰ کائنات پر ہر طرف سے (ہر جہت سے) احاطہ کئے ہے یعنی کائنات اللہ کے پیٹ میں سمائی ہے۔۔۔ اور اسی ترتیب پر جب کہ خارج میں کسی وجود کیلئے کوئی مقام میسر نہیں تو ترتیب یہی ہو گی کہ آئندہ اللہ کے وجود میں پیدا ہوئے وجود مخلوقی (نور ابتدائی یا نور اول) سے پیدا ہوا معلول دوسرا وجود بھی خارج میں پیدا نہ ہو گا بلکہ نور اول کے مرکز میں نقطہ کی حیثیت میں "اس کے پیٹ میں" پیدا ہو گا۔ اسی حیثیت میں ہر وجود نور اول سے لے کر آسمان دنیا تک ہر وجود مرکز (پیٹ) کی حیثیت میں (اندر) پیدا ہو گا۔ اس ترتیب کے متعلق بھی قرآن نے ایک تصور پیش کیا:۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ (پارہ ۳ سورۃ۲ آیت ۲۵۵)

اللہ کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو (بمعہ تمام سیاروں کے) اپنے مرکز (پیٹ) میں سمار کھا ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ
وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحَانَهُ ۖ بَلْ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضِ ۖ كُلٌّ لَهُ قَانِتُونَ ۝ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِذَا قَضَىٰ
أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝ (پارہ ۱ سورۃ ۲ آیت ۱۵اتا۱۱۷)

إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ کی اس آیت میں مکمل تفصیل اور فطرت اللہ کا پورا تصور اور ترتیب دی گئی ہے۔

مشرق اور مغرب اللہ ہی کے لئے ہے۔ پس جس طرف تم منہ کرو اسی طرف اللہ موجود ہے کیونکہ اللہ نے کائنات پر ہر جہت سے احاطہ کر رکھا ہے اور عیسائی لوگ یا دوسرے بناتے ہیں اللہ کے اولاد، یا جس طرح بنی اسرائیل عقیدہ رکھتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کے بیٹے یا

بیٹیاں ہیں وہ تو اس جننے سے پاک ہے بلکہ اسی کے واسطے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ابتدا کرنے والا ہے زمین و آسمان کا جب ابتدا کرتا ہے کسی شے کا تو حکم دیتا ہے کہ ہو جاؤ پس وہ ہو جاتی ہے۔

ان آیات میں کائنات کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کی ابتدائی تخلیقی ترتیب و ترکیب کا پورا نقشہ اور کیفیت پیش کی گئی ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ سے مراد اللہ مشرق اور مغرب میں موجود ہے۔ یا مشرق و مغرب سب اللہ کے نور سے ہے۔ پس جس طرف بھی تم دیکھو ادھر اللہ موجود ہے ادھر اللہ کو ہی پاؤ گے۔۔۔ کیونکہ اس نے کائنات کو پیٹ میں سما رکھا ہے اور بیرون ہر جہت سے کائنات پر احاطہ کئے ہے۔ اللہ کی پیدائشی ترتیب میں ایسا نہیں کہ اسے کوئی جنتا ہو بلکہ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ نہ اس سے کوئی جنا نہ وہ کسی سے جنا۔ اس ذات کی پیدائش کی کوئی اور علت نہیں جس سے وہ پیدا ہوا۔ وہ پاک ہے جننے سے اور ازلی ابدی احد ہے۔ بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کے نور سے بنا۔ کائنات کی ہر شے اس کی نوری کشش (قبضہ قدرت) میں پابند و محصور ہے۔ "بدیع" آسمانوں اور زمین کا بنیادی وجود اسی کا نور ہے اور جب اس نے چاہا کہ میں کائنات بناؤں۔۔۔ کسی شے کے بنانے کا ارادہ کرے تو حکم (امر) کرتا ہے۔۔۔ اس کا امر کیسے ہوتا ہے۔ وَمَآ اَمْرُنَآ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ۔ یعنی نہیں ہمارا امر حکم مگر ایک بار۔ اس امر کی ترکیب کیا ہے؟ جیسے کن انکھیوں سے کسی شے کی طرف (آنکھ سے) اشارہ کرنا۔ پس سوائے اس کے نہیں کہ وہ کہتا ہے "امر کی طرح" ہو جا۔ پس وہ شے ہو جاتی ہے۔۔۔ ان آیات میں "بدیع" کے تصور میں کائنات کی ابتدائی تخلیق شامل ہے۔ کہ وہ کائنات کا مبداء منبع ہے۔ اسی کے نور سے کائنات بنی ہے۔ تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے امر کیا اور نوری حیثیت میں صرف كَلَمْحٍۢ بِالْبَصَرِ توجہ کی تو نور اول پیدا کیا اور اسی نور سے کائنات بنائی۔ اس اعتبار سے اللہ کائنات پر واسع ہوا۔۔۔ تو ظاہر ہے جس طرح بھی دیکھو ادھر موجود ہو گا۔ حدیث اس امر کی تائید کرتی ہے۔

وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ اَنَّكُمْ دَلَّيْتُمْ بِحَبْلٍ اِلَى الْاَرْضِ
السُّفْلٰى لَهَبَطَ عَلَى اللّٰهِ (مشکوٰۃ)

قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ "کہ یہ ایک حقیقت ہے" اگر تم ایک ڈول زمین سے نچلی سمت پھینکو تو وہ ڈول اللہ پر اترے گا۔۔۔ یہ عربی اصطلاح قریش کا استعارہ ہے۔ کہ بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ اوپر ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر تم زمین کے مشرق و مغرب شمال و جنوب "اوپر نیچے" دیکھو فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

ہے۔ اللہ ہر طرف موجود ہے۔ اسی کیفیت کو وَاسِعٌ[1] کے تصور میں پیش کیا گیا "بدیع" کا حقیقی تصور یہی ہے کہ اسی نور سے کائنات کی ہر شے کی تخلیقی ابتدا ہوتی ہے۔ اسی ترتیب میں کہ تمام کائنات اللہ کے نور میں نقطہ و مرکز کی حیثیت رکھتی ہے--- اور کائنات کی تخلیق کی ابتدا نور الٰہی ہی سے ہوتی ہے۔

یعنی تخلیقی ترتیب میں جب بھی آسمانوں کا وجود ظاہر نہ ہوا تھا تو ایک نوری وجود تھا۔ اسی نوری وجود کے مرکز میں ایک نور (اس نور کا معلول) پیدا ہوا۔ اسی ترتیب پر نوری وجود پیدا ہوتے رہے یہاں تک کہ ہر نوری وجود میں ایک نوری عالم (وجود) مرکز میں پیدا ہوا اور آخر میں ایک نوری وجود کرسی کے نام سے ظاہر ہوا جس کے مرکز میں ایک نور پیدا ہوا۔ یہ نور سات آسمانوں کا مرکب تھا۔ اس نور کو ساتواں آسمان کہا جاتا ہے۔ اسی ساتویں آسمان سے اس کا معلول مرکز میں پیدا ہوا۔ اسے چھٹا آسمان کہا گیا۔ چھٹے آسمان کے مرکز میں پانچواں آسمان پیدا ہوا۔ اسی طرح ہر آسمان مرکز میں (پیٹ میں) پیدا ہوتا رہا اور آسمان دنیا (آسمان اول) دوسرے آسمان کے پیٹ میں پیدا ہوا۔ آسمان اول آسمان دنیا کہلاتا ہے تو اس آسمان کے متعلق قرآن نے ایک تصور دیا۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ (پارہ ۲۹ سورۃ ۶۷ آیت ۵)

البتہ ہم نے سجایا آسمان دنیا کو چراغوں سے یعنی آسمان دنیا کے پیٹ میں ستارے (ناری ہیئت میں) پیدا ہوئے--- اس تخلیقی ترکیب میں--- جب کہ ایک وجود--- مرکز کی صورت میں معلول حیثیت میں پیدا ہوتا ہے تو فطری تخلیق کے تابع ہر معلول کی علت ایک دائرے کے تصور میں آتی ہے کہ اس نے اپنے معلول پر ہر جہت سے احاطہ کیا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر وجود کی بازگشت ایسی ترتیب سے تصور میں لائی جائے تو اس کی ابتدا کا تصور اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ کا تصور محقق ہو جاتا ہے۔ اس تخلیق میں تخلیقی ترتیب میں ہمہ در اوست کا تصور، واضح اور محقق ہو جاتا ہے اسی ترتیب سے کائنات کو ہمہ در اوست سے تعبیر دیا جاتا ہے--- اب اس کے بعد دوسری صورت فکر کی ہے جس کی ابتدا فِيٓ اَنْفُسِكُمْ سے ہوتی ہے۔

---

[1] اس بارے میں مزید معلومات کے لیے "منازل فقر" کی تشریح ملاحظہ فرمایئے۔ تخلیقِ کائنات کے باب میں اس پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ اور نقشوں سے وضاحت کی گئی ہے کہ آسمان ایک دوسرے کے اردگرد کس طرح تخلیق کئے گئے ہیں۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

تحقیق ۔ پیدائش کائنات میں اس کی وجودی ہیت (MATERIAL) اس کی تخلیقی ترکیب میں حواس و عقل سے بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لئے تم اپنی ذات پر فکر کرو تو کائنات کی تخلیقی ترکیب و ترتیب۔ اس کی حقیقی ہیئت کا تصور --- عالم خاکی --- عالم ناری --- عالم نوری تا ذات الٰہی ہو کر تمہیں اللہ کی ذات کا حقیقی تصور حاصل ہو سکتا ہے وہ یہ کہ

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ؕ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۰ آیت ۳۰)

اللہ کی ذات کا تصور --- اس کی تخلیقی ترتیب کا تصور۔ تمہیں اپنی ذات پر عقلی طور تحقیق سے بھی حاصل ہو سکتا ہے۔ انسان ایک سالم الوجود ہے --- نور --- نار --- خاک کا مرکب ہے --- حکمت کی رو سے --- سائنسی تحقیق سے انسان لاتعداد ذرات کا مجموعہ ہے --- ہر ذرہ اس کا جاندار روح و جسم کا مرکب ہے --- اس ترکیب کا عقل سلیم سے تصور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ ایک انسان ایک طرف واحد الشخص ہے یعنی ایک روح و جسم کا مرقع نظر آتا ہے مگر اس کی جسمانی ہیئت پر فکر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس مرقع میں لاتعداد --- جاندار روح و جسم کے وجود پائے جاتے ہیں جو بجائے خود ایک روح و جسم کا وجود رکھتے ہیں --- ان ہی وجودوں کے مرکب سے ایک جاندار --- روح و جسم کا انسانی وجود محسوس کیا جاتا ہے۔ یہ انسان کی ذاتی شخصیت کی ہیئت ہے --- اب دوسرے مقام پر اسی انسان سے دوسرا انسان پیدا ہوتا ہے --- یہ انسان خارجی وجود نہیں رکھتا بلکہ --- ان ہی انسانی ذرات میں سے ایک ذرہ[1] ہے جن ذرات سے انسان کا جسم مرکب ہے --- یہ ذرہ ان تمام خواص کا حامل ہے جو خاصیتیں انسان میں پائی جاتی ہیں۔ یہی ذرہ عورت کے رحم میں مختلف مراحل سے گذر کر انسانی شکل میں پیدا ہوتا ہے۔ تو ظاہر ہوا کہ انسان محض ایک انسان نہیں بلکہ کروڑوں انسانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ ذرہ پیدائش کے ساتھ انسان کہلاتا ہے جس کی ہیئت و ساخت بعینہٖ باپ کی ہیئت و ساخت کے مشابہ ہوتی ہے --- یعنی زید ایک انسان ہے، اس کے وجود سے پیدا ہوا وجود --- بکر --- بیٹا کہلاتا ہے --- ظاہر ہے جب دوسرا انسان بھی باپ کی

---

[1] مادہ منویہ جو لاکھوں ذرات پر مشتمل ہے۔ اسی مادہ کا ایک ذرہ جو دوسرے انسان کے وجود کے لیے مخصوص ہو جاتا ہے۔

صفت و ہیئت میں پیدا ہوا تو اسے بھی زید کہا جا سکتا ہے۔ مگر نہیں اسے بیٹا۔۔۔ یا بکر کہا جاتا ہے۔۔۔ کیونکہ یہ باپ کی جز سے پیدا ہوتا ہے۔۔۔ حالانکہ اپنی جسمانی ارتقا کی تکمیل پر باپ اور بیٹے کے وجود میں ایک ذرہ کا فرق نہیں۔۔۔ اس حال میں کہ بیٹے کا وجود بھی باپ کے برابر ایسے ہی لاتعداد ذرات کا مجموعہ ہے۔۔۔ لیکن تخلیقی ترتیب کے مطابق چونکہ یہ جز سے پیدا ہوا۔ بیٹے کو باپ کے تصور پر پکارا نہیں جاتا۔۔۔ یہی کیفیت جیسا کہ ہمہ اوست میں کائنات کی تخلیق میں ابتدائی پیدائش میں ترتیب بیان کی گئی۔ ایک ہی تصور پاتے ہیں۔ یعنی بیٹے کے وجود میں بنیادی مادہ (MATERIAL) باپ کا ہی وجود ہے اور یہی خاص ترتیب پیدائش کی مقرر ہے، باوجود ایک ہی وجودی کیفیت ہونے کے جزوی حیثیت میں باپ اور بیٹے کا الگ الگ تصور قائم ہوتا ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ میں انسانی جسمانی مرکبات کی طرف بھی اشارہ ہے۔۔۔ کہ تمہارے وجود میں نور۔۔۔ نار۔۔۔ خاک تین کیفیتیں ہیں۔۔۔ اور کائنات کے وجود میں بھی یہی تین کیفیتیں نور۔۔۔ نار۔۔۔ خاک یعنی عالم نوری تا آسمان، آسمان دنیا کی مخلوق ناری سیارے۔ اور زمین خاکی۔ زمین خاکی نور و نار کی تنزلی (ANALYSED) کیفیت ہے۔ زمین کا وجود خارجی نہیں بلکہ نور و نار کا معلول ہے۔۔۔ وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ سے ابتدا کی جائے۔ تو ہمیں کائنات کی تخلیق میں ہر علت کی طرف بازگشت کرنا ہوگی۔ یعنی ہر علت کی ابتدائی ہیئت کا تصور قائم کرنا ہوگا۔۔۔ اس حال میں کہ ابھی اس کے معلول کا ظہور نہیں ہوا۔۔۔ یا اس کا معلول ابھی اس کے وجود میں موجود ہے۔ جو ابھی ظاہر نہیں ہوا۔

ظاہر ہے! کہ ہر شے زمین کے اجزا سے پیدا ہوئی۔۔۔ اور انسان بھی زمین کے اجزا سے پیدا ہوا۔۔۔ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ۔ بشر مٹی سے بنا۔۔۔ انسان زمین کا معلول ہے۔ تصور کرو۔ جب انسان موجود نہ تھا تو اس کا وجود زمین میں (ذرہ کی ہیئت میں) موجود تھا۔ اس مقام پر انسان عدم تصور ہوتا ہے۔۔۔ اور پھر ہر شے کی علت کی ہیئت کا اندازہ اس کے معلول سے لگایا جاتا ہے جو صفت معلول میں ہے وہ خارجی صفت نہیں۔ بلکہ اس کی علت کی خاصیت و صفت ہے۔ لہذا ہر علت کی ذات و صفات کی دلیل اس کے معلول کی خاصیت و صفت پر محقق ہو جاتی ہے۔ انسان بولتا ہے۔ سنتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ فہم رکھتا ہے۔ یہ

ﻠﮧ اللہ کی ذات اور اس کی تخلیق سے مخلوق کے پیدا ہونے کی مثال۔ باپ سے بیٹا ہونے کی مثال کے مانند ہے۔

صفات خارجی نہیں۔ بلکہ اس ذرہ میں یہ صفات موجود ہیں۔ جو باپ کے نطفہ میں پایا جاتا ہے۔۔۔ ظاہر ہوا جو صفات معلول میں جزوی حیثیت میں پائی جاتی ہیں۔ ان کا بدرجہ اولیٰ نطفہ میں ہونا لازمی ہے۔ بیٹے کی صفت پر ہی باپ کی صفت کا تصور قائم کیا جاتا ہے۔۔۔ انسان زمین کی پیداوار (معلول) ہے لہذا لازم ہوا۔ انسان کی ہر خاصیت زمین کی خاصیت سے جزوی حیثیت میں منتقل ہوئی۔ اس اعتبار سے یہ تسلیم کرنا ہر حال میں ضروری ہے کہ معلول کی تمام صفات (جو زمین سے پیدا ہوئیں) کا کل کی حیثیت میں زمین میں پایا جانا فطری تخلیق کے عین مطابق ہے کہ زمین میں بولنے۔۔۔ سننے۔۔۔ دیکھنے۔ فہم و ارادہ حرکت کی خاصیت پائی جاتی ہے۔۔۔ ان ہی خصوصیات کے ساتھ ہر وجود کے بنیادی وجود کے تصور میں۔۔۔ ہر معلول کی بازگشت میں ہر علت کا تصور کیا جائے اور ہر علت کے معلول کو عدم تصور کیا جائے تو یہ معلولی وجود عدم ہو کر اپنی علت میں سمایا نظر آتا ہے۔۔۔ معلول کے عدم تصور کرنے سے معلول خود اپنی علت کی شکل میں محسوس ہوتا ہے۔ اس ترتیب و تصور کو "فنا" سے تعبیر دیا جاتا ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ يَرْجِعُ إِلَىٰ أَصْلِهِ یعنی ہر معلولی ہیئت اپنی علت سے علیحدہ ہو کر ایک مدت قائم رہنے کے بعد فطری طور پر ہیئت بدلنے کی خاصیت رکھتی ہے۔ یہ ہیئت بدلنے کی خاصیت "فنا" کہلاتی ہے۔ فنا کی صورت میں ہر معلول کے وجود کا اعادہ اس کی علت میں ہو جاتا ہے۔ یعنی ہر معلول اپنی علت میں واپس سما جاتا ہے جو اس کی اصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور کہ انسان نور۔۔۔ نار۔۔۔ خاک کا مرکب ہے۔ نور اس وجود میں اضافی کیفیت ہے کیونکہ یہ زمین کی جز خاکی جنس سے نہیں۔ نہ انسان کی تخلیقی ترکیب میں شامل ہے۔ بلکہ ارادہ الٰہی کے مطابق اللہ تعالیٰ ایک نوری قوت کو نوری وجود کی جز سے لے کر انسان میں نفخ کرتا ہے۔ اس کے ماسویٰ زمین ناری ہے۔۔۔ اس کی جز ناری ہے۔۔۔ اور پھر ایک مقام پر زمین خاکی محسوس ہوتی ہے۔ تو اس کی جز خاکی ہیئت میں پائی جاتی ہے۔ یہی دو اجزا انسانی جسم میں پائے جاتے ہیں۔ یہ دو اجزا انسان کو اپنی علت (زمین) سے ورثہ میں ملتے ہیں۔ ایک مدت زمین پر قیام کے بعد انسان پر موت طاری ہو جاتی ہے۔ تو اس کے وجود کی بازگشت اس کی علت میں ہو جاتی ہے۔

مِنْهَا خَلَقْنَٰكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ ۝ (پارہ ۱۶ سورۃ ۲۰ آیت ۵۵)

وہ اللہ ہے جس نے تمہیں زمین سے نکالا۔۔۔ اور پھر تمہاری بازگشت اسی زمین میں ہو گی۔ یعنی انسان کی ناری روح ناری ہیئت میں سما جائے گی۔ خاکی جسم زمین کی مٹی میں سما جائے گا۔

یہی کیفیت فنا سے تعبیر ہے اس لئے موت کو فنا سے موسوم کیا جاتا ہے کہ کائنات کے ہر وجود کے۔ لئے فطری تخلیق کے تابع دوام نہیں بلکہ ایک دن اسے فنا ہونا ہے۔ کُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کائنات کی ہر شے ہر وجود کیلئے ہیئت تبدیل کرنا مقرر ہے۔ فضائے آسمانی کے ناری سیاروں کے لئے بھی اور زمین کی مخلوق کے لئے بھی اس فنا کیلئے ہر نوری--- ناری--- خاکی ہیئتوں کیلئے ان کی قوتوں کے مطابق جلد یا بدیر فنا لازمی ہے--- اسی طرح انسانی وجود جب موجود نہ تھا تو یہ اپنی علت (زمین) کی ہیئت میں موجود تھا زمین سے علیحدہ ہونے پر یہ متحرک--- علیحدہ ہیئت میں محسوس ہوا--- اس کیفیت کو "حیات" سے تعبیر دیا گیا اور ایک وقت زمین پر قائم رہنے کے بعد انسان پر موت طاری ہو گی تو یہ اپنی جسمانی ہیئت تبدیل (فنا) کر کے اپنی علت (زمین) میں سما جائے گا اور ابتدا کی طرح پھر زمین میں سما کر زمین کی ہیئت میں محسوس ہو گا--- اسی کیفیت کی طرف حضور قبلہ عالمؒ کا ارشاد ہے--- کہ

معنی ہمہ در اوست ایں کہ کل جہاں
عدم گشتہ در وجود !! نہاں

یعنی ہر وجود کی خا ۔ ت فنا ہو کر ا ۔ نی اصل میں لوٹ جاتی ہے۔ اور جس طرح ابتدا میں ہر معلول اپنی صفت میں--- علت سے ہی محسوس کیا جاتا تھا۔ اسی طرح فنا کے بعد اس کی بازگشت اپنی علت میں ہو کر اپنی پہلی حالت وہیئت میں محسوس ہو گی۔ اس حال میں کہ اس کا معلولی وجود "عدم" محسوس ہو گا۔ ظاہر ہوا کہ فطری تخلیق کا خاصا ہے کہ ہر شے اپنی بازگشت (واپسی) میں عدم ہو کر یکسر مٹ نہیں جاتی بلکہ اپنی ابتدائی علت (اصل) میں سما جاتی ہے یہ عمل اس کے (معلول کا علت میں سما جانا اور باقی رہنا) "ارتقا" سے تعبیر ہوتا ہے، کہ ہر ہیئت تحلیل ہو کر اپنی علت میں سما کر وہی ہیئت اختیار کرتی ہے--- جو اس کی علت کی صفت ہے اور ہر جنس اپنی جنس میں ہی مل جاتی ہے۔

قرآن نے کائنات کی بناوٹ پر تحقیق و فکر سے خالق و مخلوق--- اور تخلیقی ترکیب و ترتیب کا حقیقی تصور پانے کے لئے واضح اشارہ دیا--- وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ۔ یقین رکھنے والوں کے لئے زمین کی اشیاء پر تحقیق و فکر کرنے سے--- کائنات کی اصل ہیئت--- اور ہیئت ترکیبی--- ہیئت مخلوقی--- وجودی خاصیت اور بدأ- ابتدا کہ اس کا وجود--- کس ہیئت سے بنا--- کس طرح بنا--- ابتدا سے انتہا تک۔ تخلیقی تسلسل کا راستہ اور سمت معلوم ہو جاتی ہے--- اس لئے وَفِي أَنفُسِكُمْ سے ابتدا کی جائے تو

معلوم ہو گا کہ انسان زمین کی جز--- معلول ہے۔ انسانی صفات تمام زمین سے ورثہ میں آتی ہیں--- انسان کا بولنا--- سننا--- دیکھنا۔ فہم و ارادہ کی صفات اس وقت تک نہیں ہو سکتیں۔ جب تک کہ ان صفات کا زمین میں پایا جانا محقق نہ ہو۔ ایک بیج میں درخت کی تمام صفات۔ تنا--- شاخیں--- پتے--- پھول اور میوہ۔ یہ سب صفات بنیادی طور پر بیج میں پائی جاتی ہیں تو درخت کی ہیئت میں ان کا ظہور ہو گا اور--- جو شے بیج میں موجود نہ ہو وہ درخت میں ظاہر نہیں۔ لہذا درخت کے اجزا بیج کی معلول کہلاتے ہیں گویا--- درخت کے ظہور میں جملہ صفات پر ہی بیج کی صفت کا تصور حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس حال میں کہ بظاہر بیج کے وجود میں یہ کیفیتیں دیکھی یا محسوس نہیں کی جا سکتیں۔ اس کے باوجود بیج کے معلول کو دیکھ کر ان دیکھی حالت میں بیج کی صفت تسلیم کرنا لازم ہو گا۔ اس کے بعد زمین، اشیاء ارضی کی علت قرار دی جاتی ہے اور اس کی معلول ہیئتوں پر ہی زمین۔ کو ان صفات (یعنی مرکب و مجموعہ) کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔ جو زمین کی معلول میں ظاہر ہیں--- خصوصاً انسان میں کہ اس میں قوت کلام (بولنا) قوت بصر (دیکھنا) قوت سمع (سننا) قوت عقلی و شعوری (فہم) حرکت و ارادہ--- یہ ان سب صفات کا انسان کی علت میں پایا جانا لازمی ہے--- اس حال میں کہ بیج میں اگرچہ معلولی صفات محسوس نہیں ہوتیں لیکن ان کا ہونا مسلمہ ہے--- زمین خود مستقل نہیں--- بلکہ سورج کی معلول ہے--- سورج یکسر ناری ہیئت رکھتا ہے--- ناری ہیئت میں اس کی اپنی ناری صفات بھی موجود ہیں جو خاکی وجود میں نہیں پائی جاتیں--- سوائے اس کے کہ زمین کی معلولی حیثیت میں زمین میں جو خاصیتیں پائی جاتی ہیں--- سورج سے ورثہ میں ملتی ہیں لہذا سورج کی صفات کا تعین زمین کی صفات کے تصور میں کیا جاتا ہے--- کہ سورج میں بھی قوت کلام۔ قوت سمع--- قوت بصر--- فہم--- ارادہ حرکت پایا جانا یقینی ہے۔ کیونکہ یہ صفات اگر سورج میں نہ ہوں تو نہ زمین میں اور نہ ہی انسان میں ان صفات کا پایا جانا ممکن ہو سکتا ہے--- اس طرح سورج کی صفات کا تصور زمین اور انسان سے ہی حاصل کیا جاتا ہے--- سورج بھی مستقل نہیں یہ بھی کسی سورج کا معلول ہے--- لہذا اس سورج کا جو ہمارے ادراک سے ماوراء ہے۔ اس کی خاصیت و صفت کا تصور ہمیں سورج کی صفت پر ہی مل سکتا ہے۔ یہاں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ ہر معلول اپنی علت کی جز ہوتی ہے۔ جز کے اعتبار سے۔ ہر علت اپنے معلول کی صفات اور وجودی ہیئت میں معلول سے--- وسیع و قوی ہو گی--- مثال کے طور سورج سے کثیر تعداد سیارے اور زمین جز کی حیثیت میں الگ ہوئے۔ ہر معلول میں جزوی حیثیت میں ایک قوت و صفت

پائی جاتی ہے اس کے مقابلے میں سورج کل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس لئے تمام سیاروں کے مقابلہ میں سورج کی قوت و وسعت اس کے معلول سے وسیع و قوی ہونا محقق و مسلم ہو گا۔ اور ان سیاروں کی بازگشت میں جب ان تمام سیاروں کو ابتداء میں جب کہ ان کا وجود ابھی ظاہر نہ ہوا تھا۔ "عدم" کی حالت میں ان تمام سیاروں کے مجموعہ کے ساتھ۔ وسیع و قوی تصور کیا جائے گا۔ اور ان تمام سیاروں کی انتہا پر ان کے عدم کے تصور میں ہر سیارہ کو سورج کے تصور میں دیکھا جائے گا۔ اس حال میں کہ ان سیاروں کا وجود سورج میں موجود--- یا سورج میں فنا تصور کیا جائے گا۔ اس کے بعد کائنات کی تخلیق میں ہر وجود کی ابتدائی ہیئت کا تصور ہر علت کا تصور--- اس کے معلول کے مجموعہ کے مطابق مسلم ہو گا--- یعنی تمام سیارے آسمان دنیا کی معلول ہیں زمین بھی آسمان دنیا کے معلولوں میں شامل ہے--- زمین کی تحقیق پر ہم نے یہ جان لیا کہ انسان کی صفات کے مشاہدہ میں قوت کلام--- سمع--- بصر--- فہم و ارادہ زمین کی خصوصیات میں شامل ہیں۔ لہذا علت کے اعتبار سے سورج میں بھی--- ناری ہیئت کے مطابق ان قوتوں[1] کا بدرجہ اولیٰ پایا جانا۔ یقینی ہو گا۔ س کے ساتھ ہی آسمان کی وسعتوں میں ناری قوتوں کی تحقیق و فکر ان کی جملہ خصوصیات کو سامنے رکھنا ضروری ہے جو عقلی طور بھی انسانی تحقیق میں آسکتی ہے وہ یہ کہ آسمان دنیا کے معلول سیاروں میں چند خاص صفتوں کو نظر میں لانا۔ یعنی فطری تخلیق کے مطابق اشیاء کائنات میں--- نور--- نار--- خاک کی ہیئتیں مسلم و محقق ہیں۔ ان کیفیتوں کی تحقیق میں تین کیفیتیں تصور میں آتی ہے۔ (۱) ایک ہر وجود کا حجم (طول و عرض) (۲) دوسرا تپش، (جیسے سیاروں کی گرمی) (۳) تیسرا روشنی (جیسے سورج کی روشنی)--- سورج کے وجود میں--- وسعت (حجم)--- روشنی--- تپش--- اس کے ساتھ قوت سماع۔ قوت بصر۔ قوت فہم و ارادہ بھی ثابت ہے۔ آئندہ تحقیق میں ہر وجود (علت) میں ان کا تصور قائم رکھنا ضروری ہے۔

آسمان دنیا کے سیاروں میں آسمان سے قریب سیاروں کی ہیئت وجودی (جسمانی)

---

[1] ہمہ اوست بَدْءُ الْخَلْقِ میں ہر تخلیق کی ہر خصوصیت و صفات کا ساتھ ساتھ تصور قائم و شامل رکھنا ضروری ہے۔ ورنہ بغیر ان خصوصیات کی شمولیت کے انسانی فکر گمراہی اور غلط فہمی اور غلط نظریات کا شکار ہو جائے گی۔

مقام کے لحاظ سے انتہائی وسیع ہے۔ جیسا کہ محققین مغرب کی تحقیق میں سورج سے قریبی سیاروں کا علم ہو چکا ہے کہ فضائے آسمانی میں ایسے سیارے موجود ہیں جو معروف۔ زمینی سورج سے۔ جسم۔ تپش۔ روشنی میں اربوں درجہ قوی و وسیع ہیں۔ اسی طرح ان سورجوں۔۔۔ سیاروں سے ماورائی۔ سیارے بھی جسم۔ تپش۔۔۔ روشنی میں قوت لاانتہا کا درجہ رکھتے ہیں اور سب سیارے آسمان دنیا کے اندر پائے جاتے ہیں۔ یہ امر بھی محققین مغرب کی تحقیق سے ثابت ہے کہ ایک سیارے سے دوسرے سیارے تک کا درمیانی فاصلہ اربوں میل ہے۔۔۔ سیاروں کی ان صفات و خصوصیات پر آسمان دنیا کا تصور حاصل ہو گا کہ آسمان دنیا کے اندر ناری فضا کی وسعت کا کوئی تصور قائم نہیں ہو سکتا۔ جہاں زمین سے قریبی سیاروں کا اتنا غیر محدود فاصلہ تصور میں آتا ہے۔۔۔ وہاں زمین سے دور۔۔۔ آسمان دنیا کی نوری ہیئت کی وسعت بھی لامحدود میں شمار ہو سکتی ہے۔۔۔ جہاں میلوں میں فاصلہ کا تعین انسانی تصور سے باہر ہے۔۔۔ اب ان سیاروں کی اپنی علت میں بازگشت پر جب آسمان دنیا کا ابتدائی ہیئت کا اس حال میں تصور کیا جائے کہ ابھی آسمان دنیا سے یہ سارے معوض نہیں ہوئے۔۔۔ تو آسمان دنیا کیلئے تپش۔ روشنی اور جسم (طول و عرض) کا تصور غیر معین ہو گا۔۔۔ یعنی لامحدود وسعت۔۔۔ لامحدود تپش۔۔۔ لامحدود روشنی۔۔۔ اس حال میں کہ یہ تمام سیارے "عدم" تصور ہوتے ہیں۔ لیکن آسمان دنیا کی علت میں ان کا وجود موجود ہے۔ یہی کیفیت سَبۡعَ سَمٰوٰتٍ کی تخلیقی ترتیب کی ہے کہ ہر آسمان وَسِعَ کے تصور میں وسعت۔ تپش۔۔۔ روشنی میں لاانتہا کا درجہ رکھتا ہے جس کا تصور ذہن میں آنا ممکن نہیں۔ سوائے اسکے کہ ان قوتوں کا ایک موہوم تصور قائم کیا جائے۔۔۔ اسی تصور میں وَسِعَ كُرۡسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ کا۔۔۔ زمین سیاروں۔۔۔ ان کے درمیانی فاصلوں۔ جسم تپش۔۔۔ روشنی (نور)۔۔۔ کے مطابق سات آسمانوں پر احاطہ کئے ہوئے نوری وجود کا ہو گا کرسی پر عرش کا احاطہ۔۔۔ اسی طرح عالم بالا کے نوری وجودوں کا احاطہ۔۔۔ یہ سلسلہ برابر اس مقام تک پہنچتا ہے، جہاں ان نوری وجودوں کی بازگشت پر [illegible] وجود آتا ہے جو ہمہ اوست کی تحقیق و فکر میں۔۔۔ ذات الٰہی۔ نور الٰہی کے وجود سے پیدا ہوا۔۔۔ نور ابتدائی، نور اول کا مقام ہے۔۔۔ اور اس نوری وجود کی ہیئت کا تصور اسی ہمہ در اوست کی ترتیب کے مطابق۔۔۔ وسیع وسعت (عرض و طول)۔۔۔ وسیع تپش۔۔۔ وسیع روشنی۔ جو قطعی لامحدود و لاانتہا کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ نور مخلوقی وجودوں کی علت اول قرار دی جاتی ہے۔ اس حال میں کہ اگر تمام مخلوقی وجودوں کو نور الٰہی کا معلول تصور کیا جائے۔ تو اصولی طور پر ہر علت نور احد میں شمار ہو کر اللہ کی صفت

سے متصف ہوتی ہے۔۔۔ لیکن یہ ہیئتیں۔۔۔ محدود۔۔۔ کہ ہر ہیئت۔۔۔ علت و معلول کی صورت میں ایک حد رکھتی ہے۔ غیر مستقل و فانی ہیں کہ اپنی مستقل ہیئت نہیں رکھتیں اور فانی صورت میں اپنی علتوں کی طرف رجوع کرنے کی خاصیت رکھتی ہیں اس لئے ان کا غیر اللہ ہونا لازمی ہے اس کی صورت یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ کے بعد اللہ کے نور سے پیدا ہوئی مخلوقی ہیئت سے ان کی نسبت قرار دے کر نور ابتدائی کو ان تمام وجودوں کی علت قرار دیا جائے اس طرح ایک طرف ان کے بنیادی وجود کو ہمہ اوست کے تصور میں دیکھا جائے گا۔ مگر معلولی حیثیت میں یہ وجود مخلوق قرار دے کر غیر اللہ قرار دیئے جائیں گے۔۔۔ اور اس مقام پر نور اول پر علت و معلول کا سلسلہ ختم ہو کر ایک ہی تصور باقی رہتا ہے کہ نور ابتدائی علت کائنات ہے اور اس کی وسعت۔ تپش۔۔۔ روشنی لاانتہا کا درجہ رکھتی ہے۔ البتہ معلول حیثیت میں اس نور کی بھی مخلوقی حیثیت کے اعتبار سے ایک حد ہے۔ لہذا اس نور کی بھی ایک علت باقی ہے۔ ہاں! اس مقام پر یہ تصور شامل رکھنا ضروری ہے کہ آسمانوں میں بھی زمین کی صفت کے اعتبار سے "قوت کلام۔۔۔ قوت بصر۔۔۔ دیکھنا۔۔۔ سننا۔ فہم۔ ارادہ پایا جاتا ہے۔ جس کی خود قرآن سے شہادت ملتی ہے۔ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ[۱] فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ[۲] ○ (پارہ ۲۴ سورۃ ۴۱ آیت ۱۱)

۱؎ وَهِيَ دُخَانٌ آسمان کے متعلق "دھواں" کا تصور دیا گیا۔ یہ تصور تمثیلی ہے۔ کیونکہ اصل دھواں مادی "ارضی" کیفیت ہے۔ اور آسمان یکسر نوری کیفیت ہے۔ نوری کیفیت مادی "دھواں" سے متصف ہونا ۔۔۔۔ یا تصور کرنا خلاف فطرت ہے۔ جبکہ آسمان یکسر نور ہے۔ ۔۔۔۔ وَهِيَ دُخَانٌ سے مراد۔ ایک نوری فضا جو تمثیلی تصور میں ۔۔۔ دھویں کی مانند فضا تصور میں لائی جاسکتی ہے۔ ورنہ حقیقتاً آسمان دھویں کے تصور میں نہیں لایا جاسکتا۔

۲؎ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ تم دونوں "آسمان" "زمین"۔ اس مقام پر آسمان کے مقابلہ میں زمین کی حیثیت دونوں میں ۔۔۔۔ دو کی ہے ۔۔۔۔ مگر آسمان کل کی حیثیت رکھتا ہے ۔۔۔۔ جبکہ آسمان سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کا مجموعہ تصور ہوتا ہے اور زمین آسمان اول کے اجزا۔ تمام ستاروں میں جز کی حیثیت رکھتی ہے ۔۔۔۔ زمین کو آسمان کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت دینا اس تصور کے ساتھ ہے کہ باقی سیاروں کے مقابلہ میں زمین کی اطاعت محض انسانی تخلیق کی خصوصیت اور اس کی اطاعت کی خصوصیت کے تصور میں مخصوص کی جاتی ہے۔

پھر متوجہ ہوا آسمان کی طرف اور وہ دھوئیں کی فضا کی مانند (ایک نوری دھواں) تھا پس کہا میں نے آسمان اور زمین سے میری طرف آؤ خواہ رضا سے خواہ جبر سے۔ کہا انہوں نے ہم آتے ہیں مطیع ہو کر۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان پر حکم جاری کیا کہ میرے سامنے محکوم ہو کر حاضر ہو جاؤ تو انہوں نے کہا ہم محکوم ہو کر تیرے آگے سر بسجود ہوتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ کا کلام آسمانوں کا سننا، جواب دینا (بولنا) دیکھنا--- فہم--- ارادہ ثابت ہوتا ہے--- دوسری آیت میں بھی اس امر کی واضح شہادت ملتی ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى
وَاسْتَكْبَرَ۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝

دوسری آیت اس سے واضح ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ -
قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

ان آیات میں اللہ کا کلام سننا--- ملائکہ (نوری آسمانوں کی ہیئت) کا کلام کرنا۔ قَالُوْا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ--- "کلام سننا"--- اَتَجْعَلُ فِيْهَا دیکھنا۔ يُفْسِدُ فِيْهَا۔ "فہم"۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ ارادہ اختیار۔ یہ صفات نوری وجود کی ہی تصور کی جاتی ہیں۔ اس کے ساتھ ناری وجود میں ان صفات کی شہادت ناری قوت کے اظہار سے ثابت ہوتی ہے۔ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔ اَبیٰ شیطان ناری وجود کی پیداوار ہے۔ ناری وجود پر حکم ہوا اُسْجُدُوْا یہ ناری وجود کا سننا ہے۔ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ۔ یہ قوت کلام۔ دیکھنا اور فہم رکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے، علت کے اعتبار سے ان قوتوں کا وجود عالم نوری سے ہی ورثہ میں آیا ہے--- لہذا ہر مقام پر ہر عالم نوری میں ان صفات کا پایا جانا یقینی ہو گا--- اور ابتدا پر نور اول میں جو کائنات کی علت اولیٰ ہے۔ اس میں بدرجہ اولیٰ ان صفات کا حامل ہونا یقینی ہے۔ جیسے بیج میں درخت کی صفات--- علت اولیٰ--- نور ابتدائی--- خود نور احد کی معلول ہے--- اور فطری تخلیق کے تابع ہر معلول کیلئے علت کا وجود ثابت ہونا ضروری ہے--- علت اولیٰ کے لئے بھی بحیثیت معلول ایک علت کا ہونا ضروری ہے۔ جب ہر معلول کیلئے ایک علت کا لازمی تصور قائم ہو جاتا ہے--- یہ علت جو نور ابتدائی کی علت تصور کی جاتی ہے--- اس کی صفات پر اس علت کی ہیئت کے تصور میں بھی ان خصوصیات کو سامنے رکھنا ہے کہ اس

علت میں قوت سمع--- قوت بصر جسے قرآن نے سَمِیۡعٌ بَصِیۡرٌ کی صفت میں ذکر کیا۔
لَا تُدۡرِکُهُ الۡاَبۡصَارُ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ (پارہ ۷ سورۃ ۶ آیت نمبر ۱۰۳)
اسے آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا نہ اس کا تصور عقلی ہیئت میں پایا جاسکتا ہے۔ کیونکہ وہ لَطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ وہ نور محض ہے۔ نور محض لطیف ہیئت میں ادراک میں نہیں آسکتا۔ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ وہ اپنی نوری ہیئت کے اعتبار سے کائنات کی ہر شے کا ادراک رکھتا ہے--- اس حال میں کہ وہ مثل انسان مادی آنکھ--- مادی کان--- مادی زبان--- مادی ذہن سے منزہ ہے کیونکہ ان قویٰ کا ہونا--- مادی ہیئت سے متعلق ہے۔ اس کے مقابل۔ ملائکہ سے بھی بغیر ان قویٰ کے نوری حیثیت میں قوت کلام--- سمع--- بصر۔ فہم و ارادہ کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی طرح اس علت سے بھی ان صفات کا اظہار ہوتا ہے کہ اس علت میں قوت فہم و ارادہ کائنات کے مقابلہ میں بدرجہ اولیٰ پایا جانا لازمی ہے اور اسکے ساتھ ہی اس علت کی ہیئت میں وسیع وسعت (حجم، طول و عرض)--- وسیع تپش--- وسیع روشنی اس حد تک وسیع کہ اگر اس وجود میں اس کی حد پانے کے لئے پرواز کی جائے تو اس قدر لامحدود وسعت اختیار کر جاتی ہے--- کہ غیر معین زمانہ تک باز گشت کی جائے تو اس کی حد میں کہ کب سے تھا کوئی حد تصور میں نہیں آتی--- لازم ہے کہ فطری تخلیق کے اعتبار سے اس علت کی پیدائش کی حد کی علت کا ایک تصور قائم ہونا چاہیئے لیکن اس علت میں ارادہ و فہم کا تصور سامنے رکھا جائے۔ تو ان قوتوں کے استعمال کی صورت میں یہ علت اپنے ارادہ و فہم کو استعمال کرنے کا حق رکھتی ہے کہ اس علت کا اپنا ارادہ استعمال ہوا۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔

میں اپنی ذات سے ایک معلول پیدا کروں جیسا کہ ہمہ اوست کی ابتدا میں تفصیل پیش کی گئی۔ تو اس مقام پر جب اس علت کا ارادہ و فہم استعمال ہوا۔ تو یہی علت نور اول اور کائنات کے وجودوں کی خالق تصور کی جائے گی۔ اس حال میں کہ یہ علت اتنی وسیع تصور کی جاتی ہے کہ اس علت کی حد کا تصور قائم ہوتا ہے نہ اس کی حد سامنے آتی ہے۔ اس علت کو علت لامحدود قرار دیا جاتا ہے اور جہاں تک اس وجود کی تحقیق و فکر ہیں۔ فکر کی پرواز کو کوئی حد نہیں ملتی تو انسانی فکر حیرت و درماندگی میں پڑ جاتی ہے۔ حیرت و درماندگی کے تاثر کو عربی میں اللہ سے تعبیر دیا جاتا ہے یعنی اللہ کے معنی ہیں کہ جس ذات کی تحقیق و فکر میں غور کیا جائے کہ "زمان" کے تصور میں کب سے تھا۔ مکان (وسعت) کے تصور میں کتنا وسیع ہے اور جب اس کے زمان و مکان میں کسی مقام پر ذہن قرار نہیں کرتا تو غیر معین زمان و مکان میں انسانی ذہن بے بس ہو کر حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ چنانچہ نسل انسانی میں ہر قوم کے محققین

نے اس علت کے لئے یہی تاثر پایا تو اس علت کو الہ۔ ولہ۔ الہیات۔ لہ اور اللہ۔ کی صفت سے پکارا۔ جس کے معنی حیرت و درماندگی میں ڈالنے والا۔ یہی وہ ذات ہے جو علت اولیٰ کا بنیادی نور "وجود" ہے اور اسی ابتدائی نور سے تمام کائنات کا وجود مخلوق اور فانی بنا۔۔۔ اس ترتیب میں یہ کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے کہ بنیادی حیثیت میں ہر شے کے بنیادی وجود۔ میں اللہ کا نور ہے۔ اس لئے کائنات کے تصور میں ہمہ اوست کا تصور پایا جاتا ہے۔ لیکن کائنات اللہ نہیں بن سکتی۔ کہ کائنات کی ہر شے فانی ہے اس لئے اس کائنات کے وجود میں اس کے بنیادی وجود میں نور ابتدائی کو بنیادی وجود قرار دے کر اسی نور کی پہچان کی جاتی ہے تو ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوقی ترتیب "ہمہ در اوست" پر فکر کرنے سے کائنات کی ہر شے کے وجود میں۔ نور اول۔۔۔ نور ابتدائی۔۔۔ نور مخلوقی کا وجود ہی نظر آتا ہے۔۔۔ اور یہی نور ہر معلول میں پہچانا جاتا ہے۔۔۔ اس پہچان کو عربی میں حمد سے تعبیر دیا جاتا ہے اور جب کائنات کی ہر شے میں بنیادی وجود نور اول پہچانا گیا تو اس نور کو عربی اصطلاح میں مُحَمَّد سے تعبیر دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے، کہ جب تک نور محمدی ﷺ کو کائنات کی ہر شے کے وجود میں تصور میں نہ لایا جائے۔ ہمہ اوست کے تصور میں ہر شے کو اللہ کے تصور میں لانا لازم ہو گا۔ جو کہ شرک کے مترادف ہو گا۔ البتہ اللہ کے نور کے مقابلہ میں کائنات کے وجود کو مخلوقی حیثیت میں ایک علیحدہ حیثیت دے کر اسے نور اول نور محمدی ﷺ سے نسبت دینے سے یہ نقص ختم ہو جاتا ہے کہ باوجود نور الٰہی بنیادی وجود ہونے کے ارادہ الٰہی۔۔۔ اور منصوبہ الٰہی میں یہ ترتیب مقرر ہے کہ نور اول سے کائنات کی ہر شے کا وجود ہو تو ایسی صورت میں جب کائنات کے وجود کو اس کی بازگشت میں عدم کیا جائے تو اس مقام پر ہر شے کی نفی (لا) ہو جاتی ہے۔۔۔ تو باقی (بقا) محمد کا وجود تصور میں آتا ہے۔ اس مقام اس تخلیقی ترتیب کے تصور میں۔ کائنات کیلئے بجائے ہمہ اوست کے ہمہ محمد کا تصور قائم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ کائنات کی فطری تخلیقی ترتیب میں کائنات کی ہر شے کے بنیادی مرکب میں نور اول (نور محمدی ﷺ) کی پہچان ہوتی ہے۔ اس طرح جب نور محمدی ﷺ کو اس کی بازگشت میں نور الٰہی میں فنا کیا جائے تو یہ نور فنا فی اللہ ہو کر نور الٰہی کے تصور میں آتا ہے۔ البتہ ابتدائی مقام پر جہاں کائنات کو محمد ﷺ کے نور میں فنا و عدم کیا جائے تو اللہ سے سوا محمد ﷺ باقی رہ جاتا ہے۔ تو اس ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ کائنات کے عدم سے محمد ﷺ کے نور میں فنا ہونا مقرر ہے۔۔۔ اور خود محمد ﷺ کے لئے ہی فنا فی اللہ ہونا مقرر ہے۔ اس حال میں کہ کل کائنات محمد ﷺ کے نور میں فنا ہو کر محمد کی ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ اس حیثیت

میں کائنات کے فنا فی اللہ ہونے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ لہذا ہمہ اوست اور ہمہ در اوست کے نتیجہ میں جو تصور قائم ہوتا ہے۔ وہ کائنات کے عدم تصور ہونے کی صورت میں حرف لا (اللہ احد کے سوا کسی وجود کا کوئی مستقل وجود متصور نہیں) حرف اِلّا اللہ ہی ہے۔ اور جو دوسرا وجود ایک علیحدہ حیثیت میں "کائنات کی شکل میں" پایا جاتا ہے۔۔۔ اِلَّا اللہُ۔۔۔ اللہ کے سوا۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اللہ کے نور سے پیدا کی گئی جز نور محمدی ﷺ ہے۔ جس کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ وَخَلَقَ کُلَّھُمْ مِّنْ نُّوْرِیْ ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جو بنایا۔۔۔ وہ میرا نور ہے۔۔۔ اور یہی نور کائنات کے تمام وجودوں کی علت قرار دی جاتی ہے جو محمد کی صورت میں کائنات کے ہر وجود کا بنیادی وجود ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے سوا کسی اور وجود کا تصور باقی نہیں رہتا۔ اللہ خالق اور محمدؐ مخلوق اس کے سوا کچھ نہیں (لا)۔

روحانی اور مادی محقق میں فرق

حضور قبلہ عالمؒ فرماتے ہیں۔۔۔ کہ فکر دو طرح سے ہے ایک عقلی استدلالی۔۔۔ اس کی تفصیل ہمہ در اوست میں وضاحت سے بیان کی گئی۔ دوسری قلبی یا روحانی۔۔۔ عقلی محققین اسی عقلی ترتیب سے کائنات اور اللہ کا موہوم تصور قائم کرتے ہیں۔۔۔ لیکن عقل آنکھ اور کان کی محتاج ہے۔۔۔ کہ بغیر آنکھ کے عقل سے علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ آنکھ کا ادراک محدود ہے۔۔۔ اس عالم نورانی کی کیفیات کا حقیقی تصور نہیں پا سکتی۔۔۔ کہ ان کیفیتوں کی اصل ماہیت کیا ہے سوائے اس کے روحانی حیثیت میں ان کیفیتوں کا عین الیقین اور حق الیقین کی حد تک ادراک و علم حاصل کیا جائے۔۔۔ یہی طریق ہے جسے طریقت سے تعبیر دیا جاتا ہے کہ ولی روحانی قوت سے ان تمام کیفیتوں کا ادراک و علم حاصل کرتا ہے۔ اس کی ترکیب یہ ہے جیسا کہ بیان ہوا کائنات تین کیفیتوں سے مرکب ہے پہلی ازلی کیفیت نور۔۔۔ دوسری نور کی تنزلی منقسم (ANALYSED) کیفیت نار۔۔۔ تیسری نار کی تنزلی کیفیت خاک ان ہی تین کیفیتوں سے انسانی وجود مرکب ہے۔۔۔ نور (روح رحمانی) نار (روح حیوانی) خاک (جسم)۔۔۔ جسم کی وسعت علمی عالم خاکی تک ہے۔۔۔ روح حیوانی کی رسائی اور علمی وسعت۔ عالم ناری کے تمام سیاروں تک ہے۔۔۔ روح رحمانی کی رسائی اور وسعت علمی۔۔۔ عالم نوری۔۔۔ نور ابتدائی تک وسیع ہے۔۔۔ انسان جسمانی حیثیت میں حواس و عقل سے عالم خاکی تک کا ادراک کر سکتا ہے۔۔۔ روح حیوانی۔۔۔ روحانی حیثیت میں

اپنی صفت ناری کے مطابق تمام سیاروں میں پرواز کر کے ان کے وجود کا علم حاصل کر سکتی ہے--- اور روح رحمانی روحانی حیثیت میں اپنی صفت نوری کے مطابق--- تمام عالم نوری کا ادراک کر سکتی ہے--- اس ادراک کا طریق "فنا" کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یعنی ہیئت تبدیل کرنا ہے۔

اس کی مثال ایسے ہے کہ انسان آج سے چار کروڑ سال ماضی بعید کی کیفیت کا ادراک کرنا چاہتا ہے تو روح حیوانی کے ذریعہ اس زمانہ کا تصور کیا تو اس کے مشاہدہ میں اس زمانہ کی تمام کیفیت کہ زمین کی ہیئت کیسی تھی۔ اس پر کیا کیفیتیں پہاڑ، درخت، دریا، حیوانات، جمادات وغیرہ موجود تھیں۔ ان سب کیفیتوں کا ادراک عین الیقین کی طرح مشاہدہ میں آتا ہے۔ ان سب کیفیتوں کا ادراک عین الیقین کی طرح مشاہدہ میں ہوتا ہے یہ مشاہدہ ناری روح (روح حیوانی) کے ذریعہ (جس کا مخزن دماغ ہے) ہوتا ہے کہ روح کا فضائے ایتھری (ETHER) کی ان کیفیات پر احاطہ ہو جاتا ہے۔ جو اس زمانہ کی کیفیت۔ قوت ایتھر میں محفوظ ہیں--- تو اس زمانہ کی تمام کیفیت اسی ہیئت میں مشاہدہ میں آکر ماضی بعید کے واقعات و کیفیات کا علم و مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان فضائے آسمانی کے اس سورج کا ادراک حاصل کرنا چاہتا ہے جو اس سورج کی علت اربوں میل دور فاصلہ پر ہے تو اس کے تصور کے ساتھ روح حیوانی کا "ایتھر کے ذریعہ" اس سورج سے رابطہ ہو جاتا ہے اس وقت انسانی ذہن پر اس سورج کا عکس آجاتا ہے۔ اس حالت میں روح ناری اس سورج کی ہر کیفیت کا مشاہدہ عین الیقین کی صورت میں، رنگ و ہیئت۔ وسعت، تپش، روشنی کا مشاہدہ کر کے اس سیارہ کی اصل ماہیئت کا علم حاصل کر لیتی ہے۔ یہی فرق مادی محقق اور روحانی محقق کا ہے کہ مادی محقق کے پاس سوائے مادی ذریعہ (حواس و عقل) کے اور کوئی ذریعہ قابل استعمال نہیں۔ عقلی طور زوہ اس کا احساس کرتا ہے لیکن آنکھوں سے دیکھے بغیر اس ہیئت کا حقیقی تصور عین الیقین کی صورت میں نہیں کر سکتا۔ ایک شخص سنتا ہے کہ آسمان میں ایک سیارہ ہے مگر اس کے پاس سیارے کے وجود کو تسلیم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جب تک کہ اس وجود کو آنکھوں سے نہ دیکھے۔ ولی روحانی حیثیت میں، روح کے ذریعہ اس وجود کو اس کی تمام صفات کے ساتھ مشاہدہ کر لیتا ہے۔ یہی کیفیت روح رحمانی کی ہے کہ روح حیوانی عالم ناری (سیاروں) سے ماوریٰ عالم نوری آسمانوں تک رسائی حاصل نہیں کر سکتی اس عالم نوری کا ادراک روح رحمانی سے ہوتا ہے--- انسان آسمان اول یا ہفتم کی کیفیت جاننا چاہتا ہے تو وہ اس آسمان کا تصور کرتا ہے۔ تصور سے ایتھر (ETHER - ایتھر نوری) کے ذریعہ

روح کا ساتویں آسمان سے رابطہ[۱] ہو جاتا ہے تو انسانی قلب پر ساتویں آسمان کا وجود منعکس ہو جاتا ہے تو اس روح کے ذریعہ عین الیقین کے ذریعہ ساتویں آسمان کی نوری ہیئت۔۔۔ اس میں مخلوق ملائکہ اور جو کچھ اسرار اس میں ہیں مشاہدے میں آتے ہیں۔ یہ ایک صورت روح سے "ایتھر کے ذریعہ" رابطہ رکھنے سے کیفیات نوری، خاکی کا علم حاصل کرنے کی ہے دوسری صورت روح کا "عروج" یعنی ان تک رسائی پا کر (بغیر ایتھری ذریعہ کے) ان کے وجود کا احساس کرنا۔ اس طریق میں "فنا" کا طریق استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ قبلہ عالم فنا کے متعلق فرماتے ہیں۔

چیست معنی فناء نزد ولی
محو شدن صفتِ او جلّی خفی
یعنی ہمہ اوصاف کہ دارد بشر
محو شدہ ظاہر آید چوں حشر
کردہ ہمہ اوصاف بشری را فنا
از اوصافِ ذاتِ حق باحق پناہ

اصول طریقت میں فنا سے مراد روح کا اپنی جنس سے رابطہ و اتصال کر کے اپنی جنس میں ضم ہونا۔۔۔ اس حال میں کہ روح کا وجود اسی جنس سے پیدا ہوا۔۔۔ مثال کے طور پر روح حیوانی۔۔۔ ناری سیاروں کی جنس سے معلول ہوئی اور اب انسان۔۔۔ تصور و رابطہ سے ناری ہیئت (مثال آفتاب) سے اتصال کرتا ہے کہ اپنی بازگشت میں "تزکیہ نفس سے" آفتاب میں ضم ہو کر آفتاب کی "ابتدائی" ہیئت اختیار کر جاتا ہے لہذا مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ کے ارشاد کے مطابق ایک شاہد کو اپنا وجود آفتاب میں ضم ہو، بذاتہ آفتاب محسوس ہوتا ہے اس حال میں کہ آفتاب کی تمام ہیئت پر اسے ادراک ہو جاتا ہے۔ کہ آفتاب کی ہیئت کیا ہے؟۔ اس کا مرکب کیا ہے؟ اس مرکب میں کون سے اجزا پائے جاتے ہیں؟ اسی طرح آفتاب کا وجود پانے کی حیثیت میں انسان۔۔۔ آفتاب کی علت کا تصور کر کے اس آفتاب سے رابطہ کرتا ہے۔ تو تزکیہ نفس سے وہ علتِ آفتاب سے اتصال کر کے اس آفتاب میں ضم ہو جاتا ہے۔

---

[۱] یہ جاننا ضروری ہے کہ اس طریقِ مشاہدہ میں روحِ رحمانی۔ مقامِ قلب میں رہ کر دور سے قوتِ ایتھری کے ذریعہ آسمانی ایتھر (نوری ایتھر) سے رابطہ قائم کر کے عکس حاصل کرتی ہے۔

اس تصور میں کہ اپنی روح حیوانی کو عدم تصور کرتا ہے اور اسی جسم[1] میں محسوس کرتا ہے جس میں وہ ضم ہوا۔ اس ترتیب کو فنافی النار، فنافی الشمس سے تشبیہہ دیا جاسکتا ہے اور اس فنا کی حد آسمان دُنیا کے ستاروں تک محدود ہے البتہ روح حیوانی۔۔۔ حقیقتاً۔۔۔ نوری آسمان کی درجہ بدرجہ معلول ہے۔ کیونکہ ہر معلول اپنے پیشرو وجود۔ (علت) کی پیداوار ہوتا ہے۔۔۔ نار نور کی پیداوار ہے۔ اس مقام پر جہاں آسمان اول کا تصور ابتدائی کیا جائے۔ تو لازمی طور پر آسمان دنیا سے پیدا ہوئی کیفیت کا وجود اس میں سمایا ہوتا ہے جو درجہ بدرجہ اپنے وقت اور اپنے مقام پر پیدا ہوتا ہے۔۔۔ مثال کے طور حال کا ایک بیج۔۔۔ ماضی کے بیج (ذرہ) کا معلول ہے جس زمینی ذرہ سے اس بیج کی ابتدا ہوئی گویا اگر اس ابتدائی بیج میں حال کے بیج کا سواد موجود نہ ہوتا۔ تو اس بیج کا پیدا ہونا ممکن نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح حال کے بیج میں ایک ہزار سال مستقبل زمانہ کی مدت تک پھیلنے کی قوت پائی جاتی ہے تو مستقبل زمانہ کی مدت کا بیج حال کے بیج میں موجود ہو تو پیدا ہوگا۔ اگر نہیں ہو۔ تو اس وقت بیج کا وجود موجود ممکن نہیں، حاصل یہ کہ ماضی کے وجود میں، حال و مستقبل کا جس قدر وجود موجود ہو۔ وہی وجود اپنے زمانہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے آسمان دنیا میں جس قدر سیاروں کا وجود موجود ہوا نہیں، وجودوں کے مطابق سیارے پیدا ہوں گے۔ ظاہر ہوا ماضی میں تمام سیاروں۔ آفتاب، زمین کا وجود آسمان دنیا میں موجود ہونا ثابت ہوا اور زمین میں انسان کے وجود کا ہونا ثابت ہوا۔ جو اپنے وقت پر زمین میں ظہور کرتا ہے۔۔۔ اب انسان اپنی علتوں (زمین، آفتاب، ابتدائی علتوں کے آفتابوں) میں فنا ہو کر اپنی بازگشت میں۔۔۔ آسمان دنیا تک رسائی پا کر اس میں ضم ہو کر۔۔۔ خود کو آسمان کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے۔ یہ کیفیت اسے مشاہدہ کی صورت میں محسوس ہوتی ہے۔۔۔ جیسا کہ بیان ہوا کہ ناری وجود کی حد ناری سیاروں تک ہے لیکن اس روح میں چونکہ بنیادی طور ناری روح کا بنیادی وجود بنیادی علتوں سے چلا آتا ہے اس لئے اس روح۔ روح حیوانی (ناری) کی استطاعت میں یہ خاصیت ہے کہ اگر اسے انتہائی تزکیہ حاصل ہو تو یہ ناری ہیئت سے نوری ہیئتوں میں انتقال کرنے کی قدرت رکھتی ہے۔ لیکن یہ امر انسانی قوت سے محال ہے کہ وہ اس قدر شدید تزکیہ نفس کا عمل ہوا اس لئے فطری طور پر ناری حدود سے ماوریٰ انسان روح رحمانی کو استعمال کرتا ہے۔ روح رحمانی بھی فطری

---

[1] گویا انسان اپنی بازگشت علت میں سما کر علت بن کر اپنے وجود کو ہی پہچانتا ہے ---- اپنے وجود کی فنا سے۔ خود کو پہچانتا ہے۔

تخلیق کے تابع نوری جنس کی پیداوار ہے۔ انسان کے لئے یہ آسان ہے کہ وہ روح رحمانی کے ذریعہ نوری آسمان سے تصور و رابطہ کر کے تزکیہ نفس سے نوری آسمان سے اتصال کر کے اس میں ضم ہو جائے اس مقام پر انسان خود کو عدم تصور کر کے آسمان کی ہیئت میں محسوس کرتا ہے کہ "میں آسمان ہوں اَنَا السَّمَآءُ" اس ترتیب سے روح رحمانی اپنی بازگشت میں علت در علت۔ سَبْعَ سَمٰوٰتِ کرسی---- عرش--- سدرۃ المنتہیٰ--- عالم بالا کی نوری ہیئتوں کے تصور و رابطہ سے اتصال کر کے خود کو عدم کر کے ہر ہیئت میں سَبْعَ سَمٰوٰتِ کرسی- عرش- سدرۃ المنتہیٰ- عالم بالا کی کیفیتوں میں انتقال کرتی ہے یہاں تک کہ اپنی بازگشت میں، نور اول سے تصور و رابطہ کے ذریعہ اتصال کر کے اس نور میں "فنا" حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس فنا میں انسان ہر مقام کے فنا میں- ہر مقام کی ذاتی ہیئت اس کی صفات، پیدائشی ترتیب کا عرفان کر لیتا ہے تو اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ان تمام علتوں- نوری- ناری وجودوں کی بنیادی علت نور ابتدائی ہے- یہ بنیادی نور، نور محمدی ﷺ سے تعبیر ہوتا ہے- اور وہ ان نوری ہیئتوں کے تمام اسرار و آثار کا "فنا" کی صورت میں حق الیقین کی حد تک علم و ادراک حاصل کر لیتا ہے- اس کیفیت کو بھی عرفان و معرفت سے تعبیر دیا جاتا ہے- معرفت و طریقت میں بنیادی طور پر نور محمدی ﷺ کا ظہور ہوتا ہے۔

چونکہ یہ کائنات نور ابتدائی سے بنی ہے اور ہر وجود میں اسی بنیادی نور کو پہچانا جاتا ہے۔ اس لئے اس تحقیق و فکر میں حقیقت محمدی ﷺ کا عرفان ہوتا ہے حقیقت محمدی ﷺ کے عرفان میں روح رحمانی کے نور محمدی ﷺ میں فنا حاصل ہونے سے انسان خود کو عدم کر کے نور محمدی ﷺ کی فنا میں خود کو اسی نور سے متصف پاتا ہے- تو خود کو محمد ﷺ کی صورت میں محسوس کرتا ہے تو یہ کیفیت اَنَا مُحَمَّدٌ[1] کی تاثیر میں حاصل ہوتی ہے اور نور محمدی ﷺ کی علت کے تصور میں--- جانو--- انسان محمد ﷺ کی حیثیت میں تصور و رابطہ کرتا ہے اور اس اتصال میں روح رحمانی، نور محمدی ﷺ کی ہیئت حاصل کر کے نور الٰہی میں فنا حاصل کرتی ہے--- لہذا--- لازم ہے کہ جب تک روح محمدی ﷺ کی فنا حاصل نہ ہو کوئی روح فنا الٰہی حاصل نہیں کر سکتی اور جب نور الٰہی میں فنا ہوئی تو یہ روح خود کو اللہ کے نور کی حیثیت میں محسوس کرتی ہے- اس مقام پر کل کائنات کو عدم قرار دے کر کائنات کی

---

[1] اَنَا مُحَمَّدٌ: اس فنا کو طریقت میں فنا فی الرسول سے تعبیر دیا جاتا ہے۔

نفی ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں انسان خود کو اِنّی اَنَا اللّٰہ کے تصور میں محسوس کرتا ہے[1]۔ اور ان تمام صفات سے متصف ہو جاتا ہے۔ جو صفات الٰہی۔۔۔ اللہ میں موجود ہیں۔ یہی صورت ہے جہاں انسان فنافی اللہ ہو کر اللہ کی لامحدودیت کا تصور پاتا ہے۔۔۔ اسی فنا سے ہمہ اوست اور ہمہ در اوست کی ترتیب کا عرفان ہو جاتا ہے۔ ہمہ اوست کے تصور میں۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ اگر ابتدائی فطری ترتیب ہمہ در اوست میں۔ نور ابتدائی کا تصور شامل نہ رکھا گیا تو ہر شے کائنات کو خدا کے تصور میں لا کر مخلوق کیلئے سجدہ واجب ہونا قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقتاً یہ تصور شرک قرار دیا جاتا ہے کہ مخلوق خالق کی صفت میں لائق سجدہ نہیں ہو سکتی۔۔۔ اور جب نور اول کو مخلوقی حیثیت میں کائنات کی علت قرر دیا جائے تو باوجود بنیادی نور۔ نور الٰہی ہونے کے کائنات کی حیثیت مخلوقی ثابت ہوتی ہے۔ جس کے لئے۔۔۔ خالق یا سجدہ کا تصور باقی نہیں رہتا۔۔۔ ثابت ہوا کہ ہمہ اوست کی تحقیق میں اللہ کے ساتھ محمد ﷺ کا وجود بعد از اللہ تسلیم کرنا لازمی ہے۔۔۔ اور جب تک محمد ﷺ کا تصور شامل نہ کیا گیا۔۔۔ ہر محقق کی فکر کا نتیجہ شرک پر منتج ہو گا۔۔۔

نظریہ ڈارون و نظریہ آواگون کارد اور مسئلہ وحدت الوجود

اس مسئلہ ہمہ اوست میں انسان کی ذاتی تحقیق میں مغربی علم کا نظریہ کہ انسان حیوان کی ترقی یافتہ ہیئت کہلاتا ہے۔ قرآنی دلائل سے غلط ثابت ہوتا ہے بلکہ مغربی علم (علم الہیت و سائنس) کی رو سے بھی یہ نظریہ غلط ثابت ہوتا ہے جب کہ علم الہیت کے محققین یہ تسلیم کرتے ہیں کہ کائنات کی ہر شے۔ جمادات۔ نباتات۔ حیوانات اور جملہ حشرات الارض کے ہر وجود کے لئے ایک منفرد ذرہ (روح۔ وجود) مخصوص ہوتا ہے۔ یعنی ہر وجود ایک منفرد ذرہ سے ہی اپنی ایک منفرد ہیئت اختیار کرتے ہوئے اپنی آخری جسمانی ہیئت پر قرار کرتا ہے۔ اس انتقال ہیئت میں یہ ایک ہیئت سے دوسری ہیئت اختیار کرنے کی فطری طور خاصیت نہیں رکھتا کہ چیونٹی سے مکھی بن جائے یا بلی سے شیر بن جائے۔ یا گدھے سے گھوڑا بن جائے یا کتے سے بندر بن جائے۔ یا بندر سے بن مانس بن جائے یا جیسا کہ ڈارون

---

[1] یہ فنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدس نے جسمانی حالت میں حاصل کی۔ آپ کو جسم سے فنا و معرفتِ الٰہی حاصل ہوئی۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی اور حضورؐ نے جسم سے ذاتِ الٰہی میں فنا حاصل کی۔ مخلوق یہ فنا روح رحمانی کے ذریعہ حاصل کرتی ہے۔

(DARWIN) کا نظریہ ہے کہ انسان بن مانس کی ترقی یافتہ ہیئت ہے۔ بن مانس سے انسان بنے یہ نظریہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ہے کیونکہ ہر ذرہ بنیادی حیثیت میں اپنی ایک منفرد ہیئت اور شکل و صورت رکھتا ہے۔ اسی ذرہ کی ہیئت پر اس کا جسمانی وجود ظاہر ہوتا ہے اور ہر وجود کے لئے ازلی طور ایک ذرہ مخصوص ہوتا ہے۔ یہ ذرہ "روح" کی حیثیت رکھتا ہے۔۔۔ یہی روح مٹی کے ذرات میں مل کر جسمانی شکل اختیار کرتی ہے جیسا کہ مغربی محققین کی تحقیق سے یہ امر پایہ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ کائنات نوری۔ ناری۔ خاکی ہر قوت در حقیقت ناری۔ نوری۔ خاکی ذرات کا مجموعہ ہے۔ اور ہر ذرہ کی اپنی ایک علیحدہ اور منفرد حیثیت۔ ہیئت۔ شکل و صورت ہوتی ہے۔ جو نہ ایک دوسرے کے ساتھ مماثلت رکھتی ہے نہ ایک ذرہ دوسرے ذرہ میں انتقال کرنے کی خاصیت رکھتا ہے۔ اس طرح نظریہ ڈارون کے مطابق۔۔۔ انسان کی پیدائشی حیثیت یہ ہے کہ انسان کے لئے بھی ایک ذرہ مخصوص ہے۔۔۔ یہ ذرہ حقیقتاً انسانی روح سے موسوم ہے۔ یہی ذرہ تُمۡنُوۡنَ میں انسانی ہیئت اختیار کر جاتا ہے۔ البتہ انسانی ذرہ اپنی ابتدائی ہیئت سے لے کر بشری شکل اختیار کرنے تک ذرہ سے لے کر انسانی ہیئت تک ارتقاء کرنے میں مختلف ہیئتوں میں محسوس ہوتا ہے۔۔۔ اس کے مقابل بن مانس بھی ایک ذرہ سے لے کر بن مانس کی ہیئت تک جسمانی ارتقاء و انتقال میں سے گذرتا ہے یہاں تک کہ بن مانس کی ہیئت پر قرار کرتا ہے۔۔۔ اس فطری ترتیب پیدائش میں دونوں وجود ایک ہی ہیئت میں عروج کرتے ہیں۔ اس وجہ سے بن مانس اور انسان کے وجود میں صرف شکل و صورت میں مماثلت محسوس ہوتی ہے مگر ہر ذرہ کے منفرد ہونے کی حیثیت میں دونوں وجودوں میں، وجودی مماثلت نہیں ہو سکتی۔ ہم شکل ہونے کی صورت میں بن مانس کی اپنی حیوانی صفت انسانی وجود کے برابر نہیں۔ بلکہ بن مانس کا اپنا۔ علیحدہ وجود ہے اور انسان کا اپنا الگ وجود۔ بن مانس کے ذرہ کا اپنی ہیئت کے مطابق اس کا ارتقاء بن مانس کی ہیئت، شکل و صورت پر ختم ہو جاتا ہے اور اس شکل و صورت میں اگرچہ انسان بن مانس کے مشابہ محسوس ہوتا ہے مگر اس کا جسم انسانی ہوتا ہے جو انسانی شکل بشری تک عروج کر کے مکمل ہو جاتا ہے۔ اسی کیفیت کو محسوس کرتے ہوئے۔ ڈارون کی عقل ٹھوکر کھا گئی اور اس نے شکلی مماثلت کی بناء پر یہ دھوکہ کھایا کہ بن مانس کی ترقی اس کے آخری وجود پر باقی رہ کر انسانی ہیئت اختیار کر جاتی ہے۔ حالانکہ فطری تخلیق کے تابع بن مانس کا ذرہ منفرد حیثیت میں بن مانس کی شکل پر ظہور کر کے اپنی ہیئت کی تکمیل کرتا ہے۔ اس میں انسانی ہیئت میں انتقال کرنے کی خاصیت موجود نہیں ہوتی۔

ہمہ اوست کے نظریہ میں--- ہند و فلسفہ- "وحدت الوجود" کا مسئلہ بھی آتا ہے- کہ کائنات کی ہر شے میں بنیادی وجود اللہ کا نور ہے- اسلئے ہر شے کی پوجا- "سجدہ" جائز ہو سکتا ہے- اس غلط نظریہ کا سبب یہی ہے- کہ کائنات کی ابتدائی تخلیق کے علم پر احاطہ نہ کیا گیا- کہ کائنات کی بنیادی علت- نور ابتدائی- نور اول- قرار دی جاتی ہے- اس تخلیقی عمل میں- نور اول- نور محمد ﷺ کا تصور شامل نہ رکھا گیا- جو کائنات کی تخلیق کا بنیادی نقطہ ہے- اسلئے انکا عمل شرک قرار دیا جاتا ہے اسی بنیادی ٹھوکر پر انسانی تخلیق کی ابتدائی ترکیب کا علم نہ ہونے کے سبب- جبکہ ان کے نزدیک ہر وجود کیلئے اسکی پیدائش پر ایک روح پھونکی جاتی ہے- جو اپنے عمل کے مطابق دوبارہ حیوانی شکل میں ظہور کرتا ہے--- نظریہ آواگون پیدا کیا گیا--- اس کی تصدیق میں ہند و فلسفہ اسلامی نظریہ تخلیق آدم میں علماء اسلام کے نظریہ آدم سے حمایت حاصل کرتا ہے- کہ بعض علماء اسلام کے نزدیک انسانی جسم پتلے کی شکل میں بنایا گیا اور اس میں جسم کی تکمیل کے بعد روح پھونکی گئی- اس تائید کی روشنی میں ہند و فلسفہ کا نظریہ یہ ہے کہ ایک انسان کی روح دوسرے انسان یا حیوان (اپنے عمل کے مطابق عروج و تنزل کی صورت میں) میں حلول کر کے نئی صورت میں پیدا ہوتی ہے یا جنم لیتی ہے- حالانکہ تخلیق کے مطابق یا قرآنی نظریہ تخلیق کے مطابق یہ نظریہ قطعاً غلط اور بے بنیاد ثابت ہے- جب کہ فطری طور پر ہر حیوان کے لئے اپنا ایک منفرد وجود- روح و جسم مخصوص ہے تو ایسی صورت میں نہ کوئی ایسی روح ہو سکتی ہے جس کے لئے کسی دوسرے حیوان یا انسان میں حلول کرنے کی گنجائش ہو- نہ کوئی جسم ہو سکتا ہے جس کے لئے خارج سے کسی روح کے حلول ہونے کی گنجائش ہو اصولی طور--- ہر وجود کی عملی زندگی میں اس کا ایک نتیجہ ہوتا ہے وہ یہ کہ قانون فطری کے مطابق ہر وجود حیوانی- ناری ذرہ (روح) سے اپنے وجود کو عروج کر کے اپنی جسمانی ہیئت میں مکمل ہو جاتا ہے--- اس کی عملی زندگی اس کے آخری وجود پر ختم ہو کر ہر شے اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتی ہے--- لہذا ہر حیوان کا جسم اپنی اصل مٹی میں جذب ہو جاتا ہے اور اس کی روح چونکہ زمین کی ناری ہیئت کی جز ہوتی ہے لہذا یہ روح بھی اپنی اصل میں جذب ہو جاتی ہے- ایسا نہیں کہ یہ روح کسی اور جسم میں متشکل ہو کر نیا جسم اختیار کرے- (علم الھیئت کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے زمین کی ناری ہیئت ایشر (ETHER) کے مشابہ ہوتی ہے- یا بہ الفاظ دیگر ہر حیوان کی روح ایشری قوت کی جز ہے) اس لئے ہر حیوان کی روح اپنی اصل ایشری وجود میں تحلیل ہو کر سما جاتی ہے اور انسان کی روح بھی زمین تر کی صلصالی قوت ایشری سے مشابہ ہے- یہ ناری ہیئت ہے اسلئے انسان کی روح

اپنی جنس ایشر (برج) میں داخل ہوتی ہے۔ ایشری قوت کی وسعت ناری۔ نوری قوت تک وسیع ہے۔ بہ الفاظ دیگر ایشر ایک کائناتی قوت ہے جو عالم نوری میں نوری ایشر سے موسوم ہے ناری عالم میں ناری ایشر سے موسوم ہے۔ اور خاکی (ارضی) عالم میں ارضی ایشر سے موسوم ہے اسی ناری ایشر[1] کی ایک اعلےٰ جز انسانی روح کیلئے مخصوص کی گئی۔ جو انسانی روح سے تعبیر ہے۔ اسی ایشر کے تصور میں، عالم نوری کی ابتدا نورالٰہی سے ہوتی ہے۔ نورالٰہی کے ایشر کے تمثیلی تصور میں ہند و فلسفہ میں ایشور کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ دراصل ہند و فلسفہ میں ایشور کا تصور اسی ایشر کے تصور سے قائم کیا گیا۔ لہذا یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ ہر روح

---

[1] اس ایڑ کے متعلق قرآن نے واضح بیان پیش کیا۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ○ (پارہ ۱۵ سورۃ ۱۷ آیت ۸۵) اہل تورات "یہود" اہل انجیل "نصاریٰ" آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ اس غرض سے کہ نبی اور رسول کے لیے انہیں بطور دلیل روح کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ ایسا نہیں۔ اگر آپ انہیں روح کی حقیقت سے آگاہ بھی کردیں تو یہ اس حال میں بھی آپ پر ایمان نہ لائیں گے اور یہ ضروری نہیں کہ روح کی حقیقت سمجھنا یا بتانا نبوت یا رسالت کی دلیل سمجھا جائے۔ جب تک کہ آپ کی ذاتی شخصیت پر بغیر دلیل (اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی صورت میں) ایمان نہ لائیں۔ ان کے لیے اتنا بتانا کافی ہے۔ ہر روح (نوری، ناری) میرے رب کے حکم سے بنی ہے کہ ہمہ اوست کی ترتیب کے مطابق تخلیقی ترکیب میں ہر وجود نوری، نوری ذرات کا مجموعہ ہے۔ اسی طرح ناری وجود بھی ناری ذرات کا مجموعہ اور مرکب ہے۔ انہی ذرات میں اللہ اپنے ارادہ و حکم سے بعض ناری ذرات کو مخصوص وجودوں کی ہیئت میں منتخب کرکے ایک علیحدہ ہیئت دیتا ہے۔ جیسے ملائکہ اور جنات وغیرہ۔ یہ وجود بھی روح سے موسوم ہے۔ جیسے ملائکہ کو قرآن نے روح سے تشبیہ دیا۔ اور جو علم تمہیں انبیاء و محققین سے روح کے متعلق ملا ہے تم اس علم پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دلیل نبوت چاہتے ہو۔ یہ تمہارا علم خود محدود ہے۔ تمہیں خود روح کے متعلق کلی علم حاصل نہیں۔ اس محدود علم پر نبی کی نبوت کی دلیل بیا ب ۔۔۔نا ہے۔ تم روح کی حقیقت سے ابھی کاملاً آگاہ نہیں ہو۔

اپنی اصل کی طرف رجوع کر کے اپنی اصل میں ضم ہو جاتی ہے۔ انسان کی دو روحیں --- روح رحمانی۔ نوری وجود کی جز ہے --- ناری روح "روح حیوانی" ناری وجود کی جز ہے اور جب کہ انسان کے لئے عبادت کی صورت میں اس کا ایک خصوصی عمل مقرر کیا گیا ہے۔ جیسا اس کے عمل سے اس کی روح عروج پاتی ہے اس کے عمل کے مطابق ناری روح اپنے عروج میں ناری وجود میں اعلے و ادنیٰ مقام پاتی ہے۔ نیک عمل ہو تو اس کی وسعت نوری وجود تک ہوتی ہے۔ اس مقام کو شریعت اسلامی عَلِّیِّیْنَ سے موسوم کرتی ہے بد اعمال ہوں تو اس کی ناری روح تنزل پذیر ہو کر خاکی ایثر "جس ایثر میں حیوانوں کی روح جذب ہوتی ہے" میں اندھیرے میں مقید ہو جاتی ہے اس مقام کو شرعی اصطلاح میں سِجِّیْن کہا جاتا ہے --- یہ ایک فطری عمل ہے کہ انسان اپنی دنیوی زندگی میں جو نتیجہ حاصل کرتا ہے اسی نتیجہ کے مطابق عالم ایثری میں اس کا مقام ہوتا ہے اور انسانی زندگی میں اس کے عمل کا ایک تعین ہے کہ وہ ایک بار دنیوی زندگی میں روح و جسم کے اتصال سے عمل کر کے اپنی موت پر ایک متعین مقام حاصل کرتا ہے جس کے بعد اس کی عملی زندگی ختم ہو جاتی ہے اس کے بعد اس کی عملی زندگی کو دوبارہ عمل کا موقع نہیں ملتا۔ اس لئے ہر انسانی زندگی اپنے عمل کے مطابق، نور و ظلمت میں مقام حاصل کر کے اپنے مقام میں پابند و مقید ہو جاتی ہے۔ اس مقام کو عالم برزخ سے موسوم کیا جاتا ہے۔ حقیقتاً عالم برزخ ناری عالم کا ناری مقام "وجود" ہے۔ ہر انسان کی روح اسی ناری وجود کی جز ہوتی ہے۔ بعد موت ہر انسان کی روح عالم ظاہری سے منتقل ہو کر اسی عالم میں جذب "داخل" ہوتی ہے۔ اور پھر کسی روح کو کسی مقام پر حاضر ہونے کا اختیار یا قدرت نہیں (جیسا کہ محققین مغرب حاضرات ارواح کا کھیل کھیلتے ہیں) نہ کسی وجود میں (ہندو نظریہ آواگون کے عقیدہ کے تحت) حلول ہونے کا موقع آتا ہے۔ اس حال میں کہ ہر وجود کے لئے اپنی ایک منفرد روح پہلے ہی موجود ہوتی ہے۔ جس روح سے اس وجود کی تخلیق (پیدائش) ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں ہندو عقیدہ۔ آواگون۔ ایک غلط نظریہ ہے۔ جبکہ فطری تخلیقی عمل کے مطابق کسی روح کیلئے کسی وجود میں داخل یا حلول ہونے کی گنجائش نہیں اور جب گنجائش نہیں تو آواگون کا نظریہ خود بخود رد ہو جاتا ہے --- لہذا --- سوائے اس کے نہیں کہ ہمہ اوست کے تصور میں ہمہ در اوست کی ترتیب میں --- نور الٰہی بہ اعتبار لا محدود واحد ہونے کے اشیاء کائنات میں منتشر نہیں ہو سکتا۔ کہ سالم وجود منتشر ہو --- ایسی صورت میں ہمہ اوست کے تصور میں اللہ کی ایک جز کا کائنات کی صورت میں تقسیم ANALYSE ہونا متصور ہوتا ہے۔ اس جز کو مخلوقی جز کے تصور میں کائنات کی ہر شے

میں پہچانا جاتا ہے لہذا جب تک کائنات کے بنیادی وجود میں نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچانا جائے کائنات کی تحقیق و فکر میں معرفت الہیٰ۔۔۔ حاصل نہیں ہو سکتی۔ بغیر اس حقیقی تصور کے ہر تحقیق بجائے حق حاصل ہونے کے شرک و گمراہی کی طرف لے جاتی ہے۔

ان فرمودات میں حضور قبلہ عالم حضرت محمد امین صاحب اویسی قریشی رحمۃ اللہ علیہ کی علمی اساس اگرچہ قرآنی دلائل پر موقوف ہے لیکن حضور قبلہ عالم کی علمی حیثیت صرف قرآنی دلائل تک محدود نہیں (اگرچہ قرآنی دلائل ہر علم پر غالب حیثیت رکھتے ہیں) گو حضور قبلہ عالم کو مغربی علوم سے مَس نہیں تھا۔۔۔ خواہ وہ مشرقی علوم ہوں یا مغربی، یونانی علوم ہوں یا عربی علوم، علم منطق ہو یا فلسفہ، علم الہیئت ہو یا سائنس۔ آپ کے دلائل کو ہر علم سے تائید حاصل تھی۔ حضور قبلہ عالم نے قرآنی نظریات کی دلیل کے ساتھ ہر علم کے اصل نظریات سے ہر کیفیت کے لئے دلائل پیش کئے ہیں کہ حضور کو علم لدنی (روحانی) عطا ہوا تھا۔ کائنات کے وجود میں اس کی تحقیق و فکر میں باطنی طور پر۔۔۔ روحانی مشاہدہ کے ساتھ ہر کیفیت کا علم و ادراک حاصل تھا۔۔۔ کہ آپ بالمشاہدہ عین الیقین۔۔۔ حق الیقین کی حد تک ہر کیفیت کی اصل حقیقت اور اس کے جملہ اجزا سے آگاہ تھے۔۔۔ کیونکہ آپ ولی اکمل کا مرتبہ رکھتے تھے۔۔۔ آپ کو معرفت الہی میں "فنا" کے ساتھ کائنات کے تمام اسرار و آثار کا مشاہدہ حاصل تھا جو ولی اور ولایت کی اصل حقیقت ہے۔ لیکن اس حال میں بھی وَالْعَجْزُ فَخْرِیْ کا دعویٰ تھا کہ آپ نے ذاتی طور اپنی کسی علو مرتبت یا خصوصیت کا اظہار نہ فرمایا۔ نہ اس خصوصیت کو اپنی ذاتی شخصیت کیلئے استعمال کیا۔ آپ نے باوجود ولی اکمل ہونے کے ایک سادہ انسان جیسی زندگی گذاری۔ اپنی تبلیغ میں سوائے اس کے کہ آپ سے ہزاروں طالبان حق نے حضوری اجلاس محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور معرفت الہی میں اکمل درجہ حاصل کیا۔ آپ نے اپنی ذاتی زندگی میں حصول دنیا میں ایک دنیادار کی حیثیت میں فہم و تدبر سے کام لیا اور ہر کاروبار میں ذاتی تدبر و عقل کو استعمال کیا بلکہ اپنے مریدوں کو بھی یہی تلقین فرماتے رہے کہ عبادتوں کو دار آخرت کے لئے وقف کرو۔ اسے حصول دنیا کے لئے خرچ نہ کرو۔ جیسا کہ قرآن اس امر کی ہدایت کرتا ہے۔

أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ (پارہ اول سورۃ ۲ آیت ۶۱)

عبادتوں کا اجر لامحدود اور عظیم بدل ہے۔۔۔ دنیا فانی۔۔۔ قلیل اور ادنیٰ ہے۔ حقیقتاً عبادات کا اجر یوم حشر پر موقوف ہے۔ اس لئے اعلےٰ جنس کو ادنیٰ جنس حاصل کرنے پر خرچ نہ کرو۔ یہ صرف بھی تَبْذِيرًا (فضول خرچی) میں شمار ہوتا ہے۔۔۔ آپ تلقین فرماتے

اللہ تعالیٰ نے حصول دنیا کے لئے دنیا میں آسانی کی خاطر حواس و عقل عطا کی ہے۔ انسان ان ہی قوتوں سے اشرف المخلوقات قرار دیا گیا ہے۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ (پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت ۹)

کی خصوصیت بیان کرنے میں یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ یہ قوتیں حصول دنیا میں آسانی اور کامیابی کے لئے عطا کی گئی ہیں۔ اس لئے حصول دنیا میں فہم و تدبر سے کام لیا کرو۔

حضور قبلہ عالمؒ خالی درویش ہی نہ تھے بلکہ دنیوی حیثیت میں بھی وسیع فہم و تدبر کے مالک تھے۔ آپ اپنے مریدوں کی مشکلات میں بہ نفس نفیس شریک ہو کر بجائے کرامات سے مشکلات حل کرنے کے فہم و تدبر سے ان کے مسائل حل کرنے میں مدد فرماتے۔۔۔ آپ نے دنیا میں رہ کر دنیا کی ہر تکلیف کو گوارا کیا اور صبر و استقلال سے برداشت کیا۔ اس تصور کے ساتھ کہ ہر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ پر توکل ایمان کی روح ہے۔ توکل کا تقاضا ہے کہ اللہ کی طرف سے ہر آزمائش کو خندہ پیشانی سے قبول کیا جائے اور اس پر صبر کیا جائے۔۔۔ حضور قبلہ عالم "صبر" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ ہر مشکل میں انسان اضطراب و بے چینی کا شکار ہوتا ہے۔ "صبر" کی صورت میں یہ تصور کرنا بہتر ہے کہ یہ مشکل رضائے الٰہی کے تابع ہے اس کی طرف سے ڈالی گئی آزمائش نتیجتاً ایک بہتر مستقبل کی ضمانت ہوتی ہے۔

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ

ہر تکلیف میں ایک بہتر مستقبل کی بشارت خود قرآن دیتا ہے۔۔۔ صبر یہ ہے۔۔۔ کہ ہر مصیبت پر دل کو اضطراب و بے چینی کے اثرات سے متاثر نہ ہونے دے۔ اس کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ انسان ذہنی پریشانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اور ہر مشکل پر قابو پانے کے لئے عقل و تدبر سے کام لینے کے لئے عقل و خرد بجائے خود الجھن میں گرفتار ہونے کے بہتر تدبیر، بہتر نتیجہ حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اصل نتیجہ اللہ تعالیٰ ایسے صابر کو شر سے نکال کر دین و دنیا کی خیر کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔

حضور قبلہ عالمؒ نے دنیا کی ہر تکلیف کو برداشت کیا اور بطریق احسن امور دنیوی کی انجام دہی میں جدوجہد کرتے رہے ایک طرف اجرائے شریعت و طریقت میں ہر لمحہ اصلاح انسانی میں جانفشانی سے جدوجہد کرتے رہے۔ دوسری طرف اپنی اور مخلوق خدا کی خیر و فلاح میں برابر شریک ہو کر محنت اٹھاتے رہے۔

حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا کو انسانیت کی مظلومی اور تنزل پر بے حد دکھ

ہوتا تھا۔ حضور حد درجہ حساس قلب رکھتے تھے۔ آپ حالات زمانہ کے مطابق انسانیت کی گمراہی و ذلت پر تاسف فرماتے کہ انسان جان بوجھ کر گمراہی کی طرف جا رہا ہے اس وجہ سے آپ کی عمر کا دور آپ کے لئے پُر مشقت اور فکر مند احساس کا دور رہا۔ یہ زمانہ آپ کے لئے بے حد محنت و مشقت کا دور تھا۔۔۔ جس کے نتیجہ میں آپ قبل از وقت ضعف و نقاہت کا شکار ہو گئے۔ ذہنی مشقت کی وجہ سے آپ حادثہ کا شکار ہو گئے۔۔۔ آپ کے دماغ کی رگ پھٹ گئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی بشارت دی تھی کہ رگ پھٹنے سے فالج نہیں گرے گا۔ مسلسل چار یوم کے علاج کے بعد آپ اٹھ بیٹھے اور جنگل کی طرف سیر کے لئے چلے گئے۔ ہمارے اصرار کے باوجود آپ نے بستر پر جانا منظور نہیں کیا اور روزمرہ کام میں لگ گئے۔ جیسے کہ کچھ ہوا ہی نہ تھا۔ مگر اس تکلیف کا اثر آپ کی آخری عمر تک موجود رہا۔

حضور کی فطری خصوصیات کے مدنظر اللہ نے آپ کو قائم مقام نائب رسول ﷺ منتخب کر کے ایک اہم اور خصوصی منصب آپ کے سپرد کیا۔ وہ منصب حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے متعلق تمام انتظام کی تکمیل آپ کے سپرد کی گئی۔ حضور قبلہ عالم نے اس منصب کو بطریق احسن پورا کیا۔ جیسا کہ گذشتہ باب میں حضرت امام مہدی علیہ السلام کے ظہور کے بیان میں ذکر ہوا۔ اور وقت آیا کہ اس منصب کی تکمیل کامل ہو گئی۔ حضور کا مشن مکمل ہو گیا۔۔۔ اور اس مشن کی نشاندہی آپ کے مریدوں کے مشاہدہ میں لائی گئی۔ اور یہ مشن (منصوبہ) قرآنی آیت کے اشارہ کے مطابق اپنی تکمیل کو پہنچا۔۔۔

اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اور اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ
النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝

ایک طرف حضور قبلہ عالمؒ کے سلسلہ اویسیہ امینیہ میں مشرق و مغرب کے طالبان حق داخل ہو کر بامراد ہو گئے۔ دوسری طرف ظہور مہدی علیہ السلام کے منصوبہ کی باطنی طور پر تکمیل ہو گئی۔۔۔ ظاہر تھا۔۔۔ یہ تکمیل آپ کی اپنے محبوں کیلئے جدائی کا پیغام لائی تھی۔ اور حضور رحمۃ اللہ علیہ نے وصال سے دو مہینے پہلے اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ اب میری عمر کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے ہیں۔ اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اگر اپنی دعا کے نتیجہ میں اپنی قبر کا مدینہ منورہ میں میری ہمسائیگی میں ہونا منظور ہے تو دو مہینے کے اندر مدینہ منورہ پہنچ جاؤ۔ مگر مریدوں کی محبت اس ارادے میں آڑے آئی۔ اور قبلہ عالم فِدَاهُ اُمِّيْ وَاَبِيْ حضرت مولانا الحاج محمد امین کشمیری، قریشی، اویسی، قادری، نقشبندی، قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ مورخہ ۱۷ ذی الحج ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء کو رات کو ۹ بج کر ۵۵

منٹ پر داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس شر کے زمانہ میں حضور قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والاصفات ایک روشن ستارہ کی مانند حق کی راہنمائی کرتی رہی۔ یہ شرف طریق اویسیہ کو حاصل ہے کہ آپ کی ذات سے دعائے اویسیہ کی قبولیت کے اظہار میں اس شر و فساد کے زمانہ میں عوام الناس کو ہدایات و معرفت حق کا سامان میسر آتا رہا۔ ہزاروں لوگ ان سے ہدایت کا راستہ پانے میں کامیاب ہو گئے۔

اس اولوالعزم ولی اکمل، صاحب علم و عمل، صاحب شریعت و صاحب طریقت، صاحب تقویٰ اور صاحب تدبر و فہم مجاہد نے اپنی تربیت ظاہری باطنی سے۔۔۔ ایسی کامل اکمل جماعت[۵] ترتیب دے کر مخلوق خدا کی راہنمائی کے لئے چھوڑ دی۔ جس کا سلسلہ دعائے اویسی اور مقام محمود کی تکمیل میں قیامت تک چلتا رہے گا۔ سلسلہ اویسیہ تاقیامت روشن طریقہ پر قائم رہے گا اور ہر زمانہ میں طالبان حق کو اس سلسلہ کا فیض میسر آتا رہے گا۔ بلاشبہ آپ کی وفات مخلوق خدا کے لئے باعث غم و اندوہ ثابت ہوئی۔ حضور قبلہ عالم کی وفات کی اندوہناک خبر سنکر مفتی رشید الدین صاحب نے بچشم پر نم فرمایا۔

"افسوس طہارت و تقویٰ کا سورج ڈوب گیا"

پروفیسر محمد طیب صاحب صدیقی ایم۔ اے۔ ایم۔ او۔ ایل نے حضور کی تاریخ وفات کو ان اشعار میں نظم کیا:۔

آں اویسی امین حق آگاہ

قطب الاقطاب بود والا جاہ

سلہ۵ ایسی ہی جماعت کا ایک فرد حاجی غلام رسول ملک تحصیل بھدرواہ کشمیر کے ایک دور دراز علاقے میں سلسلہ اویسیہ کی خدمت انجام لانے کے لیے حضور نے خود اپنے دست مبارک سے منتخب کیا۔ ماسٹر غلام رسول ملک صاحب نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا۔ جب ۱۵ سال گزرنے کے بعد خواب میں دیکھی ہوئی بزرگ ہستی سامنے آئی تو اپنے آپ کو ان کے حضور میں فروخت کردیا۔ بھدرواہ کے دور دراز جنگلوں میں سلسلہ اویسیہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اور لوگوں کو راہ حق سے روشناس کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو زیادہ ہمت عطا کرے۔ آمین۔

نائب حضرت رسولِ امین
ہا دیٔ گمرہاں نامہ سیاہ
روح پاکش بسوئے عرش پرید
در حریمِ وصال زد خرگاہ
ہژدہم بد زماہ ذی حج
بست احرام کعبۃ اللہ
فکر کردم ز سال رحلت او
ہاتف از دل کشیدہ نالہ آہ
گفت ضیغم بجوز زیب فرح
عرش پرواز بود طاب ثراہ

۱۷ ذی الحج ۱۳۸۸ھ بمطابق ۱۷ مارچ ۱۹۶۸ء

--------تمّت بالخیر--------

سند الفراغ من المدرسة الإسلامية العربية الواقعة في مرادآباد

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبي بعده وعلى آله وصحبه ومن تبعهم [illegible]

والحاوي للمحاسن والعمل الصالح والذكاء [illegible] المولوي محمد [illegible] عبد الرحمن [illegible] مظفر [illegible]

قد ورد المدرسة الإسلامية العربية الواقعة في مرادآباد [illegible]

سمع من حضرات الأساتذة [illegible] المدارس الإسلامية العربية [illegible] الفقه والأصول والمعقول والمنقول

[illegible] أجزناه بما أجازنا به مشايخنا [illegible]

[illegible]

[illegible] رضي الله عنه [illegible] التفسير والفقه والأصول بشرائطه المعتبرة عند أهل [illegible]

[illegible] وأوصيه بتقوى الله في السر والعلن [illegible]

والنصح لله ولرسوله وللمؤمنين وأن لا ينسانا في الدعاء [illegible] وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين [illegible]

[illegible] رضي الله عنه [illegible]

سنة [illegible] بعد ألف وثلاثمائة من الهجرة النبوية على صاحبها ألف ألف صلوة وسلام وتحية

ذيل الامضاء وخاتم المدرسة

بیضاوی شریف - جلالین شریف - بخاری شریف - مسلم شریف - ابو داؤد شریف

ترمذی شریف - نسائی شریف - ابن ماجہ شریف - موطا امام مالک [illegible]

نخبۃ الفکر - ہدایہ کامل - شرح وقایہ کامل - کنز الدقائق - نور الانوار - حسامی

مسلم الثبوت - شرح عقائد - شرح تہذیب - بدیع المیزان - قطبی - میر قطبی

سلم العلوم - ملا حسن - [illegible] - میبذی - شرح جامی الفیہ - شامیہ

[illegible]

عبد الرحمن [illegible]

[illegible]

[illegible]

عبد [illegible]

[illegible]

بسم الله الرحمن الرحيم   سند الفرد غ من منازل العرفان

اللهم نحمدك كما ترضى ونصلي على حبيبك وآله كما يرضى وبعد فان أخي في الدين

محمد أمين نور الله ضميره قد اشتغل سندي وعند شيخي مرشدي ووالدي واستاذي

الفاضل لدثاني العالم رباني القطب الزمان أعني محمد نور الزمان قدس سره

رموز الرحمن برحمة الزمان فقد شكر الله سعيه من منازل العرفان والكمالات

النبوة وحقيقة المحمدية ومن جميع منازل الولايه ومن الاصول والظلال

والشئون وأصول الأصول فقد وصل الى الاحدية المجردة فقد اجزته لتلقين الناس

من جميع الطرق خصوصا من الطريقة الاويسيه والقادريه والقلندريه واوصيه

بتقوى الله تعالى والاتباع الرسول الله صلى الله عليه وسلم في السر والعلانيه وان يكثر الصلوة

على النبي صلى الله عليه وآله وسلم اللهم اجعله شمسا بازغة في الدين والدنيا والآخرة

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين وصلى الله على حبيبه محمد وآله وسلم

انا الراقم

فخر زمان لتقيم غفر